تصوّف کا ایک عظیم شاہکار

جس کے تراجم دنیا بھر کی اکثر زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں

بیانُ المطلوبُ

ترجمہ اردو

کشفُ المحجوبُ

تصنیفِ لطیف

حضرت شیخ مخدوم علی ہجویری ثمّ لاہوری

المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولوی فیروز الدّین

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور	راولپنڈی	پشاور	حیدرآباد

تصوّف کا ایک عظیم شاہکار

جس کے تراجم دُنیا بھر کی اکثر زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں

بیانُ المطلوب

ترجمۂ اُردو

کشفُ المحجُوب

تصنیفِ لطیف

حضرت شیخ مخدُوم علی ہجویری ثمّ لاہوری

المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃُ اللہ علیہ

مترجمّ

مولوی فیروز الدّین رح

فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور راولپنڈی پشاور حیدر آباد کراچی

سولھویں بار — ۱۹۷۲

تعداد — ۱۰۰۰

قیمت — — ۱۵ روپے

مطبوعہ : فیروز سنز لمیٹڈ ۔ لاہور

طابع و ناشر : عبدالحمید خان

فہرست مضامین

عنوان	نمبر صفحہ
مختصر حالات زندگی جناب سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ	۱
مقدمہ	۱۳
فصل ۱ کتاب پر مصنف کا نام	۱۴
فصل ۲ استخارہ	۱۵
فصل ۳ اغراض نفسانی سے احتراز	۱۶
فصل ۴ سبب تالیف	۱۶
فصل ۵ وجہ تسمیہ	۱۷
فصل ۶ تقسیم ابواب وغیرہ	۲۰
فصل ۷ استعانت	۲۰
فصل ۸ اسرار الٰہی اور ان کے حجاب	۲۴
پہلا باب	
فصل ۱ ثبوت علم	۲۶
فصل ۲ علم کے اقسام	۲۸
فصل ۳ معرفت و شریعت	۳۰
فصل ۴ مذہب سوفسطائیہ	۳۳
فصل ۵ صوفیا کے اقوال	۳۵
دوسرا باب	
فقر	
فصل ۱ درویش کی زندگی	۳۹
فصل ۲ فقر و غنا کی فضیلت میں مشائخ کا اختلاف	۴۲
فصل ۳ فقر و غنا کے متعلق مشائخ کے اقوال	۴۷

عنوان	نمبر صفحہ
تیسرا باب	
تصوف	
فصل ۱ تصوف کے معنے	۵۳
فصل ۲ صوفیا کے نزدیک صوفی کے معنی	۶۲
فصل ۳ تصوف کے معاملات	۶۹
چوتھا باب	
فصل ۱ مرقعہ پہننے کے بیان میں	۷۳
فصل ۲ گدڑی پہننے کی شرطیں	۷۹
فصل ۳ گدڑی فقیر کی پہچان نہیں	۸۲
پانچواں باب	
فقر و صوف کی فضیلت میں اختلاف	۹۰
چھٹا باب	
فصل ۱ ملامت کی حقیقت	۹۳
فصل ۲ اسباب ملامت	۹۷
فصل ۳ شیخ ابو حمدان رحمۃ اللہ علیہ کی ملامت کی حقیقت	۱۰۰
ساتواں باب	
صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صوفیا کے امام	
فصل ۱ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۰۵
فصل ۲ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ	۱۰۸
فصل ۳ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۱۱۰
فصل ۴ حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۱۱۲

عنوان	نمبر صفحہ
آٹھواں باب	
اہل بیت رض میں سے اہل تصوف کے امام	١١٣
فصل ١: سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ	١١٤
فصل ٢: حضرت امام حسین ابن علی رض	١١٨
فصل ٣: حضرت امام زین العابدین رح	١٢٠
فصل ٤: حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ	١٢٥
فصل ٥: حضرت امام جعفر صادق رح	١٢٨
نواں باب	
حضرات اہل صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم	١٣١
دسواں باب	
تابعین رضی اللہ عنہم میں سے صوفیا کے امام	
فصل ١: حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ	١٣٣
فصل ٢: حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ	١٣٧
فصل ٣: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ	١٣٩
فصل ٤: حضرت سعید بن المسیب رض	١٤١
گیارھواں باب	
تبع تابعین میں سے صوفیا کے امام رضی اللہ عنہم	
فصل ١: حضرت حبیب عجمی رضی اللہ عنہ	١٤٣
فصل ٢: حضرت مالک بن دینار رض	١٤٤
فصل ٣: حضرت حبیب بن سلیم الراعی رض	١٤٦
فصل ٤: حضرت ابو حازم المدنی رضی اللہ عنہ	١٤٧
فصل ٥: حضرت محمد بن واسع رضی اللہ عنہ	١٤٨
فصل ٦: حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ	١٥٠

عنوان	نمبر صفحہ
فصل ٧: امام عبد اللہ بن المبارک رض	١٥٥
فصل ٨: حضرت فضیل بن عیاض رض	١٥٧
فصل ٩: حضرت ذو النون مصری رض	١٦٢
فصل ١٠: حضرت ابراہیم بن ادہم رح	١٦٦
فصل ١١: حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ	١٦٩
فصل ١٢: حضرت بایزید بسطامی رح	١٧٠
فصل ١٣: حضرت حارث بن اسد المحاسبی رضی اللہ عنہ	١٧٣
فصل ١٤: حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ	١٧٤
فصل ١٥: حضرت سری سقطی رحمہ اللہ	١٧٦
فصل ١٦: حضرت شقیق بن ابراہیم ازدی رح	١٧٧
فصل ١٧: حضرت عبد الرحمن الدارانی رح	١٧٩
فصل ١٨: حضرت معروف کرخی رح	١٨١
فصل ١٩: حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ	١٨٢
فصل ٢٠: حضرت امام شافعی رحمہ اللہ	١٨٤
فصل ٢١: حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ	١٨٥
فصل ٢٢: حضرت احمد بن الحواری رح	١٨٧
فصل ٢٣: حضرت ابو حامد احمد بن خضرویہ البلخی رحمہ اللہ	
فصل ٢٤: حضرت عسکری بن الحسین النسفی رحمہ اللہ	١٩٢
فصل ٢٥: حضرت یحییٰ بن المعاذ الرازی رح	١٩٣
فصل ٢٦: حضرت عمرو بن السالم نیشاپوری رحمہ اللہ	١٩٥

عنوان	نمبر صفحہ
تیئیسواں باب	
جود وسخا کے بیان میں	۴۶۷
چوبیسواں باب	
ساتویں پردے کے کھولنے کے بیان میں۔ روزہ کی حقیقت	۴۷۲
پچیسواں باب	
بھوک اور اس کے متعلقات	۴۷۹
چھبیسواں باب	
آٹھویں پردے کا کھولنا۔ حج	۴۸۲
ستائیسواں باب	
کشف ومجاہدہ کی حقیقت میں	۴۸۹
اٹھائیسواں باب	
نویں پردے کا کھولنا۔ صحبت اور اس کے احکام	
فصل ۱: اثبات ادب	۴۹۰
فصل ۲: صحبت کے حقوق	۵۰۰
فصل ۳: رعایت حقوق صحبت	۵۰۴
فصل ۴: آداب کی حقیقت	۵۰۷
فصل ۵: اقامت میں صحبت کے آداب	۵۰۹
فصل ۶: سفر میں آداب صحبت	۵۱۳
فصل ۷: کھانے کے آداب میں	۵۱۶
فصل ۸: چلنے کے آداب میں	۵۱۹

عنوان	نمبر صفحہ
انتیسواں باب	
سفر اور حضر میں سونے کے آداب	۵۲۱
تیسواں باب	
آداب کلام وخاموشی	۵۲۷
اکتیسواں باب	
سوال اور اس کے ترک کے آداب	۵۳۲
بتیسواں باب	
نکاح کرنے اور مجرد رہنے کے آداب	۵۳۹
تینتیسواں باب	
دسویں پردے کا کھولنا	
صوفیہ کرام کی اصطلاحات اور ان کی تشریح	۵۴۵
فصل ۱: حال ووقت	۵۴۶
فصل ۲: مقام وتمکن	۵۵۰
فصل ۳: محاضرہ ومکاشفہ	۵۵۳
فصل ۴: قبض اور بسط	۵۵۴
فصل ۵: انس وہیبت	۵۵۷
فصل ۶: قہر ولطف	۵۵۸
فصل ۷: نفی واثبات	۵۶۰
فصل ۸: مسامرہ ومحادثہ	۵۶۲
فصل ۹: علم الیقین وحق الیقین وعین الیقین	۵۶۳
فصل ۱۰: علم اور معرفت	۵۶۴
فصل ۱۱: شریعت وحقیقت	۵۶۵

عنوان	نمبر صفحہ
فصل ۱۲: اصطلاحاتِ صوفیاء کی دُوسری قسم	۵۶۶
فصل ۱۳: اصطلاحاتِ صوفیا کی تیسری قسم	۵۶۸
فصل ۱۴: اصطلاحاتِ صوفیہ کی چوتھی قسم	۵۶۹
چونتیسواں باب	
گیارھویں پردے کا کھولنا	
فصل ۱: ثبوتِ سماع	۵۷۶
فصل ۲: قرآن کا سُننا	۵۷۸
فصل ۳: شعر کے سماع میں	۵۸۶
فصل ۴: خوش آوازوں کے سُننے میں	۵۸۸
فصل ۵: سماع کے احکام میں	۵۹۳
فصل ۶: سماع کے متعلق مشائخ کے کلمات	۵۹۵
فصل ۷: سماع میں صوفیا کا اختلاف	۵۹۸
فصل ۸: سماع میں صوفیا کے مرتبے	۵۹۹
فصل ۹: سماع کے متعلق امور	۶۰۰
فصل ۱۰: ہوس انگیز اشعار سُننے کی کراہیت	۶۰۵
فصل ۱۱: وجد، وجود و تواجد اور ان کے متعلقات	۶۰۸
فصل ۱۲: سماع میں رقص	۶۱۱
فصل ۱۳: گدڑی کے بیان میں	۶۱۳
فصل ۱۴: سماع کے آداب	۶۱۵
تلخیص کشف المحجوب	۶۱۷

جنابِ سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

ابتدائی حالات

جنابِ مخدوم کا اسم گرامی علی ہے۔ آپ کا خاندان ہجویر میں رہتا تھا، جو غزنی سے بہت قریب ہونے کی وجہ سے اس کا ایک محلّہ ہی سمجھا جاتا تھا۔ غزنی افغانستان کا ایک مشہور شہر ہے۔ آپ کی پیدائش اغلباً وہیں ہوئی۔ اس کے بعد جناب کا خاندان جلّاب آگیا۔ یہ قصبہ غزنی سے ہجویر کی نسبت زیادہ قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنابِ ممدوح کو علی ہجویریؒ یا جلّابی کہتے ہیں۔ جناب کے والد ماجد کا نام بھی عثمان جلّابیؒ مشہور ہے۔ آپ حسنی سیّد ہیں۔ ذیل میں جناب کے دو نسب نامے درج کئے جاتے ہیں۔ ایک نسبی[1] اور دوسرا مشربی[2]

(ا) آپ کا نسب نامہ نو واسطوں سے جناب علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے یعنی سیّد علی بن عثمان جلّابی بن علی بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی الحسن بن حسین بن زید شہید بن حضرت امام حسنؓ شہید بن حضرت علی شہید کرم اللہ وجہہٗ۔

(ب) مشرب کے لحاظ سے آپ حضرت امام اعظم علیہ الرّحمۃ کے طریقِ حنفیہ پر تھے اور تصوّف میں آپ کا طریقہ جنّیدیہ تھا۔ یعنی سیّد علی ہجویریؒ مُرید حضرت خواجہ ابوالفضل غزنوی کے اور وہ مرید حضرت علی حصرمی کے اور وہ مرید حضرت

---

[1] نسبی یعنی خاندانی [2] مشربی سے مُراد مذہبی اور رُوحانی سلسلہ۔

شیخ شبلی کے اور وہ مرید حضرت جُنیّد بغدادی کے وہ حضرت سری سقطی کے وہ مرید حضرت معرُوف کرخی کے وہ مرید حضرت داؤد طائی کے وہ مرید حضرت حبیب عجمی کے اور وہ مرید حضرت سیّد حسن بصری کے اور وہ مرید حضرت سیّد علی المرتضےٰ شیرِ خدا کرم اللہ وجہہٗ کے اور وہ مرید جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے۔

لاہور میں تشریف آوری

لاہور میں آپ کی تشریف آوری کے متعلق یہ روایت ہے کہ آپ کے مرشد حضرت ابوالفضل غزنوی ؒ نے حکم دیا کہ آپ لاہور تشریف لے جائیں۔ اِن دنوں سلطان محمُود غزنوی کا ایک لشکر لاہور آ رہا تھا حضرت ابوالفضل ؒ نے فرمایا کہ سلطان محمود اس سے پہلے کئی مرتبہ ہندوستان پر حملہ آور ہو چکا ہے مگر ہمیشہ فتح یابی کے ساتھ واپس آ جاتا رہا ہے۔ اب کے آپ اس کے علمبردار ہو کر جائیں اور لاہور پر اسلامی جھنڈا لہرائیں۔ اس پر آپ اپنے دو پیر بھائیوں یعنی حضرت ابوسعید ؒ اور سیّد لطفی ؒ کے ہمراہ پرچم اٹھائے وارِدِ لاہور ہوئے اور شہر کے شمالی جانب دریائے راوی کے نزدیک شب بسری کے لئے ٹھہرے۔ اگلے دن صبح جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ کو ایک جنازہ ملا جو حضرت حسین زنجانی (قطبؔ[1] لاہور) کا تھا۔ آپ اپنے دونوں ساتھیوں کی معیّت میں اس جنازے کے ساتھ ہو لئے اور ادائے نماز جنازہ کے بعد اس کی تدفین میں بھی حصّہ لیا۔ شہر کے مغربی بیرونی حصّہ میں ہندوؤں کا ایک مندر تھا۔

---

[1] قطب کے معنی تو میخ کے ہیں جو کسی ایک جگہ گڑی رہے۔ مگر یہ لفظ اصطلاح میں ایک ایسی ہستی سے متعلق ہے جس کے ذمے کائنات کی تکوینی خدمات کا تعلّق ہوتا ہے۔ اس مقدّس ہستی کے ساتھ مددگار کے طور پر اور حضرات بھی ہوتے ہیں جو ابدال و اوتاد وغیرہ کہلاتے ہیں۔

جس کے پاس سے دریائے راوی گزرتا تھا۔ آپ نے اس مندر کے قریب اسلامی جھنڈا نصب کر دیا اور فرمایا کہ اب یہ جھنڈا انشاء اللہ قائم اور دیارِ لاہور پر سایہ افگن رہے گا۔ آج کل جہاں ایک پانی کا چھوٹا سا مدوّر حاقہ سنگ مرمر کا بنا ہُوا ہے جس میں خدّام روضہ مبارک ہر وقت تازہ پانی بھر دیتے ہیں۔ زائرین اس پانی کو پی بھی لیتے ہیں اور تھوڑا سا آنکھوں پر بھی مل لیتے ہیں، اسی جگہ دریا کے کنارے آپ کا قیام تھا۔

جوگی کا قبولِ اسلام

روایت ہے (جس کا کوئی تاریخی ثبوت تو ہے نہیں) کہ ایک دن ایک غریب بڑھیا تازہ دُودھ کی مٹکی لئے جا رہی تھی۔ آپ نے آواز دے کر بلایا اور کہا کہ یہ دُودھ قیمت لے کر ہمیں دے جاؤ۔ اُس نے کہا کہ یہاں سے چند قدموں کے فاصلہ پر رائے راجو جوگی رہتا ہے اور یہ دُودھ اس کو ہی پہنچایا جاتا ہے اور اگر نہ پہنچایا جائے تو جانوروں کے تھنوں سے بجائے دُودھ کے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے تبسّم فرما کر کہا کہ یہ دُودھ ہمیں دے جاؤ تو تمہاری گائے کے دُودھ میں خدا اضافہ کر دیگا۔ اس پر اس نے وہی دُودھ آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اُس میں سے بقدرِ ضرورت نوش فرما کر باقی ماندہ دریا میں پھینکوا دیا۔ بڑھیا نے گھر آ کر جب شام کے وقت دُودھ دوہنا شروع کیا تو گھر کے تمام برتن دُودھ سے بھر گئے۔ اور دُودھ ہے کہ کسی طرح تھنوں میں ختم نہیں ہوتا تھا۔ جب اس بات کی خبر اس کے ہمسایہ دیہاتیوں کو ہوئی تو دوسرے دن وہ بھی اپنی اپنی دُودھ کی مٹکیاں لے کر آپ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ آپ ہر ایک مٹکی میں سے تھوڑا سا دُودھ لے لیتے

اور باقی دریا میں پھینکوا دیتے۔ اس طرح ان سب کے مویشیوں کے دُودھ میں بھی افزائش ہوتی چلی گئی اور تمام گردو نواح سے دھڑا دھڑ دُودھ آنے لگا اور اب لوگوں نے رائے راجو جوگی کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ جب اُس کو اس بات کا علم ہوُا تو وہ آپکے پاس آیا اور کہا تم نے ہمارا دُودھ تو بند کرا دیا۔ اب کوئی اور کمال بھی دکھاؤ۔ آپ نے فرمایا میں کوئی شعبدہ گر نہیں بلکہ اللہ کا ایک عاجز بندہ ہوں۔ اگر تم میں کوئی کمال ہے تو دکھاؤ۔ چنانچہ اس نے اپنے استدراج[1] کے کئی کرشمے دکھلائے۔ جن میں سے آخری یہ تھا کہ وہ ہوا پر اُڑنے لگا۔ آپنے اپنے نعلین اس کی طرف پھینک دئے جو ہوا میں ہی اس کی کفش کاری کرتے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ وہ واپس آکر آپ کی خدمت میں پہنچا اور آپکے ہی دستِ مُبارک پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا اور آپ ہی کے ساتھ رہنے سہنے لگا۔ چنانچہ آپنے اس کو شیخ ہندی کا خطاب دیا اور اُس کی رُوحانی تربیت فرماتے رہے۔ وہ بھی آخری دم تک آپ کے نہایت ہی مخلص مُریدوں میں شامل رہا اور اب اُس کی اولاد ہی حضرت کے روضہ مُبارک کی مجاورت کر رہی ہے۔

تعمیر مسجد

مخدوم سیّد علی ہجویریؒ نے اُس مدّور حلقہ کے نزدیک جہاں آپ قیام رکھتے تھے، اپنے صرفِ خاص سے ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی جہاں آپ اور آپکے مُرید

---

[1] استدراج۔ ہندوستان کے جوگی اور عیسائی راہب جسمانی ریاضت و مجاہدات کے ذریعے جو قوت حاصل کر لیتے ہیں، اس کا مظاہرہ استدراج کہلاتا ہے اور یہ شعبدہ سے زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔

آخری دم تک نماز پڑھتے رہے۔ کچھ دنوں بعد آپ کو معلوم ہوُا کہ بعض علمائے لاہور کو آپ کی تعمیر کردہ مسجد کے سمتِ کعبہ پر اعتراض ہے۔ اس لئے آپ نے اُن سب کو ایک شام دعوت پر بُلایا اور خوُد امام بن کر نماز پڑھانے کے بعد اُن کو خطاب کیا کہ مَیں نے سُنا ہے کہ آپ کو اس مسجد کے سمتِ کعبہ پر اعتراض ہے۔ ذرا نظر اٹھا کر دیکھئے کہ سامنے کعبہ نظر آرہا ہے۔ چنانچہ سب نے بچشمِ خوُد کعبہ کو سامنے پایا اور حضرت کے کمالات کے قائل ہو گئے۔

تصنیفات

آپ نے منہاج الدّین، کشف الاسرار، کشف المحجوُب اور دیوان علی تصنیف فرمائے۔ جن میں سے منہاج الدّین اور دیوان علی تو کہیں ملتے ہی نہیں۔ کشف الاسرار اور کشف المحجوُب کے ترجموں کی سعادت حق تعالیٰ نے اس عاجز بندہ کو بخشی سلسلہ تصنیف و تالیف و تراجم میں میرا سب سے پہلا کام کشف المحجوب کا ترجمہ ہے جو بہت مقبول ہو چکا ہے۔

کتاب کے پڑھنے سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت داتا گنج بخش علیہ الرّحمۃ کے معلوُماتِ دین اور خیالاتِ تصوّف کس قدر بلند پایہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب آپ نے لاہور کی اقامت اختیار فرمائی تو محموُد غزنوی کی طرف سے ظاہری حاکمانِ لاہور اور ملتان کو ہدایت دی گئی تھی کہ وہ اہم مُعاملاتِ سلطنت میں آپ کی ہدایت کے مطابق کار فرما ہوں۔

گنج بخش کا لقب

ارباب تصوّف کا اعتقاد ہے کہ ہر ایک ملک اور قصبہ کا جس طرح حاکم ظاہری

ہؤا کرتا ہے، ویسا ہی ایک حاکمِ باطن بھی ہوتا ہے جس کو قطب کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو دربارِ رسالت سے ہندوستان کی ولایت عطا ہوئی تو حکم ہؤا کہ پہلے جا کے سیّد علی ہجویریؒ کے روضۂ مبارک پر اعتکاف کرنا اور اُن سے فیض حاصل کر کے راجپوتانہ کے صحرا میں جا کر اسلامی جھنڈا نصب کرنا۔ چنانچہ آپ خشکی کے راستہ ہندوستان میں داخل ہوئے اور لاہور پہنچ کر روضۂ مبارک کے سامنے ایک کوٹھڑی میں چالیس دن تک معتکف رہے اور جب اس چلّہ کے کاٹنے کے بعد آپ باہر نکلے تو بے ساختہ منہ سے نکلا ؎

گنج بخش فیضِ عالم مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل، کاملاں را رہنما

عام لوگ خیال کرتے ہیں کہ گنج بخش کا خطاب اس شعر سے شروع ہؤا ہے۔ حالانکہ آپ نے اپنی اس تصنیف کشف الاسرار میں لکھا ہے "اے علی! تجھے خلقت گنج بخش کہتی ہے اور تو ایک دانہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس بات کا خیال (کہ مخلوق تجھے گنج بخش کہتی ہے) ہرگز دل میں نہ لا۔ ورنہ محض دعوٰی اور غرور ہو گا۔ گنج بخش یعنی خزانہ بخشنے پر قادر تو وہی ذاتِ پاک ہے۔ اُس کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ ورنہ تیری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ بے شک وہ اکیلا خُدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔" اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس وقت کے عوام بھی آپ کو اسی لقب سے یاد کرتے تھے۔

وصال اور مزارِ مُبارک

چار سو پینسٹھ ہجری (۱) کے صفر کی انیسویں تاریخ کو آپ کا وصال ہؤا اور اُس

---

(۱) "سردارِ مردان" اور "زیورِ لاہور" آپ کی وفات کے تاریخی مادے ہیں جن سے سن ہجری ۴۶۵ھ نکلتا ہے۔

مدوّر حلقہ کے پاس آپ کے جسدِ مبارک[1] کو پیوندِ خاک کیا گیا۔ دونوں پیر بھائیوں کی قبریں بھی آپ کے دائیں بائیں اسی گنبد میں بنائی گئیں۔ راؤ شیخ ہندو کی قبر روضہ مبارک کے باہر بجانب شرق بنائی گئی۔

اس عمارت کی تعمیر بار بار ہوتی رہی۔ چنانچہ حال ہی میں اس عاجز نے روضہ مُبارک کا گنبد سبز روغنی ٹائلوں اور اس کا تمام بالائی گرداگرد چوطرفہ چھجوں تک سنگِ مرمر کے ریزوں اور سیمنٹ وغیرہ سے بنوایا اور ہشت پہلو گنبد کے ہر طرف بجائے چوبی جالیوں کے سنگِ مرمر کی جالیاں لگوا دیں۔ جانب غرب جو عالی شان مسجد اب دکھائی دیتی ہے وہ میاں غلام رسُول مرحوم امرتسری ٹھیکہ دار کٹھ نے بصرفِ کثیر بنوائی اور سابقہ احاطۂ مسجد کے ساتھ بڑی وسیع جامع مسجد تعمیر کرا دی۔ میاں غلام رسول مرحوم کی قبر ان کی زندگی ہی میں اعتکاف خانہ خواجہ معین الدّین چشتیؒ کے جنوب میں اس چبوترہ پر تیار ہوئی جو خواجہ صاحب کے اعتکاف خانہ سے لے کر

[1] مستند تواریخ کی رُو سے آپ کا مزار فصیلِ شہر سے چند گز کے فاصلے پر جنوب مغرب کی طرف واقع ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی تشریف آوری کے وقت یہاں ایک گھاٹ تھا جسے عبور کر کے آپ دریا کے اس پار تشریف لائے اور وہیں لبِ دریا قیام فرما کر تبلیغ و اشاعت میں مشغول رہے اور جب وصال فرمایا تو وہیں دفن ہوئے۔ (رضی اللہ عنہ)

بعض اربابِ تحقیق کہتے ہیں کہ علی نام کے دو بزرگ غزنی سے لاہور تشریف لائے تھے۔ ان میں سے ایک قلعہ لاہور کے اندر یا فصیل کے ساتھ ہی کہیں دفن ہوئے۔ جس کا اتہ پتہ اب کچھ نہیں ملتا اور دوسرے یہی صاحب کشف المحجوب حضرت علی ہجویریؒ ہیں جو بھاٹی دروازے سے باہر آرام فرما رہے ہیں اور جن کے مزار پُر انوار پر جناب سلطان الہند اجمیریؒ اور جناب بابا فرید گنج شکرؒ (اکتسابِ) فیض کے لئے حاضر ہوئے تھے اور جو اب مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

(ناشر)

ڈیوڑھی تک جاتا ہے اور کئی مجاوروں کی نشست گاہ ہے۔ روضہ مبارک کے چاروں طرف دالان بنے ہوئے ہیں جو عُرس کے دنوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔ جانبِ شمال جو دالان ہے اُس کے ایک کمرے میں بڑے بڑے تاریخی کلام مجید کے قلمی اور چھاپہ شدہ نسخے موجُود ہیں جن پر سینکڑوں آدمی ہر روز تلاوت کرتے ہیں۔ روضہ مبارک اور اُس کے متعلّقہ عمارات کی کرسی عام سطح زمین سے بقدر دس فٹ اُونچی ہے۔ اس عمارت کی کرسی کے چاروں طرف حجرے اور دالان بنے ہوئے ہیں اور بعض میں متقدّمین خاص کی قبریں بھی موجُود ہیں۔ اپنی بنائی ہوئی قبر میں میاں غلام رسُول مرحوم کو دفن کیا گیا۔ اس عاجز[1] کو بھی بلحاظِ عقیدت روضہ مبارک اور مسجد کے شمالی دروازے کے باہر قبر کے لئے جگہ عطا ہوئی ہے، جہاں میرے نام کا کتبہ لگا ہوُا ہے۔ حق تعالیٰ حضرت کی بلند ہستی کے قرب کی شرم رکھ کر اس عاجز پر بھی رحم فرمائے۔

فیروز الدّین غفرلہٗ

[1] اللہ تعالیٰ نے مترجم کو اسی جگہ دفن ہونے کی سعادت عطا فرمائی۔ (ناشر)

مُقدّمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

حمد و نعت:

رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَشَفَ لِاَوْلِیَائِهٖ بِبَوَاطِنِ مَلَکُوْتِهٖ وَ قَشَعَ لِاَصْفِیَائِهٖ سَرَائِرَ جَبَرُوْتِهٖ وَ اَرَاقَ دَمَ الْمُحِبِّیْنَ بِسَیْفِ جَلَالِهٖ وَ اَذَاقَ سِرَّ الْعَارِفِیْنَ رَوْحَ وِصَالِهٖ هُوَ الْمُحْیِیْ لِمَوَاتِ الْقُلُوْبِ بِاَنْوَارِ اِدْرَاکِ صَمَدِیَّتِهٖ وَکِبْرِیَائِهٖ وَ الْمُنْعِشُ لَهَا بِرَائِحَةِ رَوْحِ الْمَعْرِفَةِ بِنَشْرِ اَسْمَائِهٖ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَ اَصْحَابِهٖ وَ اَزْوَاجِهٖ وَ اَهْلِ بَیْتِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی جناب سے رحمت اور ہمارے کام میں ہمیں ہدایت عطا فرما۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے دوستوں کے لئے عالمِ ملکوت اور اپنے برگزیدہ بندوں کے لئے عالمِ جبروت کے بھید ظاہر فرمائے اور اپنے عاشقوں کا خون اپنے جلال کی تلوار سے بہایا۔ اور اپنے عارفوں کے دل کو اپنے وصال کی خوشی کا مزا چکھایا۔ وہی اپنی بے نیازی اور کبریائی کے انوار سے دلوں کی مُردہ زمین کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور اسے اپنے ناموں اور معرفت کی رُوح پرور خوشبو سے نشو ونما دینے والا ہے۔ اور اُس کے رسُول حضرت محمّد صلے اللہ علیہ وسلّم اور آپ کی آل اور اصحاب اور

ازواج اور اہلِ بیت سب پر اللہ کی رحمت ہو۔

شیخ علی بن عثمان بن ابی الحسن علی جلابی ثم الہجویری رضی اللہ عنہ عرض پرداز ہے۔ کہ میں نے استخارہ کیا اور ان اغراض کو جو نفس[1] میں پھرتی تھیں دل سے دور کر دیا اور تمہاری درخواست کے مطابق (اللہ تمہیں نیک بخت کرے) کام کرنے کے لئے مستعد ہو گیا۔ اور اس کتاب سے تمہاری مراد بر لانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور اس کتاب کا نام کشف المحجوب رکھا جس سے تمہارا مقصود واضح ہو گیا۔ اور اس کتاب میں تمہارے مقصد سے تعلق رکھنے والی باتیں کئی ابواب میں منقسم ہو گئیں۔ اور میں اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق مانگتا ہوں۔ اور اپنے قول اور فعل میں اپنی ہی طاقت اور قوت سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ اور توفیق و مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

پہلی فصل

کتاب پر مصنف کا نام:

میں نے جو کتاب کی ابتداء میں اپنا نام لکھا ہے۔ اس سے دو چیزیں مقصود ہیں ایک خاص لوگوں کا حصہ ہے۔ اور دوسری بات عام لوگوں کا حصہ ہے۔ جو عام لوگوں کا حصہ ہے وہ تو یہ ہے کہ جب اس علم سے ناواقف لوگ نئی کتاب دیکھتے ہیں۔ جس میں جا بجا مصنف کا نام لکھا ہوا نہ ہو تو اس کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں۔ جس سے مصنف کا مقصود پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ کتاب کی تصنیف و تالیف اور جمع کرنے سے مصنف کا اس کے سوا اور کوئی مقصود نہیں ہوتا۔ کہ اس کتاب سے مصنف کا نام زندہ رہے اور پڑھنے والے اور تعلیم پانے والے لوگ اس کے لئے نیک دعا کرتے رہیں کیونکہ مجھے یہ حادثہ دو دفعہ پیش آیا ہے۔ ایک دفعہ یہ کہ ایک شخص نے میرے اشعار کا دیوان مجھ سے مانگ کر لیا اور اصل نسخہ اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس نے سب کو الٹ پلٹ کر دیا

---

[1] نفس ناطقہ۔ اس کی تین مختلف قسمیں ہیں۔ ایک نیکی کی طرف ابھارتی ہے اس کو نفس ملکی یا نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ دوسری قوت برائی کی طرف رغبت دلاتی ہے۔ اس کو نفس امارہ کہتے ہیں۔ تیسری قوت غصہ لاتی ہے اس کو قوت غضبی یا نفس سبعی کہتے ہیں۔ یہاں مصنف کی مراد نفس امارہ اور نفس غضبی ہے

اور میرا نام اس کے شروع سے اڑا دیا اور میری محنت ضائع کر دی اللہ اُس پر رحم کرے دُوسرا یہ کہ میں نے تصوف کے طریق میں (خُدا اُس کو آباد رکھے) ایک کتاب تالیف کی اُس کا نام منہاج الدین رکھا۔ ایک ذلیل مدعی نے کہ جس کا نام کہنے کے لائق نہیں میرا نام اُس کتاب پر سے اُڑا دیا اور عام لوگوں کے سامنے ایسا ظاہر کیا کہ وہ کتاب خود اُس نے تصنیف کی ہے، اگرچہ خاص لوگ اُس کی بات پر ہنستے رہے۔ یہاں تک کہ انجام بے برکتی کی وجہ سے اس حد تک پہنچا کہ اللہ تعالےٰ نے اُس کا نام طالبانِ درگاہ الٰہی کے دیوان ہی سے خارج کر دیا۔ یعنی جو بات خوبی کا حصہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب وہ ایک کتاب دیکھیں گے۔ اور اُن کو معلوم ہوگا۔ کہ اس کا مؤلف اس فن اور اس علم کا عالم اور محقق گزرا ہے۔ تو اُس کے حقوق کی رعایت اچھی طرح سے کریں گے۔ اور اس کے پڑھنے اور یاد کرنے میں زیادہ کوشش کریں گے۔ اور مصنف اور پڑھنے والے کا مقصود اس سے اچھی طرح حاصل ہوگا۔

دُوسری فصل

استخارہ:

اور یہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ میں نے استخارہ کیا۔ اس سے مراد اللہ تعالےٰ کے آداب کی نگاہداشت ہے جس کا اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروں کو اُس نے حکم دیا ہے اور کہا ہے۔ فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ترجمہ (جب تو قرآن پڑھنے لگے۔ تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو) اور استعاذہ (شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا) و استعانت (ہر بات میں اللہ کی مدد چاہنا) و استخارہ (اللہ سے طلب خیر کرنا) سب کے معنی طلب خیر اور اپنے تمام کاموں کو خُدا تعالیٰ کے سپرد کرنا اور طرح طرح کی آفتوں سے نجات پانا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جس طرح قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اسی طرح استخارہ کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ پس جب بندہ جانتا ہے کہ تمام امور کی بہتری اس کے کسب اور اُس کی تدبیر پر موقوف نہیں کیوں کہ بندوں کی بہتری کو خُدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور جو بھلائی اور بُرائی بندہ کو پہنچتی ہے وہ مقدر ہے۔ پس لامحالہ قضائے الٰہی کو تسلیم کر لینے اور اس

سے مدد مانگنے کے سوائے چارہ کار اور کیا ہو سکتا ہے (تاکہ وہ نفسِ امّارہ کی شرارت و سرکشی سے بندے کو ہر حالت میں محفوظ رکھے) اور اُس کی بہبودی و بہتری اُس کو عطا فرمائے۔ اِس لئے ضروری ہے کہ تمام کاموں میں بندہ اللہ سے استخارہ کیا کرے تاکہ وہ اُس کو خطا و غلل اور آفت سے محفوظ رکھے۔

تیسری فصل

اغراضِ نفسانی سے اعراض:

اور یہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ وہ اغراض جو نفس سے متعلق ہیں۔ میں نے اُن کو دل سے نکال دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس کام میں غرضِ نفسانی ہوتی ہے اُس سے برکت اُٹھ جاتی ہے۔ اور دل صراطِ مستقیم سے ہٹ کر ٹیڑھے اور غلط راستہ پر لگ جاتا ہے۔ اور پھر وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتا۔ یا تو اُس کی غرض پوری ہوگی یا نہیں ہوگی۔ اگر اُس کی غرض پوری ہوگی تو بھی اُس میں اُس کی ہلاکت ہے کیونکہ دوزخ کے دروازہ کی کنجی سوائے نفس کی مُراد حاصل ہونے کے اور کوئی نہیں۔ اور اگر اس کی غرض پوری نہ ہوگی۔ تو ایسی صورت میں چاہیئے۔ کہ غرض پہلے ہی دل سے نکال دی جائے کہ اس کی نجات کا سبب ہو۔ کیونکہ بہشت کے دروازہ کی کنجی سوائے نفس کو اپنی اغراض سے روکنے کے اور کوئی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ترجمہ (اور جس نے اپنے نفس کو اپنی خواہشات سے روکا بلاشبہ اُس کا ٹھکانا جنت ہے) اور امور میں اغراض نفسانی یہ ہوتی ہیں۔ کہ بندہ جو کام کرتا ہے۔ اُس میں خوشنودئ الٰہی کے سوا اور بھی کچھ مطلوب ہو۔ اور عذابِ الٰہی سے اپنے نفس کی نجات طلب نہ کرے۔ اور تمام سرکشیوں میں نفس کے لئے کوئی حد ظاہر نہیں ہوتی۔ اور اس میں اس کی فریب کاریاں بھی ظاہر نہیں ہوتیں۔ اور اس کتاب میں اس کے متعلق اپنی جگہ پر انشاء اللہ ایک مستقل باب لکھا جائے گا۔

چوتھی فصل

سببِ تالیف:

یہ جو میں نے کہا کہ تمہاری درخواست کے مطابق میں مستعد ہو گیا۔ اور اس کتاب

سے تمہارا مقصود پُورا کرنے کے لئے پختہ ارادہ کرلیا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ تُم نے مجھے سوال کے قابل سمجھا۔ اور اپنے واقعہ کے متعلق مجھ سے پُوچھا۔ اور اس کتاب کے تالیف کرنے کی مجھ سے درخواست کی اور تمہارا مطلب اس سے فائدہ حاصل کرنا تھا۔ لہٰذا ضرورتاً تمہارے سوال کا حق ادا کرنا (جواب دینا) مجھ پر واجب ہوگیا اور چونکہ فوراً تمہارے سوال کا پُورا پُورا حق ادا نہ ہوسکتا تھا۔ اِس لئے اِرادہ اور نیّت پختہ ہونی چاہیئے۔ کہ میں اس کو پُورا پُورا ادا کروں گا تاکہ اس کتاب کی ابتدا اور اس سوال کے پُورا کرنے کی نیّت کی حالت میں اس کے حکم اور جواب کو واجبی طور پر ادا کرسکوں۔ اور بندے کا ارادہ جب عمل کے شروع میں نیّت سے وابستہ ہو۔ تو اگرچہ اس کام کے کرنے میں کوئی کمی بھی رہ جائے وہ بندہ اس پر معذور ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ پیغمبر علیہ السّلام نے فرمایا نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ۔ ترجمہ (یعنی کام کے شروع میں مومن کی فقط نیّت اس کے اس کام سے بہتر ہے جسے وہ نیّت کے بغیر سرانجام دے) اور نیّت کو کاموں میں بڑا بھاری دخل ہے اور اس پر سچّی دلیل موجود ہے۔ کیونکہ بندہ ایک ہی نیّت سے ایک حکم سے دُوسرے حکم میں ہوجاتا ہے۔ حالانکہ اُس کے ظاہر پر کوئی اثر نمودار نہیں ہوتا۔ چنانچہ کچھ مُدّت اگر روزہ کی نیّت کئے بغیر کوئی شخص بھوکا رہے تو اُس کو اس کا کوئی ثواب نہیں ہوگا۔ اور جب وہ روزہ کی نیّت کرے گا تو مقربانِ الٰہی میں سے شمار ہوجائے گا۔ اور اس کے ظاہر پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اور ایسا ہی جب کوئی مُسافر شہر میں آکر کچھ مُدّت رہے جب تک وہ قیام کی نیت نہ کرے گا مقیم شمار نہ ہوگا۔ اور جب اقامت کی نیّت کرے گا تو مقیم سمجھا جائے گا۔ اور اسی قسم کے بہت سے امور ہیں کہ نیّت کے بغیر اُن کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ پس نیک اعمال کی نیّت عمل کے شروع میں کرنا ضروری ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

پانچویں فصل

وجہ تسمیہ:

یہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ میں نے اِس کتاب کا نام کَشْفُ الْمَحْجُوْب رکھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب کا نام ہی اس کے تمام مضامین و مطالب کی گواہی دے خصوصاً اصحاب بصیرت جب کتاب کا نام سنیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اس کتاب کا مقصد و موضوع کیا ہے اور یہ بھی واضح رہے۔ کہ اولیاء اللہ اور عزیزان درگاہ الہٰی کے سوا سب اہلِ عالم امرِ حق کی تحقیق کی رمز سے بالکل پردہ میں ہیں۔ اور چونکہ یہ کتاب راہِ حق کے بیان کرنے اور امرِ حق کی شرح اور بشریت کے پردوں کے کھولنے میں لکھی گئی ہے۔ اِس لئے اس نام کے سوا کوئی دُوسرا نام اس کے لئے مناسب نہ تھا۔ اور حقیقت میں حجاب کا کھولنا محجوب کی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ حجاب مکشوف کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے۔ یعنی جیسے نزدیک دُوری کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ ویسے ہی دُور نزدیکی کی تاب نہیں لا سکتا۔ جس طرح وہ جانور جو سرکہ میں سے پیدا ہوتا ہے۔ دُوسری چیز میں جب وہ گرتا ہے تو مر جاتا ہے۔ اور وہ جو دُوسری چیزوں سے پیدا ہوتا ہے وہ سرکہ میں پڑ کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور طریقِ حقیقت پر چلنا اس کے سوا جو اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے دُوسرے کے لئے دشوار ہے۔ چنانچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ ۔ ترجمہ (ہر شخص کے لئے وہ کام آسان کیا گیا ہے۔ جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے) اور خدا تعالےٰ نے ہر شخص کو ایک چیز کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اور اُس کے حصول کا طریقہ اُس کے لئے آسان کر دیا ہے ؛

لیکن حجاب دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک حجاب رَینی[1] (ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں) اور یہ حجاب ہرگز نہیں اُٹھ سکتا۔ اور دُوسرا حجاب غینی[2] اور یہ جلدی اُٹھ جاتا ہے اور اُس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض انسان ایسے ہوتے ہیں۔ کہ اُن کی "ذات" حق کا حجاب ہوتی ہے۔ حتےٰ کہ اُن کے نزدیک حق و باطل دونوں مساوی ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے اِنسان ہوتے ہیں۔ کہ اُن کی صفت حق کا حجاب

---

[1] رَین عربی میں زنگ کو کہتے ہیں۔ مُراد طبعی اور پیدائشی [2] غین۔ تاریکی کو کہتے ہیں اور یہاں مُراد عارضی اور طبعی ہے ؛

ہوتی ہے۔ اور اُن کی طبیعت ہمیشہ حق کی تلاش میں اور باطل سے گریزاں رہتی ہے۔ پس ذاتی حجاب جس سے مُراد حجاب رینی ہے وہ ہرگز نہیں اُٹھ سکتا اور عربی میں رین وختم[1] وطبع[2] سب کے ایک معنی ہیں۔ چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔ کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ ترجمہ (ہرگز ایسا نہیں۔ بلکہ جو بُرے اعمال کرتے تھے وہ اُن کے دلوں پر زنگ لگ گیا ہے) پھر اُس کا حکم ظاہر کر کے فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ ترجمہ (بلاشبہ وہ لوگ جو کافر ہیں اِن کے لئے برابر ہے خواہ آپ اُن کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے) اس کے بعد اس کی علت بیان فرمائی۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ۔ ترجمہ (اللہ نے مہر کر دی اُن کے دلوں اور کانوں پر) اور نیز فرمایا۔ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔ ترجمہ (مہر لگا دی اللہ نے اُن کے دلوں پر) اور حجاب صفتی جس سے مُراد حجاب غینی ہے۔ وہ کبھی کبھی اُٹھ سکتا ہے کیونکہ ذات کی تبدیلی نادر و بدیع کے حکم میں ہے اور نادر غیر ممکن ہوتا ہے۔ لیکن صفت کی تبدیلی جیسا کہ مشاہدہ ہے جائز ہے۔

مشائخ صوفیہ نے رین اور غین کے معنی میں لطیف اشارہ بیان فرمایا ہے چنانچہ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں۔ اَلرَّيْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْمُوْطِنَاتِ وَالْغَيْنُ مِنْ جُمْلَةِ الْخَطَرَاتِ۔ ترجمہ (یعنی زنگ مستقل اور پائیدار چیزوں میں سے ہے اور تاریکی عارضی وسوسوں میں سے ہے) وطن پائیدار اور خطر عارضی ہے۔ چنانچہ کسی پتھر سے آئینہ نہیں بنا سکتے۔ اگرچہ بہت صیقل کرنے والے جمع ہو جائیں لیکن جب آئینہ کو زنگ لگ جائے۔ تو صیقل کرنے سے بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پتھر میں تاریکی اصلی اور آئینہ میں روشنی اصلی ہوتی ہے اور اصلی پائیدار ہوتی ہے۔ اور عارضی صفت کو بقا نہیں۔ پس میں نے یہ کتاب اِس لئے تصنیف کی ہے کہ یہ اُن دلوں کو صیقل کرے۔ جو تاریکی کے پردے

---

[1] مہر لگانا۔ مُراد استعداد کا سلب کر لینا۔ [2] طبع کے معنی ہیں چھاپہ لگانا۔ مہر لگانا۔

میں گرفتار ہیں لیکن نورِ حق کا سرمایہ اُن کے دل میں موجود ہے۔ تاکہ اس کتاب کے پڑھنے کی برکت سے تاریکی کا وہ حجاب اُن کے دلوں سے اُٹھ جائے۔ اور حقیقتِ معنی کی طرف راہ پا جائیں۔ اور وہ لوگ جن کے وجود کا خمیر ہی آیہ حق کا انکار اور باطل کا اقرار ہے وہ دلائل و شواہد کے با وجود حق کی طرف راہ نہیں پاتے۔ لہٰذا اُن کو اس کتاب سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا (اور عرفانِ الٰہی کی نعمت پر اللہ کا شکر ہے)۔

چھٹی فصل

تقسیم ابواب وغیرہ:

لیکن جو میں نے کہا ہے۔ کہ تمہارا مقصود واضح ہو گیا اور تمہاری غرض سے تعلق رکھنے والی باتیں کئی اجزاء میں تقسیم ہو گئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب تک سائل کا مقصود معلوم نہ ہو اس کا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ سوال مشکل امر کے متعلق کیا کرتے ہیں۔ اور جب جواب کے ذریعہ سے امرِ مشکل حل نہ ہو جائے۔ تو وہ فائدہ مند نہیں ہوتا۔ اور امرِ مشکل کا حل اُس امرِ مشکل کے پہچاننے کے بغیر ناممکن ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ تمہاری غرض سے متعلقہ امور کئی اجزاء میں تقسیم ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب سوال جملہ امور پر حاوی ہو تو جواب بھی جملہ امور پہ مشتمل ہونا چاہیئے۔ تاکہ سائل اپنے سوال کے تمام درجوں اور حالات اور اُن کے جوابات کو اچھی طرح جان لے اور پھر مُبتدی کے لئے اس کے اقسام اور حدود کو بتفصیل بیان کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ خصوصاً تمہاری غرض (خدا تمہیں نیک کرے) کا تقاضا یہی ہے۔ کہ میں اُسے بالتفصیل بیان کروں اور تمہارے سوال کے جواب میں ایک کتاب تیار کروں (اور توفیق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے)۔

ساتویں فصل

استعانت:

اور یہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ میں خدا تعالےٰ سے توفیق اور اعانت چاہتا ہوں اس سے مُراد یہ ہے۔ کہ بندہ کا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ جو نیک کاموں میں اُس کی مدد و نصرت کرے۔ اور زیادہ کی توفیق بخشے۔ اور توفیق کے معنے نیک

اعمال میں بندہ کے فعل کے ساتھ تائیدِ الٰہی کی موافقت ہے۔ اور کتاب سنّتِ نبوی توفیق الٰہی کی صحت پر ناطق ہے اور تمام امّت کا اسی پر اجماع ہے سوائے معتزلہ و قدریہ جماعت کے جو لفظ توفیق کو مہمل اور تمام معانی سے خالی سمجھتے ہیں۔ اور مشائخ طریقت نے کہا ہے۔ کہ اَلتَّوْفِیْقُ ھُوَ الْقُدْرَۃُ عَلَی الطَّاعَۃِ عِنْدَ الْاِسْتِعْمَالِ ترجمہ (یعنی توفیق عمل کے وقت فرمانبرداری کی طاقت ہے) جب بندہ خدا کا فرمانبردار ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو پہلے سے زیادہ قوت اور طاقت ملتی ہے اور جملہ حالات میں انسان کی تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کے مخلوق ہیں پس اس قوت کو جس کے ذریعہ انسان اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ توفیق الٰہی کہتے ہیں۔ اور یہ کتاب اس مسئلہ کے بیان کرنے کا محل نہیں ہے۔ بلکہ اس سے اور چیز (تصوف) کا بیان کرنا مقصود ہے۔

اور اب میں تمہارا اصل مقصود بیان کرنے کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور یہ شرط ذریں کہ اس کے متعلق کچھ کہوں۔ تمہارا سوال بعینہٖ درج کرتا ہوں۔ اور اسی سے کتاب شروع کرتا ہوں (اور توفیق اللہ کے فضل سے ہے)۔

سوال کی صورت

سائل ابوسعید ہجویری نے سوال کیا۔ کہ آپ میرے لئے طریقت و تصوف کی حقیقت، اہلِ تصوف کے مقامات، ان کے مذاہب، اقوال اور رموز و اشارات اور اللہ کی محبت اور دلوں پر اس کے ظاہر ہونے کی کیفیت، اس کی ماہیّت کی دریافت سے انسانی عقول کے حجاب کا سبب، اس کی حقیقت سے نفسِ امّارہ کی نفرت اور برگزیدگی اور پاکیزگی سے روح کا آرام، اور دوسرے جو امور اس سے متعلق ہیں ان سب کا بیان کیجئے۔

مسئول یعنی علی بن عثمان جلابی (خود مصنف علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے اللہ ان کو اس کی توفیق دے۔ اس سوال کا جواب دیا۔ کہ آپ پر واضح رہے کہ ہمارے اس زمانہ میں یہ علم طریقت در اصل مٹ چکا ہے۔ خصوصاً ہمارے اس ملک میں کہ سب خواہشات نفسانی میں مستغرق اور رضائے الٰہی کے راستہ سے روگرداں ہیں اور زمانہ کے علماء اور وقت کے مدعیوں کے لئے اس طریقت

کہ خلاف ایک اور صورت پیدا ہو گئی ہے۔ پس اس چیز (طریقت) کے حصول کے لئے ہمت دکھاؤ کہ خاصانِ درگاہِ الٰہی کے سوا تمام اہلِ زمانہ کا ہاتھ اس کے حصول سے کوتاہ ہے اور تمام اہلِ ارادت کی مراد اس سے منقطع ہو چکی ہے اور جملہ اہلِ معرفت کی عزت انہی کے وجود سے برطرف کر دی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے چند خاص بندوں کے سوا سب عوام و خواص نے (اس کی حقیقت کو چھوڑ کر) صرف اس کی عبارت پر اکتفا کر لیا ہے۔ اور جان و دل سے اس کے حجاب کے خریدار بن گئے ہیں اور کامِ تحقیق سے نکل کر تقلید میں پڑ گیا ہے۔ چنانچہ امرِ حق کی تحقیق نے ان سے اپنا رستہ چھپا لیا ہے۔ پس تمام لوگ اس بات پر کفایت کرتے ہیں۔ کہ ہم حق کو پہچانتے ہیں۔ اور خاص لوگ اس پر خوش ہیں۔ کہ وہ اپنے دلوں میں اس کی تمنا، نفس[1] میں احساس اور سینہ میں اس (علمِ طریقت) کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ اور مشغلہ کے طور پر کہتے ہیں۔ کہ یہ دیدار (الٰہی) کا شوق اور محبت کی سوزش ہے اور تصوف کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے اپنے دعوے کے باوجود تمام حقائق کی دریافت کرنے سے قاصر رہ گئے ہیں اور مریدوں نے مجاہدہ سے ہاتھ اٹھا کر اپنے ظنِ فاسد کا نام مشاہدہ رکھ لیا۔ اور میں نے اس سے پہلے بھی اس فن (طریقت و تصوف) میں کئی کتابیں لکھی تھیں جو سب ضائع ہو گئی ہیں۔ اور تصوف کا جھوٹے دعوے کرنے والوں نے ان میں سے بعض باتیں لوگوں کو پھانسنے کے لئے چن لیں اور باقی کو دھو کر صاف کر دیا کیونکہ جس کے دل پر مہر لگی ہے اس کے خیال میں حسد و انکار کا شر بھی نعمتِ خداداد ہوتا ہے اور ایک دوسرے گروہ نے ان باقی حصوں کو دھو کر مٹایا تو نہیں لیکن انہیں پڑھا بھی نہیں۔ اور ایک اور گروہ نے ان عبارات کو پڑھا لیکن مطلب نہ سمجھے۔ اور صرف اس کی عبارت پر اکتفا کیا۔ تاکہ اس کو لکھ کر یاد کر لیں اور یوں کہیں کہ ہم تصوف و معرفت کا علم بیان کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ عین تاریکی میں ہیں۔ یہ سب اس لئے ہوا ہے کہ علمِ طریقت کے حقائق سرخ گندھک کی مانند ہیں۔ جو بالکل کمیاب ہوتی ہے۔ اور جب اس کو پا لیتے ہیں تو وہی کیمیا ہوتا ہے۔ اور اس کا ایک دانگ (بقدر ڈیڑھ رتی تقریباً) وزنی پتھر بہت سے تانبے اور کانسی کو سونا بنا دیتا ہے

[1] نفس سے یہاں دل مراد ہے۔

الغرض ہر شخص وہی دوا طلب کرتا ہے۔ جو اُس کے درد کے موافق ہو۔ اور اُس کے سوا کوئی اور دوا اُسے درکار نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

فَكُلُّ مَنْ فِي فُؤَادِهِ وَجَعٌ
يَطْلُبُ شَيْئًا يُوَافِقُ الْوَجَعَا

ترجمہ (پس جس کے دل میں کوئی درد ہے۔ وہ ایسی چیز تلاش کرتا ہے۔ جو اُس کے درد کے موافق ہو) جس شخص کی بیماری کا علاج ادنےٰ درجہ کی چیزیں ہوں اُسے موتی اور مروارید نہیں چاہیئے۔ کہ اس میں شہد اور دواء المسک ملائیں۔ اور یہ علم (طریقت) زیادہ عزیز (اور کمیاب) اس لئے ہے کہ ہر شخص کو اس سے حصّہ نہیں ملتا اور اس سے پہلے اس علم سے جاہل لوگوں نے مشائخ طریقت کی کتابوں سے یہی سلوک کیا ہے۔ جب اسرارِ الٰہی کے وہ خزانے اُن کے ہاتھ لگے تو انھوں نے اُس کا مطلب نہ سمجھ کر انہیں جاہل کلاہ دوزوں اور ناپاک جلد سازوں کے حوالہ کر دیا۔ تاکہ وہ اُنہیں کُلاہ کا استر اور ابونواس وغیرہ (شراب نوش) شاعروں کے دیوانوں اور ابو عثمان عمر بن بحر الملقب بہ جاحظ مغربی (صاحبِ تصانیف کثیرہ) کے خرافات کی طرح جلدبندی کریں اور بلاشبہ جب شاہی باز کسی بڑھیا کے مکان کی دیوار پر جا بیٹھتا ہے تو اُس کے پر اور بازو کاٹ ڈالتے ہیں۔ اور خدائے عزّوجل نے ہمیں ایسے زمانہ میں پیدا فرمایا کہ جس کے لوگ خواہشاتِ نفسانی کا نام شریعت اور طلبِ جاہ و ریاست و تکبّر کا نام عزّت و علم اور خلقِ خدا سے ریاکاری کا نام خوفِ الٰہی اور دل میں کینہ چھپا رکھنے کا نام حلم۔ اور فضول جھگڑے کا نام مناظرہ اور آپس میں لڑنے جھگڑنے اور نادانی کا نام بزرگی اور منافقت کا زہد اور جھوٹی آرزو کا نام ارادت اور طبیعت کے ہذیان کا نام معرفت اور دلی حرکتوں اور نفسانی وسوسوں کا نام محبتِ الٰہی اور کجروی کا نام فقر اور انکارِ حق کا برگزیدگی اور بے دینی کا فنا اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ترک کرنے کا طریقت۔ اور اہلِ زمانہ کی آفت کا مجاہدہ نام رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ معارفِ الٰہی کے جاننے والے اس جہان سے بالکل الگ ہو گئے ہیں۔ اور اہلِ دُنیا نے غلبہ پا لیا ہے۔ چنانچہ اسلام کی پہلی ابتری کے وقت کا نقشہ جبکہ اہلِ بیتِ رسول صلعم پر آلِ مروان نے غلبہ حاصل کر لیا تھا

اہلِ حقائق کے بادشاہ تصوف و طریقت کے باریک بین ابوبکر واسطی رحمۃ اللہ نے کیا ہی اچھا پیش کیا ہے۔ قولہٗ اُبْتُلِیْنَا بِزَمَانٍ لَیْسَ فِیْہِ اٰدَابُ الْاِسْلَامِ وَلَا اَخْلَاقُ الْجَاھِلِیَّۃِ وَلَا اَحْکَامُ ذَوِی الْمُرُوَّۃِ۔ ترجمہ (ہم ایسے زمانے میں ابتلا کے اندر ڈالے گئے ہیں۔ کہ جس میں نہ اداب اسلام ہیں نہ اخلاقِ جاہلیت اور نہ ہی اس میں مروّت و محبّت کی باتیں ہیں۔ اور اسی طرح حضرت شبلی رحمۃ اللہ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

جَعَلَ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا مُنَاخًا لِرَاکِبٍ
فَکُلُّ بَعِیْدِ الْھَمِّ فِیْھَا مُعَذَّبٌ وَّمُغْلَبٌ

ترجمہ (اللہ تعالٰے نے اِس دُنیا کو صرف ایک شتر سوار کی اونٹنی بٹھانے کی جگہ (عارضی فرودگاہ) بنا دیا ہے۔ پس ہر وہ شخص جس کا قصد دُور دراز (آخرت) پہنچنے کا ہے، وہ اس دُنیا میں عذاب پاتا ہے اور مغلوب رہتا ہے ۔

آٹھویں فصل

اسرارِ الٰہی اور اُن کے حجاب :

اے طالبِ حق (اللہ تمہیں قوت دے۔ جان لو کہ میں نے اس عالم کو (اولیاء اللہ کے حق میں) اسرارِ الٰہی کا محل اور موجودات کو اس کی اماتوں کی جگہ اور مخلوقات کو اُس کے لطیف بھیدوں کا مقام پایا ہے۔ اور جواہر و اعراض و عناصر و اجرامِ فلکی و اجسام ارضی اور طبائع مخلوقات سب اُن اسرارِ الٰہی کا حجاب ہیں اور توحیدِ الٰہی کے مقام میں اُن میں سے ہر ایک کا اثبات شرک ہے پس خداوند تعالٰے نے اس عالم کو محلِ حجاب میں رکھا ہے۔ یہاں تک کہ ہر ایک کی طبیعت نے اپنے عالم میں اُس کے حکم سے تسلی پائی ہے۔ اور اپنے وجود (ظلی) کی وجہ سے توحید الٰہی سے پردہ میں رہ گئی ہے۔ اور تمام رُوحیں اِس عالم میں اِس وجود کی آمیزش کی وجہ سے بے نیاز ہو گئی ہیں۔ اور باوجود نزدیک ہوتے کے اپنی خلاصی کے مقام سے دُور رہ گئی ہیں چنانچہ اسرارِ الٰہی عقولِ بشری کے حق میں مخفی ہو گئے اور انسان غفلت کے سایہ میں رہ کر اپنے وجود کی وجہ سے حجاب میں ہو گیا ہے۔ اور اپنے محل میں حجابِ ظلمانی کی وجہ سے عیب دار بن گیا۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے ۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ ترجمہ (قسم ہے زمانہ کی بلاشبہ انسان گھاٹے میں ہے) اور نیز فرمایا۔ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۔ ترجمہ (بلاشبہ انسان بڑا ناانصاف جاہل تھا) اور رسُول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خَلَقَ اللّٰہُ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَۃٍ ثُمَّ اَلْقٰی عَلَیْہِ نُوْرًا۔ ترجمہ (اللہ تعالیٰ نے خلقت کو اندھیرے میں پیدا فرمایا پھر اس پر اپنا پرتو ڈال کر اُسے روشن کیا) پس یہ حجابِ ظلمانی عالم ناسُوت میں اس کی طبیعت کی وجہ سے جو اس سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس کی عقل کی وجہ سے جو اس میں تصرف کرتی ہے خُود اس کا مزاج واقع ہُوا ہے اسی سلئے اس نے جہالت پر اکتفا کر لیا ہے اور حق سے اپنے لئے اسی حجاب کو دل وجان سے خرید لیا ہے۔ لہٰذا وہ کشف کے جمال سے بیخبر اور سترِ الٰہی کی تحقیق سے روگرداں اور حیوانات کے مقام پر آرام کئے ہوئے اور اپنی نجات کے مقام سے بھاگا ہوا ہے نہ اس نے توحیدِ الٰہی کی بُو سونگھی، نہ احدیت کے جمال کو دیکھا اور نہ ہی توحید کا مزہ چکھا ہے اور عناصر کی ترکیب کی وجہ سے مشاہدۂ حق کی تحقیق سے باز رہا ہے۔ اور حرص و دنیوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت سے مُنہ موڑ لیا ہے اور خواہش حیوانی نے ربانی زندگی کے بغیر نفسِ ناطقہ کو اِس قدر مغلوب کر دیا ہے۔ کہ اُس کی جُملہ حرکات اور جستجُو فقط حیوانیت قرار پاگئی حتیٰ کہ کھانے سونے اور شہواتِ نفسانی کی متابعت کے سوا اور کچھ نہیں جانتا حالانکہ اللہ عزّوجل نے اپنے دوستوں کو ان سب باتوں سے اجتناب کرنے کا حکم دیتے ہُوئے فرمایا ہے۔ ذَرْهُمْ یَاْكُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ۔ ترجمہ (انہیں چھوڑ دیجئے کہ وہ کھائیں اور اسبابِ حیات سے فائدہ اُٹھائیں اور دُنیا کی یہ آرزو انہیں غافل کر دے پس عنقریب اُن کو سب حقیقت معلوم ہو جائے گی) اس لئے کہ اُن کی طبیعت کے غصّہ نے سترِ الٰہی کو اُن پر پوشیدہ کر دیا اور اُن کے حصّہ میں توجہ و توفیقِ الٰہی کی بجائے رسوائی اور محرُومی آگئی۔ حتّٰے کہ وہ سب نفس امّارہ کے تابع ہو گئے۔ جو سب سے بڑا حجاب بُرائی اور شرارت کا منبع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ ترجمہ (بلاشبہ نفسِ امّارہ بُرائی کا بہت حُکم دینے والا ہے)۔

اب میں کتاب کو شرُوع کرتا ہوں۔ اور تمہارا مقصود مخفی مقامات اور پردوں میں سے نکال کر ظاہر کرتا ہُوں۔ اور اُسے لطیف بیان سے واضح کر دینا

ہوں اور اہلِ صنائع کی عبارات کی تشریح کے ساتھ ساتھ مشائخ صوفیہؒ کے کلام کا تھوڑا سا حصہ بھی اُس کے ساتھ ملاکر بیان کروں گا اور عُمدہ و دل پذیر حکایات سے اُس کی تائید بھی کروں گا۔ تاکہ تمہارا مقصود حاصل ہو اور عُلمائے ظواہر میں سے جو شخص اِس کتاب میں غور کرے گا۔ اُسے معلوم ہو جائے گا۔ کہ علمِ تصوف کی اصل قوی ہے اور اس کی شاخ بار آور، اور تمام مشائخؒ جو اہل علم ہوئے ہیں۔ اپنے تمام مُریدوں کو علم تصوف حاصل کرنے پر ابھارتے اور اس پر مداومت کرنے کی تحریص دلاتے رہے ہیں۔ اور نہ وہ خود بیہودہ باتوں کے تابع رہے ہیں اور نہ لغو طریق پر چلے ہیں۔ اور نہ ہی اپنے مُریدوں کو ایسا کرنے کی ترغیب دیتے رہے ہیں کیونکہ بہت سے مشائخِ طریقت اور عُلمائے صُوفیہ نے تصوف میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اور اس کے معارف پر نہایت لطیف عبارات میں ربّانی علم و بصیرت سے مضبوط براہین قائم کئے ہیں۔ اللہ ہی مدد دینے والا ہے۔

پہلا باب
پہلی فصل

ثبوتِ علم:

علماء کی صفت میں ارشاد الٰہی ہے۔ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ۔ ترجمہ (بلاشبہ اللہ تعالےٰ سے اُس کے بندوں میں سے عالم لوگ ہی ڈرتے ہیں) اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ۔ ترجمہ (علم کی تلاش کرنا ہر مُسلمان مرد و عورت پر فرض ہے) نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ۔ ترجمہ (علم کو تلاش کرو اگرچہ وہ چین ہی میں ملے) اور یہ جان لو کہ علوم بہت ہیں اور انسان کی عمر تھوڑی ہے اس لئے تمام علوم و فنون کا سیکھنا انسان پر فرض نہیں مثلاً علم نجوم حساب۔ طب اور علم بدیع کی تمام صنائع بدائع وغیرہ کا پڑھنا کوئی ضروری نہیں البتہ نجوم کا سیکھنا اس قدر ضروری ہے جس سے رات میں اوقاتِ نماز معلوم ہو سکے

اسی طرح بیماری سے بچنے کے لئے علمِ طب - وراثت کے مسائل سمجھنے کے لئے علم میراث اور حیض وعدت وغیرہ کے سمجھنے کے لئے علم فقہ غرضیکہ علم کا سیکھنا اسی قدر فرض ہے جس سے عمل درست ہو - کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اُن لوگوں کی مذمت کی ہے - جو غیر مفید علم سیکھتے ہیں - ارشاد ہے - وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ - ترجمہ (اور وہ لوگ وہ علم سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دیتا ہے اور کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے) اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے علم سے خدا کی پناہ مانگی ہے - فرمایا ہے - اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ - ترجمہ (اے اللہ! میں اُس علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے) پس تھوڑے علم کی مدد سے بہت سا عمل کرنا چاہیئے اور ضروری ہے کہ علم کے ساتھ عمل بھی ہو - کیونکہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے - اَلْمُتَعَبِّدُ بِلَا فِقْهٍ كَالْحِمَارِ فِي الطَّاحُوْنَةِ - ترجمہ (عابد علم دین کے جانے بغیر خراس کے گدھے جیسا ہے) آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بے علم عابدوں کو خراس کے گدھے سے مشابہ فرمایا کہ وہ کتنا ہی گھومے اپنے پہلے ہی قدم پر رہتا ہے - اور آگے راستہ طے نہیں کر سکتا - اور میں نے عوام الناس کا ایک گروہ دیکھا ہے - جو علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں - اور دوسرا گروہ عمل کو علم پر - لیکن یہ دونوں امر باطل ہیں - اس لئے کہ علم کے بغیر عمل عمل نہیں سمجھا جاتا - بلکہ عمل اُسی وقت ہوتا ہے جب علم اُس کے ساتھ شامل ہو - تاکہ انسان اُس کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوسکے - جیسا کہ نماز کہ جب تک انسان کو پہلے ارکانِ طہارت پاک پانی کی پہچان، قبلہ کی شناخت، نیت کی کیفیت اور نماز کے ارکان کا علم نہ ہو - وہ نماز ہی نہیں ہوتی پس جب عمل درحقیقت علم ہی سے حاصل ہوسکتا ہے - تو کس طرح جاہل عمل کو علم سے جدا کرسکتا ہے - اور جو لوگ علم کو عمل پر فضیلت دیتے ہیں تو یہ بھی صحیح نہیں ہے - کیوں کہ عمل کے بغیر علم علم نہیں کہلاتا جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے - نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ترجمہ (اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا - گویا کہ وہ اُسے جانتے ہی نہیں) اس آیت میں اللہ نے بے عمل عالم کا نام عالموں سے نکال دیا ہے اس لئے کہ علم کا سیکھنا اور اُسے یاد کرنا یہ سب امور عمل میں ہی شامل ہیں - اسی وجہ سے

لے کسی کام کو ہمیشہ کرتے رہنا ؂

اِنسان کو اُس پر ثواب مِلتا ہے۔ اور اگر عالم کا علم اُس کے قول و فعل سے کوئی تعلق نہ رکھے تو اُسے اُس میں کچھ بھی ثواب نہیں مِلتا اور اُس بات میں دو گروہ ہیں۔ اوّل وہ لوگ جو لوگوں کو علم کی بدولت بلند مرتبہ سمجھتے ہیں اور اُن کے اعمال کا کوئی لحاظ نہیں رکھتے۔ اور علم کی تہ تک نہ پہنچ کر عمل کو اُس سے جُدا کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہ علم رکھتے ہیں۔ نہ عمل ہی کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جاہل اور بے وقوف یہی سمجھنے لگتا ہے کہ قول و علم ہی ہیں عمل کی ضرورت ہے۔ دُوسرا گروہ کہتا ہے۔ کہ علم کی ضرورت ہے عمل نہیں چاہیئے۔

ابراہیم ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ مَیں نے ایک پتھر راستے میں پڑا دیکھا۔ اُس پر لکھا تھا۔ کہ مجھے اُلٹ کر پڑھ۔ پس میں نے اُس کو پلٹا اُس پر لکھا تھا۔ اَنْتَ لَا تَعْمَلُ بِمَا تَعْلَمُ فَكَيْفَ تَطْلُبُ عِلْمَ مَا لَا تَعْلَمُ۔ ترجمہ (تو جانی ہوئی چیز پر عمل نہیں کرتا پس تو کیسے اُس چیز کو ڈھونڈتا ہے جسے تو نہیں جانتا) یعنی جس کو تو جانتا ہے اُس پر عمل کر تاکہ اُس کی برکت سے نامعلوم کو معلوم کرے۔ اور انس رضی اللہ عنہ بن مالک فرماتے ہیں۔ هِمَّةُ الْعُلَمَاءِ الدِّرَايَةُ وَهِمَّةُ السُّفَهَاءِ الرِّوَايَةُ۔ ترجمہ (علماء کا کام علمی باتوں میں غور و خوض کرنا ہے اور جہلا کا کام اُن باتوں کو نقل کرنا ہے) اس لئے کہ جہالت کے لوازم عالموں میں نہیں ہوتے اور جو لوگ علم سے مرتبہ اور دُنیا کی عزّت طلب کرتے ہیں۔ وہ عالم نہیں ہوتے۔ کیوں کہ مرتبہ اور دُنیا کی عزّت جہالت کے لوازم میں سے ہیں۔ اور کوئی درجہ علم کے درجہ سے زیادہ بلند نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگر علم نہ ہو تو انسان کسی بھی لطیفۂ رحمانی کو پہچان نہیں سکتا۔ اور جب علم موجود ہو۔ تو وہ سب مقامات اور مشاہدات اور مراتب کے مقابل ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

دُوسری فصل

علم کے اقسام:

علم دو قسم کا ہے۔ ایک علمِ الٰہی۔ دُوسرا علمِ مخلوق اور بندہ کا علم علمِ الٰہی کے مقابلہ میں لاشئی محض ہوتا ہے۔ کیوں کہ علمِ الٰہی اللہ کی صفت قدیم ہے۔ جو اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اور اُس کی صفتوں کے لئے انتہا نہیں اور ہمارا علم ہماری صفت ہے۔ جو ہمارے ساتھ قائم ہے اور ہمارے اوصاف متناہی ہیں۔ اور ارشادِ الٰہی ہے۔ وَمَا

اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ ترجمہ (تمہیں تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے) الغرض علم مدح (اچھائی بیان کرنا) کی صفتوں میں سے ہے۔ اور اس کی تعریف معلوم چیز کا احاطہ کرنا اور اُس کا بیان کرنا ہے اور علم کی نہایت عمدہ تعریف یہ ہے۔ اَلْعِلْمُ صِفَةٌ يَصِيْرُ الْجَاهِلُ بِهَا عَالِمًا۔ ترجمہ (علم ایک صفت ہے جس سے جاہل عالم ہو جاتا ہے۔ اور ارشادِ خداوندی ہے وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ بِالْكَافِرِيْنَ۔ ترجمہ (اللہ تعالیٰ کافروں کو (اپنے علم سے) گھیرے ہوئے ہے) یعنی کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ترجمہ (اللہ ہر چیز کو جانتا ہے) اور اس کا علم ایک ہی ہے جس کے ذریعہ سے وہ سب موجودات اور معدومات کو جانتا ہے۔ اور مخلوق میں کوئی اُس کے ساتھ اُس میں شریک نہیں۔ اور علم الٰہی نہ قابل تجزیہ نہ قابل تقسیم اور نہ ہی اُس کی ذات سے جدا ہے اور اس کے علم کی دلیل اُس کے فعل کی عمدہ ترتیب ہے۔ کیونکہ فعل اپنی ترتیب و استحکام میں اپنے فاعل کے علم کا مرہون ہے۔ پس اُس کا علم جملہ اسرار پر حاوی۔ اور ظاہری امور پر محیط ہے۔ طالبِ حق کو چاہیئے۔ کہ سب اعمال ایسے طور پر کرے گویا خدا اُس کو اور اُس کے افعال کو دیکھ رہا ہے جیسا کہ وہ جانتا ہے کہ خدا سے افعال پوشیدہ نہیں ۔

حکایت:

بیان کرتے ہیں۔ کہ بصرہ کا ایک رئیس اپنے باغ میں گیا۔ تو اُس کی نظر کسان کی عورت پر پڑ گئی اور اُس کے حسن و جمال کا فریفتہ ہو گیا۔ چنانچہ اُس نے اُس کے خاوند کو کسی کام پر بھیج دیا۔ اور عورت سے کہا۔ کہ دروازے بند کر دو۔ عورت نے کہا سب دروازے بند کر سکتی ہوں۔ مگر ایک دروازہ میں بند نہیں کر سکتی۔ اُس نے کہا کہ وہ کونسا دروازہ ہے؟ عورت نے جواب دیا۔ وہ دروازہ وہ ہے جو ہمارے اور خدا کے درمیان ہے۔ یہ سن کر وہ رئیس شرمندہ ہوا اور توبہ کی ۔

حکایت

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے چار علم اختیار کر کے

عالم کے باقی تمام علموں سے نجات پائی ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون سے چار علم ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اوّل یہ کہ میں نے جان لیا ہے۔ کہ میرا رزق مقدر ہو چکا ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ اِس لئے زیادہ کی تلاش سے میں بے فکر ہو گیا ہوں۔ دوسرا یہ کہ میں نے جان لیا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا مجھ پہ حق ہے جس کو سوائے میرے اور کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ اِس لئے میں اُس کے ادا کرنے میں مشغول ہو گیا ہوں۔ تیسرا یہ کہ میں نے جان لیا ہے۔ کہ میرا ایک تلاش کرنے والا ہے (یعنی موت) کہ میں اُس سے بھاگ نہیں سکتا۔ اِس لئے میں نے اِس کا سامان کر لیا ہے (نیک کام کرتا ہوں) چوتھا یہ کہ میں نے جان لیا ہے۔ کہ میرا ایک مالک ہے جو میرے احوال سے واقف ہے۔ اِس لئے میں نے اِس سے شرم کی اور ناکردنی کاموں سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اور جب اِنسان یہ جانتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اُس کو دیکھ رہا ہے۔ تو وہ کوئی ایسا کام نہ کرے۔ کہ قیامت کے روز اُس کے سامنے اُسے شرمسار ہونا پڑے۔

تیسری فصل

معرفت و شریعت:

اِنسان کو امورِ الٰہی اور خدا کی معرفت کا علم ہونا ضروری ہے۔

اور انسان پر مصلحتِ وقت کا علم بھی فرض ہے۔ اور جو علم وقتِ ضرورت اس کے کام آتا ہے۔ اُس کا ظاہر و باطن دو قسم کا ہے۔ ایک علمِ اصُول دوسرا علم فروع علمِ اصُول کا ظاہر حکمِ شہادت ہے اور باطن معرفتِ الٰہی کی تحقیق۔ اور علم فروع کا ظاہر معاملات دینی کو عمل میں لانا ہے۔ اور اس کا باطن نیت کا صحیح کرنا ہے۔ یعنی دِل میں خالص لوجہ اللہ کام کرنے کا ارادہ۔ لیکن ان میں سے ہر ایک کا قیام دُوسری قسم کے بغیر محال ہے۔ حقیقت کا ظاہر باطن کے بغیر منافقت ہے۔ اور باطن ظاہر کے بغیر بے دینی ہے۔ اور شریعت کا ظاہر باطن کے بغیر نقصان اور باطن بغیر ظاہر کے ہوس ہے۔ پس علمِ حقیقت کے تین رُکن ہوتے اوّل ذاتِ الٰہی اور اُس کی وحدانیت اور اُس سے تشبیہ کی نفی کا علم (دوم) صفاتِ الٰہی۔ اور اس کے احکام کا علم (سوم) افعالِ الٰہی

اور اُن کی حکمت کا علم ؛

اور علم شریعت کے بھی تین رُکن ہیں :-

(اوّل) علم کتاب الٰہی ؛

(دوم) علم سنّت نبوی صلّے اللہ علیہ وسلّم ؛

(سوم) علم اجماعِ اُمّت ؛

اور اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات اور اُس کے افعال کے ثابت کرنے کا علم ضروری ہونے کی دلیل اللہ تعالےٰ کا یہ قول ہے - فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - ترجمہ (جان لو کہ اللہ تعالےٰ کے سوائے اور کوئی معبود نہیں) اور یہ قول - وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىكُمْ - ترجمہ (جان لو کہ اللہ ہی تمہارا مالک ہے) نیز یہ ارشادِ الٰہی اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ - ترجمہ (کیا آپ نے اپنے پروردگار کی طرف نہیں دیکھا - کہ کس طرح اس نے سایہ کو پھیلایا ہے) اور یہ قولِ الٰہی - اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ترجمہ (کیا وہ اُونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسا (عجیب الخلقت) پیدا کیا گیا ہے) اور ایسی ہی بہت سی آیتیں ہیں - جو افعالِ الٰہی میں غور و فکر کرنے پر دلالت کرتی ہیں - تاکہ تم اُن سے فاعل حقیقی کی صفات کو پہچان سکو اور نیز رسول صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے - مَنْ عَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ رَبُّهٗ وَاِنِّیْ نَبِیُّهٗ حَرَّمَ اللّٰهُ لَحْمَهٗ وَدَمَهٗ عَلَى النَّارِ - ترجمہ (جس نے یہ جان لیا کہ اللہ اُس کا رب ہے اور میں اُس کا نبی ہوں - اللہ نے اُس کا گوشت اور خون آتشِ دوزخ پر حرام کر دیا ہے) لیکن علم ذات الٰہی کی شرط یہ ہے - کہ عاقل بالغ انسان یہ اچھی طرح جان لے - کہ حق تعالےٰ بذاتِ خود ہمیشہ سے تھا ہمیشہ سے ہے اور رہے گا - نہ اُس کی ابتداء ہے اور نہ انتہاء - وہ کسی خاص مکان اور جہت میں نہیں - اور اُس کی ذات آفت (نقص) سے پاک ہے - مخلوق میں اس کی مانند کوئی نہیں - اور نہ اُس کے بیوی بچے ہیں اور جو کچھ تمہارے وہم و عقل میں متصوّر ہوتا ہے - وہ ان سب کا پیدا کرنے والا اور اُن کا قائم رکھنے والا اور مالک ہے جیسا کہ ارشاد ہے - لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ - ترجمہ

(کوئی چیز اُس کی مانند نہیں- اور وہ سب کچھ سُنتا دیکھتا ہے) لیکن صفاتِ الٰہی کے جاننے کی شرط یہ ہے۔ کہ اس کی صفات (حقیقیہ) اُس کی ذات کے ساتھ موجود ہیں۔ نہ عین ذات ہیں -اور نہ ہی غیر اور اُس سے جُدا ہیں (بلکہ لازم غیر منفک ہیں) جیسے علم و قدرت و حیات و ارادہ و سمع و بصر و کلام و بقا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ- ترجمہ (بلاشبہ وہ سینوں کے بھیدوں کو خوب جانتا ہے) اور فرمایا ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ- ترجمہ (اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے) اور نیز ارشاد ہے۔ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ- ترجمہ (اور وہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے) نیز فرمایا ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ- ترجمہ (وہ جو چاہے کرنے والا ہے۔ اور نیز فرمایا ہے۔ هُوَ الْحَیُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ- ترجمہ (وہی ہے ہمیشہ زندہ ہے اس کے سوائے اور کوئی معبود نہیں) اور نیز ارشاد ہے۔ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ- ترجمہ (اُسی کا فرمان حق ہے۔ اور اُسی کی حکومت ہے)۔

لیکن اُس کے افعال کے علم کے لئے صورت یا اس کے مطلب کے لئے یہ شرط ہے کہ تم جانو کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات اور ان کے افعال کا پیدا کرنے والا ہے اور تمام عالم (عدم سے) اس کے حکم سے موجود ہو گیا۔ وہ خیر و شر کا اندازہ کرنے والا اور نفع و ضرر کا خالق ہے۔ جیسا کہ خود ارشاد فرمایا ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ- ترجمہ (اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے)۔

اور شریعت کے احکام کے اثبات کی دلیل یہ ہے۔ کہ یقین جانو کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس اس کے رسول خارق عادت (خلافِ عادت) معجزات لے کر آئے ہیں۔ اور جو کچھ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے پوشیدہ اور ظاہر امور کے متعلق ہمیں خبر دی ہے۔ حق ہے۔

اور شریعت کا رُکن اوّل کتاب الٰہی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فِیْهِ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ- ترجمہ (اسی کتاب میں حکم آیتیں ہیں۔ جن کا مطلب ظاہر ہے۔ وہی کتاب کا اصل ہیں) اور دوسرا رکن سُنت نبوی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا- ترجمہ (جو کچھ رسول صلے اللہ علیہ وسلم تمہیں دیں وہ لے لو اور

جس بات سے وہ تمہیں روکیں اُس سے رُک جاؤ) اور تیسرا رکن اجماعِ اُمّت ہے۔ جیسا کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ عَلَیْکُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ۔ ترجمہ (میری اُمّت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔ تم پر (اہلِ حق کی) سب سے بڑی جماعت کی پیروی لازم ہے) الغرض حقیقت کے احکام اتنے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان سب کو جمع کرنا چاہے۔ تو کر نہیں سکتا۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ عزّ اسمہ کے لطائف کی کوئی انتہا نہیں ؀

چوتھی فصل

مذہب سوفسطائیہ

جان لو کہ ملحدوں کا ایک گروہ (اللہ اُن پر لعنت کرے) جنہیں سوفسطائیہ (ہر بات میں شک کرنے والے) کہتے ہیں۔ اُن کا مذہب یہ ہے۔ کہ کسی چیز کا علم صحیح حاصل نہیں ہوسکتا۔ حتّٰے کہ اپنی ذات کا بھی کسی کو صحیح علم نہیں۔ ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ یہ علم "کہ کسی چیز کا صحیح علم حاصل نہیں ہوسکتا" درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ درست ہے۔ تو بس علم کو انھوں نے خود ثابت کردیا۔ اور اگر وہ کہیں کہ یہ درست نہیں تو جو بات درست نہ ہو اُس کو حق کے خلاف پیش کرنا ناممکن ہے۔ اور ایسے شخص سے گفتگو کرنا دانش مندی نہیں اور ملحدوں کا ایک اور گروہ ہے جو اس طریق (تصوف) سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کسی چیز کا علم بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہمارے لئے اُس علم کا ترک کردینا اس کے ثابت کرنے سے زیادہ اچھا ہے۔ لیکن یہ بات اُن کی حماقت اور لاعلمی کی وجہ سے ہے کیوں کہ علم کا ترک کرنا دو حال سے خالی نہیں یا تو علم کی وجہ سے ہوگا یا لاعلمی کی وجہ سے۔ اگر علم کی وجہ سے ہو تو علم نہ علم کی نفی کرتا ہے۔ اور نہ اس کی ضد ہوتا ہے۔ بس علم کے باوجود علم کا ترک کرنا ممکن نہیں۔ اب رہ گئی جہالت سو چونکہ یہ بات صحیح ہے۔ کہ علم کی نفی جہالت ہے۔ اور اس کا ترک کرنا بھی جہالت تو جاہل بہرصورت قابل ملامت ہوگا۔ اور جہالت کفر اور باطل کی علامت ہوگی۔ کیوں کہ امرِ حق کا امرِ باطل سے کوئی تعلق نہیں۔ اور یہ جہالت اور ترکِ علم تمام مشائخ صوفیہ کے عقیدہ کے خلاف ہے، اور جب سب لوگوں نے ملحدوں کے اِس قول کو سُنا اور اس کا ارتکاب کرکے کہنے

لگے۔ کہ اہل تصوف کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور ایسی ہی روش ہے۔ تو صوفیاؒ کے متعلق اُن کا اعتقاد متزلزل ہو گیا۔ اور وہ لوگ حق کو باطل سے جدا نہ کر سکے۔ لہٰذا ہم نے اُن کے معاملات کو خُدا کے سپُرد کر دیا۔ تاکہ وہ اپنی گمراہی میں پڑے رہیں اگر دین اُن سے محاسبہ کر لیتا تو وہ اس سے بہتر عمل کرتے۔ اور دین کی رعایت کہیں ہاتھ سے نہ جانے دیتے اور دوستانِ حق کو اس نظر سے نہ دیکھتے۔ اور اپنے اوقاتِ عزیز کو احتیاط سے بسر کرتے۔ اگر ملحدین کی کسی جماعت نے اولیائے کرام کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط کر لیا ہے۔ اور صُوفیہ کی نیک سیرت کی بدولت انھوں نے اپنے آپ کو مصیبتوں (لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع) سے بچا لیا ہے۔ اور اُن کی عزت کے سایہ میں زندگی بسر کرتے ہیں تو یہ ہرگز مناسب نہیں۔ کہ سب اہل تصوف کو انہی ملحدوں پر قیاس کرتے اور اُن کے معاملہ میں فضول جھگڑا کرتے اور ان کی قدر و منزلت کو یوں پامال کرتے۔ (میر علی ہجویری رَحِمَہُ اللّٰہ) ایک دفعہ اہل علم میں سے ایک ایسے شخص سے مناظرہ ہوا جس نے غرور کی کلاہ کا نام عزت اور خواہش نفس کی متابعت کا نام سُنت رسُول صلی اللّٰہ علیہ وسلّم اور رذیلان کی موافقت کا نام ائمہ دین کی سیرت رکھا ہوا تھا۔ اثنائے مناظرہ میں اُس نے کہا کہ ملحدین کے بارہ گروہ ہیں۔ اُن میں سے ایک گروہ اہل تصوف کا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر ایک گروہ اہل تصوف میں سے ہے۔ تو گیارہ گروہ تم لوگوں میں سے ہیں اور اہلِ تصوف ایک گروہ ہو کر بھی جس طرح اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ تم گیارہ گروہوں میں ہو کر بھی اِسی طرح اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ لیکن سب باتیں اہل زمانہ کی دین سے غفلت و سستی اور اُن آفتوں کا نتیجہ ہیں۔ جو اس وقت برپا ہو رہی ہیں۔ اور اللّٰہ تعالےٰ نے ہمیشہ اپنے اولیاؒ کو اُن لوگوں کے درمیان پوشیدہ کئے رکھا ہے۔ اور اُن لوگوں کو اُن اولیا سے دُنیا میں دُور کر رکھا ہے۔ اور پیروں کے سردار مُریدوں کے آفتاب حضرت علی بن بندار صیرفی رَحِمَہُ اللّٰہ نے کیا ہی اچھا فرمایا ہے فَسَادُ الْقُلُوْبِ عَلٰی حَسْبِ فَسَادِ الزَّمَانِ وَاَهْلِهٖ۔ ترجمہ (دلوں کی خرابی زمانہ و اہل زمانہ کی خرابی کے مطابق ہوتی ہے) اب ہم ان صوفیائے کرام کے اقوال کے متعلق ایک فصل بیان کرتے ہیں۔ تاکہ اس

گروہ کے منکرین میں سے اُس شخص کو تنبیہ ہو جائے جس کے حق میں خداتعالیٰ کی طرف سے سچی عنایت ہے اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔

پانچویں فصل

صوفیا کے اقوال:

محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ ثَلَاثَۃٌ عِلْمٌ مِنَ اللّٰہِ وَعِلْمٌ مَعَ اللّٰہِ وَعِلْمٌ بِاللّٰہِ۔ ترجمہ (علم کی تین قسمیں ہیں اوّل وہ علم جو اللہ کی طرف سے حاصل ہو۔ (دوم) وہ علم جو اللہ کی معیت میں حاصل ہو (سوم) وہ علم جو خود اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق ہو)

علم باللہ وہ معرفتِ الٰہی ہے۔ کہ تمام انبیاء و اولیاء نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو اُسی کے ذریعہ سے پہچانا ہے۔ اور جب تک خود ذاتِ حق کی طرف سے اُس کی پہچان کی توفیق اُنہیں نہیں ملی اُنھوں نے اُسے نہیں پہچانا۔ اِس لئے کہ حصولِ علم کے تمام اسباب ذات وصفاتِ حق تعالےٰ سے منقطع ہیں اور انسان کا علم معرفتِ حق تعالےٰ کا سبب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُس کی معرفت کا سبب بھی خود اُسی کی رہنمائی۔ اور بندہ کو آگاہ کرنا ہے۔

اور علم من اللہ علم شریعت ہے۔ جو اُس کی طرف سے ہم کو نیک اعمال کا حکم دینا اور اُن کے بجا لانے کو ہم پر لازم کرنا ہے۔

اور علم مع اللہ طریقِ حق اور قربِ الٰہی کے مقامات اور اولیاء کے درجات بیان کرنے کا علم ہے۔ پس معرفتِ الٰہی شریعت کو قبول کئے بغیر صحیح نہیں ہو سکتی اور شریعت پر عمل کرنا۔

اور ابو علی ثقفی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ حَیَاۃُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَھْلِ وَنُوْرُ الْعَیْنِ مِنَ الظُّلْمَۃِ۔ ترجمہ (علم جہالت کی موت سے دل کا زندہ ہونا۔ اور کفر کی تاریکی سے ایمان کی آنکھ کا روشن ہونا ہے) جس شخص کو معرفت الٰہی کا علم حاصل نہیں۔ اُس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے۔ اور جسے شریعت کا علم حاصل نہیں۔ اُس کا دل جہالت کی بیماری میں مبتلا ہے۔ پس کفار کا دل مردہ ہے۔ کہ وہ خداتعالےٰ کی ذات وصفات سے جاہل ہیں۔ اور اہلِ غفلت کا دل

بیمار ہے۔ کہ وہ اُس کے احکام (امر و نواہی) سے بے خبر ہیں۔ اور ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مَنِ اکْتَفٰی بِالْکَلَامِ مِنَ الْعِلْمِ دُوْنَ الزُّهْدِ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنِ اکْتَفٰی بِالْفِقْهِ دُوْنَ الْوَرَعِ فَقَدْ تَفَسَّقَ۔ ترجمہ (جو شخص علم کلام (توحید الٰہی) سے محض اُس کی عبارت پر اکتفا کرتا ہے۔ اور اُس کے احکام سے منہ موڑ کر تقوی اختیار نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ اور جو شخص محض علم فقہ و شریعت پر بغیر پرہیزگاری کے اکتفا کرتا ہے۔ وہ فاسق ہو جاتا ہے) مراد اس سے یہ ہے۔ کہ بغیر عمل و مجاہدہ و کوشش صرف توحید الٰہی کا اقرار جبر[1] ہے اور حقیقی موحد کو لازم ہے۔ کہ وہ قول میں جبری ہو یعنی زبان سے کہے کہ انسان ہی کر سکتا ہے جو اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے، اور فعل میں قدری[2] ہو۔ تاکہ اس کا طریق عمل جبر و قدر کے درمیان ہو جائے۔ اور یہی قول اس قول کی حقیقت ہے۔ جو کہ اس پیر نے فرمایا ہے (اس پر اللہ کی رحمت ہو) اَلتَّوْحِیْدُ دُوْنَ الْجَبْرِ وَ فَوْقَ الْقَدْرِ ترجمہ (توحید عقیدۂ جبر سے نیچے اور عقیدۂ قدر سے اُوپر (بَین بَین) ہے۔ پس جو شخص علم توحید سے بلا عمل صرف عبارت پر اکتفاء کرتا ہے۔ اور اس کے مخالف امور سے باز نہیں آتا وہ ضرور بے دین ہو جاتا ہے۔ لیکن فقہ میں ہر برائی سے پرہیز و احتیاط شرط ہے۔ اور جو شخص ظاہری علم فقہ و شریعت بغیر پرہیزگاری کے حاصل کرتا ہے۔ اور تاویلات کے جواز اور شبہات میں مشغول ہوتا ہے۔ اور مذہب کا لحاظ کئے بغیر آسانی حاصل کرنے کے لئے مجتہدین کے اجتہادوں کی پیروی کرتا ہے وہ بہت جلد فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب باتیں غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

اور شیخ المشائخ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ نے کیا ہی اچھا فرمایا ہے۔ اِجْتَنِبْ صُحْبَةَ ثَلَاثَةِ اَصْنَافٍ مِنَ النَّاسِ اَلْعُلَمَاءِ الْغَافِلِيْنَ وَالْفُقَرَاءِ الْمُدَاهِنِيْنَ وَالْمُتَصَوِّفَةِ الْجَاهِلِيْنَ ترجمہ (تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرو۔ غافل عالموں۔ خوشامدی فقیروں اور جاہل صوفیوں کی صحبت سے) غافل علماء وہ ہیں۔ جنہوں نے دنیا کو دل کا قبلہ اور شریعت سے آسان چیزوں کو اختیار کر کے ظالم بادشاہوں کی پرستش کو اپنا

[1] جبر سے مراد یہ ہے کہ انسان کا ہر فعل خدا کی تقدیر کے ماتحت ہے۔

[2] قدری سے مراد وہ گروہ ہے جس کا عقیدہ ہے کہ ہر کام انسان اپنی قدرت سے کرتا ہے۔

وظیفہ اور اُن کی درگاہ کو اپنا طواف گاہ بنا رکھا ہے۔ اور لوگوں کی نظر و وقعت حاصل کرنے کو اپنا محراب بنا کر غرور اور دانائی پر فریفتہ اور اپنے کلام کی باریکی میں مشغول ہو گئے ہیں اور ائمہ دین اور اُستادوں کے حق میں لعن طعن کی زبان دراز کر کے بزرگانِ دین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ زیادتی اور مبالغہ میں اس حد تک پہنچ گئے ہیں۔ تو اُن کی نظر میں اُن کا کچھ بھی وزن نہ ہوگا۔ کیونکہ کینہ اور حسد کو انھوں نے اپنا مذہب بنا لیا ہے۔

الغرض یہ سب لوگ حقیقی عالِم نہیں ہوتے اور علم ایک ایسی صفت ہے جس کی بدولت ہر قسم کی جہالت کی بات اُس کے موصوف سے دُور ہو جاتی ہے اور چاپلوس فقیر وہ ہیں۔ کہ جب کوئی کام اُن کی خواہش نفس کے مطابق کرے۔ تو اگرچہ وہ فعل باطل ہی ہو۔ وہ اُس کی مدح کریں۔ اور جب کوئی شخص کوئی ایسا کام کرے جو اُن کی خواہش کے مخالف ہو۔ تو اگرچہ وہ فعل حق ہی ہو وہ اُس فعل کی وجہ سے اُس کی مذمّت کریں۔ اور وہ لوگوں سے اپنے عمل اور برتاؤ کے باعث مرتبہ کی طمع کریں۔ اور خلقِ خدا کو باطل امور کی تلقین کریں اور جاہل صوفی وہ ہیں۔ کہ نہ وہ کسی مُرشد کی صحبت میں رہے۔ اور نہ کسی بزرگ سے ادب سیکھے۔ اور نہ زمانہ کے مصائب جھیلے اور کورباطنی سے (فقیرانہ) نیلا لباس پہن کر اپنے آپ کو لوگوں کے درمیان ڈال دیا اور اُن کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی بے عزتی پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ اور حماقت نے اُن کو اس بات پر اُبھارا ہے۔ کہ سب لوگوں کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں اور اس لئے حق و باطل میں تمیز کرنے کا طریق اُن پر پوشیدہ رہتا ہے۔ پس اِن تینوں گروہوں کا جو اُس توفیق یافتہ پیر نے ذکر فرمایا ہے اور اپنے مرید کو اُن کی صحبت سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ لوگ اپنے دعوے میں جھوٹے اور اپنے طریق میں ناقص ہیں۔ اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ عَمِلْتُ فِي الْمُجَاهَدَةِ ثَلٰثِيْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا اَشَدَّ عَلَيَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَتِهٖ۔ ترجمہ: میں نے تیس سال مجاہدہ کیا پس میں نے علم اور اُس کے مطابق عمل کرنے سے اور کسی چیز کو اپنے لئے مشکل نہ پایا۔ الغرض آگ پر قدم رکھنا طبیعت کے لئے علم کے مطابق چلنے سے زیادہ آسان ہے۔ اور پُل صراط سے ہزار بار گزرنا جاہل کے نزدیک علم کا ایک مسئلہ سیکھنے سے زیادہ سہل ہے۔ اور فاسق کے لئے دوزخ میں رہنا علم کے ایک مسئلہ پر عمل کرنے

سے زیادہ محبوب ہے۔ پس تیرے لئے علم سیکھنا اور اس میں کمال حاصل کرنا لازم ہے، اور بندہ کے علم کا کمال بمقابلہ علم الٰہی جہل ہے۔ اور تمہیں اس قدر جاننا چاہیئے کہ تم کچھ نہیں جانتے! اور اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بندہ بندگی کے علم کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اور بندگی (بندہ ہونا) خدا اور بندہ کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے اسی معنی میں کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ شعر

اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ
وَالْوُقُوْفُ فِيْ طَرِيْقِ الْجَهْلِ اِشْرَاكٌ

ترجمہ (حقیقت الٰہی کے معلوم کرنے سے عاجز ہونا ہی اسی کی حقیقت کا معلوم کرنا۔ اور جہالت کے طریق میں ٹھہر جانا شرک ہے) شعر

تلاشِ یار میں نکلے چمن سے بُو ہو کر
ہوئے ہم آپ ہی گُم محوِ جستجُو ہو کر

یعنی جو عالم معرفت نہیں سیکھتا اور اپنی جہالت پر مصر ہوتا ہے۔ وہ مشرک ہے۔ اور جو سیکھتا ہے اور کمالِ علم کی وجہ سے حق بات اس پر ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور علم کا غرور اس سے دُور ہو جاتا ہے۔ وہ یہ جان لیتا ہے کہ اس کا علم معرفتِ الٰہی میں سوائے عاجزی کے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ بندہ کی وہی معلومات کا حقائق معرفت کے بارہ میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ تو یہ عاجزی ہی اُس کے لئے علم کی کنہ دریافت کرنا ہے ؎

دوسرا باب۔ فقر

پہلی فصل

درویش و درویشی کی بزرگی

جان لو کہ خدائے تعالےٰ کی راہ میں درویشی اور درویشوں کا بہت بڑا درجہ ہے۔ چنانچہ اللہ عزّوجل نے فرمایا ہے لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ ترجمہ (صدقات اُن فقیروں کا حق ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں۔ کہ زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ جاہل اُن کو اُن کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے غنی سمجھتا ہے) اور نیز فرمایا ہے ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰہُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا۔ ترجمہ (اللہ تعالےٰ نے ایک غلام بندہ کی جو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اور اس شخص کی جس کو اللہ کی طرف سے فراخ رزق ملا ہے مثال بیان کی ہے) اور نیز فرمایا ہے۔ تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ ترجمہ (اُن کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں۔ وہ خوف اور اُمید کی حالت میں اپنے رب کو پکارتے ہیں) اور نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فقر کو پسند کیا اور فرمایا ہے اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ ترجمہ (اے اللہ مجھے زندہ رکھ مسکین اور مسکینی میں وفات دے اور قیامت کے دن مجھے مسکینوں کے گروہ میں اٹھا) نیز آپ نے فرمایا ہے۔ کہ قیامت کے روز اللہ تعالےٰ فرمائے گا۔ اُدْنُوْا مِنِّیْ اَحِبَّائِیْ فَیَقُوْلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مَنْ اَحِبَّائُکَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ اَلْفُقَرَآءُ وَالْمَسَاکِیْنُ۔ ترجمہ (اے میرے دوستو! مجھ سے قریب ہو جاؤ فرشتے عرض کریں گے۔ کہ تیرے دوست کون ہیں تو اللہ فرمائے گا۔ کہ فقیر اور مسکین) اور ایسی آئتیں اور حدیثیں بہت سی ہیں جن کی زیادہ شہرت کی وجہ سے اثباتِ فقر میں اُن کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اور

رسُول صلے اللہ علیہ وسلّم کے وقت میں کئی مہاجر فقیر تھے جو حق تعالیٰ کی بندگی اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم کی صحبت اور متابعت کی خاطر مسجد نبوی میں رہا کرتے تھے۔ اور دُنیا کے تمام اشغال اور بکھیڑوں کو چھوڑ رکھا تھا۔ اور اپنی روزی کے بدلے میں اللہ تعالےٰ پر یقین اور بھروسہ کئے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو اُن کی صحبت اور اُن کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ ترجمہ (اے نبی! ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اُس کی رضامندی چاہتے ہیں) اور نیز ارشاد ہے۔ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ ترجمہ (اے نبی! آپ ان (عبادت گزار) فقراء سے آنکھیں نہ پھیریئے کیا آپ دُنیاوی زندگی کی شان وشوکت چاہتے ہیں؟) یہاں تک کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم جہاں کہیں بھی ان میں سے کسی ایک کو دیکھ لیتے تو فرماتے میرے ماں باپ ان لوگوں پر فدا ہوں۔ جن کے لئے اللہ تعالےٰ نے مجھ پر عتاب فرمایا! پس اللہ تعالےٰ نے فقر کو بہت بڑا مرتبہ اور درجہ دیا ہے۔ اور فقرا کو اس کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ اِس لئے کہ اُنھوں نے دُنیا کے ظاہری اور باطنی اسباب کو ترک کر کے پورے طور پر اسباب کے پیدا کرنے والے (اللہ تعالیٰ) کی طرف رجوع کیا۔ یہاں تک کہ اُن کا فقر اُن کے لئے فخر ہو گیا۔ کہ اُس کے چلے جانے پر نالاں اور اُس کے آنے پر خوش رہے اور اُس سے بغل گیر ہوئے اور اُس کے لوازم کے سوا باقی سب اُمور کو اُنھوں نے ذلیل سمجھا۔

لیکن فقیر کی ایک رسم ہے اور ایک حقیقت۔ اور اُس کی رسم (ظاہری علامت) مُفلسی اور بے کسی ہے اور حقیقت ذاتِ حق کی طرف توجہ اور اُس کی معرفت ہے۔ جس شخص نے فقر کی رسم کو دیکھ کر اُس پر قناعت کی اور جب اُس کا مقصود حاصل نہ ہُوا تو حقیقت سے دُور رہا گا۔ اور جس نے حقیقت کو پا لیا۔ اُس نے موجُودات سے مُنہ موڑ کر کل (ذاتِ خداوندی) کی رویت میں پُورے طور پر فنا

ہوا اور بقائے کل کی طرف پیش قدمی کی تو اس نے لفواۓ۔ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ مِنْ رَسْمِهِ لَمْ يَسْمَعْ سِوَى اِسْمِهِ - ترجمہ (جس نے فقر کی ظاہری علامت کے سوا کچھ نہ جانا۔ اس نے سوائے اس کے نام کے کچھ نہ سنا) پس فقیر وہ ہے۔ کہ اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور نہ کسی چیز سے اس کا نقصان ہو۔ نہ تو اسباب دنیاوی کے موجود ہونے سے وہ غنی ہوتا ہے اور نہ نہ ہونے سے اس کا محتاج رہتا ہے۔ اسباب کا ہونا نہ ہونا اس کے فقر کے نزدیک برابر ہے۔ اور اگر ان اسباب کے نہ ہونے پر وہ زیادہ خوش ہو تو جائز ہے۔ اس لئے کہ مشائخ صوفیہ نے فرمایا ہے۔ کہ درویش جتنا تنگ دست ہوتا ہے اتنا ہی وہ خوش حال ہوتا ہے کیونکہ اسباب کا ہونا درویش کے لئے بہت برا ہے یہاں تک کہ جتنا کسی چیز کو وہ خود اپنے پاس روکے رکھتا ہے اتنا ہی وہ خود مقید اور پابند رہتا ہے۔ پس اولیاء اللہ کی زندگی مخفی عنایات و اسرار الہٰی کے ساتھ قرب حق میں بہتر ہے نہ کہ دنیا کے اسباب کے ساتھ جو بیوفا اور بد کار کا گھر ہے۔ غرض دنیاوی ساز و سامان رضائے الہٰی کے رستہ میں روکنے والے ہیں ؞

حکایت

بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک درویش کی کسی بادشاہ سے ملاقات ہوگئی۔ بادشاہ نے درویش سے کہا۔ کہ کوئی چیز مانگ۔ درویش نے کہا۔ کہ میں اپنے غلاموں کے غلام سے کوئی چیز نہیں مانگتا۔ بادشاہ نے کہا یہ کیسے؟ درویش نے کہا میرے دو غلام ہیں۔ جو دونوں آپ کے مالک ہیں۔ ایک حرص دنیا۔ دوسرا آرزو۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے اَلْفَقْرُ عِزٌّ لِاَهْلِهٖ - ترجمہ (فقر اہل فقر کے لئے عزت ہے) پس جو چیز ایک لائق شخص کے لئے عزت ہے وہ نالائق کے لئے ذلت ہوتی ہے۔ اور فقیر کی عزت یہ ہے۔ کہ اس کے اعضا لغزش سے۔ اور اس کا حال خلل سے محفوظ ہو ۔ نہ اس کا جسم معصیت اور لغزش سے آلودہ ہو اور نہ اس کی جان اور دل آفت رسیدہ ہو۔ اس لئے کہ اس کا ظاہر حال ظاہری نعمتوں میں مستغرق ہوتا ہے۔ اور اس کا باطن (باطنی روحانی) نعمتوں کا منبع

یہاں تک کہ اُس کا نفس رُوحانی اور دل ربّانی ہوجاتا ہے۔ اور کائنات کا اُس کے ساتھ کوئی واسطہ اور انسان کو اُس سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اِس لئے کہ وہ نہ خلقت سے تعلق اور لگاؤ کی وجہ سے فقیر ہوتا ہے۔ اور نہ اس عالم کے املاک سے غنی ہوتا ہے۔ بلکہ دونوں جہان اس کے فقر کی ترازو کے پلّہ میں مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ اُس کی ایک سانس بھی دونوں جہان میں نہیں سماسکتی ؂

دُوسری فصل

فقر و غنا کی فضیلت میں مشائخ کا اختلاف

مشائخ صُوفیہ نے فقر و غنا کی فضیلت میں اختلاف کیا ہے۔ کہ لوگوں کی ان دو صفتوں میں سے کونسی صفت زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ چونکہ خداوند تعالےٰ غنی حقیقی ہے۔ اور اوصاف میں اُسی کو کمال حاصل ہے۔ اس لئے یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ و احمد بن الخوارزمی رحمۃ اللہ و حارث محاسبی رحمۃ اللہ و ابوالعباس بن عطا رح و رُویم بن محمد رحمۃ اللہ و ابوالحسن بن شمعون رحمۃ اللہ اور متاخرین میں سے شیخ المشائخ ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہینی رحمۃ اللہ سب اس بات پر متفق ہیں۔ کہ غنا فقر سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ غنا صفت الٰہی ہے (جو پاک اور بلند ہے) اور فقر کا اطلاق اس کی ذات پر جائز نہیں پس کسی ولی میں وہ صفت جو بندہ اور خُدا کے درمیان مشترک ہو اُس صفت سے جس کا اطلاق خُدا تعالےٰ پر جائز نہ ہو زیادہ کامل ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اشتراک بندہ اور خدا تعالےٰ میں فقط رسمی ہے معنوی نہیں کیونکہ معنوی اشتراک کے لئے باہمی مماثلت کی ضرورت ہے چونکہ صفاتِ الٰہیہ قدیم اور صفاتِ مخلوق حادث (قابل تغیر) ہیں اس لئے یہ دلیل باطل ہے۔ اور میں علی بن عثمان جلابی (رحمۃ اللہ) کہتا ہوں۔ کہ نام غنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہے۔ اور مخلوق اس نام کی مستحق نہیں۔ اور فقر کا نام خلقت کے ہی سزاوار ہے۔ اور حق تعالےٰ پر اس اسم کا اطلاق جائز نہیں اور یہ جو مجازی طور پر کسی کو غنی کہا جاتا ہے وہ حقیقی غنی جیسا نہیں ہوسکتا۔ اور نیز اس سے واضح

دلیل یہ ہے۔ کہ ہمارا غنا اسباب کے وجود پر مبنی ہے اور ہم ان اسباب کے قبول کرنے کی حالت میں مسبّب ہیں اور حق تعالےٰ اسباب کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور اُس کا غنا (حقیقی ہے) اسباب پر موقوف نہیں۔ پس صفت غنا میں بندہ اور خدا تعالےٰ کے درمیان اشتراک بالکل باطل ہے اور نیز جب ذات میں کسی کو حق تعالیٰ کے ساتھ شرکت جائز نہیں تو صفت میں کسی کا اس کے ساتھ اشتراک کیسے جائز ہو گا۔ اور جب صفت میں اشتراک جائز نہیں تو اسم میں بھی روا نہیں۔ اب رہ گیا صرف نام رکھنا سو نام ایک نشان ہوتا ہے۔ خلقت کے درمیان، اور اُس کی کوئی حد نہیں پس خدا تعالےٰ کا غنا یہ ہے۔ کہ اُس کو کسی کی حاجت نہیں — وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ نہ اُس کی مراد کو کوئی ٹالنے والا ہے۔ اور نہ اُس کی قدرت کو کوئی روکنے والا۔ وہ موجودات کے بدلنے اور اُن کے اضداد پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ہمیشہ اس صفت غنا سے متصف ہے۔ اور ہمیشہ اس سے متصف رہے گا۔ لیکن مخلوق کا غنا اسباب زندگی کے حاصل ہو جانے یا خوشی میسر ہونے یا کسی آفت سے نجات پانے یا کسی چیز کے مشاہدہ سے آرام پانے کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ اور یہ سب باتیں حادث و متغیر ہیں اور جستجو و حیرت کا سرمایہ اور عاجزی و خواری کا محل ہیں۔ پس غنا کا نام بندہ کے لئے مجازی اور حق تعالےٰ کے واسطے حقیقی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ ترجمہ (اے لوگو! تم اللہ کی طرف محتاج ہو۔ اور اللہ ہی بے نیاز سزاوار حمد و ثنا ہے) اور نیز اُس نے فرمایا ہے۔ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ ترجمہ (اللہ ہی بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو) عوام الناس کا ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ ہم دولت مند کو درویش پر فضیلت دیتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس کو دونوں جہان میں سعادت مند پیدا کیا ہے۔ اور تونگری کا اس پر احسان فرمایا ہے۔ یہ لوگ غنا سے دُنیا کی کثرت، بشری مقصود کا حاصل کرنا۔ اور شہوت رانی مراد لیتے ہیں۔ اور اس پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ غنا پر اللہ تعالےٰ نے شکر کا حکم فرمایا ہے۔ اور فقر پر صبر کا۔ پس صبر مصیبت میں ہوتا ہے۔ اور شکر نعمتوں پر اور درحقیقت نعمتیں مصیبت سے افضل ہوتی ہیں ہم کہتے

ہیں کہ نعمت پر شکر کا حکم زیادتی نعمت کا سبب بنایا ہے۔ اور فقر پر صبر کو قرب الٰہی کی زیادتی کا سبب ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ ترجمہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) اور شکر کو نعمت کی زیادتی کا سبب قرار دے کر فرمایا ہے۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ۔ ترجمہ (اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہارے لئے نعمت زیادہ کروں گا) جو شخص کسی نعمت پر جس کی اصل غفلت ہے شکر کرے گا۔ ہم اس کی غفلت پر اور غفلت زیادہ کر دیں گے۔ اور جو شخص فقر میں جس کی اصل مصیبت ہے صبر کرے گا۔ ہم اس کے قرب میں اور اضافہ کر دیں گے۔ لیکن وہ غنا جسے مشائخ صوفیہ فقر سے افضل غناء کہتے ہیں۔ وہ غناء جیسا کہ عوام الناس سمجھتے ہیں۔ نعمتوں کا پانا نہیں۔ بلکہ وہ تو منعم حقیقی کو پالینا ہے پس منعم حقیقی کا پالینا اور چیز ہے اور غفلت کا پالینا (جو نعمت دُنیاوی کی اصل ہے) کچھ اور چیز۔ شیخ ابوسعیدؒ فرماتے ہیں۔ اَلْفَقْرُ ھُوَ الْغِنَاءُ بِاللّٰہِ۔ ترجمہ (فقر اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہونا ہے) اس سے مُراد مشاہدۂ ذاتِ حق سے ہمیشہ کے لئے کشف حاصل کرنا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کشف سے مشاہدۂ حق کرنے والے پر پھر حجاب کا آجانا ممکن ہے۔ پس اگر یہ حجاب مشاہدہ کرنے والے کو مشاہدۂ حق سے محجوب کر دے۔ تو کیا وہ مشاہدہ کا محتاج ہو گا یا نہیں؟ اگر وہ یہ کہیں کہ محتاج نہیں ہو گا۔ تو یہ محال ہے۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ وہ محتاج ہو گا تو ہم کہتے ہیں کہ جب اُس کو احتیاج ہوئی تو غنا جاتا رہا (لہٰذا فقر کی یہ تعریف صحیح نہیں) اور نیز غنا باللہ فقط اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جس کی صفت کو بقا اور مُراد کو دوام حاصل ہو۔ اور انسانیت کے اوصاف پر غنا کا اطلاق صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ اس کی ذات خود غنا کے قابل نہیں۔ اس لئے کہ بشریت کا وجود عین نیاز و احتیاج ہے۔ اور احتیاج حدوث کی نشانی ہے۔ پس جس کی صفت باقی ہے وہی غنی ہو سکتا ہے۔ اور جس کی صفت فانی ہے۔ اس پر اسی اسم کا اطلاق درست نہیں (یعنی چونکہ انسان کی صفتیں متغیر اور فانی ہیں۔ اس لئے ہم اس کو غنی نہیں کہہ سکتے) پس اَلْغَنِیُّ مَنْ اَغْنَاہُ اللّٰہُ۔ ترجمہ (غنی وہی ہے جس کو اللہ غنی کرے) اس لئے کہ غنی باللہ کی صورت میں بندہ فاعل ہو گا۔ اور مَنْ اَغْنَاہُ اللّٰہُ کی صورت میں مفعول۔ اور فاعل بذات

خود قائم ہوتا ہے۔ اور مفعول کا قیام فاعل کے ساتھ ہوتا ہے۔

پس پہلی صورت میں قائم بخود ہونا بشریت کی صفت کا ثابت کرنا ہوگا۔ (جو صحیح نہیں) اور دوسری صورت میں قائم بحق ہونا بندہ کی صفت کا محو کرنا ہوگا۔ (جو بالکل صحیح ہے) اور میں علی بن عثمان جلابی اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے یوں کہتا ہوں کہ جب عبودیت میں یہ بات درست ہو چکی ہے کہ غنا کا اطلاق درحقیقت صفت بقا پر بھی صحیح نہیں۔ کیوں کہ آدمی کی صفت کا باقی رہنا دلائل مذکورہ سے علت کا محل اور آفت کا سبب ہوتا ہے اور صفت کا فنا ہونا خود غنا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو چیز باقی بذات خود نہ ہو اُس کو کوئی نام نہیں دیتے۔ پس غنا کا نام فنا صفت رکھنا چاہیئے۔ اور جب صفت فانی ہوئی تو اسم کا محل بھی ساقط ہو گیا۔ غرض نہ صفت غنا ذاتِ حق تعالیٰ سے متجاوز ہو سکتی ہے (اور نہ صفت فقر بندہ سے) آدمی پر نہ فقر کے اسم کا اطلاق ہو سکتا ہے نہ غنا کا۔ پھر تمام مشائخ صوفیہ اور اکثر علماء فقر کو غنا پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے کہ کتاب اور سنت اس پر ناطق ہیں اور امت کے اکثر لوگ اس بات پر متفق ہیں۔ میں نے حکایات میں پڑھا ہے۔ کہ ایک روز حضرت جنیدؒ اور ابن عطارہ کے درمیان اسی مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی (کہ فقر افضل ہے کہ غنا) ابن عطارہ نے اغنیا کو افضل قرار دیتے ہوئے یہ دلیل پیش کی کہ اللہ تعالیٰ اُن سے بالمشافہ حساب لیں گے۔ اور حساب لینا بے واسطہ کلام سنانا ہوتا ہے۔ اور بے واسطہ ایک دوست کا دوسرے دوست پر عتاب ہوتا ہے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا۔ اگر اغنیاء سے حساب لیں گے۔ تو درویشوں سے عذر چاہیں گے اور عذر حساب سے افضل ہوتا ہے۔ اور یہاں ایک عجیب لطیفہ ہے۔ ہم کہتے ہیں محبت میں عذر کرنا بیگانگی ہوتا ہے۔ اور عتاب کرنا مخالفت۔ اور دوست ایسے مقام میں ہوتے ہیں۔ کہ یہ دونوں باتیں اُن کے دوستانہ مراسم میں آفت اور عیب معلوم ہوتی ہیں۔ کیوں کہ عذر کسی ایسی کوتاہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جو اُس سے دوست کے فرمان میں ہو جاتی ہے۔ جب دوست اُس سے اپنا حق طلب کرتا ہے تو وہ اُس سے عذر کرتا ہے۔ اور عتاب ایسے قصور کے سبب سے ہوتا ہے۔ جو اُس نے دوست کا فرمان بجا لانے میں کیا ہو۔ تب دوست اُس قصور پر اُس کو عتاب

کرتا ہے۔ اور یہ دونوں امر محال ہیں۔ الغرض دونو سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ فقرا سے صبر کا اور اغنیا سے شکر کا۔ اور دوستی میں نہ دوست دوست سے کچھ طلب کرتا ہے اور نہ دوست دوست کے فرمان سے منہ موڑتا ہے۔ کہتے ہیں ظَلَمَ مَنْ سَمّٰی ابْنَ اٰدَمَ اَمِيْراً وَقَدْ سَمَّاهُ رَبُّهٗ فَقِيْراً۔ ترجمہ (جس نے ابنِ آدم کا نام امیر رکھا۔ حالانکہ اللہ نے اس کا نام فقیر رکھا ہے تو اس نے ظلم کیا) یعنی جس کا نام خدا تعالےٰ نے فقیر رکھا ہے۔ اگرچہ وہ امیر ہی ہو۔ وہ فقیر ہے۔ اور ہلاک ہوا وہ شخص جس نے سمجھا کہ وہ امیر نہیں۔ جبکہ اس کی نشست گاہ تخت و سریر ہے۔ کیونکہ اغنیا صاحب صدقہ ہوتے ہیں اور فقرا صاحب صدق۔ اور صاحب صدق ہرگز صاحب صدقہ کی طرح نہیں ہوتا (بلکہ درجہ میں اس سے بڑھ کر ہوتا ہے) پس حقیقت میں فقر سلیمان علیہ السلام غنائے سلیمان علیہ السلام کی طرح ہے۔ اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوبؑ کے لئے ان کے سخت صبر کی بدولت فرمایا۔ نِعْمَ الْعَبْدُ۔ ترجمہ (وہ بہت ہی اچھا بندہ ہے) اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے لئے بھی ان کی حکومت کے راستی پر مبنی ہونے کے متعلق فرمایا۔ نِعْمَ الْعَبْدُ۔ ترجمہ (وہ بہت ہی اچھا بندہ ہے) پس جب رضائے الٰہی ہو گئی تو ان کے فقر کو ان کے غنا کی مانند کر دیا۔

حکایت

(مصنف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں) کہ میں نے استاد ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ سے سنا ہے وہ کہتے تھے۔ کہ لوگوں نے فقر و غنا کے بارے میں کلام کیا ہے ہر ایک نے اپنے لئے ایک بات اختیار کر لی ہے لیکن میں اس بات کو اختیار کرتا ہوں جس کو خدا تعالیٰ میرے لئے پسند فرمائے اور مجھے اس میں محفوظ رکھے۔ اگر وہ مجھے دولت مند کرے تو غافل نہ رہوں۔ اور اگر درویش بنادے تو حریص نہ رہوں پس غنا نعمت ہے اور اس میں غفلت آفت ہے۔ اور فقر نعمت ہے اور اس میں کفر و حرص ہلاکت ہے۔ اور فقر و غنا کے متعلق یہ تمام باتیں باوجود اختلاف روش کے سب اچھی ہیں۔ لیکن بغور دیکھا جائے تو فقر ماسوائے حق سے دل کا فارغ ہوتا ہے۔ اور غنا غَیْرُ اللہ (یعنے امور دنیاوی) میں دل کا مشغول ہونا۔ جب ماسوائے اللہ

سے فراغت حاصل ہو گئی۔ تو فقر غنا سے بہتر ہوا۔ اور غنا فقر سے کمتر۔ غنا کثرت سامان اور فقر قلت سامان کا نام نہیں۔ اس لئے کہ سامان دنیا سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے جب طالب حق ملک کو ترک کر دے (اور یہ جان لے کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہیں) تو شرکت درمیان سے اٹھ گئی۔ اور طالب دونوں ناموں سے فارغ ہوا۔

تیسری فصل

فقر و غنا کے متعلق مشائخ کے اقوال

مشائخ طریقت میں سے ہر ایک نے فقر و غنا کے بارے میں اپنا اپنا خیال ظاہر فرمایا ہے۔ اور میں حتی الامکان اُن کے اقوال اس کتاب میں بیان کروں گا انشاء اللہ۔

چنانچہ متاخرین میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں لَیْسَ الْفَقِیْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الزَّادِ اِنَّمَا الْفَقِیْرُ مَنْ خَلَا مِنَ الْمُرَادِ۔ ترجمہ (فقیر وہ نہیں جس کا ہاتھ ساز و سامان دنیوی سے خالی ہو۔ بلکہ فقیر وہ ہے جس کی طبیعت مراد سے خالی ہو) چنانچہ اگر خدا تعالیٰ اُسے مال دے۔ اور اُس کی مراد مال کی حفاظت ہو تو بھی وہ غنی ہے اور اگر اُس کی مراد مال کا ترک کر دینا ہو تو بھی وہ غنی ہے یہ دونوں باتیں غیر کے ملک میں تصرف کرنا ہیں اور فقر حفاظت و تصرف دونوں کا ترک کرنا ہے۔

یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں عَلَامَۃُ الْفَقْرِ خَوْفُ الْفَقْرِ۔ ترجمہ (صحیح فقر کی علامت یہ ہے۔ کہ بندہ کمال ولایت و قیام مشاہدہ و صفت جاتے رہنے اور حق سے دور ہو جانے سے ڈرتا رہے) غرض اُس کمال تک پہنچ جائے کہ اس کی علیحدگی سے ڈرتا رہے رویم بن محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ مِنْ نَعْتِ الْفَقْرِ حِفْظُ سِرِّہٖ وَ صِیَانَۃُ نَفْسِہٖ وَ اَدَاءُ فَرَائِضِہٖ۔ ترجمہ (فقر کی تعریف یہ ہے۔ کہ فقیر کا باطن اغراض نفسانی سے اور اُس کا بدن آفت سے محفوظ ہو اور جو احکام اُس پر فرض ہیں برابر ادا ہوتے رہیں) چنانچہ جو کچھ باطن میں گذرے اُس کے اظہار میں مشغول نہ ہو۔ اور واردات قلبی کا غلبہ اس کو حکم شریعت بجا لانے سے نہ روکے۔ اور یہ فی الحقیقت بشریت کے زائل ہونے کی علامت ہے۔ کہ

بندہ ہمہ تن حق کے موافق ہوجائے۔ اور یہ بات بھی حق تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوتی ہے۔

بشر حافی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَفْضَلُ الْمَقَامَاتِ اِعْتِقَادُ الصَّبْرِ عَلَى الْفَقْرِ اِلَى الْقَبْرِ۔ ترجمہ (سب سے افضل مقام فقر پر قبر تک صبر کا اعتقاد کرنا ہے) یعنی درویشی پر ہمیشہ صبر کا اعتقاد کرنا بندہ کے تمام مقاماتِ قرب میں افضل مقام سے ہے۔ پس درویشی پر صبر کا اعتقاد کرنا اعمال و افعال کی بربادی اور اوصاف کے فنا ہونے کی علامت ہے۔ لیکن اس قول کے ظاہری معنی فقر کو غنا پر فضیلت دینا اور اس بات کا اعتقاد کرنا ہے۔ کہ فقر سے کبھی منہ نہیں موڑوں گا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْفَقِيْرُ مَنْ لَا يَسْتَغْنِيْ بِشَيْءٍ دُوْنَ اللّٰهِ۔ ترجمہ (فقیر وہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز سے بھی غنی نہیں ہوتا) یعنی فقیر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز سے آرام نہیں پاتا۔ اس لئے کہ اس کی ذات کے سوا اس کا کوئی مقصود اور مطلوب نہیں ہوتا۔

اس لفظ کا ظاہری مطلب یہ ہے۔ کہ اس کی ذات کے سوا کسی اور چیز سے تونگری حاصل نہیں کر سکتا۔ اور جب اس کو پا لیا تو تونگر ہوگیا۔ پس تیری ہستی حق تعالیٰ کے سوا ہے۔ اور جب ماسوی اللہ (دنیا و مافیہا) کے ترک کئے بغیر تو تونگری نہیں حاصل کر سکتا۔ تو خود تونگری کا حجاب ہوا۔ اور جب تک تو راستہ سے اُٹھ نہ جائے بھلا تو تونگر کب ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات اہلِ حقیقت کے نزدیک نہایت دقیق اور لطیف ہے اور اس قول کا حقیقی مطلب یہ ہے۔ کہ اَلْفَقِيْرُ اَنْ لَّا يَسْتَغْنِيْ عَنْهُ۔ ترجمہ (فقیر کی شان یہ ہے۔ کہ وہ ذاتِ حق سے کبھی مستغنی نہ ہو) یعنی فقیر وہ ہے۔ کہ اس کو کبھی غنا حاصل نہ ہو (بلکہ ہمیشہ ذاتِ حق کا محتاج ہو) اور یہ وہی بات ہے جو اس پیر یعنی عبداللہ انصاری ہروی رحمۃ اللہ نے کہی ہے۔ کہ ہمارا غم ابدی ہے کیوں کہ نہ تو ہماری ہمت کبھی مقصود کو پاتی ہے اور نہ دنیا اور آخرت میں ہماری کلیت (حقیقتِ آدمی جس سے مراد بشریت و انسانیت ہے) فنا ہوتی ہے۔ اس لئے کسی چیز کے پانے کے لئے ہم جنس ہونا لازم ہے۔ اور ذاتِ حق ہم جنسِ بشریت نہیں اور اس کے ذکر سے روگردانی غفلت ہے۔ اور درویش غافل نہیں ہوتا پس یہ ایک دائمی مصیبت ہوگئی ہے۔ اور کٹھن راستہ

ہے۔کیونکہ اُس ذات سے دوستی ہے۔کہ نہ کوشش انسان کو اُس کے دیدار کے لئے راستہ ہے۔ اور نہ اُس کا وصال خلقت کے مقدور میں ہے۔ نہ ماسوی اللہ بقا اختیار کر سکتا ہے۔ اور نہ بقائے ذاتِ حق میں کوئی تغیر جائز ہے۔ فانی کبھی باقی نہیں ہو سکتا تاکہ (بوجہ مجانست) وصل حاصل ہو جائے اور نہ باقی فانی ہو سکتا ہے کہ قرب حاصل ہو جائے۔ غرض اولیاء اللہ کا کام سراسر رنج و محنت ہے۔ لوگوں نے دل کی تسلی کے لئے ایک مضمون بنا سنوار رکھا ہے۔ اور جان کے آرام کے لئے مقامات اور منزلیں اور اُن کے حصول کا طریقہ ظاہر کر کے عبارتیں اُس کے اظہار کے لئے خود بخود گھڑ لی ہیں اور مقامات اپنے آپ وضع کر لئے ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ مخلوق کے اوصاف و احوال سے منزہ ہے۔ اور ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ نَعْتُ الْفَقِیْرِ السُّکُوْتُ عِنْدَ الْعَدَمِ وَالْبَذْلُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ وَقَالَ اَیْضًا اَلْاِضْطِرَابُ عِنْدَ الْوُجُوْدِ۔ ترجمہ (فقیر کی صفت یہ ہے۔ کہ چیز کے نہ ہونے کی صورت میں خاموش رہے۔ اور ہونے کی صورت میں اُس کو خرچ کرے اور نیز فرمایا ہے۔ کہ اس چیز کے موجود ہونے کے وقت بے قرار ہو) یعنی فقیر جب کوئی چیز نہ پائے تو خاموش رہے۔ اور جب پائے تو دوسرے کو اُس کا اپنے سے زیادہ مستحق سمجھے۔ اور اس کو اس چیز پر خرچ کرے۔ پس وہ شخص جس کو خوراک مطلوب ہو جب مطلوب اُس کو نہ ملے۔ تو دل اُس کا مطمئن رہے۔ اور جب وہ مطلوب (خوراک) مل جائے تو جسے وہ اپنی نسبت اس کا زیادہ مستحق سمجھے اُسے دے دے۔ یہ بہت بڑا کام ہے۔ اور اس قول کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ نعمتِ دنیا کے موجود نہ ہونے کی حالت میں اُس کی تسلی اُس کا راضی برضائے الٰہی ہونا ہے۔ اور اس کے موجود ہونے کی حالت میں اُس کا دوسروں پر خرچ کرنا محبت الٰہی ہے۔ اس لئے کہ راضی کا مطلب ہے۔ فرمانبرداری کا قبول کرنے والا۔ اور فرمانبرداری قربِ الٰہی کی علامت ہے۔ اور محب نعمت کو ترک کرنے والا ہوتا ہے۔ اور نعمت خدا سے علیحدگی کا نشان ہے۔ دوسرے یہ کہ نعمتِ دنیا کے نہ ہونے کی صورت میں اُس کی تسلی اُس نعمت کے موجود ہونے کا انتظار ہے۔ اور جب وہ نعمت موجود ہو جائے تو چونکہ وہ ذاتِ حق کا غیر ہے۔ اور اس کو غیر اللہ کے ساتھ آرام نہیں اس لئے وہ اُس

کو ترک کر دے اور شیخ المشائخ ابوالقاسم جنید بن محمد الجنید رحمہ اللہ کے اس قول کا مطلب بھی یہی ہے۔ جو انھوں نے فرمایا ہے اَلْفَقْرُ خُلُوُّ الْقَلْبِ عَنِ الْاَشْکَالِ ۔ ترجمہ (فقر دل کا ماسوائے اللہ کی صورتوں سے خالی ہونا ہے) جب اس کا دل ماسوائے اللہ کی صورت سے خالی ہو تو ماسوا کو دل سے باہر نکالے بغیر اس کو کیا چارہ ہے۔

شبلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْفَقْرُ بَحْرُ الْبَلَاءِ وَبَلَاءُہٗ کُلُّہٗ عِزٌّ۔ ترجمہ (درویشی مصیبت کا دریا ہے۔ اور اس کی تمام مصیبتیں عزت ہیں) اور عزت فقر ہی کا حصہ ہے۔ اس لئے کہ وہ عین بلا میں مبتلا ہوتا ہے اُس کو غیر کی کیا خبر۔ یہاں تک کہ جب وہ بلا سے ہٹ کر بلا میں ڈالنے والے (ذاتِ حق) کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو اس وقت اس کی مصیبت اس کے لیئے عزت بن جاتی ہے۔ اور اس کی ساری عزت قربت اور اس کی قربت محبت۔ اور اس کی محبت سب مشاہدہ بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ طالب کا دماغ خیال کے غلبہ سے دیدار کا محل ہو جاتا ہے کہ بغیر کان کے سنتا ہے۔ پس عزت والا وہ بندہ ہے۔ جو دوست کی بلا کا بوجھ اٹھائے۔ کیونکہ بلاء حقیقت میں عزت اور نعمت ذلت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ عزت وہ ہے جو بندہ کو حضورِ حق میں حاضر کر دے اور ذلت وہ ہے جو اس کو حق سے غائب کر دے اور فقر کی بلاء حضورِ حق کا نشان ہے۔ اور غنا کی راحت اس سے دوری کی علامت۔ پس حاضر بحضورِ الٰہی عزیز اور حق سے غائب ذلیل ہے۔ اور وہ بلا جس کا مطلب مشاہدہ اور دیدارِ محبت ہو جس طرح بھی اس سے تعلق ہو غنیمت ہے۔

جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ یَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ اِنَّکُمْ تُعْرَفُوْنَ بِاللّٰہِ وَتُکْرَمُوْنَ لِلّٰہِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَکُوْنُوْا مَعَ اللّٰہِ اِذَا خَلَوْتُمْ بِہٖ ترجمہ (اے گروہ فقرا! لوگ تمہیں اللہ کے واسطے سے پہچانتے ہیں اور اللہ ہی کے لئے تمہاری عزت کرتے ہیں۔ پس دھیان رکھو کہ اللہ کے ساتھ خلوت میں تم کیسے ہو) یعنی جب لوگ تمہیں درویش کہتے ہیں۔ اور تمہارا حق ادا کرتے ہیں۔ تو غور کرو کہ تم طریقِ درویشی کا حق کیوں کر ادا کرتے ہو؟ اور اگر لوگ تمہیں تمہارے

دعوے کے خلاف کسی اور نام سے پکاریں۔ تو ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرو۔ کیوں کہ اس صورت میں تم نے بھی اپنے دعوے کا حق ادا نہ کیا ہوگا۔ کیوں کہ سب سے کمینہ وہ شخص ہے۔ جسے لوگ اللہ کا بندہ سمجھیں اور وہ فی الواقع اس کا بندہ نہ ہو۔ اور سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے۔ جسے لوگ اسی کا بندہ سمجھیں۔ اور خود بھی فی الواقع اس کا بندہ ہو۔ اس شخص کی مثال جسے لوگ بندۂ خدا سمجھیں اور وہ خود بندۂ خدا نہ ہو۔ اس شخص کی سی ہے۔ کہ طبیب ہونے کا دعویٰ کرے اور بیماروں کا علاج بھی کرے۔ اور جب خود بیمار ہو جائے تو دوسرے طبیب کی اس کو حاجت ہو۔ کہ وہ اس کا علاج کرے۔ اس شخص کی مثال جسے لوگ بندۂ خدا سمجھیں اور وہ خود واقعی بندۂ خدا ہو اس آدمی کی سی ہے جو طبیب ہونے کا دعوے کرے اور بیماروں کا علاج کرے اور جب خود بیمار ہو۔ تو اسے کسی دوسرے طبیب کی حاجت نہ ہو۔ وہ اپنے علاج خود جانتا ہے۔ اور اس کی مثال جسے لوگ بندۂ خدا نہ سمجھیں اور وہ خود فی الواقع بندۂ خدا ہو۔ اس شخص کی سی ہے کہ وہ طبیب ہے۔ اور لوگوں کو اس کا علم نہیں اور وہ خود لوگوں میں مشغول ہونے سے فارغ ہے۔ اور اپنے آپ کو موافق غذاؤں۔ فرحت دینے والے شربتوں اور معتدل ہواؤں سے اچھی طرح رکھتا ہے۔ تاکہ بیمار نہ ہو جائے۔ حالانکہ لوگوں کی آنکھ اس کے حال سے بالکل بند ہے اور بعض متاخرین نے فرمایا ہے۔ اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُوْدٍ۔ ترجمہ (فقر عدم بلا وجود ہے) اس قول کا مطلب بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ معدوم کوئی چیز نہیں۔ اور چیز کے سوا غیر چیز کی تعبیر نہیں کی جا سکتی پس یہاں یہ صورت ہوگی۔ کہ فقر کوئی چیز نہیں۔ اور تمام اولیاء اللہ کی عبارتیں اور ان کا اجتماع کسی اصل پر مبنی نہیں۔ کیوں کہ فقر اپنی ذات میں فانی اور معدوم ہے۔ اور یہاں اس عبارت سے عین (ذات فقر) کا عدم مطلوب نہیں۔ بلکہ اس عین کی آفت کا عدم مراد ہے۔ اور آدمی کے تمام اوصاف آفت (باعث خرابی) ہیں۔ جب آفت کی نفی ہوئی۔ تو صفت کا فنا ہونا حاصل ہوا۔ اور صفت کا فنا ہو جانا۔ وصل بحق ہونے کا سبب ہے اور عدم وصول الی اللہ کو ان کے سامنے سے اٹھا دیتا ہے۔ اور ان کی روش کے مخالف کو نفی عین (ذات فقیر) معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ نہیں ہلاک

کمدیتی ہے ۔

اور مَیں نے متکلمین کی ایک جماعت کو دیکھا ہے ۔ کہ وہ اس معنی کی باریکیوں کو نہ سمجھتے ہوئے اُس پر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات معقول نہیں ۔ اور مدعیوں کا ایک ایسا گروہ بھی دیکھا ہے ۔ جو عقل نہ آنے والی اِس بات کو قبول کر کے اس پر اعتماد کرتے ہیں ۔ لیکن اصل حقیقت معلوم نہ کر کے یہ کہتے ہیں اَلْفَقْرُ عَدَمٌ بِلَا وُجُوْدٍ ۔ ترجمہ (فقر لاشئی محض ہے جس کا کوئی وجود نہیں) یہ دو نوں گروہ غلطی پر ہیں ایک ان میں سے اپنی جہالت کی وجہ سے حق تعالیٰ کا منکر ہے ۔ اور دوسرے گروہ نے جہل کو حال بنالیا ہے ۔ اور اُس حال میں جلوہ گر ہوا ہے ۔

عبادات میں عدم وفنا سے مُراد اُس گروہ صوفیا کی عمدہ اور صفات محمودہ کی طلب میں بُرے اسباب اور بُری صفات سے کنارہ کش ہونا ہے ۔ اور طلب کا سبب موجود ہوتے ہوئے عدم سے عدم معنی (عین وحقیقت) مُراد نہیں ۔ الغرض درویش فقر کے تمام معانی سے خالی اور تمام اسباب دنیاوی سے بالکل بے گانہ ہے ۔ لیکن اس کے باوجود وہ اسرار ربانی کی گذرگاہ ہے ۔ جب تک اس کے خیال خود اس کے کسب سے سرزد ہوتے ہیں ۔ تو وہ اس کی طرف ہی منسوب کئے جاتے ہیں ۔ اور جب اُس کے افعال کسب کے تعلق سے آزاد ہو جاتے ہیں تو اُس کے فعل کی نسبت اُس سے قطع ہو جاتی ہے اس وقت جو حالت اس پر گزرتی ہے وہ نہ اس کے ارادہ سے آتی ہے اور نہ اُسکے ارادہ سے جاتی ہے وہ کسی چیز کو نہ خود اپنے اوپر لاتا ہے اور نہ اپنے اوپر سے ہٹاتا ہے بلکہ سب حالات اُس عین (ذاتِ حق) کی طرف سے ہوتے ہیں ۔ جو اُس کا پتہ دیتے ہیں ۔ اور مصنف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے متکلمین کا ایک گروہ دیکھا کہ عین فقر میں نفی وجود کا قائل تھا جس سے ان کا کامل نہ ہونا ظاہر ہوتا تھا ۔ اور یہ بات بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہے اور میرے خیال میں عین فقر میں فقر کی حقیقت کی نفی سے اُن کی مُراد صفت کی نفی معلوم ہوتی تھی ۔ اور اسی طرح حق وحقیقت کی طلب کی نفی کو وہ لوگ فقر وصفوت کہتے ہیں اور خواہش نفس کا اثبات اُن کے نزدیک نفئ کل ہے اُن میں سے ہر ایک شخص فقر کے حجابوں میں سے کہیں ایک درجہ میں رکا ہوا تھا ۔ کیوں کہ اور یہی بات اُس شخص کے لئے کمال ولایت کی علامت تھی اور اس بات کی

محبت اور اس کا قصد تمام غایتوں کی غایت ۔ یعنی اُن کی یہ محبت محلِ کمال کی محبت ہے پس اس بات کے طالب کے لئے اُن کے طریق پر چلنے اور اُن کے مقامات طے کرنے اور اُن کی عبارات کے سمجھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔ تاکہ وہ خواص کے محل میں عام نہ رہیں ۔ کیوں کہ جو عوام اصول کے متعلق کچھ نہیں جانتے ہیں ۔ وہ اصول سے اعراض کرتے ہیں ۔ جو عوام فروع سے (ناواقف) ہیں ۔ وہ فروع سے رُوگردانی کرتے ہیں ۔ جو شخص فروع کے بجا لانے سے عاجز ہو ۔ اس کا تعلق اصول سے ہوتا ہے ۔ لیکن جو اصول کے جاننے سے عاجز ہو تو کہیں بھی اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا ۔ اور یہ سب باتیں میں نے اس لئے بیان کی ہیں ۔ کہ تم ان حقائق کو اچھی طرح سمجھو اور ان کے تقاضے کے مطابق راہ چلو اور اُن کی نگاہداشت میں مشغول ہو جاؤ ۔ اب میں اس گروہ کے چند اصول اور رموز اور تصوف کے بارے میں ان کے بعض اشارات کی وضاحت کرتا ہوں ۔ پھر مردانِ خدا کے نام اور مشائخ صوفیہ کے مذاہب کا اختلاف اور اس کے بعد حقائقِ تصوف اور معارفِ الٰہیہ اور معاملاتِ شرعیہ اور اس کے بعد حتی الامکان اُن کے مقامات کے رموز و آداب بیان کروں گا ۔ تاکہ تم پر اور دوسرے پڑھنے والوں پر اس طریقِ تصوف کی حقیقت منکشف ہو جائے ۔

تیسرا باب ۔ تصوف

پہلی فصل

تصوف کے معنی

اللہ عزوجل نے فرمایا ہے ۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۔ ترجمہ (اللہ رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اُن سے کلام کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ۔ سلام ہے) اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ۔ مَنْ سَمِعَ صَوْتَ اَهْلِ التَّصَوُّفِ فَلَا يُؤْمِنُ عَلٰى دُعَائِهِمْ كُتِبَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْغَافِلِيْنَ ۔ ترجمہ (جو اہلِ تصوف کی آواز سُنے اور اُن کی

برباد پر یقین نہ کرے وہ اللہ تعالےٰ کے ہاں غافلوں میں لکھا جاتا ہے۔ لوگوں نے (معنی تصوف) کی تحقیق میں بہت سے اقوال بیان کئے ہیں۔ اور اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ نے کہا ہے۔ کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صوف کا لباس پہنتا ہے۔ اور دوسرا گروہ کہتا ہے۔ کہ اس کو صوفی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اصحاب صفہ رضوان اللہ علیہم کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ ایک اور گروہ کا قول ہے۔ کہ یہ اسم لفظ صفا سے مشتق ہے۔ الغرض لفظ تصوف کے معنی میں ہر شخص نے لطیف اشارات بیان کئے ہیں لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ سب لغوی تحقیق ہے۔ جن کا تصوف کے حقیقی معنی سے کوئی تعلق نہیں۔ صفائی سب امور میں محمود ہے۔ اور اس کی ضد کدورت ہے جیسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا وَبَقِيَ كَدَرُهَا۔ ترجمہ (دنیا کی صفائی جاتی رہی اور اس کی کدورت باقی رہ گئی) اور کسی چیز کی خوبیوں کا نام اس کی برگزیدگی اور پاکیزگی ہے۔ اور اس کی خرابیوں کا نام اس کی کدورت اور برائی ہے۔ پس چونکہ اس حال (تصوف) والوں نے اپنے اخلاق و معاملات (ظاہری اطوار) کو درست کر لیا ہے۔ اور طبیعت کی آفت (طبعی اور باطنی عیوب) سے بیزاری اختیار کر لی ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو صوفی کہتے ہیں۔ اور یہ اسم اس گروہ کا اسم علَم ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں کا حصہ (حق) اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ کہ ان کے معاملات کو پوشیدہ رکھا جا سکے۔ یہاں تک کہ ان کے اسم کے لئے بھی کسی ایسے مادہ سے مشتق ہونا لازم ہے (کہ وہ کسی معنی پر دلالت کرے) اور اس زمانہ میں حق تعالےٰ نے اکثر لوگوں کو اس حال (تصوف) اور اہل تصوف سے حجاب میں کر رکھا ہے۔ اور اس حال کی عمدگی کو ان کے دلوں سے پوشیدہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک گروہ کا خیال ہے۔ کہ یہ کام صرف مشاہدہ باطن کے بغیر ظاہر کی اصلاح ہے اور ایک گروہ کا خیال ہے۔ کہ صوفی ایک اسم ہے جس کی کوئی حقیقت اور اصل نہیں۔ یہاں تک کہ بیہودہ لوگوں کو دیکھ کر علمائے ظاہر بین نے بھی اس طریق (تصوف) کی اصلیت کا ہی انکار کر دیا ہے۔ اور اس حال کے پردہ ہی

سے خوش ہو گئے ہیں۔ اِس لئے عوام نے ان کی تقلید کی اور طلبِ صفائے باطن کا خیال
دل سے بالکل مٹا دیا۔ اور سلف صالحین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریق کو بالائے طاق
رکھ دیا ہے۔ شعر

إِنَّ الصَّفَا صِفَتُ الصِّدِّيْقِ ؛
إِنْ أَرَدْتَ صُوْفِيًّا عَلَى التَّحْقِيْقِ ؛

ترجمہ (اگر تم حقیقی صوفی بننا چاہتے ہو۔ تو بلا شبہ صفائے باطن حضرت صدیق
اکبر رضی اللہ عنہ کی صفت ہے) کیونکہ صفائے باطن کا ایک اصل اور ایک فرع
ہے۔ اس کا اصل اغیار سے دل کا منقطع ہونا ہے۔ اور اس کی فرع دنیائے غدار سے
دل کا خالی ہونا ہے۔ اور یہ دونوں امر حضرت صدیق اکبر ابوبکر عبد اللہ ابن ابی قحافہ
رضی اللہ عنہ کی صفات ہیں۔ اس لئے کہ وہ حضرات اہل طریقت کے امام تھے اور
آپ کے دل کا غیر اللہ سے منقطع ہونا یوں تھا۔ کہ جب تمام صحابہ رضوان اللہ
اجمعین پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے حضرت معلّٰے اور حظیرۂ قدس میں تشریف لے جانے
(وفات پا جانے) سے شکستہ دل ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار
کھینچ کر فرما رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے ہیں
میں اس کا سر کاٹ دوں گا۔ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باہر تشریف
لائے اور بآواز بلند یہ فرمایا اَلَا اِنَّ مَنْ عَبَدَ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ
وَمَنْ عَبَدَ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهٗ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ۔ ترجمہ (خبردار لوگو! جو
شخص محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا۔ پس بلا شبہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم تو وفات پا گئے۔ اور جو شخص آن حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے رب کی
عبادت کرتا تھا۔ تو وہ زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۔ ترجمہ (محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ
کے ایک رسول ہی ہیں۔ آپ سے پہلے بھی بہت رسول گزر چکے ہیں۔ پس کیا اگر
وہ مر جائیں یا قتل کئے جائیں تو تم دین سے پھر جاؤ گے؟) یعنی جس نے
حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنا معبود سمجھ کر اُن سے دل لگا رکھا تھا۔ اُسے اب

رنج وغم کے سوائے کوئی چارہ نہیں۔ کیونکہ وہ معبود دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں اور جس نے آپ کے پروردگار کو معبود سمجھ رکھا تھا۔ اُسے کچھ فکر نہیں کیوں کہ وہ ہمیشہ زندہ ہے۔ جو کبھی نہیں مرے گا۔ غرض جو فانی چیز میں دِل لگاتا ہے وہ یقیناً فنا ہوجاتی ہے۔ اور اس کی فنا ہوجانے سے اُس کو رنج حاصل ہوتا ہے لیکن جو شخص اپنی جان حضرت باقی سُبحانہٗ کے حوالے کر دیتا ہے۔ تو جب اُس کا نفس فنا ہوجاتا ہے۔ (اُس کا تعلق جسم سے منقطع ہوجاتا ہے) تو وہ بقائے دوام سے (بغیر تعلق جسم) باقی رہتا ہے پس جس نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کو انسانی (ظاہری) آنکھ سے دیکھا۔ جب وہ (جسمِ اطہر) دُنیا سے اُٹھ گیا تو حضورؐ کی تعظیم بھی اُس کے دِل سے اُٹھ گئی۔ اور جس نے حضور کے رُوحِ اقدس کو حقیقت کی آنکھ سے دیکھا اُس کے نزدیک حضور کا دُنیا سے چلا جانا اور یہاں رہنا دونوں یکساں ہیں۔ کیوں کہ اس نے حالتِ بقاء میں آپ کی بقا کو بواسطۂ حق سُبحانہٗ اور حالتِ فنا میں آپ کی فنا کو منجانب اللہ ہی سمجھا۔ اور اس نے مُحَوَّلْ یعنی تبدیل کئے ہوئے (جسمِ اطہر) سے مُنہ موڑ کر مُحَوِّلْ یعنی تبدیل کرنے والے کی طرف توجہ دی۔ اور اکرامِ الٰہی کے مطابق آپ کی تعظیم کی۔ نہ کسی مخلوق میں دِل لگایا نہ خلقت پر نگاہ ڈالی۔ کیونکہ مَنْ نَظَرَ اِلَی الْخَلْقِ هَلَكَ وَمَنْ رَجَعَ اِلَی الْحَقِّ مَلَكَ۔ ترجمہ (جس نے خلقت کی طرف نگاہ ڈالی وہ ہلاک ہوگیا۔ اور جو حق کی طرف راجع ہوا وہ فرشتہ بن گیا) یعنی خلقِ خُدا پر نظر رکھنا ہلاکت کا نشان اور حق کی طرف رجوع ہونا فرشتہ ہونے کی علامت ہے۔

اور اُن کے دِل کا دُنیائے غدّار سے خالی ہونے کا یہ عالم تھا۔ کہ جو کچھ مال واسباب غلام وغیرہ اُن کے پاس تھے۔ آپ نے سب راہ حق میں دے دیئے اور ایک گدڑی پہن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے حضرت نے پوچھا مَا خَلَّفْتَ لِعِيَالِكَ فَقَالَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ ترجمہ (تم نے اپنے مال واسباب میں سے بال بچّوں کے لئے کیا کچھ پیچھے چھوڑا؟ تو انہوں نے کہا اللہ اور اُس کا رسُول) یعنی اللہ کی محبّت اور اُس کے رسول کی متابعت جو دو بیش بہا خزانے ہیں جب میرا دل دُنیا کی عمدگی اور خوبی کے تعلق سے آزاد

ہو گیا ہے تو اُس کی کدورت سے بھی میں اُس کو خالی کرتا ہوں۔ اور یہی ایک سچے صُوفی کی صفت ہوتی ہے۔ ان باتوں سے انکار کرنا حق سے انکار اور صریح مکابرہ (ایک دوسرے پر بڑائی ظاہر کرنا) ہے۔ میں کہ آیا ہوں کہ صفا کدرُ کی ضد ہے اور کدر صفاتِ بشریہ میں سے ہے۔ پس درحقیقت صوفی وہ ہے جو کدورتِ بشری سے آگے نکل کر صفائے حق کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ یوسف علیہ السّلام کے حسن وجمال کی خوبیوں کے مُشاہدہ میں مستغرق ہونے کی وجہ سے مصر کی عورتوں کی بشریّت اُن پر غالب آ گئی۔ لیکن جب غلبہ سے یہ بشریّت عکس بشریّت (غیر بشریت) کے ساتھ لوٹ کر حدِ کمال پر جا پہنچی۔ تو ان کی نگاہ بشریت سے گذر کر اس کی فنا پر آ ٹھہری اور بے اختیار پکار اٹھیں۔ مَا هٰذَا بَشَرًا۔ ترجمہ (یہ تو کوئی انسان نہیں) نشانہ تو حضرت یوسف علیہ السّلام کو بنایا اور حال اپنا بیان کیا اور اسی وجہ سے اس طریقہ کے مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے۔ لَيْسَ الصَّفَا مِنْ صِفَاتِ الْبَشَرِ لِاَنَّ الْبَشَرَ مَدَرٌ وَالْمَدَرُ لَا يَخْلُوْ مِنَ الْكَدِرِ۔ ترجمہ (صفائے باطن بشریّت کے صفات میں سے نہیں۔ کیوں کہ بشر خاک کا ڈھیلا (پنڈا) ہے اور خاک کا پتلا کدورت (تاریکی) سے خالی نہیں ہو سکتا) یعنی صفائے باطن جسم خاکی کی صفات میں سے نہیں۔ کیونکہ خاک کا دار و مدار صرف کدورت پر ہے۔ اور بشر (جسم خاکی) کدورت سے نکل نہیں سکتا۔ پس صفائے باطن کی مثال افعال (جوارح) سے نہیں بیان کی جا سکتی۔ اور نہ ریاضت و مجاہدات سے بشریّت مٹ سکتی ہے بلکہ صفائے باطن کی صفت کو انسان کے ظاہری افعال و احوال سے کوئی نسبت ہی نہیں اور نہ صفائے باطن کے اسم کا ظاہری اسموں اور لقبوں سے کوئی تعلق ہے غرض یہ کہ اَلصَّفَا صِفَةُ الْاَحْبَابِ وَهُمْ شُمُوْسٌ بِلَا سَحَابٍ۔ ترجمہ (صفائے قلب اولیاء اللہ کی صفت ہے۔ اور وہ لوگ سورج ہیں جن پر بادل کا پردہ نہیں پڑا ہے) چونکہ صفائی باطن دوستانِ الٰہی کی صفت ہے اس لئے جو شخص اپنی صفت سے خالی اور دوستوں کی صفت سے باقی ہے وہی دوست ہے۔ اور ایسے دوستانِ حق کے حالات اہلِ حال (عارفانِ الٰہی) کے نزدیک آفتاب کی طرح روشن و عیاں ہیں چنانچہ حبیب خدا محمّد مصطفےٰ صلّے اللہ علیہ وسلّم سے صحابہ رضی اللہ

عنہم نے ایک دفعہ حضرت حارثہؓ کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ بِالْاِیْمَانِ ۔ ترجمہ (وہ ایک ایسا بندہ ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے نورِ ایمان سے منوّر کر دیا ہے) یہاں تک کہ اُس کا چہرہ اُس نورِ ایمان کی تاثیر سے چاند کی طرح روشن اور وہ خود نورِ ربانی سے مشتعل ہے۔ اور کہتے ہیں کہ کسی شیخ طریقت کا یہ قول ہے۔ ضِیَاءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ اِذَا اشْتَرَکَا اُنْمُوْذَجٌ مِنْ صَفَا الْحُبِّ وَالتَّوْحِیْدِ اِذَا اشْتَبَکَا ۔ ترجمہ (سورج و چاند کا نور جب باہم مشترک ہوں کی طرح باہم لپٹے ہوں) تو وہ محبت و توحید الٰہی کی صفائی کا نمونہ ہیں جبکہ دونوں باہم مل جائیں) درحقیقت اللہ جبار کی محبت اور توحید کے سامنے سورج و چاند کے نور کی کیا حقیقت ہے۔ کہ اس کو اِس نور کی طرف نسبت کریں۔ لیکن دُنیا میں کوئی نور ان دو نوروں سے جو آنکھوں کا نور ہیں۔ بڑھ کر ظاہر نہیں۔ سورج و چاند کے نور سے تو آسمان کو دیکھتے ہیں اور نورِ توحید سے اُمورِ مخفی پر اطلاع پاتے ہیں۔ دُنیا میں تمام مشائخ طریقت اس بات پر متفق ہیں۔ کہ جب بندہ مقامات کی قید سے چھوٹ جائے اور احوال کی کدورت سے خالی اور تغیر و تبدّل کے محل سے آزاد ہو کر تمام نیک اوصاف سے متصف ہو جائے اور پھر اپنی کسی اچھی صفت کی قید کا خیال نہ رکھے اور نہ اس پر نگاہ ڈالے۔ اور نہ اس پر مغرور رہے۔ بلکہ اُس کا حال فہم و ادراک سے پوشیدہ ہو۔ اور اس کا وقت شکوک و شبہات کے تصرّف سے پاک ہو۔ تب اُس کی حاضری حضرتِ حق سے منقطع نہیں ہوتی۔ اور اس کے وجود کے بقا کے لئے اسباب ظاہری کی ضرورت نہیں رہتی۔ لِاَنَّ الصَّفَا حُضُوْرٌ بِلَا ذَهَابٍ وَّوُجُوْدٌ[1] بِلَا اَسْبَابٍ ۔ ترجمہ (صفائے باطن بارگاہ قدس میں ایسی حاضری ہے جس کو زوال نہیں اور ایسی ہستی ہے جس کا قیام اسبابِ ظاہری پر موقوف نہیں) یعنی وہ ایسا حاضر بارگاہِ قدس ہوتا ہے

---

[1] اگر وُجود بضم واؤ لیا جائے۔ تو یہی معنی ہیں۔ اور اگر وَجود بفتح واؤ پڑھا جائے تو اس کے معنی پالینا یعنی عرفان و عشق الٰہی حاصل کرنا ہوں گے۔ اور مصنفؒ نے یہی معنی اختیار کئے ہیں۔ جیسا کہ متن میں اسی کی شرح کا جِنْد (ادراک کرنے والا) عارفِ حق کی ہے۔ ۱۲ +

جس کو غیبت نہیں ہوتی۔ اور ایسا موجود ہوتا ہے جس کا وجود اسباب پر موقوف نہیں ہوتا۔ یا وہ ایسا عارف یا عاشق الٰہی ہوتا ہے جس کا عرفان اور عشق اسباب پر موقوف نہیں ہوتا کیونکہ جس پر غیبت طاری ہوئی وہ حاضر نہیں ہوتا۔ اور جس کے جذبۂ عشق و عرفان کا باعث کوئی ظاہری سبب ہو وہ عارف و عاشق الٰہی نہیں ہو سکتا۔ اور جب وہ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ تو وہ دنیا و آخرت میں فانی ہو جاتا ہے۔ اور انسانیت کی رفتار و روش میں ربانی ہو جاتا ہے۔ اور سونا اور مٹی کا ڈھیلا اس کے نزدیک یکساں ہو جاتا ہے۔ اس لئے احکام شریعت (جن کا بجا لانا انسان پر فرض کیا گیا ہے) کی حفاظت و بجا آوری جو دوسرے لوگوں پر دشوار ہوتی ہیں۔ وہ اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ حارثہ رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا حَارِثَةُ قَالَ أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا بِاللّٰهِ حَقًّا فَقَالَ انْظُرْ مَا تَقُوْلُ يَا حَارِثَةُ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ حَقِيْقَةً فَمَا حَقِيْقَةُ إِيْمَانِكَ فَقَالَ عَزَفْتُ نَفْسِيْ وَعَزَفْتُهَا عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوٰى عِنْدِيْ حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَفِضَّتُهَا وَمَدَرُهَا فَأَسْهَرْتُ لَيْلِيْ وَأَظْمَأْتُ نَهَارِيْ حَتّٰى صِرْتُ كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى عَرْشِ رَبِّيْ بَارِزًا وَكَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَاوَرُوْنَ فِيْهَا وَكَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى أَهْلِ النَّارِ يَتَضَاغَوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَتَعَاوَوْنَ (الحديث)۔ ترجمہ: اے حارثہ تو نے صبح کیسے کی؟ اس نے کہا: میں نے ایسے حال میں صبح کی کہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان رکھنے والا ہوں حضور نے فرمایا۔ اے حارثہ جو بات تو کہہ رہا ہے اس پر غور کر۔ کیونکہ ہر ایک چیز کی کوئی حقیقت ہوتی ہے۔ پس بتا تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے الگ کر لیا۔ اور اس سے ہٹا لیا ہے۔ اس لئے میرے نزدیک اس کے پتھر اور سونا اور چاندی اور مٹی کا ڈھیلا سب برابر ہیں۔ پس میں رات کو بیدار اور دن کو پیاسا رہا۔ یہاں تک کہ میری یہ حالت ہو گئی کہ گویا میں اپنے رب کے عرش کو علانیہ دیکھ رہا ہوں۔ اور اہل جنت کو دیکھتا ہوں کہ وہ وہاں آپس میں ملاقات کرتے

ہیں اور اہلِ دوزخ کو دیکھتا ہوں کہ وہ آپس میں کشتی لڑ رہے ہیں (جھگڑ رہے) ہیں اور
اور ایک روایت میں ہے۔ کہ وہ ایک دوسرے کو شرمسار کر رہے ہیں (الحدیث)
اس پر حضور نے فرمایا عَرَفْتَ فَالْزِمْ - ترجمہ (تو نے اپنے رب کو خوب
پہچانا پس اس عرفان اور ایمان کو اپنے اوپر لازم کر لے ؂

اور صوفی نام ہے کاملوں کا اور محقق اولیاء اللہ کو اسی نام سے
پکارتے ہیں - اور ہمیشہ سے پکارتے چلے آئے ہیں ؂

ایک بزرگ فرماتے ہیں - مَنْ صَفَاهُ الْحُبُّ فَهُوَ صَافٍ وَ
مَنْ صَفَّاهُ الْحَبِيْبُ فَهُوَ صُوْفِيٌّ - ترجمہ (جسے محبتِ الٰہی صاف کر دے
وہ صافی (صاف باطن) ہے - اور جسے محبوبِ حقیقی (ذاتِ حق تعالیٰ) صاف
کر دے وہ صوفی ہے) یعنی جو شخص محبتِ الٰہی کی وجہ سے نفسانی خواہشات
سے پاک صاف ہو جاتا ہے - وہ صاف باطن ہوتا ہے - اور جو شخص ذاتِ
محبوبِ حقیقی میں مستغرق اور ماسوائے اللہ سے بیزار (فانی فی اللہ اور باقی
باللہ) ہو جاتا ہے - وہ صوفی ہے - اور لغت کے رو سے اس لفظ (تصوف)
کا اشتقاق کسی مادہ سے بھی درست نہیں - کیونکہ یہ معنی (صوفی کی تعریف) اس سے
کہیں بڑھ کر ہیں کہ ان کی کوئی جنس (مادہ) ہو جس سے یہ معنی مشتق ہوں - اس لئے
کہ اشتقاق مشتق اور مشتق منہ کے ہم جنس ہونے کو چاہتا ہے - اور دنیا میں جو
چیز بظاہر محسوس ہوتی ہے وہ صفا کی ضد ہے - لہٰذا کسی شئے کو اس کی ضد سے
مشتق نہیں کہہ سکتے - پس اہلِ تصوف کے نزدیک اس کے معنی بالکل "اظہر من الشمس"
ہیں - اس کے بیان کرنے کے لئے عبارات و اشارات کی کوئی ضرورت نہیں
لِاَنَّ الصُّوْفِيَّ مَمْنُوْعٌ عَنِ الْعِبَارَةِ وَالْاِشَارَةِ - ترجمہ - کیوں کہ
صوفی کی حقیقت عبارت و اشارہ سے نہیں بتائی جا سکتی) جب صوفی کی
حقیقت کل عبارات سے ناممکن ہے - سارا عالم اس کی تعبیر بیان کرنے سے عاجز
ہو - اور اس کے معنی (اوصاف) کے حاصل ہونے کی صورت میں اس کی حقیقت
کو نہ جانے تو اس سے اس اسم کے لئے کیا خطرہ ہے - بہر حال ایسے لوگوں (جن کو صوفی
کے اوصاف حاصل ہوں) کو اہلِ کمال صوفی کہتے ہیں - اور ان سے تعلق رکھنے

والوں کو متصوّف کا نام دیتے ہیں ؛
لفظ تصوّف باب تفعّل سے ہے۔ اور باب تفعّل عربی میں تکلّف کا تقاضا کرتا ہے (یعنی وہ اصلی صوفی نہیں ہوتے بلکہ بتکلّف صوفی بنتے ہیں) اور یہ (متصوّف) اصل (صوفی) کی فرع ہے۔ اور اس معنی کا فرق لغت اور معنی کے رُو سے ظاہر ہے اَلصَّفَاءُ وَلَایَۃٌ وَلَھَا اٰیَۃٌ وَ رِوَایَۃٌ وَالتَّصَوُّفُ حِکَایَۃٌ لِلصَّفَا بِلَا شِکَایَۃٍ ۔ ترجمہ (پس صفائے قلب ولایت ہے جس کی ایک علامت اور روایت ہے اور تصوّف بلاشبہ صفائی باطن کی حکایت ہے) پس صفا کے معنی روشن اور ظاہر ہیں۔ اور تصوّف اس معنی کی حکایت ہے۔ اور صُوفی لوگ اس مقام پر تین قسم کے ہوتے ہیں :-

(اوّل) صُوفی

(دوم) متصوّف

(سوم) مستصوف

صُوفی تو وہ ہے جو اپنے آپ سے فانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو اور طبعی تقاضوں کے قبضہ سے رہائی پاکر باطن کی حقیقت کے ساتھ ملا ہُوا ہو ؛

متصوّف وہ ہے جو مجاہدہ اور ریاضت سے اس درجہ (صوفی) کی تلاش میں منہمک ہو اور ہر معاملہ میں صُوفیہ کرام کی طرزِ زندگی کو پیشِ نظر رکھتا ہو۔
مستصوف وہ ہے جو مال و دولت اور جاہ و ثروت کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو صوفیا کی مانند بنائے رکھنے میں مصروف ہو اور ان دونوں مراتب کی اسے کچھ خبر نہ ہو۔ مشائخ نے فرمایا ہے۔ اَلْمُسْتَصَوِّفُ عِنْدَ الصُّوْفِیَّۃِ کَالذُّبَابِ وَعِنْدَ غَیْرِھِمْ کَالذِّ ئَابِ ۔ ترجمہ (مستصوف صوفیا کے نزدیک مکھی کی طرح حقیر ہوتا ہے (اور جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اُن کے نزدیک حرص ہے اور دُوسرے لوگوں کے نزدیک حریص بھیڑیئے کی طرح ہوتا ہے۔ جس کی تمام تگ و دو کسی کے پھاڑنے اور مُردار کھانے کے لئے ہوتی ہے۔ پس صُوفی تو دراصل واصل بحق ہوتا ہے۔ اور متصوّف اصولِ طریقت پر چلنے والا اور مستصوّف بالکل بیہودہ جس کو وصلِ حق نصیب

ہوتا ۔ وہ اپنے مقصود کے پالینے اور مراد پر پہنچ جانے کی وجہ سے مراد سے بے مراد اور مقصود سے بے مقصود ہو گیا ۔ اور جس کو طریقت کا اصل معلوم ہو کر اُس کے مطابق چلا ۔ وہ طریقت کے اقوال پر قابو پا گیا ۔ اور اس کے اسرار و لطائف میں جا کر بس گیا جیسے واہیات باتیں نصیب ہوں وہ ان سب مدارج سے محروم رہا ۔ اور فقط اسم کے دروازہ پر بیٹھ گیا ۔ اور اسی میں اُلجھ کر حقیقت سے حجاب میں ہو گیا ۔ اور حجاب میں آجانے کی وجہ سے نہ اُسے وصل حق نصیب ہوا نہ اصول طریقت سے آگاہ رہا مشائخ طریقت نے اس معنی کی تفصیل میں بہت سے رموز بیان کئے ہیں جن کو مکمل طور پر احاطہ میں لانا اگرچہ ممکن نہیں ۔ تاہم اُن کے بعض رموز کو ہم اس کتاب میں بیان کریں گے ۔ تاکہ تمہیں پورا فائدہ حاصل ہو انشاء اللہ تعالے ۔

دُوسری فصل

صوفیا کے نزدیک صوفی کے معنی

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ۔ اَلصُّوْفِیُّ اِذَا نَطَقَ بَانَ نُطْقُہٗ مِنَ الْحَقَائِقِ وَاِنْ سَکَتَ نَطَقَتْ عَنْہُ الْجَوَارِحُ بِقَطْعِ الْعَلَائِقِ ترجمہ (صوفی جب بولتا ہے ۔ تو اُس کا کلام اُس کی حقیقت حال سے بالکل واضح ہو جاتا ہے ۔ اور جب خاموش ہو جاتا ہے تو اُس کے اعضا اس کی طرف سے قطع تعلقات دنیاوی کو بیان کرتے ہیں) یعنی جو کچھ وہ بیان کرتا ہے اُس کا حال بالکل اس کے مطابق ہوتا ہے اور خاموشی کی صورت میں اُس کا عمل اُس کا دنیا سے قطع تعلق کو ظاہر کرتا ہے ۔ مطلب یہ کہ اُس کا قول صحیح اور اصول کے مطابق ہوتا ہے اور اس کا فعل خالص تجرد (دنیا سے کنارہ کشی) کو ظاہر کرتا ہے ۔ جب وہ بولتا ہے تو اُس کا قول بالکل حق ہوتا ہے اور جب خاموش ہوتا ہے ۔ تو اس کا فعل سراسر فقر ہوتا ہے ۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ۔ اَلتَّصَوُّفُ نَعْتٌ اُقِیْمَ الْعَبْدُ فِیْہِ قِیْلَ نَعْتٌ لِلْعَبْدِ اَمْ نَعْتٌ لِلْحَقِّ فَقَالَ نَعْتُ الْحَقِّ حَقِیْقَۃً وَّنَعْتُ الْعَبْدِ رَسْمًا ۔ ترجمہ (تصوف ایک صفت ہے جس میں بندہ قائم ہے کسی نے پوچھا کہ بندہ کی صفت ہے ۔ یا خدا کی ؟ آپ نے فرمایا وہ حقیقت میں خدا کی صفت ہے اور ظاہر (رسم و رواج) میں بندہ کی صفت ہے ۔ یعنی درحقیقت

تصوف بندہ کی بشری صفت کے فنا ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور بندہ کی بشری صفت کا فنا ہونا خدا کی صفت کے باقی رہنے سے ہوتا ہے۔ پس یہ دراصل خدا کی صفت ہے اور بظاہر چونکہ تصوف بندہ کے ہمیشہ مجاہدہ (ریاضت) کا تقاضا کرتا ہے اور ہمیشہ مجاہدہ کرنا بندہ کی صفت ہے۔ اور دوسرے الفاظ میں یوں سمجھ لیجئے کہ توحید کی حقیقت کے پیش نظر کسی بندہ کے لئے یہ صفت درست نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بندہ کی صفت اس کے لئے ہمیشہ نہیں ہوتی۔ اور بندہ کی صفت سوائے اسم ظاہر کے نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ مخلوق کی صفت کو کوئی بقا حاصل نہیں بلکہ وہ خدا ہی کی ملک و فعل ہوتی ہے۔ پس درحقیقت وہ صفت الٰہی ہوتی ہے۔ مثلاً خدا تعالےٰ نے بندہ کو حکم دیا کہ روزہ رکھ۔ اور روزہ رکھنے کی وجہ سے بندہ کا نام صائم رکھا۔ پس ظاہر میں تو روزہ بندہ کی صفت ہے لیکن حقیقت کے لحاظ سے یہ صفت الٰہی ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد الٰہی ہے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہمیں خبر دی ہے الصَّوْمُ لِی وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ۔ ترجمہ (روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا) یعنی روزہ میری ملک ہے۔ اس لئے کہ جتنے کام (دُنیا میں) کئے جاتے ہیں وہ سب دراصل اللہ کا فعل اور اس کی ملک ہیں۔ اور لوگوں کا ان سب امور کو اپنی طرف منسوب کرنا ظاہری رواج اور مجاز کے طور پر ہے۔ نہ حقیقت کے طور پر۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ التَّصَوُّفُ تَرْکُ كُلِّ حَظٍّ لِلنَّفْسِ۔ ترجمہ (تصوف نفس کی ہر لذت کو چھوڑ دینا ہے) اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے (اوّل) رسم۔ (دوم) حقیقت۔ اگر صوفی خود حظِ نفس کو چھوڑتا ہے۔ تو حظ نفس کا چھوڑنا بھی ایک حظ ہے۔ اور یہ ترک حظ بطور رسم و رواج ہے، اور اگر حظِ نفس خود صوفی کو چھوڑ دے تو یہ اس حظِ نفس کا فنا ہونا ہے جس کا تعلق حقیقتِ مشاہدہ سے ہوتا ہے یہ ترک بطور حقیقت کے ہے۔ پس حظِ نفس کو ترک کرنا فعلِ بندہ ہے اور حظِ نفس کا فنا ہونا (حظِ نفس کا بندہ کو چھوڑ دینا) خدا کا فعل ہے۔ اور بندہ کا فعل رسم و مجاز ہوتا ہے۔ اور خدا کا فعل حقیقت۔ اس قول سے حضرت جنید رحمۃ اللہ کا قول جو اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ خوب واضح

ہو جاتا ہے۔ اور حضرت ابوالحسن نوری رَحمۃُ اللّٰہ عَلَیْہِ ہی فرماتے ہیں۔ اَلصُّوْفِیَۃُ هُمُ الَّذِیْنَ صَفَتْ اَرْوَاحُهُمْ فَصَارُوْا فِی الصَّفِّ الْاَوَّلِ بَیْنَ یَدِیِ الْحَقِّ ترجمہ (صوفی وہ لوگ ہیں جن کی ارواح بشریّت کی تاریکیوں اور نفسانی خواہشوں سے پاک صاف ہو گئی ہوں اور دُنیا کی حرص و ہوا سے نجات پا کر حق تعالےٰ کے حضور صفِ اوّل میں کھڑے ہونے کی سعادت حاصل کر چکی ہوں۔ اور یہی حضرت فرماتے ہیں۔ اَلصُّوْفِیُّ الَّذِیْ لَا یَمْلِكُ وَلَا یُمْلَكُ۔ ترجمہ (صوفی وہ ہے کہ کوئی چیز اُس کی مِلک (قبضہ) میں نہ ہو۔ اور نہ وہ ہی کسی (غیر اللّٰہ) کے مِلک میں ہو) اور یہ عین فنا ہے۔ کیوں کہ جس کی صفت فانی ہے۔ وہ نہ کسی چیز کا مالک ہوتا ہے نہ مملوک اس لئے کہ مِلک کا اطلاق دُنیا کے مال و متاع پر ہی ہوتا ہے۔ اور صوفی دُنیا کے مال و متاع بلکہ عقبیٰ کی اکثر زینت میں بھی کسی چیز کو مِلک نہیں بناتا تاکہ وہ کہیں اپنے نفس کی مِلک اور حکم کے ماتحت نہ ہو جائے۔ اور ایک اولوالعزم بادشاہ کی طرح اپنا ارادہ غیر اللّٰہ سے منقطع کر لیتا ہے۔ تاکہ لوگ اُس کی بندگی کی حرص نہ کریں۔ اور جو لوگ فنا کلّی کے قائل ہیں وہ اسی قول کو ثبوت میں پیش کرتے ہیں ہم اُن کی لغزش کے مقام کو انشاء اللّٰہ تعالےٰ اِس کتاب میں بیان کریں گے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے۔

اور ابن جلا رَحمۃُ اللّٰہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ حَقِیْقَةٌ لَا رَسْمَ لَهٗ۔ ترجمہ (تصوّف) ایک ایسی حقیقت ہے جس کی ظاہری تعریف کوئی نہیں، اس لئے کہ ظاہری تعریف معاملات میں مخلوقِ خُدا کا حصّہ ہے اور اُس کی حقیقت خُدا کا خاصہ۔ جب تصوّف مخلوق سے مُنہ پھیر لیتا ہے تو لامحالہ اس کی کوئی ظاہری تعریف نہ ہونی چاہیئے۔

اور ابو عُمرو دمشقی رَحمۃُ اللّٰہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ رُؤْیَتُهُ الْكَوْنِ بِعَیْنِ النَّقْصِ بَلْ غَضُّ الطَّرْفِ عَنِ الْكَوْنِ۔ ترجمہ (تصوّف موجودات کو نقصان کی آنکھ سے دیکھنا بلکہ آنکھ اُن سے بند کر لینا ہے) یعنی موجودات کو دیکھے تو ناقص اور عیب دار اور یہ صفت کے بقا کی دلیل ہے" بلکہ آنکھ اُن سے بند کر لے) یہ صفت کے فنا کی دلیل ہے۔ کیونکہ نظر تو موجود پر ہی ڈالی جا سکتی ہے

جب مَوجُود ہی نہ ہو۔ تو اُس پر نظر بھی نہ رہے گی۔ اور مَوجُود سے آنکھ کو بند کر لینا بصیرت ربانی کا بقا ہے۔ یعنی جو اپنی ذات کو نہ دیکھے وہ حق تعالیٰ کو دیکھتا ہے کیوں کہ مَوجُود کا طالب خُود اپنا طالب بھی ہوتا ہے۔ اور اُس کا کام اپنے ہی متعلق ہوتا ہے (یعنی وہ خُود ہی طالب اور خُود ہی مطلُوب ہوتا ہے) اور اُس کو اپنی ذات سے باہر کوئی راستہ نہیں ملتا۔ پس ایک شخص اپنے آپ کو دیکھتا ہے لیکن ناقص اور عیب دار نظر سے اور دُوسرا اپنی آنکھ اپنی ذات ہی سے بند کر لیتا ہے اور کچھ نہیں دیکھتا۔ اور جو شخص دیکھتا ہے۔ اگرچہ ناقص نظر سے دیکھتا ہے۔ اُس کی آنکھ اُس کا حجاب ہوتی ہے۔ اور باوجودیکہ وہ دیکھتا ہے لیکن اپنی ناقص بینائی کی وجہ سے حجاب میں ہوتا ہے اور جو شخص نہیں دیکھتا وہ اپنی بینائی کی وجہ سے حجاب میں نہیں رہتا۔ اور یہ بات اہلِ تصوّف وارباب طریقت کے نزدیک وہ مضبُوط اصل ہے (جس پر تصوّف کے اسرار ولطائف کی عمارت قائم ہے) جس کی شرح اور تفصیل کا یہ مقام نہیں ۞

حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ شِرْکٌ لِاَنَّہٗ صِیَانَۃُ الْقَلْبِ مِنْ رُؤْیَۃِ الْغَیْرِ وَلَاغَیْرُ۔ ترجمہ (تصوّف شرک ہے۔ کیوں کہ وہ دل کو غیر اللہ کے دیکھنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ حالانکہ غیر اللہ کا وجُود ہی نہیں) مطلب یہ کہ توحیدِ الٰہی کے ثابت کرنے میں غیر کو دیکھنا شرک ہے اور جب دِل میں غیر کی کوئی قیمت ہی نہ ہو۔ تو دِل کو غیر اللہ کے ذکر سے محفوظ کرنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے ۞

حضرت حصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ صَفَاءُ السِّرِّ مِنْ کُدُوْرَۃِ الْمُخَالَفَۃِ۔ ترجمہ (تصوّف مخالفت کی کدُورت (آلودگی) سے باطن کو پاک کرتا ہے) مطلب یہ ہے۔ کہ اپنے باطن کو مخالفتِ حق (کفر و شرک کی آلودگیوں) سے محفوظ رکھے۔ اس لئے کہ دوستی موافقت کو کہتے ہیں۔ اور موافقت مخالفت کی ضد ہے اور دوست کو دُنیا میں دوست کے حکم کی اطاعت کے سوا کچھ پسند نہیں ہوتا۔ اور جب مُراد ہی ایک ہو۔ تو اُس کی مخالفت کہاں ممکن اور متصوّر ہو سکتی ہے ۞

حضرت محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَیْکَ فِی الْخُلُقِ زَادَ عَلَیْکَ فِی التَّصَوُّفِ۔ ترجمہ (تصوف خوش خلقی ہے۔ پس جو شخص خوش خلقی میں تجھ سے زیادہ ہے وہ تصوف میں بھی تجھ سے بڑھ کر ہے) یعنی تصوف نیک خو ہونا ہے۔ جو زیادہ نیک خو ہے وہ زیادہ صوفی ہے۔ خوش خلقی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک خدا کے ساتھ دوسری مخلوق کے ساتھ۔ خدا کے ساتھ خوش خلقی اُس کی قضا پر راضی ہوتا اور مخلوق کے ساتھ خوش خلقی خدا کے لئے اُن کی صحبت کا بار اٹھانا (اور اُن کے دوسرے حقوق کو ادا کرنا) ہے۔ یہ دونوں صفتیں طالب کی ہیں (یعنی ان کا فائدہ طالب کو ہے) اللہ کی صفت طالب کی رضا اور ناراضگی سے مستغنی ہونا ہے اور یہ دونوں اس کی وحدانیت کے پیشِ نظر اُس سے متعلق ہیں۔

ابو محمد مرتعش رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلصُّوْفِیُّ لَا یَسْبِقُ هِمَّتُهٗ خُطْوَتَهٗ اَنْبَتَّتَہ۔ ترجمہ (صوفی وہ ہے جس کا قصد اُس کے قدم سے آگے نہ بڑھے) یعنی دونوں ایک ساتھ حاضر ہوں۔ دل وہاں حاضر ہو جہاں جسم حاضر ہو اور جسم وہاں حاضر ہو جہاں دل ہو اور دل وہاں حاضر ہو جہاں قدم حاضر ہو اور قدم وہاں حاضر ہو جہاں قول حاضر ہو اور یہی دل کے حاضر ہونے کی نشانی ہے برخلاف اس قول کے جو کہتے ہیں کہ وہ اپنے آپ سے غائب اور اللہ کے سامنے حاضر ہے ایسا نہیں بلکہ اللہ کے سامنے بھی حاضر اور اپنے سامنے بھی حاضر اور جمع الجمع سے مراد بھی یہی ہے[1] اس لئے کہ جب تک وہ خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ اپنی ذات سے غیبت نہیں ہوتی۔ اور جب اپنے آپ کو دیکھنا اٹھ گیا اور اپنے آپ سے غیبت ہو گئی۔ تو بحالہ حق کی حاضری (مشاہدہ حق) بلا غیبت حاصل ہو گئی۔ اور اس معنی کی تائید شبلی رحمۃ اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ اَلصُّوْفِیُّ لَا یَرٰی فِی الدَّارَیْنِ مَعَ اللّٰهِ غَیْرَ اللّٰهِ۔ ترجمہ (صوفی دونوں جہان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو نہیں دیکھتا) اور چونکہ سب مخلوقات میں بندہ کی ہستی بھی غیر اللہ میں شامل ہے۔ اس لئے جب صوفی غیر اللہ کو نہیں دیکھتا تو اپنے آپ کو بھی نہیں دیکھتا اور اپنی نفی اور اثبات کی حالت میں اپنی ذات سے بالکل فارغ ہو جاتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ مَبْنِیٌّ عَلٰی ثَمَانِ خِصَالٍ

[1] ظاہر و باطن اور جسم و روح کا ہم آہنگ ہو کر ذاتِ خداوندی کے سامنے حاضر ہونے کو جمع الجمع کہتے ہیں

اَلسَّخَاءِ وَالرِّضَاءِ وَالصَّبْرِ وَالْاِشَارَةِ وَالْغُرْبَةِ وَلُبْسِ الصُّوْفِ وَالسِّيَاحَةِ وَالْفَقْرِ اَمَّا السَّخَاءُ فَلِاِبْرَاهِيْمَ وَاَمَّا الرِّضَاءُ فَلِاِسْمٰعِيْلَ وَاَمَّا الصَّبْرُ فَلِاَيُّوْبَ وَاَمَّا الْاِشَارَةُ فَلِزَكَرِيَّا وَاَمَّا الْغُرْبَةُ فَلِيَحْيٰى وَاَمَّا لُبْسُ الصُّوْفِ فَلِمُوْسٰى وَاَمَّا السِّيَاحَةُ فَلِعِيْسٰى وَاَمَّا الْفَقْرُ فَلِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ - ترجمہ (تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے یعنی سخاوت و رضاء و صبر و اشارہ و غربت و صوف پہننا و سیر و فقر۔ لیکن سخاوت سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اقتداء ہے۔ اور وہ اس طرح کہ آپ نے اللہ کے حق میں اپنے بیٹے کو فدا کر دیا۔ اور رضا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اقتدا ہے۔ کہ خدا کے حکم پر رضی ہو کر اپنی جان عزیز دے دی۔ اور صبر حضرت ایوب علیہ السلام کا اتباع ہے کہ آپ نے کیڑوں کی مصیبت (اور غیرت الٰہی) پر صبر کیا اور اشارہ حضرت زکریا علیہ السلام کی پیروی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا۔ ترجمہ (آپ لوگوں سے تین دن صرف اشارہ سے بات کریں گے) اور نیز اس کو رتبہ کہا فرمایا۔ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَاۤءً خَفِيًّا۔ ترجمہ (جب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو مخفی طور پر پکارا) اور غربت سو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیروی ہے کہ وہ اپنے وطن میں رہ کر بھی بے وطن تھے۔ اور اپنے رشتہ داروں سے بیگانہ رہے۔ اور سیاحت سو حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اتباع ہے کہ ساری عمر تبلیغ حق کے لئے سیاحت کرتے رہے اور ایسے مجرد تھے۔ کہ سوائے پیالہ اور کنگھی کے کوئی چیز پاس نہ رکھتے تھے۔ جب انھوں نے ایک شخص کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پانی پیتے ہوئے دیکھا۔ تو پیالہ کو پھینک دیا۔ اور جب کسی اور کو دیکھا کہ وہ انگلیوں سے بال کر رہا ہے تو کنگھی کو بھی پھینک دیا۔ اور صوف پہننا سو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتدا ہے۔ کہ آپ اونی کپڑے کا لباس پہنتے تھے۔ اور فقر سو محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے کہ جب

اللہ تعالےٰ نے روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں حضور کو سپرد کر کے فرمایا کہ آپ کوئی تکلیف نہ اٹھائیں اور ان خزانوں سے اپنی زیست (اسبابِ معاش) فرمائیں تو آں حضرت صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عرض کیا کہ بارِ خدایا! مجھے ایک روز سیر رکھیو اور ایک روز بھوکا رکھیو) اور یہی اصولِ عمل اور بندگی کے لئے بہت اچھے ہیں۔

حضرت خضری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلصُّوْفِیُّ لَا یُوْجَدُ بَعْدَ عَدَمِہٖ وَلَا یُعْدَمُ بَعْدَ وُجُوْدِہٖ۔ ترجمہ (صوفی اپنے عدم کے بعد موجود نہیں ہوتا۔ اور نہ اپنے وجود کے بعد معدوم ہوتا ہے) یعنی جو کچھ وہ گم کرتا ہے۔ دوبارہ اس کو ہرگز نہیں پاتا۔ اور جو کچھ وہ پا لیتا ہے ہرگز اس کو گم نہیں کرتا۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس کا حق کو پالینا نہ پالینے میں کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ اور اس کا اپنی ذات کو نہ پانا کبھی پالینے میں تبدیل نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کا اثبات بغیر نفی کے اور نفی بغیر اثبات کے ہو جاتا ہے۔ مراد اس عبارت سے یہ ہے کہ اس کی بشریت کا حال پورے طور پر اس سے ساقط ہو جائے اور جسمانی مشاہدات اس کے حق میں معدوم ہو جائیں اور اس کا تعلق بلکہ موجودات سے منقطع ہو جائے۔ اس لئے کہ بشریت کا بھید اسی شخص پر کھل جاتا ہے۔ جو اپنے تمام پراگندہ اور متفرق خیالات کو اپنی ذات میں جمع کر دے اور اپنی ہی ذات سے قیام حاصل کرے۔ اور یہ صورت اللہ تعالےٰ کی دو مقدس پیغمبروں میں ظاہر ہوئیں۔ ایک موسیٰ علیہ السّلام تھے کہ آپ کے وجود میں عدم نہ تھا۔ اس لئے آپ نے اللہ تعالےٰ سے التجا کرتے ہوئے دعا کہا تھا کہ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ۔ ترجمہ (اے میرے ربّ! میرا سینہ کھول دے) دوسرے رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ کہ آپ کے عدم (مشاہدۂ حق میں محویت کاملہ) میں وجود (بے حضوری) نہ تھا اس لئے اللہ تعالےٰ نے آپ سے فرمایا۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ۔ ترجمہ (کیا ہم نے آپ کے لئے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا) ایک (موسیٰ علیہ السّلام) نے اپنی آرائش چاہی اور زینت طلب کی۔ اور دوسرے (رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم) کو طلب و خواہش کے بغیر آراستہ کیا۔

علی بن بندار الصیرفی النیشاپوری رحمۃُ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ اِسْقَاطُ الرُّؤْیَۃِ لِلْحَقِّ ظَاهِرًا وَّبَاطِنًا۔ ترجمہ (تصوّف اپنے دیکھنے کو

حق کے لئے ظاہر اور باطن میں چھوڑ دینا ہے) یعنی ظاہر و باطن میں اپنے آپ کو نہ دیکھے صرف حق تعالیٰ کو دیکھے۔ چنانچہ اگر تو ظاہر حال پر نظر کرے گا تو ظاہر پر توفیق الٰہی کا نشان پائے گا۔ اور جب غور سے دیکھے گا۔ کہ ظاہر کے معاملات توفیق الٰہی کے مقابلہ میں مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی وزن نہیں رکھتے۔ تو ظاہر کے معاملات کو ترک کر دے گا۔ اور جب تو باطن کو دیکھے گا۔ تو باطن پر تائید الٰہی کا نشان پائے گا۔ جب غور سے دیکھے گا۔ کہ معاملات باطن بھی تائید حق کے مقابلہ میں ذرہ برابر نہیں تو باطن کو بھی ترک کر دے گا۔ صرف حق کو دیکھے گا۔ اور جب صرف حق تعالیٰ کو دیکھے گا۔ تو پھر اپنے آپ کو نہ دیکھے گا؛

محمد بن احمد المکری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ اِسْتِقَامَۃُ الْاَحْوَالِ مَعَ الْحَقِّ۔ ترجمہ (یعنی تصوف کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ صوفی کے تمام حالات (ظاہری باطنی) حق تعالیٰ کے ساتھ وابستہ اور درست ہوں) یعنی صوفی کے حالات (مکاشفہ وغیرہ) اس کو اصلی حال (مشاہدۂ حق) سے غیر کی طرف نہ پھیر دیں۔ اور کج روی میں نہ ڈال دیں۔ اس لئے کہ جس شخص کا دل احوال کے پھیرنے والے (حق تعالیٰ) کا شکار ہو رہا ہے۔ اس کے حالات اس کو درجۂ استقامت (راست روی) سے نہیں گراتے۔ اور دید حق سے باز نہیں رکھتے؛

تیسری فصل

تصوف کے معاملات

ابوحفص نیشاپوری رَحِمَۃُ اللّٰہِ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ کُلُّہٗ اٰدَابٌ وَلِکُلِّ وَقْتٍ اَدَبٌ وَلِکُلِّ مَکَانٍ اَدَبٌ وَلِکُلِّ حَالٍ اَدَبٌ فَمَنْ لَزِمَ اٰدَابَ الْاَوْقَاتِ بَلَغَ مَبْلَغَ الرِّجَالِ وَمَنْ ضَیَّعَ الْاٰدَابَ فَھُوَ بَعِیْدٌ مِّنْ حَیْثُ یَظُنُّ الْقُرْبَ وَمَرْدُوْدٌ مِّنْ حَیْثُ یَظُنُّ الْقَبُوْلَ۔ ترجمہ (تصوف سب کا سب ادب ہے۔ کہ ہر وقت و مقام و حال کے لئے ایک ادب ہے جو شخص اوقات کے آداب بجا لانے کو اپنے اوپر لازم کرے۔ وہ مردان راہ حق کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اور جو آداب کو ضائع کر دیتا ہے۔ وہ اس لحاظ سے کہ اپنے آپ کو قریب سمجھتا ہے بعید ہوتا ہے۔ اور اس حیثیت مردود ہوتا ہے۔ کہ اپنے

آپ کو مقبول خیال کرتا ہے) اور یہ مطلب ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ کے اس قول سے بالکل قریب ہے جو آپ نے فرمایا ہے۔ لَیْسَ التَّصَوُّفُ رُسُوْمًا وَّلَا عُلُوْمًا وَّلٰکِنَّہٗ اَخْلَاقٌ۔ ترجمہ (تصوف صرف رسوم اور علوم کا نام نہیں۔ بلکہ وہ تو اخلاق سے عبارت ہے یعنی اگر تصوف کوئی رسم ہوتا۔ تو مجاہدے سے حاصل ہو جاتا۔ اگر کوئی علم ہوتا تو وہ تعلیم سے حاصل ہو جاتا۔ وہ تو صرف اخلاق (آداب) کا نام ہے کہ جب تک اُس کا حکم تو اپنے اندر نہ چاہے۔ اور اُس کے معاملات میں اپنی ذات سے درست نہ کرے۔ اور اپنی ذات سے اُس کا انصاف نہ دے تو وہ حاصل نہیں ہوتا اور رسوم و اخلاق کے درمیان فرق یہ ہے کہ رسم تکلف اور اسباب پر مبنی ہوتا ہے۔ اور اس کا ظاہر باطن کے خلاف ہوتا ہے یعنی ایک بے حقیقت فعل ہوتا ہے۔ رہا خلق تو وہ بغیر تکلف اور اسباب کے نیک فعل ہوتا ہے۔ ایسے طور پر کہ اس کا ظاہر باطن کے موافق اور دعوے سے خالی ہو۔

حضرت مرتعش رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ حُسْنُ الْخُلْقِ ترجمہ (تصوف نیک خلق ہے) اور یہ تین طرح پر ہوتا ہے :-

(اوّل) نیک برتاؤ اللہ کے ساتھ ریا بغیر ریا کے اس کے احکام ادا کرنے سے حاصل ہوتا ہے

(دوم) نیک برتاؤ خلقت کے ساتھ بزرگوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت اور اپنے برابر کے لوگوں سے مساویانہ سلوک کرنے اور کسی سے عوض نہ چاہنے سب کے ساتھ انصاف کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(سوم) نیک برتاؤ اپنے ساتھ جو خواہش نفس کی متابعت نہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ کو ان تینوں باتوں میں درست کرے وہ نیک خلق ہوتا ہے۔ اور یہ بات جو ہم نے بیان کی ہے وہ اس روایت کے مطابق ہے۔ کہ ایک شخص نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ہمیں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے خلق کی نسبت بتائیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو۔ خدا تعالےٰ نے خود اس کے متعلق خبر دی ہے۔ فرمایا ہے۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ۔ ترجمہ (آپ عفو اختیار کیجئے اور نیک امر کا حکم دیجئے

اور جاہلوں سے اعراض کیجئے) اور نیز حضرت مرتعش رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ ھٰذَا مَذْھَبٌ کُلُّہٗ جِدٌّ فَلَا تَخْلِطُوْہُ بِشَیْئٍ مِّنَ الْھَزْلِ۔ ترجمہ (یہ مذہب تصوف سب معقول ہے۔ اس میں بیہودہ بات نہ ملاؤ) یعنی رسمی صوفیوں کے معاملات میں نہ لپٹو اور اُن کی پیروی کرنے والوں سے بھاگو۔ اور جب عوام نے اہل زمانہ میں سے رسمی صوفیوں کو دیکھا۔ اور اُن کا ناچنا اور سرود کہنا اور بادشاہوں کی درگاہوں میں (دنیاوی مفاد کے لئے) جانا اور دنیاوی غرض اور خوراک کے لئے آپس میں جھگڑنا معلوم کیا تو تمام صوفیوں سے ہی بد اعتقاد ہو گئے اور کہنے لگے۔ کہ طریقۂ صوفیاء کی اگر یہی حقیقت ہے تو پہلے صوفی بھی اسی طریق پر چلے ہوں گے۔ انھوں نے یہ معلوم نہ کیا۔ کہ یہ زمانۂ فترت (وہ زمانہ جس میں کوئی نبی نہ ہو)۔ اور ابتلا کا ہے۔ جب حرص بادشاہ کو ظلم میں اور لالچ عالم کو بدکاری اور زنا میں اور ریاکاری زاہد کو نفاق میں ڈال دیتی ہے۔ تو خواہش نفس صوفی کو بھی ضرور ناچ کود میں ڈال دیتی ہے جان لو کہ اگر اہلِ طریقہ تباہ ہو جائیں۔ تو اصل طریقہ تباہ نہیں ہو سکتا اور نیز جان لو کہ بیہودہ روش کے لوگوں میں سے اگر کوئی گمراہ اپنی بیہودہ روش کو شریفوں کی نیک و معقول روش میں پوشیدہ کر دے۔ تو اس سے اُن شریفوں کی معقول روش بیہودہ روش نہیں بن سکتی۔

حضرت ابو علی قزوینی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ ھُوَ الْاَخْلَاقُ الْمَرْضِیَّۃُ۔ ترجمہ (تصوف پسندیدہ اخلاق کو کہتے ہیں) اور اخلاق و افعال پسندیدہ یہ ہیں۔ کہ بندہ تمام حالات میں خدا تعالیٰ سے خوش رہے۔ اور اس کی رضا پر راضی ہو ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّصَوُّفُ ھُوَ الْحُرِّیَّۃُ وَالْفُتُوَّۃُ وَتَرْکُ التَّکَلُّفِ وَالسَّخَاوَۃُ بَذْلُ الدُّنْیَا۔ ترجمہ (تصوف آزادی و جوانمردی و ترک تکلف و سخاوت و دنیا کا مال راہ حق میں خرچ کرنا ہے) اور آزادی یہ ہے۔ کہ بندہ خواہش نفس سے آزاد ہو جائے۔ اور جوانمردی یہ ہے کہ جوانمردی کے دیکھنے سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور ترک تکلف یہ ہے۔ کہ اپنے متعلقات اور نصیب میں کوشش نہ کرے اور سخاوت یہ ہے۔ کہ دنیا کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دے۔

اور ابوالحسن ابوشنجہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ التَّصَوُّفُ الْيَوْمَ اِسْمٌ بِلَا حَقِيْقَةٍ وَقَدْ كَانَ حَقِيْقَةً بِلَا اِسْمٍ۔ ترجمہ (آجکل تصوف صرف نام ہے اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اور پہلے زمانہ میں حقیقت تھی صرف نام نہ تھا) یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور سلف صالحین رحمہم اللہ کے زمانہ میں صوفی نام تو کوئی نہ تھا لیکن اس کے معنی ہر شخص میں موجود تھے۔ اور اب صرف نام ہے۔ اس کے معنی موجود نہیں۔ یعنی اُس زمانہ میں معاملاتِ صوفیا معلوم تھے۔ اور دعوئے تصوف کو کوئی نہ جانتا تھا۔ اب تصوف کا دعوئے تو عام طور پر معلوم ہے۔ لیکن معاملاتِ تصوف کا کوئی پتہ نہیں ۔۔

اب میں نے اس کتاب میں تصوف کے بارہ میں مشائخ طریقت کے اقوال و ارشادات کی اس قدر تحقیق بیان کر دی ہے جس سے تم پر (اللہ تمہیں نیکی دے) اس طریق کی حقیقت کھل جائے گی۔ اور اس طریق کے منکرین سے یہ کہہ سکو گے کہ تصوف کے انکار سے تمہاری کیا مراد ہے۔ اگر صرف اسمِ تصوف کا انکار کرتے ہیں تو مضائقہ نہیں۔ کیوں کہ معنی اپنے مسمیٰ سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ (ضروری نہیں کہ نام کے معنی نام والے میں پائے جائیں) اور اگر اصل تصوف کے معانی و معارف کا انکار کرتے ہیں۔ تو یہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری سنت اور اُن کی عمدہ خصلتوں کا انکار ہے (اور اللہ تمہیں اپنے اولیاء کی سی نیکی عطا فرمائے) میں تمہیں اس کتاب میں وصیت کرتا ہوں۔ تم اس کی پوری رعایت کرنا اور اس میں انصاف کرنا۔ تصوف کا دعویٰ کم کرنا اور اہلِ تصوف کے ساتھ نیک اعتقاد رکھنا۔ اور توفیق ہر امر کی اللہ کے ہاں ہے ۔

چوتھا باب

پہلی فصل

مرقعہ[1] پہننے کے بیان میں

جان لو کہ صوفی لوگوں کا ظاہری نشان گدڑی پہننا ہے۔ اور گدڑی پہننا سنت ہے۔ کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے عَلَیْکُمْ بِلُبْسِ الصُّوْفِ تَجِدُوْنَ حَلَاوَۃَ الْاِیْمَانِ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ترجمہ (تم صوف پہننا اپنے اوپر لازم کرو۔ اس سے تم اپنے دلوں میں ایمان کی حلاوت پاؤ گے۔)

اور ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَلْبَسُ الصُّوْفَ وَیَرْکَبُ الْحِمَارَ۔ ترجمہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم صوف پہنتے اور گدھے پر سواری فرماتے تھے) اور ایک اور صحابیؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ لَا تُضَیِّعِی الثَّوْبَ حَتّٰی تُرَقِّعِیْہِ۔ ترجمہ (کپڑے کو ضائع نہ کرو جب تک اس کو پیوند نہ لگاؤ)

اور حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کی نسبت مشہور ہے کہ آپ ایسی گدڑی پہنتے تھے جس میں تقریباً تیس پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے۔ آپؓ فرمایا کرتے تھے بہترین لباس وہ ہے جو بہت ہی کم خرچ ہو۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت روایت ہے۔ کہ آپ نے ایک ایسا کرتہ پہن رکھا تھا جس کی آستینیں اُن کی انگلیوں کے برابر تھیں اور اگر کبھی لمبا کرتہ پہنتے تو آستینوں کا سرا پھاڑ دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے کپڑا چھوٹا کرنے کا حکم آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرْ[2]۔ ترجمہ (اور

---

[1] مرقعات۔ مرقعہ کی جمع ہے اور مرقعہ کھردرا اور پیوند لگے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں

[2] ای فَقَصِّرْ یعنی کوتاہ کرو

اپنے کپڑوں کو کوتاہ کر دو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ستر بدری اصحاب کو دیکھا ہے۔ کہ سب کا لباس پشم کا تھا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ نے تجرد (قطع تعلقات دنیا) کی حالت میں اونی لباس پہن رکھا تھا۔ اور

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ کہ گدڑی پہنے ہوئے تھے۔ جس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ و امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ و ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نے اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ پشم کا لباس پہنے ہوئے تھے جس پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ و مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ و سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سب اونی گدڑی پہنتے تھے۔ اور امام ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ کی نسبت روایت کرتے ہیں۔ اور یہ روایت کتاب تاریخ مشائخ میں لکھی ہے۔ جو حکیم ترمذی محمد بن علی کی تصنیف ہے۔ کہ ابتدا میں آپ نے صوف پہن کر عزلت گزینی کا ارادہ کیا تھا۔ یہاں تک کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حضور نے فرمایا کہ تمہیں لوگوں کے درمیان رہنا چاہیئے۔ کیونکہ میری سنت کا احیا تمہارے سبب سے ہی ہوگا۔ تب سے آپ نے گوشہ نشینی کا خیال ترک کر دیا۔ لیکن پھر بھی کبھی ایسا لباس نہیں پہنا جو زیادہ قیمتی ہوتا۔

حضرت داؤد رحمۃ اللہ علیہ اونی لباس پہنتے تھے۔ اور وہ ایک محقق صوفی ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گدڑی پہن کر آئے تو آپ کے دوستوں اور شاگردوں نے انہیں حقارت کی نظر سے دیکھا۔ یہ دیکھ کر امام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا (ہمارے سردار) سیدنا ابراہیم بن ادھم آتے ہیں۔ آپ کے شاگردوں نے کہا کہ مسلمانوں کے رہنما اور

امام کی زبان پر حق بات ہی آسکتی ہے۔ آخر ابراہیم کو یہ سرداری کیسے اور کہاں سے ملی۔ آپؒ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ اور ہم لوگ اپنے جسموں کی خدمت میں۔ تب وہ ہمارے سردار بن گئے۔ اب اگر اہل زمانہ میں سے بعض کے نزدیک گدڑی اور خرقہ پہننے سے مراد جاہ و جلال ہو اور اس کا باطن اس کے ظاہر حال کے مطابق نہ ہو۔ تو بھی جائز ہے۔ کہ لشکر میں بہادر ایک ہی ہوتا ہے اور اسی طرح تمام جماعتوں میں محقق اور اللہ والے تھوڑے ہی ہوا کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ ایک حکم میں حقیقی صوفیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ سب ان سے منسوب ہوتے ہیں۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ۔ ترجمہ: جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔ یعنی جو شخص قول و فعل میں یا اعتقاد میں کسی قوم سے مشابہت و موافقت پیدا کرتا ہے۔ وہ اسی قوم میں سے شمار ہوتا ہے۔ لیکن ایک جماعت کی نظر ان لوگوں کے رسم اور ظاہری معاملات پر پڑتی ہے۔ اور دوسری جماعت کی حقیقت شناس آنکھ ان کے سرّ اور صفائی باطن کو دیکھتی ہے۔

الغرض جو شخص صوفی کی صحبت کا قصد کرتا ہے۔ اس کا حال چار باتوں سے باہر نہیں ہوتا۔ ایک گروہ کو باطن کی صفائی اور دل کی روشنی اور طبیعت کی پاکیزگی اور مزاج کا اعتدال ان کے باطن کے اسرار کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ ان کا قرب اور ان کی رفعت شان کو دیکھتے ہیں۔ اور اس درجہ عالیہ کی محبت ان کی دامن گیر ہو جاتی ہے۔ اور از روئے بصیرت باطن ان کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اور ان کے حال کی ابتداء احوال کے کشف اور خواہش نفس سے مجرد ہونے اور نفس سے اعراض کرنے سے ہوتی ہے۔

دوسرے گروہ کو جسم کی درستی اور دل کی صفائی و تسلی اور سینہ کی سلامتی ان صوفیائے کرام کے ظاہر حال کے ساتھ جلوہ نما نظر آتی ہے۔ چنانچہ وہ لوگ ان کی شریعت پر عمل اور آداب اسلام کی حفاظت کرتے اور ان کے حسن معاملات کو دیکھتے ہیں۔ اور ان کی صحبت کا قصد اور اپنے حال کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کی ابتداء مجاہدہ اور حسن معاملہ سے ہوتی ہے۔

تیسرے گروہ کو مروّتِ انسانی اور عمدہ ہم نشینی اور حُسنِ اخلاق اُن صوفیا کی سیرت و کردار کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ اُن صوفیائے کرام کی ظاہر زندگی کو لوگوں سے عمدہ سلوک اور بزرگوں کی عزّت و احترام اور چھوٹوں پر شفقت اور ہمسروں سے نیک معاملہ سے آراستہ اور نعمت دُنیا کی زیادتی کی طلب سے بے فکر اور قناعت پر خوش دیکھتے ہیں۔ اور اُن کی صحبت کا قصد کرتے اور طلب دُنیا کی تکلیف اور کوشش کا طریق اپنے اوپر آسان کر لیتے ہیں۔ اور بافراغت اپنے آپ کو نیک بنا لیتے ہیں ۔

چوتھے گروہ کو طبیعت کی سُستی، نفس کی سرکشی اور مطلوبہ وسائل و ذرائع کے بغیر دُنیا کی سرداری طلب اور بغیر فضیلت کے صدر نشینی کا قصد اور بغیر علم کے خاص و ممتاز بننے کی جستجو اُن صُوفیا کے احوال کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ سوائے اس ظاہرِ حال کے اور کوئی دُوسرا کام ضروری نہیں تب وہ اُن کی صحبت کا قصد کرتے ہیں۔ اور وہ صُوفیائے کرام خُلق و مہربانی سے اُس گروہ کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے۔ اور درگزر کے طور پر اُن سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن کے دلوں میں حق کی بات کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اور اُن کے جسموں پر طریقت کی طلب کی کوشش کا بھی کوئی نشان نہیں ہوتا۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اُن کی ایسی ہی عزّت و احترام کریں جیسی محقق صوفیوں کی۔ اور ان سے ایسا خوف کھائیں۔ جیسا کہ خاصانِ الٰہی سے خوف کھاتے ہیں۔ اور وہ ان صُوفیا کی صحبت اور اُن کے تعلق سے یہ چاہتے ہیں کہ اپنی خرابیوں کو اُن بزرگوں کی اصلاح میں چُھپا دیں وہ اُن کا لباس پہن لیتے ہیں۔ اور وہ بے عمل لباس اُن کے جھوٹ، دھوکہ، فریب پر شور مچاتا ہے۔ کہ یہ جُھوٹ کی پوشاک اور حشر و نشر کے روز غرور و حسرت کا لباس ہے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ ترجمہ: اُن لوگوں کی مثال جن پر تورات پر عمل کرنے کا بار ڈالا گیا تھا۔ پھر وہ اس بار کو اٹھا نہ سکے۔ اُس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اُٹھائے ہوئے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مثال بہت بُری ہے جنھوں نے اللہ کی آیتوں

کو جھٹلایا۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا)

اور اس زمانہ میں اس گروہ کے لوگ بہت ہیں۔ پس تم پر لازم ہے۔ کہ جو کچھ تمھارے اختیار میں نہ ہو اس کو لینے کا قصد نہ کرو۔ کیوں کہ اگر تم ہزار ہا بھی طریقت کے قبول کرنے کے لئے کہو گے تو ایسا نہیں ہوگا کہ ایک لحظہ کیلئے بھی طریقت تمھیں قبول کرے۔ اس لئے کہ یہ کام گدڑی پہننے سے نہیں ہوتا بلکہ عشق الٰہی کی سوزش سے ہوتا ہے۔ جب طریقت کسی شخص کی آشنا ہوتی ہے تو اس کی امیرانہ قبا بھی فقیرانہ گدڑی کی طرح ہو جاتی ہے اور جب وہ طریقت سے بیگانہ ہوتا ہے تو اس کی گدڑی قیامت کے روز بدبختی کا رقعہ اور شقاوت کا فرمان ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بزرگ پیر سے لوگوں نے پوچھا۔ لِمَ لَا تَلْبِسُ الْمُرَقَّعَةَ قَالَ مِنَ النِّفَاقِ اَنْ تَلْبِسَ لِبَاسَ الْفِتْيَانِ وَلَا تَدْخُلَ فِي حَمْلِ الْاَثْقَالِ الْفُتُوَّةِ۔ ترجمہ (آپ کیوں گدڑی نہیں پہنتے؟ تو آپ نے فرمایا یہ منافقت ہے کہ تو جوانمردوں کا لباس تو پہن لے اور جوانمردی کی اہم ذمہ داریوں کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار نہ ہو۔ کیونکہ جوانمردوں کا لباس۔ جوانمردی کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے بغیر پہننا منافقت ہے۔ پس اگر یہ لباس اس لئے ہے کہ خدا تعالےٰ تجھے پہچان لے کہ تو اس کا خاص بندہ ہے۔ تو وہ بغیر لباس کے بھی ضرور پہچان لیتا ہے۔ اور اگر اس لئے ہے کہ تو لوگوں پر ظاہر کرے۔ کہ تو اللہ کا خاص بندہ ہے۔ تو واقعی اگر تو اس کا بندہ ہے۔ تو یہ ریا ہوگا۔ اور اگر واقعی تو اس کا بندہ نہیں ہے۔ تو کیا یہ منافقت نہ ہوگی؟ اور یہ راہ بہت کٹھن اور پرخطر ہے اور اہلِ معرفت الٰہی اس بات سے بالاتر ہیں کہ لباس سے شہرت حاصل کریں اَلصَّفَا مِنَ اللّٰهِ اِنْعَامٌ وَاِكْرَامٌ وَالصُّوْفُ لِبَاسُ الْاَنْعَامِ۔ ترجمہ (صفائے قلب اللہ تعالےٰ کا انعام و اکرام ہے۔ اور صوف جانوروں کا لباس ہے) پس ظاہری شکل و صورت ایک حیلہ و ریاکاری ہے۔ کچھ لوگ ظاہری صورت کی آراستگی کو قربِ الٰہی کے لئے ایک حیلہ و کوشش تصور کرتے ہیں۔ اور صوفیا کا لباس پہن لیتے ہیں۔ اور اپنے ظاہر کو بنا لیتے ہیں۔ تاکہ ان بزرگوں میں شمار ہوں۔ اس طریقہ کے مشائخ نے اپنے مریدوں کو گدڑیوں سے زیب و زینت دینے کا حکم دیا ہے۔ اور

خود بھی ایسا کیا ہے۔ تاکہ لوگوں کے درمیان ممتاز بن جائیں اور سب لوگ اُن کے محافظ بن جائیں۔ اِس طرح کہ اگر وہ ایک قدم بھی شریعت و طریقت سے انحراف کریں تو سب لوگ اُن پر طعنہ و ملامت کی زبان کھولیں۔ اور اگر وہ چاہیں کہ اِس صوفیانہ لباس میں گناہ کریں، تو خلقت کی شرم سے ایسا نہ کر سکیں۔

الغرض گدڑی اولیاء اللہ کی زینت ہے۔ عوام النّاس اس سے عزیز اور خواص اس سے ذلیل ہو جاتے ہیں۔ عام لوگوں کی عزّت یوں ہے۔ کہ جب وہ گدڑی پہن لیتے ہیں تو لوگ اُن کی عزّت کرتے ہیں۔ اور خاص لوگوں کی ذلّت اس طرح ہے۔ کہ جب وہ گدڑی پہنتے ہیں تو لوگ اُن کی طرف عوام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اُن کو اس پر ملامت کرتے ہیں۔ پس اَلْمُرَقَّعَۃُ لِبَاسُ النِّعَمِ لِلْعَوَامِ وَجَوْشَنُ الْبَلَاءِ لِلْخَوَاصِ۔ ترجمہ (گدڑی عوام کے لئے نعمت کا لباس اور خواص کے لئے مصیبت کی زرہ بکتر ہے) اسی وجہ سے عوام اکثر اس کے لئے بہت بیقرار و پریشان ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب اُن کا ہاتھ کسی دوسرے کام تک نہیں پہنچتا اور طلبِ جاہ کے لئے کوئی اور سبب نہیں پاتے تو فقیرانہ گدڑی کے ذریعے سے سرداری اور عزّت و توقیر طلب کرتے۔ اور اسی کو نعمتِ دنیا کے جمع کرنے کا سبب بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ خاصانِ خدا دنیاوی عزّت و ثروت کے ترک کرنے کا حکم دیتے اور ذلّت کو عزّت پر ترجیح دیتے اور مصیبت کو نعمت پر اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ اُن کے لئے یہ مرقع (گدڑی) مصیبت ہو اور عوام کے لئے نعمت۔ اَلْمُرَقَّعَۃُ قَمِیْصُ الْوَفَاءِ لِاَھْلِ الصَّفَاءِ وَسِرْبَالُ السُّرُوْرِ لِاَھْلِ الْغُرُوْرِ۔ ترجمہ (گدڑی صفائے باطن والوں کے لئے وفا کی قمیص اور اہلِ غرور کے لئے خوشی کا کرتہ ہے) کیونکہ اہلِ صفا اس کو پہن کر دونوں جہان سے علیحدہ اور مرغوباتِ دنیا سے الگ ہو جاتے ہیں اور اہلِ غرور اس کے پہننے سے حق سے حجاب میں ہو کر اصلاحِ حال سے باز رہتے ہیں۔

الغرض گدڑی سب کے لئے بہتری اور امتیاز کا نشان اور کامیابی کا سبب ہے۔ سب کی مراد اس سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر (صوفی) کے لئے صفائی باطن کا سبب ہے تو دوسرے (اہلِ دنیا) کے لئے عطائے نعمت کا ذریعہ ہے

اسی طرح اگر ایک (اہلِ غرور) کے لئے اوپر کا پردہ (اوڑھنا) ہے تو دوسرے (اہلِ صفاء) کے لئے بچھونا (قربِ الٰہی کا لباس) ہے۔ مجھے امید ہے۔ کہ آپس میں نیک صحبت کی وجہ سے سب کامیاب ہوں گے۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ۔ ترجمہ: جس نے کسی قوم کو دوست رکھا وہ اُنہیں میں سے ہو گیا (اور ہر قوم کے دوست قیامت کے روز اُن کے ساتھ اور اُن کے گروہ میں ہوں گے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ تمہارا باطن تحقیقِ حق کی طلب کرے۔ اور اسمِ ظاہر سے اعراض کرے۔ جو شخص اشیاء کے ظاہر پر کفایت کرتا ہے۔ وہ تحقیق کو نہیں پہنچ سکتا اور یہ بھی جان لو کہ بشریت کا وجود ربوبیت کا حجاب ہے۔ اور یہ حجاب احوال کی گردش اور مقاماتِ تصوف، مجاہدہ کے بغیر دور نہیں ہو سکتا ہے۔ اور صفاتِ باطن کا نام فنائے صفت ہے۔ اور جس کی صفت فانی ہو۔ اس کے لئے کوئی لباس اختیار کرنا محال ہے۔ اور تکلف سے اپنی زینت کرنا یہ کوئی کمال نہیں ہے۔ پس جس شخص کی صفات کا فنا ہونا ظاہر ہو جائے اور طبیعت جسمانی کی خرابی اور آفات درمیان سے اُٹھ جائے۔ تو چاہے اُس کو صوفی کہو یا کوئی اور نام رکھ لو۔ اس کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔

دوسری فصل

گدڑی پہننے کی شرطیں۔

مرقعات کی شرطیں یہ ہیں۔ کہ گدڑی ہلکاپن اور فقط آسانی کے پیشِ نظر پہنی جائے اور جب تک گدڑی کا کچھ اصل موجود ہو (یعنی استعمال کے قابل ہو تو اُسے ہی کام میں لایا جائے) اور جہاں سے پھٹ جائے وہاں ٹکڑا لگا دیا جائے اور مشائخ طریقت رضی اللہ عنہم کے اس بارے میں دو قول ہیں:۔

ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ چیتھڑے کے سینے میں ترتیب کا لحاظ رکھنا شرط نہیں۔ بلکہ جہاں سے سوئی کا سرا باہر نکل آئے۔ اس کو باہر کھینچ لینا چاہیئے (یعنی جس طرح بھی سی لیا جائے ٹھیک ہے) اس میں تکلیف نہیں کرنا چاہیئے

دوسرا گروہ کہتا ہے۔ کہ چیتھڑے سینے میں ترتیب و سلیقہ ضروری ہے اور ترتیب کا لحاظ کرنا اور اس کے سیدھا ہونے میں تکلف کرنا فقر کے معاملات

میں سے ہے۔ اور معاملہ کا صحیح ہونا اصل کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

میں (علی بن عثمان جلابیؒ) نے شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے طوس میں اس کے متعلق دریافت کیا کہ درویش کے لئے کم سے کم کس چیز کا ہونا لازم ہے تاکہ وہ اسم فقیر کا مستحق ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ وہ کم سے کم تین چیزیں ہیں:

(اوّل) یہ کہ چیتھڑا سیدھا سینا اس کو معلوم ہو۔

(دوم) سچی بات سُننی جانتا ہو۔

(سوم) صحیح طور پر پاؤں زمین پر رکھ سکے۔

اس وقت درویشوں کی ایک جماعت میرے ساتھ حاضر تھی جب ہم لوگ دروازہ پر واپس پہنچے تو ہم میں سے ہر ایک شخص اس قول میں کچھ تصرف کر رہا تھا (اور اپنی اپنی پسند کے مطابق اس میں تاویل کرنے لگا) اور جاہلوں کی ایک جماعت کو اس میں حرص پیدا ہوئی اور اُن میں سے اکثر لوگ چیتھڑے کو سیدھا سینا اور پاؤں زمین پر مارنا (رقص کرنا) مُراد لینے لگے اور ہر شخص یہی سمجھنے لگا۔ کہ ہم طریقت کی باتیں سُننا جانتے ہیں۔ اور چونکہ میری دِلی توجہ شیخ کی طرف تھی اس لئے آپ کی بات کو مَیں نے زمین پر پھینکنا نہ چاہا اور اُن لوگوں سے کہا آیئے ہم سے ہر ایک اِس قول کے معنی کے متعلق کچھ بیان کرے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے مفہوم کی صُورت بیان کی جب میری باری آئی۔ تو مَیں نے کہا۔ کہ چیتھڑے کا صحیح طور پر سینا یہ ہے۔ کہ اس کو حقیقی فقر سے سیئیں۔ نہ کہ ظاہر زیب و زینت سے۔ جب تُو چیتھڑے کو فقر کے ساتھ سیئے گا۔ تو اگرچہ ٹیڑھا سیئے گا وہ درست ہوگا۔ اور درست بات سُننا یہ ہے کہ اس کو حال کے ساتھ سیئے نہ کہ قال کے ساتھ۔ اور اُس کی حق و معقول بات سے تاویل کریں نہ بیہودہ بات سے۔ اور اُسے دِل سے سمجھیں نہ عقل سے۔ اور زمین پر سیدھا پاؤں رکھنا یہ ہے کہ جذبہ محبّتِ الٰہی سے پاؤں زمین پر رکھا جائے نہ لہو و رواج ظاہر سے۔ کسی شخص نے جب یہ بات شیخ المشائخ تک پہنچا دی۔ تو آپ نے فرمایا۔ اَصَابَ عَلِیٌّ خَیَّرَہُ اللّٰہُ۔ ترجمہ (علی نے سچ کہا اللہ اُسے نیکی دے) اہل گدڑی پہننے سے مُراد اس گروہ صوفیاء کے نزدیک دُنیا کی محنت کم کرنا اور خدا تعالےٰ نے

کے ساتھ سچا فقر حاصل کرنا ہے۔ اور آثار صحیحہ میں آیا ہے۔ کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام گدڑی پہنے ہوئے تھے۔ جب انھیں آسمان پر اٹھائے گئے اور ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے آپ کو اسی گدڑی کے ساتھ خواب میں دیکھا۔ کہ اس کے ہر ایک چیتھڑے سے نور چمکتا تھا۔ میں نے پوچھا اے مسیح علیہ السلام! آپ کے لباس پر یہ انوار کیسے ہیں۔ تو آپ نے جواب دیا۔ کہ یہ میری مجبوری اور لاچاری کے نور ہیں کیوں کہ اس گدڑی کا ہر ایک چیتھڑا ایک ضرورت (مجبوری) سے سیا گیا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے ہر ایک تکلیف کو جو اس نے میرے دل کو پہنچائی ہے۔ ایک نور بنا دیا ہے اور نیز میں نے اہلِ ملامت میں سے ایک بوڑھے کو ماوراء النہر میں دیکھا کہ جو چیز آدمی کے کھانے پینے کی ہے۔ وہ اسے استعمال نہ کرتا تھا۔ اس کی خوراک وہ چیزیں تھیں جنہیں لوگ پھینک دیتے تھے۔ جیسے سڑی ہوئی سبزی اور کڑوا کدو اور خراب شدہ گاجر وغیرہ قسم کی چیزیں اور پوشاک ان چیتھڑوں سے بناتا تھا۔ جو راستہ میں سے اٹھا کر اور دھو کر انہیں گدڑی کی صورت دے لیتا۔ میں نے سنا کہ مرو الرود میں ایک پیر مرد متاخرین اہلِ طریقت میں سے بہت قوی حال اور نیک سیرت تھا۔ اور بہت سے رُوئی چیتھڑے جو اس کے مصلے اور ٹوپی پر لگے تھے ان میں بچھوؤں نے بچے دے رکھے تھے۔ اور میرے شیخ رحمۃ اللہ نے چھپن سال تک ایک ہی کپڑا پہنے رکھا تھا جس پر ہمیشہ چیتھڑے لگاتے رہتے تھے۔ اور عراقی لوگوں کی حکایات میں میں نے دیکھا ہے۔ کہ دو درویش تھے۔ ایک صاحبِ مشاہدہ اور دوسرے صاحبِ مجاہدہ۔ جو صاحبِ مشاہدہ تھے وہ اپنی ساری عمر میں صرف وہی چیتھڑے پہنتے تھے جو درویشوں کی سماع کی حالت میں پھٹ جاتے تھے۔ اور وہ دوسرے جو صاحبِ مجاہدہ تھے وہ صرف وہی ٹکڑے پہنتے تھے جو درویشوں کے استغفار[1] کرنے کی حالت میں ان کے کپڑوں میں پھٹ جاتے تھے حتیٰ کہ ان کا ظاہری لباس ان کے باطن کے لباس کے مطابق ہوتا تھا۔ اور یہی بات فقر کے حال کی نگاہداشت ہے۔ اور شیخ محمد ابن خفیف رحمۃ اللہ نے بیس سال ایک کھردرا ٹاٹ پہنا تھا۔ اور ہر سال چار چلے کھینچتے تھے۔ اور ہر چلہ میں علوم حقیقت کے رموزِ مخفیہ کے متعلق ایک تصنیف کرتے تھے۔ اور ان کے زمانہ میں علمائے حقیقت و طریقت کے محققین میں سے ایک

---

[1] اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرنے کو استغفار کہتے ہیں۔

بزرگ تھے۔ جو فارسی لباس میں بیٹھتے تھے۔ لوگ انہیں محمد بن زکریا کہتے تھے۔ وہ کبھی گدڑی نہ پہنتے تھے۔ لوگوں نے شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ گدڑی پہننے کی کیا شرط ہے۔ اور اس کا پہننا کس کے لئے مسلّم ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ گدڑی پہننے کی شرط وہ ہے جو محمد بن زکریا سفید پیراہن میں بجا لاتے ہیں۔ اور اس کا پہننا بھی انہی کو مسلّم ہے۔

تیسری فصل

گدڑی فقیر کی پہچان نہیں

اہل تصوف کی عادت کو چھوڑ دینا طریقت کی شرط نہیں۔ اور صوفیا جو اس حال میں پشم کا لباس کم پہنتے ہیں اس کی دو وجوہ ہیں:۔

(اول) اس لئے کہ پشم شور[1] ناک ہو گئی ہے یعنی جانوروں کے جا بے جا بیٹھنے کی وجہ سے ناپاک ہے۔

(دوم) اس لئے کہ بدعتیوں[2] کے ایک گروہ نے پشم کے لباس کو اپنا نشان بنا لیا ہے۔ اور بدعتیوں کے شعار کے خلاف کرنا بشرطیکہ وہ سنت کے خلاف نہ ہو بہت اچھا ہے۔ لیکن گدڑی کے سینے میں تکلف اس لئے جائز رکھتے ہیں کہ ان صوفیا کا وجہ لوگوں میں بہت بزرگ ہے۔ ہر شخص نے اپنے آپ کو بظاہر ان کی مانند بنا لیا ہے۔ اور گدڑی پہن لی ہے اور برے افعال ان سے ظاہر ہوتے ہیں اور ان صوفیا کو اپنے مخالفین کی صورت سے رنج ہوتا ہے۔ اس لئے انھوں نے اپنے لئے ایک لباس تجویز کیا ہے۔ کہ ان کے سوا کوئی دوسرا شخص اس کو سی نہیں سکتا۔ اور اس کو ایک دوسرے کی پہچان کی علامت اور شعار بنا لیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک درویش کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور وہ ٹکڑا جو اس نے اپنی گدڑی میں سی رکھا تھا۔ اس کا خط غلط (دوسرے نسخہ میں خط چوڑا) لگا رکھا تھا۔ اس شیخ نے اس کو اپنے پاس سے جدا کر دیا۔ مطلب اس کا یہ تھا۔ کہ اہل صفا کی طبیعت نازک اور مزاج لطیف ہوتا ہے۔ طبیعت کی کجی انہیں اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور جس طرح ناموزوں

[1] شور ناک کے معنے خراب کے ہیں۔ [2] شریعت میں نئی اور بے اصل چیزوں کو رواج دینے والے کو بدعتی کہتے ہیں حضور اکرمؐ نے ایسے شخص کو دوزخی قرار دیا ہے۔ [3] اہل طریقت

خود طبیعت کو اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ ایسا ہی ناموزوں نقل بھی طبیعت قبول نہیں کرتی اور ایک گروہ صوفیا نے لباس کے ہونے یا نہ ہونے میں تکلف ہی نہیں کیا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے انہیں گدڑی دے دی تو انہوں نے پہن لی۔ اور قبا دی تو وہ پہن لی اور اگر ننگا رکھا تو انہوں نے ننگا رہنا ہی پسند کیا۔ اور میں (علی بن عثمان جلابی) نے اس طریق کو پسند کیا ہے۔ اور اسی کو اپنا شعار بنایا ہے۔ اور حکایات میں مروی ہے۔ کہ جب احمد خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے قبا پہن رکھی تھی۔ اور جب شاہ شجاع رحمۃ اللہ علیہ ابی حفص رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کو تشریف لائے تو وہ بھی قبا پہنے ہوئے تھے۔ اور وہ ان کا مخصوص[1] لباس نہ تھا۔ کیونکہ بعض اوقات وہ عبا[2] بھی رکھتے تھے۔ اور کبھی پشمینہ لباس یا سفید پیرہن بھی پہنتے تھے جیسا بھی مل جاتا پہن لیتے تھے۔ کیونکہ وہ چیز جس سے آدمی کا نفس عادی ہو اس طرح سے اس شخص کو الفت ہو جاتی ہے اور جب کسی چیز کی اس کو عادت ہو جاتی ہے۔ تو وہ بار بار کرنے کی وجہ سے عادت طبعی ہو جاتی ہے۔ تو وہ اس کے لئے حق سے حجاب بن جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔۔ خَیْرُ الصِّیَامِ صَوْمُ اَخِیْ دَاوٗدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔ ترجمہ (بہترین روزہ[3] میرے بھائی داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! وہ کیسا ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ تاکہ نفس کو روزہ رکھنے یا افطار کرنے کی عادت نہ ہو جائے کہ اس کی وجہ سے حق سے حجاب ہو جائے۔ اور اس بارے میں ابو حامد دوستِ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کا حال بہت ٹھیک رہا ہے کہ ان کے مرید انہیں کوئی لباس پہناتے تو وہ پہن لیتے اور جب ان میں سے کسی مرید کو اس لباس کی حاجت ہوتی۔ تو آپ کی فراغتِ[4] قلبی کی ٹوہ میں لگے رہتے۔ جب آپ دنیا و مافیہا سے خالی ہو جاتے تو وہ لباس ان کے بدن سے اتار لیتے۔ آپ نہ پہنانے والے سے کہتے کہ کیوں پہنایا ہے۔ اور نہ اتارنے

۱؎ افراد کا خاص لباس ۲؎ عبا گدڑی اور فقراء کے لباس کو کہتے ہیں ۳؎ روزہ سے یہاں نفلی روزہ مراد ہے ۴؎ فراغت یعنی صوفیہ کرام کے نزدیک حالتِ جذبہ کا نام ہے یعنی مشاہدہ حق کے وقت دل کا دنیا و مافیہا سے فارغ ہو جانا۔

والے سے کہتے کہ کیوں آتا رہا ہے۔ اور ہمارے اس زمانے میں بھی ایک بزرگ غزنی میں ہیں۔ (اللہ اُس شہر کو آفات سے محفوظ رکھے) جن کا لقب مؤیدؒ رحمۃ اللہ ہے۔ کہ وہ لباس پہننے میں پسند و امتیاز کو روا نہیں رکھتے ۔ اور اس مقام پر وہ نہایت درست ہیں۔ رہی یہ بات کہ اُن صوفیا کے اکثر کپڑے نیلے ہوتے ہیں۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے۔ کہ اُن بزرگوں نے اپنے طریق کی بُنیاد سیر و سیاحت پر رکھی ہے۔ اور سفید لباس سفر میں اپنے حال پر نہیں رہتا۔ اور اُس کا دھونا دُشوار ہوتا ہے۔ اور ہر شخص اُس کی طمع بھی کر سکتا ہے (چرا لیتا ہے) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نیلا لباس اہلِ ماتم و مصیبت اور غم زدہ لوگوں کا لباس ہے۔ اور دُنیا محنت کا گھر اور مصیبت کا پردہ اور غم کا گڑھا۔ اور جُدائی کی کُٹیا اور بلا کا گہوارہ ہے۔ اور جب حق کے طالب علموں نے اپنا دلی مقصود دُنیا میں ہوتے نہ دیکھا تو نیلا لباس پہن لیا اور وصالِ محبوب کے سوگ میں بیٹھ گئے۔ اور ایک دُوسرے گروہ نے اپنے عمل میں کوتاہی اور اپنے دل میں خرابی اور زمانہ میں تضیعِ اوقات کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ تو نیلا لباس پہن لیا۔ کیونکہ مقصود کا فوت ہو جانا موت سے زیادہ سخت ہے" اگر ایک نے اپنے کسی عزیز کی موت پر نیلا لباس پہن لیا۔ تو دُوسرے نے مقصود کے فوت ہو جانے پر نیلا لباس پہن لیا۔ علمِ ظاہر کے ایک جھوٹے مدعی نے کسی درویش سے پوچھا کہ یہ نیلا لباس تُو نے کیوں پہنا؟ تو اُس نے جواب دیا۔ کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے تین چیزیں دُنیا میں باقی رہی ہیں:-

(اوّل) فقر ؛

(دوم) علم ؛

(سوم) شمشیر ؛

تلوار بادشاہوں کو ملی۔ جنھوں نے اُسے موقعہ پر استعمال نہ کیا ؛

اور علم علماء نے اختیار کیا۔ لیکن فقط اُس کے سیکھنے پر اکتفا کیا۔ اور اُس پر عمل نہ کیا ؛

لہ اللہ کی طرف سے توفیق و مدد پانے والے کو مُؤیَّد کہتے ہیں ؛

اور فقیروں کے گروہ نے اختیار کیا۔ اور اس کو دولتِ دنیا جمع کرنے کا آلہ بنا لیا۔ میں نے ان تینوں گروہوں کی مصیبت پر نیلا لباس پہن لیا ۔

اور حضرت مرتعش رحمۃ اللہ کی نسبت روایت ہے۔ کہ آپ بغداد کے کسی محلہ سے گذر رہے تھے کہ آپ کو پیاس لگی۔ ایک دروازہ پر آ کر پانی مانگا۔ تو ایک لڑکی لوٹا لے کر باہر نکلی آپ نے اس سے پانی لے کر پی لیا۔ ناگاہ اس کے چہرے پر جب نگاہ ڈالی تو آپ کا دل ساقی کے جمال کا شکار ہو گیا۔ اور بزرگوں کے اس قول کے مطابق۔ كُلِّىْ بِكُلِّكَ مَشْغُولٌ ۔ ترجمہ (میرا سراپا تیرے سراپا میں مشغول ہے) آپ وہیں بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ گھر والا آ گیا۔ آپ نے اس سے کہا۔ جناب! میرا دل پانی پینے کو بہت چاہتا تھا۔ مجھے آپ کے گھر سے ایک لڑکی نے پانی پلایا۔ اور میرا دل لے لیا۔ گھر والے نے کہا۔ وہ میری لڑکی ہے میں اس کو آپ کے نکاح میں دے دیتا ہوں۔ حضرت مرتعش رحمۃ اللہ بڑی خوشی سے گھر میں داخل ہوئے۔ اور عقد باندھا۔ صاحب خانہ بغداد کے ایک دولت مند شخص تھے۔ انہوں نے آپ کو حمام میں بھیج کر عمدہ لباس پہنا دیا اور گدڑی اتروا لی۔ جب رات ہوئی تو حضرت مرتعش رحمۃ اللہ نماز کے لیے کھڑے۔ تاکہ اوراد مقررہ ادا کریں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوں۔ اس اثنا میں آپ نے شور و غل مچا دیا۔ هَاتُوا مُرَقَّعَتِىْ ۔ ترجمہ (میری گدڑی لاؤ) لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرے دل میں غیب سے آواز آئی۔ کہ تو نے ایک نظر ہمارے غیر پر ڈالی تو ہم نے نیکی کا لباس اور گدڑی تیرے ظاہر جسم سے اتار لی۔ اگر تو دوسری دفعہ نظر غیر پر ڈالے گا۔ تو محبت کا لباس بھی تیرے باطن سے اتار لیں گے۔ وہ لباس جس کے پہننے سے خداوند تعالیٰ کی رضا جوئی اور اولیاء اللہ سے مناسبت پیدا کرنی ہو تو اس کے حقوق و آداب کا لحاظ کرتے ہوئے اگر تو زندگی بسر کر سکتا ہے تو لائق مبارکباد ہے۔ ورنہ فقط اپنے دین کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ اور اولیاء اللہ کے لباس میں خیانت روا نہ رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ حقیقی مسلمان بغیر کسی دوسرے دعوے کے جھوٹے ولی سے بہتر ہے۔ بہر حال گدڑی کا پہننا دو گروہوں کے لئے درست ہے۔ ایک تو دنیا سے قطع تعلق کرنے والوں کے لئے۔ دوسرے

بلہ پلانے والا ۔

مشتاقانِ مولیٰ کے لئے۔ اور مشائخ طریقت کی عادت یوں رہی ہے۔ کہ جب کوئی مرید دنیاوی تعلقات کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہوتا۔ تو اس کو تین سال میں تین باتوں کی تعلیم دیتے۔ اگر وہ اس بات پر قیام کرتا تو اس کو مریدی کے لئے قبول کر لیتے۔ ورنہ کہہ دیتے۔ کہ طریقت اس کو قبول نہیں کرتی۔ وہ تین باتیں یہ ہیں:-

(اول) ایک سال خدمتِ خلق کرنا۔

(دوم) دوسرے سال خدمتِ حق۔

(سوم) تیسرے سال اپنے دل کی نگرانی۔

اور خدمتِ خلق وہ اس وقت کر سکتا ہے۔ کہ جب اپنے آپ کو خادموں کے درجہ میں رکھے اور تمام مخلوقات کو مخدوموں کے درجہ میں یعنی بلا امتیاز سب کو اپنے سے بہتر جانے اور سب کی خدمت کو اپنے اوپر واجب سمجھے نہ اس طور پر کہ کوئی خدمت کرے اور اپنے آپ کو اس خدمت میں مخدوموں پر فضیلت دے اور یہ بات ایک ظاہر خسارہ[1] اور واضح غبن ہے اور زمانہ کی تمام آفتوں میں سے ایک بڑی آفت ہے اور اللہ عزوجل کی خدمت اس وقت کر سکتا ہے۔ کہ اپنی حبِ دنیا و آخرت کی لذتوں کو منقطع کر دے۔ اور محض حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے اس کی پرستش کرے کیونکہ جب تک آدمی اللہ کی کسی اور چیز کے لئے عبادت کرتا ہے۔ وہ اپنی ہی عبادت کرتا ہے نہ خدا کی۔

اور اپنے دل کی نگرانی اس وقت کر سکتا ہے۔ کہ اپنے دل کو فقط ذاتِ حق سے وابستہ کرے۔ اور محبتِ الٰہی کی بارگاہ میں دنیا کے تمام تفکرات کو دور کر کے اپنے دل کو غفلت و بے ہمتی کی مشغولوں سے محفوظ رکھے۔ جب یہ تینوں شرطیں مرید میں پائی جائیں۔ تب گدڑی کا پہننا تحقیقی طور پر مسلم ہوتا ہے۔ نہ تقلید کے طور پر لیکن وہ گدڑی پہنانے والا (مرشد) جو مرید کو گدڑی پہناتا ہے۔ وہ مستقیم الحال ہونا چاہیئے۔ جو طریقت کے تمام نشیب و فراز سے گزرا ہوا اور احوالِ طریقت کا ذوق چکھے ہوئے ہو اور اعمالِ شریعت کا مزہ پائے ہوئے ہو اور جلالِ الٰہی کا قہر اور جمالِ حق کا لطف دیکھے ہوئے ہو۔ اور وہ اپنے مرید کے حال پر مطلع ہو کہ انجام کار وہ

[1] نقصان۔ ٹوٹا ۔ [2] پیچھے [illegible] لکھا ہے۔

کہاں پہنچے گا۔ واپس لوٹنے والوں میں سے ہو گا۔ یا راستہ میں ٹھہرنے والوں میں سے یا منزلِ مقصود پر پہنچنے والوں میں سے۔ اگر اس کو معلوم ہو جائے کہ وہ مرید ایک دن طریقت سے واپس لوٹ آئے گا۔ تو اُسے کہہ دے کہ وہ اُسے شروع ہی نہ کرے۔ اور اگر وہ سُلوکِ طریقت میں راستہ میں ٹھہر جائے تو اس کو صحیح عمل کرنے کا حکم دے۔ اور اگر وہ منزلِ مقصود پر پہنچ جائے۔ تو اس کی پرورش کرے۔ اور اس طریق کے مشائخ دلوں کے طبیب ہوتے ہیں۔ جب طبیب مریض کی بیماری سے ناواقف ہو۔ تو بیمار کو اپنے علاج سے ہلاک کر دے گا۔ اس لئے کہ وہ اس کی پرورش نہیں کر سکتا۔ اور اس کے خطرہ کے مقامات کو نہیں پہچانتا۔ اور اس کی غذا و دوا اُس کی بیماری کے خلاف تجویز کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ۔ ترجمہ: شیخ اپنی قوم میں ایسا ہوتا ہے۔ جیسے نبی اپنی اُمت میں۔ پس انبیاء جو بندوں کو حق کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ بصیرتِ باطن سے دیتے ہیں۔ اور ہر شخص کو اس بارے میں اپنے اپنے درجہ پر رکھتے ہیں۔ پس شیخ کو بھی اپنے مریدوں کی تربیت بصیرتِ[1] باطن سے کرنی چاہیئے۔ اور ہر ایک کو اس کے موافق غذا و دوا دینی چاہیئے تاکہ دعوت الی الحق کی مراد حاصل ہو۔ پس جب کوئی واردِ الٰہی کے کمال پر پہنچا ہوا مرشد اپنے مرید کی ان تین سالوں کی تادیب کے بعد تربیت کرے اور تین سال کی قابلِ ریاضت و مجاہدہ کے بعد اُس کو گدڑی پہنا دے تو درست ہے۔ اور گدڑی گویا کفن کا پہننا ہے۔ کیونکہ کفن کا پہننا زندگی کی لذتوں سے کنارہ کش ہو جانا ہے۔ اور دل کو زندگی کی راحتوں سے بالکل پاک کر دینا ہے۔ جب وہ اپنی ساری عمر حق کے لئے وقف کر دے۔ اور پورے طور پر خواہشِ نفس سے بیزار ہو۔ اُس وقت یہ مرشد اُس کو اس خلعت اور نوازش سے عزت بخشے اور وہ مرید اُس کے حق پر قیام کرے اور اُس کا حق ادا کرنے میں پوری کوشش کرے۔ اور اپنی نفسانی غرض کو اپنے اُوپر حرام کر لے۔ گدڑی کے متعلق بزرگوں نے بہت سے اشارات بیان فرمائے ہیں۔ شیخ ابو معمر اصفہانی رحمۃ اللہ نے اس بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اور عام صوفی لوگ اس بارے میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ بہر صورت ہمارا مقصود اس

[1] دل کی بینائی۔ سمجھ۔ توجہ۔

کتاب سے اُن اقوال کو نقل کرنا نہیں۔ بلکہ طریقت کے مشکل مسائل کو کھول کر بیان کرنا ہے۔ یاد رکھیئے کہ گدڑی کے متعلق بہترین اشارات یہ ہیں۔ کہ گدڑی کا گلا صبر سے اور اُس کی دو آستینیں خوف و رجا سے اور دو تریزیں قبض و بسط سے اور کمر نفس کی مخالفت سے اور اس کی کرسیاں صحت و یقین سے اور اُس کی فراویز اخلاص سے ہونی چاہیئے اور اس سے بہتر اشارات یہ ہیں۔ کہ گدڑی کا گلا اہلِ دُنیا کی مُوانست کے فنا ہو جانے سے اور دو آستینیں نفس کی حفاظت اور دل کی عصمت سے اور دو تریزیں فقر و برگزیدگی سے اور اُس کی کمر مشاہدۂ حق میں محو ہو جانے سے اور اُس کی کرسی حضرتِ حق سُبحانہٗ کے حضورِ اطمینان پانے سے اور اُس کی فراویز محل وصل حق کے مقام میں قرار پکڑنے سے بنی ہوئی چاہیئے۔

جب باطن کے لیئے تو نے ایسی گدڑی بنالی۔ تو اپنے ظاہری بدن کے لیئے بھی ایک گدڑی بنانی چاہیئے۔ اور میری اس بارہ میں ایک علیحدہ کتاب ہے جس کا نام اسرار الخرق والمؤنات ہے۔ اس کا ایک نسخہ مُرید کے پاس ہونا چاہیئے لیکن جب مُرید نے یہ گدڑی پہن لی۔ تو اگر وہ حال اور وجد کے غلبہ میں اُس گدڑی کو پھاڑ ڈالے تو وہ قابلِ تسلیم اور معذور سمجھا جائے گا۔ اور اگر وہ اپنے اختیار سے اور طریقت کی شرط کو جانتے ہوئے اُس کو پھاڑے تو اُس کے لیئے گدڑی رکھنا مسلّم و ضروری نہیں۔ اگر وہ ایسے ہی رکھے جس طرح زمانہ کے دوسرے گدڑی پوشوں میں سے کوئی رکھتا ہے۔ تو وہ بھی اُن میں سے ایک ہوگا۔ جو ظاہر پر بغیر باطن کے کفایت کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اُن بزرگوں کے لباس پھاڑنے میں اشارہ اس بات کی طرف ہے۔ کہ جب اُن کو ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف انتقال ہوتا ہے۔ تو فوراً اس لباس سے اُسی مقام کے حصول کے شکریہ میں باہر آتے ہیں اور گدڑی کے سوا دوسرے کپڑے فقط ایک مقام کا لباس ہوتے ہیں۔ غرضیکہ گدڑی طریقت، فقر و صفوت کے کُل مقامات کا ایک جامع لباس ہے۔ اور اِن تمام مقامات سے باہر نکلنا ان سب مقامات سے بیزاری کو ظاہر کرنا ہے۔ اور اگرچہ یہ مقام اس مسئلہ کے بیان کرنے کا نہیں۔ بلکہ اِس کو خرق اور کشفِ حجابُ السّماع کے باب میں بیان کرنا چاہیئے[1]

---

[1] یعنے حجاب و کشف۔

تاہم میں نے یہاں اِتنا اشارہ اِس لئے کر دیا کہ یہ لطیفہ فوت نہ ہو جائے۔ اور اپنے محل پر انشاء اللہ اِس امر کی پوری تفصیل بیان کروں گا تیز مشائخ طریقت نے فرمایا ہے۔ کہ گدڑی پہنانے والے (یعنی مُرشد) کو حقیقت و طریقت میں ایسی قوت ہونی چاہیئے کہ جب وہ (طریقت سے) بیگانہ شخص کو شفقت کی نگاہ سے دیکھے تو وہ (طریقت سے) آشنا ہو جائے۔ اور جب وہ گدڑی ایک گنہگار کو پہنا دے۔ تو وہ اولیاء اللہ میں سے ہو جائے۔ ایک دفعہ میں اپنے شیخ کے ہمراہ ملک آذربائیجان میں جا رہا تھا۔ کہ دو تین گدڑی پوشوں کو دیکھا۔ وہ گیہوں کے خرمن پر کھڑے تھے اور اپنی گدڑیوں کے پلے بچھا دیئے کسان نے اُن میں کچھ غلہ ڈال دیا۔ شیخ نے اُن کی طرف دیکھ کر یہ آیت پڑھی:۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ۔ ترجمہ (یہی) وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خرید لی پس اُن کی تجارت کچھ نفع مند نہ ہوئی۔ اور دراصل وہ ہدایت پانے والے نہ تھے) میں نے کہا اے شیخ! یہ لوگ کس بے حرمتی کی وجہ سے اس بلا میں مبتلا اور مخلوق کے سامنے رُسوا ہوئے ہیں؟ انھوں نے فرمایا۔ کہ اِن کے پیروں کو مُرید جمع کرنے کی حرص تھی اور اِنہیں دُنیا جمع کرنے کی۔ اور کوئی حرص بھی دُوسری حرص سے بہتر نہیں ہوتی۔ اور بلا امر (شریعت) دعوت کرنا خواہش نفس کی پرورش کرنا ہے۔

حضرت جُنید رحمۃ اللہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے باب الطّلق پر ایک نہایت خوبصورت یہودی کو دیکھا۔ چنانچہ میں پروردگارِ عالم سے یہ دعا مانگی۔ بارِ خدایا! اس کو میرے پاس بھیج۔ تُو نے اِس کو کتنا خوبصورت پیدا کیا ہے۔ ابھی تھوڑی مُدت بھی نہیں گذری تھی۔ کہ وہ یہودی میرے پاس آکر کہنے لگا۔ اے شیخ! مجھے کلمہ شہادت پڑھائیے۔ چنانچہ وہ مُسلمان ہُوا۔ اور اسلام کا ایسا شیدا بنا کہ تھوڑے دِنوں کے بعد اولیاء اللہ میں شمار ہونے لگا۔

اور شیخ ابوعلی سینا رحمۃ اللہ سے لوگوں نے پُوچھا کہ گدڑی پہننا کس کے جائز ہے۔ تو آپ نے فرمایا اُس شخص کے لئے جو مملکتِ الٰہی کے تمام اسرار سے مطلع ہو۔ چنانچہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم اور حال جاری نہیں ہوتا۔ مگر فاعلانِ قضاء و قدر

لہ ڈھیر۔

اس کو اس سے آگاہ کر دیتے ہیں۔ پس گدڑی صالحین کا نشان اور نیک لوگوں کی علامت اور فقراء و اہلِ تصوف کا لباس ہے۔ اور فقر و صفوت کی حقیقت کے متعلق اس سے پیشتر کلام ہو چکا ہے۔ اگر کوئی شخص اولیاء اللہ کے لباس کو دنیا جمع کرنے کا ذریعہ اور اپنی خرابی کا پردہ بنالے۔ تو اس کی وجہ سے اس لباس کے اہل (اصل صوفیا) کو مورد الزام ٹھہرانا مناسب نہیں۔ اور اہلِ ہدایت کے لئے اتنا بیان کافی ہے۔ کیوں کہ اگر میں اس کی شرح بیان کرنے لگوں تو اس کتاب سے جو مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا۔ اور توفیق قبضۂ قدرتِ الٰہی میں ہے ؛

پانچواں باب

پہلی فصل

فقر و صفوت کی فضیلت میں اختلاف

علمائے طریقت کا فقر اور صفوت کی تفضیل میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک فقر صفوت[1] سے افضل ہے اور دوسرا گروہ صفوت کو فقر سے بہتر سمجھتے ہیں جو لوگ فقر کو صفوت پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ فقر اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کا فنا اور فقراء کے باطن کے ماسوا سے بالکل منقطع ہو جاتا ہے صفوت اُن کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ جب فنا حاصل ہو گئی۔ تو مقامات سب نابود ہو گئے۔ اور یہ مسئلہ فقر و غنا کی طرح ہے اور قبل ازیں اس کے متعلق کلام ہو چکا ہے۔ اور وہ لوگ جو صفوت کو ترجیح دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فقر ایک موجود چیز ہے۔ جو اس قابل ہے کہ اس کا نام رکھا جائے اور صفوت تمام موجودات سے تعلق منقطع ہو جانے کو کہتے ہیں۔ اور جملہ موجودات سے منقطع ہو جانا عین فنا ہے۔ اور فقر عین بقاء ہیں فقراء اولیاء اللہ کے مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے۔ اور صفوت ان کے کمالات میں سے ایک کمال ہے اور اس کے متعلق اس زمانہ میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ اور ہر شخص اس میں عجیب طور پر تاویل کرتا اور ایک دوسرے کے سامنے نادر سے نادر باریکیاں پیش کرتا ہے۔ فقر و

---

[1] صفوت۔ برگزیدگی۔ انتخاب ؛

صفوت کی تفضیل میں اختلاف تو واقع ہوا ہے۔ لیکن یہ سب لسانی اختلاف ہے اور معنی بیان و عبارت باتفاق مشائخ فقر ہے۔ اور جو صفوت سے بالا ہے لوگوں نے حرف عبارت کو ایک مذہب بنا لیا۔ اور طبیعت کو معانی کے ادراک سے خالی کر لیا۔ اور حق کی بات کو نیچے پھینک کر ہوائے نفس کی نفی کو نفی کہیں (ما سوا اللہ کی نفی) اور مقصود (نفسانی) کے اثبات کو اثبات عین (حق) جانتے ہیں۔ پس موجود و مفقود و منفی و مثبت سب اپنے نفس اور خواہش کے قیام کی وجہ سے وہ خود ہی ہیں۔ طریقت مجذوبوں کی ایسی فضول باتوں سے پاک ہے۔

الغرض اولیاء ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں کوئی مقام باقی نہیں رہتا بلکہ سب درجات و مقامات فانی ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ عبارات و الفاظ اس غیر معین مقام اور اس کے اسرار و لطائف کے بیان کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہاں نہ پیاس رہتا ہے نہ مزہ نہ طمع اور نہ نیند اور نہ ہوشیاری نہ بے خودی۔ اس وقت ان اولیاء کو ایک چیز کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان معانی کو اس سے بیان کریں۔ جو نہ اسم کے تحت آ سکتے ہیں اور نہ صفت کے تحت۔ تب ہر شخص اس نام کو جو ان کے نزدیک باعظمت ہوتا ہے۔ ان معانی پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ لہٰذا وہاں پر تقدیم تو جائز نہیں ہوتی کہ کوئی شخص یوں کہہ سکے کہ وہ مقدم ہے۔ یا یہ مقدم۔ کیونکہ تقدیم و تاخیر دو ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کا نام ہوتا ہے۔ پس ایک گروہ کو فقر کا نام مقدم معلوم ہوا جو ان کے دل پر زیادہ باعظمت تھا۔ اس لئے ان کا تعلق اس نام سے انکسار و تواضع کی وجہ سے تھا۔ اور دوسرے گروہ کو صفوت کا نام زیادہ مقدم معلوم ہوا۔ جو (دنیاوی) آلائشوں کو دور کرنے اور (نفسانی) خرابیوں کو فنا کرنے کا آئینہ دار تھا۔ اور ان کی مراد ان دو ناموں سے اس معنی (حقیقت تصوف) کی علامت کا نشان ہے۔ کہ عبارت اس کے بیان سے قاصر ہے۔ آپس میں یہ لوگ اس کے متعلق اشارے سے بات چیت کرتے تھے۔ اور تمام علامتوں کے ساتھ انہوں نے اپنی ہستی کا کشف کیا۔ اس گروہ نے اس کے متعلق کچھ اختلاف نہیں کیا۔ خواہ اس معنی کو فقر سے تعبیر کیا جائے یا صفوت سے۔ البتہ اہل عبارت و اہل لغت نے جو ان معانی کی حقیقت سے بے خبر تھے محض عبارت میں کلام کیا۔ اور اسی میں الجھ کر رہ گیا۔

چنانچہ ان دو ناموں میں سے ایک کو مقدم اور دوسرے کو مؤخر کر دیا حالانکہ یہ دونوں قول محض عبارت (لفظی) ہی تھے پس گروہ (اولیاء) تو تحقیق معانی کی طرف گئے اور یہ گروہ (اہلِ لغت) عبارت (لفظی) کے اندھیرے میں رہ گئے۔ المختصر جب کسی شخص کو معنی (حقیقتِ تصوف) حاصل ہو۔ اور پھر وہ اسی حقیقت کو اپنے دل کا قبلہ (جہتِ توجہ) بنالے۔ تو خواہ اس کو فقیر کہہ لیں۔ خواہ صوفی یہ دونوں اس حقیقت کے اضطراری نام ہیں۔ جو اسم کے تحت نہیں آسکتی۔ اور یہ اختلاف ابوالحسن سمنون رحمۃ اللہ کے وقت سے جاری ہے۔ کہ وہ جب ایسے مکاشفہ[1] میں ہوتے جو بقا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ تو فقر کو صفوت پر مقدم رکھتے۔ اور جب ایسے مقامِ مشاہدہ[2] میں ہوتے جو فنا کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ تو صفوت کو فقر پر ترجیح دیتے۔ اربابِ حقیقت اس وقت آپ سے پوچھتے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ تو آپ فرماتے کہ جب طبیعت کو فنا میں پورا تنزل ہوتا ہے اور بقا کی جانب کامل بلندی تو اس وقت میں صفوت کو فقر پر مقدم رکھتا ہوں۔ اور جب ایسے مقام میں ہوتا ہوں کہ اس کا تعلق بقا سے ہوتا ہے۔ تو فقر کو صفوت پر مقدم رکھتا ہوں۔ کیوں کہ فقر بقا کا نام ہے۔ اور صفوت فنا کا۔ گویا میں اپنی ذات سے فنا و بقا کا دیکھنا فانی کر دیتا ہوں۔ تاکہ میری طبیعت فنا سے بھی فانی ہو جائے اور بقا سے بھی یہ توجیہہ عبارت کے لحاظ سے تو بہت خوب ہے۔ لیکن درحقیقت نہ فنا کو فنا ہے اور نہ بقا کو فنا کیوں کہ جو باقی فنا پذیر ہے وہ خود فانی ہے اور جو فانی کہ باقی رہنے والا ہے وہ خود باقی ہے۔ اور فنا ایک ایسا اسم ہے۔ کہ اس میں مبالغہ محال ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ فنا فنا ہو جاتی ہے۔ تو یہ بات اس معنی کے وجود کے اثر کی نفی میں مبالغہ ہے۔ کیونکہ فنا میں جب تک کوئی اثر باقی رہتا ہے۔ تب تک وہ ابھی فنا نہیں ہوتا۔ اور جب فنائے کلی حاصل ہو گئی تو فنا کی فنا ایسی بے معنی عبارت میں تعجب کے سوا اور کوئی چیز نہیں اور یہ عبارت بحث و تجنیس کے وقت اہلِ لغت کی فضول باتیں ہیں۔ اگرچہ کتاب فنا و بقا میں ہم نے بھی بچپنے اور علم کی ناپختگی کی وجہ سے اس انداز سے کچھ لکھا ہے۔

---

[1] حالتِ کشف ۔ [2] دیدارِ الٰہی کا مقام ۔

لیکن اِس کتاب میں کامل انضباط سے اِنشاء اللہ اُس کے احکام بیان کریں گے۔ علمِ طریقت میں فقر و صفوت کا فرق بھی ہے جو بیان ہو چکا ہے۔ لیکن صفوت اور فقر معاملۂ دُنیا میں دُنیا سے علیحدگی اور اُس سے خالی ہاتھ ہونے کے لحاظ سے بالکل جُداگانہ چیز ہے۔ اور اُس کی حقیقت محتاجی اور مفلسی کی طرف رجوع کرتی ہے اور مشائخ طریقت کا ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ فقیر (محتاج) مسکین سے بہتر ہے۔ اِس لئے کہ اللہ عزّوجلّ نے فرمایا ہے۔ اَلصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ۔ ترجمہ (صدقات اُن فقرا کا حق ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں۔ کہ وہ زمین میں کسبِ معاش کے لئے نقل و حرکت نہیں کر سکتے) اِس وجہ سے کہ مسکین وہ ہے۔ جس کے پاس کچھ سامان موجود ہو اور فقیر وہ ہے جو سامانِ معیشت کو بالکل ترک کر دے پس فقر عزّت ہے اور مسکنت ذِلّت اور سامانِ معیشت رکھنے والا طریقت میں ذلیل ہوتا ہے۔ کیوں کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَتَعِسَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ وَتَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْصَۃِ وَالْقَطِیْفَۃِ ترجمہ (ہلاکت ہو بندۂ دینار[1] کو اور ہلاکت ہو بندۂ درہم[2] کو اور ہلاکت ہو گلیم سیاہ[3] اور پھٹے لباس کے بندہ کو) اور سامانِ معیشت کا تارک عزیز ہوتا ہے۔ کیوں کہ صاحبِ سامانِ معیشت کا اِعتماد سامانِ معیشت پر ہوتا ہے۔ اور تارکِ سامانِ معیشت کا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر۔ اور جب صاحبِ سامانِ معیشت کو کوئی کام آ پڑتا ہے۔ تو وہ سامانِ معیشت ساتھ لے جاتا ہے۔ اور ایک گروہ نے کہا ہے۔ کہ مسکین فقیر سے بہتر ہے۔ کیوں کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ۔ ترجمہ (اے اللہ! مجھے زندہ رکھ مسکین اور موت دے مسکین کی حالت میں اور قیامت میں مجھے اُٹھا مسکینوں کے گروہ میں) حضور صلے اللہ علیہ وسلّم نے جب مسکین کا ذکر فرمایا۔ تو اپنے لئے مسکینوں کی سی حیات و ممات و حشر[4] کی خواہش کی۔ اور جب فقر کا ذکر کیا تو فرمایا۔ کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا۔ ترجمہ (قریب ہے۔ کہ فقر کفر ہو جائے)

---

[1] اشرفی ÷ [2] روپیہ ÷ [3] گدڑی ÷ [4] قیامت کے دن پھر اُٹھنا ÷

بس معنی کے لحاظ سے فقیر وہ ہے جو اسبابِ معیشت سے تعلق رکھتا ہو اور مسکین وہ ہے جو اسباب سے بالکل تعلق نہ رکھتا ہو۔ اور شریعت میں ایک گروہ کے نزدیک مسکین صاحبِ کفاف[1] اور فقیر بالکل بے سامان ہوتا ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک فقیر صاحبِ کفاف اور مسکین بے سامان ہوتا ہے۔ پس اہلِ معاملت مسکین کو دمڑی کہتے ہیں۔ اور یہ اختلاف فقہا رضی اللہ عنہم کے اختلاف سے قریب ہے۔ جس کے نزدیک فقیر مجرد[2] اور مسکین صاحبِ کفاف ہے۔ اس کے نزدیک فقر صفوت سے بہتر ہے۔ اور جس کے نزدیک مسکین مجرد اور فقیر صاحبِ کفاف ہے۔ اس کے نزدیک صفوت فقر سے بہتر ہے۔ یہ فقر اور صفوت کے متعلق اختصار کے طور پر صوفیا کے اختلافات ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

چھٹا باب

ملامت کا بیان

پہلی فصل

ملامت کی حقیقت:

مشائخ طریقت میں سے ایک گروہ نے ملامت کا طریقہ اختیار کیا ہے اور ملامت کو محبتِ الٰہی کے خالص ہونے میں بڑا اثر اور پورا دخل ہے۔ اور اہلِ حق تمام عالم میں خلقت کی ملامت سے مخصوص ہیں خصوصاً اس امت کے بزرگ اور خود رسول صلے اللہ علیہ وسلم جو اہلِ حق کے مقتدا اور امام اور محبانِ الٰہی کے پیشرو تھے، جب تک برہانِ حق[3] کا آپ پر ظہور نہ ہوا۔ اور وحیِ الٰہی آپ کو نہ آئی تھی۔ سب لوگوں کے نزدیک نیک نام اور صادق اور امین تھے۔ اور جب اللہ تعالےٰ نے خلعتِ محبوبیت (نبوت[4]) سے آپ کو نوازا تو خلقت نے آپ پر زبانِ ملامت دراز کی۔ ایک گروہ نے کہا کہ وہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کاہن[5] ہے۔ ایک گروہ

---

[1] زاد۔ توشہ [2] تہی دست [3] ثبوت [4] پیغمبری [5] نجومی۔ جوتشی۔

نے کہا وہ شاعر ہے۔ اور ایک گروہ نے کہا۔ وہ دیوانہ ہے۔ اور ایک گروہ نے کہا جھوٹا ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ نے ایمانداروں کی صفت میں فرمایا ہے۔ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ؕ۔ ترجمہ۔ وہ ملامت کرنے والوں کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ اللہ کا فضل ہے۔ عطا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا وسعت والا سب کچھ جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت[1] یوں جاری ہے۔ کہ جو اس کی بات بیان کرتا ہے۔ سارا عالم اسے ملامت کرنے لگ جاتا ہے۔ اور خود اس کے دل اُن کی ملامت میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھتا ہے اور یہ غیرت الٰہی ہے۔ کہ اپنے دوستوں کو غیر کی بُری نظر سے محفوظ رکھتا ہے۔ تاکہ کسی کی آنکھ ان کے حسنِ جمال پر نہ پڑے اور اپنے دوستوں کو خود اپنی رویت (اپنے آپ کو بڑا سمجھنا) سے بھی بچاتا ہے۔ تاکہ وہ خود نہ اپنا جمال دیکھیں۔ اور نہ اپنے آپ سے مغرور ہوں۔ اور نہ غرور و تکبر کی خرابی میں پڑیں۔ پس اس لئے خلقت اُن پر مقرر ہو جاتی ہے۔ کہ زبان ملامت اُن پر دراز کریں اور نفسِ لوامہ[2] کو اُن کے اندر ودیعت کر دیا ہے۔ تاکہ جو کچھ وہ کریں اُس پر وہ اُن کو ملامت کرتا رہے۔ اگر کچھ غلطی کریں تو غلطی پر اپنے آپ کو ملامت کریں۔ اور اگر اچھا کریں۔ تو اس میں کوتاہی پر اپنے آپ کو ملامت کریں۔ اور راہِ حق تعالیٰ میں یہ ایک بڑی قوی اصل ہے۔ کیونکہ اس طریق میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مہلک آفت نہیں۔ کہ کوئی شخص اپنی ذات میں اوصاف و کمالات دیکھ کر مغرور ہو جائے۔

اور اصل غرور دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے:۔ (اوّل) خلقت کی تعریف اور مدح سے۔ اور وہ یوں ہے کہ بندہ کا فعل مخلوق کو پسند آتا ہے۔ اس پر اُن کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔ اور وہ اس پر مغرور ہو جاتا ہے۔ یا وہ اپنے اُس فعل سے مغرور ہو جاتا ہے۔ جو سب کو پسند ہو۔ اور اپنے آپ کو قابل سمجھتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ راستہ اپنے دوستوں پر بند کر دیا ہے۔ یہاں تک

---

[1] طریقہ۔ دستور ۔ [2] ضمیر باطن کی وہ مخفی قوت جو انسان کو ناجائز اور خلافِ شریعت فعل کے ارتکاب پر ملامت کرے ۔

کہ اُن کے معاملات کو اگرچہ وہ نیک ہوں لوگ پسند نہیں کرتے۔ اِس لئے کہ انہوں نے حقیقتِ حال کو نہیں دیکھا۔ اور اگرچہ اُن کی کوششیں راہِ طریقت میں بہت تھیں مگر اُن اللہ کے دوستوں نے ان کو اپنی طاقت اور قوت سے خیال ہی نہیں کیا۔ اور نہ اُن کی وجہ سے اپنے آپ کو پسند کیا۔ یہاں تک کہ فخر و غرور کرنے سے محفوظ رہے۔ پس جو شخص خدا کو پسند ہوتا ہے۔ مخلوق اُس کو پسند نہیں کرتی۔ اور جو اپنے نزدیک برگزیدہ بنتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو برگزیدہ نہیں کرتا۔ چنانچہ ابلیس کو جنوں نے پسند کیا۔ اور فرشتوں نے بھی قبول کیا۔ اور خود اُس نے اپنے کو بھی پسند کیا۔ چونکہ وہ پسندیدۂ حق نہ تھا۔ اِس لئے اِن کا پسند کرنا اُس کے لئے لعنت کا پھل لایا۔ لیکن اس کے برعکس حضرت آدم علیہ السّلام کو فرشتوں نے پسند نہ کیا۔ اور کہنے لگے۔ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا۔ ترجمہ (کیا زمین میں تو اُس کو پیدا کرے گا۔ جو اُس میں فساد کرے گا؟) اور آدم علیہ السّلام نے خود بھی اپنے آپ کو پسند نہ کیا۔ اور کہا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ ترجمہ (اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اُوپر ظلم کیا) لیکن چونکہ آدم علیہ السّلام پسندیدۂ حق تھے اللہ نے فرمایا۔ وَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ ترجمہ (وہ بھول گیا اور ہم نے اُس کے لئے پختہ ارادہ نہ پایا) اس لئے ان کا اپنے آپ کو پسند نہ کرنا) اور ملائکہ کا بھی اُن کو پسند نہ کرنا آپ کے لئے رحمت کا پھل پایا۔ تاکہ اہلِ عالم جان لیں کہ ہمارا (اللہ کا) مقبول مخلوق کے ہاں متروک اور مخلوق کا مقبول ہمارے (اللہ کے) ہاں متروک ہوتا ہے۔ اِس لئے مخلوقِ خدا کی ملامت دوستانِ حق کی علامت ہے۔ کیوں کہ اس میں قبولیت کے آثار[1] ہیں۔ اور اولیاء رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی۔ کہ ملامت قُربِ حق کی علامت ہے۔ اور جس طرح لوگ اپنی مقبولیت پر خوش ہوتے ہیں اولیاء اللہ مخلوق کے رد کرنے پر خوش ہوتے ہیں۔ اور احادیث میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم سے مروی ہے اور آپ نے جبرئیل علیہ السّلام سے اور اُنھوں نے اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ کہ اَوْلِیَآءِیْ تَحْتَ قِبَآئِیْ لَا یَعْرِفُهُمْ غَیْرِیْ اِلَّا اَوْلِیَآئِیْ۔ ترجمہ (میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں۔ جن کو میرے

[1] نشانیاں۔

اور میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔

دوسری فصل

اسبابِ ملامت

(اوّل) راست روی ٭

(دوم) خلاف ورزی کا ارادہ ٭

(سوم) ترکِ (شریعت) ٭

اور راست رَوی پر ملامت کی یہ صُورت ہے۔ کہ کوئی شخص راست باز اور دینِ حق کی حفاظت اور معاملاتِ شریعت کی رعایت کرتا ہے لیکن لوگ اُس کو پھر ملامت کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ اِن کی ملامت کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اور سب سے فارغ (بے فکر) رہتا ہے ٭

اور قصدِ خلاف ورزی پر ملامت کی صُورت یہ ہے۔ کہ جب کسی کو لوگوں میں بہت بڑا رتبہ حاصل ہو جائے۔ اور اُن لوگوں میں اچھی شہرت کا مالک بن جائے اور پھر اُس کا دل رتبہ کی رغبت کرے۔ اور اُس کی طبیعت لوگوں میں لگ جائے بس خود وہ یہ چاہے۔ کہ اپنے دِل کو اُن سے بے تعلق کردے۔ اور خُدا کی طرف مشغول ہو جائے تو وہ خواہ مخواہ ایسا کام کرے جو شریعت کے خلاف تو نہ ہو لیکن لوگ اس سے نفرت کریں۔ اور اس پر ملامت کا راستہ اختیار کریں۔ یہ اُس کی طرف سے لوگوں میں قصدِ ملامت کا راستہ ہے جس کے باعث لوگ اس سے بے نیاز ہوتے ہیں ٭

اور ترک (متابعت شریعت) پر ملامت کی صُورت یہ ہے۔ کہ ایک شخص کو طبعاً کفر و ضلالت[1] پسند آجائے۔ اور اسی کی خاطر وہ شریعت اور اُس کی متابعت ترک کردے اور یوں کہے کہ یہ تو ملامت کا ایک طریقہ ہے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ اور یہ بھی اس کی طرف سے اپنے حق میں ملامت کا طریق ہے۔ لیکن وہ شخص جس کا طریق دین میں راست روی کرنا اور منافقت نہ کرنا اور ریاکاری کو ترک کرنا ہو۔ اُسے لوگوں کی ملامت کا کوئی خوف نہیں۔ وہ سب حالات میں اپنے قاعدہ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اچھے بُرے جس نام سے بھی اُسے پکاریں اُس کے لئے سب یکساں ہیں ٭

[1] حق چُھپانے کو کُفر اور راہِ حق سے بھٹک جانے کو ضلالت کہتے ہیں ٭

اور حکایات میں میں نے دیکھا ہے۔ کہ شیخ ابُوطاہر حرمی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز گدھے پر سوار بازار میں جا رہے تھے۔ اور ایک مُرید نے آپ کے گدھے کی باگ پکڑ رکھی تھی۔ ایک شخص نے آواز دی یہ بے دین پیر آیا ہے۔ اُس مُرید نے جب یہ بات سُنی تو غیرتِ ارادت کی وجہ سے اُس شخص کو مارنے کا ارادہ کیا جس سے اہلِ بازار سب جھنجلائے۔ شیخ نے مُرید سے کہا کہ اگر تُو خاموش رہے اور اپنے ارادہ سے باز آجائے تو میں تجھے ایک ایسی بات سکھاؤں گا۔ کہ تُو اُن کی تکلیف سے نجات پائیگا مُرید خاموش ہو گیا۔ جب اپنی جگہ پر پہنچے تو مُرید سے کہا کہ وہ صندوق اُٹھا لاؤ۔ وہ اُٹھا لایا اُس صندوق میں خطُوط تھے۔ خطوں کی دراز باہر نکالی۔ اور اُس کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ دیکھ ہر ایک شخص کی طرف سے میری طرف خطُوط ہیں جو اُنھوں نے میری طرف بھیجے ہیں۔ ایک نے مجھ سے شیخُ الاِسلام کے لقب سے خطاب کیا ہے اور ایک نے شیخ زکی اور ایک نے شیخُ الحرمین کے نام سے، اور یہ سب میرے اَلقاب ہیں نام نہیں میں ان میں سے کسی ایک کے لائق بھی نہیں ہُوں۔ ہر ایک نے اپنے اعتقاد کے مُطابق میرا ایک لقب مقرّر کیا ہے۔ اگر اُس بے چارے نے بھی اپنے اعتقاد کے مطابق کوئی بات کہی اور میرا لقب مقرّر کیا تو تُو نے اس پر یہ سب جھگڑا کیوں اُٹھایا۔ لیکن جس شخص کا طریقہ یہ ہو۔ کہ وہ ملامت کو قصداً اختیار کرے اور اپنی عزّت و توقیر کو چھوڑ کر لوگوں کو خواہ مخواہ اپنے سے بے زار کرے وہ یوں ہے۔ کہ روایت کرتے ہیں۔ امیرُ المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک دن خلافت کے زمانہ میں اپنے کھجوروں کے باغ سے آ رہے تھے۔ اور ایندھن کا گٹھا سَر پر رکھا تھا۔ حالانکہ آپ کے چار سو غُلام تھے۔ لوگوں نے پوچھا اے امیرالمومنین! یہ کیا حال ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ اُرِیۡدُ اَنۡ اُجَرِّبَ نَفۡسِیۡ۔ ترجمہ (میں اپنے نفس کو آزمانا چاہتا ہوں) یعنی میرے پاس غُلام تو ہیں جو یہ کام کر سکتے لیکن میں اپنے نفس کا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ خلقت کے نزدیک میرا مرتبہ اُس کو کسی کام کے خُود کرنے سے روک نہ سکے۔ اور یہ حکایت ملامت کے ثابت کرنے میں بالکل واضح ہے۔ اور اسی سلسلہ میں ایک حکایت حضرت اِمام ابی حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کرتے ہیں۔ اور اس کتاب میں جہاں آپ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں اس حکایت

کی تلاش کرنی چاہیئے ۔

نیز بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ سفرِ حجاز سے ایک شہر میں واپس آرہے تھے۔ کہ شور و غل ہؤا کہ بایزید تشریف لائے ہیں۔ شہر کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی عزّت و احترام سے آپ کو شہر میں لائیں جس کی وجہ سے آپ اِن لوگوں کی رعایت میں مشغول ہو گئے۔ اور اُن کی توجہ حق تعالیٰ سے ہٹ گئی اور پریشان ہو گئے۔ چنانچہ جب آپ بازار میں تشریف لائے تو ایک روٹی آستین سے نکالی اور کھانے لگے۔ اس پر سب لوگ آپ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اور آپ کو تنہا چھوڑ گئے۔ یہ واقعہ رمضان کا تھا۔ اور آپ مسافر تھے۔ جو مرید آپ کے ہمراہ تھا اُس سے کہنے لگے۔ کہ تُو نے دیکھا کہ اُن کے نزدیک ایک مسئلہ شریعت پر میں نے عمل نہیں کیا۔ تو سب لوگ مجھے آزاد چھوڑ گئے۔ میں علی بن عثمانی جلابی کہتا ہوں کہ اُس زمانہ میں ملامت کے لئے ایسا فعل رکا تھا جو قابلِ نفرت اور بظاہر خلاف عادت ہو۔ اب اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ لوگ اُسے ملامت کریں۔ تو اُسے کہدو۔ کہ جا کر دو رکعت نماز نفل لمبی ادا کرے۔ یا دین پر پُورے طور پر عمل کرے۔ سب لوگ یک لخت اُسے منافق اور ریا کار کہیں گے لیکن وہ شخص جس کا طریق (حصولِ ملامت کے لیے) ترکِ شریعت ہو۔ اور وہ شریعت کے خلاف کوئی امر اختیار کرے۔ اور یوں کہے۔ کہ میں یہ ملامت کا طریق اختیار کرتا ہوں۔ تو اس کا یہ کام صریح گمراہی اور بڑی خرابی اور ہوسِ دُنیا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اُن کا مقصود لوگوں کی بے توجہی کی وجہ سے اُن میں مقبول ہونا ہے۔ کیوں کہ لوگوں کے رَدّ ہو جانے کے لئے پہلے ضروری ہے کہ کوئی شخص لوگوں میں مقبول ہو تا کہ اُن کے رَدّ و انکار کا قصد کرے۔ اور ایسا فعل عمل میں لائے کہ وہ اس کو رَدّ کریں۔ پس غیر مقبول شخص کو رَدّ کا تکلّف کرنا اپنی قبولیت کے واسطے بڑا بہانہ ہوتا ہے۔ مجھے ایک دفعہ ان جھوٹے مدّعیوں میں سے ایک کے ساتھ صحبت کا اتفاق ہؤا۔ ایک دن اُس نے خراب کام کیا اور اُس کا عذر "ملامت" پیش کیا۔ ایک شخص نے اُس سے کہا کہ یہ کچھ نہیں۔ میں نے اُسے دیکھا کہ اُس نے غصّہ کیا۔ میں نے کہا اے زاہد! اگر تُو ملامت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور

اس دعویٰ میں تو صحیح ہے۔ تو اس جوان کا تیرے فعل سے انکار کرنا۔ تیرے مذہب کی تاکید ہے (تو ملامت چاہتا تھا۔ اُس نے ملامت کر دی) اور جب وہ اس طریق میں تیرے موافق ہے۔ تو یہ جھگڑا کیسا؟ اور یہ غصّہ کس لئے؟ تیرا یہ قصد ملامت کی نسبت دعوت سے زیادہ مشابہ ہے۔ اور جو شخص لوگوں کو امرِ حق کی دعوت کرے۔ اُس کے لئے قطعی دلیل کی ضرورت ہے۔ اور اُس کی قطعی دلیل سُنّتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہے۔ اور جب میں دیکھتا ہوں۔ کہ تو علانیہ ایک فریضہ کو ترک کر رہا ہے۔ اور لوگوں کو اس کی دعوت دے رہا ہے۔ تو تیرا یہ کام خلاف اسلام ہے۔

تیسری فصل

شیخ ابوحمدان رحمۃ اللہ علیہ کے ملامت کی حقیقت

جان لو کہ طریقت میں ملامت کو اپنے زمانہ کے شیخ ابوحمدان قصاب رحمۃ اللہ علیہ نے رواج دیا ہے۔ ملامت کی حقیقت میں اُن کے بہت سے عمدہ اقوال ہیں۔ لوگ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا ہے۔ اَلْمَلَامَۃُ تَرْکُ السَّلَامَۃِ ترجمہ (ملامت سلامتی کو ترک کرنا ہے) اور جب کوئی شخص اپنی سلامتی کو ترک کر دے۔ اور مصائب کے لئے کمربستہ ہو جائے۔ اور جلال الٰہی کے ظہور اور نیک انجام طلب کرنے کی امید پر اپنی دلچسپیوں اور راحتوں سے بیزاری اختیار کرے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے ردّ و انکار کی وجہ سے لوگوں سے ناامید ہو جائے تب اُس کی طبیعت اُن لوگوں سے اُلفت و محبّت قطع کر لیتی ہے۔ اور وہ جتنا ان لوگوں سے قطع تعلق کرتا ہے۔ اتنا ہی حق تعالیٰ سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے پس جس چیز کی طرف سب لوگوں کی توجہ ہوتی ہے۔ اور اس میں اُن کی سلامتی ہوتی ہے تو اہل ملامت اُس چیز کی طرف سے پیٹھ موڑ لیتے ہیں۔ وہ اُس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں تاکہ اہلِ ملامت کا غم لوگوں کے غم کے خلاف اور اُن کا قصد لوگوں کے مقاصد کے برعکس ہو وہ اپنے اوصاف میں یکتا اور بے مثل ہوتے ہیں۔ جیسے کہ احمد بن فاتک رحمۃ اللہ علیہ حسین بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ لوگوں نے اُن سے پوچھا۔ مَنِ الصُّوْفِیُّ قَالَ وَحْدَانِیُّ الذَّاتِ۔ ترجمہ (صوفی کون ہوتا

ہے؟ آپ نے فرمایا۔ جو اپنی ذات میں یکتا ہو)

نیز ابوحمدون رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیہ سے لوگوں نے ملامت کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس کا راستہ لوگوں پر دشوار اور مشکل ہے۔ لیکن ہم کسی قدر اس کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ رَجَاءُ الْمُرْجِیَّۃِ وَخَوْفُ الْقَدَرِیَّۃِ۔ ترجمہ: وہ ملامت فرقۂ مرجیہ کی امید اور فرقۂ قدریہ کا خوف ہے۔ یعنی فرقۂ مرجیہ کی طرح بعض اُمورِ شریعت کی خلاف ورزی کے باوجود مغفرت کی امید رکھنا۔ اور فرقۂ قدریہ کی طرح عمل میں کوتاہی کی وجہ سے مغفرت کے متعلق ڈرتے رہنا ملامتی صوفیوں کی صفت ہے۔ اور اس میں ایک رمز ہے۔ وہ یہ کہ یہ طبیعت (انسانی) درگاہِ الٰہی سے اس سے زیادہ کسی اور چیز کے سبب سے نفرت کرنے والی نہیں ہوتی جتنی کہ لوگوں کے نزدیک مرتبہ حاصل ہونے کی وجہ سے۔ اور انسان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ کوئی اس کی تعریف کر دے۔ تو وہ اس کو دل وجان سے پسند کرے اور اس کی وجہ سے خدا تعالیٰ سے دور ہو جائے۔ پس ڈرنے والا ہمیشہ کوشش کرتا رہتا ہے کہ وہ خطرہ کے محل سے دور رہے اور اس کوشش میں طالب کو دو خطرے پیش آتے ہیں۔ ایک لوگوں کے حجاب کا خوف اور دوسرے اس فعل کا روکنا جس کی وجہ سے انھوں نے اسے گنہگار سمجھا۔ اور اس پر ملامت کی۔ پس نہ تو ان کے نزدیک مرتبہ حاصل کر کے آرام پاتا ہے نہ اس بات کا سامان ہے کہ ان کو اپنی ملامت سے گنہگار ٹھہرائے۔ پس ملامتی کے لئے چاہیئے۔ کہ پہلے اس امر کے متعلق جو لوگ اسے کہیں دنیا و آخرت کا جھگڑا لوگوں سے منقطع کر دے۔ بلکہ دل کی نجات کے لئے ایسا کام کرے جو شریعت میں نہ کبیرہ[3] ہو نہ صغیرہ[4] کہ لوگ اس کو رد کریں۔ یہانتک کہ اس کا خوف معاملاتِ شریعت میں قدریوں کے خوف کی طرح اور ملامت کرنے

---

[1] جو لوگ عمل کئے بغیر اللہ تعالیٰ کی بخشش کی امید رکھتے ہیں۔ انہیں فرقۂ مرجیہ کہتے ہیں۔

[2] جو لوگ عمل ہی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں اور مقدراتِ الٰہیہ سے انکار کرتے ہیں انہیں فرقۂ قدریہ کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک جو لوگ انسان کو فاعلِ مختار سمجھتے ہیں اور تقدیر کا انکار کرتے ہیں انہیں قدریہ کہتے ہیں + [3] وہ گناہ جو باقاعدہ توبہ کئے بغیر معاف نہیں ہو سکتا اُسے گناہ کبیرہ کہتے ہیں جیسے زنا۔ چوری۔ شراب اور خیانت وغیرہ + [4] وہ گناہ جو نیکی کی بدولت بھی معاف ہو سکتا ہے + وہ گناہ صغیرہ ہے۔

والوں کے معاملہ میں اُس کی بخشش کی امید مُرجیوں کی اُمّید کی طرح ہو۔ اور حقیقت میں کسی چیز کی محبت محبتِ ملامت سے بہتر نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ دوست کی ملامت کا دوست کے دِل پر اثر نہیں ہوتا۔ اور دوست کا دوست کے کوچہ کے سوا کہیں گذر نہیں ہوتا۔ اور اغیار کا دوست کے دِل میں خیال تک نہیں آتا۔ جیسے ایک عاشقِ صادق اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اَجِدُ الْمَلَامَةَ فِیْ هَوَاكَ لَذِیْذَةً لِاَنَّ الْمَلَامَةَ رَوْضَةُ الْعَاشِقِیْنَ وَنُزْهَةُ الْمُحِبِّیْنَ وَرَاحَةُ الْمُشْتَاقِیْنَ وَسُرُوْرُ الْمُرِیْدِیْنَ۔ ترجمہ (میں ملامت کو تیری محبت میں لذیذ محسوس کرتا ہوں۔ کیوں کہ ملامت عاشقانِ الٰہی کا باغ اور دوستانِ حق کی سیرگاہ اور مشتاقانِ خُدا کی راحت اور طالبانِ حق کی خوشی ہے) اور دونوں عالم (جن وانس) میں صرف یہی ایک گروہ دِل کی سلامتی کے لئے اپنے بدن کی ملامت اختیار کرنے سے مخصوص ہے۔ اور مُقرّب و کرّوبی وروحانی لوگوں (فرشتوں) میں سے کسی کو یہ درجہ حاصل نہیں۔ اور اُس اُمّت میں صُوفیوں کے گروہ کے سوا جو دُنیا سے قطع تعلق کے طریق پر چلتے ہیں پہلی اُمتوں سے بھی جو زاہد و عابد و راغب و طالبِ حق ہوئے ہیں وہ اس مرتبہ کو نہیں پہنچے۔ لیکن میرے نزدیک ملامت کی طلب عین ریا ہے۔ اور ریا عین منافقت۔ کیوں کہ ریاکار بے تکلّف ایسے راستہ پر چلتا ہے۔ کہ لوگ اس کو قبول کریں۔ اور ملامتی (صوفی) تکلّف سے ایسی راہ چلتا ہے کہ لوگ اُس کو رد و انکار کریں۔ اور دونوں گروہ خلقت میں اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ اور اس سے باہر نہیں جاتے۔ یہاں تک کہ ایک گروہ (ریاکار) نے یہ عمل اختیار کیا ہے۔ اور دُوسرے گروہ (ملامتی صُوفی) نے وُہ عمل۔ اور حقیقی دُرویش کے دِل میں تو لوگوں کی بات تک نہیں گُذرتی اور چوں کہ اس کا دِل لوگوں سے قطع تعلق کئے ہوئے رہتا ہے۔ اس لئے وہ اِس بات سے فارغ ہوتا ہے اور کوئی چیز اس کو پابند نہیں کر سکتی۔ ایک دفعہ مجھے ماوراءالنہر کے ایک ملامتی سے صحبت کا اتفاق ہوا جب صحبت سے خوش ہُوا۔ تو میں نے کہا اے بھائی! ان مکروہ افعال سے تیری کیا مُراد ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ لوگوں کو اپنی ذات میں فنا کر دینا۔ میں نے کہا۔ خلقت تو بے شمار ہے۔ اور تُو وہ عمر، زمانہ اور

درجہ حاصل نہیں کر سکے گا۔ کہ لوگوں کو اپنے حال میں فنا کر دے۔ اس لئے تو اپنے آپ کو مخلوق میں فنا کر دے تاکہ اس گورکھ دھندے سے رہائی پائے۔ اور ایک گروہ وہ ہے۔ کہ وہ خلقت میں مشغول ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں۔ کہ خلقت ان میں مشغول ہے پس کوئی شخص تجھے نہیں دیکھتا۔ تو اپنے آپ کو نہ دیکھ۔ جب تیری خرابی خود تیری آنکھ سے ہے تو تجھے غیر سے کیا کام؟ جسے شفا پرہیز سے طلب کرنی چاہئے اور وہ دوا سے طلب کرتا ہے۔ وہ دانش مند نہیں۔ اور ایک گروہ کسر نفس کے لئے اپنے نفس کو ملامتی بنالیتا ہے۔ تاکہ لوگوں کے سامنے ذلت کی وجہ سے اس کا نفس مؤدب ہو جائے۔ اور وہ اپنے نفس سے اپنا انصاف حاصل کرے کیونکہ ان کے نزدیک بہت اچھا وقت وہ ہوتا ہے۔ کہ اپنے نفس کو ذلت اور مصیبت میں دیکھیں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت حکایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کبھی آپ کو اپنی مراد بھی حاصل ہوئی ہے تو آپ نے فرمایا۔ ہاں! دو دفعہ ایک دفعہ تو میں کشتی میں تھا اور کوئی وہاں مجھے پہچانتا نہ تھا۔ میرا لباس پھٹی گدڑی تھی۔ اور بال لمبے اور ایسی حالت تھی کہ کشتی والے سب مجھ پر ہنسی اور افسوس کرتے تھے۔ اور کشتی میں ہمارے ساتھ ایک شخص مسخرا تھا جو بار بار آتا اور میرے سر کے بال کھینچتا۔ اور تمسخر کے طور پر مجھے ذلیل کرتا تھا اور میں اپنے آپ کو اس وقت بامراد محسوس کرتا تھا۔ اور اپنے نفس کی ذلت پر خوش ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ وہ خوشی انتہا کو پہنچ گئی۔ سبب یہ تھا۔ کہ وہ مسخرا اٹھا۔ اور اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا۔ دوسری مرتبہ سخت بارش میں میں ایک گاؤں میں پہنچا اور موسم سرما کی سردی مجھ پر غالب ہو رہی تھی۔ میرے بدن کی گدڑی تر ہو رہی تھی۔ میں ایک مسجد میں چلا گیا۔ لوگوں نے مجھے وہاں نہ رہنے دیا۔ پھر دوسری اور تیسری مسجد میں گیا۔ وہاں بھی نہ رہنے دیا۔ اور میں عاجز ہو گیا۔ سردی نے میرے دل پر غلبہ کیا۔ تو میں حمام کی بھٹی میں گھس گیا۔ اور اپنا دامن اس آگ پر تان دیا۔ اور اس کا دھواں نیچے سے ہو کر اوپر نکل آیا۔ میرا کپڑا اور منہ سیاہ ہو گیا۔ اس رات بھی میں اپنی مراد کو پہنچا۔

اور خود مجھے (علی بن عثمان جلابی) کو ایک دفعہ ایک واقعہ پیش آیا

تھا۔ اور میں نے اُس کے لئے اس امید پر بہت کوشش کی کہ وہ حل ہو جائے۔ مگر وہ حل نہ ہُوا اور اس سے پہلے بھی مجھے اسی قسم کا مشکل مسئلہ پیش آیا تھا۔ جس کے لیے میں شیخ بایزید رحمۃ اللہ کی قبر پہ جاکر مُجاور رہا۔ تب وہ مسئلہ حل ہُوا۔ اس دفعہ بھی مَیں نے وہاں کا قصد کیا۔ اور تین مرتبہ آپ کی تُربت پر جاکر مجاور رہا کہ وہ حل ہو جائے۔ مگر حل نہ ہُوا اور میں ہر روز میں تین دفعہ غسل اور تیس بار وضو کرتا تھا۔ اس امید پر کہ وہ مسئلہ مجھ پر حل ہو جائے۔ لیکن وہ حل نہ ہُوا اور میں وہاں سے اٹھا۔ اور سفر خراسان کا قصد کیا۔ دورانِ سفر میں ایک رات میں ایک کمس نامی ایک گاؤں میں پہنچا وہاں ایک خانقاہ تھی۔ اس میں صوفی نما لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ اور مجھ پر کھردری بوسیدہ گدڑی تھی اور اہلِ رسم (صوفیوں) کے سامان میں سے سوائے لاٹھی اور ٹاٹ کے میرے پاس کچھ نہ تھا۔ اس جماعت کی نگاہ میں مَیں سخت حقیر معلوم ہُوا۔ کسی نے مجھے نہ پہچانا۔ وہ آپس میں رسم کے طور پر کہتے تھے۔ کہ یہ شخص ہماری جنس کا نہیں۔ اور حق بات وہی تھی جو وہ کہہ رہے تھے کہ میں اُن کی جنس میں سے نہ تھا۔ لیکن اس رات مجھے وہاں مجبوراً رہنا تھا۔ مجھے تو اُنھوں نے ایک بالاخانے پر بٹھا دیا۔ اور خود مجھ سے اُوپر والے بالاخانے پر چڑھ گئے میں فرش پر بیٹھا تھا۔ اُنہوں نے سوکھی باسی سبز (پھپھوندی لگی ہوئی) روٹی میرے آگے رکھی۔ اور جو کھانا وہ کھا رہے تھے اُس کی بُو مجھے آرہی تھی۔ اور وہ بالاخانے پر سے میرے ساتھ طنز آمیز باتیں کر رہے تھے۔ جب کھانے سے وہ فارغ ہوئے تو اپنی خوش طبعی اور میری حقارت کے لئے خربوزہ کھا کر اُس کے چھلکے مجھ پر پھینکتے جاتے تھے۔ اور مَیں دل میں کہتا تھا کہ بارِ خدایا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ تیرے دوستوں کا لباس رکھتے ہیں تو میں کبھی اُن سے یہ ذلّت نہ برداشت کرتا اور جس قدر اُن کا طعنہ مجھ پر زیادہ ہوتا تھا میں دِل میں اُس پر خوش ہوتا تھا یہاں تک کہ اس ذلّت کا بار اٹھانے سے وہ مشکل مسئلہ مجھ پر حل ہو گیا۔ اور اسی وقت مجھے معلوم ہو گیا کہ مشائخ طریقت نے جاہلوں کو کیوں اپنے اندر گھسنے دیا اور کس لئے اُن کی ذلت کا بار اُٹھاتے ہیں پس ملامت کے احکام جن کو میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے پوری تحقیق کے ساتھ دریافت کر کے بیان کیا وہ یہی تھے ۔

ساتواں باب

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے صوفیا کے امام

اب ہم صحابہ رضی اللہ عنہم سابقین اوّلین مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم میں سے ان اماموں کے بعض حالات بیان کرتے ہیں۔ جو انبیاء علیہم السّلام کے بعد معاملات میں ان اہلِ تصوّف کے پیش رو اور انفاس میں اُن کے پیشوا اور احوال میں اُن کے رہنما ہوئے ہیں۔ تاکہ اگر اللہ کو منظور ہو تو تمہاری مُراد کے ثابت کرنے کے لئے تاکید ہو جائے۔

پہلی فصل

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے اسلام کے شیخ انبیاء علیہم السّلام کے بعد بہترین خلق رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم کے خلیفۂ اوّل مسلمانوں کے امام اہلِ تجرید کے سردار۔ اربابِ تفرید کے بادشاہ۔ انسانی آفتوں سے دور۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان الصدّیق رضی اللہ عنہ ہیں جن کی کرامتیں مشہور اور معاملاتِ دین اور حقائقِ شریعت میں خوارق اور دلیلیں واضح ہیں۔ تصوّف کے بارے میں آپ کے کچھ حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ اور مشائخِ طریقت آپ کی روایت و حکایت کے کم ہونے کی وجہ سے آپ کو اربابِ مشاہدہ کے سردار اور حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کو دین کے مُعاملات میں اُن کی سختی اور شدّت کی وجہ سے اہلِ مجاہدہ کے پیشوا مانتے ہیں۔ اور صحیح احادیث میں لکھا ہے۔ اور اہلِ علم کے درمیان مشہور ہے کہ رات کے وقت جب حضرت صدیق اکبرؓ نماز پڑھتے۔ تو قرآن آہستہ پڑھتے اور حضرت عمرؓ بلند آواز سے پڑھتے۔ رسول صلّے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم آہستہ کیوں پڑھتے ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ اُسْمِعُ مَنْ اُنَاجِیْہِ۔ ترجمہ (میں اُس ذات کو سُناتا ہوں جس سے میں راز کی بات کہ سکتا ہوں) اِس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے غائب نہیں اور اُس کی شنوائی کے نزدیک آہستہ اور زور سے بولنا دونوں برابر

ہیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جب حضورؐ نے پوچھا تو انھوں نے عرض کیا۔ کہ اُوقِظُ الوَسْنَانَ وَاُطْرِدُ الشَّیْطَانَ۔ ترجمہ (میں سوتے کو جگاتا اور شیطان کو ہٹاتا ہُوں) حضرت عمر رضی اللہ عنہُ کی یہ بات آپ کے مُجاہدہ کا پتہ دیتی ہے۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وہ بات اُن کے مشاہدہ کی خبر دیتی ہے اور مقام مجاہدہ مقام مشاہدہ کے مقابلہ میں سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا۔ ھَلْ اَنْتَ اِلَّا حَسَنَةٌ مِّنْ اَبِی بَکْرٍ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ۔ ترجمہ (تیری حیثیت ابوبکر رضی اللہ عنہُ کی نیکیوں کے مقابلہ میں ایک نیکی اتنی ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہُ کی حیثیت جن سے اسلام کی عزت ہے۔ حضرت ابُوبکرؓ کی نیکیوں کے مقابلہ میں ایک نیکی سے زیادہ نہیں۔ تو غور کرو کہ اہلِ عالم کی آپ کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہے۔ آپ کی نسبت یہ مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ دَارُنَا فَانِیَةٌ وَاَحْوَالُنَا عَارِیَةٌ وَاَنْفَاسُنَا مَعْدُوْدَةٌ وَکَسْلُنَا مَوْجُوْدَةٌ۔ ترجمہ (ہمارا گھر فنا پذیر ہے۔ اور ہمارے سب حالات مستعار[1] ہیں اور ہماری سانس گنتی کے اور ہماری سستی دین میں موجود ہے) پس فانی گھر کی آبادی جہالت ہے۔ اور عارضی حال پر اعتماد کرنا بے وقوفی اور گنتی کی چند سانسوں پر دل لگانا غفلت اور دین میں سستی کو دین کہنا خسارا ہے۔ کیونکہ جو چیز مُستعار ہے وہ واپس ہو جائے گی اور جو چیز گذرنے والی ہے نہیں رہے گی۔ اور جو گنتی میں آسکتی ہے وہ ختم ہو جائے گی۔ اور کاہلی کا کوئی علاج ہی نہیں۔ حضرت صِدّیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ دُنیا کی چیزیں ایسی نہیں ہیں کہ ان میں دل لگایا جائے۔ کیونکہ جب تُو فانی چیز میں مشغول ہوگا تو باقی کی طرف سے حجاب میں ہو جائے گا۔ چوں کہ نفس اور دُنیا طالب کے لئے حق تعالیٰ سے حجاب کا باعث ہیں۔ اِس لئے اَولیاء اللہ نے اِن دونوں سے اعراض کیا ہے۔ اور جب اُنھوں نے جان لیا کہ یہ سب مانگی ہوئی چیزیں ہیں اور مانگی ہوئی چیز دُوسروں کی مِلک ہوتی ہے۔ تو دوسروں کی مِلک میں تصرّف کرنے سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اور نیز آپ کی نسبت روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے مناجات میں فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اَبْسُطْ لِیَ الدُّنْیَا وَزَاھِدْنِیْ عَنْھَا۔

---

[1] عارضی۔ ناپائیدار۔

ترجمہ (اے اللہ میرے لئے دُنیا فراخ کر دے اور مجھے اس سے زاہد بنا دے)
پہلے تو آپ نے فرمایا کہ دُنیا مجھ پر فراخ کر دے۔ پھر فرمایا مجھے اُس کی آفت سے محفوظ رکھ اُس میں ایک لطیفہ ہے وہ یہ کہ پہلے مجھے دُنیا عطا فرما تاکہ اُس کا شکریہ ادا کروں پھر اس بات کی توفیق بخش کہ محض تیری خوشنودی کے لئے اُس سے دست بردار ہوں اور رُوگردانی کروں تاکہ شکر اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا درجہ بھی حاصل کر دوں اور مقامِ صبر میں مجبور اور ناچار نہ ہوں۔ بلکہ فقر مجھے باختیارِ خود حاصل ہو اور آپ کا یہ قول اُس دُنیادار پیر کا رد ہے جس نے یہ کہا۔ کہ جس کا فقر مجبوری سے ہے۔ وہ اُس سے بہتر ہے جس نے اپنی مرضی سے فقر اختیار کیا۔ کیونکہ اگر فقر مجبوری سے ہے۔ تو وہ شخص اس کا معمول ہے۔ اگر اختیار سے ہے۔ تو فقر اُس کا معمول ہے۔ پہلی صورت میں فقر ذاتی ہے۔ اور دوسری صورت میں عارضی اور چوں کہ پہلی صورت میں اُس کے کسب و فعل کو فقر کے حاصل کرنے سے کوئی تعلق نہیں۔ اِس لئے وہ شخص اُس شخص سے بہتر ہے۔ جو تکلّف سے اپنے لئے فقر میں درجہ پیدا کرتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فقر کا عمل اُس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ حالت غنا میں فقر کا ارادہ اُس کے دل پر غالب ہو جائے۔ اور اس شخص میں اتنا عمل کرے (اثر انداز ہو) کہ اُسے آدم علیہ السّلام اور اُس کی اولاد کی محبوب چیز یعنی دُنیا سے الگ تھلگ کر دے۔ نہ اس وقت کہ فقر کی حالت میں دولت مندی کی خواہش اُس کے دل پہ غالب ہو کر اس قدر اس میں عمل و دخل کرے کہ اس کو درہم و دینار کے لئے ظالموں اور بادشاہوں کی درگاہ میں جانا پڑے۔ اور در حقیقت فقر کا عمل یہ ہے کہ وہ غنا چھوڑ کر فقر کو اختیار کرے۔ نہ یہ کہ فقر میں سرداری اور دُنیا کی عزّت و ثروت کی طلب کرے۔ چنانچہ حضرت صدّیقِ اکبرؓ جو انبیاءِ کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کے بعد سب مخلوق سے بلند مرتبہ ہیں۔ اختیاری فقر کو اضطراری اور جبری فقر پہ ترجیح دیتے ہیں۔ پس یہ جائز نہیں کہ کوئی اُن کا مقابلہ کرے۔ لہٰذا اُس دُنیادار پیر کا یہ قول کہ اضطراری فقر اختیاری فقر سے بہتر ہے۔ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے اس فعل کے صریح منافی ہے اور جمہور مشائخؒ کا یہی مسلک ہے۔

اور امام زہری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ جب لوگوں نے

آپ سے خلافت کی بیعت کی تو آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا۔ اور اثنائے خطبہ میں فرمایا وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ حَرِيصًا عَلَى الْاِمَارَةِ يَوْمًا وَلَا لَيْلَةً وَلَا كُنْتُ فِيْهَا رَاغِبًا وَلَا سَئَلْتُهَا اللّٰهَ قَطُّ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَلَا لِيْ فِي الْاِمَارَةِ مِنْ رَاحَةٍ ترجمہ (قسم اللہ کی میں نے تو نہ کسی دن اور نہ کسی رات خلافت کی حرص کی۔ اور نہ مجھے اس کی خواہش تھی اور نہ میں نے کبھی اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ اور ظاہر اس کی درخواست کی۔ اور نہ مجھے خلافت میں کوئی خوشی ہے) اور جب خدا تعالےٰ بندہ کو کمالِ صدق پر پہنچا دیتا اور عزّت کے مقام پر معزز و متمکن کر دیتا ہے تو وہ امرِ الٰہی کے وارد ہونے کا منتظر رہتا ہے کہ وہ امر کس طور پر آتا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے مطابق ہو جاتا ہے۔ اگر حکم آتا ہے کہ وہ فقیر ہو جائے تو فقیر ہو جاتا ہے۔ اگر حکم ہوتا ہے کہ امیر ہو جائے تو امیر ہو جاتا ہے۔ اس میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کرتا۔ جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابتدا سے انتہا تک سوائے تسلیم امرِ حق کے کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کی کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کے عموماً اور اہلِ طریقت کے خصوصاً دینی امام اور پیشوا ہیں

دوسری فصل

حضرت عمر بن الخطاب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

آپ صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے اہلِ ایمان کے سرِ لشکر اہلِ احسان کے مقتدا اہلِ تحقیق کے امام اور دریائے محبتِ الٰہی کے شناور حضرت ابوحفص عمر بن الخطّاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ جن کی کرامتیں مشہور اور دین میں دُور رسی کی باتیں عام طور پر لوگوں میں مذکور ہیں۔ اور وہ دینی امور میں دانش مندی اور سخت پابندی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور طریقت میں آپ کے نہایت لطیف اقوال اور باریک رموز ہیں۔ آپ ہی کے متعلق پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ ۔ ترجمہ (حق تعالیٰ عمر کی زبان پر کلام کرتا ہے) اور نیز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ قَدْ كَانَ فِي الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ[1]

---

[1] محدّث کے لفظی معنے حدیث بیان کرنیوالے کے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں محدّث وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ تجدید اور احیائے دین کے لئے مامور فرمائے حضورِ اکرم کی ایک حدیث کے رُو سے ہر صدی کے آغاز پر اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تجدید و احیاء کے لیے اپنے کسی پاک بندے کو مامور فرماتا ہے

فَاِنْ يَّكُ مِنْهُمْ فِيْ اُمَّتِيْ فَعُمَرُ۔ ترجمہ (پہلی امتوں میں محدث ہوئے اور اگر میری امت میں کوئی محدث ہے۔ تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں) طریقت میں آپ کے بے شمار لطیف رموز ہیں جن سب کو ہم اس کتاب میں شمار نہیں کر سکتے۔ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْعُزْلَةُ رَاحَةٌ مِّنْ خُلَطَاءِ السُّوْءِ ترجمہ (تنہائی برے ہم نشینوں سے راحت ہے)

اور عزلت دو قسم کی ہوتی ہے:۔
(اوّل) لوگوں سے اعراض کرنا ۔
(دوم) اُن سے قطع تعلق کر لینا ۔

اور لوگوں سے اعراض کرنے کا مطلب خالی جگہ اختیار کرنا ہم جنسوں کی صحبت سے کنارہ کش ہونا اپنے اعمال کی خرابیوں کے دیکھنے سے آرام پانا۔ لوگوں کے میل جول سے خلاصی طلب کرنا اور مخلوقِ خدا کو اپنی برائی سے محفوظ رکھنا ہے۔ اور لوگوں سے قطع تعلق دل سے ہوتا ہے۔ اور دل کی صفت (کیفیت) کو بظاہر مخلوقات کی کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ اس کا خیال اس کے دل پر غلبہ پائے۔ پس اس وقت وہ شخص اگرچہ بظاہر لوگوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔ مگر باطن میں ان سے الگ ہوتا ہے۔ اور اس کا ارادہ ان سے بالکل علیحدہ یہ مقام بہت بلند اور اونچا ہے۔ اور دل کی یہ کیفیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نسبتاً زیادہ صحیح اور درست پائی جاتی تھی جنہوں نے تنہائی کو راحت فرمایا۔ حالانکہ آپ بظاہر لوگوں کے درمیان امارت اور خلافت کے فرائض کے بجا آوری میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور یہ واضح دلیل ہے کہ اہلِ باطن گو بظاہر مخلوق سے ملے جلے رہتے ہیں۔ مگر اُن کا دل حق تعالیٰ سے لگا رہتا ہے اور تمام حالات میں اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ اور جتنا میل جول وہ لوگوں سے رکھتے ہیں۔ اسے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے اپنے لئے ایک آفت سمجھتے ہیں۔ اور اس سے خدا تعالیٰ کی طرف بھاگتے ہیں۔ غرضیکہ دُنیا دوستانِ حق کو کبھی مصفا معلوم نہیں ہوتی۔ اور نہ اُس کے حالات اُن کے لئے خوشگوار ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ دَارٌ اُسِّسَتْ عَلَى الْبَلْوٰى بِلَا بَلْوٰى مُحَالٌ۔ ترجمہ (جس مکان

کی بنیاد مصیبت پر رکھی گئی ہو اس کا مصیبت سے خالی ہونا محال ہے) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے تھے۔ اور درگاہِ ربّ العزت میں آپ کے تمام افعال مقبول تھے یہاں تک کہ آپ کے ابتدائے اسلام کے زمانہ میں جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا۔ یَا مُحَمَّدُ قَدِ اسْتَبْشَرَ اَھْلُ السَّمَاءِ بِاِسْلَامِ عُمَرَ۔ ترجمہ (اے محمدؐ! آج اہلِ آسمان نے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار کیا ہے) پس یہ جماعت صوفیا گدڑی پہننے اور دین کے متعلق سختی کرنے میں آپ ہی کا اقتداء کرتی ہے۔ اس لئے کہ آپ تمام دینی اور دنیاوی امور میں سب اُمّت کے امام ہیں۔

تیسری فصل

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ایک کیں حیا کا خزانہ اہلِ صفاء میں سے زیادہ عبادت گذار۔ درگاہ رضائے الٰہی سے تعلق رکھنے والے اور حضرت مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے طریق سے آراستہ۔ حضرت ابو عمر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جن کی فضیلتیں تمام امور میں بالکل آشکارا اور واضح ظاہر ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن رباح و ابو قتادہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حربُ الدّار[1] کے روز ہم آپ کے پاس تھے۔ جب فسادی لوگ آپ کے دروازہ پر جمع ہو گئے۔ تو آپ کے غلاموں نے ہتھیار اُٹھا لئے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص ہتھیار نہ اُٹھائے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزاد ہے۔ اور ہم لوگ خوف کی وجہ سے جب باہر نکلے۔ تو حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما ہمیں راستہ میں ملے۔ چنانچہ ہم اُن کے ساتھ واپس لوٹ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تاکہ معلوم کریں۔ کہ حسن بن علی کرم اللہ وجہہ آپ کے پاس کس مقصد کی خاطر آرہے ہیں۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ اندر آئے تو سلام کے بعد

[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کے محاصرہ اور اُن کی شہادت کے واقعہ کو حربُ الدّار کہتے ہیں

پہلے آپ سے اِس مصیبت پر افسوس اور ہمدردی کا اظہار کیا اور پھر یہ عرض کیا۔ اے امیر المومنین! آپ امام برحق ہیں۔ آپ کے حکم کے بغیر میں مسلمانوں پر تلوار نہیں کھینچ سکتا اس لئے آپ مجھے حکم دیجئے تاکہ میں یہ مصیبت آپ سے ہٹا دوں) تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن سے فرمایا۔ یَا ابْنَ اَخِیْ اِرْجِعْ وَاجْلِسْ بَیْتَكَ حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ فَلَا حَاجَةَ لَنَا فِیْ اِھْرَاقِ الدِّمَاءِ۔ ترجمہ (اے میرے بھائی کے لڑکے! واپس جا کر اپنے گھر میں بیٹھئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے۔ ہمیں خون گرانے کی حاجت نہیں) اور یہ بات مقام خُلت[1] میں بلا کے وارد ہونے کے وقت تسلیم و رضا کی علامت ہے۔ جیسا کہ نمرود علیہ اللعنۃ نے آگ بھڑکائی اور ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق[2] کے پلڑے میں رکھا۔ تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر فرمایا۔ ھَلْ لَكَ مِنْ حَاجَةٍ۔ ترجمہ (کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟) تو آپ نے فرمایا۔ اَمَّا اِلَیْكَ فَلَا۔ ترجمہ (تیری طرف مجھے کوئی حاجت نہیں) حضرت جبرائیل نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ سے پھر مدد طلب کیجئے) تو آپ نے فرمایا۔ حَسْبِیْ سُؤَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ۔ ترجمہ (اُس کا میرے حال کو جاننا میرے سوال کے لئے بس ہے) یعنی وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ مجھ پر کیا مصیبت آرہی ہے۔ اور وہ میرے حال کو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ میری بہتری کس چیز میں ہے؛ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس مقام پر بالکل وہی حیثیت تھی جو حضرت خلیل اللہ کی منجنیق میں تھی اور فسادیوں کا اجتماع بعینہٖ آتش نمرود اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے قائم مقام تھے۔ لیکن دونوں حالتوں میں فرق یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بلا میں نجات ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس مصیبت میں ہلاکت۔ اور ظاہر ہے کہ نجات کا تعلق بقا سے ہے اور ہلاکت کا فنا سے۔ اور اس کے متعلق اس سے پیشتر ہم بیان کر چکے ہیں پس صوفیا کی جماعت مال و جان کو راہِ مولا میں خرچ کرنے اور اپنے تمام امور کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرنے اور عبادت میں اخلاص کے اندر آپ ہی کی اقتدا

[1] دوستی آزمانے کی جگہ [2] مَنْجَنِیْق ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ توپ کی ایجاد سے قبل بڑے بڑے بھاری پتھر پھینک دیئے جاتے تھے

کرتی ہے۔ آپ درحقیقت شریعت وحقیقت میں سب کے امام برحق ہیں۔ اور راس سے آپ کی محبت ظاہر ہے۔

چوتھی فصل

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

آپ صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے ہیں۔ حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے بھائی۔ دریائے بلا کے غریق۔ آتش ولایت کے حریق۔ اور تمام اولیاء اللہ اور برگزیدگان الٰہی کے پیشوا ابوالحسن علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ طریقت میں آپ کی شان بہت بڑی اور درجہ بہت بلند ہے۔ اور معرفت کی حقیقتوں کے اصول کی دقیق عبارات کے بیان کرنے میں آپ کو پورا حصہ حاصل تھا۔ یہاں تک کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ آپ کے حق میں فرماتے ہیں۔ شَیْخُنَا فِی الْاُصُوْلِ وَالْبَلَاءِ عَلِیُّ الْمُرْتَضٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ ترجمہ (یعنی اصول معرفت میں اور شریعت مصطفوی ؐ کے تحفظ کی خاطر مصائب وآلام برداشت کرنے میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہٗ ہمارے شیخ ومرشد ہیں یعنی طریقت کے معاملات کے علم میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہمارے امام ہیں اس لئے طریقت کے علم کو اصل اصول کہتے ہیں۔ اور طریقت کے معاملات سب مصیبت کو برداشت کرنا ہیں

روایت کرتے ہیں کہ کوئی شخص آپ کی خدمت میں آیا اور آپ سے عرض کیا اے امیر المومنین! مجھے کوئی وصیت کیجئے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ لَا تَجْعَلَنَّ اَکْبَرَ شُغْلِکَ بِاَھْلِکَ وَوَلَدِکَ فَاِنْ یَّکُ اَھْلُکَ وَوَلَدُکَ مِنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَوْلِیَائَہٗ وَاِنْ کَانُوْا اَعْدَاءَ اللّٰہِ فَمَا ھَمُّکَ وَشُغْلُکَ لِاَعْدَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ ترجمہ (تو اپنے بیوی بچوں میں مشغول رہنے کو اپنا سب سے بڑا شغل نہ بنانا ہو کیوں کہ اگر تیرے بیوی بچے اللہ کے دوستوں میں سے ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ اور اگر وہ اللہ کے دشمن ہیں۔ تو تیرا اللہ کے دشمنوں کے لئے غم کھانا اور ان میں مشغول ہونا کسی طرح بھی جائز نہیں یاد رکھئے کہ اس مسئلہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوقات سے قطع تعلق کر لینے سے ہے کیوں کہ وہ اپنے بندوں کو جیسا چاہتا ہے۔ رکھتا ہے۔ بشرطیکہ تیرا یقین سچا ہو

جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکی کو (جو آپ کی بیوی تھیں) ایک سخت مشکل وقت میں تنہا چھوڑ کر خدا تعالےٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لے جا کر بے آباد وادی میں خدا کے حوالہ کر دیا۔ اور اُن کو اپنا شغل نہ بنایا۔ اور پورے طور پر اپنا دل حق تعالےٰ سے وابستہ کر دیا۔ یہاں تک کہ اپنے جملہ اُمور کو خدائے عزوجل کے سپرد کرنے کی وجہ سے اس بے مُرادی کی حالت میں بھی اُن کی دونوں جہانوں کی مرادیں حاصل ہو گئیں۔ یہ بات بالکل اُسی قول کے مشابہ ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اُس سائل سے فرمایا تھا۔ جس نے آپ سے دریافت کیا تھا۔ کہ سب سے پاکیزہ عمل کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ غِنَاءُ الْقَلْبِ بِاللّٰہِ (اللہ تعالیٰ سے مکمل تعلق پیدا کر کے غیر اللہ سے اپنے دل کو بے پرواہ بنانا) اور جو دل خدا تعالےٰ کے ساتھ غنی ہے دنیا کا نہ ہونا اس کو محتاج نہیں کر سکتا۔ اور نہ اُس کے ہونے سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور اس قول کی حقیقت سمجھنے سے فقر اور صفوت کا صحیح مفہوم بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اور اُس کا ذکر گذر چکا ہے۔ پس اہل طریقت عبارات کی حقیقتوں اشارات کی باریکیوں، دنیا و ما فیہا سے علیحدگی اور تقدیر میں حق پر نظر رکھنے میں آپ ہی کی اقتداء کرتے ہیں۔ اور آپ کے لطائف اس موضوع پر اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ کہ شمار میں آ سکیں۔ لیکن میرا طریق اس کتاب میں اختصار ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

آٹھواں باب

اہل بیت رضوان اللہ علیہم میں سے اہل تصوف کے امام

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت جو دائمی تقدس و پاکیزگی سے مخصوص تھے۔ ان میں ہر ایک کو طریقت کی ان باتوں میں دسترس حاصل رہی ہے۔ اور ان میں سے سب کے سب اہل طریقت کے پیشوا ہوئے ہیں۔ اور میں انشاء اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک گروہ کے حالات بیان کروں گا۔

پہلی فصل

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

یہ ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم میں سے ہیں ۔ حضرت مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے جگر پارہ اور حضرت علی مرتضےٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے دل کے پھول ۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا کی آنکھ کی ٹھنڈک ابو محمد حسن بن علی کرم اللہ وجہہ آپ کو طریقت میں نظر کامل اور اس مضمون (تصوف) کی عبارت کی باریکیوں کے بیان کرنے میں پورا حصہ حاصل تھا ۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنی وصیت میں فرمایا ہے ۔ عَلَیْکُمْ بِحِفْظِ السَّرَائِرِ فَاِنَّ اللّٰہَ مُطَّلِعٌ عَلَی الضَّمَائِرِ **ترجمہ** (تم پر اسرار باطن کی حفاظت لازم ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ دلوں کے بھیدوں سے آگاہ ہے ۔) اور حقیقت اس کی یہ ہے ۔ کہ بندہ کو اسرار باطن کی حفاظت کا ایسا ہی حکم دیا گیا ہے ۔ جیسا کہ ظاہر احوال کی حفاظت کا ۔ پس اسرار باطن کی حفاظت اغیار (ماسوائے اللہ) کی طرف توجہ نہ کرنا ہے ۔ اور احوال ظاہر کی حفاظت اللہ جبار کی مخالفت سے اپنی باگ کو موڑ لینا ہے اور روایت کرتے ہیں ۔ کہ جب قدری لوگوں نے غلبہ کیا اور مذہب اعتزال جہاں میں پھیل گیا ۔ تو امام حسن بصری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے حضرت امام حسن ابن علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کی طرف یہ خط لکھا ۔

(حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا خط حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے نام) :

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَقُرَّۃَ عَیْنِہٖ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ
وَبَرَکَاتُہٗ فَاِنَّکُمْ مَعَاشِرَ بَنِیْ هَاشِمٍ کَالْفُلْکِ الْجَارِیَۃِ فِیْ بَحْرٍ
لُجِّیٍّ وَمَصَابِیْحُ الدُّجٰی وَاَعْلَامُ الْهُدٰی وَالْاَئِمَّۃُ الْقَادَۃُ
الَّذِیْنَ مَنْ تَبِعَهُمْ نَجَا کَسَفِیْنَۃِ نُوْحٍ الْمَشْحُوْنَۃِ
الَّتِیْ یَؤُوْلُ اِلَیْهَا الْمُؤْمِنُوْنَ وَیَنْجُوْ بِهَا الْمُتَمَسِّکُوْنَ

فَمَا قَوْلُكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ
حَيْرَتِنَا فِي الْقَدَرِ وَاخْتِلَافِنَا فِي الْاِسْتِطَاعَةِ
لِتَعْلَمَنَا بِمَا تَاكَّدَ عَلَيْهِ رَأْيُكَ فَاِنَّكُمْ ذُرِّيَّةٌ بَعْضُهَا
مِنْ بَعْضٍ بِعِلْمِ اللّٰهِ عُلِّمْتُمْ وَهُوَ الشَّاهِدُ عَلَيْكُمْ
وَاَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ عَلَى النَّاسِ.

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے اور آپ کی دونوں آنکھوں کی ٹھنڈک آپ پر سلام اُس کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ اس کے بعد اے گروہ بنی ہاشم! آپ لوگ سب ایک بحرِ امواج میں جاری کشتی کی طرح اندھیروں کے چراغ ہدایت کے جھنڈے اور وہ رہنما امام ہیں۔ کہ جو بھی اُن کا اتباع کرے وہ نجات پائے۔ نوح علیہ السلام کی آدمیوں سے بھری ہوئی کشتی کی طرح ہیں۔ کہ جس کی طرف اہل ایمان رجوع کرتے اور اس سے سہارا لینے والے نجات پاتے ہیں۔ پس اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشے اور تقدیر کے متعلق ہماری حیرت اور استطاعت کے متعلق ہمارے اختلاف کے وقت آپ کیا فرماتے ہیں؟ تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے۔ کہ آپ کی رائے کس بات پر قائم ہے۔ کیونکہ بلاشبہ آپ سب پشت در پشت انبیاء کرام کی اولادیں آپ کو علم الٰہی کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور وہی آپ کا محافظ اور نگہبان ہے۔ اور آپ لوگ اللہ کی طرف سے لوگوں کے محافظ ہیں۔ والسلام۔

جب یہ خط آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے یوں جواب لکھا۔

(امام حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا جواب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نام:)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَمَّا بَعْدُ فَقَدِ انْتَهٰى اِلَيَّ كِتَابُكَ عِنْدَ حَيْرَتِكَ وَحَيْرَةِ
مَنْ زَعَمْتَ مِنْ اُمَّتِنَا وَالَّذِيْ عَلَيْهِ رَأْيِيْ اَنَّ مَنْ لَمْ يُؤْمِنْ
بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ حَمَلَ

الْمَعَاصِي عَلَى اللّٰهِ فَقَدْ فَجَرَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُطَاعُ بِاِكْرَاهٍ وَلَا يُعْصٰى
بِغَلَبَةٍ وَلَا يُهْمِلُ الْعِبَادَ فِي مُلْكِهٖ لٰكِنَّهُ الْمَالِكُ لِمَا مَلَّكَهُمْ
وَالْقَادِرُ عَلٰى مَا عَلَيْهِ قَدَّرَهُمْ فَاِنِ ائْتَمَرُوْا بِالطَّاعَةِ لَمْ
يَكُنْ لَهُمْ صَادًّا وَلَا لَهُمْ عَنْهَا مَانِعًا وَاِنْ اَتَوْا بِالْمَعْصِيَةِ وَ
شَاءَ اَنْ يَمُنَّ عَلَيْهِمْ فَيَحُوْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهَا فَعَلَ وَاِنْ
لَمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ حَمَلَهُمْ عَلَيْهَا اِجْبَارًا وَلَا اَلْزَمَهُمْ
اِكْرَاهًا اِيَّاهَا بِاحْتِجَاجِهٖ عَلَيْهِمْ اَنْ عَرَّفَهُمْ وَمَكَّنَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمُ السَّبِيْلَ
اِلٰى اَخْذِ مَا دَعَاهُمْ اِلَيْهِ وَتَرْكِ مَا نَهَاهُمْ عَنْهَا وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ وَالسَّلَامُ

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اس کے بعد آپ کا خط آپ کی اور ان لوگوں کی حیرانی کے متعلق جن کو آپ ہماری اُمت میں سے سمجھتے ہیں میرے پاس پہنچ گیا۔ اور میری رائے اُس کے متعلق یہ ہے۔ کہ جو شخص اس بات پر ایمان نہیں لاتا۔ کہ ہر نیک و بد کی تقدیر اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ وہ کافر ہے۔ اور جس نے معاصی کو اللہ پر تھوپا۔ (اُن کو اللہ کے ذمے لگایا) وہ فاجر و گمراہ ہے۔ بلاشبہ نہ تو اللہ تعالٰی کی اطاعت جبر سے کی جاتی ہے۔ نہ اُس کی نافرمانی زور سے کی جاتی ہے۔ اور نہ ہی وہ اپنے بندوں کو اپنی حکومت میں مہلت دیتا ہے۔ لیکن وہ ان سب چیزوں کا مالک ہے۔ جن کا اُس نے انہیں مالک بنایا ہے۔ اور وہ اُن سب چیزوں پر قادر ہے۔ جن پر اُس نے اُن کو اندازہ کیا ہے۔ پس اگر وہ فرمانبرداری کا قصد کریں۔ تو وہ اُن کو روکتا نہیں۔ یا اُن کو اس فرمانبرداری کرنے سے ہٹاتا نہیں۔ اور اگر وہ نافرمانی کریں۔ اور پھر وہ ان پر احسان فرما کر اُن کے اور اُن کی معصیت کے درمیان حائل ہو جائے تو کر سکتا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اُس نے اُن کو اس معصیت پر نہ مجبور کیا ہے۔ اور نہ اُس نے اُن پر اس نافرمانی کا ارتکاب کرنا جبراً لازم کیا ہے۔ اُن پر اپنی یہ حجت قائم کرنے کی وجہ سے کہ اُس نے انہیں سب کچھ بتلا دیا تھا۔ اور انہیں اُس کے کرنے اور نہ کرنے کی قوت بخشی تھی۔ اور اُن کے لئے اس امر کے اختیار کرنے کی جس کی طرف

انہیں دعوت دی تھی - اور اُس کے ترک کی جس سے اُن کو منع فرمایا تھا - آسانی پیدا کر دی تھی - اور اللہ تعالےٰ کی دلیل طالب ہے - والسّلام ؀

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ رضؓ نے جو اپنی اور اُن لوگوں کی جنہیں آپ اُمّتِ محمّدیؐ میں سے سمجھتے ہیں قدر کے متعلق حیرت و استعجاب کے بارے میں یہ لکھا تھا - کہ اس مسئلہ کے متعلق ہماری رائے یہ ہے - کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کی تقدیر (اندازہ) خیر و شر پر ایمان نہیں لاتا وہ کافر ہے - اور جو گناہ کو اُس کے ذمّے لگاتا ہے - (اور کہتا ہے اُس نے اُس کے ارتکاب کرنے پر ہمیں مجبور کیا ہے) وہ فاجر و گمراہ ہے - یعنی تقدیر کا انکار اہل قدر کا مذہب ہے - اور معاصی کو اللہ تعالےٰ کے ذمّے لگانا اہل جبر کا طریق ہے - پس بندہ اللہ کی طرف سے استطاعت کے مطابق اپنے اعمال میں مختار ہے - یعنی اُسے اپنے افعال میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے پورا پورا اختیار حاصل ہے - اور ہمارا مذہب[1] قدر و جبر کے درمیان ہے - اور میرا مقصود اس خط کے نقل کرنے سے اگرچہ اتنا ہی تھا - لیکن میں نے وہ سارا خط نقل کیا - کیونکہ وہ بہت فصیح و بلیغ تھا - اور یہ سب باتیں میں نے اس لئے بیان کیں - تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حقائق معرفت اور اصول طریقت کے علم میں کتنے بلند درجہ پر فائز تھے - امام حسن بصری رضی اللہ عنہ ایسے بہت بلند پایہ امام باوجود اپنے تبحّر و ہمہ دانی کے علوم دین کے تمام اوق مسائل و اشارات میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع فرماتے تھے اور حکایات سے مجھے معلوم ہوا ہے - کہ ایک اعرابی[2] جنگل سے حضرت حسن بن علی کرّم اللہ وجہہ کے پاس آیا - اس وقت آپ کوفہ میں اپنے مکان کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے - اُس نے آتے ہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور آپ کے ماں باپ کو گالیاں دینی شروع کیں - آپ نے اُٹھ کر فرمایا - اے اعرابی! شاید تو بھوکا پیاسا ہے - یا تجھے کوئی مصیبت پہنچی ہے مجھے بتا تاکہ میں تیری امداد کروں لیکن وہ گنوار برابر کہہ رہا تھا - کہ آپ ایسے اور آپ کے ماں باپ ایسے ہیں - حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے غلام سے فرمایا - درہموں کی ایک تھیلی لاکر اُس کو دے دو

[1] اہل سنت والجماعت [2] صحرائی بدو

اور پھر فرمایا۔ اسے اعرابی! معاف کر گھر میں اس کے سوائے کچھ نہیں۔ ورنہ میں تجھ سے دریغ نہ رکھتا۔ جب اعرابی نے یہ بات سُنی تو بے اختیار ہو کر کہنے لگا۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔ اور میں تو یہاں آپ کے صبر و حلم کو آزمانے آیا تھا۔ اور یہ صفت فقط حقیقت شناس مشائخ کی ہے۔ کہ لوگوں کی تعریف اور مذمت اُن کے نزدیک برابر ہوتی ہے۔ اور کسی کے بُرا کہنے سے کبھی ناراض نہیں ہوتے ۔

دُوسری فصل

حضرت امام حسین ابن علیؓ

آپ آئمہ اہل بیت رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ میں سے ہیں۔ شمع آل محمد مصطفےٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تمام تعلقاتِ دُنیا سے مجرد۔ اپنے زمانہ کے سردار۔ حضرت امام ابو عبداللہ حُسَین رضی اللہ عنہ بن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ آپ زمانے کے محقق اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اور اہل صفائے کے قبلہ۔ کربلا کے شہید۔ اور اہل طریقت آپ کے حال و سیرت کی درستی پر متفق ہیں۔ اس لئے کہ جب تک حق ظاہر تھا۔ آپ حق کے تابع رہے۔ اور جب امر حق مغلوب ہو کر گم ہونے لگا۔ تو آپ نے تلوار سونت لی۔ اور جب تک اپنی عزیز جان اللہ تعالےٰ کی راہ میں قربان نہ کر دی۔ آرام نہ کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی علامات آپ میں موجود تھیں۔ جن سے آپ مخصوص تھے۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطاب رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نے روایت کی ہے۔ میں ایک روز پیغمبر صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا۔ کہ حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حضرت امام حسین رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کو اپنی پشت مبارک پر بٹھا کر ایک رسہ اپنے دہن مبارک میں پکڑا ہوا ہے۔ اُس کے دونوں سرے امام حسین رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کے ہاتھ میں تھما رکھے تھے۔ اور وہ آنحضرتؐ کو چلا رہے تھے۔ اور خود حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنے گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ جب میں نے یہ بات دیکھی۔ تو میں نے

کہا۔ نِعْمَ الْجَمَلُ جَمَلُكَ يَا اَبَا عَبْدُ اللّٰهِ ترجمہ (اے حسین! آپ کا اونٹ بہت ہی اچھا ہے۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ يَا عُمَرُ ترجمہ۔ (اے عمرؓ! سوار بھی تو بہت ہی اچھا ہے۔ طریقت میں آپ کے بہت سے لطیف اور بے شمار رموز ہیں۔ اور بہت سے عمدہ اور پُر حکمت ارشادات ہیں۔ آپ ہی کا ایک ارشاد ہے اَشْفَقُ الْاِخْوَانِ عَلَيْكَ دِيْنُكَ۔ ترجمہ۔ (تجھ پر سب سے زیادہ شفقت کرنے والا بھائی تیرا دین ہے) اس لیئے کہ انسان کی نجات آخروی دین کی متابعت میں اور اُس کی ہلاکت دین کی مخالفت میں ہے پس عقلمند وہ ہے۔ کہ اپنے مہربانوں اور شفیق بھائیوں کا فرمانبردار رہے۔ اور اُن کی شفقت کو اپنے لیئے مخصوص کرے۔ اور اُن کی خلاف ورزی نہ کرے۔ اور بھائی وہ ہے جو نصیحت کرے۔ اور شفقت کا دروازہ اُن پر بند نہ کرے اور ایک حکایت میں میں نے دیکھا ہے۔ کہ ایک روز آپ کی خدمت میں کوئی شخص آیا۔ اور عرض کیا۔ اے رسول اللہ صلی اللّٰہ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بیٹے! میں ایک درویش آدمی ہوں۔ اور عیال دار ہوں۔ ہمیں آج اپنی طرف سے کھانے پینے کے لیئے کچھ عنایت فرمائیں۔ یہ سُن کر حضرت امام حسین رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نے فرمایا۔ بیٹھ جا ہمارا روزینہ راستہ میں آ رہا ہے۔ ابھی کچھ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی۔ کہ لوگ امیر معاویہؓ کی طرف سے دینار کی پانچ تھیلیاں لے آئے۔ کہ ہر ایک تھیلی میں ایک ہزار دینار تھا۔ اور ان لوگوں نے کہا۔ کہ امیر معاویہؓ آپ سے معافی مانگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس رقم کو حاجتمندوں کے مصرف میں صرف کیجیئے۔ اور اس کے بعد اس سے بہتر امداد کی جائے گی۔ امام علیہ السلام نے وہ پانچوں تھیلیاں اس درویش کو دے دیں۔ اور اس سے معافی مانگی کہ تجھے یہاں دیر تک بیٹھنا پڑا۔ اور یہ بہت ہی بے قدر عطیہ ہے جو تجھے ملا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا۔ کہ یہ رقم اتنی قلیل ہے۔ تو میں تجھے کبھی انتظار کے لیئے نہ کہتا۔ ہمیں معذور سمجھو۔ کہ ہم لوگ اہل مصیبت ہیں۔ اور دنیا کی تمام راحتوں سے دست بردار اور اپنی مرادیں کھوئے ہوئے ہیں۔ اور دوسروں کی مراد پوری

کرنے کے لئے زندگی بسر کرتے ہیں اور آپ کے اوصاف و مناقب اتنے زیادہ اور مشہور ہیں۔ کہ امت میں سے کسی شخص پر بھی پوشیدہ نہیں۔

تیسری فصل

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم میں سے ہیں۔ جو نبوت کے وارث اور امت کے چراغ۔ سید مظلوم اور امام مرحوم۔ عبادت کرنے والوں کی زینت۔ اور اوتاد کی شمع اَبُوالحسن عَلی زَیْنُ العَابِدِین بن حُسَینؓ بن علی کرّم اللہ وجہہٗ آپ اہل زمانہ میں سے سب سے زیادہ کریم اور عبادت گزار تھے۔ اور آپ حقائق معرفت کے کھولنے اور دقائق طریقت کے بیان کرنے میں مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ سعادت مند کون ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ مَنْ اِذَا رَضِیَ لَمْ یَحْمِلْہُ رِضَاہُ عَلَی البَاطِلِ وَاِذَا سَخِطَ لَمْ یُخْرِجْہُ سَخَطُہٗ مِنَ الحَقِّ۔ **ترجمہ**۔ (وہ شخص کہ جب راضی ہو تو اس کی خوشی اس کو باطل پر نہ ابھارے۔ اور جب ناراض ہو۔ تو اس کا غصہ اُسے حق سے باہر نہ نکال دے) اور یہ بات مستقیم الحال لوگوں کے کامل اوصاف میں سے ہے۔ اس لئے کہ باطل پر راضی ہونا باطل ہوتا ہے۔ اور غصہ کی حالت میں حق سے دست بردار ہونا بھی باطل ہے۔ اور مومن باطل کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اور نیز آپ کی نسبت روایت کرتے ہیں۔ کہ جب یزیدیوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو مع اُن کے فرزندوں اور عزیز و اقربا رضوانُ اللہِ علیہم کے میدان کربلا میں شہید کردیا۔ اور حضرت زین العابدین کے سوائے کوئی باقی نہ رہا۔ جو عورتوں پر نگران ہوتا۔ اس وقت آپ بیمار تھے۔ اور حضرت امیر المومنین رضی اللہُ عنہُ آپ کو علی اصغر کہتے تھے۔ جب اُن کو بے کجاوہ اونٹوں پر سوار کر کے دمشق میں یزید بن معاویہ کے سامنے لائے۔ اَخزَاہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ (اللہ تعالیٰ اُسے رسوا کرے) تو ایک شخص نے آپ سے عرض کیا۔ کَیْفَ اَصْبَحْتُمْ یَا عَلِیُّ وَ یَا اَھْلَ بَیْتِ الرَّحْمَۃِ قَالَ اَصْبَحْنَا مِنْ قَوْمِنَا بِمَنْزِلَۃِ قَوْمِ مُوْسٰی مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَھُمْ وَ

يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَهُمْ فَلَا نَدْرِيْ صَبَاحَنَا مِنْ مَسَآءِ نَا وَهٰذَا مِنْ حَقِيْقَةِ بَلَآئِنَا

ترجمہ(اے علیؓ اور اے اہل بیت رحمت! تم نے صبح کیسے کی؟ تو آپ نے فرمایا۔ ہم نے اپنی قوم کے ظلم سے بالکل ایسی ہی صبح کی جیسی قوم موسےٰ علیہ السلام نے قوم فرعون کے ظلم سے کی تھی کہ وہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کرنے۔ اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ تاکہ انہیں غلام بنالیں۔ پس ہمیں نہ صبح کی پہچان ہے نہ شام کی۔ بس ہماری مصیبت کی حقیقت یہ ہے۔) اور ہم اللہ تعالےٰ کی نعمتوں پہ اُس کا شکر اور اُس کی آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں۔

اسی طرح آپ کی نسبت روایت ہے۔ کہ ہشام بن عبد الملک بن مروان ایک دفعہ حج کو آیا۔ اور بَیْتُ اللّٰہ کا طواف کر کے جب اس نے حجر اَسْوَدْ کو بوسہ دینا چاہا۔ تو خلقت کے ہجوم کی وجہ سے اُس کو حجر اَسْوَد کی طرف کوئی راستہ نہ ملا۔ تب منبر پر چڑھ کر اُس نے خطبہ دیا۔ اسی اثنا میں حضرت زین العابدین بن الحسین ابنِ علی رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ بیت الحرام میں داخل ہوئے۔ چاند سے مکھڑے پر نورانی رخسار اور خوشبودار لباس کے ساتھ آپ نے بیت اللہ کا طواف کرنا شروع کیا۔ جب حجر اَسْوَدْ کے قریب پہنچے۔ تو لوگوں نے آپ کی تعظیم کے لئے حجر اَسْوَدْ کی اطراف کو خالی کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ نے بوسہ دیا۔ ایک شامی نے جب یہ ہیئت دیکھی تو ہشام بن عبد الملک سے کہا۔ اے امیر المومنین! آپ کو تو لوگوں نے حجر اَسْوَدْ کی طرف راہ نہ دی باوجودیکہ آپ امیر المومنین ہیں۔ اور وہ جو بڑا خوبرو جوان تھا۔ جب وہ آیا۔ تو سارے لوگ حجر اَسْوَدْ کے پاس سے ہٹ گئے۔ اور اُس کو اُس جوان کے لئے خالی کر دیا۔ ہشام نے کہا۔ کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ کہ وہ کون ہے۔ اس بات سے اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ شام والے اُس کو نہ پہچانیں۔ نہ اُس سے محبت کریں۔ اور نہ اُس کی امارت وخلافت کی خواہش کریں۔ فرزدق شاعر وہاں کھڑا تھا۔ اُس نے کہا میں اُسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ لوگوں نے کہا۔ اے ابا فراس! (کنیت فرزدق) وہ کون ہے ہمیں بتائیے۔ کہ ہم نے بہت ہی بارعب جوان دیکھا ہے۔ فرزدق نے کہا سنو میں اُس کا حال اور

صفت اور نسب بتاتا ہوں۔ پس فرزدق نے یہ اشعار پڑھے۔ **اشعار**

هٰذَا الَّذِي تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهُ

وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهُ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةَ إِنْ كُنْتَ جَاهِلَهُ

وَبِجَدِّهِ أَنْبِيَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوا

هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمُ

هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

يَنْشَقُّ نُورُ الدُّجَى عَنْ نُورِ طَلْعَتِهِ

كَالشَّمْسِ يَنْجَابُ عَنْ إِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ

يُغْضِي حَيَاءً وَيُغْضَى مِنْ مَهَابَتِهِ

فَمَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِينَ يَبْتَسِمُ

يَنْمِي إِلَى ذُرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِي قَصُرَتْ

عَنْ نَيْلِهَا عَرَبُ الْإِسْلَامِ وَالْعَجَمُ

إِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا

إِلَى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ

مَنْ جَدُّهُ دَانَ فَضْلُ الْأَنْبِيَاءِ لَهُ

وَفَضْلُ أُمَّتِهِ دَانَتْ لَهُ الْأُمَمُ

يَكَادُ يُمْسِكُهُ عِرْفَانَ رَاحَتِهِ

رُكْنُ الْحَطِيمِ إِذَا مَا جَاءَ يَسْتَلِمُ

فِي كَفِّهِ خَيْزُرَانٌ رِيحُهَا عَبِقٌ

مِنْ كَفِّ أَرْوَعَ فِي عِرْنِينِهِ شَمَمُ

مُشْتَقَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ نَبْعَتُهُ

طَابَتْ عَنَاصِرُهُ وَالْخِيمُ وَالشِّيَمُ

فَلَيْسَ قَوْلُكَ "مَنْ هٰذَا" بِضَائِرِهِ

اَلْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ أَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ

كلتا يديه غياث عم نفعهما
تستوكفان ولا يعروهما العدم
عم البرية بالاحسان فانقشعت
عنها الغيابة والاملاق والظلم
لا يستطيع جواد بعد غايتهم
ولا يدانيهم قوم وان كرموا
هم الغيوث اذا ما ازمة ازمت
والاسد اسد الشرى والبأس محتدم
سهل الخليقة لا تخشى بوادره
يزينه اثنان حسن الخلق والشيم
من معشر حبهم دين وبغضهم
كفر وقربهم منجى ومعتصم
ان عد اهل التقى كانوا ائمتهم
او قيل من خير اهل الارض قيل هم
لا ينقص العسر بسطا من اكفهم
سيان ذلك ان اثروا وان عدموا
الله فضله قدما وشرفه
جرى بذاك له في لوحه القلم
مقدم بعد ذكر الله ذكرهم
في كل بدء ومختوم به الكلم
من يعرف الله يعرف اوليته
والدين من بيت هذا ناله الامم
اي القبائل ليست في رقابهم
لاولية هذا او له نعم

★

منظوم ترجمہ ابیاتِ مذکورۂ بالا

ہے یہ وہ پہچانے بطحا خوب ہے جس کے قدم
خوب جانے جسکو بیت اللہ اور حل و حرم

فاطمہ کا لال ہے یہ گر نہیں تو جانتا
جس کے نانا پاک پر ختمِ رسالت ہے رقم

سب جہاں میں بہتریں ہے خلق کا بیٹا ہے یہ
یہ تقی ہے پاک باطن اور بدن سب میں علم

نورِ پیشانی سے کھلتی ہے اندھیروں کی گلی
جوں شعاعِ شمس سے پھٹ جائے ظلمت ایکدم

وہ حیا سے بند کر لیتا ہے آنکھ اور لوگ سب
رعب سے مسکرائے جب بھی بولے از کرم

ہے وہ اس درجہ پہ عزت کے جہاں پر پہنچنا
سب پہ ہے دشوار قاصر ہیں عرب سارے عجم

جب سے دیکھا قریشِ مکہ نے اک نے کہا
بس مکارم پر ہے اس منتہی سارا کرم

جس کے نانا سے بزرگی میں ہیں کمتر انبیاءؑ
اس کی امت سے بزرگی میں ہیں کمتر سب امم

ہے یہ ممکن مقام لے پہچان گر رکنِ حطیم
ہاتھ کو اس کے جو رکھے چومنے کو واں قدم

ہاتھ میں اس کے چھڑی ہے جس کی خوشبو ہے تیز
ہے وہ اک بارعب جسکی ناک ہے اونچی اشم

اس کا پودا ہے رسول اللہ سے نکلا ہوا
پاک ہے اس کا بدن اور نیک سیرت خوش شیم

پس یہ تیرا قول وہ ہے کون؟ کچھ نقصان نہیں
جس سے تو انجان ہے جانے اسے عرب و عجم

ہاتھ اس کے ہیں غیاث اور نفع اس کا عام ہے
ہیں ہمیشہ جاری اور طاری نہیں ان پر عدم

عام ہے احسان اس کا خلق پر جس سے ہوا
دور رنجِ خلق اور افلاس اور جور و ستم

ہے نہیں کوئی سخی پہنچے جو ان کی حد کو
اور نہ کوئی قوم ان تک پہنچے گو ہو محترم

قحط سالی جب پڑے بارانِ رحمت ہیں وہ سب
شیر ہیں جب جنگ کا میدان میں گڑ جائے علم

نرم خو ایسا ہے وہ غصہ ہے جس کا بے خطر
زینت اس کی نیک سیرت نیک خو سر تا قدم

اس گروہ میں سے ہے وہ جنکی محبت دین ہے
کفر ان کی دشمنی اور قرب ہے رب کا کرم

اہلِ تقویٰ گر گنو وہ ان کے سب ہونگے امام
ہیں وہی گر پوچھو خیر الخلق اور اہلِ کرم

ہے برابر ہوں غنی وہ یا کہ ہوں محتاج وہ
مفلسی سے ہو نہیں سکتی سخاوت انکی کم

دی بزرگی اور شرافت اس کو پس اللہ نے
لوح پر جاری ہوا روزِ ازل یونہی قلم

ہے مقدم ذکرِ حق کے بعد اس کا ذکرِ خیر
ہر شروع میں اور اسی پر آ کے ہوتا ہے ختم

حق کو جو پہچانے اس کو بھی مقدم جانے ہے
دینِ حق سب نے اسی کے گھر سے پایا محترم

وہ قبیلہ کون سا ہے جس کی گردن میں نہ ہو
بارِ احسان اس کا یا اجداد کا بارِ کرم

اسی طرح فرزدق نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کی مدح میں یہ چند اشعار پڑھے۔ اور آپ اور اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریف کی۔ یہ سن کر ہشام اس پر بہت ناراض ہوا اور حکم دیا۔ کہ اس کو مقام عسفان میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ قید کردیں۔ اور جب یہ خبر لوگوں نے حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ تک پہنچا دی۔ تو آپ نے اس کے پاس بارہ ہزار درہم لے جانے کا حکم دیا۔ اور فرمایا اے ابو فراس! ہمیں معذور سمجھو۔ کہ ہم لوگ امتحان میں ہیں اور اس سے زیادہ مال ہمارے پاس نہیں۔ کہ تمہیں بھیج دیں۔ فرزدق نے وہ درہم واپس کر دیئے۔ اور عرض کیا۔ اے رسول خدا کے بیٹے! میں نے روپے پیسے کے واسطے امیروں اور بادشاہوں کی شان میں بہت سے اشعار کہے ہیں۔ اور ان کی مدحت سرائی میں جھوٹ اور مبالغہ سے کام لیا کرتا تھا۔ یہ ابیات میں نے محض اللہ تعالیٰ اور فرزندان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ان جھوٹی مدحوں کے کفارہ کے طور پر کہے ہیں۔ جب یہ پیغام حضرت زین العابدین کے پاس لے گئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ یہ درہم اس کے پاس واپس لے جاؤ۔ اور اسے کہو۔ کہ اے ابا فراس! اگر تم ہم سے محبت کرتے ہو۔ تو اس چیز کو پسند نہ کرو۔ کہ ہم وہ چیز واپس لے لیں۔ جو ہم نے دے دی۔ اور اپنے ملک سے نکال چکے ہیں۔ تب فرزدق نے وہ درہم لے کر قبول کر لئے۔ آپؓ کے مناقب و فضائل اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ کہ ان کو جمع کر سکیں۔

چوتھی فصل

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ

آپ ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم میں سے ہیں۔ اہل عمل پر حجت۔ ارباب مشاہدہ کی دلیل۔ آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امام اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسل میں برگزیدہ حضرت امام باقر ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم

کہتے ہیں۔ کہ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب باقر تھا۔ آپ

کتاب الٰہی کے لطیف اشارات اور علوم دینیہ کی باریکیاں بیان کرنے میں خاص درجہ رکھتے تھے۔ آپ کی کرامتیں اور خوارقِ[1] مشہور و معروف اور دلائل روشن ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ کسی خلیفہ نے اُن کے قتل کے ارادے سے اُن کے پاس آدمی بھیج کر اُن کو بُلایا۔ جب آپ تشریف لائے تو خلیفہ نے آپ سے فوراً معافی مانگی۔ اور ہدیہ پیش کر کے کامل عزت و احترام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا۔ درباریوں نے پوچھا۔ اے بادشاہ! آپ تو اُن کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ہم آپ کا اُن کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ کہ جب آپ میرے پاس تشریف لائے۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ آپ کے دائیں بائیں دو شیر ہیں۔ وہ مجھ سے کہتے ہیں۔ کہ اگر تم اِن کے قتل کا قصد کرو گے۔ تو ہم تمہیں ہلاک کر دیں گے۔ اور آپ ہی کی نسبت روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول۔ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ۔ ترجمہ (پس جو شخص شیطان کا انکار کرے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ كُلُّ مَنْ شَغَلَكَ عَنْ مُطَالَعَةِ الْحَقِّ فَهُوَ طَاغُوتُكَ۔ ترجمہ۔ (جو چیز تجھے مطالعہ[2] حق سے باز رکھے۔ وہ تیرا شیطان ہے) اب تم غور کرو۔ کہ کس چیز کی وجہ سے تم اللہ تعالیٰ سے بے تعلق اور حجاب میں ہو۔ جس کے سبب تم ذاتِ حق کے مشاہدہ کرنے سے عاجز ہو۔ اور اگر اس حجاب کو ترک کر دو۔ تو مکاشفہ الٰہی میں پہنچ جاؤ۔ اور حق سے محجوب اور ممنوع نہ رہو۔ اور جو شخص مشاہدہ حق سے روک دیا گیا ہے اُسے قربِ حق کا دعوےٰ نہیں کرنا چاہیئے۔

آپ کے خاص ارادتمندوں میں سے ایک شخص روایت کرتے ہیں۔ کہ جب رات کا ایک حصّہ گزر جاتا۔ اور آپ اورادِ[3] سے فارغ ہو جاتے۔ تو بلند آواز سے اپنی مناجات میں یوں عرض کرتے۔ اے میرے معبود! اے میرے مولا! رات آگئی۔ اور بادشاہوں کے عمل و دخل کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور ستارے سب آسمان پر نمودار ہو گئے اور سب لوگ سو کر

[1] خلافِ عادت [2] وظائف [3] ذکرِ الٰہی اور اس سے راز و نیاز کی باتیں۔

معدوم[1] ہو گئے اور لوگوں کی زبان ساکت[2] ہو گئی۔ اور اُن کی آنکھ لگ گئی اور لوگ آدمیوں کے دروازے سے بھاگ گئے۔ اور بنو اُمیہ[3] آرام پا گئے۔ اور اپنی خواہشات کو انہوں نے چھپا دیا۔ اور اپنے دروازے بند کر دیئے۔ اور اُن پر پہرہ دار مقرر کر دیئے۔ اور جو لوگ اُن کی طرف حاجت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی حاجتیں چھوڑ دیں۔ بارِ خُدایا! لیکن تو زندہ ہے۔ اور ہمیشہ رہنے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اُونگھ اور نیند تیری ذات پر طاری نہیں ہوتی۔ اور جو شخص تجھے اس صفت کے ساتھ نہ پہچانے وہ کسی نعمت کے شایاں نہیں۔ اے وہ ذات کہ کوئی چیز تجھے کسی کام کرنے سے روک نہیں سکتی۔ اور تیری رحمت کے دروازے ہر اُس شخص پر کھلے ہیں جو تجھے پکارتا ہے۔ اور تیرے خزانے ہر اُس شخص پر فدا ہیں۔ جو تیری حمد و ثنا کرتا ہے۔ تو وہ مالک ہے کہ سائل کو رد کرنا تجھے زیبا نہیں۔ جو شخص مومنوں میں سے تیری درگاہ پر دُعا کرتا ہے۔ تو اُس کو زمین و آسمان کی خلقت میں سے کوئی بھی سوال کرنے سے روکنے والا نہیں۔ بارِ خدایا! جب ہم موت اور قبر اور حساب کو یاد کرتے ہیں تو دنیا کی کسی چیز سے کیسے آرام پائیں۔ اور جب ہم ملک الموت کو یاد کرتے ہیں۔ تو اپنے دل کو دنیا کی نعمتوں میں کیسے لگائیں۔ اور جب ہم اپنے نامۂ اعمال کو دیکھتے ہیں۔ تو کیسے دنیا میں قرار پکڑیں۔ پس میں تجھ ہی سے سوال کرتا ہوں اس لیے کہ تجھے خوب جانتا ہوں۔ اور تجھ ہی سے طلب کرتا ہوں۔ کیونکہ تجھے ہی پکارتا ہوں کہ موت کے وقت وہ راحت عطا کر جس میں عذاب نہ ہو۔ اور حساب کے وقت وہ عیش اور ارزانی فرما جس میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ یہ سب باتیں کہے جاتے تھے۔ اور روتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک رات میں نے آپ سے عرض کیا۔ کہ اے میرے اور میرے باپ دادوں کے آقا! کب تک آپ گریہ زاری اور واویلا کریں گے۔ آپ نے فرمایا اے دوست! یعقوب علیہ السلام کا ایک یوسف علیہ السلام گم ہوا۔ تو وہ اتنا روئے۔ کہ اُن کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور میں نے تو اٹھارہ اشخاص کو اپنے باپ سمیت یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے شہداءِ کربلا کو گم کیا ہے۔ میں اُس

[1] ناپید [2] ٹھہر گئی چپ اور خاموش ہو گئی۔ [3] بنو اُمیہ مکہ معظمہ کا ایک مشہور خاندان ہے جس نے خلافت راشدہ کے حکومت کی بنیاد رکھی۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے

سے تو کم نہیں ہوں گا۔ کہ فراق میں آنکھیں سفید کر دوں۔ آپ کی یہ مناجات عربی زبان میں ہے جو بہت ہی بلیغ و فصیح ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے اِس کے معانی میں نے فارسی میں بیان کر دیئے ہیں۔ تاکہ عبارت مکرر نہ ہو۔ پھر انشاء اللہ کسی دوسرے مقام پر بیان کر دوں گا۔

پانچویں فصل

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

آپ آئمہ اہل بیت رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ میں سے ہیں۔ سُنت نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی تلوار اور طریقت کی زیبائش۔ معرفت کو بیان کرنے والے۔ اور صفوت کو زینت دینے والے۔ حضرت امام ابو محمد جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن۔ آپ نہایت بلند حال نیک سیرت اور ظاہر و باطن میں آراستہ پیراستہ تھے۔ اور تمام علوم میں آپ کے بہت عمدہ اشارات ہیں۔ اور کلام اللہ کی باریکی اور معانی طریقت سے واقف ہونے کی وجہ سے آپ مشائخؒ کے درمیان مشہور ہیں۔ اور طریقت کے موضوع پر آپ کی کئی مشہور کتابیں ہیں۔ آپ کی نسبت روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ اَعْرَضَ عَنْ مَاسِوَاہُ۔ ترجمہ جس نے خدا تعالیٰ کو پہچان لیا۔ اُس نے ماسوے اللہ سے منہ پھیر لیا[1] یعنی عارفِ الٰہی غیر اللہ سے اعراض کرنے والا اور اسباب دنیا سے قطع تعلق کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حق کی شناخت بالکل غیر اللہ کی تعلیم شناخت ہے کیونکہ غیر اللہ کی عدم شناخت اللہ تعالےٰ کی معرفت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور غیر اللہ کی معرفت اللہ کی عدم شناخت کے سبب سے۔ پس عارف حق خلقت سے الگ اور حق سے پیوستہ ہوتا ہے۔ غیر اللہ کی اس کے دل میں اتنی بھی قدر نہیں ہوتی۔ کہ اُن کی طرف وہ توجہ کرے اور اُن کے موجود ہونے سے اُس کو اتنا بھی خطرہ نہیں ہوتا۔ کہ دل میں اُن کے ذکر کو جگہ دے۔ اور آپ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ لَاتَصِحُّ الْعِبَادَۃُ اِلَّا بِالتَّوْبَۃِ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدَّمَ التَّوْبَۃَ عَلَی الْعِبَادَۃِ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ۔

[1] منہ پھیرنا۔

ترجمہ (عبادت سوائے توبہ کے درست نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ" توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے) اس لئے کہ توبہ مقاماتِ طریقت کی ابتداء ہے۔ اور عبودیت اُن مقامات کی انتہا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے گنہگاروں کا ذکر فرمایا ہے۔ تو اُن کو توبہ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ تُوبُوا اِلَی اللّٰہِ جَمِیۡعاً۔ ترجمہ (تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو) اور جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کا ذکر کیا تو عبودیت کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فَاَوۡحٰی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَا اَوۡحٰی۔ ترجمہ (پس وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی) اور حکایت ہے کہ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے پاس آکر عرض کیا۔ اے رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کے بیٹے! مجھے کوئی نصیحت کیجئے کہ میرا دل سیاہ ہو گیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوسلیمان! (کنیت داؤد طائی[1]) تو خود اپنے زمانے کا زاہد ہے۔ تجھے میری نصیحت کی کیا حاجت ہے۔ انہوں نے کہا اے فرزند پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ! آپ کو سب پر فضیلت ہے۔ اور سب کو نصیحت کرنا آپ پر واجب ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابوسلیمان! میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ قیامت میں میرے نانا پاک میرا پلّہ پکڑ لیں۔ کہ کیوں تُو نے میری متابعت کا حق ادا نہیں کیا۔ اور یہ فرض نسبی اور قومی شرافت پر منحصر نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کے حضور میں اچھے عمل پر موقوف ہے۔ حضرتِ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے۔ اور کہنے لگے۔ بارِ خدایا! جس شخص کی طینت نبوّت کے پانی سے گوندھی گئی ہے۔ اور اُس کی طبیعت کی ترکیب برہان اور دلیل کے اصولوں سے بنی ہے۔ اور اُس کا نانا پاک رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اور ماں حضرت بتولؓ (فاطمۃ الزہرا) ہے۔ وہ اتنا حیران و پریشان ہے۔ تو بھلا داؤد کون ہے۔ جو اپنے عمل پر مغرور ہو۔

نیز آپ سے روایت ہے۔ کہ ایک روز آپ اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ اُن سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ کہ آؤ آپس میں

[1] وہ نام جس میں ماں باپ یا بیٹے کی طرف نسبت پائی جائے اسے کنیت کہتے ہیں

یہ بیعت و عہد کرلیں۔ کہ جو کوئی ہم میں نجات پا جائے قیامت کے روز وہ سب کی شفاعت کرے۔ یہ سن کر انہوں نے عرض کیا۔ اے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے بیٹے! آپ کو ہماری شفاعت کی کیا حاجت ہے؟ کہ آپ کے نانا پاک ساری خلقت کے شفیع ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے اپنے ان افعال کی وجہ سے شرم آتی ہے۔ کہ میں اپنے نانا پاک کے روئے مبارک کو دیکھوں۔ اور یہ سب باتیں نفس کے عیوب دیکھنے کی وجہ سے ہیں۔ اور یہ صفت اوصافِ کمال میں سے ہے اور تمام مقربانِ الٰہی انبیاء و اولیاء اس صفت سے متصف ہوئے ہیں پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا ہے۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس بندے کو بھلائی عطا فرمانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے اس کے نفس کے عیوب دکھا دیتا ہے؛ اور جو شخص تواضع سے سر نیچے جھکاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں اس کا کام سنوار دیتا ہے۔ اور اگر اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے تمام مناقب[1] بیان کروں اور ہر ایک کے مناقب علیحدہ شمار کروں۔ تو یہ کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی طریقت کے ارادتمندوں اور ان کے انکار کرنے والوں میں سے جن کی عقل کو ادراک[2] کا لباس حاصل ہے۔ ان کی ہدایت[3] کے لئے اہل بیت کا اتنا بیان کافی ہے ؛

اب ہم اس کتاب میں رسول خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے اصحابِ صُفّہ کا ذکر ایجاز اور اختصار کے طور پر لاتے ہیں۔ اور ہم نے اس سے پہلے ایک کتاب تصنیف کی ہے اور اس کا نام "مِنْہَاجُ الدِّیْن" رکھا ہے۔ اس میں ہر ایک صاحبِ صُفّہ کے مناقب تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ یہاں صرف ان کے نام اور کنیتیں علیحدہ علیحدہ بیان کریں گے۔ تاکہ تمہارا مقصد حاصل ہو۔ اللہ تمہیں عزت دے۔ اور توفیق قبضہ قدرتِ الٰہی میں ہے۔

---

[1] اوصاف و فضائل۔ [2] پانا۔ سمجھ [3] راہ نمائی۔

نواں باب

حضرات اہلِ صُفّہ رضی اللہ عنہم

جان لو کہ اس بات پر ساری اُمت کا اتفاق ہے کہ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے صحابہ رِضْوَانُ اللہِ عَلَیْہِمْ میں سے کچھ اصحاب ایسے تھے جو ہمیشہ مسجد نبوی میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اور دُنیا سے ہمت بردار ہو کر روزی کمانے سے اعراض کر رکھا تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے اُن کے واسطے پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے خطاب کر کے فرمایا۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔ ترجمہ: اُن لوگوں کو اپنے پاس سے نہ ہٹایئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ محض اُس کی خوشنودی کے لئے۔ اور کتاب الٰہی اُن کے فضائل پر ناطق[1] ہے۔ اور اُن کے فضائل میں پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی بہت سی احادیث ہیں جو ہم تک پہنچی ہیں۔ اور ہم نے ان کا کچھ ذکر اس کتاب کے مقدمہ میں بیان کر دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے روایت کرتے ہیں۔ وَقَفَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَوْمًا عَلٰی أَصْحَابِ الصُّفَّةِ فَرَأٰی فَقْرَهُمْ وَجُهْدَهُمْ وَطِیْبَ قُلُوْبِهِمْ فَقَالَ أَبْشِرُوْا یَا أَصْحَابَ الصُّفَّةِ فَمَنْ بَقِیَ مِنْ أُمَّتِیْ عَلَی النَّعْتِ الَّذِیْ أَنْتُمْ عَلَیْهِ رَاضِیًا بِمَا فِیْهِ فَإِنَّهٗ مِنْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّةِ۔ ترجمہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اصحاب صُفّہ کے پاس جا کر کھڑے ہوئے۔ اور اُن کی مفلسی اور مجاہدہ اور اُن کے دلوں کا اس حالت میں خوش ہونا دیکھا تو فرمایا۔ اے اصحاب صُفّہ تمہیں بشارت[2] ہے۔ پس جو شخص میری اُمت میں سے اس صفت پر باقی رہے گا جس پر تم ہو۔ بشرطیکہ تم اس حالت پر راضی ہو۔ وہ جنت میں میرے رفیقوں میں سے ہو گا۔

ان اصحاب صُفّہ میں سے ایک اللہ جبار کی درگاہ کے منادی[3] اور حضرت محمد مختار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے برگزیدہ حضرت بلال بن رباح

---

[1] گویا۔ شاہد۔ [2] خوش خبری [3] اعلان کرنے والا۔ مؤذن۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں ؛

دوسرے خدائے واحد کے دوست اور پیغمبر صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے احوال سے واقف حضرت ابُو عبداللہ سَلمانِ فارسی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں ؛

تیسرے مہاجرین وانصار رِضوانُ اللّٰہ عَلَیْہِمْ کے سرِ لشکر۔ اور اللہ غالب کی رضا کی طرف متوجہ حضرت ابوعُبیداللہ بن عامر بن عبداللہ الجراح رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں ؛

چوتھے اصحابِ صُفّہ میں برگزیدہ اور اہلِ صفوت کی زینت حضرت ابُوالیقظان عمّار بن یاسر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں ؛

پانچویں۔ علم کا خزانہ اور حلم کا مخزن حضرت ابُو مسعود عبداللہ بن مسعود ہُزَلی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں ؛

چھٹے۔ درگاہِ ربُّ العزّت سے تمسّک کرنے والے۔ عیب و گناہ سے پاک حضرت عُتبہ بن مسعود برادرِ عبداللہ ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا ہیں ؛

ساتویں طریقِ عُزلت کے سالک اور عیوب اور زلّت کی باتوں سے اعراض کرنے والے حضرت مِقداد بن الاسود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں ؛

آٹھویں مقامِ تقوائے الٰہی کی دعوت کرنے والے۔ اور بلا اور مصیبت الٰہی پر راضی حضرت خبّاب بن الارت رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں ؛

نویں۔ رضائے الٰہی کی درگاہ کا قصد کرنے والے۔ اور مقامِ فنا میں بارگاہِ بقا کے طالب حضرت صُہیب بن سنان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں ؛

دسویں۔ سعادت کے سیپ کے موتی۔ اور دریائے قناعت کے تیراک حضرت عُتبہ بن غزوان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

گیارھویں۔ حضرت فاروق عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بن الخطاب کے بھائی۔ دونوں جہان اور مخلوق سے بے نیاز حضرت زید بن الخطّاب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

بارھویں۔ طلبِ مشاہدات میں مجاہدوں کے مالک حضرت ابوکبشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

ملہ دلیل۔ کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے غلام ہیں:

تیرھویں عزت والے۔ توبہ کرنے والے۔ ساری خلقت کو چھوڑ کر حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے۔ حضرت ابو المرثد کنا ز بن الحصین العدوی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں:

چودھویں۔ طریقِ تواضع کے عبور کرنے والے حضرت سالم حُذیفۃ الیمانی کے غلام رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

پندرھویں۔ عذاب آخرت سے ڈرنے والے اور مخالفِ شریعت سے علیحدگی والے حضرت عکاشہ بن المحصن رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

سولھویں۔ مہاجرین و انصار کی زینت بنی قار کے سردار حضرت مسعود بن ربیع القادری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

سترھویں۔ زہد میں حضرت عیسٰے علیہ السلام جیسے اور شوق میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے حضرت ابو ذر جندب بن الجنادہ الغفاری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

اٹھارھویں پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے انفاس کے محافظ اور خیرات کے شایاں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

اُنیسویں۔ استقامتِ دین میں ہمیشہ قائم۔ اور متابعتِ شریعت میں راست رو حضرت صفوان بن بیضا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

بیسویں۔ صاحب ہمت تہمت سے خالی حضرت ابو دردا عویمر بن عامر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

اکیسویں۔ درگاہ ربانیٔ الٰہی سے تعلق رکھنے والے اور بارگاہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے برگزیدہ حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

بائیسویں۔ بحر شرف کے ہیرا کے اور توکل کے صدف کے موتی حضرت عبداللہ بن بدر الجہنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ہیں۔

اگر ہم ان سب اصحاب صُفہ کو بیان کریں تو کتاب طویل ہو جائے۔ اور شیخ ابو عبدالرحمٰن محمد بن الحسین السلمی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ۔ طریقت اور کلام مشائخ کے نقل کرنے والے ہیں۔ انہوں نے اہل صفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کے احوال میں ایک بے نظیر تاریخ لکھی ہے اور ان کے مناقب اور فضائل اور نام اور کنیتیں اس میں

بیان کیے ہیں۔ لیکن انہوں نے مسطح بن اثاثہ کو بھی منجملہ اصحاب صفّہ کہا ہے اور میں دل سے اس کو درست نہیں رکھتا کیونکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کی ابتداء اس سے کی تھی لیکن ابوہریرہ و ثوبان و معاذ ابن الحارث و سائب ابن خلاب و ثابت و ابولبابہ کعب ابن عمرو و وہب بن مغفل و عبداللہ بن انیس و حجاج بن عمرو الاسلمی رضی اللہ عنہم اجمعین سب اہل اصحاب صفہ میں سے ہوئے ہیں۔ کبھی کبھی کسی سبب سے دنیا کی دوسری خدمات میں شامل ہو جاتے تھے لیکن سب ایک درجہ میں تھے۔ اور حقیقت میں وہ زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔ اور جس درجہ میں بھی وہ تھے ہر زمانہ سے بہترین اور فاضل ترین خلق تھے اس لئے کہ خداوند تعالیٰ نے ان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف بخشا۔ اور ان کے دلوں کو تمام عیوب سے محفوظ رکھا تھا چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ الحدیث ترجمہ: سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آنے والے ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آنے والے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ۔ ترجمہ: ایمان میں سبقت کرنے والے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جنہوں نے خلوص کے ساتھ ان کا اتباع کیا۔ اب ہم اس کتاب میں بعض تابعین رحمہم اللہ اجمعین کا ذکر کریں گے تاکہ پورا فائدہ حاصل ہو اور زمانے ایک دوسرے سے متصل ہو جائیں

دسواں باب

تابعین رضی اللہ عنہم میں سے صوفیائے کرام

پہلی فصل

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

آپ تابعین رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ امت کے آفتاب اور

دین ومذہب کی شمع حضرت اُویس قرنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ آپ اہل تصوّف کے نزدیک مشائخ کبار میں سے تھے۔ اور زمانۂ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ میں موجود تھے۔ مگر دو وجہ سے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے دیدار کا شرف حاصل نہ کر سکے۔

(اوّل) حال (جذب) کے غلبہ کی وجہ سے۔

(دوم) اپنی والدہ کا حق ادا کرنے کی وجہ سے۔ اور پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا تھا۔ کہ قبیلہ قرن کا ایک مرد ہے۔ جس کا نام اُویس رض ہے۔ وہ قیامت کے روز ربیعہ و مضر کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر میری اُمّت میں شفاعت کرے گا۔ اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے حضرت عمر رض اور علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم اُس کو دیکھو گے۔ وہ چھوٹے اور درمیانہ قد کا۔ لمبے بالوں والا آدمی ہے۔ اور اُس کے بائیں پہلو پر ایک درہم کے برابر سفید داغ ہے۔ جو جنبل کے سوا کسی اور چیز کا داغ نہیں اور ہاتھ کی ہتھیلی پر بھی ویسا ہی داغ ہے۔ اور میری اُمّت میں ربیعہ و مضر کی بکریوں کی تعداد کے برابر شفاعت کرے گا جب تم دیکھو۔ تو اس کو میرا اسلام پہنچا دو۔ اور اُس سے کہو کہ میری اُمّت کیلئے دُعا کرے۔ اور جب حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی وفات کے بعد مکّہ میں تشریف لائے اور امیر المؤمنین علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے خطبہ میں فرمایا۔ یَا اَھْلَ نَجْدٍ قُوْمُوْا۔ ترجمہ (اے اہل نجد اُٹھو) اہل نجد اُٹھے۔ تو آپ نے اُن سے پوچھا۔ کہ کیا کوئی شخص تمہارے درمیان قبیلہ قرن کا بھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں۔ چنانچہ کچھ لوگوں کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے اُن سے اُویس قرنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا حال پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ کہ اُویس نامی دیوانہ ہے۔ کہ آبادی میں نہیں آتا۔ اور نہ کسی شخص کے پاس بیٹھتا ہے۔ اور جو کچھ لوگ کھاتے ہیں وہ نہیں کھاتا۔ غم اور خوشی نہیں جانتا۔ جب لوگ ہنستے ہیں تو وہ روتا ہے۔ جب وہ روتے ہیں۔ تو وہ ہنستا ہے۔ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے فرمایا۔ میں اُس سے ملنا

چرا رہتا ہوں۔ انہوں نے کہا، وہ تو ہمارے اُونٹوں کے ساتھ جنگل میں ہے۔ ہر دو امیر (عمر و علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا) اُٹھے۔ اور اُن کے پاس چلے گئے۔ آپ اس وقت نماز میں تھے۔ جب وہ فارغ ہوئے۔ تو انہیں سلام کیا۔ اور اپنے پہلو اور ہتھیلی کا نشان دکھلایا تب اُن کو درست پایا پھر انہوں نے اُن سے دُعا کی درخواست کی۔ اور پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا سلام اُن کو پہنچایا۔ اور اُمت کے لئے دُعا کرنے کے لئے فرمائش کی۔ یہ حضرات کچھ دیر اُن کے پاس ٹھیرے۔ تب انہوں نے کہا۔ آپ کو تکلیف ہوئی۔ اب واپس لوٹ جائیے۔ کہ قیامت نزدیک ہے تب ہمیں وہاں ایسی ملاقات ہوگی۔ کہ کبھی اُس سے محروم نہ ہوں گے۔ کیونکہ میں سفر قیامت کا سامان کرنے میں مشغول ہوں۔ جب قبیلہ قرن کے لوگ واپس گئے۔ تو اُن کے دلوں میں اُویس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا مرتبہ اور عزت بڑھ گئی۔ چنانچہ وہ وہاں سے کوفہ چلے آئے۔

اور ہرم بن حیان رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے ایک روز اُن کو دیکھا۔ اور اُس کے بعد کسی نے نہیں دیکھا۔ اور جب حضرت امیر المؤمنین علی کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہُ کے عہد خلافت میں فتنہ برپا ہوا۔ تب وہ وہاں آئے۔ اور حضرت امیر المؤمنین کرم اللہ وجہہ کے ہمراہ حرب صفین کے روز آپ کے دشمنوں کے ساتھ لڑ کر شہادت پائی۔ عَاشَ حَمِیْدًا وَمَاتَ شَہِیْدًا رَضِیَ اللہُ عَنْہُ ترجمہ (اللہ ان سے راضی ہو۔ زندہ رہے تو حمد کے لائق اور وفات پائی تو شہید) آپ سے ہی روایت ہے۔ اَلسَّلَامَۃُ فِی الْوَحْدَۃِ ترجمہ (سلامتی تنہائی میں ہے) اس لئے جس کا دل تنہا ہو وہ غیر کے خیال سے الگ ہوتا ہے۔ اور اپنے تمام احوال میں خلقت سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ سب آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ اور سب لوگوں سے منہ پھیر لیتا ہے لیکن اگر کوئی یہ خیال کرے کہ وحدت تنہا جینا ہے تو یہ محال ہے۔ کیونکہ جب تک شیطان کو کسی کے دل سے صحبت ہوتی ہے اور نفس (اَمَّارہ)[1] کو اس کے سینے میں غلبہ ہوتا ہے۔ اور جب تک دنیا و آخرت کا فکر اور خلقت کا خیال ہوتا ہے۔ تب تک وحدت نہیں ہوتی

[1] انسان کی وہ مخفی قوت جو اسے بار بار گناہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔

اِس لیئے کہ خواہ کسی اصل چیز سے آرام ہو یا اُس کے خیال سے دونوں باتیں ایک ہی ہیں۔ پس جو شخص حقیقت میں وحید (تنہا) ہوتا ہے۔ اگرچہ لوگوں سے صحبت رکھے۔ اُس کی صحبت وحدت کی مزاحم نہیں ہوتی۔ اور جو شخص لوگوں میں مشغول ہوتا ہے۔ گوشہ نشینی اُس کی فراغت کا سبب نہیں ہوتی۔ پس لوگوں سے قطع تعلق محبت الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا جس کو واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے لوگوں سے ظاہری میل جول اُس کو کچھ نقصان نہیں دیتا۔ اور جس کو لوگوں سے محبت ہو اُس کے دل پر محبت الٰہی کا گزر نہیں ہوتا۔ اور نہ اُس کی اُسے کچھ خبر ہی ہوتی ہے اَلْوَاحِدَۃُ صِفَتُہٗ عَبْدٍ صَافٍ سَمِعَ قَوْلَہٗ تَعَالٰی اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ ۔ ترجمہ (کیونکہ تنہائی (دنیا سے حقیقی علیحدگی) ایک ایسے صاف باطن آدمی کی صفت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول سُن رکھا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے؟)

دُوسری فصل

حضرت ہرم بن حیان رضی اللہ عنہ

آپ تابعین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ میں سے ہیں۔ صفائی باطن کی شمع اور وفائے عہد کی کان۔ حضرت ہرم بن حیان رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ آپ طریقت کے بزرگوں میں سے تھے۔ اور علم میں پورا حصّہ رکھتے تھے۔ اور صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ کی صحبت کا شرف پایا تھا۔ آپ نے حضرت اُوَیس قرنی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی زیارت کا قصد کیا۔ جب قبیلہ قرن کے پاس پہنچے تو وہ وہاں سے چلے گئے تھے۔ نا اُمید ہو کر آپ مکہ کی طرف آ گئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ وہ کوفہ میں رہتے ہیں وہاں آ گئے تو ملاقات نہ ہوئی۔ کچھ مدت تک تو وہاں ٹھیرے۔ جب وہاں سے بصرہ آنا چاہا۔ تو راستہ میں دریائے فرات کے کنارے پر اُن سے ملاقات ہو گئی جب کہ آپ وضو کر رہے تھے۔ اُنہوں نے گدڑی پہن رکھی تھی۔ اس وجہ سے اُن کو پہچان لیا۔ جب انہوں نے دریا کے کنارے سے ذرا ہٹ کر بالوں کو کنگھی کی۔ تو ہرم بن حیان رضؓ نے سامنے آ کر ان کو سلام کیا۔ انہوں نے کہا اے ہرم بن حیانؓ تم پر بھی سلام ہو۔ انہوں نے پوچھا۔ آپ نے مجھے کس طرح پہچان لیا۔ کہ میں ہرم ہوں

آپ نے جواب دیا۔ عَرَفَتْ رُوحِي رُوحَكَ ترجمہ: میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا۔ تھوڑی دیر بیٹھے پھر اُن کو رخصت کر دیا۔ ہرم رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ نے کہا ہے۔ کہ مجھ سے زیادہ تر باتیں ہر دو امیر (عمر و علی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا) کے متعلق کرتے رہے۔ اور میرے پاس آپ نے اُن دونوں سے روایت کی اور ان دونوں نے نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے کہ آپ نے فرمایا۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى الدُّنْيَا يُصِيْبُهَا اَوْ اِلٰى امْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ اَلْحَدِيْث ترجمہ: بیشک اعمال کی صحت نیت پر موقوف ہے۔ اور ہر شخص کو وہ ملتا ہے۔ جو اُس نے نیت کی۔ پس جس کی ہجرت اللہ اور اُس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی طرف ہے۔ اُس کی ہجرت واقعی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف ہے۔ اور جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہے کہ اُس کو حاصل کرے یا کسی عورت کے لئے ہے کہ اُس سے نکاح کرے۔ تو اُس کی ہجرت اُسی چیز کی طرف ہے۔ جس کے حاصل کرنے کے لئے اُس نے ہجرت کی، پھر آپ نے مجھ سے کہا۔ عَلَيْكَ بِقَلْبِكَ۔ ترجمہ: تجھ پر اپنے دل کی حفاظت لازم ہے۔ اور اس کلام کے دو معنی ہیں۔

(اوّل) یہ کہ مجاہدہ میں اپنے دل کو حق کے تابع کر دے۔

(دوم) یہ کہ اپنے آپ کو دل کے تابع کر دے۔ اور یہ دونوں اصل قوی ہیں۔ دل کو حق کے تابع کرنا۔ حق تعالیٰ کے ارادت مندوں کا کام ہے۔ کہ شہوتِ نفس کے غلبہ اور خواہشِ نفس کی محبت سے اُس کو خالی کر لیں۔ اور ناموافق خیالات آہستہ آہستہ دل سے دُور کر دیں۔ اور صحتِ عمل اور امورِ طریقت کی نگہداشت کی تدبیر میں اپنی نظر کو آیاتِ الٰہی میں لگا دیں۔ تاکہ محبتِ حق کا محل ہو جائیں۔ اور اپنے آپ کو دل کے تابع کر دینا کاملوں کا کام ہے۔ حق تعالیٰ نے جن کے دلوں کو اپنے جمال کے نور سے منور کر دیا ہے اور ظاہر کے تمام اسباب و علل سے اُن کو نجات بخشی ہے۔ اور اُونچے درجے پر پہنچا کر قرب کی خلعت سے نوازا ہے۔ اور اپنے الطاف سے ان پر تجلی فرما کر اپنے قرب و مشاہدہ سے محبت

کی نظر ڈالی ہے۔ تب ان کے جسم کو دل کے موافق کر دیا ہے۔ پس وہ پہلا گروہ صاحب قلوب ہوتے ہیں۔ اور یہ دوسرا گروہ مَغلوبُ القُلوب ہے۔ اور صاحب قلوب ولا لی کے مالک اور باقی صفت ہوتے ہیں۔ اور مغلوب القلوب فانی صفت۔ اور اس مسئلہ کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے واضح ہوتی ہے۔ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ترجمہ۔ مگر تیرے بندے اخلاص والے یا خالص کیئے گئے، اس میں قراء نیں ہیں۔ مُخلِصین بکسر لام و مُخلَصین بفتح لام مُخلِص بکسر لام فاعل اور باقی صفت ہوتا ہے۔ (اخلاص والا) اور مُخلَص بفتح لام مفعول اور فانی صفت ہوتا ہے (خالص کیا گیا۔ چنا گیا) اور یہ مسئلہ کسی دوسرے مقام پر انشاء اللہ اس سے زیادہ مفصل و مشرح بیان کروں گا۔ اور حقیقت میں وہ لوگ جو فانی صفت ہوتے ہیں۔ وہ زیادہ فضیلت والے ہوتے ہیں۔ اور اپنے جسم کو دل کے موافق کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دل حضرت حق کی تحویل میں ہوتے ہیں۔ اور اس کے مشاہدہ میں بسے ہوئے رہتے ہیں۔ بہ نسبت اس گروہ کے جو باقی صفت ہوتے ہیں۔ اور دل کو تکلف سے امر الٰہی کے موافق کرتے ہیں۔ اور اس مسئلہ کی بنیاد صحو[1] اور شکر[2] اور مشاہدہ اور مجاہدہ کے اصل پر ہے۔ واللہ اعلم؛

تیسری فصل

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ

آپ تابعین رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ اہل زمانہ کے امام۔ زمانہ میں یکتا ابو علی الحسن بن ابی الحسن البصری رضی اللہ عنہ۔ اور ایک گروہ آپ کی کنیت ابو محمد بتلاتے ہیں۔ اور دوسرا گروہ ابو سعید اہل طریقت کے نزدیک آپ کی عزت بڑی قدر و مرتبہ ہے۔ اور علم معاملات میں آپ کے لطیف اشارات ہیں۔ اور میں حکایات میں پڑھا ہے۔ کہ ایک اعرابی نے آپ کے پاس آکر صبر کی حقیقت دریافت کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ صبر دو قسم کا ہے۔

(اوّل) مصیبتوں اور تکلیفوں میں صبر کرنا۔

(دوم) اُن اُمور سے باز رہنے پر صبر کرنا جن سے اللہ تعالیٰ نے

---

[1] حوالہ ۔ سہو ہوشیاری ۔ [2] بے ہوشی ۔

ہمیں باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ اور اُن کی متابعت سے منع فرمایا ہے۔ اعرابی نے کہا۔ اَنْتَ زَاهِدٌ مَا رَأَيْتُ اَزْهَدَ مِنْكَ۔ ترجمہ (آپ زاہد ہیں میں نے آپ سے بڑھ کر کوئی زاہد نہیں دیکھا) امام حسن بصری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے کہا۔ اے اعرابی میرا زہد سب رغبت ہے۔ اور میرا صبر بیقراری۔ یہ سُن کر اعرابی نے کہا اس کلام کی تفسیر بیان کیجئے۔ کیونکہ اس سے تو میرا اعتقاد متزلزل و پریشان ہوگیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا صبر مصیبت یا فرمانبرداری میں دوزخ سے میرے خوف کو ظاہر کرتا ہے اور یہ عین جزع ہے اور دنیا سے میرا زہد آخرت کی خواہش ہے اور یہ عین رغبت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ شخص جو درمیان سے اپنا حصہ اُٹھا لے تاکہ اُس کا صبر محض اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے ہو نہ دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لئے۔ اور اسی طرح بھی حق تعالیٰ کے لئے ہو نہ بہشت میں پہنچنے کے لئے اور یہی اخلاص کی علامت ہے۔

اور یہ بھی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ صُحْبَةَ الْاَشْرَارِ تُوْرِثُ سُوْءَ الظَّنِّ بِالْاَخْيَارِ۔ ترجمہ۔ اشرار یہ لوگوں کی صحبت نیک لوگوں کے ساتھ بدظنی پیدا کرتی ہے) جو شخص اس گروہ کے بُرے لوگوں سے صحبت اختیار کرتا ہے۔ وہ اُس گروہ کے نیک لوگوں سے بدگمان ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات بالکل متفق عَلَیْہِ ہے۔ اور اس زمانہ کے لوگوں کے بالکل حسب حال ہے۔ جو سب حضرات حق تعالےٰ کے عزیزوں کے منکر ہیں۔ اور ایسا اسلئے ہوا ہے کہ جب لوگ ان رسمی صوفیوں سے ملتے تو اُن کے افعال کو خیانت پر اُن کی زبان کو جھوٹ اور غیبت پر اُن کے کانوں کو بیہودہ اور فضول باتوں کے سننے پر اُن کی آنکھ کو لہو و شہوت اور اُن کے ارادوں کو حرام مشتبہ[1] حرام کے جمع کرنے پر مصروف دیکھتے ہیں۔ تو خیال کرتے ہیں کہ تمام صوفیوں کا یہی معاملہ اور مذہب ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ بلکہ اُن کا فعل فرمانبرداری ہے اور اُن کی زبان کلام حق اور فقرہ محبت الٰہی پر ناطق ہے۔ اور اُن کا بھید محبت الٰہی کا محل اور ان کا کان حقیقت میں سماع حق کا اور آنکھ مشاہدہ تجلیات۔ اور اُن کی ہمت رویت حق کا محل ہے

[1] بے قراری [2] مبتلا ہے یہ تعلق ہو تا [3] جس پر حرام کا گمان کیا جائے جو حرام کے قریب ہو۔

یہ سب اسرار الٰہی ہیں۔ اور اگر کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں۔ جو جماعت صوفیا اور اُن کی سیرت و کردار میں خیانت کرتے ہیں۔ لیکن ان خیانت کرنے والوں کی خیانت خود اُن کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ نہ جہان کے اُن شرفا اور زمانہ کے سادات کے ساتھ۔

پس جو شخص کسی قوم کے شریر لوگوں سے میل جول رکھتا ہے۔ وہ خود اس کی شرارت و برائی ہے۔ کیونکہ اگر اس میں کچھ بھلائی ہوتی۔ تو وہ نیکوں کی صحبت اختیار کرتا۔ پس ہر ایک شخص کو خود اپنے آپ کو ملامت کرنی چاہیئے۔ کہ وہ ایک نالائق اور ناموافق شخص سے صحبت اختیار کرتا ہے۔ اور صوفیائے کرام کے منکر سب سے زیادہ شریر اور رذیل ہیں۔ کہ اُن کی صحبت رذیلوں اور شریروں سے ہوتی ہے۔ اس لیئے وہ اپنے نفس کی خواہش نہ پاکر اُن کے منکر ہو گئے ہیں۔ اور ان شریروں اور رذیلوں کی اقتدا کر کے ہلاک ہو گئے ہیں۔ برخلاف اُن نیکوں اور عزیزان الٰہی کے جنہوں نے ان صوفیا میں سے نیک لوگوں کو رضا کی آنکھ سے دیکھا۔ اور اُن کی صحبت کو جان و دل سے خریدا۔ اور سارے جہان میں سے ان بزرگوں کے طریق کو اختیار کر کے اُن کی برکات سے دونوں جہان کا مقصود پالیا۔ اور سب سے قطع تعلق کر لیا ہے۔ اسی معنی میں کسی بزرگ نے کہا ہے۔ شعر

فَلَا تَحْقِرَنْ نَفْسِیْ وَاَنْتَ حَبِیْبُهَا　　فَکُلُّ امْرِءٍ یَصْبُوْ اِلٰی مَنْ یُجَانِسُ

تم مجھ بیچارے میرے نفس کو حقیر نہ جان۔ درآنحالیکہ تو اُس کا محبوب ہے کیونکہ ہر شخص اپنے ہم جنس کا مشتاق ہوتا ہے۔

چوتھی فصل

حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ عنہ

آپ تابعین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ میں سے ہیں علماء کے سردار فقیہوں کے فقیہ حضرت سعید بن المُسَیَّب رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ جن کی شان بہت بڑی اور قدر بہت بلند اور اُن کا قول قابل عزت اور بہت تعریف کے قابل تھا۔ اور علم فقہ و توحید و حقائق طریقت و تفسیر و شعر و لغت وغیرہ تمام فنون میں آپ کے مناقب بے شمار ہیں کہتے ہیں کہ آپ بظاہر ہوشیار اور باطن میں پارسا تھے۔ نہ بظاہر پارسا اور باطن

ہیں ہوشیار رہ اور یہی طریق تمام مشائخ رضی اللہ عنہم کے نزدیک عمدہ اور قابل تعریف ہے۔ اور آپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا ہے اِرْضَ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الدُّنْيَا مَعَ سَلَامَةِ دِيْنِكَ كَمَا رَضِيَ قَوْمٌ بِكَثِيْرِهَا مَعَ ذَهَابِ دِيْنِهِمْ۔ ترجمہ (تو اپنے دین کی سلامتی کے ساتھ تھوڑی سی دنیا پر راضی ہو جس طرح کہ کچھ لوگ باوجود اپنے دین کے ضائع ہو جانے کے بہت سی دنیا پر راضی ہو گئے ہیں۔ یعنی دین کی سلامتی کے ساتھ فقر و افلاس اُس غناء اور دولت مندی سے بدرجہا بہتر ہے۔ جس میں دین سے غفلت برتی جاتی ہو۔ کیونکہ فقیر جب دل کو دیکھتا ہے۔ تو زیادتیٔ دنیا کا اندیشہ نہیں پاتا۔ اور جب ہاتھ دیکھتا ہے تو قناعت پاتا ہے اور غنی جب دل کو دیکھتا ہے تو دنیا کی زیادتی میں مبتلا پاتا ہے اور جب ہاتھ دیکھتا ہے تو ناپاک دنیا پاتا ہے۔ پس اللہ کے دوستوں کا اس کی خداوندی پر بلا غفلت راضی ہونا قطعاً سے غافل لوگوں کے بہ غرض دنیا پر راضی ہونے سے بہتر ہے اور مصیبت پر حسرت و ندامت کے بغیر صبر کرنا اس نعمت سے کہیں زیادہ بہتر ہے جس کے ساتھ ذلت اور معصیت ہو۔ پس جب مصیبت آتی ہے تو غافل لوگ کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ جسم پر نہیں بنی" لیکن دوستان الٰہی کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ بدن پر آئی۔ میرے دین پر نہیں" کیونکہ اگر جسم پر مصیبت ہو۔ اور دل میں بقا ہو تو مصیبت جسم کے لئے خوشی کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور جب دل غفلت میں ہو تو جسم اگرچہ نعمت میں ہو۔ وہ نعمت اس پر عذاب ہو جاتی ہے اور حقیقت میں تھوڑی دنیا پر راضی ہونا زیادہ دنیا پر راضی ہونے کے برابر ہے۔ اور زیادہ دنیا پر راضی ہونا بھی تھوڑی دنیا پر راضی ہونے کے برابر ہے۔ دنیا تھوڑی بھی ویسی ہے جیسی بہت۔ اور یہ بھی آپ سے روایت ہے۔ کہ ایک روز آپ مکہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں آکر کہا۔ کہ مجھے وہ حلال چیز بتلایئے جس میں کوئی حرام نہ ہو۔ اور وہ حرام جس میں کوئی حلال نہ ہو۔ تو آپ نے فرمایا ذِكْرُ اللّٰهِ حَلَالٌ لَيْسَ فِيْهِ حَرَامٌ وَذِكْرُ غَيْرِهٖ حَرَامٌ لَيْسَ فِيْهِ حَلَالٌ۔ ترجمہ (فقط اللہ کا ذکر حلال ہے۔ جس میں کوئی حرام نہیں۔ اور غیر اللہ کا ذکر حرام ہے۔ جس میں کوئی حلال نہیں) اس لئے کہ ذکر الٰہی میں نجات ہے۔ اور ذکر غیر حق میں ہلاکت۔ اور توفیق قبضۂ الٰہی میں ہے ؏

گیارھواں باب

تبع تابعین میں سے صوفیا کے امام رضی اللہ عنہم

پہلی فصل

حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ تبع تابعین میں سے ہیں۔ طریقت کے بہادر اور شریعت میں مضبوط حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ آپ بہت بلند ہمت اور صاحب عزت تھے۔ اور مردان خدا کے مراتب میں بہت بڑا درجہ رکھتے تھے۔ آپ کو شروع میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر توبہ نصیب ہوئی۔ آپ ابتدائے عمر میں لوگوں کو روپیہ سود پر دیا کرتے تھے۔ اور ہر قسم کی برائی کا ارتکاب کیا کرتے تھے خدا تعالے نے آپ کو سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔ اور بارگاہ رب العزت کی طرف رجوع کیا۔ اور علم طریقت اور اس کا ضروری علم حضرت حسن بصری رح سے سیکھا آپ کی زبان عجمی تھی عربی پر نہ چلتی تھی۔ خدا تعالےٰ نے آپ کو بہت سی کرامات کے ساتھ مخصوص فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو درجہ آپ کو حاصل تھا۔ وہ اس واقعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کہ ایک شام کو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے عبادت خانے کے دروازے پر پہنچے۔ تو آپ اس وقت مغرب کی تکبیر کہہ کر نماز میں کھڑے ہو رہے تھے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اندر داخل ہوئے اور آپ کی اقتداء نہ کی اس لئے کہ آپ کی زبان عربی اور قرآن شریف کی قرأت پر اچھی طرح جاری نہ ہوتی تھی۔ جب وہ رات کو سوگئے تو اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا۔ کہ بار خدایا! تیری رضا کس چیز میں ہے۔ ارشاد ہوا کہ اے حسن! میری رضا تجھے مل گئی تھی لیکن تو نے اس کی قدر نہ جانی آپ نے عرض کیا اے اللہ یہ کس طرح! فرمایا۔ اگر گذشتہ رات تو حبیب کے پیچھے نماز پڑھ لیتا۔ تو اس کی صحیح نیت تجھے اس کی عبارت (قرأت) کے انکار سے روکتی تو میں تجھ سے راضی ہوتا۔ صوفیا کے درمیان یہ بات مشہور ہے۔ کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حجاج بن یوسف ثقفی کے لوگوں سے بھاگ کر آپ کے عبادت خانہ میں گھس گئے۔ ان لوگوں نے آکر حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہاں

ہیں آپ نے اُن کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اُن لوگوں نے کہا وہ کہاں گئے آپ نے فرمایا ابھی وہ عبادت خانے میں داخل ہوئے ہیں۔ جب وہ لوگ اندر داخل ہوئے وہاں کسی کو نہ دیکھا۔ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ اُن سے تمسخر کرتے ہیں۔ آپ سے سخت کلامی کی۔ کہ تو نے جھوٹ بولا کہ وہ یہاں ہیں آپ نے قسم کھائی کہ میں سچ کہتا ہوں۔ اسی طرح دو تین دفعہ وہ لوگ اندر گئے۔ اور آپ کو نہ پایا۔ تو واپس چلے گئے تب حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ باہر آکر کہنے لگے۔ کہ اے حبیب میں جانتا ہوں کہ تیری برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے ان پر ظاہر نہ فرمایا۔ لیکن یہ آپ نے کیوں فرمایا۔ کہ وہ حسن رحمتہ اللہ علیہ یہیں ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ اے اُستاد امیر سے سچ بولنے کی وجہ سے ہی انہوں نے آپ کو نہ دیکھا۔ اگر میں جھوٹ بولتا۔ تو مجھے اور آپ دونوں کو رسوا کرتے۔ آپ کی اس قسم کی بہت سی کرامتیں ہیں۔ آپ کے متعلق مروی ہے۔ کہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ خدا کی رضا کس چیز میں ہے۔ تو آپ نے فرمایا فِیْ قَلْبٍ لَیْسَ فِیْہِ غُبَارُ النِّفَاقِ (ترجمہ: خدا کی رضا اس دل میں ہے جس میں نفاق کا غبار نہیں) اس لئے کہ منافقت موافقت کی ضد ہے۔ اور رضا عین موافقت ہے۔ اور محبت کو نفاق سے کچھ واسطہ نہیں۔ اور اس کا محل رضا ہے۔ پس رضا یقیناً دوستانِ حق کی صفت ہے اور نفاق دشمنانِ حق کی۔ یہ مسئلہ بہت بڑا ہے جیسے دوسرے مقام پر انشاء اللہ تعالیٰ ہم بیان کریں گے۔ توفیق قبضہ الٰہی میں ہے اور اسی کی اعانت ہے۔

دُوسری فصل

حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ

آپ تبع تابعین رحمتہ اللہ علیہم میں سے ہیں۔ اہل محبتِ الٰہی کے نقیب[1] اور تمام جن و انس کی زینت حضرت مالک بن دینار رحمتہ اللہ علیہ آپ حسن بصریؒ کے محرم اسرار[2] اس طریقت کے بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ کی کرامتیں مشہور ہیں اور نفس کی ریاضتوں میں آپ کی خصلتیں لوگوں میں مذکور ہیں۔ آپ کے والد

---

[1] نقیب، سردار دوست [2] رازدان

حضرت دینار غلام تھے۔ اور حضرت مالک کی ولادت آپ کے والد کی غلامی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اور آپ کی توبہ کی ابتداء یوں ہوئی۔ کہ ایک رات آپ ایک جماعت کے ساتھ عیش و طرب میں مشغول تھے۔ جب لوگ سو گئے تو آپ کے باجے سے جو آپ بجا رہے تھے۔ آواز آئی۔ یَا مَالِکُ مَالَکَ اَنْ لَاتَتُوْبَ ترجمہ کہ اے مالک! تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو توبہ نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ ان سب باتوں سے دست بردار ہو گئے۔ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آکر سچی توبہ کی۔ آپ کا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا۔ کہ ایک دفعہ آپ کشتی پر سوار تھے۔ کہ کسی سوداگر کا ایک قیمتی موتی کشتی میں غائب ہو گیا۔ چونکہ آپ سب لوگوں سے اجنبی تھے۔ اس لئے لوگوں نے موتی کے چرانے کی تہمت آپ پر لگائی۔ آپ نے اُسی وقت آسمان کی طرف سر اُٹھایا۔ تو فوراً جتنی مچھلیاں پانی میں تھیں باہر نکل آئیں۔ اور ہر ایک نے ایک ایک موتی اپنے منہ میں لے رکھا تھا۔ آپ نے اُن میں سے ایک مچھلی کے منہ سے ایک موتی لے کر اُس شخص کو دے دیا۔ اور اُسی وقت کشتی سے اُترے اور پانی کی سطح پر قدم رکھ کر دریا پر چلنے لگے۔ یہاں تک کہ کنارے پر پہنچ گئے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَیَّ الْاِخْلَاصُ فِی الْاَعْمَالِ ترجمہ (میرے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل عملوں میں اخلاص ہے) اس لئے کہ عمل اخلاص ہی سے عمل بنتا ہے۔ گویا اخلاص عمل کے لئے ایسا ہے جیسے رُوح جسم کے لئے جس طرح جسم بلا رُوح ایک جماد[1] ہوتا ہے۔ اسی طرح عمل اخلاص کے بغیر فضول ہے۔ لیکن اخلاص منجملہ اعمالِ باطن کے ہے اور عبادت منجملہ اعمال ظاہر کے ہے۔ اور ظاہر کے اعمال باطنی اعمال سے کمال حاصل کرتے ہیں۔ اور اعمال باطن عمل ظاہر سے قیمت حاصل کرتے ہیں چنانچہ اگر کوئی شخص ہزار سال تک بھی دل میں اخلاص (بے عمل) رکھے۔ لیکن جب تک عمل ظاہر اُس کے اخلاص سے نہ ملے وہ اخلاص نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص ہزار سال تک ظاہر عمل کرتا رہے۔ لیکن جب تک اخلاص اُس کے ظاہری عمل سے نہ ملے اُس کا وہ عمل عبادت میں شمار نہیں ہوتا۔

[1] پتھر۔

تیسری فصل

حضرت حبیب بن سلیم الراعی رحمۃ اللہ علیہ

آپ تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے ہیں۔ بہت بڑے فقیر اور سب اولیاء کے پیر حضرت ابو حلیم حبیب بن سلیم الرّاعی رحمۃ اللہ علیہ مشائخ میں بڑا رتبہ رکھتے ہیں۔ اور تمام حالات میں آپ کے خوارق[1] اور دلائل بہت ہیں۔ آپ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھنے والے تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فرمایا۔ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ۔ ترجمہ (مومن کی صحیح نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔) آپ بھیڑ بکریاں رکھتے تھے۔ اور دریائے فرات کے کنارے پر قیام فرماتے تھے۔ آپ کا طریقہ گوشہ نشینی تھا۔ ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آپ کے پاس سے گزرا میں نے دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور ایک بھیڑیا آپ کی بکریوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ کہ میں اس پیر کی ضرور زیارت کروں گا۔ کہ اس میں بزرگی کی بہت بڑی علامت دیکھتا ہوں۔ کچھ دیر میں منتظر رہا۔ یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو میں نے انہیں سلام کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے لڑکے! کس کام کو آیا ہے۔ میں نے کہا آپ کی زیارت کو انہوں نے فرمایا۔ اللہ تجھے نیک کرے میں نے کہا۔ اے شیخ! ایک بھیڑیے کی بکریوں کے ساتھ موافقت کے کیا معنے! آپ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ بکریوں کا چرواہا حق تعالیٰ سے موافقت رکھتا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے لکڑی کا ایک پیالہ ایک پتھر کے نیچے رکھا۔ میں نے دیکھا۔ کہ اُس سے دو چشمے پھوٹ نکلے۔ ایک دُودھ کا دوسرا شہد کا۔ فرمایا لو پی لو۔ میں نے عرض کیا۔ اے شیخ! یہ درجہ آپ نے کیسے حاصل کیا۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے لڑکے! موسےٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے باوجودیکہ وہ آپ کے مخالف تھی۔ پتھر سے پانی کا چشمہ جاری کیا گیا تھا۔ حالانکہ حضرت موسےٰ علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ پر نہ تھے۔ جب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہوں۔ تو بھلا پتھر مجھے دُودھ اور شہد کیوں نہ دے

[1] خلاف عادت چیزیں۔

جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بدرجہا بہتر تھے۔ میں نے عرض کی۔ کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا لا تجعل قلبك صندوق الحرص وبطنك وعاء الحرام ترجمہ۔ اپنے دل کو حرصِ دنیا کا صندوق اور اپنے پیٹ کو حرام کا برتن نہ بنا کیونکہ لوگوں کی تباہی انہی دو چیزوں میں ہے۔ اور ان کی نجات بھی انہی دو چیزوں کی حفاظت میں ہے۔

اور میرے شیخ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کئی روائتیں بیان فرمائی ہیں۔ لیکن عدمِ فرصت کی وجہ سے میں اس سے زیادہ نہ لکھ سکا۔ ویسے بھی کیونکہ میری اکثر کتابیں غزنی میں رہ گئی ہیں۔ (اللہ اُن کو محفوظ رکھے) اور میں خود ملک ہندوستان میں شہر لہاور (لاہور) میں جو نواحی ملتان میں سے ہے اور بیگانہ لوگوں کے درمیان رہ کر زندگی بسر کرتا ہوں۔ اور آرام و تکلیف کی ہر حالت میں اللہ کا شکر ہے۔

چوتھی فصل

حضرت ابوحازم المدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوحازم المدنی رحمۃ اللہ علیہ تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے بہت بڑے بزرگ صالح اور بعض مشائخ طریقت کے پیشوا و امام تھے۔ آپ معاملات (طریقت) میں نصیبِ کامل اور بہت بڑے درجہ کے مالک تھے۔ اور فقر میں سچی ثابت قدمی اور مجاہدہ میں کامل روش رکھتے تھے۔ اور عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بتائے ہوئے اعمال و احکام کے بڑے سخت پابند تھے۔ اور آپ کا کلام سب دلوں کو پسند اور مشائخ کی بہت سی کتابوں میں مشہور ہے۔ عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ لوگوں نے آپ (ابوحازم) سے پوچھا۔ کہ ما مالك؟ ترجمہ (آپ کا مال کیا ہے؟) تو انہوں نے فرمایا۔ الرضاء عن اللہ والغناء عن الناس۔ ترجمہ۔ (اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہنا۔ اور لوگوں سے بالکل بے نیاز) یعنی جو اللہ تعالیٰ سے خوش ہو وہ خلقت سے بے پروا ہوتا ہے۔ اور ایک مردِ کامل کے لئے سب سے بڑا خزانہ رضائے الٰہی ہے۔ اور اس میں خدائے عزوجل کے ساتھ غنی ہونے کا اشارہ ہے

لے اطراف

پس جو شخص ذات حق کی وجہ سے غنی ہوتا ہے۔ وہ غیر سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اور درگاہِ الٰہی کے سوا نہ کسی اور کی طرف راستہ جانتا اور نہ کسی اور کا ذکر کرتا ہے اور ظاہر و باطن میں اُسی کو پکارتا ہے ؛۔

ایک شیخ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں تھوڑی دیر ٹھیرا رہا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو مجھے دیکھ کر فرمانے لگے۔ کہ میں نے اس وقت پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو خواب میں دیکھا۔ کہ آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے پیغام دے کر فرمایا ہے۔ کہ ماں[1] کے حق کی حفاظت کرنا حج ادا کرنے سے بہتر ہے۔ لوٹ جا۔ اور اس کی دلجوئی کر چنانچہ میں وہاں سے لوٹا۔ اور حج کرنے کے لئے مکہ شریف نہ گیا۔ اس سے زیادہ میں نے کوئی بات آپ سے نہیں سُنی ؛

پانچویں فصل

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ

آپ اہل مجاہدہ کو دعوت دینے والے۔ مشاہدہ میں ہمیشہ قائم اور تبعِ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے زمانہ میں کوئی بزرگ آپ کے برابر نہ تھا۔ بہت سے تابعین کی صحبت میں رہے۔ اور مشائخ متقدمین کے ایک گروہ سے ملاقات کی تھی۔ آپ طریقت میں نصیبِ کامل رکھتے تھے۔ اور طریقت کے متعلق آپ سے بہت اُونچے خیالات اور کامل اشارات روایت ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے۔ مَا رَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ۔ ترجمہ (میں نے ہر ایک چیز میں اللہ[2] ہی کو دیکھا ہے) اور یہ مقامِ مشاہدہ ہے۔ کہ بندہ فاعلِ حقیقی کی محبت کے غلبہ کی وجہ سے اِس درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ کہ جب اُس فاعلِ حقیقی کے فعل میں غور سے دیکھتا ہے تو فعل نہیں (بلکہ صرف فاعل کو) دیکھتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی تصویر کے دیکھنے سے صرف مصوّر ہی کو دیکھتا ہے۔ اور یہ قول درحقیقت حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے قول کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ آپ نے چاند سورج اور ستارہ کو دیکھ کر فرمایا۔ هٰذَا رَبِّیْ

[1] غالباً اُن کی والدہ۔ اُن سے ناراض ہوں گی۔ [2] اللہ تعالیٰ

ترجمہ: یہی تو میرا رب ہے۔ اور یہ بات دراصل غلبۂ محبتِ الٰہی کی وجہ سے تھی۔ کہ آپ جس چیز کو بھی دیکھتے اپنے محبوب (ذاتِ حق) کی صنعت پر دیکھتے تھے اس لئے کہ جب دوستانِ حق نگاہ کرتے ہیں۔ تو عالم کو اللہ تعالےٰ کے قہر سے مغلوب اور اس کے دبدبہ کا قیدی دیکھتے ہیں۔ اور موجودات کو اس کے فاعلِ حقیقی کی قدرت کے مقابلہ میں لاشیئے محض[۱] اور پیدائش میں ممکن کو معدوم دیکھتے ہیں۔ جب شوق کی نگاہ سے اس میں دیکھتے ہیں۔ تو مغلوب کو نہیں بلکہ غالب کو دیکھتے ہیں۔ اور مفعول کو نہیں بلکہ فاعل کو دیکھتے ہیں۔ اور مخلوق کو نہیں بلکہ خالق کو دیکھتے ہیں۔ اور اس امر کو ہم بابِ مشاہدہ میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

اور اس مقام میں صوفیہ کے ایک گروہ کو مغالطہ ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ آپ نے یہ فرمایا ہے۔ رَأَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ ترجمہ (میں نے اس میں اللہ کو دیکھا) یہ مکان[۲] تجزیہ اور حلول کو چاہتا ہے۔ اور یہ بات کفرِ محض ہے کیونکہ مکان متمکن کی جنس ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس قول کی تقدیر اس طرح کرے کہ مکان مخلوق ہے۔ تو متمکن بھی مخلوق ہونا چاہئے۔ اور اگر یوں تقدیر کرے کہ متمکن قدیم ہے تو مکان بھی قدیم ہونا چاہیئے اس قول میں دو فساد لازم آتے ہیں۔ یا خلق کو قدیم کہنا پڑتا ہے یا خالق کو حادث ماننا لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ لیکن حقیقت ایسی نہیں بلکہ آپ کا اس طرح اشیاء کو دیکھنا۔ اشیاء میں آیات اور براہینِ الٰہی کے دیکھنے کے برابر ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور اس میں نہایت باریک رموز ہیں۔ جن کو ہم انشاء اللہ اپنی جگہ پر بیان کریں گے۔

---

۱ جس کا کوئی وجود نہ ہو۔ ۲ مکان ثابت ہونے کی جگہ۔ وہ جگہ جہاں واقع ہو جانے سے کوئی چیز دوسری چیزوں سے ممتاز ہو جائے۔ تَجْزِیَہ جزو جزو ہونا۔ کسی شے کو اجزاء میں تقسیم کرنا۔ حُلُول۔ ایک چیز کا دوسری چیز میں اترنا۔ سرایت کرنا۔ مُتَمَکِّن جگہ پکڑنے والا۔ قرار پکڑنے والا۔ ۳ جو عدم کو قبول نہ کرے۔ ہمیشہ رہنے والا۔

۴ خرابی۔ بگاڑ۔

۵ نو پیدا جو چیز نیست ہو سکے۔ ناپائدار۔

چھٹی فصل

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ

آپ اماموں کے امام۔ اہل سنت والجماعت کے مقتداء وپیشواء۔ فقہا کے لئے باعث شرف اور علمائے محدثین کے لئے باعث عزت واحترام تھے۔ آپ تبع تابعین میں بہت بلند مرتبہ اور مجاہدہ وعبادت میں نہایت ثابت قدم ہوئے ہیں۔ اور طریقت کے اصولوں میں آپ کی بہت بڑی شان ہے۔ شروع شروع میں آپ نے گوشہ نشینی کا ارادہ کیا۔ اور لوگوں سے کنارہ کش ہو کر اُن سے بالکل الگ رہنا چاہا کیونکہ آپ نے دنیاوی جاہ وریاست کی خواہش سے اپنے دل کو پاک اور حق کے لئے اپنے دل کو اچھی طرح سنوار لیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک رات خواب میں دیکھا۔ کہ آپ پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی ہڈیوں کو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی قبر مبارک میں اکٹھی کر رہے ہیں۔ اور اُن میں سے بعض کو چُن رہے ہیں۔ کہ خوف زدہ ہو کر خواب سے بیدار ہوئے۔ اور حضرت محمد بن سیرین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے اصحاب میں سے ایک کے پاس جا کر اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ تو اُنہوں نے فرمایا۔ کہ آپ حضور پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے علم اور آپ کی سُنّت کی حفاظت اور اس کی توسیع و اشاعت کی بدولت بڑے درجہ پر جا پہنچیں گے۔ اس میں پوری مہارت حاصل کر کے صحیح کو ضعیف سے جُدا کریں گے۔ دوسری دفعہ پھر پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کو آپ نے خواب میں دیکھا۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے آپ سے فرمایا۔ اے ابو حنیفہ تمہیں قضاء وقدر الٰہی نے میری سنّت کے زندہ کرنے کا سبب بنا دیا ہے۔ گوشہ نشینی کا ارادہ نہ کرو۔

آپ مشائخ طریقت میں سے بہت سے بزرگوں مثلاً حضرت ابراہیم بن ادہم و فضیل بن عیاض و داؤد طائی و بشر حافی وغیرہ کے استاد ہوئے ہیں۔ اور علما میں یہ بات مشہور اور کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ کہ خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد میں اہل دربار نے تدبیر کی کہ چار اشخاص یعنی حضرت ابو حنیفہ اور امام سفیان ثوری و امام مسعر[۱] بن کدام و قاضی شریک[۲] رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِم میں سے ایک شخص کو قاضی مقرر کریں۔ اور یہ چاروں

---

[۱] شریک بن عبداللہ ۱۲ [۲] بعض کتابوں میں صلہ بن اشیم کا نام لکھا ہے۔

امام اس وقت بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ خلیفہ منصور نے ان سب کی طرف آدمی بھیجے۔ کہ اُن کو حاضر کریں۔ راستے میں جب وہ چاروں امام دربار جارہے تھے۔ تو امام ابوحنیفہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے فرمایا۔ کہ میں ہر ایک کے لئے دربار جانے کے متعلق فراست سے ایک بات کہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا بہت بہتر۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ میں تو اس عہدہ قضا کو ایک حیلہ بنا کر ہٹاؤں گا۔ اور مسعر اپنے آپ کو دیوانہ بنائے گا۔ اور سفیان بھاگ جائے گا۔ اور شریح (شریک) قاضی ہوگا" چنانچہ حضرت سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ راستہ میں موقع پاکر بھاگ گئے۔ اور کشتی میں داخل ہو کر اُن سے کہا۔ کہ مجھے چھپا لو۔ میرا سر کاٹنا چاہتے ہیں۔ گویا آپ نے اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے کہا۔ جو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ۔ ترجمہ (جو قاضی بنایا گیا۔ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا) ملاح نے آپ کو چھپا دیا۔ اور باقی ان تینوں اماموں کو خلیفہ منصور کے سامنے لے گئے۔ خلیفہ نے سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ سے کہا۔ کہ آپ کو قاضی ہونا چاہئے آپ نے فرمایا۔ اے امیر! میں ایک عجمی ہوں عرب نہیں۔ بلکہ اُن کے غلاموں میں سے ہوں۔ پس عرب کے سردار میرے حکم پر راضی نہ ہوں گے خلیفہ ابوجعفر منصور نے کہا۔ کہ (قضا) کا نسب سے کوئی تعلق نہیں۔ اِس کے لئے علم کی ضرورت ہے۔ اور آپ اس وقت کے تمام علماء پر سبقت رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں پھر بھی اس کام کے لائق نہیں۔ اور اِس قول میں جو میں نے کہا ہے۔ کہ "میں اِس کام کے لائق نہیں" اگر میں سچا ہوں تو واقعی لائق نہیں ہوں۔ اور اگر جھوٹا ہوں۔ تو جھوٹا آدمی مسلمانوں کی قضاء کے لئے لائق نہیں ہے۔ اور آپ کو جو خلیفۂ وقت ہیں جھوٹا آدمی اپنا (قاضی نہیں بنانا چاہئے۔ اور نہ مسلمانوں کے خونوں اور مالوں اور رشتہ ناطوں کے متعلق اس پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ یہ بات کہہ کر آپ نے قضا کی ذمہ داریوں سے رہائی حاصل کی۔ اِس کے بعد مسعر رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ پیش ہوئے۔ آپ پیش ہوتے ہی منصور کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے۔ آپ کیسے ہیں؟ اور آپ کے لڑکوں اور جانوروں کا کیا حال ہے منصور نے کہا۔ اِسے باہر نکال دو۔ یہ تو دیوانہ ہے۔ تب شریک سے کہا۔ کہ آپ کو قضا کرنی چاہئے۔ اُنہوں نے کہا۔ کہ میں سودائی مزاج کا آدمی ہوں۔ میرا دماغ ضعیف

ہے۔ میں اس کی اہم ذمہ داریوں سے کما حقہٗ عہدہ برآ نہ سکوں گا۔ منصور نے کہا۔ آپ مُوافق شیروں[1] اور خوشبودار نبیذوں[2] سے اپنا علاج کیجئے تاکہ آپ کی عقل تیز اور مُحکم ہو جائے۔ پھر قضا کا عہدہ اُن کے سپرد کر دیا۔ اور اس واقعہ کے بعد ابُو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اور کبھی بھی آپ سے بات نہیں کی۔ اور یہ بات دونوں معاملوں (ایک تو ہر ایک کے متعلق بھی فراست دوسرے صحت و سلامتی کی راہ پر چلنا۔ اور خلقت کو اپنے سے دُور ہٹانے اور اُن کے نزدیک مرتبہ پر غرور نہ کرنے) میں آپ کے کامل الحال ہونے کا ثبوت ہے۔ اور آپ کی یہ حکایت ایک قوی دلیل ہے کہ لوگوں سے کنارہ کش ہونا صحت و سلامتی کا موجب ہے۔ لیکن آج عام علماء اس قسم کے معاملہ سے منکر ہیں۔ اس لئے کہ خواہش نفس کو اُنہوں نے اختیار کر لیا۔ اور راہِ حق سے بھاگ گئے ہیں۔ اور اُمراء کی درگاہ کو اپنا قبلہ، اور ظالموں کے درباروں کو اپنے لئے بیت المعمُور کی طرح قابلِ تعظیم بنایا ہے۔ جو بات بھی اُن کی خواہش نفس کے خلاف ہو۔ وہ اُس سے انکار کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ غزنی میں (اللہ اُس کو آفات سے محفوظ رکھے) ایک شخص نے جو اِمامت اور علم کا مدعی تھا۔ کہا۔ کہ گدڑی پہننا بدعت ہے۔ میں نے کہا حشیشی[3] اور دبیقی جو بالکل ریشمی کپڑے ہیں۔ جن کا پہننا مردوں کے لئے حرام محض ہے پھر منت و زاری کر کے ظالموں کے مال سے جو حرام مطلق ہے حاصل کرنا اور بھی حرام ہے تم اُسے لے کر بے تکلف پہنتے ہو۔ اور یہ نہیں کہتے کہ یہ بدعت ہے۔ بھلا ایک حلال کپڑے کو جو حلال روپے سے خریدا گیا ہو۔ تم کیوں کہتے ہو۔ کہ وہ بدعت ہے۔ اگر طبیعت کی سرکشی اور نفس کی گمراہی تم پر غالب نہ ہوتی۔ تو تم کوئی پختہ بات کہتے۔ لیکن ریشمی کپڑا پہننا صرف عورتوں کے لئے حلال ہے۔ اور مردوں پر حرام ہے۔ اگر ان دونوں باتوں کا اقرار کرو تو تم معذور ہو۔ ایسی نا انصافی سے تو اللہ کی پناہ!

اور امام ابُو حنیفہ رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں۔ کہ نوفل بن حیان رضی اللہ عنہٗ نے وفات پائی۔ تو میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ قیامت قائم ہے۔

[1] مقوی معدہ [2] شربت انگور پھلوں کا رس۔ [3] حشیش۔ دیبا۔ دبیق خالص ریشمی کپڑے۔

اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حوض کے کنارے بالکل تیار کھڑے ہیں۔ اور آپ کے دائیں بائیں مشائخ کھڑے ہیں۔ اور اُن میں ایک بوڑھے کو دیکھا جن کی صورت نہایت نیک تھی۔ انہوں نے سر کے بال چھوڑ رکھے تھے۔ اور اپنا رخسار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک پر رکھا ہوا تھا۔ اُن کے برابر میں نے نوفل کو کھڑے دیکھا۔ مجھے دیکھ کر وہ میری طرف آئے اور سلام کیا۔ میں نے کہا مجھے پانی دیجئے انہوں نے کہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی مبارک سے اشارہ کر کے فرمایا۔ پلا دو۔ تو انہوں نے مجھے پانی دیا۔ میں نے اس میں سے خود بھی پیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا تو میں نے دیکھا کہ اس پیالہ میں سے کچھ بھی کم نہ ہوا۔ میں نے پوچھا اے نوفل؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی طرف وہ بوڑھا کون ہے؟ اُس نے کہا حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علی نبینا وعلیہ اور آپ کی بائیں جانب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسی طرح میں پوچھتا جاتا تھا۔ اور وہ انگلی پر شمار کرتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سترہ آدمیوں کی بابت میں نے دریافت کیا۔ جب میں بیدار ہوا تو ہاتھ پر سترہ کا عدد گرہ کیا ہوا تھا۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ تو آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ! اَیْنَ اَطْلُبُکَ۔ ترجمہ۔ (میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟) تو آپ نے فرمایا۔ عِنْدَ عِلْمِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رح۔ ترجمہ۔ حضرت ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں اور اللہ تعالیٰ آپ سے راضی ہو۔ طریقت اور پرہیز گاری میں آپ کے ثبت سے بے شمار مناقب مشہور ہیں۔ جن کے بیان کو یہ کتاب برداشت نہیں کر سکتی۔

اور میں علی بن عثمان جلابی (رحمۃ اللہ علیہ) ملک شام میں حضرت بلال رض مؤذن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر سو رہا تھا۔ میں نے خواب میں اپنے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا۔ اور دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

باب بنی شیبہ مبارک سے اندر تشریف لائے۔ اور ایک بوڑھے شخص کو اس طرح بغل میں لئے ہوئے تھے۔ جس طرح بچوں کو شفقت سے بغل میں لیتے ہیں۔ میں فرطِ محبت سے دوڑ کر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے سامنے گیا۔ اور آپ کے پائے مبارک کو بوسہ دیا۔ اور تعجب سے سوچ رہا تھا۔ کہ وہ بوڑھا کون ہے؟ کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے بطور معجزہ میرے دلی اندیشہ پر اطلاع پا کر فرمایا۔ کہ یہ شخص تیرا اور تیرے اہل ملک کا امام یعنی امام ابو حنیفہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ ہے۔ مجھے اور میرے اہل شہر کو اس خواب سے بڑی بھاری اُمید ہوئی۔ اور مجھ پر اس خواب سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ آپ اُن لوگوں میں سے ہیں۔ جو اوصاف طبع سے فانی اور احکام شرع سے باقی اور اُن کے ساتھ قائم ہیں۔ اور دراصل آپ کو اوصافِ طبع سے نکال کر لے جانے والے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ہی ہیں۔ اور وہ اگر خود اوصافِ طبع سے نکلتے تو باقی صفت ہوتے۔ اور جو باقی بصفت ہوتا ہے وہ یا تو فیصلہ میں غلطی کرنے والا ہوتا ہے یا حق کو پہنچنے والا۔ اور چونکہ آپ کو اوصاف طبع سے نکال کر لے جانے والے خود پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ہیں۔ اس لئے آپ فانی الصفہ ہیں۔ اور پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کی صفت بقا سے باقی و قائم ہیں۔ اور جب پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے خطا نہیں ہو سکتی تو جو شخص آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے ساتھ قائم ہے۔ اُس سے بھی خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے۔ اور کہتے ہیں کہ جب حضرت داؤد طائی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے علم حاصل کیا۔ اور اپنے زمانہ کے سردار اور مقتداء بن گئے۔ تو حضرت امام ابو حنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی خدمت میں تشریف لا کر عرض کیا۔ کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ حضرت امام عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے ارشاد فرمایا۔ عَلَیْكَ بِالْعَمَلِ فَاِنَّ الْعِلْمَ بِلَا عَمَلٍ كَالْجَسَدِ بِلَا رُوْحٍ۔ ترجمہ (تجھ پر عمل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ علم بلا عمل ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ جسم بے رُوح) لیکن اے ابو سعید! میں تم پر قربان ہو جاؤں جب تک علم عمل کے ساتھ نہ ملے صاف نہیں ہوتا۔ اور نہ زندگی میں خلوص کی کوئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور جو شخص محض علم پر قناعت کرے۔ وہ عالم نہیں ہوتا۔ کیونکہ عالم کو محض علم پر قناعت نہیں ہونی چاہیئے اس لئے کہ علم عمل کا متقاضی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہدایت مجاہدہ کا تقاضا کرتی ہے۔ اور

جس طرح مشاہدہ بے مجاہدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح علم بغیر عمل کے بے فائدہ ہے۔ دراصل علم عمل کا اصل اور عمل علم کا نتیجہ ہے۔ اور علم کی کشائش اور اس کا نفع عمل ہی کی برکات سے ہوتا ہے۔ اور جس طرح آفتاب کی روشنی عین آفتاب سے الگ نہیں کی جا سکتی ٹھیک اسی طرح علم عمل سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس کتاب کے شروع میں علم کے متعلق مختصر طور پر بیان کر دیا ہے۔ اور توفیق اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

ساتویں فصل

امام عبداللہ بن المبارک رضی اللہ عنہ

آپ زاہدوں کے سردار۔ اوتاد کے رہنما۔ اور کبار تبع تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ بزرگانِ دین میں بڑے باحشمت اور طریقت و شریعت کے تمام احوال و اقوال و اسباب کے عالم اور اپنے وقت کے زبردست امام تھے۔ آپ نے بہت سے مشائخ کا زمانہ پایا۔ اور اُن کی ہم نشینی کی۔ آپ کی تصنیفات علوم کے تمام شعبوں میں عام طور پر مذکور اور آپ کی کرامتیں مشہور ہیں۔ اور آپ کی توبہ کی ابتداء اس طرح ہوئی۔ کہ وہ ایک کنیزک[1] پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ ایک رات ہجولیوں میں سے اُٹھے اور ایک ساتھی کو اپنے ساتھ لے جا کر معشوقہ کی دیوار کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ محبوبہ منڈیر پر نمودار ہوئی۔ اور صبح تک دونوں ایک دوسرے کے مشاہدہ میں محو کھڑے رہے۔ جب آپ نے نماز صبح کی اذان سُنی۔ تو خیال کیا۔ نماز عشا کی اذان ہے۔ جب دن روشن ہوا تو آپ کو معلوم ہوا کہ ساری رات تو محبوبہ کے مشاہدہ میں محو ہو کر گزری ہے۔ اس بات سے اُن کو ایک سخت تنبہ حاصل ہوئی۔ اور دل میں کہنے لگے۔ اے مبارک کے بیٹے! تجھے شرم آنی چاہئے۔ آج ساری رات تو خواہشِ نفس کے لئے کھڑا رہا۔ اور پھر بھی تو بزرگی چاہتا ہے۔ اور اس کے برعکس اگر امام نماز میں ذرا لمبی سورۃ پڑھ لے۔ تو تو دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس دعوئے (ہوائے نفس) کے مقابلہ میں تیرے ایمان کا دعوئے کہاں۔ چنانچہ آپ نے اُسی وقت توبہ کی۔ اور علم کی تلاش میں مشغول ہو گئے۔ اور زہد و دیانت اختیار کی۔ آخر کار ایسے بلند درجہ ہوئے۔ کہ ایک دفعہ آپ کی والدہ نے باغ میں

[1] لونڈی چھوٹی لڑکی۔

جاکر کیا دیکھا۔ کہ آپ سوئے ہوئے ہیں۔ اور ایک بہت بڑا سانپ ناز بُو کی ٹہنی منہ میں لئے ہوئے آپ پر سے مکھیاں ہٹا رہا ہے۔ بعد ازاں مرو سے آپ نے کوچ کیا۔ اور بغداد میں ایک مدت تک مشائخ کی صحبت میں رہے۔ اس کے بعد مکہ مکرمہ میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ اور پھر مرو واپس چلے آئے۔ اور شہر کے تمام لوگوں نے آپ سے کامل محبت کا اظہار کیا۔ اور آپ کے لئے مسندِ درس و مجلس مقرر کی۔ اُن دنوں شہر کے آدھے لوگ تو حدیث کی متابعت کرتے تھے۔ اور آدھے لوگ قیاس و رائے پر چلتے تھے۔ چنانچہ آج تک لوگ آپکو رضیَ الفریقین (دونوں فریقوں میں مقبول) کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ ان ہر دو فریق کے موافق تھے۔ اور ہر ایک نے آپ کے متعلق اپنے ہم مشرب ہونے کا دعوےٰ کیا ہے۔ آپ نے وہاں دو مکان بنائے۔ ایک اہل حدیث کے لئے۔ اور ایک اہل الرائے کے لئے۔ جو آج تک قائم ہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے پھر حجاز واپس چلے گئے۔ اور وہاں قیام کیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ آپ نے عجائبات میں سے کیا کیا دیکھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے ایک پادری کو دیکھا۔ جو کثرتِ مجاہدہ سے لاغر اور خوف الٰہی سے خمیدہ پشت ہو رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ یَا رَاہِبُ کَیْفَ الطَّرِیْقُ اِلَی اللّٰہِ ترجمہ (اے راہب اللہ کی طرف راستہ کس طرح حاصل ہوتا ہے؟)

فَقَالَ لَوْ عَرَفْتَ اللّٰہَ لَعَرَفْتَ الطَّرِیْقَ اِلَیْہِ۔ ترجمہ (اس نے کہا۔ اگر تو نے اللہ کو پہچان لیا۔ تو ضرور اس کا راستہ بھی پہچان لیا۔ پھر اُس نے کہا۔ میں تو اُس سے ڈرتا ہوں۔ جس کو نہ جانتا ہوں نہ پہچانتا ہوں۔ اور تو اُس کی نافرمانی کرتا ہے جسے تو اچھی طرح پہچانتا ہے۔ یعنی اللہ کی معرفت تو اُس سے خوف کا تقاضا کرتی ہے۔ لیکن میں تجھے اس سے بے خوف دیکھتا ہوں۔ حالانکہ اُس کی ذات سے انکار جہالت کا مقتضی ہے۔ اور میں اپنے آپ کو اُس سے خائف پاتا ہوں آپ نے فرمایا یہ بات میرے لئے نصیحت ہو گئی۔ اور اُس نے بہت سے ناکردنی[1] امور سے مجھے باز رکھا۔ اور آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔

[1] ناکردنی سے نہ کرنے کے قابل۔

اَلسُّکُوْنُ حَرَامٌ عَلٰی قَلْبِ اَوْلِیَائِہٖ ترجمہ۔ اللہ کے دوستوں کے دل پر آرام حرام ہے۔ کیونکہ دنیا میں وہ حالت طلب میں بیقرار اور آخرت میں حالتِ خوشی میں بے چین رہتے ہیں۔ اِس لئے دنیا میں تو حق تعالےٰ سے دُوری کی وجہ سے آرام اُن کے لئے روا نہیں۔ اور آخرت میں حضورِ حق تعالیٰ اور اُس کے دیدار کی تجلّی کی وجہ سے آرام اُن کے لئے جائز نہیں۔ پس دنیا اُن کے لئے آخرت اور آخرت دنیا کی طرح ہے۔ اِس لئے کہ دِلی تسکین دو چیزوں کا تقاضا کرتی ہے۔ مقصود کا پالینا۔ یا مُراد سے غفلت۔ اور اُس کا پالینا دنیا و عُقبےٰ میں جائز نہیں۔ تاکہ دل محبّتِ الٰہی کی خلش سے سکون پا جائے؛ اور غفلت اُس کے دوستوں پر حرام ہے۔ تاکہ دِل طلب الٰہی کی حرکات سے مطمئن ہو جائے اور اہل تحقیق کی طریق میں یہ ایک زبردست اور بُنیادی چیز ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

آٹھویں فصل

حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ

آپ اہل حق کے بادشاہ بارگاہ قُرب الٰہی کے منتخب ہیں۔ بزرگوں درویشوں اور حقیقی صُوفیائے کرام اور کبارِ تبع تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اور آپ کو طریقت کے معاملات اور حقائق میں بہت بڑا رُتبہ اور نصیب کامل حاصل ہے۔ اور آپ طریقت کے اُن مشہور بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ جن کی تمام فرقوں نے تعریف کی۔ اور آپ کے تمام احوال صدق و اخلاص سے معمور ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ ابتدائے عُمر میں ٹھگی اور مرو اور باورد کے درمیان راہزنی کیا کرتے تھے۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے ہر وقت نیکی کی طرف رغبت و میلان رکھتے تھے۔ اور آپ کی طبیعت میں ہمیشہ جوانمردی اور ہمت مرکوز تھی۔ چنانچہ جس قافلہ میں کوئی عورت ہوتی۔ آپ اُس کے پاس تک نہ پھٹکتے۔ اور جس کا سرمایہ تھوڑا ہوتا۔ اُس کا سامان نہ چھینتے۔ بلکہ ہر شخص کے پاس اُس کے سرمایہ سے کچھ چھوڑ دیتے۔ یہاں تک کہ ایک سوداگر مرو سے نکلا۔ اُس سے لوگوں نے کہا بدرقہ[1] ساتھ لے جاؤ۔ کیونکہ فضیل راستہ میں ہے۔ اُس نے کہا۔ میں نے سُنا ہے۔

[1] حفاظتی دستہ

وہ خدا ترس آدمی ہے۔ چنانچہ اُس نے ایک قاری کو اُجرت پر لیا۔ اور اُسے اُونٹ پر بٹھا لیا۔ راستہ میں رات دن قرآن مجید پڑھتا رہا یہاں تک کہ قافلہ اُس مقام پر پہنچ گیا۔ جہاں فضیل گھات لگائے ہوئے تھے۔ تو اتفاق سے قاری یہ آیت پڑھ رہا تھا۔ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت قریب نہیں آیا۔ کہ اُن کے دل ذکرِ الٰہی کے لئے گڑگڑا جائیں۔ یہ سُن کر آپ کے دل میں رقّت طاری ہوئی۔ اور عنایت الٰہی نے آپ کے دل وجان پر قابو پا لیا۔ اور آپ نے اِس شغلِ راہزنی سے سچی توبہ کر لی۔ اور جن لوگوں کا سامان آپ نے لُوٹا تھا۔ اُن سب کا مال واپس کر دیا۔ اور انہیں ہر طرح سے خوش کر دیا۔ اور پھر مکہ مکرمہ میں جا کر ایک مُدّت تک وہاں قیام کیا۔ اور اس اثناء میں بعض اولیاء اللہ کی ملاقات سے بھی مشرف ہوئے۔ بعد ازاں کوفہ میں آ کر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے۔ اور اُن سے اکتساب علم کیا۔ آپ کی روایات بہت عالی اور اہل حدیث کے درمیان بیحد مقبول ہیں۔ اور آپ کا کلام حقائق تصوّف ومعرفت میں بہت بلند ہے۔ اللہ آپ پر رحمت کرے۔ آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ عَبَدَهٗ بِكُلِّ طَاقَتِهٖ۔ ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔ جیسا کہ اُس کو پہچاننے[1] کا حق ہے تو وہ اپنی پُوری طاقت سے اُس کی عبادت کرتا ہے۔ اس لئے کہ جو پہچانتا ہے وہ اُس کے انعام واحسان سے پہچانتا ہے۔ اور اُس کی مہربانی اور رحمت سے پہچانتا ہے۔ اور جب پہچان لیتا ہے۔ تو اُس کو دوست بنا لیتا ہے۔ جب اُس کو دوست بنا لیتا ہے۔ تو جہاں تک ہو سکے۔ اُس کی بندگی کرتا ہے۔ کیونکہ دوست کا فرمان دشوار نہیں معلوم ہوتا۔ پس جس کو دوستی زیادہ ہوتی ہے۔ اُس کو عبادت پر حرص بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اور زیادہ محبت معرفت کے ذریعہ ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے۔ کہ ایک رات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے۔ اور میرے کمرے سے باہر کہیں چلے گئے۔ میں نے خیال کیا۔ کہ شاید آپ کسی دوسری حرم کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ چنانچہ میں اُٹھی اور آپ کے پیچھے تعاقب میں چلی یہاں تک کہ میں نے مسجد میں جا کر دیکھا۔

[1] پہچاننا۔

کہ آپ نماز میں کھڑے رو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آکر نماز صبح کی اذان دی۔ جب نماز صبح ادا کر چکے تو حجرہ میں تشریف لائے۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں مبارک سوجے ہوئے ہیں۔ اور انگلیوں کے پورے پھٹے ہوئے ہیں۔ اور زرد پانی اُن میں جاری ہے۔ میں نے رو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی تو سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں؟ چھوڑیئے یہ کام وہ شخص کرے۔ جو اپنی عاقبت سے امن میں نہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے عائشہ! یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ ترجمہ (کیا میں اُس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں، جب اُس نے فضل و کرم فرما کر مجھے بخشش کی خوشخبری دے دی۔ تو کیا مجھے بندگی نہ کرنی چاہیئے۔ اور اپنی طاقت کے مطابق شکر کر کے اُس کی نعمت کا استقبال نہیں کرنا چاہیئے۔ نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج[1] میں پچاس نمازیں فرمائیں۔ اور اُن کو گراں نہ سمجھا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے سے بارگاہِ رب العزت میں دوبارہ حاضر ہو کر پانچ نمازوں کا حکم لے کر واپس تشریف لائے۔ اس لئے کہ آپ کی طبیعت شریفہ میں فرمانِ الٰہی کی موافقت کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ لِاَنَّ الْمَحَبَّۃَ ھِیَ الْمُوَافَقَۃُ ترجمہ۔ (کیونکہ محبت دوست سے موافقت کا نام ہے۔) نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلدُّنْیَا دَارُ الْمَرْضٰی وَالنَّاسُ فِیْھَا کَالْمَجَانِیْنَ وَلِلْمَجَانِیْنِ فِیْ دَارِ الْمَرْضٰی اَلْغُلُّ وَالْقُیُوْدُ۔ ترجمہ۔ (دنیا بیماریوں کی جگہ ہے۔ اور لوگ اس میں بیماروں کی طرح ہیں۔ اور دیوانوں کے لئے طوق[2] و بیڑیاں ہوتی ہیں۔) اور ہماری نفسانی خواہش ہمارے طوق ہیں۔ اور ہماری نافرمانی ہماری بیڑی ہے۔ فضل بن ربیع نے روایت کی ہے۔ کہ میں خلیفہ ہارون رشید کے ہمراہ مکہ مکرمہ گیا۔ جب ہم حج کر چکے تو خلیفہ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ کیا اولیاء اللہ میں سے کوئی یہاں موجود ہیں۔ تاکہ ہم اُن کی زیارت کریں؟ میں نے کہا

[1] وہ شب جس میں حضور اکرم صلعم مکہ معظمہ سے لے کر بیت المقدس اور وہاں سے عرشِ معلّٰی تشریف لے گئے شب معراج کہلاتی ہے۔ احادیث صحیحہ کی رو سے یہ رات ۲۷ ویں رجب کی تھی۔ [2] گلے کا پھندا

ہاں کیوں نہیں ۔عبدالرزاق صنعانی یہاں موجود ہیں ۔خلیفہ نے فرمایا ۔مجھے اُن کے پاس لے چلو ۔چنانچہ ہم اُن کے پاس گئے ۔اور کچھ دیر تک اُن سے گفتگو کرتے رہے ۔جب ہم نے واپسی کا قصد کیا ۔تو خلیفہ نے اشارہ کیا ۔کہ اُن سے پوچھو ۔کیا اُن پر کچھ قرضہ ہے ؟ میں نے اُن سے پوچھا ۔تو اُنہوں نے کہا ہاں ہے ۔خلیفہ نے فرمایا ۔کہ اُن کا قرضہ ادا کر دینا ۔اور وہاں سے نکل کر کہا ۔اے فضیل ! میرا دل چاہتا ہے ۔کہ اِن سے زیادہ بزرگ آدمی کو دیکھوں ۔میں نے کہا ۔کہ حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ بھی یہاں موجود ہیں ۔تو آپ نے فرمایا ۔چلو ۔اُن کے پاس چلیں ۔ہم اُن کے پاس گئے اور کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے ۔جب ہم نے واپس ہونے کا ارادہ کیا ۔تو خلیفہ نے مجھے اشارہ کیا ۔کہ اُن سے اُن کے قرضہ کے بارے میں پوچھوں ۔میں نے اُن سے پوچھا ۔تو انہوں نے کہا ۔ہاں میرے ذمہ قرضہ ہے ۔خلیفہ نے حکم دیا ۔تو اُن کا قرضہ ادا کر دیا ۔اور وہاں سے باہر نکل کر فرمایا ۔اے فضیل ابھی تک میرا مقصود حاصل نہیں ہوا ۔میں نے کہا مجھے یاد آگیا ۔کہ حضرت فضیل بن عیاض بھی یہاں موجود ہیں ۔چنانچہ میں خلیفہ کو اُن کے پاس لے گیا آپ اس وقت بھر وکہ میں مجھے قرآن پڑھ رہے تھے ۔ہم نے دروازہ کھٹکھٹایا ۔تو آپ نے پوچھا کون ہے ؟ میں نے جواب دیا ۔کہ امیر المومنین ہیں ۔آپ نے فرمایا ۔ہمیں امیر المومنین سے کیا کام ۔میں نے کہا ۔سبحان اللہ ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔لَیْسَ لِلْعَبْدِ اَنْ یُّذِلَّ نَفْسَہٗ فِیْ طَاعَتِہِ اللّٰہِ ترجمہ ۔بندہ کو جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اپنے نفس کو ذلیل کرے ۔ قَالَ بَلٰی اَمَّا الرِّضَاءُ عِزٌّ دَائِمٌ عِنْدَ اَھْلِہٖ ترجمہ ۔آپ نے فرمایا ۔ہاں کیوں نہیں ۔لیکن راضی بقضا اہل رضا کے نزدیک ہمیشہ کی عزت ہے ۔تو اسے میری ذلت سمجھتا ہے ۔لیکن میں حکم الٰہی پر راضی ہونے کی وجہ سے اس کو اپنی عزت سمجھتا ہوں ۔اِس کے بعد نیچے اُتر آئے اور دروازہ کھولا اور چراغ گُل کر دیا ۔اور ایک کونہ میں کھڑے ہو گئے ۔یہاں تک کہ خلیفہ ہارون رشید آپ کو مکان کے اندر تلاش کرنے لگے ۔یہاں تک کہ خلیفہ کا ہاتھ آپ سے ٹکرایا ۔تو آپ نے فرمایا ۔کاش وہ ہاتھ جس سے زیادہ نرم میں نے کوئی

ہاتھ نہیں دیکھا۔ اگر وہ عذاب الٰہی سے چھوٹ جائے۔ تو کیا ہی اچھا ہو۔ یہ سُن کر خلیفہ ہارون رشید رونے لگے اور اتنے روئے۔ کہ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا۔ اے فضیل مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ اے امیر المومنین! آپ کے دادا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے چچا تھے انہوں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ سے درخواست کی کہ مجھے ایک قوم پر امیر بنا دیجئے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا۔ کہ میں نے آپ کے نفس کو آپ کے جسم پر امیر کر دیا۔ یعنی آپ کا ایک سانس عبادت الٰہی میں اس سے بہتر ہے۔ کہ خلقت آپ کی فرمانبرداری کرے اِنَّ الْاَمَارَۃَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ حَسْرَۃٌ وَّ نَدَامَۃٌ۔ ترجمہ۔ (کیونکہ امارت قیامت کے روز شرمندگی کا باعث ہو گی) خلیفہ ہارون رشید نے کہا۔ کچھ اور نصیحت کیجئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ جب عمر بن عبد العزیز رح کو لوگوں نے خلافت پر مقرر کیا۔ تو انہوں نے سالم بن عبد اللہ اور رجا ابن حیات اور محمد بن کعب القرظی رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ کو بلا کر فرمایا۔ کہ میں ان مصائب میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ اس سے نجات پانے کے لئے کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ کیونکہ میں تو اس خلافت کو اپنے لئے ایک بڑی مصیبت سمجھتا ہوں۔ اگرچہ لوگ اسے نعمت سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا۔ اگر آپ قیامت کے روز عذاب الٰہی سے نجات چاہتے ہیں۔ تو بوڑھے مسلمانوں کو اپنے باپ کی طرح اور اُن کے جوانوں کو بھائیوں کی طرح اور اُن کے لڑکوں کو اپنے بیٹوں کی طرح جانیئے۔ پھر اُن سے ایسا برتاؤ کیجئے کہ گھر میں اپنے باپ بھائی اور بیٹے سے کیا کرتے ہیں۔ یہ سارا اسلامی ملک آپ کا گھر اور اُس کے بسنے والے آپ کے اہل و عیال ہیں۔ زُرْ اَبَاکَ وَاَکْرِمْ اَخَاکَ وَاَحْسِنْ عَلٰی وَلَدِکَ۔ ترجمہ (اپنے باپ کی زیارت (خدمت) کر اور اپنے بھائی کی عزت اور اپنے بیٹے سے بھلائی کر) اس کے بعد حضرت فضیل رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے فرمایا۔ اے امیر المومنین! میں ڈرتا ہوں۔ کہ مبادا آپ کا یہ خوبصورت چہرہ آتش دوزخ میں گرفتار ہو جائے۔ اس لئے آپ خدا سے ڈریئے۔ اور اس کا حق بہتر طور پر ادا کیجئے۔ اُس کے بعد ہارون نے کہا۔ کہ کیا آپ پر کچھ قرضہ ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ کہ ہاں خدا تعالیٰ کا قرض میری گردن پر ہے۔ اور وہ اُس کی بندگی ہے۔ اگر وہ مجھے اس کی بابت پکڑے۔ تو

مجھ پر افسوس ہے۔ خلیفہ نے کہا۔ کہ لوگوں کا قرض پوچھتا ہوں آپ نے جواب دیا۔ کہ
اللہ عزوجل کی حمد[1] اور اس کا شکر ہے۔ کہ اس کی بہت بہت نعمتیں مل رہی ہیں
اور مجھے اس کی ذات سے کوئی شکوہ[2] نہیں جس میں اس کے بندوں سے کچھ مدد مانگوں۔
خلیفہ نے ایک ہزار دینار نکالے۔ اور آپ کے سامنے رکھ کر کہا۔ کہ اپنے کسی مصرف[3]
میں صرف کیجئے۔ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ اے امیر المومنین! تو پھر میری
یہ سب نصیحتیں آپ کے لئے کچھ بھی سود مند نہ ہوئیں۔ اور یہیں آپ نے ادر بے انصافی
کو شروع کر دیا۔ خلیفہ نے پوچھا۔ کہ میں نے کیا ناانصافی کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں تو آپ
کو نجات کی طرف بلاتا ہوں۔ اور آپ مجھے بلا میں ڈالتے ہیں۔ یہ بے انصافی نہیں تو کیا ہے
یہ سن کر ہارون اور فضل دونوں آپ کے پاس سے روتے ہوئے نکلے۔ ہارون نے
کہا اے فضل بن ربیع! بادشاہ درحقیقت فضیل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ
دنیا اور اہل دنیا سے اعراض کرتے ہیں۔ دنیا کے زیب وزینت کو حقارت کی نظر
سے دیکھتے ہیں۔ اور دنیا داروں کی محض دنیا کی وجہ سے کوئی خاطر تواضع نہیں کرتے
اور آپ کے مناقب اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ کہ تحریر میں آسکیں۔ واللہ اعلم
بالصواب۔

نویں فصل

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ

آپ تحقیق و کرامت کی کشتی۔ شرف ولایت کے خزانہ ہیں۔ اور بزرگ ترین
تبع تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ ثوبی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا نام
ثوبان تھا۔ اور اپنی قوم کے سرداروں اور طریقت کے ان بزرگوں اور باخبروں
میں سے تھے۔ جو مصیبت اور ملامت کے طریقہ پر چلتے تھے۔ اور اہل مصر عموماً آپ
کے متعلق حیران اور آپ کے احوال کے منکر تھے۔ اور مرنے تک کسی نے آپ
کے حال و جمال کو نہیں پہچانا۔ کہتے ہیں۔ کہ جس رات آپ نے دنیا سے رحلت
کی ستر اشخاص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور آپ
نے فرمایا۔ اللہ کے دوست ذوالنون آیا چاہتے ہیں۔ ہم اس کے استقبال

---

[1] تعریف۔ ثنا۔ ستائش۔ [2] شکایت گلہ۔ [3] خرچ کرنے کی جگہ۔

کے لئے کھڑے ہیں۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ جب آپ کی وفات ہوئی ۔ تو لوگوں نے آپ کی پیشانی پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ ھٰذَا حَبِیْبُ اللّٰہِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰہِ قَتِیْلُ اللّٰہِ۔ ترجمہ: یہ اللہ کا محبوب ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں شہید ہو کر مرا۔ جب آپ کا جنازہ اُٹھایا۔ تو پرندے آپ کے جنازہ پر جمع ہو ہو گئے۔ اور پر سے پر ملا کر آپ کے جنازہ پر سایہ ڈالا۔ یہ دیکھ کر اہل مصر سب اپنے کئے پر پشیمان ہوئے۔ اور جو ستم آپ پر کئے تھے۔ اُن سے توبہ کی۔ علوم کے حقائق بیان کرنے میں آپ کے بہت طریقے اور اچھے کلمات ہیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ اَلْعَارِفُ کُلَّ یَوْمٍ اَخْشَعُ لِاَنَّہٗ فِیْ کُلِّ سَاعَۃٍ مِنَ الرَّبِّ اَقْرَبُ۔ ترجمہ۔ (عارف الٰہی ہر روز زیادہ گڑگڑانے والا ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر ساعت اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے) اور جو شخص زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ لامحالہ اُس کی حیرت اور گڑگڑاہٹ زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کی سلطنت کی ہیبت سے وہ آگاہ ہوتا ہے۔ اور جلال الٰہی اُس کے دل پر غالب آتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اُس سے دُور دیکھتا ہے۔ اور اُس کے وصل کی کوئی صورت نہیں پاتا۔ اس لئے اُس کا خضوع وخشوع گڑگڑانا اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ صَلَوٰۃُ اللّٰہِ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ نے اللہ سے اپنے مکالمہ[1] میں یوں کہا۔ یَا رَبِّ اَیْنَ اَطْلُبُکَ۔ ترجمہ: (اے میرے پروردگار! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟) قَالَ عِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ ارشاد ہوا ٹوٹے ہوئے دلوں میں جو نا اُمید ہو چکے ہیں ۔ آپ نے عرض کیا۔ بار خدایا! میرے دل سے بڑھ کر کوئی دل نا اُمید اور شکستہ نہیں۔ ارشاد ہوا کہ پس میں بھی تیرے ٹوٹے ہوئے دل میں ہوں۔ پس عاجزی اور خوف الٰہی کے بغیر معرفت کا دعوےٰ کرنے والا جاہل ہے۔ نہ کہ عارف۔ اور حقیقت میں معرفت کی سچی علامت سچی ارادت (محبتِ حق) ہے۔ اور سچی محبت الٰہی بندہ کے تمام اسباب کو اور اللہ تعالیٰ کے سوا اُس کے تمام رشتوں کو توڑنے والی ہے۔ چنانچہ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ اَلصِّدْقُ سَیْفُ اللّٰہِ

[1] گفتگو۔ بات چیت۔

فِی اَرْضِہٖ مَا وُضِعَ عَلٰی شَیْءٍ اِلَّا قَطَعَہٗ ترجمہ (سچائی اللہ کی زمین میں اس کی شمشیر ہے۔ کہ جس چیز پر لگتی ہے۔ اُس کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے) اور سچائی اللہ تعالےٰ اسبب کے پیدا کرنے والے کو دیکھتا ہے۔ نہ سبب کو اور جب سبب کو دیکھا۔ تو سچائی کا حکم ساقط ہو گیا۔ میں نے حکایات میں دیکھا ہے۔ کہ ایک روز آپ اپنے رفیقوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے سامنے سے ایک دوسری کشتی آ رہی تھی۔ جس میں مصر کے کھیل کود والے لوگوں کا ایک گروہ بیٹھا ہوا تھا۔ اور حسب معمول شرارتیں اور شور و غل کر رہے تھے۔ آپ کے مریدوں کو ان سے بہت نفرت ہوئی۔ اور کہنے لگے۔ اے شیخ! دعا کیجئے کہ ان سب کو اللہ تعالےٰ غرق کرے۔ تاکہ ان کی نحوست لوگوں سے دور ہو جائے۔ تو حضرت ذُوالنُّون رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے اٹھ کر ہاتھ کھڑے کئے اور دعا کی۔ بارِ خدایا! جیسا کہ اس جماعت کو تُو نے اس جہان میں اچھی زندگی عطا فرمائی۔ ان کو اس جہان میں بھی اچھی زندگی مرحمت فرما۔ مرید آپ کے اس کلام کو سن کر بڑے متعجب ہوئے۔ جب وہ کشتی ذرا اور بھی نزدیک آئی۔ اور ان لوگوں کی نظر حضرت ذُوالنُّون رحمۃ اللہ پر پڑی۔ تو وہ رونے لگے۔ اور ساز سب توڑ ڈالے۔ اور توبہ کر کے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا۔ کہ آخرت کی اچھی زندگی دنیا کی توبہ ہے تم نے دیکھ لیا۔ کہ سب کی مراد حاصل ہو گئی۔ تم اور ان سب لوگوں نے اپنی مراد پالی۔ اور کسی کو کوئی رنج نہ پہنچا۔ اور کلام اس پیرِ حقانی کا نہایت شفقت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس میں آپ نے پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا اقتدا کیا ہے۔ کہ جس قدر کفار حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر ظلم و ستم کی زیادتی کرتے۔ آپ رنجیدہ اور خفا نہ ہوتے بلکہ فرماتے۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ ترجمہ: اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما۔ کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتے۔ نیز آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ میں بیت المقدس سے مصر کے ارادے سے آ رہا تھا۔ راستہ میں میں نے دور سے دیکھا۔ کہ ایک شخص آ رہا ہے۔ میرے دل میں یہ بات آئی۔ کہ یہ جو شخص آ رہا ہے۔ میں اس سے ایک سوال کروں گا۔ جب وہ شخص میرے قریب آیا۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک بوڑھی عورت ہے۔ جس کے ہاتھ میں نوکدار لاٹھی ہے اور اونی جبّہ پہنے ہوئے

ہے۔ میں نے پوچھا۔ مِنْ اَیْنَ ترجمہ (کہاں سے آرہی ہو) فَقَالَتْ اِلَی اللّٰہِ ترجمہ (اُس نے جواب دیا کہ اللہ کی طرف سے) میرے پاس کچھ دینار تھے۔ میں نے وہ نکالے اور اُسے دینا چاہا۔ لیکن اُس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ اے ذوالنون! یہ خیال جو تو نے میرے متعلق کیا ہے۔ تیری عقل کی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ میں تو خدا کا کام کرتی ہوں نہ اُس کے سوا کسی سے کچھ لیتی ہوں نہ اُس کے سوا کسی کو پوجتی ہوں۔ یہ بات کہہ کر وہ مجھ سے الگ ہو گئی۔ اس حکایت میں ایک لطیف رمز ہے۔ کہ اُس بڑھیا نے کہا۔ کہ میں اُس کے لئے کام کرتی ہوں۔ اور یہ بات ذاتِ حق سے اُس کی سچی محبت کی دلیل ہے کیونکہ عمل کرنے والے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں:-

ایک وہ شخص جو کام کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ وہ حق ذات کے لئے کرتا ہے۔ حالانکہ وہ یہ کام اپنے ہی لئے کرتا ہے۔ اگرچہ اُس کی خواہشِ نفسانی اس کام سے منقطع ہوتی ہے لیکن عالمِ عقبیٰ کے ثواب کی ہوس اُس کو ضرور ہوتی ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے کہ عالمِ عقبیٰ کے ثواب و عذاب کا ارادہ اور عالمِ دُنیا کی ریاکاری اور دکھاوا اُس کے عمل سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے۔ حکمِ الٰہی کی تعظیم کے لئے کرتا ہے۔ اور محض حق تعالیٰ کی محبت ہی فرمان کی تعمیل میں اُس کی اپنی غرض کو چھوڑنے کے متقاضی ہوتی ہے۔ پہلے گروہ کا خیال ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ دارِ آخرت کے لئے کرتا ہے۔ وہ حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ اور وہ جانتے ہیں۔ کہ حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں فرمانبردار کو اس سے بہت زیادہ ملتا ہے۔ جو نافرمانی کرنے میں کسی نافرمان شخص کو ملتا ہے۔ کیونکہ نافرمانی کی راحت ایک ساعت کے لئے ہوتی ہے۔ اور فرمانبرداری کی راحت ہمیشہ کے لئے اور خدا تعالیٰ کو مخلوقات کے مجاہدہ اور ریاضت سے نہ کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ اور نہ اُس کے ترک کرنے سے اُسے کوئی نقصان۔ اگر سب اہلِ عالم تصدیق میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مانند ہو جائیں۔ تو اُس کا نفع انہیں کو ہو گا۔ اور اگر وہ سب تکذیبِ حق میں فرعون بن جائیں تو اُس کا نقصان بھی اُنہی کو ہو گا۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَهَا ترجمہ (اگر تم نیکی کرو۔ تو اپنی جان کے لئے کرو گے اگر بُرائی کرو۔ تو بھی اپنے نفس کے

لیے کرو گے۔ نیز اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ۔ ترجمہ۔ اور جو شخص دین میں کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنی جان کے لئے کرتا ہے۔ کیونکہ بلا شبہ اللہ تعالےٰ نے اہلِ عالم سے بالکل بے نیاز ہے۔ لوگ تو اپنے نیک اعمال کی بدولت اپنے لئے ابدی مُلک یعنی جنت کی خواہش کرتے ہیں۔ اور یُوں کہتے ہیں۔ کہ میں یہ کام خدا کے لئے کرتا ہوں۔ لیکن اولیاء اللہ کا محبت الٰہی کے طریقہ پر چلنا کچھ اور ہی چیز ہے۔ کیونکہ وہ فرمانِ حق ادا کرنے میں دوست کے حکم کی تعمیل ہی کو مدِّنظر رکھتے ہیں۔ اور کسی دوسری چیز کی طرف اُن کی آنکھیں نہیں اُٹھتیں۔ اور اس کتاب میں اخلاص کے بارے میں انشاء اللہ بہت سی باتیں بیان کی جائیں گی۔

دسویں فصل

حضرت ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ

آپ سرداروں کے سردار اور بقائے الٰہی کے طریقہ کے سالک ہیں اور طریقت میں یکتائے روزگار اور اپنے ہمسروں کے سردار تھے۔ اور حضرت خضر پیغمبر صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ کے مُرید تھے۔ بہت سے قدمائے مشائخ سے ملاقات کی تھی۔ اور ابو حنیفہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کیا تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ ابتدائے حال میں آپ بلخ کے بادشاہ تھے۔ ایک روز آپ شکار میں اپنے لشکر سے جدا ہو کر ایک ہرن کے تعاقب میں دوڑے۔ خدا تعالےٰ نے اُس ہرن کو آپ کے ساتھ بات کرنے کی توفیق بخشی۔ اور نہایت فصیح زبان سے اُس کی طرف دیکھ کر یُوں کہا۔ أَلِهٰذَا خُلِقْتَ أَوْ بِهٰذَا أُمِرْتَ؟ ترجمہ۔ کیا تم اسی کام کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ یا اسی کا تمہیں حکم دیا گیا ہے؟ اس بات سے آپ اتنے متاثر ہوئے۔ کہ فوراً اللہ تعالےٰ کے حضور میں توبہ کی اور سب اُمورِ سلطنت کو ترک کر کے زہد[1] اور ورع کا طریقہ اختیار کر لیا اور پھر حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان ثوری رَحِمَهُمَا اللّٰهُ کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن کی صحبت اختیار کی۔ اور توبہ کرنے کے بعد ساری عمر اپنے

[1] زہد۔ ترکِ دنیا۔ وَرَع۔ پرہیز گاری خوفِ خدا۔

کسبِ حلال کے سوا اور کچھ نہ کھایا۔ آپ کے معاملات بالکل آشکار اور آپ کی کرامتیں مشہور ہیں۔ اور تصوّف کے حقائق میں آپ کے عجیب کلمات اور بہت عمدہ رموز ہیں۔ حضرت جنیؒ بغدادی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فرماتے ہیں۔ مَفَاتِیْحُ الْعُلُوْمِ اِبْرَاھِیْمُ۔ ترجمہ۔ (تمام علومِ طریقت کی کنجی حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ ہیں) اور آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ فرمایا کرتے تھے۔ اِتَّخِذِ اللّٰہَ صَاحِبًا وَذَرِ النَّاسَ جَانِبًا۔ ترجمہ (اللہ تعالےٰ کو اپنا دوست بنا۔ اور لوگوں کو ایک طرف چھوڑ) مطلب یہ ہے۔ کہ جب بندہ کی توجہ حق تعالےٰ کی طرف درست ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں وہ مُخلص ہو۔ تو پھر یہ توجہ مخلوقات سے اعراض کرنے کا تقاضے کرتی ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کی صحبت کو حق تعالےٰ کی باتوں سے کچھ واسطہ نہیں۔ یاد رکھو کہ حق کی طرف صحیح توجہ اُس کے فرمان کے ادا کرنے میں مُخلص ہونا ہے۔ اور فرمانبرداری میں اخلاص کا جذبہ خالص محبت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور حق تعالےٰ کی خالص محبت نفس اور اُس کی خواہش کی دشمنی سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جو شخص ہوائے نفسانی کا دلدادہ ہو۔ وہ خدا تعالےٰ سے دُور اور جُدا ہوتا ہے۔ اور جو ہوائے نفس سے قطع تعلق کرلیتا ہے۔ وہ حق تعالےٰ سے آرام پاتا ہے۔ پس اپنے حق میں سب مخلوق تو خود ہی ہے۔ جب تو اپنے آپ سے اعراض کرے گا۔ تو ساری مخلوق سے اعراض کرے گا۔ اور جو سب مخلوق سے اعراض کرنے کے باوجود اپنی ذات کی طرف توجہ کرے۔ تو یہ صریح ظلم ہے کیونکہ سب لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں حُکم الٰہی اور اُس کی تقدیر سے ہیں۔ تیرا معاملہ خود اپنے ساتھ ہے۔ اور یاد رکھو! کہ طالبِ حق کے لئے ظاہر و باطن کی استقامت دو چیزوں پر موقوف ہے۔ ایک پہچاننے کے قابل ہے اور دوسری کرنے کے۔ اور جو پہچاننے کے قابل ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام خیر و شر میں اللہ تعالےٰ کی تقدیر کو جانے۔ مطلب یہ کہ ساری دنیا میں حق تعالےٰ کی مشیت کے بغیر نہ کوئی متحرک ساکن ہوسکتا ہے۔ اور نہ کوئی ساکن متحرک اور جو کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ احکام الٰہی کو بجا لائے۔ اعمال کو دُرست رکھے۔ اور حلال و حرام کی تمیز کرے۔ کیونکہ کسی حال میں بھی تقدیر الٰہی ترکِ فرمان کے لئے حجّت نہیں

ہو سکتی۔ پس مخلوق سے اعراض کرنا اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اپنی ذات سے اعراض نہ ہو۔ اور جب تو اپنی ذات سے اعراض کرے گا۔ تو سب مخلوق مُرادِ حق کے حصول کے لئے آمادہ ہو جائے گی۔ اور جب تو حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرے گا۔ تو تُو امرِ حق کے قائم کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ پس مخلوق سے آرام پانے کی کوئی صورت نہیں۔ اور اگر حق کے سوا کسی اور چیز سے تُو آرام پانا چاہے۔ تو البتہ غیر سے آرام حاصل کر کیونکہ غیر سے آرام پانا توحیدِ حق کو دیکھنا ہے۔ اور اپنے ساتھ آرام تعطیل کو ثابت کرنا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت شیخ ابوالحسن سالبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ مُرید کو بلّی کے حکم میں رہنا اس سے بہتر ہے۔ کہ وہ اپنے نفس کے حکم میں رہے۔ اس لئے کہ غیر کی صحبت خدا کے لئے ہوتی ہے۔ اور اپنے نفس کی صحبت خواہش نفس کی پرورش کے لئے ہوتی ہے۔ اس معنی کے متعلق اس کتاب میں اپنی جگہ پر کلام کیا جائے گا۔ اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی حکایات میں یوں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا! کہ جب میں جنگل میں پہنچا۔ تو ایک بوڑھے شخص نے آکر مجھ سے کہا۔ کہ اے ابراہیم! تجھے معلوم ہے۔ کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ جہاں تُو بے سفر خرچ و سواری چلا جا رہا ہے؟ آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جان لیا کہ وہ شیطان ہے۔ اس وقت چار دانگ چاندی کے میرے پاس تھے۔ جو کوفہ میں ایک زنبیل بُن کر اور بیچ کر حاصل کئے تھے۔ میں نے وہ بھی جیب سے نکالے اور پیچھے پھینک دیئے۔ اور میں نے یہ مصمم عزم کیا۔ کہ ہر میل پر چار سو رکعت نماز ادا کروں گا۔ چنانچہ چار سال تک میں اُس جنگل میں رہا۔ اور خداوند تعالےٰ وقت پر برابر روزی پہنچاتا رہا۔ اور اس عرصہ میں حضرت خضر علیہ السلام میرے ہمراہ رہے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم مجھے سکھایا۔ اُس وقت سے میرا دل مخلوقات سے بالکل بے نیاز ہو گیا۔ ان کے علاوہ آپ کے بہت سے مناقب ہیں۔ اور توفیق قبضۂ قدرتِ الہیٰ میں ہے۔

گیارھویں فصل

حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ

آپ معرفت کے تخت - اہل عمل کے تاج اور بزرگ ترین تبع تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ مجاہدہ میں بڑی شان اور معاملات طریقت میں کامل نصیب رکھتے تھے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ کی صحبت میں رہے۔ اور اپنے ماموں علی بن حشرم رحمۃ اللہ کے مرید اور علم اصول و فروع کے معتبر عالم تھے۔ آپ کی توبہ کی یوں ابتداء ہوئی - کہ ایک روز آپ مستی کی حالت میں کہیں جارہے تھے۔ کہ راستہ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا پایا۔ جس پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا ہوا تھا۔ اُس کو آپنے بڑی تعظیم سے اُٹھایا اور عطر لگا کر ایک پاک جگہ میں رکھ دیا۔ اور اُسی رات آپ نے خداوند تعالےٰ کو خواب میں دیکھا۔ اور آپ سے یوں ارشاد فرمایا۔ یَا بِشْرُ طَيَّبْتَ اِسْمِیْ فَبِعِزَّتِیْ لَاُطَيِّبَنَّ اِسْمَكَ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ ترجمہ - اے بشر! تو نے میرے نام کو خوشبودار کیا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے کہ میں تیرے نام کو بھی دنیا و آخرت میں خوشبودار کروں گا۔ کہ جو کوئی تیرا نام سنے گا۔ اُس کے دل میں راحت پہنچے گی۔ تب آپ نے توبہ کی اور زہد کا طریق اختیار کیا۔ کہتے ہیں۔ کہ مشاہدہ حق میں غلبہ حال کی شدت کا یہ عالم تھا۔ کہ کسی چیز کو کبھی اپنے پاؤں میں نہ پہنا۔ آپ سے لوگوں نے جب اس کا سبب دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ زمین اللہ تعالےٰ کا فرش ہے۔ اور میں اس بات کو جائز نہیں رکھتا۔ کہ اس کے فرش پر ایسی حالت میں چلوں کہ میرے پاؤں اور اُس کے فرش کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔ اور یہ بات آپ کے عجیب معاملات میں سے ہے۔ کہ حق تعالیٰ کے ساتھ اپنی ہمت کو جمع کرنے میں جوتا بھی آپ کو حجاب معلوم ہوا۔ آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّكُوْنَ عَزِيْزًا فِی الدُّنْيَا شَرِيْفًا فِی الْاٰخِرَةِ فَلْيَجْتَنِبْ ثَلٰثًا لَا يَسْئَلُ اَحَدًا حَاجَتًا وَلَا يَذْكُرُ اَحَدًا بِسُوْءٍ وَلَا يُجِيْبُ اَحَدًا اِلٰى طَعَامِهٖ۔ ترجمہ - جو شخص چاہے کہ دنیا میں عزیز اور آخرت میں شریف ہوئے تین باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

(اوّل) کسی سے کوئی چیز نہ مانگے۔ (دوم) کسی کو بُرائی سے یاد نہ کرے۔

(سوم) کسی کی دعوت طعام قبول نہ کرے۔

لیکن جو شخص خدا کی راہ جانتا ہے وہ مخلوق سے کوئی حاجت طلب نہیں کرتا کیونکہ مخلوق سے حاجت طلب کرنا عدمِ معرفت کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ اگر قاضی الحاجات[1] کو وہ جانتا تو اپنے جیسے مخلوق سے حاجت طلب نہ کرتا۔ لِاَنَّ اِسْتِعَانَۃَ الْمَخْلُوْقِ مِنَ الْمَخْلُوْقِ کَاِسْتِعَانَۃِ الْمَسْجُوْنِ مِنَ الْمَسْجُوْنِ۔ ترجمہ (کیونکہ مخلوق کا مخلوق سے مدد مانگنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قیدی کا قیدی سے مدد مانگنا۔ اور جو شخص کسی کو بُرا کہتا ہے۔ سو اُس کا یہ کام مُلکِ خدا تعالٰے میں تصرّف ہے۔ کیونکہ وہ شخص اور اس کا فعل دونوں خدا کی مخلوق ہیں۔ اور جو خدا کی مخلوق کو رَد کرتا ہے۔ وہ خود حق تعالٰی کو رَد کرتا ہے کہ جو فعل کو بُرا کہے گا۔ وہ فاعل کو بھی بُرا سمجھے گا سوائے اُس فعل کے جو اُس نے خود فرمایا ہے۔ کہ میری موافقت میں کفار کی مذمت کرو۔ لیکن یہ جو فرمایا ہے۔ کہ کسی کے کھانے سے پرہیز کرو۔ تو وہ اس لئے کہ اصل رازق خدا تعالٰے ہے۔ اگر مخلوق کو تیری روزی کا سبب بنا دے تو تو اس سبب کو نہ دیکھ۔ بلکہ یہ جان لے کہ وہ تیری روزی دراصل خدا تعالٰے ہی نے تجھے پہنچا دی۔ نہ یہ کہ وہ اُس کی ملکیّت ہے۔ اور اگر وہ شخص یوں خیال کرے کہ وہ اُس کی ملکیّت ہے اور اسی وجہ سے وہ تجھ پر احسان کرتا ہے۔ تو بیشک اُس کی دعوتِ طعام کو قبول نہ کر۔ کیونکہ روزی میں کسی کو کسی پر احسان نہیں ہے۔ اس وجہ سے کہ اہلِ سُنّت و جماعت کے نزدیک روزی غذا ہے۔ اور معتزلہ[2] کے نزدیک ملکیّت ہے۔ اور مخلوقات کی خدائے تعالٰی بھی غذاؤں سے پرورش کرتا ہے۔ اور اس کی تاویل کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

بارھویں فصل

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ

آپ معرفت کے آسمان اور محبّت الٰہی کی کشتی ہیں۔ اور بزرگ ترین تبع تابعین میں سے گنے جاتے ہیں۔ مشائخ طریقت میں آپ کا حال سب سے بڑھ کر

---

[1] حاجتوں کو پورا کرنے والا۔ حاجت روا۔ [2] معتزلہ وہ فرقہ ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہے۔ کہ نیکی تو اللہ تعالٰی کی طرف اور بدی خود بندے کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور مذہب کو عقل کے ماتحت جانا ہے

اور شان سب سے بڑی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت جُنَید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔
اَبَا یَزِیْدَ مِنَّا بِمَنْزِلَۃِ جِبْرَائِیْلَ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ۔ ترجمہ۔ (بایزید رحمۃ اللہ کا ہم میں
وہ درجہ ہے۔ جو حضرت جبرائیل کا فرشتوں میں) آپ کے دادا مجوسی تھے۔ اور باپ
بسطام کے بزرگوں میں سے تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے بکثرت
روایتیں بیان کی ہیں۔ اور تصوف کے دس مشہور اماموں میں سے ایک آپ ہوئے
ہیں۔ آپ سے پہلے اس علم تصوف کے حقائق سے استنباط کا اتنا ملکہ کسی کو حاصل
نہیں ہوا تھا۔ جتنا کہ آپ کو حاصل ہوا۔ دراصل آپ تمام احوال میں علم دوست
اور شریعت کی تعظیم کرنے والے تھے۔ برعکس ایک گروہ کے جو الحاد کی وجہ سے
بناوٹی طور پر اپنے آپ کو آپ سے وابستہ کرنے کا دعوے کرتا ہے۔ آپ کا
ابتدائی زمانہ مجاہدہ اور عملی ریاضت میں گزرا ہے۔ چنانچہ آپ سے مروی ہے۔
کہ آپ نے فرمایا ہے۔ عَمِلْتُ فِی الْمُجَاہِدَۃِ ثَلٰثِیْنَ سَنَۃً فَمَا وَجَدْتُ
شَیْئًا اَشَدَّ عَلَیَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَتِہٖ وَلَوْلَا اخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ لَبَقِیْتُ
وَاخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَۃٌ اِلَّا فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ۔ ترجمہ۔ میں نے تیس سال
تک مجاہدہ کیا۔ اس عرصہ میں علم اور اُس کی متابعت سے زیادہ سخت کوئی چیز مجھے
معلوم نہ ہوئی۔ اور اگر علماء کا اختلاف نہ ہوتا۔ تو میں سب امورِ دین کے ادا کرنے
سے قاصر رہ جاتا۔ اور دین کا حق نہ ادا کر سکتا۔ لیکن خالص توحید الٰہی کے سوا سب امور
میں علماء کا اختلاف رحمت ہے اور درحقیقت ایسا ہی ہے کیونکہ طبیعت علم کی نسبت
جہالت کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے۔ اور جہالت میں بہت سے کام بغیر رنج کے کر سکتے ہیں
لیکن علم میں ایک قدم بھی بغیر تکلیف کے نہیں رکھ سکتے۔ اور شریعت کا راستہ آخرت کے پل صراط
سے زیادہ باریک اور پُرخطر ہے پس تمام احوال میں تجھے ایسا ہونا چاہئے۔ کہ اگر طریقت کے
بلند احوال اور بزرگ مقامات سے تو رہ جائے۔ تو البتہ شریعت کے میدان کی طرف توجہ دے
کیونکہ اگر تجھ سے اور سب مقامات جاتے بھی رہیں۔ تو عمل ہی تیرے ساتھ رہ جائے اس لئے
کہ مرید کے لئے سب سے بڑی آفت عمل کا ترک کرنا ہے۔ اور جھوٹے مدعیوں کے تمام دعوے
شریعت پر عمل کرنے کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں۔ اور سب اہل زبان اس کے مقابلہ میں
عاری ہیں۔ اور نیز آپ سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَلْجَنَّۃُ لَاخَطَرَ لَہَا عِنْدَ

اَحْسَنُ الْمَحَبَّۃِ وَاَھْلُ الْمَحَبَّۃِ مَحْجُوْبُوْنَ بِمَحَبَّتِہِمْ۔ ترجمہ۔ (اہل محبت کے نزدیک جنّت کی کچھ وقعت نہیں۔ اور اہل محبت محبّت کی وجہ سے حجاب میں ہیں۔) اور محبت حق کے سوا کوئی چیز اُن کے نزدیک پھٹک نہیں سکتی۔ یعنی بہشت اگرچہ اعلیٰ مقام ہے۔ مگر پھر بھی مخلوق ہے اور محبّت الہی کی صِفت قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ اور جو شخص غیر مخلوق کو چھوڑ کر مخلوق ہی اٹک کر رہ جاتا ہے۔ وہ کم مایہ اور بے قدر ہوتا ہے۔ پس مخلوق دوستانِ حق کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ اور دوستانِ حق اس کی محبت میں محجُوب ہیں۔ اِس لئے کہ غیر کی محبت کا وجود دوئی کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اصلی توحید میں دُوئی ناممکن ہے۔ کیونکہ اللہ کے دوستوں کا راستہ وحدانیت سے وحدانیت کی طرف ہوتا ہے اور یہ بات محبت کے راستہ میں محبت کی خرابی ہے۔ کہ دوستی میں ایک مُرید ہو دوسرا مُراد۔ خواہ مُرید حق تعالےٰ ہو۔ یا مراد بندہ یا مراد حق تعالےٰ ہو۔ اور مُرید بندہ اگر مرید حق تعالیٰ ہو۔ اور مراد بندہ تو حق تعالےٰ کی مُراد کے اندر بندہ کی ہستی ثابت ہوگی۔ اور اگر مرید بندہ ہو اور مراد حق تعالےٰ تو مخلوق کی طلب وارادت کو اُس کی طرف کوئی راستہ نہیں ہوتا (یعنی بندہ کی طلب اور ارادت اُس کو کبھی پا نہیں سکتی) اب اس مقام پر مُحِب میں وجود کی آفت دونوں حالتوں میں باقی رہے گی۔ پس مُحِب کا بقائے محبّت میں فنا ہو جانا۔ اس سے بہتر ہے کہ محبّت کی بقا کی وجہ سے اُس کو فنا حاصل ہو۔ اور نیز آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ ایک دفعہ میں مکہ مکرمہ گیا۔ اور صرف خانہ کعبہ کو دیکھا۔ تو میں نے کہا۔ کہ حج مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کے پتھر تو میں نے بہت دیکھے ہیں۔ دُوسری دفعہ گیا۔ تو خانہ کعبہ کو بھی دیکھا۔ اور مالک خانہ کعبہ کو بھی دیکھا۔ تو میں نے کہا ابھی توحید کی حقیقت حاصل نہیں ہوئی۔ تیسری دفعہ گیا۔ تو صاحب خانہ کعبہ یعنی اللہ تعالےٰ کو دیکھا۔ اور خانہ کعبہ کو نہ دیکھا۔ تب میرے دل میں یہ آواز آئی۔ کہ اسے بایزید اگر تُو اپنے آپ کو نہ دیکھتا۔ اور سارے جہان کو دیکھتا۔ تو مشرک نہ ہوتا۔ اور جب تو سارے جہان کو نہیں دیکھتا۔ اور صرف اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ تو تُو مشرک ہے۔ اُس وقت میں نے اپنی ہستی کو دیکھنے سے توبہ کی۔ بلکہ توبہ سے بھی توبہ کر دی۔ یہ حکایت آپ کے حال کی صحت میں نہایت لطیف اور اہل حال کے لئے عُمدہ نشان ہے۔

تیرھویں فصل

حضرت حارث بن اسد المحاسبی رضی اللہ عنہ

آپ تمام فنون کے امام اور جملہ شبہات کے پتہ لگا لینے والے اور بزرگ ترین تبع تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ علم طریقت کے اصول و فروع کے عالم اور اپنے وقت میں تمام اہل عالم کے مرجع تھے۔ آپ نے اصول تصوف میں رغائب نام کی ایک کتاب لکھی ہے اس کے علاوہ ہر شعبہ میں آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ آپ بلند حال۔ بزرگ ہمت اور اپنے زمانہ میں بغداد کے شیخ المشائخ تھے۔ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا۔ اَلْعِلْمُ بِحَرَکَاتِ الْقُلُوْبِ فِی مُطَالَعَۃِ الْغُیُوْبِ اَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحَرَکَاتِ الْجَوَارِحِ ترجمہ (اپنے عیوب کے مطالعہ میں دلوں کی حرکات کو جاننا ہاتھ پاؤں سے عمل کرنے کی نسبت زیادہ شریف ہے) مراد اس سے یہ ہے کہ علم محل کمال ہے۔ اور جہل محل طلب۔ اور علم درگاہ الٰہی میں جہالت سے بہتر ہے۔ کیونکہ علم آدمی کو کمال کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے اور جہل کو درگاہ کے اندر گھسنے نہیں دیتے۔ حقیقت میں علم عمل کی نسبت زیادہ بزرگ ہے اس لئے کہ خداوند تعالےٰ کو علم سے پہچان سکتے ہیں اور عمل سے اسے پا نہیں سکتے۔ اگر علم کے بغیر عمل کو اس کی درگاہ میں راستہ ہو تو نصاریٰ اور ان کے پادری اپنی سخت کوشش کی وجہ سے مشاہدۂ الٰہی میں داخل ہو جاتے۔ اور عاصی مومن حق سے دور رہتے پس عمل بندہ کی صفت ہے۔ اور علم اللہ کی۔ اور اس قول کے راویوں میں سے بعض کو غلطی واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ دونوں جگہ فقط عمل کی روایت کرتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں۔ اَلْعَمَلُ بِحَرَکَاتِ الْقُلُوْبِ اَشْرَفُ مِنَ الْعَمَلِ بِحَرَکَاتِ الْجَوَارِحِ۔ ترجمہ (حرکات دل سے عمل کرنا اعضاء کی حرکات سے عمل کرنے کی نسبت زیادہ شریف ہے) حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ بندے کا عمل فقط دل کی حرکات سے متعلق نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اس سے تفکر اور احوال باطن کا ملاحظہ مراد ہو۔ تو کچھ عجب نہیں۔ کیونکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ

خَیْرٌ مِنْ عِبَادَةِ سِتِّیْنَ سَنَةً (ترجمہ: ایک ساعت کے لئے دل میں غور و فکر کرنا۔ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے) اور اسی لحاظ سے فی الحقیقت دل کے اعمال۔ اعضاء کے اعمال سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں اور باطن کے احوال و افعال کی تاثیر حقیقت میں ظاہر کے اعمال سے زیادہ کامل ہوتی ہے اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ وَ سَہَرُ الْجَاھِلِ مَعْصِیَةٌ (ترجمہ: عالم کی نیند عبادت ہوتی ہے اور جاہل کی بیداری نافرمانی) اس لئے کہ خواب اور بیداری میں عالم کا دل مغلوب ہوتا ہے اور جب دل مغلوب ہو۔ تو بدن بھی مغلوب ہو جاتا ہے۔ پس دل کا غلبہ حق سے مغلوب ہونا مجاہدہ کی وجہ سے حرکاتِ ظاہر پر نفس کے غلبہ سے بہتر ہے۔ نیز آپ سے روایت ہے کہ ایک روز آپ نے ایک درویش سے کہا۔ کُنْ لِلّٰہِ وَ اِلَّا فَلَا تَکُنْ (ترجمہ: ہو تو اللہ کے لئے ورنہ کچھ بھی نہ ہو) یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ باقی رہ۔ یا اپنے وجود سے فانی ہو جا۔ مطلب یہ ہے کہ صفائے قلب سے اپنی خاطر جمع رکھیئے یا فقر سے اپنے دل کو پریشان۔ یا تو اس صفت سے متصف ہو۔ کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (ترجمہ: آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو) یا اس صفت سے متصف ہو۔ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا (ترجمہ: انسان پر ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی عالم ہستی میں اس کا ذکر تک نہ تھا) لہٰذا اگر تو اپنی مرضی سے خدا تعالیٰ کے لئے ہو جائے گا۔ تو تیرا قیام بذاتِ خود ہو گا۔ اور اگر اپنی مرضی سے خدا کے لئے نہ ہو گا۔ بلکہ خدا کی مرضی سے ہو گا۔ تو تیرا قیام بحق تعالیٰ ہو گا۔ اور یہ معنی بہت لطیف ہے واللہ اعلم۔

چودھویں فصل

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے ایک طلب جاہ نہ کرنے والے۔ اور مخلوق سے قطع تعلق کرنے والے۔ حضرت ابو سلیمان داؤد بن نصر الطائی رحمہ اللہ ہیں آپ

مشائخ کبار و اہل تصوف کے سرداروں میں سے ہوئے ہیں اور اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد، حضرت فضیل و ابراہیم ادہم رحمہما اللہ وغیرہ کے ہمعصر تھے۔ اور حضرت حبیب راعی رحمہ اللہ کے مرید خاص تھے۔ آپ تمام علوم میں کافی دستگاہ اور بلند درجہ رکھتے تھے۔ خاص کر فقہ میں تمام فقہا کے سردار مانے جاتے تھے۔ آپ نے ریاست کو چھوڑ کر گوشہ نشینی اور زہد کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ آپ کے اوصاف حمیدہ بہت ہیں اور آپ کی عمدہ خصلتیں زبان زد عام و خاص ہیں۔ آپ معاملات طریقت کے عالم اور حقائق کے بیان کرنے میں بڑے کامل تھے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک مرید سے فرمایا۔ اِنْ اَرَدْتَ السَّلَامَةَ سَلِّمْ عَلَى الدُّنْيَا وَاِنْ اَرَدْتَ الْكَرَامَةَ كَبِّرْ عَلَى الْاٰخِرَةِ۔ ترجمہ: اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو دنیا کو سلام وداع کر دے۔ اور اگر بزرگی چاہتا ہے تو آخرت پر تکبیر موت پڑھ دے، یعنی یہ دنیا و عقبےٰ دونوں محل حجاب ہیں۔ اور ہر طرح کی فراغت ان ہی دو چیزوں سے وابستہ ہے۔ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ بدن سے فارغ ہو جائے۔ اسے کہہ دو کہ وہ دنیا سے اعراض کرے اور جو یہ چاہے کہ دل سے فارغ ہو۔ اسے چاہیئے۔ کہ عقبےٰ کی محبت اپنے دل سے نکال باہر کرے۔ اور حکایات میں آپ کے متعلق یہ بات مشہور ہے۔ کہ آپ ہمیشہ امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ سے میل جول رکھتے۔ اور امام ابو یوسف القاضی رحمہ اللہ سے بے تعلق رہتے تھے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ دونوں صاحب علم اور بزرگ ہیں۔ آپ کیوں ایک کو عزیز رکھتے اور دوسرے کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے؟ تو آپ نے جواب دیا" اس لئے کہ محمد بن الحسن رحمہ اللہ دنیا اور اس کی تمام نعمتوں کو چھوڑ کر علم میں داخل ہوئے ہیں۔ لہٰذا آپ کا علم دین کی عزت اور دنیا کی ذلت کا باعث ہے اور ابو یوسف رحمہ اللہ درویشی اور ذلت چھوڑ کر علم میں داخل ہوئے ہیں اور پھر علم کو اپنے رتبہ اور عزت کا سبب بنا لیا ہے۔ پس حضرت امام محمد بن الحسن حضرت ابو یوسف القاضی

جیسے نہیں ہو سکتے (بلکہ خلوص میں ان سے بڑھکر ہیں اور حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کی نظر میں دنیا اس قدر حقیر ہو جس قدر حضرت داؤد طائی کی نظر میں غرضیکہ دنیا اور دنیا دار کا آپ کے نزدیک کچھ بھی قدر نہ تھی لیکن فقراء کو آپ کمال عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اگرچہ بظاہر وہ کتنے ہی خستہ حال ہوں اور آپ کے اوصاف حمیدہ بیشمار ہیں واللہ اعلم۔

پندرھویں فصل

حضرت سرّی سقطی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے ایک اہل حقائق کے پیشخ اور تمام تعلقات دنیائی سے بے نیاز حضرت ابو الحسن سری بن مفلس السقطی رحمہ اللہ ہیں۔ آپ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ماموں تھے تمام علوم ظاہری اور تصوف میں آپ کی بہت بڑی شان ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مقامات طریقت کی ترتیب اور احوال عارف کے بسط و وضاحت میں غور و خوض کیا۔ مشائخ عراق میں سے بہت سے بزرگ آپ کے مرید ہیں۔ آپ نے حضرت حبیب راعی رحمہ اللہ کو دیکھا اور ان کی صحبت سے استفادہ کیا اور حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کے مرید تھے آپ بغداد کے بازار میں کباڑی کی دکان کیا کرتے تھے جب بغداد کا بازار جل گیا۔ تو لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کی دوکان جل گئی۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا "چلو اس کی فکر سے فارغ ہوا۔ جب لوگوں نے جاکر دیکھا تو آپ کی دوکان جلی نہ تھی البتہ اس کی چاروں طرف کی سب دوکانیں جل گئی تھیں۔ جب آپ نے ایسا دیکھا تو جو کچھ دکان میں تھا سب درویشوں اور فرورتمندوں میں تقسیم کیا اور خود تصوّف کا راستہ اختیار کر لیا۔ ایک دفعہ آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کا ابتدائی حال کیا تھا؟ تو آپ نے جواب دیا۔ ایک دن حضرت حبیب راعی رحمہ اللہ کا میری دکان پر گزر ہوا۔ میں نے ان کو روٹی کے کچھ ٹکڑے دیے کہ وہ درویشوں کو دے دیں۔ تو انہوں نے میرے لئے یہ دعا کی خَيَّرَكَ اللهُ ترجمہ (اللہ تجھے نیکی دے) اس جس بعد

سے ان کانوں نے آپ کی یہ دعا سنی ہے۔ احوال دنیا کی بہتری مجھ سے جاتی رہی نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ مَھْمَا عَذَّبْتَنِیْ بِہٖ مِنْ شَیْءٍ فَلَا تُعَذِّبْنِیْ بِذُلِّ الْحِجَابِ ترجمہ ۔ اے اللہ! اگر تو کسی چیز سے مجھے عذاب دے۔ تو حجاب کی ذلت سے مجھے عذاب نہ دیجیو۔ اس لیے کہ جب میں تجھ سے حجاب میں نہ ہونگا۔ تو ہر قسم کا عذاب و سختی تیرے ذکر اور مشاہدہ کی وجہ سے مجھ پر آسان ہو جائے گی اور جب تجھ سے حجاب میں ہونگا۔ تو دنیا کی نعمت بھی تجھ سے حجاب کی ذلت کی وجہ سے میری ہلاکت کا باعث ہو گی۔ پس وہ بلا جو بلا میں ڈالنے والے کے حضور میں ہو۔ وہ بلا نہیں بلکہ وہ نعمت ہوتی ہے اور وہ بلائیں ڈالنے والے سے حجاب کی صورت میں حاصل ہو وہ بلا نہیں ہلاکت ہوتی ہے۔ غرضیکہ دوزخ میں کوئی عذاب حجاب سے زیادہ سخت اور مشکل نہیں۔ کیونکہ اگر اہل دوزخ کو دوزخ میں خدا تعالےٰ کا کشف حاصل ہوتا۔ تو گنہگار مومنین کو کبھی بہشت یاد نہ آتی۔ اس لیے کہ دیدار الٰہی سے ان کی جان کو اتنی خوشی ہوتی۔ کہ بدن کی مصیبت اور جسم کے عذاب کی ان کو خبر تک نہ ہوتی اور بہشت میں کوئی کشف دیدار حق سے بڑھ کر نہیں۔ چونکہ اگر وہ بہشت کی نعمتیں بلکہ ان سے سو گنا زیادہ نعمتیں بھی ان کو حاصل ہوں۔ لیکن وہ حق تعالےٰ کی دید سے حجاب میں ہوں تو ان کے دل اور ان کی جانیں ہلاک اور تباہ ہو جائیں۔ پس سنت الٰہی یوں واقع ہوئی ہے۔ کہ وہ تمام احوال میں اپنے دوستوں کا دل اپنی ذاتِ حق کی طرف بینا رکھتا ہے۔ تاکہ تمام مشقت محنت اور بشریت کی مصیبتیں اس کی وجہ سے برداشت کر سکیں۔ البتہ اس حال میں ان کی دعا یوں ہوتی ہے کہ سارے عذاب تیرے حجاب کی نسبت ہمیں زیادہ پسندیدہ ہیں۔ کیونکہ جب تیرا جمال ہمارے دلوں پر جلوہ نما ہو۔ تو تمام مصیبتوں کا ہمیں اندیشہ نہیں۔ واللہ اعلم۔

سولھویں فصل

حضرت شقیق بن ابراہیم ازدی رحمۃ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے ایک اہل بلا و مصیبت کے پر شکر۔ اور زہد و تقوے

کے سربرایہ حضرت ابو علی شقیق بن ابراہیم الازدی رحمہ اللہ ہیں۔ آپ قوم صوفیا کے درمیان معزز ان کے مقتدا اور تمام علوم شرعی اور معاملات طریقت وحقیقت کے معتبر عالم تھے۔ علم طریقت کے مختلف موضوعات پر آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ آپ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کے ہم صحبت تھے۔ اور بہت سے مشائخ کبار کو دیکھا اور ان سے فیض پایا تھا۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جَعَلَ اللّٰہُ اَھْلَ طَاعَتِہٖ اَحْیَاءً فِیْ مَمَاتِھِمْ وَاَھْلَ الْمَعَاصِیْ اَمْوَاتاً فِیْ حَیٰوتِھِمْ ترجمہ: اللہ تعالے نے اپنے اطاعت گذار بندوں کو ان کی موت کے بعد بھی زندہ کر دیا ہے۔ اور نافرمان وگناہ کار بندوں کو ان کی زندگی میں مردہ بتا دیا ہے۔ (یعنی اللہ کا فرمانبردار اگرچہ مردہ ہو۔ زندہ ہوتا ہے۔ کیونکہ فرشتے اس کی فرمانبرداری پر ہمیشہ آفرین کہتے رہتے ہیں۔ اور اس کا ثواب دائمی ہوتا ہے۔ پس وہ اپنی موت کے بعد بھی اپنی، ہمیشہ رہنے والے جزا کے ساتھ باقی وزندہ رہتا ہے۔ آپ کی نسبت روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بوڑھا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اے شیخ! میں بہت گنہگار ہوں۔ چاہتا ہوں کہ توبہ کروں۔ آپ نے فرمایا۔ تو بہت دیر بعد آیا ہے بوڑھے نے کہا نہیں میں تو بہت جلد آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ اس نے کہا کہ جو شخص موت سے پہلے آجائے اگرچہ دیر بعد آئے جلدی آیا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں آپ کی توبہ کی ابتدا یوں ہوئی۔ کہ ایک سال بلخ میں قحط پڑا اور لوگ ایک دوسرے کو کھانے لگے۔ اور مسلمان بہت غمگین ہو رہے تھے۔ آپ نے ایک غلام کو دیکھا جو بازار میں ہنستا اور خوش ہو رہا تھا۔ لوگوں نے اس سے کہا۔ تو کیوں ہنستا ہے؟ تجھے شرم نہیں آتی کہ سب مسلمان تو غم واندوہ میں ہیں اور تو ایسی خوشی کر رہا ہے؟ اس نے کہا مجھے تو کچھ بھی غم نہیں کیونکہ میں تو اس شخص کا غلام ہوں۔ جس کی ملکیت میں ایک گاؤں ہے اس نے میرے دل سے تمام تفکرات کو اٹھا دیا ہے۔ حضرت شقیق رحمہ اللہ نے کہا۔ بارخدایا! یہ غلام اپنے اس مالک پر جو صرف ایک گاؤں کا مالک ہے۔ اتنا خوش ہو رہا ہے۔ اور

تُو تو سارے جہان کا مالک ہے اور ہماری روزی پہنچانے کا تو نے وعدہ کر رکھا ہے پھر بھی ہم نے اپنے دل میں اس قدر غم کو جگہ دے رکھی ہے ؟ یہ محسوس کرتے ہوئے آپ نے دنیا کا سب دھندا چھوڑ چھاڑ کر طریقت کا راستہ اختیار کر لیا۔ اس کے بعد کبھی روزی کا غم نہ کھایا آپ ہمیشہ فخر کے طور پر کہا کرتے۔ کہ میں ایک غلام کا شاگرد ہوں اور جو کچھ میں نے پایا ہے۔ اسی سے پایا ہے آپ کا یہ ارشاد تواضع کی وجہ سے تھا۔ آپ کے مناقب بے شمار ہیں اور توفیق اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

سترھویں فصل

حضرت عبدالرحمٰن الدارانی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے ایک اپنے وقت کے شیخ۔ اور طریق حق کے مرد یگانہ حضرت ابو سلیمان عبدالرحمٰن بن عطیہ الدارانی رضی اللہ عنہ۔ آپ صوفیا میں بڑے معزز اور دلوں کی راحت تھے۔ کی وجہ سے صوفیا میں ایک خاص شہرت کے مالک تھے۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم کے عالم متبحر اور نفس کی گھاتوں سے اچھی طرح خبردار تھے۔ اور معاملات طریقت اور دلوں کی رعایت اور اعضا کی نگہداشت کے متعلق آپ کا کلام نہایت لطیف ہے۔ آپ سے روایت ہے۔ إِذَا غَلَبَ الرَّجَاءُ عَلَى الْخَوْفِ فَسَدَ الْوَقْتُ۔ ترجمہ (جب امید خوف پر غالب ہو جائے تو عارف کا وقت و حال خراب ہو جاتا ہے ، اس لئے کہ وقت سے مراد حال کی نگہداشت ہے۔ پس جب تک بندہ حال کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ خوف اس کے دل پر غالب رہتا ہے۔ جب خوف اٹھ جاتا ہے۔ تو وہ نگرانی احوال کو ترک کر دیتا ہے اور اس کا وقت خراب ہو جاتا ہے۔ اور اگر خوف اس کی امید پر غلبہ کرے تو اس کی توحید باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ خوف کا غلبہ ناامیدی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور حق تعالٰے سے ناامیدی کفر و شرک ہے پس توحید کی حفاظت بندہ کی امید کے صحیح ہونے پر منحصر ہے اور وقت کی نگہداشت

اس کے خوف کی صحت پر۔ جب دونوں (یعنے رجاؤ خوف) برابر ہوں۔ تو توحید اور وقت دونوں محفوظ ہو جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ بندہ توحید کی نگہداشت کی وجہ سے مومن ہوتا ہے اور وقت کی نگرانی سے اس کا مطیع۔ اور رجاء کا تعلق خالص مشاہدہ حق سے ہے۔ جس میں کامل اضطراب ہوتا ہے اور مشاہدہ مجاہدہ کی میراث یعنے ماحصل ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سب امیدیں ناامیدی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور جو شخص اپنے اعمال میں اپنی کامیابی سے ناامید ہو جاتا ہے تو اس کی وہ ناامیدی اس کو کامیابی نجات اور کرم الٰہی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اس کے چہرے پر خوشی کا دروازہ کھول دیتی اور اس کے دل کو طبیعت کی خرابیوں سے صاف کر دیتی ہے اور اسرار الٰہی کے تمام دروازے اس پر کھل جاتے ہیں۔ حضرت احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ایک رات میں خلوت میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو اس میں مجھے بہت ہی راحت حاصل ہوئی۔ جب دوسرے روز میں نے حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم کمزور آدمی ہو۔ ابھی تک مخلوق تمہارے سامنے ہے اس لئے خلوت میں تمہارا حال اور ہے اور جلوت میں کچھ اور۔ حالانکہ دونوں جہان میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ بندہ کو حق تعالےٰ سے روک سکے۔ تم نے دیکھا ہوگا۔ جب دلہن کو لوگوں کے روبرو دکھاتے ہیں تو اس لئے دکھاتے ہیں کہ سب لوگ اس کو دیکھ لیں۔ تاکہ ان کے دیدار سے اس کی عزت بڑھ جائے۔ لیکن اسے خود ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ کہ اس مقصود کے سوا وہ اپنے آپ کو دیکھے کہ اس صورت میں غیر کے دیدار سے اس کو ذلت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر سب لوگ اللہ کے فرمانبردار کی فرمانبرداری کی عزت دیکھیں تو اس فرمانبردار الٰہی کو اس سے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ لیکن اگر وہ خود اپنی فرمانبرداری کو دیکھے تو ہلاک ہو جاتا ہے۔ اللہ اس سے پناہ میں رکھے۔

اٹھارہویں فصل

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک رضائے الہٰی کی درگاہ سے تعلق رکھنے والے حضرت علی بن موسےٰ الرضا رضی اللہ عنہ کے تربیت یافتہ حضرت ابو محفوظ معروف بن فیروز الکرخی رحمہ اللہ ہیں آپ مشائخ متقدمین اور ان کے سرو اعلیٰ میں سے ہوئے ہیں۔ اور جوانمردی میں مشہور۔ اور پرہیزگاری و رجوع الی اللہ میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے آپ کا ذکر مقدم ہونا چاہئے تھا لیکن میں نے دو پہلے بزرگ مؤلفین کی موافقت سے کہ ایک ان میں صاحب نقل اور دوسرے صاحب تصرف ہیں۔ اس مقام پر درج کیا ہے۔ اول ان میں سے شیخ متبرک ابو عبدالرحمٰن اسلمی رحمہ اللہ ہیں۔ کہ ان کی کتاب میں یہی ترتیب ہے۔ اور دوسرے استاد ابوالقاسم القشیری رضی اللہ عنہ ہیں۔ کہ ان کی کتاب کے شروع میں آپ کا ذکر اسی ترتیب سے آیا ہے۔ اس مقام پر میں نے اس لئے لکھ دیا ہے کہ آپ حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کے استاد اور حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ کے مرید ہوئے ہیں۔ ابتدا میں آپ دین سے بیگانہ تھے۔ حضرت علی بن موسےٰ الرضا رضی اللہ عنہ کے دستِ مبارک پر اسلام لائے اور ان کے نزدیک آپ بہت عزیز اور پسندیدہ تھے۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ اور فضائل بہت ہیں اور علم کی تمام شاخوں میں آپ قوم صوفیا کے پیشوا ہوئے ہیں۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے لِلْفُتُوَّۃِ ثَلٰثُ عَلَامَاتٍ وَفَاءٌ بِلَا خِلَافٍ وَمَدْحٌ بِلَا جُوْدٍ وَعَطَاءٌ بِلَا سُؤَالٍ ترجمہ جوانمردی کی تین علامتیں

اول ۔ خلاف ورزی کے بغیر وعدہ پورا کرنا۔

دوم ۔ لالچ اور خواہش انعام کے بغیر مستحق کی تعریف کرنا۔

سوم ۔ مانگے بغیر کسی محتاج کی امداد کرنا

وفا بلاخلاف یہ ہے کہ بندہ عہد عبودیت میں اللہ کی مخالفت اور نافرمانی کو اپنے اوپر حرام کرے۔ اور مدح بے جود یہ ہے۔ کہ کسی سے بھلائی دیکھے بغیر اس کی مدح کرے اور عطا بے سوال یہ ہے کہ جب دولت ہو۔ تو بخشش کرنے میں اپنے پرائے کی تمیز نہ کرے۔ اور جب کسی کا حال زار معلوم ہو تو سوال کئے بغیر

اس کی امداد کرے اور یہ سب باتیں بظاہر اگرچہ مخلوقات کے درمیان وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ سب ان تینوں صفتوں سے عارضی طور پر متصف ہوتے ہیں کیونکہ حقیقت میں یہ تینوں باتیں حق تعالیٰ کی صفت ہیں اور اپنے بندوں کے ذریعہ اسی کا فعل اور یہ اسی کی حقیقی صفت ہے اس لئے کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ عہد کرتے ہیں۔ کوئی خلاف نہیں کرتا ہے۔ بندہ کتنا ہی اپنے عہد کے وفا کرنے میں خلاف کرے حق تعالیٰ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مہربانی کرتا ہے۔ اور اس کے وفائے عہد کی بڑی علامت یہ ہے کہ ازل میں بندہ کے نیک عمل کے بغیر اس کو پیدا کر کے مخاطب کیا۔ اور آج دنیا میں اس کے برے اعمال کے باوجود اسے اپنی درگاہ سے نہیں ہٹاتا۔ غرض یہ کہ مدح بے حد اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ بندہ کے کسی فعل کا محتاج نہیں۔ اور اس کے تھوڑے سے عمل پر بھی اس کی ثنا کرتا ہے اور عطائے بے سوال بھی اس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ کریم ہے۔ ہر ایک کا حال جانتا اور ہر ایک کا مقصود بن مانگے پورا کرتا ہے۔ پس جب خدا تعالیٰ بندہ پر کرم فرماتا اور اس کو بزرگ کر کے اپنے قرب سے اسے مخصوص کر لیتا ہے تو اس کے یہ تینوں معاملات درست فرماتا تھا۔ اور پھر وہ بندہ کوشش سے اپنی طاقت کے مطابق مخلوق کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے۔ اس وقت لوگ اس کا نام جوانمرد　　رکھتے ہیں۔ اور جوانمردوں کے زمرہ میں اس کا نام لکھ دیتے ہیں۔ اور یہ تینوں صفتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام میں بدرجہ کمال پائی جاتی تھیں۔ اور میں انشاء اللہ ان کو اپنے موقعہ پر بیان کرونگا۔

اکیسویں فصل

حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک بندوں کی زینت اور اوتاد کا جمال حضرت ابو عبدالرحمٰن حاتم بن الاصم رضی اللہ عنہ ہیں آپ بلخ کے باحشمت بزرگوں۔ اور خراسان کے قدیم مشائخ میں سے شمار ہوتے ہیں۔ حضرت شفیق رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور حضرت احمد خضرویہ رحمہ اللہ کے استاد محترم ہوئے ہیں اور اپنے تمام حالات میں ابتدا سے انتہا تک صدق کے خلاف آپ نے ایک قدم بھی نہیں رکھا۔ حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ صِدِّیْقُ زَمَانِنَا حَاتِمُ الْاَصَمّ ترجمہ۔ ہمارے

زمانہ کے صدیق حضرت حاتم اصم ہیں۔ نفس کی خرابیوں اور طبیعت کی سرکشیوں کے متعلق میں آپ کا کلام بہت بلند پایہ ہے اور علم طریقت میں آپ کی تصانیف مشہور ہیں۔ آپ سے روایت ہے اَلشَّهْوَةُ ثَلَاثَةٌ شَهْوَةٌ فِی الْاَکْلِ وَشَهْوَةٌ فِی الْکَلَامِ وَشَهْوَةٌ فِی النَّظْرِ۔ ترجمہ نفس خواہش تین قسم ہے:۔

اول ۔ خواہش کھانے میں ۔ کھانے کی خواہش

دوم خواہش کلام میں۔ بات کرنے کی خواہش

سوم خواہش نظر میں۔ دیکھنے کی خواہش

فَاحْفَظِ الْاَکْلَ بِالثِّقَةِ وَاللِّسَانَ بِالصِّدْقِ وَالنَّظْرَ بِالْعِبْرَةِ۔ ترجمہ پس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے حرام سے اپنے کھانے کی حفاظت کر اور سچ بول کر اپنی زبان کی حفاظت کر۔ اور مشاہدہ کائنات سے عبرت حاصل کرکے اپنی نگاہ کو محفوظ رکھ۔

پس جو شخص کھانے میں اللہ پر توکل کرے۔ وہ خواہش طعام سے چھوٹ جاتا ہے اور جو شخص سچ بولے وہ خواہش زبان سے بچ جاتا ہے اور جو آنکھ سے امر حق کو دیکھے وہ خواہش نظر سے نجات پا جاتا ہے اور یہ یاد رکھو کہ توکل کی حقیقت امر حق کے جاننے سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ جو حق تعالیٰ کو صحیح طور پر جان لیتا ہے وہ اس کے روزی پہنچانے پر یقین کر لیتا ہے۔ پھر اپنے سچے علم کی وجہ سے اس کی عبادت کرتا ہے اور اپنی صحیح معرفت کی وجہ سے اس کی ذات و صفات پر غور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا کھانا پینا سوائے محبت الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور اس کی عبادت سوائے وجد[1] کے اور اس کی نظر سوائے مشاہدہ حق کے اور کچھ نہیں ہوتی۔ پس جب وہ حق تعالیٰ کو صحیح طور پر جان لیتا ہے۔ تو حلال کھاتا ہے اور جب سچ بولتا ہے۔ تو اس کا ذکر کرتا ہے۔ اور جب امر حق کو دیکھتا ہے تو اسی کو دیکھتا ہے اس لئے کہ اس کے دیے ہوئے رزق کے اور اجازت کے بغیر کھانا حلال نہیں اور اس کے ذکر کے بغیر اور کسی کا ذکر صحیح نہیں۔ اور اس کے جمال جلال کے دیکھنے کے سوا اس کی موجودات پر نظر ڈالنا جائز نہیں اور جب تو اسی نعمت حق سے کھانا حاصل کرے اور اسی کی اجازت سے کھائے تو خواہش نفس نہ ہو گی۔ اور جب تو اسی کی طرف سے کہے اور اسی کے حکم سے کہے تو وہ بھی خواہش نہ ہو گی۔ اور جب تو اسی کے فعل یعنی مخلوقات کو دیکھے اور اس کے

[1] وجد بہ شوق : قلب کی ایک خاص کیفیت کا نام۔

سے دیکھے تو وہ خواہش نفس نہ ہو گی۔ لیکن جب تو اپنے نفس کی خواہش سے کھانا کھائے۔ اگرچہ حلال ہی ہو وہ خواہش نفس ہو گی۔ اور جب تو خواہش نفس سے کچھ کہیگا۔ اگرچہ ذکر حق ہو۔ وہ جھوٹ اور خواہش نفس ہو گی اور جب تو اپنی خواہش سے دیکھیگا۔ اگرچہ اس سے حق پر استدلال ہی کرے تو وہ وبال اور خواہش نفس ہی ہو گی۔ واللہ اعلم ؛

بیسویں فصل

امام شافعی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک امام مطلبی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا شافع بن السائب کے بیٹے ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف القرشی الشافعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے بزرگوں میں سے شمار ہوتے تھے تمام علوم میں اپنے وقت کے امام اور جوانمردی و پرہیزگاری میں معروف تھے آپ اوصاف حمیدہ اور نہایت بلند پایہ کلام کے مالک ہیں۔ جب تک آپ مدینہ میں رہے۔ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے استفادہ کرتے رہے۔ عراق تشریف لائے۔ تو امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ کی صحبت اختیار کی۔ آپ کی طبیعت ہمیشہ گوشہ نشینی کی طرف مائل رہی اور ہمیشہ طریق تصوف تحقیق و جستجو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک جماعت آپ کے گرد جمع ہو گئی۔ اور آپ کی اقتدا کرنے لگی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ان ہی لوگوں میں سے ایک تھے اس کے بعد جاہ طلبی اور امامت کی کوشش میں مشغول ہو گئے۔ لیکن کچھ مدت کے بعد اس سے بھی باز رہے۔ غرض یہ ہے کہ تمام احوال میں آپ نہایت پسندیدہ عادتوں کے مالک تھے۔ ابتدا میں اہل تصوف کی طرف سے آپ کے دل میں کچھ سختی تھی۔ لیکن جب کہ آپ نے حضرت سلیمان راعی رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی اور ان کا تقرب حاصل کیا۔ تو اس کے بعد جہاں کہیں بھی آپ جاتے حقیقت امر کے طالب رہتے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اِذَا رَأَيْتَ الْعَالِمَ يَشْتَغِلُ بِالرُّخَصِ فَلَيْسَ يَجِيْءُ مِنْهُ شَيْءٌ ترجمہ جب تو کسی عالم کو دیکھے کہ وہ دینی امور میں آسانیاں پیدا کرنے میں

مشغول ہے تو جان لے کہ اس سے کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ علماء ہر قسم کے لوگوں کے پیشوا ہوتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ دین کے کسی امر میں کوئی ان سے آگے بڑھ کے قدم رکھ سکے لہٰذا حق کے راستہ وہ اس وقت تک نہیں پا سکتا۔ جب تک وہ اپنے جملہ اقوال و افعال میں کامل احتیاط اختیار نہ کرے اور علم میں جواز اور رخصت طلب کرنا اس شخص کا کام ہے جو دین میں مجاہدے سے بھاگتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے لئے تخفیف و آسانی پیدا کرے۔ پس علم دین میں آسانی طلب کرنا عوام کا درجہ ہے۔ تاکہ شریعت کے دائرہ سے باہر نہ ہو جائیں۔ اور دین کے تقاضوں کو سختی سے پورا کرنا خاص لوگوں کا درجہ ہے تاکہ اس مجاہدہ کا ثمرہ اپنے دل میں حاصل کریں۔ علماء خاص ہیں۔ اور جب خاص لوگ عام لوگوں کے درجہ پر راضی ہو جائیں تو ان سے کسی چیز کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ دیگر یہ کہ رخصت طلب کرنا فرمانِ الٰہی کو خفیف سمجھنا ہے۔ حالانکہ علماء اللہ کے دوست ہوتے ہیں اور دوست اپنے دوست کے فرمان کو کبھی حقیر نہیں سمجھتے اور اس کے فرمان کو ادنےٰ نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس کے بجا لانے میں پوری احتیاط کرتے ہیں۔ ایک شیخ روایت کرتے ہیں۔ کہ میں نے ایک رات پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے پاس آپ سے یہ روایت پہنچی ہے۔ کہ زمین میں خدائے تعالےٰ کے اوتاد اور اولیا ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا راوی نے تجھے صحیح خبر دی ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ علیہ وسلم! میں ان میں سے ایک ولی اللہ کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ محمد بن ادریس الشافعی ان میں سے ایک ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے اور بھی بہت سے اوصاف حمیدہ ہیں ۔

اکیسویں فصل

حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک سنت رسول کو زندہ کرنے والے اہل بدعت کو مٹانے والے حضرت ابو محمد احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ پرہیزگاری اور تقوےٰ کے ساتھ مخصوص اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے حافظ تھے۔ صوفیا اور علماء دونوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے اور ہر طبقہ کے لوگ آپ

اپنے لئے بابرکت سمجھتے تھے۔ آپ بڑے بڑے مشائخ مثلاً حضرت ذوالنون مصری و بشر حافی و سری سقطی اور معروف کرخی وَغَیْرُھُمْ رَحِمَھُمُ اللہ تعالٰی کی صحبت میں رہے۔ آپ کی کرامتیں نہایت ظاہر اور وزاست بیحد صحیح تھی اور آج کل بعض مشبہین[1] جو کچھ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ آپ پر افترا اور بہتان باندھتے ہیں آپ ان سب باتوں سے بالکل بری ہیں۔ اصول دین میں آپ کا صحیح اعتقاد اور آپ کا مذہب تمام علماء کو پسند ہے۔ اور بغداد میں جب معتزلہ نے غلبہ کیا تو انہوں نے باہمی مشورے سے یہ طے کیا کہ آپ کو قرآن کے مخلوق کہنے پر مجبور کرنا چاہیے۔ آپ بوڑھے اور کمزور تھے آپ کے ہاتھ شکنجہ پر کس کر آپ کو ہزار تازیانے لگائے گئے تاکہ قرآن کو مخلوق کہیں۔ مگر آپ نے نہ کہا۔ کہتے ہیں کہ اس اثناء میں آپ کا ازار بند کھل گیا۔ اور آپ کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اتنے میں ایک غیبی ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے آپ کا ازار بند باندھا۔ جب لوگوں نے یہ کرامت دیکھ لی۔ تو آپ کو چھوڑ دیا۔ لیکن زخموں کی تاب نہ لاکر کچھ دنوں کے بعد آپ نے وفات پائی۔ آخری وقت میں کچھ لوگوں نے آپ کے پاس آکر۔ کہ آپ ان لوگوں کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں۔ جنہوں نے کو آپ کو تازیانے لگائے؟ آپ نے فرمایا۔ میں کیا کہوں۔ ان لوگوں نے تو اپنے زعم میں مجھے اللہ تعالٰے کی خوشنودی کے لئے مارا۔ کہ میں گویا باطل پر ہوں اور وہ حق پر ہیں۔ میں محض اس زخم کی وجہ سے قیامت میں ان کے ساتھ جھگڑا نہیں کروں گا۔ مسائل دین میں آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ جو شخص آپ سے کوئی مسئلہ پوچھتا۔ اگر وہ اعمال کے متعلق ہوتا۔ تو جواب دے دیتے اور اگر حقائق طریقت کے متعلق ہوتا تو بشر حافی رحمہ اللہ کے پاس جاکر پوچھنے کی تاکید کرتے۔ چنانچہ ایک روز ایک شخص نے آکر پوچھا۔ مَا الْاِخْلَاصُ ترجمہ (اخلاص کیا کرتے) قَالَ الْاِخْلَاصُ هُوَ الْخَلَاصُ مِنْ اٰفَاتِ الْاَعْمَالِ ترجمہ آپ نے فرمایا اخلاص اعمال کی خرابیوں سے نجات پانا ہے۔ یعنی تیرا عمل ریا و نقصان سے خالی ہو۔ اس نے پوچھا مَا التَّوَکُّلُ ترجمہ توکل کیا چیز ہے؟ تو آپ نے جواب دیا۔ اَلثِّقَةُ بِاللّٰهِ ترجمہ اللہ پر بھروسہ کرنا۔ اس نے پوچھا۔ مَا الرِّضَاءُ۔ ترجمہ رضا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا

[1] وہ لوگ جو اللہ تعالٰے کے لئے جسم ثابت کرتے ہیں۔

تَسْلِیْمُ الْاُمُوْرِ اِلَی اللّٰہ ترجمہ اپنے تمام امور خدا کے سپرد کر دینا) اس نے پوچھا مَا الْمَحَبَّۃُ ترجمہ (محبت کیا ہے؟) تو آپ نے فرمایا یہ بات بشر حافی رحمہ اللہ سے پوچھو کیونکہ جب تک وہ زندہ ہیں میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ امام احمد حنبل رحمہ اللہ تمام احوال میں امتحان میں ڈالے گئے زندگی میں معتزلہ نے اذیتیں دیں۔ اور وفات کے بعد بعض لوگوں نے آپ پر قسم قسم کی تہمتیں لگائیں۔ حالانکہ آپ ان تمام تہمتوں سے پاک ہیں۔ یہاں تک کہ اہل سنت وجماعت آپ کے حال سے آنکھیں بند کر کے آپ کی طرف کچھ خلافِ شرع باتیں منسوب کیں واللہ اعلم

بائیسویں فصل

حضرت احمد بن الحواری رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے ایک وقت کے چراغ۔ غضب الٰہی کی آفتوں سے آگاہ حضرت ابو الحسن احمد بن الحواری رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ شام کے اجل مشائخ میں سے شمار ہوتے ہیں اور سب کے ممدوح ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت جنید رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ اَحْمَدُ بْنُ الْحَوَارِیْ رَیْحَانَۃُ الشَّامِ ترجمہ (احمد بن الحواری رحمہ اللہ شام کی ناز بو پھول ہیں) علم طریقت کے فنون میں آپ کا کلام بہت بلند اور اشارات بہت لطیف ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی روایت کردہ احادیث سب کے سب صحیح ہیں اور طریقت میں آپ کا اتنا بلند درجہ تھا کہ وقت کے صوفیا اپنے واقعات میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ اور حضرت ابو سفیان بن عیینہ ومروان بن معاویہ الفرازی رحمہما اللہ کی صحبت کے تربیت یافتہ اور سیاح ہونے کی وجہ سے ہر ایک بزرگ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا ہے اَلدُّنْیَا مَزْبَلَۃٌ وَّ مَجْمَعُ الْکِلَابِ وَ اَقَلُّ مِنَ الْکِلَابِ مَنْ عَکَفَ عَلَیْھَا فَاِنَّ الْکَلْبَ یَاْخُذُ مِنْھَا حَاجَتَہٗ وَیَنْصَرِفُ وَالْمُحِبُّ لَھَا لَا یَزُوْلُ عَنْھَا وَلَا یَتْرُکُھَا بِحَالٍ۔ ترجمہ دنیا کوڑے کرکٹ کا مقام ہے اور کتوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ اور جو شخص ہمیشہ اسی پر برقرار رہا وہ کتوں سے بھی کم درجہ ہے۔ کیونکہ کتا تو اس سے اپنی حاجت پوری کر کے واپس لوٹ جاتا ہے۔ لیکن دنیا سے محبت

کرنے والا اس سے الگ نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی حال میں اس کو چھوڑتا ہے یعنی آپ کے نزدیک دنیا اس حد تک حقیر تھی۔ کہ آپ نے دنیا کو کوڑے سے تشبیہ دی اور اہل دنیا کو کتوں سے بھی کم درجہ شمار کیا ہے۔ اور وجہ یہ بتائی کہ چونکہ کتا کوڑے سے اپنی حاجت پوری کر کے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اہل دنیا ہمیشہ اس کے جمع کرنے کے خیال سے اس پر بیٹھے رہتے ہیں۔ اس لئے کتا اہل دنیا سے حرص میں کمتر اور وہ کتے سے درجہ میں کمتر ہوتے ہیں۔ اور یہ بات آپ کے اہل دنیا سے قطع تعلق اور اعراض کی بڑی علامت ہے دراصل اہل طریقت کے لئے دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کر لینا ایک نہایت شاندار گل اور تر و تازہ باغ کی مانند ہے ابتدائے عمر میں آپ علم کی تلاش میں لگ گئے۔ اور اس کے حصول میں اتنی جد وجہد کی کہ اماموں کے درجہ تک پہنچ گئے۔ لیکن آخر کار آپ نے اپنی کتابیں لے جا کر دریا برد کر دیں اور یوں فرمانے لگے۔ نِعْمَ الدَّلِیْلُ اَنْتَ وَاَمَّا الْاِشْتِغَالُ بِالدَّلِیْلِ بَعْدَ الْوُصُوْلِ مُحَالٌ ترجمہ تم مقصود حاصل کرنے کی بڑی اچھی علمی دلیل وحجت ہو۔ لیکن منزل مقصود پر پہنچنے کے بعد دلیل کے ساتھ مشغول ہونا محال ہے۔ کیونکہ رہنما کی ضرورت اسی وقت تک ہوتی ہے کہ مرید راستہ میں ہو۔ جب منزل مقصود کی پیشگاہ اور درگاہ نمودار ہو گئی تو پھر رہنما کی کیا قیمت ہوتی ہے اور مشائخ نے کہا ہے۔ کہ آپ کا یہ کلام حالت سکر میں صادر ہوا ہے۔ اور جس نے یہ کہا ہے کہ وَصَلْتُ ترجمہ (میں واصل بحق ہو گیا) فَقَدْ فَصَلَ ترجمہ (پس وہ حق سے جدا ہو گیا ہے) کیونکہ منزل پر پہنچنا کام سے رک جانا ہے۔ پس شغل ہوتا ہے اور فراغت فراغت اور حق تک پہنچنے کا راستہ مشغولیت و فراغت دونوں ہی میں نہیں ہے کیونکہ یہ شغل اور فراغت دونوں بندہ کی صفات میں وصل حق تعالے اور اس کی توجہ بندہ کی بہبودی کے لئے اللہ تعالے کا ازلی ارادہ ہے۔ اور یہ بات بندہ کی مشغولیت یا فراغت سے حاصل نہیں ہوتی۔ پس حق تعالے تک پہنچنے کا کوئی اصول نہیں۔ پس حق تعالے سے ملازمت یعنی اتصال قربت اور مجاورت کی یعنی نزدیکی کی نسبت جائز نہیں۔ اس کا وصل تو بندہ کو فقط بزرگی عطا کرتا ہے اور اس کا ہجر بندہ کو ذلیل کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی صفات حقیقیہ میں تغیر روا نہیں۔ اور میں علی بن عثمان

جلابی کہتا ہوں۔ کہ اس بات کا احتمال ہے کہ اس بزرگ رہنما احمد بن الحواری رحمتہ اللہ علیہ کی لفظ وصول سے مراد راہِ حق تک پہنچنا ہو نہ کہ ذات حق تک پہنچنا اس لئے کہ کتابوں میں وصول سے مراد راہ حق ہی ہے۔ کیونکہ جب راستہ ظاہر ہو جاتا ہے تو راہنما کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ مقصود ظاہر ہونے کے وقت بیان کرنے میں اتنی ضرورت نہیں ہوتی۔ جتنا کہ مقصود کے غائب ہونے کی صورت میں ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ جب راہ حق مل گئی تو اس کا دکھانا لاحاصل ہو گیا۔ اور جب معرفتِ حق کے صحیح طور بیان کرنے میں زبانیں عاجز ہیں۔ تو کتابیں بدرجہ اولیٰ اس کام میں بیکار ہوں گی۔ اور آپ کے سوا دوسرے مشائخؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ مثلاً شیخ المشائخ ابوسعید فضل اللہ المیہنی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اپنی کتابیں پانی میں ڈال دی تھیں۔ اور رسمی صوفیا کے ایک گروہ نے اپنی ناکامی سستی اور جہالت کے باعث ان اسرار کی تقلید کی۔ کیونکہ اس کام سے ان بزرگوں کی مراد ماسوے اللہ سے دل کو فارغ کرنے اور دنیا سے قطع تعلق کرنے اور اس سے توجہ ہٹانے کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ تاہم یہ بات سوائے حالت سکر اور غلبہ جذب کے درست نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ جو شخص مقام مشاہدہ میں قیام پذیر ہو۔ اس کے مشاہدہ میں دونوں جہان کی کوئی چیز بھی حائل نہیں ہو سکتی۔ جب دل تعلقات دنیا سے منقطع ہو گیا۔ تو کاغذ کے چند ٹکڑوں کی کیا وقعت رہ گئی لیکن جس نے یہ کہا ہے۔ کہ کتاب کو دھونے سے مراد معنیٰ مقصود پانے کے بعد الفاظ و عبارت کی نفی ہے تو جیسا کہ ہم نے کہا ہے اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ عبارت خود زبان سے بھی دور ہو جائے۔ اس لئے کہ کتاب میں عبارت لکھی ہوتی ہے۔ اور زبان پر عبارت جاری ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے ان میں سے کوئی عبارت بھی دوسری سے بہتر نہیں اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احمد بن الحواری رحمہ اللہ کو اپنے حال کے غلبہ میں کوئی شخص ان کے کلام کو سننے والا نہیں ملا۔ اس لئے انہوں نے اپنے حال کی شرح کاغذوں پر لکھ دی اور جب کاغذات بہت سے جمع ہو گئے اور کوئی قابل آدمی نہ ہو کہ ان کو عام طور پر شائع کر دیتا۔ تو انہوں نے سب کاغذات کو پانی میں ڈال دیا اور یوں فرمایا۔ کہ گویا بہت

اچھی دلیل ہے۔ لیکن چونکہ میری مراد تجھ سے حاصل ہو گئی اس لئے اب تجھ سے مشغول ہونا بے فائدہ ہے یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کے پاس کتابیں بہت سی جمع ہو گئی ہوں۔ اور آپ کو اوراد اور معاملات طریقت سے روکتی اور مشغول رکھتی ہوں۔ اس لئے آپ نے اس شغل کو اپنے سامنے سے اٹھا دیا۔ یعنے معنی مقصود کے لئے دل کی فراغت کی طلب میں عبارات کو ترک کر دیا۔ واللہ اعلم

تیئیسویں فصل

حضرت ابوحامد احمد بن خضرویہ البلخی رحمۃ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک۔ جوانمردی کے سرلشکر۔ اور خراسان کے آفتاب حضرت ابوحامد احمد بن خضرویہ البلخی رضی اللہ عنہ ہیں آپ اپنے وقت کے بلند حالی بزرگ اور صوفیا کے پیشوا اور خواص وعوام میں پسندیدہ تھے۔ اور ملامت کے طریق پر چلتے اور سپاہیانہ لباس پہنتے تھے اور آپ کی بیوی فاطمہ اللہ ان پر رحم فرمائے حاکم بلخ کی لڑکی تھیں اور طریقت میں بڑی شان رکھتی تھیں جب انہوں نے سچے دل سے توبہ کرنے کا ارادہ کر لیا تو حضرت احمد بن خضرویہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ مجھ سے نکاح کرنے کے لئے میرے والد سے درخواست کیجئے۔ آپ نے قبول نہ کیا۔ تو دوبارہ آدمی بھیج کر ان سے کہلایا۔ کہ اے احمد! میں تو آپ کو اس سے زیادہ بہادر سمجھتی تھی۔ کہ آپ حق کے راستہ میں راہبر ہونگے۔ نہ کہ راہزن۔ چنانچہ آپ نے ان کے باپ کے پاس آدمی بھیج کر ان سے فاطمہ کے ساتھ نکاح کرنے کی درخواست کی۔ ان کے باپ نے تبرک کے طور پر ان کا نکاح حضرت احمد بن خضرویہ رحمہ اللہ سے کر دیا۔ اسی طرح حضرت فاطمہ رحمہا اللہ نے دنیا کا کام دھندا چھوڑ دیا اور حضرت احمد بن خضرویہ رحمہ اللہ کے ساتھ گوشہ نشین ہو کر دائمی آرام پایا۔ ایک دفعہ ان کا ارادہ حضرت بایزید رحمہ اللہ کی زیارت کا ہوا۔ تو حضرت فاطمہ بھی ان کے ساتھ چلیں۔ اور جب حضرت بایزید رحمہ اللہ کے سامنے آئے۔ تو حضرت فاطمہ نے اپنے منہ پر سے نقاب اٹھا لیا۔ اور آپ سے شوخی کے ساتھ باتیں کرنے لگیں۔ حضرت احمد رحمۃ اللہ کو اس بات سے سخت تعجب ہوا۔ اور دل میں سخت غیرت پیدا ہوئی۔ اور کہنے

گئے۔ اے فاطمہ! بتاؤ حضرت بایزید رحمۃ اللہ کے سامنے تم نے یہ گستاخی کیوں کی حضرت فاطمہ نے جواب دیا کہ آپ تو صرف میری طبیعت کے محرم ہیں اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ میری طریقت کے محرم ہیں۔ چنانچہ میں آپ کے ذریعہ خواہش نفس کی تسکین کرتی ہوں۔ اور ان کے ذریعہ طمانیت روح اور تعلق باللہ حاصل کرتی ہوں۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ بایزید میری صحبت سے بے نیاز ہیں اور آپ میری صحبت کے محتاج ہیں۔ چنانچہ آپ ہمیشہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اسی طرح شوخی سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک روز حضرت بایزیدؒ کی نظر فاطمہ رحمہا اللہ کے ہاتھ پر پڑ گئی۔ جس پر مہندی لگی تھی۔ آپ نے فرمایا اے فاطمہ! تم نے ہاتھ پر مہندی کس لئے لگائی ہے؟ فاطمہ نے کہا اے بایزید اب تک کہ آپ نے میرے ہاتھ اور حنا کو نہیں دیکھا تھا۔ مجھے آپ سے گستاخانہ گفتگو کرنے میں بڑی خوشی حاصل ہوتی رہی۔ اب کہ آپ کی نظر میری آرائش پر پڑی تو آپ کی صحبت حرام ہو گئی۔ بعد ازاں وہ دونوں وہاں سے لوٹ کر نیشاپور میں رہنے لگے اور وہاں کے مشائخ حضرت احمد رحمۃ اللہ سے بہت خوش رہتے تھے اور جب حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور میں آئے۔ اور پھر وہاں سے بلخ جانے کا ارادہ فرمایا۔ تو حضرت احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی دعوت کرنی چاہی۔ حضرت فاطمہ سے مشورہ کیا۔ کہ حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کے لئے کیا چاہیے؟ انہوں نے کہا۔ کہ اتنی گائیں اور بھیڑیں اور اتنی دیگر ضروری اشیاء اور اتنی موم بتیاں اور عطر درکار ہیں اور ان کے علاوہ بیس گدھے ذبح کرنے چاہئیں۔ یہ سن کر حضرت احمد رحمۃ اللہ نے پوچھا۔ کہ گدھوں کے ذبح کرنے کا کیا مطلب؟ انہوں نے کہا کہ جب کوئی شریف کسی شریف کے گھر مہمان آئے تو محلہ کے کتوں کے لئے بھی اس میں کچھ حصہ ہونا چاہیے اور ابو یزید رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِنَ الرِّجَالِ مَخْبُوْءٌ تَحْتَ لِبَاسِ النِّسْوَانِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی فَاطِمَۃَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہَا۔ ترجمہ جو شخص کسی مرد کو عورتوں کے لباس میں چھپا ہوا دیکھنا چاہے اسے فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا کی طرف نگاہ ڈالنا چاہیے۔ اور ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لَوْلَا اَحْمَدُ بْنُ خِضْرُوْیَہ مَا ظَہَرَتِ الْفُتُوَّۃُ۔ اگر احمد بن خضرویہ نہ ہوتے تو جوانمردی

کبھی ظاہر نہ ہوتی غرض یہ کہ آپ کے جملہ ملفوظات بہت ہی پاکیزہ اور بلند مرتبہ ہیں اور معاملات طریقت کے ہر موضوع پر آپ کی کئی مشہور تصانیف ہیں اور آپ کے اداب و نکتہ حقائق کے بیان کرنے میں واضح ہیں اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَلطَّرِیْقُ وَاضِحٌ وَالْحَقُّ لَائِحٌ وَالدَّاعِیْ قَدْ اَسْمَعَ فَمَا التَّحَیُّرُ بَعْدَ هٰذَا اِلَّا مِنَ الْعَمٰی۔ ترجمہ راستہ واضح ہے اور حق روشن اور نگہبان بہت ہی اچھا سننے والا۔ پس اس کے بعد حیرانی صرف دل کے اندھے پن کی وجہ سے ہو سکتی ہے یعنی راستہ ڈھونڈنا بالکل خطا ہے کیونکہ حق آفتاب کی طرح روشن ہے تو اپنی تلاش کر کر کہاں ہے۔ جب تو اپنے آپ کو پالے گا۔ تو راستہ پر آجائیگا اس لئے کہ حق اس سے زیادہ روشن ہے کہ طالب اس کی طلب کرے۔ نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اُسْتُرْ عِزَّ فَقْرِكَ ترجمہ اپنی درویشی کی عزت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھ یعنی لوگوں سے بیان نہ کر کہ میں درویش ہوں۔ تاکہ تیرا بھید ظاہر نہ ہو جائے۔ کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بڑی بھاری کرامت ہے۔ نیز آپ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک درویش نے ماہ رمضان میں ایک غنی کی دعوت کی اور اس کے گھر میں سوائے خشک روٹی کے اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اس کے سامنے وہی پیش کی۔ جب دولت مند واپس ہوا تو ایک تھیلی روپوں کی بھیجدی۔ اس درویش نے وہ تھیلی اس کے پاس یہ کہہ کر واپس کر دی۔ کہ یہ اس شخص کے لائق ہے۔ جو اپنے آپ کو تجھ جیسے شخص پر ظاہر کرے۔ یا وہ دولت مند کو فقیری کی عزت کے لائق سمجھے اور یہ بات اس کے فقر کے صحیح ہونے کی علامت تھی واللہ اعلم۔

چوبیسویں فصل

حضرت عسکری بن الحسین النسفی رحمۃ اللہ علیہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والوں کے پیشوا۔ اور اہل زمانہ کے برگزیدہ حضرت ابو تراب عسکری بن الحسین النسفی رحمۃ اللہ ہیں۔ آپ خراسان کے بڑے مشائخ اور ان کے سرداروں میں سے تھے جوانمردی و زہد و ورع میں بے مثل تھے۔ آپ کی بہت سی کرامتیں اور عجیب باتیں

لوگوں میں مشہور ہیں۔ جو آپ سے جنگلوں میں جگہ جگہ دیکھنے میں آتی ہیں۔ آپ بڑے بڑے صوفی سیاحوں میں سے تھے اور جنگلوں میں بالکل تنہا زندگی بسر کرتے تھے آپ کی وفات بھی جنگل میں ہوئی تھی۔ کئی سال کے بعد وہاں سے جب لوگوں کا گزر ہوا تو دیکھا کہ آپ قبلہ رو کھڑے ہیں۔ اور فوت ہو کر وہیں خشک ہو گئے ہیں مشکیزہ آگے رکھا ہے اور لاٹھی ہاتھ میں ہے۔ نہ کوئی درندہ آپ کے پاس تک پھٹکا ہے اور نہ آپ نیچے گرے ہیں۔ نیز روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَلْفَقِیْرُ قُوْتُہٗ مَاوَجَدَ وَلِبَاسُہٗ مَاسَتَرَ وَمَسْکَنُہٗ حَیْثُ نَزَلَ ترجمہ فقیر کی خوراک وہ ہے جو اس کو مل جائے اور اس کا لباس وہ ہے جو اس کے بدن کو ڈھانپ لے اور اس کی قیام گاہ وہی ہے جہاں وہ اترے۔ اس لئے کہ تینوں چیزوں میں تصرف کرنا غفلت ہے۔ اور سب اہل عالم انہی تینوں چیزوں کی بلا میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ وہ ان تینوں چیزوں میں تکلف کرتے ہیں۔ اور یہ بات تو ظاہری اور دنیاوی معاملات کے لحاظ سے ہے۔ تحقیق کے لحاظ سے درویش کی غذا حالتِ وجد ہے اور اس کا لباس تقویٰ ہے اور مسکن غیب ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَی الطَّرِیْقَۃِ لَاَسْقَیْنٰھُمْ مَّآءً غَدَقًا ترجمہ اور یہ کہ اگر وہ لوگ طریق حق پر ثابت قدم ہو جاتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے نیز ارشاد فرمایا ہے وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ۔ ترجمہ اور ہم نے انہیں لباس عطا فرمایا اور تقویٰ کا لباس بہت بہتر ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْفَقْرُ وَطَنُ الْغَیْبِ ترجمہ فقر غیب کا وطن ہے۔ پس جب اس کا کھانا۔ پینا شراب قربت ہو۔ اور اس کا لباس تقویٰ اور مجاہدہ ہو۔ اور وطن غیب اور انتظار وصل تو پھر فقر کا طریقہ بالکل واضح اور اس کے معاملات ظاہر ہیں اور یہ دراصل کمال کا درجہ ہے۔

پچیسویں فصل

حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ

تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے ایک محبت و وفا کی زبان۔ اور طریقت و ولایت کی زینت۔ حضرت ابو زکریا یحییٰ بن معاذ الرازی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ بہت بلند

حال اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ حق تعالےٰ سے امید رکھنے میں بہت ثابت قدم تھے۔ یہاں تک کہ خضری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے دو یحییٰ تھے۔ ایک انبیاء میں گزرے ہیں۔ اور دوسرے اولیاء میں حضرت یحیٰ بن زکریا علی نبینا وعلیہما السلام نے تو خوف الٰہی کا راستہ ایسے طور پر طے فرمایا کہ خوفِ الٰہی کے سب مدعی ان کے مقابلہ میں اپنی فلاح سے ناامید ہو گئے اور حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے امید کا راستہ ایسے طور پر طے کیا ہے کہ اپنے مقابلہ میں اللہ تعالےٰ سے امید کے تمام مدعیوں کے ہاتھ باندھ دیئے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا حال تو معلوم ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ کا حال کیسا ہوا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ آپ سے نہ جاہلیت کا کام ہوا اور نہ کبیرہ گناہ کبھی صادر ہوا۔ آپ عمل اور مجاہدہ میں اس قدر کوشش جائز رکھتے تھے کہ ہر کوئی اس کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک نے کہا! اے شیخ! آپ کا مقام تو مقام رجاء ہے۔ لیکن آپ کا عمل اللہ سے ڈرنے والوں کا سا ہے۔ آپ نے فرمایا اے بیٹا! جان لے کہ بندگی کا ترک کرنا گمراہی ہے اور خوف ورجاء ایمان کے دو ستون ہیں۔ اور محال ہے کہ کوئی شخص ایمان کے ارکان میں سے کسی رکن پر عمل کرنے کی وجہ سے گمراہی میں پڑے۔ اللہ سے ڈرنے والا شخص تو اللہ سے علیحدگی کے خوف سے عبادت کرتا ہے اور اللہ سے امید رکھنے والا اس کے وصل کی امید سے۔ جب تک عبادت موجود نہ ہو۔ تب تک نہ خوف الٰہی درست ہے۔ نہ رجا بحق۔ اور جب عبادت حاصل ہو۔ تو یہ خوف ورجاء سب صحیح ہو جاتا ہے اور جہاں عبادت کی ضرورت ہے وہاں صرف بیان کچھ سودمند نہیں۔ آپ کی تصانیف نکتے اور اشارے بہت عجیب ہیں اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد پہلا شخص جو مشائخ طریقت میں سے منبر[1] پر چڑھا وہ آپ ہی تھے۔ اور مجھے آپ کا کلام بہت ہی پسند ہے کیونکہ اس کے سننے سے طبیعت کو تازگی اور کانوں کو سرور حاصل ہوتا ہے اور اس کا مفہوم بہت لطیف اور عبارت بہت شستہ ہے اور آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا اَلدُّنْیَا دَارُ الْاَشْغَالِ وَالْاٰخِرَۃُ دَارُ الْاَحْوَالِ وَلَا یَنَالُ الْعَبْدُ بَیْنَ الْاَشْغَالِ

[1] طریقت کے مسائل ومقامات بیان کرنے کے لئے۔

وَالْاَهْوَالِ حَتّٰى يَسْتَقِيْ بِهِ الْقَرَارُ اِمَّا اِلَى الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَى النَّارِ ترجمہ دنیا اعمال کا مقام ہے۔ اور آخرت خوف و خطرہ کا گھر ہے اور بندہ ہمیشہ شغل و خوف مدنوں کے درمیان رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی ایک طرف پر قرار پکڑتا ہے یا تو بہشت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ خوش بجنت ہے وہ دل جو دنیا کے دھندوں سے چھوٹ جائے۔ اور عقبیٰ کے خطرات سے بے خوف ہو جائے۔ اور اپنا ارادہ دونوں عالم سے منقطع کر کے حق تعالےٰ سے اپنا رشتہ جوڑے۔ اور آپ کا مذہب یہ تھا کہ غنا فقر سے افضل ہے۔ کہتے ہیں کہ جب رے میں آپ پر قرضہ بہت ہو گیا۔ تو خراسان کا قصد کیا۔ جب بلخ پہنچے تو لوگوں نے آپ کو وہاں روک لیا چنانچہ آپ نے وہاں قیام فرمایا اور ایک عرصہ تک وہاں کے لوگوں کو وعظ و نصیحت کی۔ جب واپس لوٹنے لگے۔ تو لوگوں نے ایک لاکھ درم آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ رقم لے کر جب آپ رے کی طرف لوٹے۔ تو چوروں نے آپ کو راستہ میں لوٹ لیا۔ اور وہ سب روپے آپ سے چھین لئے۔ اور آپ بالکل خالی نیشاپور میں آگئے۔ اور وہاں آپ کی وفات ہوئی۔ اور آپ تمام احوال میں لوگوں کے درمیان معزز اور وجیہ تھے۔ واللہ اعلم ؂

چھبیسویں فصل

حضرت عمرو بن السالم نیشاپوری رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک مشائخ خراسان کے پیشوا اور اپنے وقت کے بے مثل بزرگ حضرت ابو حفص عمرو بن السالم نیشاپوری الحدادی رحمہ اللہ ہیں۔ آپ نہایت بزرگ اور بلند مرتبہ صوفیا میں شمار ہوتے تھے۔ اور سب مشائخ کے ممدوح تھے۔ حضرت ابو عبداللہ لاہیوردی رحمہ اللہ کی صحبت یافتہ۔ اور حضرت احمد خضرویہ رحمہ اللہ کے رفیق تھے اور شاہ شجاع ایسے شخص کرمان سے چل کر آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ بغداد میں مشائخ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکن آپ عربی بول نہ سکتے تھے۔ جب بغداد پہنچے تو آپ کے ارادتمندوں نے ایک دوسرے سے کہا یہ بہت بری بات ہے کہ خراسان کے شیخ الشیوخ کو ترجمان کی ضرورت ہو۔ تاکہ وہ ان مشائخ کا کلام سمجھ سکیں۔ جب مسجد شونیزیہ میں آئے تو سب مشائخ بھی وہاں آگئے اور حضرت جنید

رحمۃ اللہ بھی ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ آپ نے ان مشائخ سے ایسی فصیح عربی میں کلام فرمایا کہ آپ کی فصاحت سے سب دنگ رہ گئے۔ آپ سے مشائخ نے سوال کیا۔ مَا الْفُتُوَّۃُ؟ ترجمہ (جوانمردی کیا ہے؟) آپ نے فرمایا کہ آپ لوگوں میں سے کوئی صاحب ابتدا کریں۔ اور اس کے متعلق کوئی قول بیان کریں۔ چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ اَلْفُتُوَّۃُ عِنْدِیْ تَرْکُ الرُّؤْیَۃِ وَاِسْقَاطُ النِّسْبَۃِ۔ ترجمہ جوانمردی میرے نزدیک یہ ہے کہ تو جوانمردی کو نہ دیکھے اور جو کام کرے اس کو اپنی طرف نسبت نہ کرے کہ یہ کام میں کرتا ہوں) حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ نے فرمایا مَا اَحْسَنَ مَا قَالَ الشَّیْخُ وَلٰکِنَّ الْفُتُوَّۃَ عِنْدِیْ اَدَاءُ الْاِنْصَافِ وَتَرْکُ مُطَالَبَۃِ الْاِنْصَافِ ترجمہ۔ (شیخ نے بہت اچھا فرمایا ہے۔ لیکن میرے نزدیک جوانمردی یہ ہے۔ کہ اوروں سے انصاف کرے اور دوسروں سے انصاف کا مطالبہ نہ کرے۔ تب حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا اے دوستو! اٹھو کر حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ جوانمردی میں آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد پر غلبہ پا گئے۔ اور کہتے ہیں کہ آپ کی توبہ کی ابتدا یوں ہوئی۔ کہ آپ ایک کنیزک پر فریفتہ ہو گئے لوگوں نے آپ سے کہا کہ نیشاپور کے شارستان[1] میں یہودی جادوگر رہتا ہے۔ تمہارے اس کام کا علاج اس کے پاس ہے۔ چنانچہ ابوحفص اس کے پاس گئے اور اپنا حال بیان کیا۔ یہودی نے کہا کہ چالیس روز تک نماز چھوڑ نہ کوئی اچھا عمل کرو اور نہ نیک نیتی کا کوئی کام دل وزبان پر لاؤ۔ تاکہ میرا جادو اثر کرے اور تیری مراد حاصل ہو۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ جب چالیس روز ہو چکے تو یہودی نے جادو کیا لیکن آپ کی مراد پوری نہ ہوئی۔ یہودی نے کہا۔ کہ ضرور تو نے اس عرصہ میں کوئی نیک کام کیا ہے۔ سوچ لو۔ حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ نے کہا۔ کہ میں نہیں جانتا کہ نیک اعمال میں سے کوئی عمل میرے ظاہر و باطن سے سرزد ہوا ہو۔ سوائے اس کام کے کہ میں ایک روز راستہ میں چلا آ رہا تھا۔ ایک پتھر پڑا ہوا تھا۔ جسے میں نے راستہ سے ہٹا دیا کہ کسی کے پاؤں کو ٹھوکر نہ لگے۔ تب یہودی نے کہا کہ پھر تو اس خداوند کو آزردہ نہ کر جس کا چالیس روز تک تو نے فرمان ضائع کیا مگر اس نے تیرے اتنے

[1] گردونواح۔ دیہات

سے رنج اٹھانے کو بھی ضائع نہیں فرمایا۔ آپ نے یہ سن کر اسی وقت توبہ کی۔ اور وہ یہودی بھی مسلمان ہو گیا۔ اور وہی لوہار کا کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے باورہ جا کر ابو عبد اللہ باوری رحمۃ اللہ کی ملاقات کی اور آپ کے مرید ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد آپ نیشاپور واپس آئے۔ کہتے ہیں کہ روز ایک نابینا بازار میں قرآن پڑھ رہا تھا۔ اور آپ اپنی دکان پر بیٹھے کام کر رہے تھے۔ اس کی قرات آپ پر غالب آئی۔ کہ آپ پر وجد طاری ہوا اور بے خود ہو گئے۔ اور ایسی حالت میں آگ کے اندر ہاتھ ڈال کر آہنگیر کے بغیر تپا ہوا لوہا بھٹی سے باہر نکال لیا۔ جب شاگرد نے آپ کو دیکھا تو بیہوش ہو گیا۔ جب حضرت ابو حفص کو ہوش آیا۔ تو آہنگری کا پیشہ چھوڑ دیا اور پھر کبھی اس کی طرف توجہ نہ دی۔ اور آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا تَرَکْتُ الْعَمَلَ ثُمَّ رَجَعْتُ اِلَیْہِ ثُمَّ تَرَکَنِیَ الْعَمَلُ فَلَمْ اَرْجِعْ اِلَیْہِ ترجمہ میں نے عمل چھوڑ دیا۔ پھر جب میں نے اس کی طرف رجوع کیا۔ تو پھر عمل نے خود ہی مجھے چھوڑ دیا۔ تو میں نے پھر کبھی اس کی طرف رجوع نہیں کیا، اس لئے کہ جس چیز کا چھوڑنا بندہ کے تکلف اور کسب سے ہو اس کا چھوڑنا اس کے کرنے سے بہتر نہیں ہوتا۔ اس بات کی صحت کی دلیل کہ تمام کسب آفات کا محل ہیں۔ یہ ہے کہ قدر و قیمت صرف اس بات کی ہوتی ہے۔ کہ وہ بے تکلف غیب سے حاصل ہو۔ اور جس محل میں ہو بندہ کا اختیار اس کے ساتھ متصل ہو اور حقیقت کا بھید اس سے زائل ہو جائے۔ پس کسی کام کے ترک کرنے اور اختیار کرنے کی نسبت بندہ کی طرف درست نہیں۔ اس لئے کہ عطا و زوال خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی تقدیر سے ہے۔ جب عطائے الٰہی ہو گی۔ تو اس کا اختیار کرنا بھی اسی کی طرف سے حاصل ہو گا۔ اور جب زوال آئے تو اس کا ترک کرنا بھی حق کی طرف سے حاصل ہو گا۔ جب بات ایسی ہے تو قدر و قیمت اس بات کی ہو گی۔ جس کے ساتھ اخذ ترک کا قیام ہے نہ اس بات کی کہ بندہ اپنے اجتہاد سے اس بات کے کرنے اور نہ کرنے والا ہو۔ پس اگر کوئی مرید بارگاہِ حق میں مقبول بننے کے لئے ہزار سال تک کوشش کرے تو وہ ایسا نہیں ہو گا کہ حق تعالیٰ ایک لمحہ اس کے قبول کرنے کے لئے فرمائے۔ غرض یہ کہ دائمی اقبال ازلی قبولیت

سے وابستہ ہے۔ اور ہمیشہ کا سرور سعادت ازلی سے مربوط۔ اور بندہ کو اپنی رہائی کی طرف عنایت الٰہی کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ لیکن باعزت وہ بندہ ہے۔ کہ مسبب الاسباب اسے اسباب کا محتاج نہ رکھے:

ستائیسویں فصل

حضرت حمدون بن احمد القصار رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک اہل ملامت کے پیشوا۔ اور ہر حالت میں راضی بقضا حضرت ابوصالح حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار رحمہ اللہ ہیں۔ آپ قدیم پرہیزگار مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ فقہ اور شریعت کے دوسرے علوم میں اعلےٰ درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ حضرت امام ثوری رحمہ اللہ علیہ کے طریق پر چلتے تھے۔ اور طریقت میں ابوتراب نخشبی کے مرید تھے۔ اور پھر آپ کے حلقہ ارادت میں علی نصر آبادی رحمہ اللہ ایسے بزرگ داخل ہوئے۔ معاملاتِ طریقت میں آپ بہت سے باریک رموز اور مجاہدات میں نہایت دقیق کلام کے حامل تھے روایت ہے کہ جب علم میں آپ کی شان بہت بڑھ گئی تو نیشاپور کے امام و بزرگ لوگوں نے آپ سے کہا کہ آپ کو منبر پر چڑھ کر لوگوں کو نصیحت کرنی چاہیے۔ تاکہ آپ کے کلام سے لوگوں کے دلوں کو فائدہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ابھی کلام کرنا جائز نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ تو آپ نے فرمایا اس لئے کہ میرا دل ابھی تک دنیا اور اس کے مرتبہ سے وابستہ ہے۔ اس سے کسی کو فائدہ نہ ہو گا اور نہ دلوں میں اثر کریگا اور جو کلام دلوں میں مؤثر نہ ہو تو وہ علم کی توہین اور شریعت سے تمسخر ہے۔ کلام کرنا اس شخص کے لئے مسلم ہے جس کی خاموشی سے دین کو نقصان ہو۔ اور جب وہ کلام کرے تو وہ نقصان اٹھ جائے آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ سلف صالحین کا کلام دلوں میں کیوں اتنا زیادہ اثر کرتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا لِاَنَّهُمْ تَكَلَّمُوْا لِعِزِّ الْاِسْلَامِ وَ نَجَاتِ النُّفُوْسِ وَ رِضَاءِ الرَّحْمٰنِ وَ نَحْنُ نَتَكَلَّمُ لِعِزِّ النَّفْسِ وَ طَلَبِ الدُّنْيَا وَ قَبُوْلِ الْخَلْقِ۔ ترجمہ اس لئے کہ سلف صالحین اسلام کی عزت اور جانوں کی نجات اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لئے کلام کرتے تھے اور ہم لوگ اپنے نفس کی عزت اور طلب دنیا اور لوگوں میں مقبول ہونے کے لئے کلام کرتے ہیں، پس جو شخص حق

تعالیٰ کی مراد کے مطابق کلام کرے اور حق بیان کرے تو اس کے کلام میں زور اور رعب ہوتا ہے اور شریروں پر اثر کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنی خواہش اور نفس کے مطابق کلام کرتا ہے۔ اس میں ذلت اور رسوائی ہوتی ہے۔ اور لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور اس کا نہ بولنا اس کے بولنے سے بہتر ہے۔ اس لئے کہ مقصود عبادت و الفاظ سے خود بیگانہ ہوتا ہے۔

اٹھائیسویں فصل

حضرت منصور بن عمار رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک شیخ باوقار۔ اور دلوں کے بھیدوں سے آگاہ۔ حضرت ابو السری منصور بن عمار رضی اللہ عنہ ہیں آپ بزرگ ترین مشائخ میں گنے جاتے تھے۔ عراقی صوفیوں میں سے تھے۔ اور اہل خراسان میں بیحد مقبول تھے۔ وعظ و نصیحت میں آپ کا کلام نہایت اچھا اور بیان بہت لطیف تھا آپ لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے نقلی و عقلی علوم کے بے بدل ماہر اور احکام و معاملات کے بے مثل عالم تھے۔ اور بعض صوفی لوگ آپ کے معاملہ میں حد سے زیادہ مبالغہ کرتے ہیں۔ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ قُلُوْبَ الْعَارِفِيْنَ اَوْعِيَةَ الذِّكْرِ وَقُلُوْبَ الزَّاهِدِيْنَ اَوْعِيَةَ التَّوَكُّلِ وَقُلُوْبَ الْمُتَوَكِّلِيْنَ اَوْعِيَةَ الرِّضَاءِ وَقُلُوْبَ الْفُقَرَاءِ اَوْعِيَةَ الْقَنَاعَةِ وَقُلُوْبَ اَهْلِ الدُّنْيَا اَوْعِيَةَ الطَّمْعِ۔ ترجمہ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے عارفوں کے دلوں کو اپنے ذکر کا محل اور زاہدوں کے دلوں کو توکل کی جگہ اور توکل کرنے والوں کے دلوں کو اپنی رضا کا مقام اور فقیروں کے دلوں کو قناعت کی جگہ اور دنیا والوں کے دلوں کو لالچ کا محل بنا دیا ہے) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے بدن میں جو عضو اور قوت حاسہ پیدا کی ہے۔ اس میں ایک خاص بات اس عضو و قوت کے مناسب رکھ دی ہے۔ چنانچہ ہاتھوں کو گرفت کا محل اور پاؤں کو چلنے کا۔ آنکھوں کو نظر کا، کانوں کو سننے کا اور زبان کو گویائی کا محل پیدا کیا ہے۔ اور ان امور یعنی گرفت، چلنے اور نظر وغیرہ کے وجود و ظہور پذیر ہونے کے مقاصد میں کوئی زیادہ اختلاف

نہیں ہوتا۔ پھر دلوں کو پیدا کیا تو ان میں سے ہر ایک دل میں اس کا خاصہ مختلف رکھا۔ اور ہر ایک میں ارادہ مختلف اور خواہش علیحدہ رکھی۔ چنانچہ ایک دل کو تو معرفت الٰہی کا محل کر دیا اور دوسرے کو گمراہی کا مقام اور تیسرے کو قناعت کی جگہ اور اسی طرح دوسرے دلوں کو مختلف خواص کا محل کر دیا اور حق یہ ہے کہ دلوں کے سوا اور کسی چیز میں حق تعالےٰ کا عجیب فضل زیادہ ظاہر نہیں۔ اور نیز روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَلنَّاسُ رَجُلَانِ عَارِفٌ بِنَفْسِہٖ فَشُغْلُہٗ فِی الْمُجَاھَدَۃِ وَالرِّیَاضَۃِ وَعَارِفٌ بِرَبِّہٖ وَشُغْلُہٗ بِخِدْمَتِہٖ وَعِبَادَتِہٖ وَمَرْضَاتِہٖ ترجمہ لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اپنے نفس کا عارف سو اس کا شغل مجاہدہ اور ریاضت ہوتا ہے۔ دوسرا حق تعالےٰ کا عارف سو اس کا شغل اللہ کی خدمت اس کی عبادت اور اس کی رضا جوئی ہوتا ہے۔ پس اپنے نفس کے عارفوں کی عبادت تو ریاضت ہوتی ہے اور عارفانِ حق کی عبادت رویت حق۔ اور عارفِ نفس تو اس لئے عبادت کرتا ہے کہ کوئی درجہ پا جائے۔ لیکن عارفِ حق بلا غرض عبادت کرتا ہے۔ کیونکہ درجہ تو اس کو ملا ہوا ہوتا ہے۔ پس دونوں مقاموں میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک بندہ تو مجاہدہ پر قائم ہوتا ہے اور دوسرا مشاہدہ پر۔ نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَلنَّاسُ رَجُلَانِ مُفْتَقِرٌ اِلَی اللّٰہِ فَھُوَ فِیْ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ عَلٰی لِسَانِ الشَّرِیْعَۃِ وَالْاٰخَرُ لَا یَرَی الْاِفْتِقَارَ لِمَا عَلِمَ مِنْ فَرَاغِ اللّٰہِ مِنَ الْخَلْقِ وَالرِّزْقِ وَالْاَجَلِ وَالْحَیٰوۃِ وَالسَّعَادَۃِ وَالشَّقَاوَۃِ فَھُوَ فِیْ اِفْتِقَارِہٖ اِلَیْہِ وَاسْتِغْنَائِہٖ بِہٖ عَنْ غَیْرِہٖ ترجمہ ولوگ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی طرف محتاج ہوتا ہے سو وہ ظاہر شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے نہایت اعلیٰ درجہ پر فائز ہے دوسرا گروہ اللہ تعالےٰ کی طرف اپنی احتیاج کو خیال میں نہیں لاتا۔ کیونکہ وہ یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے روزِ ازل سے اس کی پیدائش۔ رزق کی تقسیم۔ اس کی موت۔ سعادت و شقاوت کو مقرر کر کے فارغ ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ اپنی زندگی کے تمام معاملات و واقعات میں تسلیم و رضا کا شیوہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ پس وہ پہلے گروہ کے لوگ

ذات حق کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے رویت تقدیر الٰہی سے حجاب ہیں ہوتے ہیں اور دوسرے گروہ کے لوگ ذاتِ حق کی طرف اپنی احتیاج کو ضروری خیال نہ کرنے کی وجہ سے تجلیاتِ حق کا مشاہدہ کرنے والے ہیں اور اسی کی وجہ سے ماسوائے اللہ سے مستغنی ہوتے ہیں۔ پس ایک ان میں سے نعمت الٰہی حاصل کرتا ہے۔ اور دوسرا خود منعم حقیقی کو پاتا ہے اور جو نعمت پاتا ہے وہ نعمت کے دیکھنے کی وجہ سے اگرچہ غنی ہو فقیر ہوتا ہے اور جو منعم حقیقی کا مشاہدہ کرتا ہے اگرچہ وہ فقیر ہو غنی ہوتا ہے۔

اتیسویں فصل

حضرت احمد بن عاصم انطاکی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک اولیا کے ممدوح اور اہل رضا کے پیشوا حضرت ابوعبداللہ احمد بن عاصم انطاکی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ صوفیا کے بزرگوں اور ان کے سرداروں میں سے تھے۔ آپ علوم شریعت کے اصول و فروع اور معاملات طریقت کے بڑے عالم تھے آپ نے لمبی عمر پائی تھی۔ قدیم مشائخ کی ہم نشینی۔ اور اتباع تابعین سے ملاقات کی تھی۔ اور بشر حافی و سری سقطی رحمہما اللہ کے ہمعصروں میں سے تھے۔ اور حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ کے مرید تھے اور حضرت فضیل رحمہ اللہ کی زیارت کئے ہوئے اور ان کی صحبت کے فیض یافتہ تھے۔ اور سب لوگ آپ کی تعریف کرتے تھے اور صوفیہ کرام کے مروجہ علوم میں آپ کا کلام بلند ہے۔ اور لطیف اشارے نفع مند ہیں۔ اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اَنْفَعُ الْفَقْرِ مَا كُنْتَ بِهٖ مُتَجَمِّلًا وَبِهٖ رَاضِيًا۔ (سب سے زیادہ نفع بخش وہ فقر ہے کہ تو اس سے اپنے آپ کو آراستہ کرے اور اس پر راضی ہو۔ یعنی ساری مخلوق کا جمال تو اسباب کے ثابت کرنے سے ہوتا ہے۔ اور فقر کا جمال اسباب کی نفی مسبب کے ثابت کرنے اس کی طرف متوجہ ہونے اور اس کے احکام پر راضی ہونے میں ہوتا ہے اس لئے کہ فقر سبب کا فقدان ہوتا ہے اور غنا سبب کا موجود ہونا فقر بے سبب خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور فقر با سبب اپنی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس سبب حق سے حجاب کا محل ہے اور ترک اسباب کشف و مشاہدہ حق کا محل ہے اور دونوں جہان کا جمال مشاہدہ حق اور اس کی رضا میں ہے اور سارے

عالم کی ناراضگی حق تعالےٰ سے حجاب کی صورت میں ہے اور یہ ذکر فقر کی تفصیل میں واضح طور پر بیان کیا جائے گا۔

تیسویں فصل

حضرت ابو محمد عبداللہ بن خبیق رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک پرہیز گاری و تقوے کے راستہ پر چلنے والے اور زہد و ورع میں امت کے یحیٰ حضرت ابو محمد عبداللہ بن خبیق رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ دنیا سے بے تعلق اور تمام حالات میں کامل پرہیز گار صوفیا کرام میں سے آپ کا شمار ہوتا ہے اور آپ کی روایت کردہ احادیث سب صحیح اور عالی مرتبہ ہیں فقہ معرفت اور حقیقت میں آپ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو تھے۔ اور آپ تے شاگرد اور اصحاب کو دیکھا اور ان کی صحبت سے فیض اٹھایا اور طریقت کے معاملات و مقالات میں آپ کا کلام نہایت لطیف ہے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے مَنْ اَرَادَ اَنْ یَکُوْنَ حَیًّا فِیْ حَیَاتِہٖ فَلَا یُسْکِنَ الطَّمْعَ فِیْ قَلْبِہٖ جو شخص اپنی زندگی میں حقیقی طور پر زندہ رہنا چاہتا ہے اسے اپنے دل میں طمع کو جگہ نہ دینی چاہئے۔ تاکہ وہ سختی و وبال سے آزاد ہو جائے اس لئے کہ لالچی آدمی کے جذبات لالچ کی وجہ سے مردہ ہو جاتے ہیں۔ پس دل میں لالچ کی مثال ایسی ہے جیسے دل پر مہر لگی ہو اور مہر لگا ہوا دل لامحالہ مردہ ہوتا ہے خوش بخت ہے وہ دل کہ ماسوائے اللہ سے مردہ اور حق تعالےٰ کے ساتھ زندہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے دل کے لئے ایک عزت اور ایک ذلت پیدا کی ہے۔ اپنے ذکر کو دل کی عزت اور لالچ کو اس کی ذلت بنا دیا ہے چنانچہ آپ ہی فرماتے ہیں۔ خَلَقَ اللّٰہُ الْقُلُوْبَ مَسَاکِنَ الذِّکْرِ فَصَارَتْ مَسَاکِنَ الشَّھْوَاتِ وَلَا یَمْحُوا الشَّھْوَاتِ مِنَ الْقُلُوْبِ اِلَّا خَوْفٌ مُزْعِجٌ اَوْ شَوْقٌ مُقْلِقٌ۔ ترجمہ اللہ تعالےٰ نے دلوں کو اپنے ذکر کا مسکن بنایا۔ پس وہ نفس کی صحبت کے باعث شہوات کا مسکن بن گئے اور شہوات کو دلوں سے یا تو بیقرار کرنے والا خوف ہی مٹا سکتا ہے۔ یا بے آرام کرنے والا شوق۔ پس شوق اور خوف ایمان کے دو ستون ہیں جب دل ایمان کا محل ہو۔ تو اس کے ساتھ قناعت اور ذکر الٰہی ہوتا ہے نہ کہ طمع اور غفلت۔ پس مومن

کا دل لالچی اور شہوات کا تابع نہیں ہوتا۔ کیونکہ طمع اور خواہش نفس وحشت کا نتیجہ ہوتے ہیں اور وحشت زدہ دل کو ایمان کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایمان کو حق تعالیٰ سے انس ہوتا ہے اور غیر سے وحشت۔ چنانچہ بزرگوں نے کہا ہے۔ کہ اَلطَّمَّاعُ مُسْتَوْحِشٌ مِنْہُ کُلُّ وَاحِدٍ۔ ترجمہ طمع کرنے والے سے ہر ایک وحشت اور نفرت کرتا ہے)

اکتیسویں فصل

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک طریقت میں شیخ المشائخ۔ اور شریعت میں اماموں کے امام۔ حضرت ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید البغدادی رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں۔ آپ اہل ظاہر وارباب قلوب میں یکساں طور پر مقبول تھے اور فنون علم کے کامل۔ فروع و اصول اور معاملات دین میں مفتی اور امام تھے۔ آپ امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہوئے ہیں۔ آپ کا کلام بہت بلند ہے اور آپ کے احوال کامل ہیں۔ یہاں تک کہ سب اہل طریقت آپ کی امامت پر متفق ہیں۔ اور کسی مدعی اور متصرف کو آپ پر کوئی اعتراض نہیں اور آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے خواہرزادہ اور مرید تھے۔ ایک روز حضرت سری سقطی رحمہ اللہ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ کسی مرید کا درجہ اپنے پیر سے بلند ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اس کی دلیل بالکل واضح ہے۔ جنید رحمہ اللہ کا درجہ میرے درجہ سے اونچا ہے اور آپ کا قول تواضع کی وجہ سے تھا۔ اور جو کچھ آپ نے فرمایا وہ بصیرت سے فرمایا ہے ورنہ کوئی شخص اپنے سے اوپر نہیں دیکھ سکتا۔ دیکھنا نیچے سے تعلق رکھتا ہے اور آپ کا یہ قول اس امر کی دلیل واضح ہے۔ کہ آپ نے جنید رحمہ اللہ کو اپنے سے اوپر کے درجے میں دیکھا۔ جب دیکھا اگرچہ اپنے اوپر دیکھا۔ لیکن وہ درجہ دراصل نیچے ہے۔ اور یہ بات مشہور ہے کہ حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کی زندگی میں مریدوں نے حضرت جنید رحمہ اللہ سے کہا کہ اے شیخ! ہمیں کوئی ایسی نصیحت فرمائیے جس سے ہمارے دلوں کو راحت ہو۔ آپ نے قبول نہ کیا۔ اور فرمایا۔ کہ جب تک میرے شیخ (حضرت سری رحمہ اللہ) موجود

ہیں۔ میں کوئی نصیحت نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ ایک رات آپ سو رہے تھے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا اے جنید! لوگوں کو نصیحت کی بات کیا کرو کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی کلام کو ایک عالم کی نجات کا سبب بنادیا ہے۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کے دل میں خیال آیا کہ میرا درجہ شاید سری رحمہ اللہ کے درجہ سے بڑھ گیا ہے۔ تبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ جب صبح ہوئی۔ تو حضرت سری رحمہ اللہ نے ایک آدمی بھیجا کہ جب جنید رحمہ اللہ نماز ادا کرے تو اسے کہو کہ مریدوں کے کہنے سے تم نے انہیں کوئی نصیحت نہ کی اور مشائخ بغداد کی سفارش بھی تو نے رد کردی اور میں نے پیغام بھیجا۔ تب بھی تم نے وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری نہ کیا اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ان کے حکم کی تعمیل تو ضرور کرنا چاہیے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس ارشاد مرشد کے بعد وہ خیال میرے دماغ سے نکل گیا اور میں نے جان لیا کہ حضرت سری رحمہ اللہ تمام احوالِ میں میرے ظاہر و باطن سے آگاہ ہیں اور آپ کا درجہ میرے درجہ سے اوپر ہے کیونکہ آپ میرے اسرار پر واقف ہیں اور میں آپ کے احوال سے بالکل بے خبر ہوں چنانچہ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے خیال سے استغفار کیا۔ اور پھر آپ سے پوچھا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے اللہ تعالےٰ کو خواب میں دیکھا کہ مجھے ارشاد فرمایا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے کہ وہ جنید رحمہ اللہ سے ارشاد فرمائیں۔ کہ وہ لوگوں کو نصیحت کریں۔ تاکہ بغداد والوں کی مراد حاصل ہو۔ اس حکایت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ مرشد جس حالت میں ہوں اپنے مریدوں کے حال سے آگاہ ہوتے ہیں۔ آپ کا کلام نہایت عالی۔ اور آپ کے رموز بہت لطیف ہیں۔ آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے۔ عَلَامُ الْاَنْبِيَاءِ نَبَاءٌ عَنِ الْحُضُوْرِ وَ كَلَامُ الصِّدِّيْقِيْنَ اِشَارَةٌ عَنِ الْمُشَاهِدَةِ انبیا کا کلام حضور رب العزت کی خبر دیتا ہے اور صدیقین کا کلام تجلیات الٰہی کے مشاہدہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خبر کی صحت دیکھنے سے ہوتی ہے اور

اشارہ کی صحت سوچنے سے نیز خبر اصل کے سوا نہیں دی جا سکتی۔ اور اشارہ غیر کے سوا نہیں ہو سکتا۔ پس صدیقین کی نہایت کا کمال انبیاء کرام کے حال کی ابتدا ہوتا ہے۔ اس تحقیق سے نبی و ولی کے درمیان فرق اور انبیا کی اولیاء پر فضیلت واضح ہوتی ہے اور وہ گروہ جو اولیاء کو انبیائے کرام پر فضیلت میں مقدم سمجھتے ہیں وہ بے دین ہیں نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ میں نے آرزو کی کہ ابلیس کو دیکھوں۔ ایک روز میں مسجد کے دروازہ پر کھڑا تھا کہ ایک بڈھا آدمی دور سے میری طرف آتا نظر آیا۔ اسے دیکھ کر میرے دل میں وحشت پیدا ہوئی۔ جب وہ میرے قریب پہنچا میں نے کہا اے بوڑھے! تو کون ہے؟ کہ وحشت کی وجہ سے میری آنکھ تجھے دیکھ نہیں سکتیں اور میرا دل خوف کی وجہ سے تیرا خیال نہیں کر سکتا۔ اس نے جواب دیا کہ میں وہ ہوں جس کے دیکھنے کی آرزو تھی۔ میں نے کہا۔ اے ملعون! آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے روک دیا تھا۔ اس نے کہا اے جنید! تجھ ایسے خدا پرست کے دل میں یہ خیال کیونکر سمایا۔ کہ میں اس کی ذات کے سوا کسی اور کو سجدہ کروں؟ حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اس کی بات سے سخت متحیر ہوا اور کوئی جواب سمجھ میں نہ آسکا کہ ناگاہ میرے دل میں یہ ندا آئی قُلْ لَّهٗ كَذَبْتَ لَوْ كُنْتَ عَبْدًا مَّامُوْرًا لَّمَا خَرَجْتَ مِنْ اَمْرِهٖ اِلٰى نَهْيِهٖ فَسَمِعَ النِّدَاءَ مِنْ قَلْبِىْ فَصَاحَ وَقَالَ اَحْرَقْتَنِىْ بِاللّٰهِ وَغَابَ۔ ترجمہ! اے جنید! اس سے کہو کہ تو جھوٹ کہتا ہے اگر تو اللہ تعالٰے کا فرمانبردار بندہ ہوتا تو اس کے حکم سے نکل کر اس کی نہی کے قریب بھی نہ پھٹکتا۔ پس اس نے میرے دل سے یہ ندا سنی اور چیخ مار کر کہنے لگا کہ بخدا تو نے تو مجھے اللہ کی تائید سے جلا دیا اور یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔ یہ حکایت شیطان سے آپ کی حفاظت اور عصمت کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ خداوند تعالٰے اپنے اولیاء کو تمام احوال میں شیطان کے تصرف اور وسوسوں سے محفوظ رکھتا ہے کہتے ہیں کہ آپ کی طرف سے ایک مرید کے دل میں رنج پیدا ہوا۔ اور اس نے سمجھا کہ شاید وہ ایک درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ اس لئے اس نے آپ سے روگردانی کر لی۔ ایک روز وہ مرید آپ کی آزمائش

کرنے کے لئے آیا۔ اور آپ اس کے احوال سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اس کے آنے کا مقصد فوراً سمجھ گئے۔ چنانچہ اس نے آپ سے کوئی سوال کیا تو آپ نے جواب دیا۔ کہ اس سوال کا جواب تو الفاظ میں چاہتا ہے یا معنی میں؟ اس نے کہا دونوں جواب چاہتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اگر تو اس سوال کا جواب لفظوں میں چاہتا ہے تو یہ ہے کہ اگر خود تو نے تجربہ کیا ہوتا۔ تو میرے آزمانے کی تجھے حاجت نہ ہوتی اور یہاں آزمائش کے لیے نہ آتا اور پھر اگر جواب معنوی چاہتا ہے تو یہ ہے کہ میں نے تجھے ولایت سے معزول کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی وقت اس مرید کا منہ سیاہ ہو گیا۔ اور چیخنے لگا۔ کہ یقین کی راحت میرے دل سے چلی گئی ہے۔ استغفار میں مشغول ہو گیا اور اس فضول خیال کو ترک کر دیا۔ تب حضرت جنید رحمہ اللہ نے اس سے کہا کیا تجھے معلوم نہیں تھا؟ کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء بھیدوں اور مخفی کیفیات کو بھی جانتے ہیں اور تو ان کی چوٹ کو برداشت نہ کر سکے گا۔ پھر آپ نے اس پر دم پھونکا اور وہ اچھا ہو گیا اور مشائخ کے معاملات میں تصرف کرنے سے توبہ کی۔

بتیسویں فصل

حضرت احمد بن محمد نوری رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک طریقت میں شیخ المشائخ اور شریعت میں اماموں کے امام۔ اہل تصوف کے بادشاہ تکلف کی آفت سے بری۔ حضرت ابوالحسن احمد بن محمد الخراسانی النوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ کے معاملات بہت اچھے اور کلمات بہت واضح اور مجاہدات کے آداب کے سخت پابند تھے اور تصوف میں ایک خاص مسلک رکھتے ہیں۔ اور صوفیوں کا ایک گروہ جن کو نوری کہتے ہیں وہ آپ کی پیروی کرتا ہے اور آپ سے عقیدت رکھتا ہے۔ یاد رکھو کہ صوفیوں کے تمام گروہ بارہ ہیں۔ جن میں دو گروہ مردود، اور دس گروہ مقبول ہیں اور جو گروہ مقبول ہیں۔ ان میں سے

اول	محاسبی	سوم	طیفوری
دوم	قصاری	چہارم	جنیدی

پنجم	نوری	ہشتم	خرازی
ششم	سیلی	نہم	خفیفی
ہفتم	حکیمی	دہم	سیاری ہیں

یہ سب اہلِ تحقیق اور اہلِ سنت وجماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن جو دو گروہ مردود ہیں۔ ان میں سے:

اول: حلولی ہیں کہ حلول و امتزاج کی طرف منسوب ہیں اور سالمی اور مشبہ ان سے تعلق رکھتے ہیں اور

دوم: حلاجی ہیں۔ کہ انہوں نے شریعت کو ترک کر کے الحاد اختیار کر لیا اور مردود ہو گئے۔ اور اباحی اور فارسی فرقے ان سے متعلق ہیں۔ اور اسی کتاب میں ایک مستقل باب ان فرقوں کے متعلق لکھا جائیگا۔ جس میں ان دس گروہوں کا باہمی اختلاف اور ان دو گروہوں کی مخالفت کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ ہوگا تاکہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں پورا فائدہ ہو۔ لیکن حضرت نوری رحمہ اللہ کا طریقہ امور دین میں سستی اور چشم پوشی ترک کرنے اور ہمیشہ مجاہدہ کرنے کا طریقہ قابل تعریف ہے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ کہتے ہیں۔ میں حضرت جنید رحمہ اللہ کے پاس آیا اور میں نے دیکھا کہ آپ مسند ارشاد پر بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا۔ يَا اَبَا الْقَاسِمِ غَشَشْتَهُمْ فَصَدَّرُوْكَ وَنَصَحْتُهُمْ فَرَمَوْنِيْ بِالْحِجَارَةِ۔ ترجمہ: اے ابا القاسم! آپ نے ان سے حق کو چھپا دیا۔ تو انہوں نے آپ کو مسند ارشاد پر بٹھا دیا اور میں نے انہیں نصیحت کی۔ تو انہوں نے مجھ پر پتھر برسائے) اس لئے کہ دین میں لاپرواہی کرنے کو خواہش نفس سے موافقت ہے اور نصیحت کو مخالفت اور آدمی اس کا دشمن ہوتا ہے جو اس کی خواہش نفس کا مخالف ہو۔ اور اس کا دوست ہوتا ہے جو اس کی خواہش کے مطابق ہو اور ابوالحسن النوری رحمہ اللہ حضرت جنید رحمہ اللہ کے رفیق اور حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ اور آپ نے بہت سے مشائخ کو دیکھا اور ان کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا۔ اور احمد بن ابی الحواری رحمہ اللہ کو بھی دیکھا تھا اور طریقت و تصوف میں آپ کے اشارات بہت لطیف اور اقوال بہت عمدہ ہیں اور تمام علوم میں آپ کے نقطے بہت بلند ہیں آپ

سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ کہ اَلْجَمْعُ بِالْحَقِّ تَفْرِقَۃٌ عَنْ غَیْرِہٖ وَ التَّفَرُّقُ عَنْ غَیْرِہٖ جَمْعٌ بِہٖ ترجمہ (حق تعالےٰ سے وابستگی اس کے غیر سے علیحدگی ہے۔ اور غیر اللہ سے علیحدہ ہونا حق تعالےٰ سے وابستگی ہے۔ یعنی جس کا تعلق حق تعالےٰ سے ہے وہ اس کے غیر سے الگ ہے اور جو اس کے غیر سے الگ ہے وہ اس سے وابستہ ہے۔ پس حق تعالےٰ کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنا مخلوقات کے اندیشہ سے جدا ہونا ہے۔ جب موجودات سے اعراض درست ہو گیا۔ تو حق تعالےٰ کی طرف توجہ درست ہو گئی۔ اور خلقت سے روگردانی ٹھیک ہو گئی۔ کیونکہ اَلضِّدَّانِ لَا یَجْتَمِعَانِ ترجمہ (دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتی ہیں) میں نے حکایات میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت نوری رحمہ اللہ تین دن رات تنگ مکان میں ایک جگہ کھڑے ہو کر زور زور سے ذکر الٰہی کرتے رہے۔ جب لوگوں نے حضرت جنید رحمہ اللہ سے یہ بیان کیا تو آپ اٹھ کر ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے ابوالحسن! اگر تو جانتا ہے کہ اس کے سامنے شور و غوغا کچھ سود مند ہے۔ تو بتا کہ میں بھی شور و غل کرنے لگوں۔ اور اگر تجھے معلوم ہے کہ شور و غل کچھ سود مند نہیں تو دل کو رضا و تسلیم پر لگا۔ تاکہ تیرا دل مطمئن ہو جائے۔ تب حضرت نوری رحمہ اللہ نے شور کرنا چھوڑ دیا اور کہنے لگے۔ اے ابا القاسم! آپ ہمارے اچھے استاد اور ناصح ہیں اور نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَعَزُّ الْاَشْیَاءِ فِیْ زَمَانِنَا شَیْئَانِ عَالِمٌ یَعْمَلُ بِعِلْمِہٖ وَ عَارِفٌ یَنْطِقُ عَنْ حَقِیْقَتِہٖ ترجمہ (ہمارے زمانہ میں دو چیزیں سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ ایک عالم جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اور دوسرا عارف جو اپنے حال کی حقیقت کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ یعنی ہمارے زمانہ میں علم و معرفت دونوں عزیز ہیں اس لئے کہ علم بے عمل خود نہیں ہوتا۔ اور معرفت بلا حقیقت خود معرفت نہیں ہوتی اور اس رہنما (حضرت نوری رحمہ اللہ) نے اپنے زمانہ کے متعلق یہ فرمایا ہے اور یہ دونوں چیزیں ہمیشہ ہی عزیز رہی ہیں اور اب بھی ہیں اور جو شخص عالم و عارف کی تلاش میں مشغول ہو۔ اس کا وقت پریشان ہوتا ہے اور مقصود نہیں پا سکتا لہٰذا اسے خود اپنے آپ میں مشغول ہونا چاہئے تاکہ سارے اہل عالم کو عالم دیکھے

اور اپنی ذات کی پہچاننے سے خداوند تعالےٰ کی طرف رجوع کرے۔ تاکہ سب اہل عالم کو عارف دیکھے۔ اس لئے کہ عالم و عارف کمیاب ہوتا ہے اور کمیاب مشکل سے ملتا ہے۔ اور جس چیز کے وجود کا پالینا ہی دشوار ہے۔ اس کی تلاش تو ضیع اوقات ہے بلکہ علم و معرفت اور عمل و حقیقت خود اپنی ذات میں ہی تلاش کرنا لازم ہے۔ اور نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے مَنْ عَلِمَ الْاَشْیَاءَ بِاللّٰہِ فَرُجُوْعُہٗ فِیْ کُلِّ شَیْئٍ اِلَی اللّٰہِ ترجمہ جس نے تمام اشیاء کو اللہ کی وجہ سے جانا وہ ہر چیز میں اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس لئے کہ حکومت اور ملکیت کا قیام مالک کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس آرام خالق کے دیکھنے میں ہو سکتا ہے۔ نہ مخلوق کے دیکھنے میں۔ کیونکہ اگر اشیاء کو افعال کی علت جانیگا تو ہمیشہ مغموم رہیگا۔ اور پھر ہر ایک چیز کی طرف رجوع کرنا اس کے لئے شرک ہوگا۔ اور جب اشیاء کو فعل کے اسباب سمجھیگا۔ تو جان لے گا۔ کہ سبب بذات خود قائم نہیں ہوتا۔ بلکہ مسبب کے ساتھ قائم ہوتا ہے پھر جب وہ مسبب الاسباب کی طرف رجوع کرے گا۔ اور تعلقاتِ دنیا سے نجات پا جائیگا۔

تینتیسویں فصل

حضرت ابوسعید بن اسمٰعیل حیری رحمۃ اللہ

آپ تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے سلف صالحین کے پیشوا۔ اور ان کے سچے جانشین حضرت ابوسعید بن اسمٰعیل الحیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ قدیم اور بلند مرتبہ صوفیاء کرام میں سے ہوئے ہیں اور اپنے زمانہ میں یگانہ اور ہر دلعزیز تھے۔ شروع میں آپ نے حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ پھر ایک مدت تک حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ کی صحبت میں رہے اور ان کے ہمراہ نیشاپور میں حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ کی زیارت کے لئے آئے تو ان کے پاس ٹھہرے اور باقی عمر ان کی صحبت میں گزار دی۔ معتبر لوگ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ بچپن میں میرا دل ہمیشہ ایک حقیقت کو تلاش کرتا تھا۔ اور اہل ظاہر سے نفرت کرتا تھا اور میں جانتا تھا کہ علم ظاہر کی طرح جس پر عام لوگ عمل پیرا ہیں۔ شریعت کا ایک باطن بھی ہے یہاں

تک کہ میں نے مقصود پالیا۔ چنانچہ ایک روز میں حضرت یحییٰ ابن معاذ الرازی رحمہ اللہ کی مجلس میں پہنچ گیا اور وہ باطن میں نے دریافت کرلیا اور میرا مقصد حاصل ہوگیا۔ اور چنانچہ میں نے آپ کی صحبت اختیار کرلی۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ شاہ شجاع رحمہ اللہ کے پاس سے آئے اور انہوں نے آپ کا حال بیان کیا۔ تو میرے دل میں ان کی زیارت کا شوق پیدا ہوا اور میں نے رسے سے کرمان کا قصد کیا۔ اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کرنا چاہا۔ مگر انہوں نے مجھے اجازت نہ دی۔ اور فرمانے لگے کہ تیری طبیعت رجاء کی پروردہ ہے اور تو نے حضرت یحییٰ رحمہ اللہ کی صحبت حاصل کی ہے۔ جن کا مقام رجاء ہے اور جس نے یہ مشرب اختیار کرلیا ہو اس سے طریقت پر چلنا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ رجا کی تقلید کرنے کا نتیجہ کاہلی ہوتا ہے۔ حضرت سعید بن اسمٰعیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت عاجزی اور زاری کی اور بیس روز تک آپ کی درگاہ پر حاضر ہوتا رہا۔ تب آپ نے اجازت دی اور صحبت کے لئے قبول فرمایا۔ اور پھر ایک مدت تک آپ کی صحبت میں ہی رہا۔ آپ بڑے غیور آدمی تھے۔ ایک دفعہ آپ نے ابوحفص حداد رحمہ اللہ کی زیارت کرنے کے لئے نیشاپور کا قصد کیا۔ میں بھی آپ کے ہمراہ نیشاپور میں آیا۔ جس روز حضرت ابوحفص رحمہ اللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ قبا پہنے ہوئے تھے۔ حضرت ابوحفص رحمہ اللہ نے جب آپ کو دیکھا تو تعظیماً کھڑے ہو گئے اور آپ کے قریب آکر کہا۔ وَجَدْتُ فِي الْقَبَاءِ مَا طَلَبْتُ فِي الْعَبَاءِ ترجمہ: میں نے قبا میں وہ سب کچھ پالیا جسے میں گودڑی میں تلاش کرتا تھا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک مدت تک وہاں رہے۔ اور اس عرصہ میں میری ساری دلی توجہ کو حضرت ابوحفص رحمہ اللہ نے اپنی طرف کرلیا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا رعب مجھے ان کی خدمت میں مداومت کرنے سے روکتا تھا۔ اور ابوحفص رحمہ اللہ دلی ارادت کو میرے اندر دیکھ رہے تھے۔ اور میں خدائے عزّ و جل سے نہایت گڑگڑا کر چاہتا تھا۔ کہ مجھے حضرت ابوحفص رحمہ اللہ کی صحبت کی کوئی صورت میسر آجائے۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بھی ناراض نہ ہوں۔ یہاں تک کہ جس روز حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ

نے واپسی کا ارادہ فرمایا۔ تو میں نے بھی ان کے ہمراہ جانے کے لئے سفر کا لباس پہن لیا اور دل کو حضرت ابوحفص رحمہ اللہ کی خدمت میں چھوڑ دیا۔ حضرت ابو حفص رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے کہا۔ شاہ صاحب! صحبت کی خوشی کا لحاظ کرتے ہوئے اس لڑکے کو یہیں چھوڑ دیجئے کہ میرا دل اس سے بہت خوش ہوتا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے میری طرف رخ کر کے فرمایا شیخ کی بات مان لو۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ اور میں وہیں رہ گیا۔ یہاں تک کہ آپ کی صحبت میں میں نے عجیب و غریب احوال دیکھے آپ کو مقام شفقت حاصل تھا۔ چنانچہ خداوند عزوجل نے مجھے تین رہنماؤں کی برکت سے تین مقامات سے گزار دیا۔ اور یہ تینوں مقام جن کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے خود ان کے مقام تھے۔ مقام رجا تو حضرت یحییٰ رحمہ اللہ کی صحبت میں۔ اور مقام غیرت حضرت شاہ شجاع رحمہ اللہ کی صحبت میں۔ اور مقام شفقت حضرت ابوحفص رحمہ اللہ کی صحبت میں حاصل ہوا۔ اور یہ بات جائز ہے۔ کہ مرید پانچ یا چھ یا اس سے بھی زیادہ پیروں کی صحبتوں میں منزل پہ پہنچ جائے اور ہر پیر سے اس کو ایک مقام کا کشف حاصل ہو جائے۔ لیکن بہتر یہ ہوتا ہے کہ نہ تو پیروں کو اپنے مقام سے آلودہ کرے اور نہ ان کی نہایت کو اس مقام میں محدود کرے اور یوں کہے کہ ان کی صحبت سے مجھے یہ مقام نصیب ہوا۔ اور ان کا درجہ اس سے اوپر تھا۔ ان کے پاس میرا اس سے زیادہ حصہ نہ تھا۔ یہ بات ادب سے زیادہ نزدیک ہے اس لئے کہ راہ حق کے کاملوں کو مقام و احوال سے کچھ کام نہیں ہوتا۔ نیشاپور اور خراسان میں تصوف کے ظہور کا سبب آپ ہی تھا۔ آپ نے حضرت جنید و رویمؒ و یوسف بن الحسین و محمد بن الفضل البلخی رحمہم اللہ کی صحبت کا فیض اٹھایا تھا۔ اور مشائخ میں سے کسی شیخ نے اپنے پیروں کے دل سے وہ حصہ نہیں پایا تھا جو آپ نے پایا تھا۔ اہل نیشاپور نے آپ کے لئے منبر رکھ دیا تھا اور وہ ان سے تصوف کی باتیں بیان کرتے تھے۔ اور علم طریقت کے متعلق آپ کی بہت سی بلند پایہ کتابیں اور عمدہ ترین روایتیں موجود ہیں۔ آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ حَقٌّ لِمَنْ اَعَزَّہُ اللّٰہُ بِالْمَعْرِفَۃِ اَنْ لَّا

يُذِلَّهُ بِالْمَعْصِيَةِ ترجمہ (جس کو اللہ تعالےٰ اپنی معرفت سے عزت بخشے اس کو واجب اور سزاوار ہے کہ اپنے آپ کو اس کی نافرمانی سے ذلیل نہ کرے اور نافرمانی سے بچنے کا تعلق بندہ کے کسب سے ہے اور اس کا مجاہدہ ہمیشہ امورِ حق کی رعایت کرتا ہے۔ اور اگر تم اس بات کا بھید جاننا چاہو! تو سن لو! کہ جب اللہ تعالےٰ کسی کو اپنی معرفت سے عزیز کر دے تو مناسب ہے کہ وہ معصیت سے اپنے آپ کو خوار نہ کرے۔ چونکہ معرفت اللہ تعالےٰ کی عطا ہے۔ اور معصیت بندہ کا فعل۔ اس لئے جس کو اللہ تعالےٰ کی عطا سے عزت ملے تو نامناسب ہے کہ وہ اپنے فعل سے ذلیل ہو۔ چنانچہ آدم صلوات اللہ تعالےٰ وسلامہٗ علیٰ نبینا و علیہ کو جو اللہ تعالےٰ نے اپنی معرفت سے عزت بخشی۔ تو پھر ان کی لغزش سے ان کو ذلیل نہ فرمایا۔

چونتیسویں فصل

حضرت ابوعبداللہ احمد بن یحییٰ رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک۔ معرفت کے سہیل اور محبت الٰہی کے قطب حضرت ابوعبداللہ احمد بن یحیےٰ بن الجلال رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ اپنے وقت کے بلند مرتبہ اور بزرگ صوفیا کرام میں سے تھے۔ آپ ایک بہت ہی اچھے طریقے اور عمدہ ترین سیرت کے مالک تھے۔ آپ حضرت جنید ابوالحسن نوری رحمہما اللہ کے ہم نشین تھے۔ اور بڑے بڑے مشائخ کی ایک جماعت کو آپ نے دیکھا تھا۔ اور حقائق طریقت کے بیان کرنے میں آپ کا کلام عالی اور ارشادات لطیف ہیں آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے هِمَّةُ الْعَارِفِ إِلَىٰ مَوْلَاهُ فَلَا يَعْطِفُ عَلَىٰ شَيْءٍ سِوَاهُ (عارف کی توجہ اپنے مولا کی طرف ہوتی ہے۔ پس وہ اس کے سوا کسی چیز کی طرف رجوع نہیں کرتا اور متوجہ نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ عارف کو معرفت الٰہی کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ جب اس کے دل کا سرمایہ ہی معرفت الٰہی ہے تو اس کی توجہ کا مرکز بھی رویت حق ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمتوں اور توجہ کی پریشانی کا نتیجہ غم ہوتا ہے اور غم بندہ کو درگاہ حق تک پہونچنے سے روک دیتا ہے۔ آپ سے حکایت کرتے

ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک روز میں نے ایک یہودی خوبصورت جوان کو دیکھا تو اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر میں متحیر رہ گیا اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا حضرت جنید رحمہ اللہ کا مجھ پر گزر ہوا۔ میں نے آپ سے کہا اے استاد! کیا اللہ تعالےٰ ایسے چہرے کو آگ میں جلائیگا؟ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اے بیٹا! یہ تو نفس کا حقیر سا بازار ہے جو تجھے اس بات پر اکسا رہا ہے یہ عبرت کی وجہ نہیں کیونکہ اگر تو عالم کے ذرات میں سے ہر ایک ذرہ میں عبرت سے دیکھے ہر جگہ یہی عجوبہ موجود ہے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو صنعتِ الٰہی کی اس بے ادبی کے باعث کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جائے۔ چنانچہ جب حضرت جنید رحمہ اللہ نے میرے پاس سے رخ پھیرا۔ تو اسی وقت قرآن کو بھول گیا اور پھر کئی سال تک میں اللہ تعالےٰ سے مدد مانگتا اور توبہ کرتا رہا تب قرآن یاد آیا۔ اور اب میں اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ موجودات میں سے کسی چیز کی طرف توجہ کروں۔ یا اشیاء عبرت کی نظر کرنے میں اپنا وقت ضائع کروں ٭

پنتیسویں فصل

حضرت رویم بن احمد رحمہ اللہ

تبع تابعین میں سے ایک اپنے زمانہ کے تنہا امام حضرت ابو محمد رویم بن احمد رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں آپ کا شمار بزرگ ترین مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت جنید رحمہ اللہ کے محرم راز اور ہمعصر تھے اور حضرت داؤد کے مسلک پر چلنے والے تمام فقہاء کے سردار۔ غرضیکہ آپ اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم میں اپنی مثال آپ تھے خاص کر علم تفسیر اور علم قرأت میں پوری دسترس رکھتے تھے۔ آپ کا حال بلند آپ کا مقام رفیع آپ تجرید کے مرد میدان اور تفرید کے مجاہد دوران تھے۔ آخری عمر میں آپ نے اپنے آپ کو دنیا داروں میں چھپا دیا تھا۔ اور عہدۂ قضا پر خلیفہ کے معتمد علیہ ہو گئے تھے۔ حالانکہ آپ کا درجہ اس سے کہیں زیادہ اونچا تھا کہ دنیا کے حجاب میں آجاتے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم لوگ دنیا سے فارغ ہونے کے باوجود اس میں مشغول ہیں۔ لیکن رویم رحمہ اللہ باوجود اس میں مشغول ہونے کے اس سے بالکل فارغ ہیں۔ علم طریقت

ہیں آپ کی کئی ایک تصنیفیں ہیں۔ خاص کردہ کتاب جس کا نام "غلط الواجدین" لکھا ہے اور سماع کے متعلق ہے اور میں اسے بےحد پسند کرتا ہوں۔ روایت ہے کہ ایک روز کسی شخص نے آپ کے پاس آکر پوچھا کہ کَیْفَ حَالُکَ ترجمہ (آپ کا کیا حال ہے؟) آپ نے فرمایا کَیْفَ حَالُ مَنْ دِیْنُہٗ ھَوَاہُ وَھِمَّتُہٗ دُنْیَاہُ لَیْسَ ھُوَ بِصَالِحٍ تَقِیٍّ وَلَا بِعَارِفٍ نَقِیٍّ ۔ (اس شخص کا حال کیا ہوگا جس کا دین اس کی خواہش نفس ہے اور جس کا مقصود اس کی دنیا ہے نہ تو وہ صالح متقی اور نہ ہی پاکیزہ عارف) اس سے آپ نے نفس کے عیوب کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس لئے کہ دین نفس کے نزدیک خواہش نفس ہے اور نفس کی پیروی کرنے والوں نے نفس کی خواہش کا نام دین اور اس کی متابعت کا نام شریعت پر عمل کرنا رکھ لیا ہے۔ پس جو شخص ان کے منشا کے مطابق چلے اگرچہ وہ بدعتی ہی ہو۔ ان کے نزدیک وہی دیندار ہوتا ہے اور یہ خرابی ہمارے زمانے میں عام طور پر پھیل رہی ہے ایسے شخص کی صحبت سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جس کی صفت یہ ہو۔ ممکن ہے اس رہنما نے سائل کے حال کی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہو اور نیز یہ بھی جائز ہے کہ انہوں نے اس کو تو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہو اور ان باتوں کی نصیحت و تادیب کی خاطر اپنی طرف منسوب کرکے فرمایا ہو۔ کیونکہ یہ بھی تبلیغ کا ایک طریقہ ہے۔ واللہ اعلم

چھتیسویں فصل

حضرت ابو یعقوب رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے ایک۔ نادر روزگار، بلند مرتبہ حضرت ابو یعقوب یوسف بن حسین الرازی رحمہ اللہ ہیں آپ زمانے کے قدیم مشائخ اور بزرگ ترین اماموں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے بہت لمبی عمر پائی اور حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے مشائخ کی خدمت میں رہے اور ان کی صحبت سے کسب فیض کیا ہے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اَذَلُّ النَّاسِ الْفَقِیْرُ الطَّمُوْعُ وَالْمُحِبُّ لِمَحْبُوْبِہٖ ترجمہ یعنے تمام لوگوں میں ذلیل ترین وہ درویش ہے جو راہ تصوف اختیار کرنے کے باوجود حریص اور

جاہ طلب ہو۔ جیسا کہ تمام لوگوں میں شریف ترین وہ درویش ہوتا ہے جس نے اپنی تمام محبت کو محبوب حقیقی کے لئے خالص کر دیا ہو۔ یاد رکھو کہ دنیا کی حرص و آز درویش کو دونوں جہانوں میں رسوا اور ذلیل بنا دیتی ہے کیونکہ درویش یوں بھی دنیا داروں کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے اور جب وہ حرص کریں تو اور بھی ذلیل ہو جاتے ہیں۔ پس باعزت غنا رسوا کن فقر سے بدرجہا بہتر ہے۔ نیز حرص و آز ایک درویش کو جھوٹ اور خلافِ شرع امور کے ارتکاب پر آمادہ کرتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عاشق اپنے محبوب کی نظر میں حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور وہ بھی اپنے محبوب کے مقابلہ میں اپنے آپ کو نہایت ہی حقیر خیال کرتا ہے۔ اور یہ سب حرص و طمع اور رغبت کا نتیجہ ہے پس جب تک درویش اپنے دل کو اس حرص کی آلائشوں سے پاک صاف نہ کرلے اس کی ذلت عزت سے تبدیل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ بی بی زلیخا کو جب تک حضرت یوسفؑ کی حرص رہی۔ قدم قدم پر اسے ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور جب اس نے طمع کو چھوڑ دیا اور اپنے دل سے ان کی حرص نکال دی تو اللہ تعالےٰ نے نہ صرف اسے حسن و جمال اور شباب عطا فرمایا بلکہ ایک روایت کے مطابق اسے حضرت یوسفؑ کی زوجیت کی سعادت بھی نصیب ہوئی اور اسی طرح اس کی تمام ذلت و رسوائی عزت و توقیر بن گئی اور دنیا کا دستور ہی کچھ ایسا ہی چلا آیا ہے کہ جس قدر محب اپنے محبوب کی طرف رغبت اختیار کرتا ہے محبوب اس سے اعراض کرتا ہے اور کامل بے اعتنائی سے پیش آتا ہے۔ لیکن جب محب رغبت کو چھوڑ جاتا ہے اور فقط اس سے قلبی رابطہ و تعلق پر قناعت کر کے کامل طور پر بے نیاز ہو جاتا ہے تو محبوب مضطرب اور بے چین ہو کر اس کی طرف خواہ مخواہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ حق یہ ہے کہ وصال کی طمع محب کے لئے موجب ذلت ہے اور وصال کی طمع و آرزو نہ رکھنا موجب عزت ہے اور محب کی وہ محبت جس میں محبوب کے فراق و وصال کی گنجائش موجود ہو خالص نہیں۔

سینتیسویں فصل

حضرت سمنون بن عبداللہ الخواص رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک ہیں۔ اہل محبت کے آفتاب اور

اور اہل عمل کے پیشوا حضرت ابوالحسن سمنون بن عبداللہ الخواص رحمۃ اللہ تعالےٰ ہیں آپ اپنے زمانہ میں بے نظیر اور محبت الٰہی میں بلند شان رکھتے تھے اور اس وقت کے تمام مشائخ آپ کی تعظیم کرتے تھے اور محبت سے آپ کو سمنون المحب کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن ازراہ عجز و انکسار انہوں نے اپنا نام سمنون الکذاب رکھا ہوا تھا کہتے کہ آپ نے غلام الخلیل نامی ایک شخص سے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں اس شخص نے خلیفہ وقت کے سامنے ان کے متعلق جھوٹی شہادتیں دی تھیں اور کچھ انہونی باتیں ان کی طرف منسوب کی تھیں جس سے مشائخ بھی بہت رنجیدہ خاطر تھے۔ غلام الخلیل ایک ریاکار آدمی تھا۔ مگر پارسائی اور تصوف کا دعوےٰ کیا کرتا تھا اور اپنے آپ کو درباریوں اور خلیفہ کی نظروں میں پارسا ثابت کرکے دین کو دنیا کے عوض بیچ رکھا تھا۔ جیساکہ اس زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں۔ پھر اہل دربار کے سامنے درویشوں کی برائیاں بیان کرنا اپنا مشغلہ بنا رکھا تھا اور اس کا مطلب یہ تھا کہ لوگ ان سے الگ ہوجائیں۔ اور کوئی ان سے برکت حاصل نہ کرے۔ تاکہ خود اس کا مرتبہ قائم رہے خوش بخت ہیں حضرت سمنون اور اس وقت کے دوسرے مشائخ رحمہم اللہ کہ ان کا کوئی ایسا دشمن ایک ہی تھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں تو ہر محقق کے مخالف ایسے لاکھوں غلام الخلیل موجود ہیں لیکن کوئی خوف نہیں۔ کیونکہ مردار گدھوں ہی کے لائق ہے کہتے ہیں کہ جب حضرت سمنون رحمہ اللہ کا مرتبہ بغداد میں بہت بڑھ گیا۔ اور ہر شخص آپ کے تقرب کا شائق ہونے لگا۔ تو غلام الخلیل کو اس سے سخت رنج پہنچا چنانچہ اس نے آپ کو رنج پہنچانے اور بہتان تراشنے کے طریقے وضع کرنے شروع کیئے۔ یہاں تک کہ اس نے ایک عورت کو حضرت سمنون کے پاس بھیجا۔ جب اس کی نظر حضرت سمنون رحمہ اللہ پر پڑی اور اس نے اپنے آپ کو نکاح کے لئے پیش کیا تو آپ نے اس بات سے انکار کیا۔ پھر وہ حضرت جنید رحمہ اللہ کے پاس گئی ان سے کہا۔ کہ آپ حضرت سمنون رحمہ اللہ سے کہیں کہ وہ میرے ساتھ نکاح کرنا قبول کریں۔ حضرت جنید رحمہ اللہ سخت ناراض ہوئے اور اس کو جھڑک دیا۔ تب وہ عورت غلام الخلیل کے پاس آئی اور جیسے عورتیں

تہمت لگایا کرتی ہیں۔ اس نے آپ پر ایک تہمت لگا دی اور اس غلام الخلیل نے اس عورت سے وہ تہمت اس طرح سنی جس طرح دشمن سنا کرتے ہیں اور حضرت سمنون رحمہ اللہ کو برا بھلا کہنے لگا اور خلیفہ وقت کو آپ کے خلاف بھڑکایا یہاں تک کہ اس نے آپ کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ جب جلاد کو لے آئے اور خلیفہ اس کو حکم دینا چاہتا تھا تو خلیفہ کی زبان بند ہو گئی۔ جب وہ اس رات کو سو گیا۔ تو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہ رہا ہے کہ تیرے ملک کا زوال حضرت سمنون رحمہ اللہ کی جان کے زوال کے ساتھ وابستہ ہے۔ دوسرے روز اس نے معافی مانگی اور عزت کے ساتھ آپ کو رخصت کر دیا۔ محبت الٰہی کی حقیقت میں آپ کا کلام بلند پایہ اور اشارات نہایت باریک ہیں اور آپ کا وہ درجہ ہے کہ آپ ایک دفعہ جب حجاز سے آرہے تھے کہ اثنائے راہ میں اہل فید نے آپ سے عرض کیا۔ کہ ہمیں کوئی نصیحت کی بات کہیے۔ آپ منبر پر چڑھ گئے اور کلام کر رہے تھے۔ لیکن دلچسپی سے کوئی سننے والا نہ تھا چنانچہ ان سے بددل ہو کر قندیلوں کی طرف رخ کر کے فرمایا:"لیکن تم سے کہتا ہوں" یہ کہتے ہی وہ سب قندیلیں نیچے گر پڑیں اور چور چور ہو گئیں۔ اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ لَا يُعَبَّرُ عَنْ شَيْئٍ اِلَّا بِمَا هُوَ اَدَقُّ مِنْهُ لَا شَيْئًا اَدَقَّ مِنَ الْمَحَبَّةِ فَبِمَ يُعَبَّرُ عَنْهَا۔ ترجمہ کسی چیز کی تعبیر اسی چیز سے کی جا سکتی ہے جو اس سے زیادہ نازک ہو۔ اور محبت سے بڑھ کر کوئی چیز نازک نہیں۔ پس اس کی کس چیز سے تعبیر کی جا سکے اور مراد اس سے یہ ہے کہ محبت کا اظہار الفاظ میں نہیں ہو سکتا اس لئے کہ بیان، بیان کرنے والے کی صفت ہے اور محبت محبوب کی صفت۔ پس الفاظ سے اس کی حقیقت بیان نہیں کی جا سکتی ۞ واللہ اعلم

اٹھتیسویں فصل

حضرت شاہ شجاع کرمانی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ میں سے ایک مشائخ کے بادشاہ حضرت ابوالفوارس شاہ شجاع الکرمانی رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں آپ بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ حضرت ابو تراب نخشبی سے ملاقات کی صحبت سے

فیض یاب ہوئے ادران کا کچھ حال حضرت ابو عثمان حیری کے ذکر میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ علم تصوف میں آپ کے رسالے بہت مشہور ہیں اور ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس کو مرآۃ الملک بولتے ہیں۔ آپ کا کلام بلند پایہ ہے اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے لاھل الفضل فضل مالم یروہ فَاِذَا رَاَوْہُ فَلَا فَضْلَ لَھُمْ وَلِاَھْلِ الْوِلَایَۃِ وِلَایَۃٌ مَالَمْ یَرَوْھَا فَاِذَا رَاَوْھَا فَلَا وِلَایَۃَ لَھُمْ ترجمہ اہل فضیلت کے لئے فضیلت ہے جب تک کہ وہ اس فضیلت کو نہ دیکھیں۔ پس جب وہ فضیلت کو دیکھیں تو انہیں کوئی فضیلت نہیں۔ اسی طرح اہل ولایت کے لئے ہے جب تک کہ وہ اس ولایت کو نہ دیکھیں لیکن جب وہ ولایت کو دیکھیں تو انہیں کوئی ولایت نہیں، اور اس سے یہ مراد ہے کہ جہاں فضیلت اور ولایت ہوتی ہے وہاں اس کو دیکھنا نہیں ہوتا اور جب دیکھنا حاصل ہو۔ تو وہ فضیلت اور ولایت ساقط ہو جاتی ہے اس لئے کہ فضیلت ایک ایسی صفت ہے جس میں فضیلت کو دیکھنا صحیح نہیں اور ولایت ایک ایسی صفت ہے۔ جس میں ولایت کو دیکھنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جب کوئی شخص یوں کہے کہ میں فاضل ہوں یا ولی ہوں تو وہ شخص نہ فاضل رہتا ہے اور نہ ولی اور آپ کے آثار میں لکھا ہے کہ آپ چالیس سال تک نہ سوئے اور جب سوئے تو خداوند تعالےٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا۔ بار خدایا! میں تو تجھے رات کی بیداری میں طلب کرتا رہا ہوں۔ ارشاد ہوا۔ اے شاہ! تو نے خواب میں ان ہی شب بیداریوں کی وجہ سے مجھے پا لیا۔ کیونکہ اگر تو ان راتوں میں سو جاتا۔ تو آج مجھے نہ پاتا واللہ اعلم۔

اٹھائیسویں فصل

حضرت عمرو بن عثمان المکی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک دلوں کے سردار اور باطنوں کے نور۔ حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ اہل طریقت کے بزرگوں اور سرداروں میں سے تھے اور علم طریقت کے حقائق میں آپ کی تصانیف مشہور ہیں اور اپنی ارادت کی نسبت حضرت جنید رحمہ اللہ کی طرف کرتے تھے اور

حضرت ابوسعید خراز رحمہ اللہ کو دیکھا اور حضرت نباجی رحمہ اللہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے اصولِ طریقت میں آپ وقت کے امام تھے آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ لَا يَقَعُ عَلٰى كَيْفِيَّتِ الْوَجْدِ عِبَارَةٌ لِاَنَّهٗ سِرُّ اللّٰهِ عِنْدَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ ترجمہ۔ وجد کی کیفیت الفاظ و عبارت سے بیان نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ اہلِ ایمان کے پاس اللہ کا بھید ہے اور جس چیز میں بندہ کی عبارت تصرف کر سکے وہ سرّ الٰہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ بندہ کا تصرف اور تکلف اسرار ربانی سے بالکل منقطع ہوتا ہے اور کہتے ہیں۔ کہ جب حضرت عمرو بن عثمان رحمۃ اللہ اصفہان میں آئے تو ایک نوجوان آپ کی صحبت میں داخل ہو گیا۔ حالانکہ اس کا باپ اس کو آپ کی صحبت سے منع کرتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نوجوان بیمار ہو گیا اور کچھ عرصہ تک صاحب فراش رہا۔ تو ایک دن آپ ایک جماعت کے ہمراہ اس کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ اس نوجوان نے حضرت شیخ کی طرف اشارہ کیا۔ کہ آپ قوال سے فرمایئے کہ وہ چند اشعار پڑھ کر سنائے آپ نے قوال سے فرمایا تو اس نے یہ شعر پڑھا۔ شعر

مَالِيْ مَرِضْتُ فَلَمْ يَعُدْنِيْ عَائِدٌ ۔ مِنْكُمْ وَيَمْرِضُ عَبْدُكُمْ فَاَعُوْدُ

ترجمہ کیا وجہ ہے کہ میں بیمار ہوا۔ تو کوئی بھی تمہاری طرف سے میری بیمار پرسی کے لئے نہیں آیا۔ حالانکہ تمہارا غلام بھی بیمار ہو جائے تو میں اس کی بھی بیمار پرسی کرتا رہوں؛

بیمار نے جب یہ شعر سنا تو اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس کی بیماری کا جوش اور غلبہ کم ہو گیا (یا اس کی بیماری کی شدت اور تکلیف کم ہو گئی) اور کہنے لگا۔ زِدْنِيْ (میرے لئے کچھ زیادہ کیجئے) قوال نے دوسرا شعر پڑھا۔ شعر

وَاَشَدُّ مِنْ مَرَضِيْ عَلَيَّ صُدُوْدُكُمْ ۔ وَصُدُوْدُ عَبْدِكُمْ عَلَيَّ شَدِيْدُ

ترجمہ اور تمہارا مجھ سے رکا رہنا میرے نزدیک میری بیماری سے زیادہ سخت ہے اور تمہارے غلام کا رکا رہنا بھی مجھ پر دشوار ہے یہ سن کر بیمار اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بیماری اس سے جاتی رہی اس واقعہ کے بعد باپ نے اس کو حضرت عمرو بن عثمان رحمہ اللہ کی صحبت میں دے دیا اور اس کے دل میں

جو اندیشہ تھا۔ اس سے توبہ کی اور سنا ہے کہ وہ نوجوان آپ کی صحبت کی برکت
سے طریقت کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ ہو گیا واللہ اعلم ۔

چالیسویں فصل

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک دلوں کے مالک ۔ اور عیبوں کے مٹانے والے ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں۔ آپ اپنے وقت کے پیر تھے ۔ اور سب لوگ آپ کے عقیدت مند اور مداح تھے آپ نے بہت ریاضتیں کی ہیں ۔ اور آپ کے معاملات بہت اچھے ہیں ۔ اخلاص ہیں اور افعال کے عیوب میں آپ کا کلام نہایت لطیف ہے۔ علماء ظاہر کہتے ہیں کہ ھُوَ جَمَعَ بَیْنَ الشَّرِیْعَۃِ وَ الْحَقِیْقَۃِ ترجمہ آپ نے حقیقت اور شریعت کو باہم جمع کر دیا ہے لیکن ان کی یہ بات غلط ہے کیونکہ کسی نے بھی حقیقت و شریعت میں فرق نہیں کیا ہے ۔ چونکہ نہ تو شریعت حقیقت کے سوا ہے اور نہ حقیقت ہی شریعت سے علیٰحدہ اور چونکہ عبارات سمجھنے میں بہت آسان ہیں اور طبیعتیں اچھی طرح سمجھ جاتی ہیں ۔ لوگ اس لئے یہ بات کہتے ہیں ۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ نے حقیقت اور شریعت کو جمع کر دیا ہے تو محال ہے کہ اولیاء اللہ اس میں فرق کریں اگر دونوں میں فرق موجود ہو تو لامحالہ ایک کو رد اور دوسری کو قبول کرنا پڑے گا ۔ حالانکہ شریعت کا رد کرنا الحاد اور حقیقت کا رد کرنا شرک ہے اور وہ فرق جو صوفیوں کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے حقیقت میں فرق نہیں بلکہ وہ تو شریعت کے ذریعے حقیقت ہی کو ثابت کرنا ہے ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حَقِیْقَۃٌ ترجمہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں یہ حقیقت ہے ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ شَرِیْعَۃٌ ترجمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یہ شریعت ہے اگر کوئی شخص ایمان کی صحت کی حالت میں ان دونوں باتوں میں سے ایک کو دوسری سے جدا کرنا چاہے تو ایسا کر نہیں سکتا ۔ اور اس کی ایسی خواہش باطل ہے ۔ غرض شریعت حقیقت کی اصل ہے اور حقیقت شریعت کی اصل الاصول یعنی

توحید کی معرفت حقیقت ہے جو شریعت کے لئے بمنزلہ اصل الاصول کے ہے اور تمام اوامر و نواہی کی پیروی شریعت ہے جو حقیقت تک پہنچنے کے لئے ایک ہی بنیادی ذریعہ ہے کیونکہ اس ذریعے کے بغیر حقیقت تک رسائی قطعاً ناممکن ہے اسی طرح فرمان کا قبول کرنا۔ شریعت ہے۔ پس اہل ظاہر کی طبیعت جس چیز میں نہ لگے اس سے انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ راہ حق کے اصول میں سے کسی اصل کا انکار خطرناک ہوتا ہے اور ایمان کی نعمت پر اللہ تعالےٰ کا شکر بجالانا چاہیئے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰى اَهْلِ وَجْهِ الْاَرْضِ اِلَّا وَهُمْ جُهَّالٌ بِاللّٰهِ اِلَّا مَنْ يُؤْثِرُ اللّٰهَ عَلٰى نَفْسِهٖ وَرُوْحِهٖ وَدُنْيَاهُ وَاٰخِرَتِهٖ ترجمہ طلوع نہیں ہوا سورج اور نہ وہ غروب ہوا۔ اہل روئے زمین پر مگر ایسی حالت میں کہ وہ سب اللہ تعالےٰ کی نسبت بالکل جاہل ہیں۔ سوائے اس شخص کے جس نے اللہ تعالےٰ کو اپنی جان اور اپنی روح اور اپنی دنیا اور آخرت پر ترجیح دی یعنی جو شخص اپنے نصیبۂ دنیا کے حاصل کرنے میں کوشش کرتا رہتا ہے اور اس کا یہ کام اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ خداوند تعالےٰ کی نسبت بالکل جاہل ہے کیونکہ اس کی معرفت دنیا کی تدبیر کے چھوڑ دینے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور دنیا کی تدبیر کو چھوڑ دینا اپنے جملہ امور کو خدائے تعالےٰ کے سپرد کر دینا ہے اور دنیاوی امور میں تدبیر کو قائم رکھنا تقدیر الٰہی سے جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے واللہ اعلم ؛

اکتالیسویں فصل

حضرت محمد بن فضل البلخی رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک اہل حرمین کے برگزیدہ۔ اور تمام مشائخ کی آنکھوں کی ٹھنڈک حضرت ابو عبداللہ محمد بن فضل البلخی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ بڑے مشائخ میں سے تھے اور اہل عراق و خراسان کے پسندیدہ۔ اور حضرت احمد بن خضرویہ رحمہ اللہ کے مرید تھے ۔ اور حضرت ابو عثمان حیری رحمہ اللہ کو آپ سے بڑی محبت تھی۔ آپ کو متعصب لوگوں نے آپ کے عشق مذہب کی وجہ سے بلخ سے باہر نکال دیا تھا۔ چنانچہ آپ سمرقند چلے گئے اور ساری عمر

وہیں گزار دی۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَعْرَفُ النَّاسِ بِاللّٰہِ اَشَدُّھُمْ مُجَاھَدَۃً فِیْ اَوَامِرِہٖ وَاَتْبَعُھُمْ بِسُنَّۃِ نَبِیِّہٖ۔ ترجمہ سب سے زیادہ عارف باللہ وہ ہے جو اس کے احکام بجالانے میں زیادہ کوشش کرنے والا۔ اور اس کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی زیادہ کرنے والا ہو اور ظاہر ہے کہ جو شخص حق سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے وہ اس کا حکم بجالانے میں زیادہ حریص ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس سے زیادہ دور ہوتا ہے وہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے زیادہ روگرداں ہوتا ہے اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے عَجِبْتُ مِمَّنْ یَقْطَعُ الْبَوَادِیَ وَالْقِفَارَ وَالْمَفَاوِزَ حَتّٰی یَصِلَ اِلٰی بَیْتِہٖ وَحَرَمِہٖ لِاَنَّ فِیْہِ اٰثَارَ اَنْبِیَاءٖ کَیْفَ لَا یَقْطَعُ نَفْسَہٗ وَھَوَاہُ حَتّٰی یَصِلَ اِلٰی قَلْبِہٖ لِاَنَّ فِیْہِ اٰثَارَ مَوْلَاہُ۔ ترجمہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے۔ کہ وہ جنگل اور صحرا و دشت قطع کر کے اللہ کے گھر اور اس کے حرم میں پہنچتا ہے کیونکہ اس میں اس کے انبیا کے آثار ہیں۔ مگر وہ کیوں نہیں اپنے نفس اور اس کے خواہش کو قطع کر کے اپنے دل میں پہنچتا۔ کہ اس میں اس کے مولا (حق سبحانہ تعالےٰ) کے آثار موجود ہیں۔ یعنی دل جو اللہ تعالےٰ کی معرفت کا محل ہے۔ کعبہ سے جو عبادتِ الٰہی کی جہت ہے زیادہ بزرگ ہے کیونکہ کعبہ تو وہ مقام ہے کہ عبادت میں ہمیشہ بندہ کی نظر اس پر جمی رہتی ہے۔ اور دل وہ مقام ہے کہ ہمیشہ نظر حق اس پر پڑتی رہتی ہے۔ جہاں دل ہے وہاں میرا دوست ہے۔ اور جہاں اس کا حکم ہے وہاں میرا مقصود ہے اور جہاں میرے انبیاء کے آثار ہیں۔ وہاں میرے دوستوں کا قبلہ ہے۔ واللہ اعلم؛

بیالیسویں فصل

حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی الترمذی رحمۃ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ہیں۔ ایک شیخ بزرگ۔ اور صفاتِ بشری سے فانی۔ حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی الترمذی رحمہ اللہ تعالےٰ آپ تمام علوم میں کامل اور امام تھے اور محققین مشائخ میں سے معاملات طریقت میں آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں اور ہر ایک کتاب میں مثلاً ختم الولایۃ و

کتاب الحج و نوادر الاصول اور ان کے علاوہ اور بہت سی کتابوں میں آپ کی کرامتیں ظاہر ہیں۔ میرے نزدیک آپ بہت باعظمت بزرگ ہیں۔ چنانچہ میرا دل پورے طور پر آپ پر فریفتہ ہے۔ اور میرے شیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ محمد بن علی الترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ وہ در یتیم ہیں۔ کہ سارے عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتے اور علم ظاہر میں بھی آپ کی بہت سی کتابیں ہیں۔ اور احادیث میں آپ کی اسانید بہت ہی عالی اور قابل اعتماد سمجھی جاتی ہیں۔ آپ نے قرآن کریم کی ایک تفسیر شروع کی تھی۔ عمر نے وفانہ کی کہ اس کو تمام کرتے۔ جتنا حصہ لکھ چکے۔ وہ اہل علم کے درمیان آج تک رائج ہے اور آپ نے فقہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے ایک خاص شاگرد سے پڑھی تھی۔ اور آپ کو ترمذ میں لوگ محمد حکیم کہتے ہیں اور ملک کے صوفیا کرام آپ کی اقتدا کرتے ہیں۔ آپ کے بے شمار مناقب و فضائل ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے حضرت خضر پیغمبر صلوات اللہ و سلامہ علی نبینا و علیہ سے صحبت کا فیض حاصل کیا تھا اور ابوبکر وراق جو آپ کے مرید تھے۔ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہر یک شنبہ کو حضرت خضر علیہ السلام آپ کے پاس آتے تھے اور ایک دوسرے سے ظاہر باطن کے پوشیدہ حقائق اور واقعات دریافت کرتے تھے۔ نیز آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے مَنْ جَهِلَ بِاَوْصَافِ الْعُبُوْدِيَّةِ فَهُوَ بِنُعُوْتِ الرُّبُوْبِيَّةِ اَجْهَلُ۔ ترجمہ جو شخص بندگی کے اوصاف یعنی علم شریعت سے جاہل ہو۔ وہ اوصاف ربوبیت سے زیادہ جاہل ہوتا ہے) وَمَنْ لَمْ يَعْرِفْ طَرِيْقَ مَعْرِفَةِ النَّفْسِ لَمْ يَعْرِفْ طَرِيْقَ مَعْرِفَةِ الرَّبِّ بِاَنَّ الظَّاهِرَ مُتَعَلِّقٌ بِالْبَاطِنِ وَالتَّعَلُّقُ بِالظَّاهِرِ بِلَا بَاطِنٍ مُحَالٌ وَدَعْوَى الْبَاطِنِ بِلَا ظَاهِرٍ مُحَالٌ فَمَعْرِفَةُ اَوْصَافِ الرُّبُوْبِيَّةِ فِیْ تَصْحِيْحِ اَرْكَانِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَلَا يَتِمُّ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْاَدَبِ ترجمہ (اور جو معرفتِ نفس کا طریقہ نہیں جانتا وہ معرفتِ الٰہی کا طریقہ بھی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ظاہر باطن سے تعلق رکھتا ہے اور ظاہر سے تعلق باطن کے بغیر محال ہے اور باطن کا دعوےٰ ظاہر کے بغیر محال ہے۔ پس اوصافِ ربوبیت کی معرفت عبودیت کے ارکان و احکام کے صحیح طور پر بجالانے میں ہے اور یہ واقعی ادب کو احترام

کے بغیر صحیح نہیں۔ اور یہ ایک بنیادی اور مفید ترین بات ہے جو اپنی جگہ پر انشاء اللہ پورے طور پر بیان کی جائیگی۔

تینتالیسویں فصل

حضرت محمد عمر الوراق رحمۃ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالٰے میں سے ایک امت کے زاہدوں کے شرف اور اہل فقر و صفا میں نہایت پاکیزہ۔ حضرت ابو بکر محمد بن عمر الوراق رحمہ اللہ تعالٰے ہیں۔ آپ بزرگ مشائخ اور زاہد بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ اور آپ نے حضرت احمد بن خضرویہ رحمہ اللہ کو دیکھا تھا۔ اور حضرت محمد علی الترمذی رحمہ اللہ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ آداب و معاملات میں آپ کی بہت سی کتابیں ہیں۔ اور مشائخ آپ کو موءدب الاولیا کہتے ہیں۔ آپ خود حکایت کرتے ہیں کہ محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ مجھے لکھی ہوئی کتاب کے چند اجزا دے کر فرمایا کہ جاکر انہیں دریائے جیحون میں ڈال دو۔ مجھے میرے دل نے اجازت نہ دی اور میں نے ان کو گھر میں رکھ دیا۔ اور ان کے پاس آکر کہدیا کہ میں نے وہ اجزا دریا میں ڈال دیے۔ آپ نے فرمایا تو نے کیا دیکھا؟ میں نے کہا "میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا" آپ نے فرمایا تو نے پھر وہ اجزا دریا میں نہیں ڈالے واپس جاکر ان کو دریا میں ڈال دے۔ میں واپس لوٹا حالانکہ میرے دل میں اس کی دلیل کا وسوسہ پیدا ہو رہا تھا اور جب ان اجزا کو دریا میں ڈال دیا تو پانی دو ٹکڑے ہوگیا۔ اور ایک صندوق نمودار ہوا جس کا ڈھکنا کھلا تھا۔ جب وہ اجزا اس صندوق میں جا پڑے تو اس کا منہ بند ہوگیا۔ پھر پانی آپس میں مل گیا۔ اور صندوق غائب ہوگیا۔ میں نے واپس آکر یہ سارا ماجرا بیان کردیا تو آپ نے فرمایا۔ اب تو نے وہ اجزا ڈال دئے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ اے شیخ! اس بات کا بھید مجھے بتلائیے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے طریقت کے اصول اور اس کے اسرار رموز کی تشریح میں یہ کتاب تصنیف کی تھی۔ لیکن اس کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل تھا۔ چنانچہ میرے بھائی حضرت خضر علیہ السلام نے مجھ سے یہ کتاب طلب کی اور اللہ نے اس دریا کو حکم دیا ہے کہ وہ ان اجزاء کو ان تک پہنچا دے اور

نیز ابو وراق سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اَلنَّاسُ ثَلَاثَۃٌ اَلْعُلَمَاءُ وَالْاُمَرَاءُ وَالْفُقَرَاءُ فَاِذَا فَسَدَ الْعُلَمَاءُ فَسَدَ الطَّاعَۃُ وَالشَّرِیْعَۃُ وَاِذَا فَسَدَ الْاُمَرَاءُ فَسَدَ الْمَعَاشُ وَاِذَا فَسَدَ الْفُقَرَاءُ فَسَدَ الْاَخْلَاقُ ترجمہ، لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں عالم، فقیر، امیر پس جب عالم لوگ بگڑ جاتے ہیں۔ تو عبادت الٰہی اور شریعت کے امور میں بگاڑ پڑ جاتا ہے اور جب امیر بگڑ جاتے ہیں تو انتظام معاش بگڑ جاتا ہے اور جب فقیر بگڑ جاتے ہیں تو سب اخلاق بگڑ جاتے ہیں) پس امراء و سلاطین کی تباہی تو ظلم و ستم سے ہوتی ہے اور علماء کی خرابی طمع اور لالچ سے اور فقرا کی بربادی جاہ طلبی سے اور جب تک بادشاہ علماء سے روگردانی نہیں کرتے تباہ نہیں ہوتے۔ اور جب تک فقراء جاہ طلبی نہیں کرتے۔ برباد نہیں ہوتے اور جب تک علماء بادشاہوں کی صحبت اختیار نہیں کرتے خراب نہیں ہوتے اس لئے کہ بادشاہوں کا ظلم بے علمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور علماء کی طمع بددیانتی کی وجہ سے ہوتی ہے اور فقراء کی ریا اللہ پر توکّل نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ پس بے علم بادشاہ اور بے پرہیز عالم اور بے توکل فقیر شیطان کا ہم نشین ہوتا ہے۔ اور ساری مخلوق کا بگاڑ ان تینوں گروہوں کے بگاڑ سے وابستہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ؛

چوالیسویں فصل

حضرت ابوسعید احمد بن عیسٰی الخراز رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالٰے میں سے ایک رضا و توکل والوں کی کشتی اور طریق فنا کو طے کرنے والے حضرت ابوسعید احمد بن عیسی الخراز رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ ارادتمندوں کے حالات کے شاہد اور طالبان حق کے اوقات کی دلیل تھے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فنا و بقا کے طریق کی وضاحت کی اور اس کے اصول و ضوابط متعین فرمائے آپ کے مناقب، آپ کی ریاضت و مجاہدہ اور بصیرت افروز نکات و اشارات اور معاملاتِ طریقت پر گراں قدر تصانیف بحد مشہور ہیں۔ آپ نے حضرت ذوالنون مصری حضرت بشر حافی اور حضرت سرّی سقطی رحمہم اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور ان ہی کی

صحبت بابرکت سے روحانی فیوض کا اکتساب کیا تھا۔ اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے متعلق کہ جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْهَا ترجمہ (دل فطری طور پر اس شخص سے محبت کرتے ہیں جو ان سے نیکی کرے) ارشاد فرمایا ہے وَاَعْجَبَا لِمَنْ لَمْ یَرَ مُحْسِنًا غَیْرَ اللّٰہِ کَیْفَ لَا یَمِیْلُ بِکُلِّیَّتِہٖ اِلَی اللّٰہِ ترجمہ (اس شخص پر تعجب ہے جس نے اللہ کے سوا کسی اور کو حقیقی محسن نہیں دیکھا۔ لیکن پھر بھی وہ پورے طور پر اس کی طرف راغب نہیں ہوتا؟) اس لئے کہ احسان درحقیقت وہ ہے۔ جو مخلوقات کا حقیقی مالک کرے۔ کیونکہ احسان اس شخص سے نیکی کرنا ہے جو اس کی نیکی کا محتاج ہو۔ اور جو شخص اپنے اوپر کسی غیر کا احسان پاتا ہے۔ وہ دوسرے شخص سے کس طرح احسان کرسکتا ہے۔ پس دنیا میں سب حکومت اور ملکیت اللہ عزوجل ہی کی ہے اور وہ ایسی ذات ہے جو غیر سے بالکل بے نیاز ہے اس لئے اصل احسان اسی کا ہے) پس جب اولیاء اللہ نے اس بات کو اچھی طرح جان لیا۔ اور اپنے منعم و محسن کے انعام و احسان کو دیکھا۔ تو ان کے دل پورے طور پر اس محسن حقیقی کی محبت کے اسیر ہو گئے اور ماسوائے اللہ سے انہوں نے منہ موڑ لیا۔

پینتالیسویں فصل

حضرت ابوالحسن علی بن محمد الاصفہانی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالٰی میں سے ایک ارباب تحقیق کی دلیل۔ اور مریدوں کے رہنما حضرت ابوالحسن علی بن محمد الاصفہانی ہیں اور بعض نے آپ کا نام علی بن سہل الاصفہانی رحمہ اللہ تعالٰی بتایا ہے۔ آپ بڑے بلند مرتبہ مشائخ صوفیہ میں سے گزرے ہیں اور حضرت جنید رحمہ اللہ نے آپ کی طرف نہایت لطیف خطوط لکھے ہیں۔ آپ کا درجہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ تعالٰی آپ کی زیارت کے لئے اصفہان تشریف لے گئے تھے آپ حضرت ابو تراب نخشبی رحمہ اللہ کے ہم صحبت اور حضرت جنید رحمہ اللہ کے رفیق تھے۔ آپ تصوف میں نہایت پسندیدہ طریق کے ساتھ

مخصوص ہیں۔ اور رضا اور یاضت سے آراستہ اور فتنہ و آفت کے تعرض سے بالکل محفوظ تھے۔ آپ حقائق و معاملات کے بیان کرنے میں اچھی زبان اور دقائق و اشارات تصوف کے متعلق لطیف بیان رکھتے تھے۔ اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا ہے اَلْحُضُوْرُ اَفْضَلُ مِنَ الْیَقِیْنِ لِاَنَّ الْحُضُوْرَ وَطَنَاتٌ وَ الْیَقِیْنَ خَطَرَاتٌ ترجمہ بارگاہِ قدس میں ہر وقت حاضر رہنا ذاتِ حق کے یقین سے افضل ہے کیونکہ بارگاہِ قدس میں ہمیشہ کی حاضری گویا کہ وطن گزینی ہے۔ جس پر غفلت کا طاری ہونا روا نہیں اور ذاتِ حق کا یقین گویا دل میں گزرنے والی چیزوں میں سے ہے جو کبھی دل میں آجاتی ہیں اور کبھی نہیں آتیں) پس حاضرانِ بارگاہ قدس عین بارگاہِ حق میں مقیم ہوتے ہیں اور ذاتِ حق کا یقین کرنے والے بارگاہ قدس کے دروازہ پر کھڑے ہوتے ہیں اور غیبت و حضور کے متعلق ایک مستقل باب اس کتاب میں انشاء اللہ آئے گا۔

اور نیز آپ نے فرمایا ہے مِنْ وَقْتِ آدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ النَّاسُ یَقُوْلُوْنَ الْقَلْبَ الْقَلْبَ وَ اَنَا اُحِبُّ اَنْ اَرٰی رَجُلًا یَصِفُ اَیَّ شَیْءٍ الْقَلْبُ ترجمہ آدم علیہ السلام کے وقت سے لوگ آج تک دل دل کہتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ میں ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو بیان کرے کہ دل کیا چیز ہے اور اس کے معنی و اوصاف و کیفیات کا علم ذات الکشاف کرے لیکن ہنوز میں ایسے آدمی کو نہ پا سکا۔ اور عام لوگ اس گوشت کے ٹکڑے کو دل کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ تو دیوانوں اور مغلوب العقل لوگوں اور حیوانوں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن وہ باوجود اس گوشت کے پارہ کے بے دل ہی ہوتے ہیں۔ پس دل کیا چیز ہے اگر میں اس کی نسبت میں سوائے الفاظ و عبارت کے اور کچھ نہیں جانتا ہوں اگر عقل کو دل کہوں تو وہ بھی دل نہیں علم کو دل کہوں۔ تو وہ بھی دل نہیں غرض حق کے تمام مشاہدات کا تعلق دل سے ہے اور اسی تعلق سے دل کی اہمیت تھوڑی سی سمجھ میں آسکتی ہے۔ ورنہ عبارت اور الفاظ کے سوا اس کے سمجھنے کے لئے اور کوئی ذریعہ نہیں۔

چھیالیسویں فصل

حضرت ابوالحسن محمد اسمٰعیل خیر النساج رحمۃ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالٰے میں سے ایک۔ اہل تسلیم کے رہنما۔ اور طریق محبت الٰہی میں ثابت قدم۔ حضرت ابوالحسن محمد بن اسمٰعیل خیر النساج رحمۃ اللہ تعالٰے ہیں۔ آپ اپنے زمانہ میں بزرگ مشائخ میں سے تھے۔ اور معاملات اور نصائح میں آپ کا بیان بہت عمدہ اور عبارت بہت مہذب تھیں۔ اور آپ کو بہت لمبی عمر ملی تھی۔ اور حضرت شبلی و ابراہیم خواص رحمہما اللہ دونوں نے آپ کی مجلس میں توبہ کی تھی۔ آپ نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ کو حضرت جنید رحمۃ اللہ کے پاس بھیج دیا تھا۔ آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ کے مرید تھے اور حضرت جنید وابوالحسن نوری رحمہما اللہ کے ہم عصروں میں سے تھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ کے نزدیک محترم تھے۔ اور حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور روایت ہے کہ آپ کو جو خیر النساج کہتے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ جب آپ اپنے وطن سے سامرہ چلے گئے۔ تو حج کے ارادہ سے آپ کا گزر کوفہ پر ہوا۔ شہر کے دروازہ پر ایک ریشم باف نے آپ کو پکڑ لیا کہ تو میرا غلام ہے اور تیرا نام خیر ہے۔ لہٰذا میں تجھے یہاں سے ہرگز جانے نہیں دیتا۔ آپ نے اس بات کو حق تعالٰے کی طرف سے سمجھا۔ اور اس آدمی کی مخالفت نہ کی۔ اور کچھ مدت تک اس کا کام کرتے رہے جب وہ شخص آپ کو یا خیر کہہ کر پکارا کرتا تو حضرت شیخ اس کو لبیک کہہ کر جواب دیتے۔ یہاں تک کہ وہ شخص اپنے کیے پر پشیمان ہوگیا۔ اور آپ سے کہنے لگا۔ آپ جائیے۔ کیونکہ میں نے غلطی کی تھی۔ آپ میرے غلام نہیں۔ آپ چلے گئے۔ اور مکہ شریف پہنچ گئے۔ اور اس درجہ پر پہنچے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ خیر ہم سے اچھے ہیں۔ آپ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ لوگ آپ کو خیر کہہ کر پکاریں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ بات روا نہیں کہ جب ایک مسلمان نے میرا نام خیر رکھا تو میں اس کو بدل دوں۔ اور کہتے ہیں کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ نماز شام کا وقت تھا۔ جب موت کی بے ہوشی سے آپ کو ذرا ہوش آیا تو

ملک الموت کی طرف نگاہ ڈال کر فرمایا قِفْ مَافَاتَكَ اللّٰهُ مِنَّا اِنَّمَا اَنْتَ عَبْدٌ مَأْمُوْرٌ وَاَنَا عَبْدٌ مَامُوْرٌ وَمَا اَنْتَ بِهٖ لَا يَفُوْتُكَ وَمَا اُمِرْتُ بِهٖ فَهُوَ شَيْئٌ يَفُوْتُنِيْ فَدَعْنِيْ اَمْضِيْ فِيْمَا اُمِرْتُ بِهٖ ثُمَّ اَمْضِ بِمَا اُمِرْتَ بِهٖ ترجمہ ٹھہر جا اللہ تجھے معاف کرے تو بھی خدا کا ایک ایسا بندہ ہے جس کو ایک کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور میں بھی خدا کا ایک ایسا بندہ ہوں جس کو ایک کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن جس بات کا تجھے حکم دیا گیا ہے وہ تجھ سے فوت نہیں ہو رہی ہے اور جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ وہ مجھ سے فوت ہو رہی ہے۔ پس مجھے تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دے کہ میں وہ کام کروں جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے پھر تو وہ امر بجالا جس کا تجھے حکم دیا گیا ہے) پھر آپ نے پانی منگوایا اور وضو کر کے نماز شام ادا کی اور جان دے دی۔ اسی رات لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ سے کیا سلوک فرمایا۔ تو آپ نے جواب دیا لَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ هٰذَا وَلٰكِنْ اِسْتَرَحْتُ مِنْ دُنْيَاكُمْ ترجمہ تم مجھ سے ایسا سوال نہ کرو البتہ میں نے تمہاری دنیا سے نجات پاکر آرام حاصل کر لیا ہے) اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنی مجلس کے اندر فرمایا۔ شَرَحَ اللّٰهُ صُدُوْرَ الْمُتَّقِيْنَ بِنُوْرِ الْيَقِيْنِ وَكَشَفَ بَصَائِرَ الْمُؤْقِنِيْنَ بِنُوْرِ حَقَائِقِ الْاِيْمَانِ ترجمہ اللہ تعالےٰ نے متقی لوگوں کے سینوں کو نور یقین سے کھول دیا۔ اور اہل یقین کے دلوں کی آنکھیں حقائق ایمان کے نور سے منور فرمائیں۔ کیونکہ متقی شخص کو یقین کے سوا چارہ نہیں۔ کہ اس کا دل نور یقین سے جلا پاتا ہے۔ اور اہل یقین کو حقائق ایمان کے سوا چارہ نہیں۔ کہ ان کی عقل کی آنکھیں نور ایمان سے روشن ہیں۔ پس جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں یقین بھی ہوتا ہے۔ اور جہاں یقین ہوتا ہے وہاں تقوےٰ بھی۔ اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے تابع واللہ اعلم ؛

سینتالیسویں فصل

حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک زمانے کو حق کی طرف بلانے والے

اور اپنے عہد کے یگانہ۔ حضرت ابوحمزہ خراسانی رحمۃ اللہ تعالےٰ ہیں۔ آپ خراسان کے قدیم مشائخ میں سے ہوئے ہیں آپ حضرت ابوتراب رحمۃ اللہ کی صحبت کے پروردہ تھے۔ اور حضرت خراز رحمۃ اللہ کو دیکھا تھا۔ اور توکل میں پورا درجہ رکھتے تھے آپ کے متعلق یہ حکایت مشہور ہے کہ آپ ایک روز چلے جا رہے تھے۔ کہ کنوئیں میں گر پڑے۔ اور تین روز اس کنوئیں میں رہے۔ اتنے میں مسافروں کا ایک گروہ وہاں آپہنچا تو آپ نے اپنے دل میں کہا کہ ان لوگوں کو آواز دوں۔ کہ مجھے یہاں سے باہر نکالیں مگر ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ بات اچھی نہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگوں۔ اور یہ شکایت ہوگی۔ اگر میں ان سے کہوں۔ کہ میرے مولا نے مجھے کنوئیں میں ڈال دیا ہے اب تم مجھے باہر نکال لو۔ کہتے ہیں کہ وہ لوگ نزدیک آئے اور کنوئیں کو دیکھا کہ راہ میں کھلا منہ اور بغیر آڑ کے ہے۔ آپس میں کہنے لگے کہ اُڈ ثواب کے لئے کنوئیں کا منہ ڈھانپ دیں تاکہ کوئی شخص اس میں گر نہ پڑے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میرے دل میں اس بات سے اضطراب پیدا ہوا۔ اور میں اپنی جان سے ناامید ہوگیا جب وہ لوگ کنوئیں کا سر ڈھانک کر واپس چلے گئے تو میں نے خدا کی جناب میں عاجزی سے دعا کی اور دل میں موت کی ٹھان لی۔ اور سب مخلوق سے ناامید ہوگیا۔ جب رات ہوگئی تو کنوئیں کے اوپر سے میں نے ایک جنبش سی سنی۔ میں نے جو اچھی طرح سے غور کیا۔ تو دیکھا کہ کسی نے کنوئیں کا منہ کھول دیا۔ اور اژدہا جیسا بہت بڑا جانور دیکھا۔ جس نے اپنی دم نیچے لٹکا دی۔ میں نے سمجھا کہ میری نجات کے لئے اسے خدا تعالےٰ نے بھیجا ہے۔ میں اس کی دم سے چمٹ گیا۔ تو اس نے مجھے اوپر کھینچ لیا۔ اتنے میں ایک ہاتف غیب نے آواز دی کہ اے ابا حمزہ! تیری نجات بہت اچھی ہے کہ ایک ہلاک کرنے والے جانور کے ذریعہ سے ہم نے تجھے تباہی سے نجات دی۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ غریب کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا اَلْمُسْتَوْحِشُ مِنَ الْاِلْفِ ترجمہ جو دنیا و مافیہا کی الفت سے وحشت اختیار کرے (یعنی جس کو دنیا کی تمام چیزوں حتیٰ کہ اپنی ذات کی محبت سے وحشت ہو۔ وہ غریب ہوتا ہے۔ اس لئے

کہ درویش کا وطن دنیا و عقبےٰ نہیں ہوتا۔ اور اپنے دائمی وطن کے سوا کسی اور چیز سے الفت و وحشت ہوتی ہے۔ اور جب اس کی الفت تمام عالم سے منقطع ہو جائے تو وہ سب چیزوں سے وحشت اختیار کرتا ہے۔ پھر وہ غریب ہوتا ہے اور یہ درجہ بہت بلند ہے۔ واللہ اعلم ؁

اڑتالیسویں فصل

حضرت ابوالعباس احمد بن مسروق رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک۔ فرمان الٰہی کے مطابق مرغبل کو حق کی دعوت دینے والے حضرت ابوالعباس احمد بن مسروق رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں۔ آپ خراسان کے بزرگوں اور بڑے صوفیا میں سے ہوئے ہیں۔ اور تمام اولیاء اللہ کے اتفاق سے آپ اوتاد الارض میں سے تھے۔ اور آپ کو قطب المداریہ علیہ کے ساتھ صحبت رہی تھی ایک مرتبہ آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ ہمیں بتائیے کہ اس وقت کے قطب کون ہے؟ تو آپ نے اس بات کو ظاہر تو نہ کیا۔ لیکن اشارہ سے بتایا کہ جنید رحمہ اللہ ہیں۔ آپ نے چالیس صاحب قدر اولیاء کی خدمت کی تھی اور ان سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اور علوم ظاہر و باطن میں آپ شاہسوار تھے۔ اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ سُرُوْرُهٗ بِغَيْرِ الْحَقِّ فَسُرُوْرُهٗ يُوْرِثُ الْهُمُوْمَ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ اُنْسُهٗ فِيْ خِدْمَةِ رَبِّهٖ فَاَنْسُهٗ يُوْرِثُ الْوَحْشَةَ وہ شخص جس کی خوشی غیر اللہ سے ہو اسی کی خوشی غم و اندوہ پیدا کرتی ہے۔ اور وہ شخص جس کی محبت اپنے رب کی خدمت سے نہ ہو اس کی محبت وحشت پیدا کرتی ہے (یعنی جو کچھ بھی اللہ کے سوا ہے وہ فانی ہے۔ پس جو شخص فانی چیز سے خوش ہوتا ہے تو جب وہ فنا ہو جاتی ہے تو غمگین ہو جاتا ہے اور حق کی خدمت و عبادت کے سوا سب عبث ہے اور جب بندہ پر مخلوقات کا حقیر و ہیچ ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ تو اس کی مخلوقات سے سب محبت وحشت ہو جاتی ہے پس عالم کا یہ سارا غم اور وحشت غیر اللہ کے دیکھنے میں ہے۔ واللہ اعلم ؁

انچاسویں فصل

حضرت ابوعبداللہ ابن محمد اسمٰعیل المغربی رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک۔ متوکلین کے استاد اور محققین کے شیخ حضرت ابوعبداللہ ابن محمد اسمٰعیل المغربی رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں۔ آپ وقت کے بزرگوں اور سرداروں میں سے ہوئے ہیں۔ اور اپنے زمانہ میں استادوں کے مقبول اور مریدوں پر شفقت کرنے والے تھے۔ حضرت ابراہیم خواص اور حضرت ابراہیم شیبان رحمہما اللہ آپ کے مرید ہوئے ہیں۔ طریقت میں آپ کا کلام۔ اور آپ کے دلائل بہت بلند اور واضح ہیں۔ آپ دنیا سے علیحدہ رہنے میں بڑے ثابت قدم تھے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا مَا رَاَیْتُ اَنْصَفَ مِنَ الدُّنْیَا اِنْ خَدِمْتَھَا خَدَمَتْکَ وَاِنْ تَرَکْتَھَا تَرَکَتْکَ ترجمہ میں نے دنیا سے بڑھ کر کسی چیز کو انصاف والا نہیں دیکھا۔ کہ اگر اس کی خدمت کرے۔ تو وہ تیری خدمت کرتی ہے اور اگر تو اس کو چھوڑ دے تو وہ تجھے چھوڑ دیتی ہے (یعنی جب تک تو اس کو طلب کرتا ہے۔ وہ تجھے طلب کرتی ہے اور جب تو اس سے اعراض کر کے طلب الٰہی کرتا ہے۔ تو وہ تجھ سے بھاگ جاتی ہے اور اس کے تفکرات تیرے دل سے دور ہو جاتے ہیں۔ پس جو شخص سچے طور پر دنیا سے اعراض کرے وہ اس کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی مصیبت سے چھوٹ جاتا ہے۔ واللہ اعلم؛

پچاسویں فصل

حضرت ابوالحسن علی بن الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک۔ زمانہ کے پیر اور اپنے زمانہ میں یگانہ حضرت ابوالحسن بن علی الجرجانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں آپ اپنے زمانہ کے بے مثال بزرگ تھے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ جو طریقت کے معاملات اور نفس کی خرابیوں کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ آپ محمد بن علی ترمذی رحمہ اللہ کے مرید اور حضرت ابوبکر وراق رحمہ اللہ تعالےٰ کے ہمعصر تھے۔ اور حضرت ابراہیم سمرقندی رحمہ اللہ آپ ہی کے مرید تھے۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے

فرمایا اَلْخَلْقُ کُلُّھُمْ فِیْ مَیَادِیْنِ الْغَفْلَۃِ یَرْکُضُوْنَ وَعَلَی الظُّنُوْنِ یَعْتَمِدُوْنَ عِنْدَھُمْ اِنَّھُمْ فِی الْحَقِیْقَۃِ یَتَقَلَّبُوْنَ وَعَنِ الْمُکَاشَفَۃِ یَنْطِقُوْنَ - ترجمہ لوگ سب غفلت کے میدانوں میں گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ اور شکوک پر اعتماد کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ وہی درحقیقت دنیا میں ایک حالت سے دوسری میں آتے جاتے ہیں اور وہی ہیں جو مکاشفہ سے گفتگو کرتے ہیں۔
اور اس رہنما کا اشارہ طبیعت کے غرور اور نفس کی سرکشی کی طرف ہے جیسا کہ ایک جاہل آدمی اپنے جہل کا ہی معتقد ہوتا ہے اور جاہل صوفی تو اور بھی اپنی جہالت کا معتقد ہوتا ہے۔ چنانچہ ان صوفیاء میں سے صاحب علم صوفی لوگوں میں زیادہ عزیز و محترم ہوتا ہے اور ان میں سے جاہل، سب سے زیادہ ذلیل ہوتے ہیں اس لئے کہ ان صاحب علم صوفیہ کو حقیقت حاصل ہوتی ہے نہ غرور۔ لیکن ان میں سے جاہلوں کو غرور ہوتا ہے۔ اور حقیقت حاصل نہیں ہوتی۔ اور وہ میدان غفلت میں چرتے پھرتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں کہ وہ ولایت کا میدان ہے۔ اپنے ظن پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ وہی یقین ہے رسم و رواج پر چلتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ وہ حقیقت ہے جو کچھ کہتے ہیں۔ اپنی خواہش نفس کی پیروی ہی کہتے ہیں۔ لیکن خیال کرتے ہیں کہ وہ مکاشفہ ہے۔ اس لئے کہ غرور آدمی کے سر سے باہر نہیں نکلتا۔ مگر اسی صورت میں کہ وہ جلال یا جمال حق کو نہ دیکھ لے۔ کیونکہ اس کے جمال کے ظاہر ہونے کی صورت میں سب اسی کو دیکھتے ہیں اور ان کا غرور فنا ہو جاتا ہے اور اس حق سبحانہ کے جلال کے ظہور کی صورت میں وہ اپنے آپ کو نہیں دیکھتے۔ اور ان کا غرور سر نہیں اٹھا سکتا۔

اکیاونویں فصل

حضرت ابو محمد احمد بن الحسین الحریری رحمۃ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک علوم طریقت کو پھیلانے والے اور رسوم طریقت کے مقرر کرنے والے۔ حضرت ابو محمد احمد بن الحسین الحریری رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں۔ آپ حضرت جنید رحمہ اللہ کے رازداروں میں سے تھے اور حضرت سہل بن عبد اللہ رحمہ اللہ کی صحبت بھی پائی تھی اور تمام علوم ظاہری

باطنی کے سے باخبر تھے اور فقہ میں وقت کے امام تھے اور اصولِ فقہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اور طریق تصوف میں تو اس درجہ پر فائز تھے کہ حضرت جنید رحمہ اللہ نے آپ سے فرمایا تھا کہ میرے مریدوں کو ادب سکھائیے اور انہیں ریاضت کی تاکید فرمایئے آپ حضرت جنید رحمہ اللہ کے خلیفہ اور جانشین ہوئے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا دَوَامُ الْاِیْمَانِ وَقِوَامُ الْاَدْیَانِ وَصَلَاحُ الْاَبْدَانِ فِیْ ثَلَاثَۃِ خِصَالٍ اَلْاِکْتِفَاءُ وَ الْاِتِّقَاءُ وَ الْاِحْتِمَاءُ فَمَنِ اکْتَفٰی بِاللّٰہِ صَلُحَتْ سَرِیْرَتُہٗ وَمَنِ اتَّقٰی مَا نَہَاہُ اللّٰہُ عَنْہُ اِسْتَقَامَتْ سِیْرَتُہٗ وَمَنِ احْتَمٰی مَالَمْ یُوَافِقْہُ اِرْتَاضَتْ طَبِیْعَتُہٗ فَثَمَرَۃُ الْاِکْتِفَاءِ صَفْوُ الْمَعْرِفَۃِ وَعَاقِبَۃُ الْاِتِّقَاءِ حُسْنُ الْخَلِیْقَۃِ وَغَایَۃُ الْاِحْتِمَاءِ اِعْتِدَالُ الطَّبِیْعَۃِ ترجمہ (ایمان کا ہمیشہ رہنا۔ اور دین کا انتظام اور بدنوں کی درستی تین باتوں پر منحصر ہے اللہ تعالےٰ پر اکتفا کرنے ممنوعات سے بچے رہنے اور نامناسب امور سے پرہیز کرنے پر منحصر ہے۔ پس جس نے اللہ تعالےٰ پر اکتفا کیا اسکا باطن درست ہو گیا۔ اور جو شخص ان باتوں سے بچتا رہا۔ جن سے اللہ تعالےٰ نے منع فرمایا ہے اس کی سیرت نیک ہو گئی اور جس نے غیر مناسب غذاؤں سے پرہیز کیا۔ اس کی طبیعت اعتدال پر آگئی۔ پس اللہ تعالےٰ پر اکتفا کرنے کا ثمرہ معرفتِ الٰہی کی صفائی ہے اور منع کئے ہوئے امور سے پرہیز کرنے کا انجام خوش خلقی ہے اور نامناسب اغذیہ سے پرہیز کرنے کا نتیجہ طبیعت کا معتدل ہونا ہے۔ یعنی جو شخص سب امور میں خدا کو کافی سمجھ کر اسی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس کی معرفت بالکل مصفا ہوتی ہے اور جو معاملات میں تقوےٰ اختیار کرتا ہے اس کا خلق دنیا اور آخرت میں نیک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے مَنْ کَثُرَ صَلٰوتُہٗ بِاللَّیْلِ حَسُنَ وَجْہُہٗ بِالنَّہَارِ ترجمہ جس کی نماز رات کے وقت زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا چہرہ دن کے وقت زیادہ باجمال ہوتا ہے) اور ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔ کہ قیامت میں متقی لوگ ایسے طور پر آئیں گے کہ وُجُوْہُھُمْ نُوْرٌ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ۔ ترجمہ (ان کے چہرے منوّر ہوں گے۔ اور وہ نور کے منبروں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ اور جو

شخص غیر مناسب اغذیہ سے پرہیز کا طریق اختیار کرے گا۔ اس کا بدن بیماری سے اور نفس شہوت سے محفوظ رہے گا۔ اغذیہ بات نہایت ہی جامع عمدہ اور سننے کے قابل ہے۔ واللہ اعلم۔

باونویں فصل

حضرت ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل الآملی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالے میں سے ہوئے ہیں۔ خزلیفوں کے شیخ اور اہل صفا کے پیشوا حضرت ابوالعباس احمد بن محمد بن سہل الآملی رحمہ اللہ تعالے آپ بزرگ مشائخ اور باحشمت لوگوں میں سے ہوئے ہیں۔ اور ہمیشہ اپنے ہمعصروں میں محترم تھے۔ اور علم تفسیر و قرأت کے عالم تھے۔ اور قرآن کے لطائف بیان کرنا آپ کا ہی حصہ تھا۔ آپ حضرت جنید رحمہ اللہ کے بڑے مریدوں میں سے تھے۔ اور حضرت ابراہیم بارستانی رحمہ اللہ کی صحبت حاصل کی تھی اور حضرت ابوسعید خراز رحمہ اللہ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور آپ کے سوائے کسی کو تصوف میں تسلیم نہ کرتے تھے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَلسُّکُوْنُ اِلٰی مَاْلُوْفَاتِ الطَّبَائِعِ یَقْطَعُ صَاحِبَهَا عَنْ بُلُوْغِ دَرَجَاتِ الْحَقَائِقِ ترجمہ ان چیزوں سے آرام پانا جن سے طبیعتوں کو الفت ہو۔ انسان کو حقائق کے درجوں پر پہنچنے سے روک دیتا ہے) یعنی جو شخص طبیعت کے مرغوبات سے آرام حاصل کرتا ہے۔ وہ حقیقت پر پہنچنے سے رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ طبیعتیں نفس کے اسباب اور آلات ہیں اور نفس حق سے حجاب میں ہے۔ اور حقیقت محل کشف و مشاہدہ ہے اور کوئی مرید جو حق سے حجاب میں ہو۔ اور مرغوبات طبع سے آرام پاتا ہو۔ وہ کبھی مشاہدہ حق کرنے والے انسان جیسا نہیں ہو سکتا۔ پس حقائق کا معلوم کرنا کشف کا محل ہوتا ہے۔ جو طبیعت کی مرغوب چیزوں سے اعراض کرنے سے وابستہ ہے۔ اس لئے کہ طبائع کی الفت دو چیزوں سے ہوتی ہے۔ ایک دنیا اور دنیا کی چیزوں سے اور دوسرے آخرت اور اس کے احوال سے دنیا سے الفت کرتا ہے۔ ہم جنس ہونے کی وجہ سے۔ اور عقبٰے سے الفت کرتا ہے۔ اپنے زعم باطل

کی وجہ سے وہ نہ تو اس کی جنس ہے اور نہ اسے اس کی حقیقت ہی معلوم ہے اِس عقبےٰ سے اس کی الفت زعم باطل ہی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس عالم عقبےٰ کی حقیقت کو اچھی طرح پہچان لیتا۔ تو اس عالم ناسوت سے قطع تعلق کر لیتا۔ اور جب اس عالم سے قطع تعلق کر لیتا تو طبیعت کی حکومت ختم ہو جاتی۔ تب حقائق کا مشاہدہ ہوتا۔ کیونکہ وہ عالم عقبےٰ طبیعت کیلئے سوائے طبیعت کے فنا ہو جانے کے اور کوئی تعلق نہیں رکھتا لَاتَ فِیْہَا مَا لَاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (کیونکہ اس عالم عقبےٰ میں وہ نعمتیں ہیں جن کا انسان کے دل پر گذر تک بھی نہیں ہوا) دل میں گزر اس وجہ سے نہیں کہ اس کا راستہ پر خطر ہے اور وہ چیز زیادہ وقعت نہیں رکھتی جو خاطر میں آجائے۔ غرض یہ کہ جب عقبےٰ کی حقیقت کی معرفت سے وہم عاجز ہے۔ تو طبیعت کو اس کی اصلی حقیقت سے کس طرح الفت ہو سکتی ہے۔ پس یہ بات درست ہو گئی۔ کہ طبیعت کی الفت عقبیٰ کے ساتھ ایک خیال باطل ہے۔ واللہ اعلم ؏

ترپانویں فصل

حضرت ابوالمغیث الحسین بن منصور الحلاج رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک عالم معنی ہیں ڈوبے ہوئے اور اپنے دعوے میں ہلاک شدہ۔ حضرت ابو المغیث الحسین بن منصور الحلاج رحمہ اللہ علیہ۔ آپ طریقت کے مشتاقوں اور مستوں میں سے تھے۔ آپ کا حال قوی اور ہمت عالی تھی۔ مشائخ طریقت آپ کے بارہ میں مختلف ہیں۔ آپ صوفیا کے ایک گروہ کے نزدیک تو مردود ہیں اور دوسرے گروہ کے نزدیک مقبول۔ مثلاً عمرو بن عثمان المکی رحؒ و ابو یعقوب نہر جوری رحؒ و ابو ایوب اقطع اور علی بن سہل اصفہانی رحؒ وغیرہم نے ان کو رد کر دیا ہے۔ اور ابن عطار رحؒ محمد بن حنیف رحؒ و ابو القاسم نصر آبادی رحؒ اور سب متاخرین رحمہم اللہ نے ان کو قبول کیا ہے اور پھر ایک جماعت نے آپ کے معاملہ میں توقف کیا ہے۔ مثلاً حضرت جنید و شبلی و حریری و حصری وغیرہم رحمہم اللہ۔ اور ایک دوسرے گروہ نے آپکو جادو اور اس کے اسباب سے منسوب کیا ہے۔ لیکن ہمارے زمانے میں شیخ المشائخ

ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالقاسم گرگانی اور شیخ ابوالعباس شقانی رحمہم اللہ نے آپ کے معاملہ کو راز میں رکھا ہے ویسے ان کے نزدیک وہ بزرگ ہی تھے اور قابل احترام۔ لیکن استاد ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر وہ اہل معانی و حقیقت میں سے ایک بزرگ ہوئے ہیں۔ تو لوگوں کے ترک کرنے سے وہ متروک و مردود ہرگز نہیں ہو سکتے اور اگر وہ طریقت میں متروک اور حق تعالیٰ کی طرف سے مردود ہوئے ہیں۔ تو لوگوں کے قبول کرنے سے وہ مقبول نہیں ہو سکتے۔ ہم آپ کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں البتہ جس قدر کہ حق کا نشان ہم نے آپ میں پایا ہے۔ آپ کو بزرگ سمجھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تمام مشائخ کرام میں سے سوائے معدودے چند لوگوں کے آپ کے کمالِ فضیلت حال کی صفائی اور کثرت اجتہاد و ریاضت کا کوئی منکر نہیں۔ اس کتاب میں آپ کا ذکر درج نہ کرنا دیانت کے خلاف ہوتا۔ کیونکہ بعض اہلِ ظاہر ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ اور ان کی بزرگی اور ولایت کا انکار کرتے ہیں۔ اور آپ کے حالات کو عذر حیلہ اور جادو سے منسوب کرتے ہیں۔ اور خیال کرتے ہیں۔ کہ حسین بن منصور حلاج دراصل بغداد کا وہ ملحد و بے دین ہے۔ جو محمد بن زکریا کا استاد اور ابوسعید قرمطی کا رفیق تھا۔ حالانکہ حسین جن کے معاملہ میں مشائخ کے درمیان اختلاف ہے۔ وہ فارسی النسل اور بیضا کے رہنے والے ہیں۔ اور مشائخ کا ان کو رد اور ترک کرنا ان کے دین اور مذہب میں طعن کی وجہ سے نہیں ہے۔ بلکہ ان کے عجیب و غریب حالات کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ پہلے وہ سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ ان کی اجازت لئے بغیر ان کے پاس سے چلے گئے۔ اور عمرو بن عثمان رحمہ اللہ سے تعلق پیدا کیا۔ اور پھر ان کے پاس سے بھی بلا اجازت چلے گئے۔ اور حضرت جنید رحمہ اللہ سے تعلق پیدا کرنا چاہا حضرت جنید رحمہ اللہ نے ان کو قبول نہ کیا۔ اسی سبب سے وقت کے سب مشائخ نے ان کو چھوڑ دیا۔ پس وہ عمل میں متروک ہیں۔ نہ کہ اصل طریقت میں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ اَنَا وَالْحَلَّاجُ فِیْ شَیْءٍ وَّاحِدٍ خَلَّصَنِیْ جُنُوْنِیْ وَاَهْلَكَهٗ عَقْلُهٗ ترجمہ میں اور حلاج ایک ہی حالت

میں ہیں۔ پس مجھے تو میرے جنون نے چھوڑ دیا۔ اور اسے اس کی عقل نے ہلاک کر دیا) اور اگر وہ دین میں مطعون ہوتے تو شبلی رحمہ اللہ یوں نہ کہتے۔ کہ میں اور حلاج ایک ہی حالت میں ہیں۔ اور حضرت خفیف رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ ھُوَ عَالِمٌ رَبَّانِیٌّ ترجمہ وہ عالم ربانی ہے) آپ کی بزرگی اور فضیلت پر اور بھی بہت سے شواہد ہیں۔ پس بعض مشائخ کی نارضامندی اور ان کی نافرمانی سہل لائی اور طریقت میں لوگوں کی نظر میں مطعون و متروک بنے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ اور اصول و فروع میں آپ کے رموز اور آپ کا کلام مہذب ہے اور میں نے جو علی بن عثمان جلابیؒ ہوں آپ کی تصنیفات کے پچاس نسخے بغداد اور اس کے گرد و نواح میں دیکھے۔ اور بعض نسخے خوزستان، فارس اور خراسان میں۔ ان میں ہر قسم کی باتیں پائیں۔ جیسا کہ ابتداء میں مریدوں پر ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو بہت قوی ہیں اور بعض بہت ضعیف اور بعض زیادہ آسان اور بعض بڑی مشکل حقیقت یہ ہے کہ جب کسی شخص پر حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات ظاہر ہوتی ہے۔ تو وہ اسے اپنی قوت حال کے اندازے کے مطابق لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے اور ایسا کرنے میں حق تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔ لیکن اگر کسی کلام کا مفہوم جلدی جلدی بیان کرنے کی وجہ سے یا بیان کرنے والے کے تحیر و تعجب کی وجہ سے پیچیدہ ہو جائے تو اس وقت کے بعض لوگوں میں جہالت کی وجہ سے اس کے سننے سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض لوگوں کی عقل اس کے سمجھنے سے عاجز ہو جاتی ہے اور وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ کلام تو بہت ہی بلند ہے۔ غرضیکہ ایک گروہ اپنی جہالت کی وجہ سے اس کا انکار کر دیتا ہے اور دوسرا گروہ بھی جہالت ہی کی وجہ سے اس کا اقرار کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ ایک کا انکار دوسرے کے اقرار کی مانند ہوتا ہے۔ لیکن جب اہل تحقیق و بصیرت غور کرتے ہیں تو نہ تو وہ اس کی عبارت میں الجھتے ہیں اور نہ اس کے تعجب سے متعجب ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ اس کی مدح و ذم اور اقرار و انکار دونوں ہی سے ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اس جوانمرد یعنی حسین بن منصور الحلاج رحمہ اللہ کے عجیب و غریب حالات کو سحر سے منسوب کرتے ہیں۔ سخت غلطی پر ہیں۔ اس لئے کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک سحر کا وجود

کرامت کی طرح حق ہے۔ فرق یہ ہے کہ حالتِ ہوش میں سحر کا ظاہر کرنا مکمل کفر ہے۔ اور مستی میں کرامت کا ظاہر کرنا کمال معرفت ہے کیونکہ جادو خداوند تعالےٰ کے غضب کا نتیجہ ہے۔ اور کرامت اس کی رضامندی کی دلیل ہے۔ اور میں اس بات کو متعلقہ باب میں اس سے زیادہ مفصل اور مشرح بیان کرونگا۔ اور اہل سنت وجماعت کے اہل بصیرت لوگوں کے اتفاق سے کوئی مسلمان خسارہ اٹھانے والا جادوگر نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی کافر صاحب کرامت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ضدیں آپس میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور حسین بن منصور الحلاج رحمہ اللہ جب تک زندہ رہے نیکی کے لباس میں رہے۔ مثلاً اچھی نمازیں پڑھتے رہے بہت ذکر الٰہی ومناجات کرتے رہے۔ ہمیشہ روزے رکھتے رہے۔ نہایت ہی اللہ کی پاکیزہ حمد وثنا کرتے رہے۔ اور توحید الٰہی میں عمدہ نکات بیان فرماتے رہے۔ اگر آپ کے افعال سحر پر مبنی ہوتے تو یہ سب نیک امور آپ سے محال ہوتے۔ لہٰذا اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ یہ افعال کرامت تھے اور سوائے محقق ولی کے کسی کو کرامت حاصل نہیں ہوتی۔ بعض ارباب حقیقت آپ کے اس نظریہ کے پیش نظر کہ خدا اور بندہ باہم مل کر ایک وحدت بن جاتے ہیں۔ آپ کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔ لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان بزرگوں کی یہ تشنیع آپ کی عبارت ہی میں ہے نہ کہ معنی میں۔ کیونکہ مغلوب الحال شخص کے لئے ممکن نہیں۔ کہ حال کے غلبہ میں اس کی عبارت صحیح ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس عبارت کے معنی اس قدر مشکل ہوں۔ کہ لوگ اس کے مقصود کو نہ سمجھ سکیں اور ان کا وہم ان کے لئے اس عبارت سے ایسی صورت پیدا کر دے کہ وہ محض اس جہالت کے باعث اس کا انکار کر دیں۔ حالانکہ ان کا یہ انکار خود ان کے قصور فہم کی طرف راجع ہوگا۔ نہ اس معنی کی طرف۔ لیکن میں نے بغداد اور اس کے نواح میں ملحدین کے ایک گروہ کو دیکھا۔ کہ وہ ان سے محبت کا دعوےٰ کرتے۔ اور ان کے کلام کو اپنی بے دینی کی حجت قرار دیتے اور اپنا نام حلاجی رکھتے اور ان کے معاملہ میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ جیسا کہ رافضی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت میں غلو کیا کرتے ہیں اور میں انشاء اللہ تعالےٰ ان کے کلمات کے

رد میں اور ان فرقوں کے بیان میں ایک مستقل باب لاؤنگا۔ الغرض آپ کا کلام اقتدا کے لائق نہیں۔ اس لئے کہ آپ اپنے حال میں مغلوب ہوئے ہیں اپنے آپ پر قابو رکھنے والے نہ تھے اور اس شخص کے کلام کی اقتداء کی جاتی ہے جو اپنے حال پر قابو پائے ہوئے ہو۔ پس اللہ کا شکر ہے کہ میرے دل میں آپ کی عزت ہے لیکن آپ کا طریق کسی اصل پر صحیح اور نہ ہی آپ کا حال کسی محل پر قائم ہے اور آپ کی احوال میں بہ ظاہر فتنہ بہت ہے مجھے اپنے مکاشفات کی ابتدا میں ان کی نسبت بہت سی دلیلیں ملی ہیں۔ اور اس سے پیشتر میں نے ان کے کلام کی شرح میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں دلائل اور براہین سے آپ کے کلام کی بلندی اور ان کے حال کی صحت کو ثابت کیا ہے اور اس کے علاوہ میں نے اپنی دوسری کتاب، مِنْهَاجُ الدِّيْن میں جس کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے ان کے احوال کی ابتدا و انتہا کو بیان کیا ہے اور یہاں پر بھی اختصار کے طور کچھ اتنا بیان کر دیا۔ پس وہ طریق جس کے اصل کو اتنے اعتراضات کے ساتھ یا اعتراضات سے اتنے احتراز کے ساتھ ثابت کرنا پڑے۔ اس سے کیوں کر تعلق پیدا کیا جائے اور کیسے اس کی پیروی کی جائے۔ کیونکہ خواہش نفس کو سچائی ہرگز موافق نہیں آتی۔ اس لئے وہ حق سے انحراف کے طریقہ کی کوئی بات تلاش کرتی رہتی ہے کہ اس سے لپٹ جائے۔ آپ سے روایت ہے کہ اَلْاَلْسِنَةُ مُسْتَنْطِقَاتٌ تَحْتَ نُطْقِهَا مُسْتَهْلِكَاتٌ صَامِتَاتٌ ترجمہ زبانیں بولتی ہیں لیکن ان کے بولے ہوئے الفاظ میں بعض ہلاک کرنے والے معنی اور خاموش الفاظ بھی ہوتے ہیں۔ یعنی الفاظ و عبارتیں سب باعث خرابی ہیں۔ اور حقیقت کے بیان کرنے میں بالکل بیکار ہیں۔ کیونکہ جب معنی حاصل ہو جائے تو پھر وہ عبارت کی وجہ سے گم نہیں ہو سکتا۔ اور اگر وہ گم ہو جائے تو عبارت کی وجہ سے پھر پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ طالب اپنے زعم باطل میں کسی عبارت کو غلط معنی پہنا تا ہے اور پھر سمجھتا ہے کہ یہی حقیقی معنی ہیں اور اس طرح ہلاک ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔

چونویں فصل

حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن احمد الخواص رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ ہیں سے ایک متوکلّین کے سرلشکر اور اہل تسلیم کے پیشوا حضرت ابو اسحاق ابراہیم بن احمد الخواص رحمہ اللہ ہیں۔ توکّل میں آپ بہت بڑی شان و منزلت رکھتے۔ اور بہت سے مشائخ کو پایا تھا۔ آپکی کرامتیں بہت ہیں۔ اور معاملات طریقت میں آپ کی بہت سی عمدہ اور قابل دید تصانیف ہیں کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے اَلْعِلْمُ کُلُّہٗ فِیْ کَلِمَتَیْنِ لَا تَتَکَلَّفْ بِمَا کُفِیْتَ وَلَا تُضَیِّعْ مَا اسْتُکْفِیْتَ۔ ترجمہ: علم دو کلموں میں جمع ہے۔ ایک تو یہ سمجھ کر اس بات میں تکلف نہ کرے جس کا اللہ نے تیرے حق میں فیصلہ کر دیا۔ دوسرا یہ کہ جس بات کو ضائع نہ کرے جس کا تجھ سے ادا کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے یعنی تجھ پر اس کا ادا کرنا لازم قرار دیا گیا ہے اور تو اس کا ضامن بنایا گیا دنیا و آخرت میں تجھے نیکی کی توفیق حاصل ہو۔ اس کلام سے مراد یہ ہے کہ تو اپنی قسمت بدلنے کی کوشش نہ کر کیونکہ قسمت کا لکھا ہوا تیری کوشش و تکلف سے بدل نہیں سکتا۔ اور امر الٰہی بجالانے میں کوتاہی نہ کر۔ کیونکہ ترک فرمان تیرے لئے عذاب کا سبب ہوگا۔ اور ایک دفعہ آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ عجائبات میں سے آپ نے کیا دیکھا۔ آپ نے فرمایا عجائبات تو بہت دیکھے۔ لیکن اس سے بڑھ کر کوئی بات عجیب نہ تھی کہ خضر علیہ السلام نے مجھ سے صحبت میں رہنے کی درخواست کی مگر میں نے اس کو قبول نہ کیا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ تو آپ نے فرمایا اس لیے نہیں کہ میں آپ سے کوئی بہتر رفیق طلب کرتا تھا۔ بلکہ اس لئے کہ میں ڈرتا تھا کہ حق تعالےٰ کو چھوڑ کر آپ پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ اور آپ کی صحبت میری توکل کو نقصان دے گی۔ اور نفل کو اختیار کر کے فریضہ سے باز رہ جاؤنگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات آپ کے کمال پر دلالت کرتی ہے۔

پچپنویں فصل

حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک عزت کے سراپردہ اور اہل یقین کی بنیاد حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمہ اللہ ہیں۔ آپ علماء متکلّمین اور مشائخ عظام

کے سردار۔ حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ اور حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کی صحبت کے پروردہ تھے۔ اور حضرت نوری و خیر النساج رحمہما اللہ کے ہمعصر تھے۔ بڑے بڑے باحشمت مشائخ کی صحبت سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اور بغداد کی مسجد رصافہ میں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ علم تفسیر اور تجوید کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آپ کی روایت کردہ احادیث بہت مستند اور بلند مرتبہ سمجھی جاتی ہیں اور آپ وہ تھے جنہوں نے حضرت نوری کی مصیبت کے واقعہ میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالے نے ان سب کو نجات دی۔ اس حکایت کو حضرت نوری رحمہ اللہ کے مذہب کی شرح میں انشاء اللہ بیان کروں گا۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اِذَا سَلِمَتْ مِنْکَ نَفْسُکَ فَقَدْ اَدَّیْتَ حَقَّھَا وَ اِذَا سَلِمَ مِنْکَ الْخَلْقُ فَقَضَیْتَ حُقُوْقَھُمْ۔ ترجمہ جب تجھ سے تیری ذات سلامت رہے تو تو نے اس کا حق ادا کر دیا۔ اور جب تجھ سے لوگ سلامت رہیں۔ تو تو نے ان کے حقوق ادا کر دیئے) یعنی حقوق دو ہیں۔ ایک تیرے نفس کا حق۔ دوسرا لوگوں کا حق۔ جب تو اپنے نفس کو گناہ سے روکے اور عقبیٰ کی سلامتی کا طریقہ طلب کرے۔ تو تو نے اپنے نفس کا حق ادا کر دیا اور جب لوگوں کو اپنی برائی سے محفوظ کر دے اور ان کی برائی نہ چاہے۔ تو تو نے ان کا حق ادا کر دیا۔ کوشش کر کہ خود تجھے لوگوں سے اور لوگوں کو تجھ سے کوئی برائی نہ پہنچے۔ ازاں بعد اللہ تعالے کے حق ادا کرنے میں مشغول ہو واللہ اعلم ؛

چھبیسویں فصل

حضرت ابوبکر محمد بن موسی الواسطی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالے میں سے ایک، اپنے فن میں امام بلند حال اور لطیف کلام۔ حضرت ابوبکر محمد بن موسے الواسطی رحمہ اللہ ہیں آپ محقق مشائخ میں سے تھے اور حقائق کے بیان کرنے میں بڑی شان اور اونچے درجے کے مالک اور سب مشائخ کے نزدیک قابل ستائش تھے۔ حضرت جنیدؒ کے قدیم اصحاب میں سے تھے۔ آپ کی عبارت بہت مشکل ہوتی تھی۔ اور اہل ظاہر کی سمجھ میں نہ

چھتی تھی اور آپ کسی شہر میں زیادہ دیر نہ ٹھہر پاتے تھے۔ اور کسی شہر میں آرام نہیں پکڑتے تھے۔ جب آپ مرو میں آئے تو اہل مرو لطافت طبیعت کی وجہ سے نیک سیرت تھے انہوں نے کمال عزت و احترام کے ساتھ آپ کو قبول کیا اور آپ کا کلام سنا۔ چنانچہ آپ نے اپنی عمر وہاں گزار دی۔ آپ سے روایت ہے آپ نے فرمایا ہے اَلذَّاکِرُوْنَ فِیْ ذِکْرِہٖ اَکْثَرُ غَفْلَةً مِنَ النَّاسِیْنَ لِذِکْرِہٖ ترجمہ اہل ذکر کو اس کے ذکر میں ان لوگوں سے زیادہ غفلت ہوتی ہے۔ جو اس کے ذکر کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ جب اس کو یاد رکھے اور اس کے ذکر کو فراموش کر دے تو کوئی نقصان نہیں۔ ہاں نقصان اس میں ہے کہ اس کا ذکر تو کرے مگر اس کی ذات کو فراموش کر دے کیونکہ اس صورت میں ذکر بے حضور ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ سے روگردانی اس ذکر کے باوجود جو غرور پیدا کرے۔ غفلت سے زیادہ نزدیک ہے بمقابلہ اس روگردانی کے جو کسی غرور و پندار کے بغیر ہو کیونکہ اسے بھلا دینے والے کو غیبت اور فراموشی کے وقت اس کی حضوری کا کوئی گھمنڈ نہیں ہوتا مگر اس کے ذکر کرنے والے کو غیبت میں ذکر کے وقت اس کی حضوری کا گھمنڈ ہوتا ہے۔ پس حضوری کے بغیر حضوری کا زعم اس غیبت کے مقابلے میں جس میں کوئی زعم نہ ہو ایک صریح غفلت ہے کیونکہ طالبان حق کی ہلاکت ان کے زعم باطل ہی کی وجہ سے ہے اس لئے کہ جہاں باطل زعم کا غلبہ ہو۔ وہاں مقصود کم ہاتھ آتا ہے اور یہ یاد رہے کہ طالبان حق کا زعم درحقیقت عقل کی تہمت سے ہے اور عقل عموماً تہمت سے حاصل ہوتی ہے اور تہمت کو تکبر اور بڑائی کے ساتھ کوئی لگاؤ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ذکر یا تو غیبت میں ہوتا ہے یا حضور میں۔ اگر ذاکر اپنے آپ سے غائب و بے خبر ہو مگر حق تعالیٰ کے حضور حاضر تو پھر اس کا ذکر ذکر نہیں مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ سے غائب اور اپنے آپ سے باخبر ہو۔ تو وہ ذکر نہیں بلکہ غیبت ہے اور غیبت دراصل غفلت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

واللہ اعلم

ستائیسویں فصل

حضرت ابوبکر دلف بن جحدر شبلی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک۔ احوال کی تسلّی اور مقال کی کشتی حضرت ابوبکر دلف بن جحدر رحمہ اللہ ہیں۔ آپ بزرگ اور مشہور مشائخ میں سے گنے جاتے ہیں اور حق تعالےٰ کے تعلق میں آپ کی زندگی نہایت اچھی اور پاکیزہ رہی ہے۔ معاملاتِ طریقت میں آپ کے اشارات بہت لطیف اور عمدہ ہیں۔ چنانچہ متاخرین میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں ثَلٰثَۃٌ مِنْ عَجَائِبِ الدُّنْیَا اِشَارَاتُ شِبْلِیْ وَ نُکَتُ مُرْتَعِشْ وَحِکَایَاتُ جَعْفَرْ (تین چیزیں دنیا کے عجائبات میں سے ہیں۔ حضرت ابوبکر شبلی رحمہ اللہ کے اشارات۔ اور حضرت مرتعش رحمہ اللہ کے نکتے۔ اور حضرت جعفر رحمہ اللہ کی حکائتیں) آپ اپنے وقت کے بزرگ صوفیا اور اہل طریقت کے سرداروں میں سے ایک تھے۔ ابتدا میں خلیفہ وقت کے دربانوں کے سردار تھے۔ حضرت خیر النساج رحمہ اللہ کی صحبت میں توبہ کی۔ اور حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے مرید ہوئے ان کے علاوہ وقت کے دوسرے بہت سے مشائخ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے اللہ تعالےٰ کے قول قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِہِمْ (اہل ایمان سے کہہ دیجئے۔ کہ اپنی آنکھیں نیچی کرلیں) کے معنی میں فرمایا ہے۔ اَیْ اَبْصَارَ الرُّؤُسِ عَنِ الْمَحَارِمِ وَ اَبْصَارَ الْقُلُوْبِ عَنْ مَا سِوَی اللّٰہِ۔ ترجمہ یعنی سروں کی آنکھوں کو حرام باتوں سے محفوظ رکھیں۔ اور دلوں کی آنکھوں کو ماسوے اللہ کے خیال کرنے سے بچائیں) پس شہوت نفس کی پیروی کرنا اور غیر محرم کو نظر شہوت سے دیکھنا عمداً سے غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور بڑی مصیبت اہل غفلت کے لئے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے عیوب سے جاہل ہوتے ہیں۔ اور جو یہاں دنیا میں جاہل ہو وہ وہاں آخرت میں بھی جاہل ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِہٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی۔ ترجمہ (جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا) اور درحقیقت جب تک اللہ تعالےٰ کسی کے دل سے شہوت کا ارادہ نہ نکال دے

سر کی آنکھ اس کی تباہ کاریوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ آپ ہی سے روایت ہے کہ آپ ایک روز بازار گئے تو کچھ لوگوں نے آپ کو دیکھ لیا اور کہا ھٰذا مَجْنُوْنٌ ترجمہ یہ شخص دیوانہ ہے آپ نے فرمایا اَنَا عِنْدَ کُمْ مَجْنُوْنٌ وَاَنْتُمْ عِنْدِیْ اَصِحَّاءُ فَزَادَنِیَ اللّٰہُ فِیْ جُنُوْنِیْ وَزَادَ فِیْ صِحَّتِکُمْ ترجمہ میں تمہارے نزدیک دیوانہ ہوں اور تم میرے نزدیک باہوش ہو۔ پس خدا تعالیٰ میری دیوانگی اور تمہاری ہوشیاری بڑھادے۔ یعنی میری دیوانگی شدت محبت کی وجہ سے ہے اور تمہاری ہوشیاری غفلت کے غلبہ کی وجہ سے ہے۔ پس میں چاہتا ہوں کہ خدا میری دیوانگی زیادہ کرے۔ تاکہ میرا قرب اور بھی بڑھے۔ اور تمہاری ہوشیاری زیادہ کرے تاکہ حق سے تمہاری دوری اور بھی بڑھ جائے۔ آپ کا یہ قول غیرت کی وجہ سے تھا کہ باوجود مسلمان ہونے کے لوگ اس قدر جاہل کیوں ہیں کہ محبت الٰہی اور دیوانہ پن میں فرق نہیں کرسکتے؟ واللہ اعلم۔

اٹھاونویں فصل

حضرت ابو محمد بن جعفر بن نصیر الخالدی رحمۃ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک اولیاء کرامؒ کے احوال و اقوال کو لطیف اور عمدہ اسلوب سے بیان کرنے والے حضرت ابو محمد جعفر بن نصیر خالدی رحمۃ اللہ بھی ہیں۔ آپ حضرت جنید رحمۃ اللہ کے بڑے اور قدیم اصحاب میں سے ہوئے ہیں۔ اور علم تصوف کے فنون میں بہت بڑے فاضل اور مشائخ کے کلام کے حافظ اور ان کے حقوق کی رعایت کرنے والے تھے اور ہر فن میں آپ کا کلام بلند مرتبہ اور عمدہ خیال کیا جاتا ہے۔ آپ نے ہر مسئلہ میں نفس کی رعونت کو ترک کرنے کے لئے حکایتیں بیان کی ہیں۔ اور ان کو کسی اور کی طرف منسوب کیا ہے آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اَلتَّوَکُّلُ اِسْتِوَاءُ الْقَلْبِ عِنْدَ الْوُجُوْدِ وَالْعَدَمِ ترجمہ توکل رزق کے ہونے اور نہ ہونے کے وقت دل کا برابر ایک حال پر رہنا ہے) یعنی رزق کے موجود ہونے پر خوش ہو اور اس کے موجود نہ ہونے پر غمگین۔ کیونکہ جسم اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اس لئے اس کی پرورش اور اس کی ہلاکت کے لئے اللہ تعالیٰ تجھ سے زیادہ حقدار

جیسا چاہے اس کو رکھے تو اس کے درمیان دخل نہ دے۔ اور ملک کو مالک کے سپرد کر دے اور اس میں اپنا تصرف ترک کر دے۔ حضرت ابو محمد بن جعفر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت جنید رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ کو بخار ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اے استاد اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ آپ کو عافیت عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا کل میں دعا کر رہا تھا کہ میرے دل میں یہ آواز آئی۔ کہ جسم ہماری ملکیت ہے۔ ہم چاہیں تو تندرست کر دیں۔ اور چاہیں تو بیمار کر دیں۔ تو کون ہے جو ہمارے اور ہماری ملک کے درمیان دخل دے اور تو اپنا تصرف ترک کر دے۔ تاکہ تو تابعدار ہو جائے واللہ اعلم۔

انسٹھویں فصل

حضرت ابوعلی محمد بن القاسم الرودباری رحمۃ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک قابلِ تعریف اور سخاوت کے معدن حضرت ابو علی محمد بن القاسم رودباری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ آپ بہت بڑے جوانمرد صوفی اور بزرگ تھے اور ایک شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اور معاملاتِ طریقت کے فنون میں بڑی شان کے مالک تھے آپ کی کرامتیں اور اوصاف بہت ہیں اور طریقت کے دقائق بیان کرنے میں آپ کا کلام بہت ہی لطیف ہے۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَلْمُرِیْدُ لَا یُرِیْدُ لِنَفْسِہٖ اِلَّا مَا اَرَادَ اللّٰہُ لَہٗ وَالْمُرَادُ لَا یُرِیْدُ مِنَ الْکَوْنَیْنِ شَیْئًا غَیْرَہٗ۔ ترجمہ مرید وہ شخص ہے۔ جو اپنے نفس کے لئے وہی بات چاہے۔ جس کو اللہ اس کے لئے چاہے اور مراد وہ شخص ہے۔ کہ دونوں جہان میں سے حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو نہ چاہے) پس وہ اپنے ارادہ سے ارادۂ حق پر راضی ہو۔ تاکہ وہ مرید ہو اور عاشق الٰہی کا تو کوئی ارادہ ہی نہیں ہو سکتا۔ تاکہ وہ حق تعالیٰ کی مراد ہو جائے۔ اس لئے کہ جو شخص حق تعالیٰ کو چاہتا ہے وہ اس بات کے سوا اور کچھ نہیں چاہیگا کہ جو خدا چاہے وہ بھی وہی چاہے اور وہ شخص جسے خدا چاہے۔ وہ سوائے حق تعالیٰ کے کچھ نہ

چاہیگا۔ پس ارادہ الٰہی پر راضی ہونا طالب حق کے مقامات کی ابتدا ہے اور حق تعالےٰ سے محبت طالب الٰہی کے احوال کی انتہا ہے اور ابتدائی مقامات کا تعلق عبودیت کے متحقق ہونے سے ہے اور انتہائی درجات کا حصول فقط تائید ربانی سے ہوتا ہے۔ اور جب ایسا ہو تو مرید کا قیام اپنی ذات سے ہوتا ہے اور مراد کا قیام حق تعالےٰ سے واللہ اعلم؛

ساٹھویں فصل

حضرت ابوالعباس المهدی السیاری رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک توحید الٰہی کے خزانہ اساس کی یکتائی کی طرف رہبری فرمانے والے۔ حضرت ابوالعباس مهدی سیاری رحمہ اللہ بھی ہیں۔ آپ وقت کے بہت بڑے امام اور علوم ظاہر اور حقائق معرفت کے متبحر عالم تھے اور حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ اور بہت سے دیگر مشائخ کرام کی صحبت کے تربیت یافتہ تھے صوفیا کرام میں آپ بہت ہی ظریف طبع از اہل اور زمانے کے شدائد کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے والے تھے۔ آپ کا کلام عالی اور تصنیف بہت قابل تعریف ہیں۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اَلتَّوْحِيْدُ اَنْ لَا يَخْطُرَ بِقَلْبِكَ مَادُوْنَهٗ ترجمہ (توحید الٰہی یہ ہے کہ تیرے دل میں حق تعالےٰ کے سوا کسی چیز کا گزر نہ ہو یعنے تیرے دل میں نہ مخلوقات کا اور نہ ہی تیرے اپنے معاملہ کی صحت وصفائی کا کوئی خیال گزرے۔ کیونکہ غیر کا خیال حق تعالےٰ کے غیر کا اثبات ہے۔ جس سے توحید کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور جب غیر اللہ ثابت ہو گیا۔ تو توحید کا حکم ساقط ہو گیا۔ آپ مرو کے ایک بہت بڑے متمول اور علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ اہل مرو میں سے کوئی شخص بھی مرتبہ میں آپ کے خاندان پر فوقیت نہیں رکھتا تھا۔ آپ نے اپنے والد سے بہت میراث پائی تھی۔ لیکن آپ نے وہ سب مال و دولت دے کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موئے مبارک خرید لئے۔ خدا تعالےٰ نے آپ کو ان دو بالوں کی برکت سے توبہ کی توفیق عطا فرمائی اور آپ حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ کی صحبت میں

داخل ہو گئے اور اس درجہ پر پہنچے کہ صوفیوں کے ایک گروہ کے امام ہو گئے اور جب آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے۔ تو وصیت فرمائی کہ ان موئے مبارک کو میرے منہ میں رکھ دیں۔ اور آپ کی قبر مردیں ہے اور مرجع خاص و عام ہے اور اس سچے عاشقِ رسول کے توسط سے اللہ تعالےٰ سے اپنی اپنی مراد حاصل کرتے ہیں۔

اکسٹھویں فصل

حضرت ابوعبداللہ محمد بن خفیف رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک تصوف میں اپنے حال کے مالک اور تصرف و تکلف سے بے نیاز۔ حضرت ابو عبداللہ محمد بن خفیف رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں آپ اپنے زمانہ میں تمام علوم کے امام ہوئے ہیں۔ اور مجاہدات میں آپ کی شان بہت بڑی ہے اور حقائق کے بیان کرنے میں آپ کا بیان شافی اور بہت ہی روح پرور ہے آپ کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی نہایت پرسرت اور خوش گوار گزری ہے۔ حضرت ابن عطاء حضرت شبلی اور حضرت حسین بن منصور رحمہم اللہ تعالےٰ اور ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں کو آپ نے پایا تھا۔ اور مکہ مکرمہ میں حضرت یعقوب نہرجوری رحمہ اللہ کی صحبت سے بھی استفادہ کیا تھا۔ اور مجرد ہونے کے باوجود بہت اچھے اور پاکیزہ سفر کئے تھے۔ آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن جب اللہ تعالےٰ نے آپ کو توبہ کی توفیق مرحمت فرمائی تو آپ نے دنیا سے اعراض کیا۔ اہل معانی کے دلوں میں آپ کی عظمت بہت ہے۔ آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا ہے اَلتَّوْحِیْدُ الْاِعْرَاضُ عَنِ الطَّبِیْعَۃِ ترجمہ۔ توحید طبیعت سے اعراض کرنا ہے اس لئے کہ تمام طبیعتیں اللہ کی نعمتوں سے محجوب اور اندھی ہوتی ہیں۔ پس جب تک طبیعت سے روگردانی نہ ہو حق کی طرف توجہ نہیں ہو سکتی اور طبیعت کی پیروی کرنے والا توحید کی حقیقت سے حجاب میں ہوتا ہے اور جب تو نے طبیعت کی خرابی کو دیکھ لیا۔ تو توحید کی حقیقت کو پالیا۔ آپ

کی کرامتیں اور دلیلیں بہت سی ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

باسٹھویں فصل

حضرت ابوعثمان سعید بن سلام المغربی رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک سیاست کی تلوار، سعادت کے آفتاب حضرت ابوعثمان سعید بن سلام مغربی رحمہ اللہ۔ آپ اپنے حال پر قابو رکھنے والے بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ تمام ظاہری اور باطنی علوم میں کافی دسترس رکھتے تھے۔ اور طریقت میں ریاست ریاضت و ثابت قدمی کے مالک تھے۔ نفس کی خرابیوں کے دیکھنے میں آپ کی بہت سی کرامتیں اور عمدہ دلیلیں ہیں۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مَنْ اٰثَرَ صُحْبَةَ الْاَغْنِيَاءِ عَلٰى مُجَالَسَةِ الْفُقَرَاءِ اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ بِمَوْتِ الْقَلْبِ ترجمہ جس نے درویشوں کی ہم نشینی پر دولت مندوں کی صحبت کو ترجیح دی۔ خدائے تعالیٰ اس کو دل کی موت میں مبتلا کر دیتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو موت میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کے دل کو نورِ معرفت سے بیگانہ بنا دیتا ہے۔ جو درویشوں کے پاس بیٹھنا چھوڑ کر دولت مندوں کی صحبت اختیار کرے۔ کیونکہ جب وہ شخص درویشوں کی ہم نشینی چھوڑ کر دولتمند کی صحبت میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو اس کا دل حاجت کی موت سے مر جاتا ہے اور اس کا جسم غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس جب درویشوں کی ہم نشینی سے اعراض کرنے کا نتیجہ دل کی موت ہے تو ان کی صحبت سے اعراض کرنا کیسا ہو گا؟ ان کلمات سے صحبت و مجالست کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

ترسٹھویں فصل

حضرت ابوالقاسم ابراہیم محمد بن محمود نصرآبادی رحمہ اللہ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ایک صوفیوں کی صفِ اول کے جنگجو بہادر اور عارفوں کے احوال بیان کرنے والے حضرت ابوالقاسم

ابراہیم بن محمد بن محمود نصرآبادی رحمۃ اللہ تعالےٰ ہیں آپ تصوف میں بہت
ہی عالی مقام اور بلند مرتبہ ہیں۔ آپ ایسے تھے۔ جیسے نیشاپور میں خوارزم شاہ
اور حمویہ ہیں شاہ پور۔ فرق تھا تو یہ تھا کہ عالم اسباب ان بادشاہوں کا درجہ اور
عزت دنیا میں تھی۔ اور آپ کی عزت اور درجہ آخرت میں۔ آپ کا کلام
عجیب اور کرامتیں بہت بزرگ ہیں۔ آپ حضرت شبلی رحمہ اللہ کے
مرید اور اہل خراسان کے متاخرین صوفیا کے استاد تھے۔ آپ کے زمانہ
میں کوئی شخص آپ کی مثل نہ تھا۔ طریقت کے فنون میں آپ اہل زمانہ
میں سے زیادہ عالم اور متورع تھے۔ آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ
نے فرمایا۔ أَنْتَ بَيْنَ النِّسْبَتَيْنِ نِسْبَةٌ إِلَى آدَمَ وَنِسْبَةٌ إِلَى الْحَقِّ
فَإِذَا انْتَسَبْتَ إِلَى آدَمَ دَخَلْتَ فِي مَيَادِينِ الشَّهَوَاتِ وَمَوَاضِعِ
الْآفَاتِ وَالزَّلَّاتِ وَهِيَ نِسْبَةٌ تُحَقِّقُ الْبَشَرِيَّةَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى
إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا وَإِذَا انْتَسَبْتَ إِلَى الْحَقِّ دَخَلْتَ فِي
مَقَامَاتِ الْكَشْفِ وَالْبَرَاهِينِ وَالْعِصْمَةِ وَالْوِلَايَةِ وَهِيَ نِسْبَةٌ تُحَقِّقُ
الْعُبُودِيَّةَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى
الْأَرْضِ هَوْنًا (ترجمہ) تو دو نسبتوں کے درمیان میں ہے۔ ایک نسبت
آدم علیہ السلام کی طرف اور دوسری حق تعالےٰ کی طرف۔ پس جب تو آدم
علیہ السلام کی طرف منسوب ہوگا۔ تو خواہشاتِ نفسانی کے میدانوں،
خرابیوں اور لغزشوں کے مقاموں میں داخل ہوگا۔ یہ نسبت تیری بشریت کو
ثابت کرتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وہ انسان بڑا ظالم جاہل
تھا۔ اور تو جب حق تعالےٰ کی طرف نسبت پیدا کرے گا۔ تو مکاشفہ و دلائل
پاک دامنی اور ولایت کے مقامات میں داخل ہوگا۔ اور یہ نسبت تیری
عبودیت کو ثابت کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے" اور اللہ کے بندے
وہ ہیں جو زمین پر انکسار سے چلتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کا تعلق تو بندوں سے
قیامت میں منقطع ہو جائے گا۔ لیکن حق تعالیٰ سے عبودیت کا تعلق ہمیشہ
قائم رہیگا۔ اس میں تغیر و تبدل روا نہیں۔ جب بندہ اپنے آپ کو اپنی طرف

آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کرے تو اس کا کمال یہ ہے کہ یوں کہے اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ (ترجمہ بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا) اور جب بندہ اپنے آپ کو حق کی طرف منسوب کرے۔ تو پھر وہ یہ درجہ پاتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے۔ یَا عِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ترجمہ اے میرے بندو آج تم پر کوئی خوف نہیں واللہ اعلم۔

چونسٹھویں فصل

حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری رحمہ اللہ تعالیٰ

تبع تابعین رحمہم اللہ تعالےٰ میں سے ایک۔ حق کے طریق پر چلنے والوں کے دلی سردار اور حق کی تحقیق کرنے والوں کی جانوں کا جمال حضرت ابوالحسن علی بن ابراہیم الحصری رحمہ اللہ تعالےٰ ہیں۔ آپ بارگاہ رب العزت کے باحشمت بزرگوں اور بڑے صوفی اماموں میں سے ہوئے ہیں آپ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ تمام معارف میں آپ کا کلام بہت بلند اور عبارات بہت اچھی ہیں۔ آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا :

دَعُوْنِیْ فِیْ بَلَائِیْ هَاتُوْا مَا لَکُمْ اَلَسْتُمْ مِنْ اَوْلَادِ آدَمَ الَّذِیْ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِیَدِهٖ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَاَسْجَدَ لَهٗ مَلٰٓئِکَتَهٗ ثُمَّ اَمَرَهٗ بِاَمْرٍ فَخَالَفَهٗ فَاِذَا کَانَ اَوَّلُ الدَّنِّ دُرْدِیًّا فَکَیْفَ کَانَ آخِرُهٗ ترجمہ مجھے میری بلائیں چھوڑ دیجئے۔ لاؤ جو تمہارے پاس ہے۔ کیا تم آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں ہو۔ جسے اللہ نے خود اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اپنی پیدا کردہ روح اس میں پھونک دی۔ اور فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ پھر اسے بھی ایک بات کا حکم دیا۔ تو اس نے اس کی مخالفت کی۔ پس جب مٹکے کی پہلی شراب ہی تلچھٹ ہو تو بتاؤ اس کا اخیر کیا ہوگا۔ یعنی جب آدمی کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں۔ تو وہ ہمہ تن مخالفت بن جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی عنایت اس کے شامل حال ہو جائے۔ تو ہمہ تن محبت بن جاتا ہے۔ لہذا تم عنایت الٰہی کی خوبی کا خیال کیا کرو۔ اور اپنی بد معاملگی کا اس سے مقابلہ کرو اور عمر کو اسی میں گذار دو۔

نیکی کی توفیق اللہ کے قبضے میں ہے۔ یہ بعض متقدمین صوفیا اور ان کے پیشواؤں کا ذکر ہے۔ اگر میں ان سب کا ذکر اس کتاب میں کرتا یا ان کے احوال کی شرح لکھتا اور ان کی حکایات کو درج کرتا۔ تو اصل مقصود فوت ہو جاتا۔ اور کتاب طویل ہو جاتی۔ اب میں متاخرین صوفیا کے ایک گروہ کے احوال صوفیائے متقدمین کے احوال کے بعد بیان کرتا ہوں۔ توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

بارھواں باب

صوفیائے متاخرین کے اماموں کے بیان میں

جان لو اللہ تمہیں نیکی دے۔ کہ ہمارے زمانہ میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا ہے جو ریاضت ومجاہدہ کئے بغیر ہی فضیلت وبزرگی کی خواہش رکھتے ہیں اور سب اہل طریقت کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ لیکن جب یہ لوگ پہلے بزرگوں کی باتیں سنتے ان کی بزرگی دیکھتے۔ اور ان کے معاملات کو پڑھتے ہیں اور پھر اپنے اندر نگاہ ڈال کر اپنے آپ کو ان صفات سے دور پاتے ہیں۔ تو اس خواہش کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ان کی طرح نہیں ہیں۔ نہ بن سکتے ہیں۔ اور نہ ہی ہمارے زمانہ میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ حالانکہ ان کا یہ قول غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دین کو بے حجت کبھی نہیں چھوڑتا یعنی امت محمدیہ کو اپنے دوستوں کے بغیر کبھی نہیں رہنے دیتا اور ہر زمانے میں خدا کے نیک بندے موجود رہتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے۔ لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْخَيْرِ وَالْحَقِّ حَتّٰى يَقُوْمَ السَّاعَةُ۔ ترجمہ۔ (میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ نیکی اور حق پر قائم رہیگا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے) نیز فرمایا ہے۔ لَا يَزَالُ فِي أُمَّتِي أَرْبَعُوْنَ عَلٰى خُلُقِ إِبْرَاهِيْمَ۔ ترجمہ (ہمیشہ میری امت میں چالیس آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خلق پر قائم رہینگے) اور ایک گروہ تو ان لوگوں میں سے جن کا ابھی اس جگہ ذکر کریں گے گزر چکا اور اپنی روح کو راحت اور آرام پہنچا چکا ہے اور دوسرا گروہ ان میں سے ابھی تک زندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور سب مسلمان مردوں اور عورتوں سے راضی ہو۔

پہلی فصل

حضرت ابو العباس احمد بن قصاب رحمۃ اللہ تعالیٰ

متاخرین صوفیا رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى میں سے ایک طریق ولایت کی رونق۔ اور جماعت اہل ہدایت کا جمال۔ حضرت ابو العباس احمد بن قصاب رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں آپ نے ماوراء النہر کے متقدمین صوفیہ کو دیکھا اور ان کی صحبت سے فیض اٹھایا

تھا۔ اور آپ بلند حالی۔ سچی فراست اور کثرت دلائل و کرامات میں بہت مشہور و معروف تھے۔ اور حضرت ابو عبداللہ خیاطی رحمۃ اللہ جو طبرستان کے امام تھے۔ آپ کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ کسی شخص کو تعلیم حاصل کئے بغیر ذہنی طور پر ایسا کر دے۔ کہ جب ہم کو دین کے اصول اور توحید کی دقیق باتوں میں کوئی مشکل پیش آئے۔ تو ہم اس سے پوچھیں اور وہ حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ تعالیٰ تھے۔ آپ بالکل امی تھے۔ لیکن اس کے باوجود علم تصوف اور اصول دین میں آپ کا کلام اور آپ کے نکتے بہت ہی بلند تھے۔ آپ ابتداء انتہا میں عالی حال و نیک سیرت تھے۔ اور آپکی بہت سی حکایات میں نے سنی ہیں۔ لیکن اس کتاب میں میں نے اختصار کو اختیار کیا ہے کہتے ہیں ایک لڑکا بھاری بوجھ سے لدے ہوئے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے شہر آمل کے بازار میں چلا جا رہا تھا اور وہاں ہمیشہ کیچڑ رہتا تھا۔ اونٹ کا پاؤں پھسل گیا اور اتفاق سے زمین پر گر کر اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ لوگوں نے اس کی پیٹھ پر سے بوجھ اتارنے کا ارادہ کیا۔ اور لڑکا رونے کے لئے ہاتھ ہلا رہا تھا۔ اتفاق سے شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا۔ اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے یہ سن کر آپ نے لڑکے کا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف سب کا قبلہ دعا ہے کیطرف سر اٹھا کر دعا کی۔ بار خدایا! اس اونٹ کی ٹانگ درست فرما دے۔ اگر تو درست نہیں کرنا چاہتا تو پھر اس لڑکے کے رونے سے قصاب کے دل کو تو نے کیوں بے قرار کر دیا ہے۔ یہ کہنا تھا کہ اسی وقت اونٹ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور چلنے لگا۔ نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ تمام اہل عالم کو خواہ مخواہ اللہ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہیئے۔ ورنہ وہ رنج میں رہیں گے۔ کیونکہ اگر تو اس کی تقدیر پر راضی ہو گا۔ تو بلا کی حالت میں بلا میں ڈالنے والے کو دیکھے گا۔ اور پھر تجھ کو بلا سے کوئی رنج نہیں ہو گا۔ اور اگر تقدیر الٰہی پر راضی نہ ہو گا۔ تو بلا ضرور آئیگی۔ اور تو رنجیدہ خاطر ہو گا۔ خداوند تعالیٰ ہماری رضامندی اور نارضامندی سے اپنی مقررہ تقدیر کو نہیں بدلتا۔ پس ہمارا اس کے حکم پر راضی ہونا ہماری راحت کا سبب ہے۔ پس جو شخص اس کے حکم پر راضی رہتا ہے۔ اس کا دل آرام پاتا ہے۔ اور جو شخص اس کے حکم سے لڑائی کرتا ہے۔ تو تقدیر کے وارد ہونے پر رنجیدہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

دوسری فصل

حضرت ابو علی بن حسن بن محمد الدقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ

متاخرین صوفیا رحمہم اللہ میں سے ایک۔ مریدوں کا بیان اور محققین کی زبان حضرت علی بن حسن بن محمد الدقاق رحمۃ اللہ ہیں .... آپ اپنے فن کے امام اور اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے۔ راہ حق کے بیان کرنے میں آپ کا بیان بالکل واضح اور زبان فصیح تھی۔ بہت سے مشائخ کو آپ نے دیکھا۔ اور ان کی صحبت حاصل کی تھی۔ حضرت نصر آبادی رحمۃ اللہ کے مرید تھے اور اکثر وعظ فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے روایت ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ مَنْ اَنَسَ بِغَيْرِهٖ ضَعُفَ فِيْ حَالِهٖ وَمَنْ نَطَقَ مِنْ غَيْرِهٖ كَذَبَ فِيْ مَقَالِهٖ۔ ترجمہ جس نے غیر حق سے انس کیا وہ اپنے حال میں ضعیف رہ گیا۔ جس نے اللہ کے سوا کسی اور کا ذکر کیا۔ اس نے اپنی گفتگو میں جھوٹ بولا۔ اور جس نے غیر اللہ کی طرف سے کوئی کلام کیا۔ اس نے اپنے کلام میں جھوٹ بولا۔ اس لئے کہ ماسوائے اللہ سے انس کرنا معرفتِ حق کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے اور حق تعالےٰ سے انس کرنا غیر سے وحشت کرنا ہے اور غیر سے وحشت کرنے والا شخص غیر کی طرف سے نہیں بول سکتا۔ میں نے ایک بزرگ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک روز میں ان کی مجلس میں آیا۔ کہ آپ سے متوکلین کے حال کے متعلق پوچھوں آپ نے اس وقت بہت ہی عمدہ دستار پہن رکھی تھی۔ میرے دل میں اس کی خواہش پیدا ہوئی۔ میں نے کہا۔ اَيُّهَا الْاُسْتَاذُ مَا التَّوَكُّلُ ترجمہ اے مرشد توکل کیا ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا توکل یہ ہے کہ تو لوگوں کی دستار کی طمع نہ کرے۔ یہ بات کر کر آپ نے اپنی دستار اتار کر میرے سامنے ڈال دی۔ واللہ اعلم ؛

تیسری فصل

حضرت ابوالحسن علی بن احمد الخرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ

متاخرین رحمہم اللہ میں سے ایک اہل زمانہ کا شرف اور اپنے زمانہ میں یکتا حضرت ابوالحسن علی بن احمد خرقانی رحمۃ اللہ ہیں۔ آپ مشائخ متقدمین میں سے بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں۔ اور اپنے وقت میں سب اولیاء اللہ کے نزدیک ممدوح تھے

حضرت شیخ ابوسعید رحمہ اللہ نے آپ کی زیارت کا قصد فرمایا۔ اور ان کے ساتھ گفتگو کی اور ہر فن میں آپ کا کلام نہایت عمدہ اور لطیف پایا۔ اور جب وہ واپس جانے لگے تھے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے آپ کو اپنی خلافت کے لئے چن لیا ہے اور میں نے حسن مودب سے سنا ہے۔ جو حضرت شیخ ابوسعید کے خادم تھے کہ جب حضرت شیخ ابوسعیدؒ آپ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے کوئی کلام نہیں کیا اور سنتے رہے اور آپ کے کلام کے جواب کے سوا کوئی بات نہیں کی۔ میں نے ان سے کہا۔ اے شیخ آپ کس لئے خاموش ہو گئے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک وقت میں ایک ہی باتیں کرنے والا کافی ہے اور حضرت استاد ابوالقاسم قشیری، رحمہ اللہ سے میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب میں ولایت خرقان میں داخل ہوا۔ تو پھر کمال حضرت خرقانی رحمہ اللہ کی حشمت و دبدبہ کی وجہ سے میری ساری فصاحت جاتی رہی اور مجھے بیان کرنے کی طاقت نہ رہی میں نے خیال کیا کہ شاید میں اپنی ولایت سے معزول ہو گیا۔ اور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ راستے دو ہی ہیں۔ ایک راستہ گمراہی کا اور دوسرا راستہ ہدایت کا۔ ایک راستہ تو گمراہی کا ہے جو خود بندہ کا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ اور دوسرا ہدایت کا جو اللہ تعالیٰ کا بندہ کی طرف ہے۔ پس وہ بندہ جو یہ کہتا ہے کہ میں خود اللہ تعالیٰ تک پہنچ گیا۔ وہ حقیقت میں نہیں پہنچا۔ اور اگر یہ کہے کہ مجھے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے تک پہنچا دیا تو وہ فی الحقیقت واصل بحق ہو گیا۔ کیونکہ پہنچنا یہاں نا پہنچنا ہے اور نا پہنچنا پہنچنا۔ واللہ اعلم

چوتھی فصل

حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بالداغستانی مقیم بہ بسطام رحمہ اللہ

متاخرین رحمہم اللہ میں سے ایک اپنے وقت کے بادشاہ اور مطالب معانی بیان کرنے میں یکتا حضرت ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف بالداغستانی مقیم بہ بسطام رحمہ اللہ ہیں آپ تمام علوم ظاہری و باطنی کے متبحر عالم اور درگاہ حق کے باحشمت بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کا کلام بہت ہی مہذب اور اشارات بہت ہی لطیف ہیں۔ حضرت شیخ سہلکی رحمہ اللہ کہ اس مسلک کے امام اور بڑے نیک خلق بزرگ

تھے۔ میں نے ان سے آپ کے کلام کی کچھ باتیں سنی ہیں۔ جو بہت عالی اور پسندیدہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ اَلتَّوْحِیْدُ عِنْدَكَ مَوْجُوْدٌ وَ اَنْتَ فِی التَّوْحِیْدِ مَفْقُوْدٌ توحید تو تجھ سے درست ہے۔ لیکن تو خود توحید میں گم ہے، یعنی درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ تو مقتضائے توحید کما حقہٗ پورا نہیں کرتا ہے۔ اور توحید میں ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ ملک میں تو اپنا تصرف چھوڑ دے اور اپنے تمام معاملات کو اللہ عزوجل کے سپرد کر دے اور حضرت شیخ سہلی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ..... کہ ایک دفعہ بسطام میں ٹڈی دل آ گیا۔ اور سب درخت اور کھیتیاں ان کی کثرت سے سیاہ ہو گئی تھیں۔ چنانچہ لوگوں نے واویلا کرنا شروع کر دیا۔ شیخ نے مجھ سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے ؟ میں نے کہا ٹڈی دل آ گیا ہے اور لوگ اس کی وجہ سے بہت پریشان ہو رہے ہیں۔ یہ سن کر شیخ اٹھ کر کوٹھے پر چڑھ گئے اور آسمان کی طرف منہ کیا۔ اسی وقت سب ٹڈی دل چلا گیا۔ حتیٰ کہ عصر کی نماز تک ایک دانہ بھی نہ رہا اور کسی کا ایک پتہ تک نقصان نہ ہوا۔ واللہ اعلم۔

پانچویں فصل

حضرت ابو سعید فضل بن محمد المنیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ

متاخرین صوفیا رحمہم اللہ میں سے ایک۔ عاشقان الٰہی کے شہنشاہ اور صوفیوں کے بادشاہوں کے بادشاہ حضرت ابو سعید فضل اللہ بن محمد المنیٰ رحمہ اللہ آپ طریقت کے سلطان اور سب اہل زمانہ آپ کے تابع فرمان تھے۔ کچھ لوگ آپ کے حسن و جمال کے گرویدہ تھے آپ کے حسنِ اعتقاد کے قائل اور بعض آپ کی زبردست قوتِ حال سے مرعوب تھے۔ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی کے متبحر عالم تھے اور باطنی روحانی کوائف و اسرار سے آگاہ۔ اس کے علاوہ آپ کی کرامتیں آثار اور دلیلیں بہت تھیں۔ چنانچہ آج تک عالم میں آپ کے نشانات ظاہر ہیں۔ ابتدائے حال میں آپ علم حاصل کرنے کے شوق میں مہینہ سے سرخس آئے اور حضرت ابو علی زاہد رحمہ اللہ سے تعلق قائم کیا اور ایک دن میں تین روز کا سبق لیتے۔ اور وہ تین روز عبادت میں گزارتے۔ یہاں تک کہ امام ابو علی زاہد رحمہ اللہ

آپ میں رُشد و سعادت کے آثار دیکھ کر آپ کی عزت و احترام کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ ان دنوں میں سرخس کے حاکم شیخ ابوالفضل حسن رحمہ اللہ تھے۔ ایک روز ابوسعید سرخس کی ندی کے کنارے جا رہے تھے کہ شیخ ابوالفضل حسن رحمہ اللہ نے سامنے جا کر پوچھا۔ اے ابوسعید! تیرا راستہ یہ نہیں جو تو چل رہا ہے۔ اپنے راستہ پر چل۔ چنانچہ شیخ نے انہیں سے رشتۂ طریقت استوار کیا۔ اور وہاں سے اپنی جگہ تشریف لے آئے اور ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کا دروازہ کھول دیا اور اعلےٰ درجہ پر پہنچا دیا۔ میں نے شیخ ابومسلم فارسی رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں۔ مجھے آپ سے ہمیشہ کچھ جھگڑا رہا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے آپ کی زیارت کا قصد کیا اس وقت میرے بدن پر ایک گدڑی تھی۔ جو میل سے چمڑے کی طرح ہو گئی تھی۔ جب میں اسے اوڑھ کر آپ کے پاس آیا تو دیکھا کہ آپ تخت پر بیٹھے ہیں اور مصر کے دبیقی لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص باوجود ان دنیاوی تعلقات کے فقیری کا مدعی ہے اور میں باوجود تعلقات دنیا سے علیحدگی کے فقیری کا دعوےٰ کرتا ہوں۔ میری اس سے کیسے موافقت ہو سکتی ہے آپ نے میرے اس خیال سے آگاہ ہو کر سر اٹھا کر فرمایا۔ اے ابومسلم! اِنِّیْ اَیِّ دِیْوَانٍ وَجَدْتَ مَنْ کَانَ قَلْبُہٗ قَائِمًا فِیْ مُشَاھَدَۃِ الْحَقِّ یَقَعُ عَلَیْہِ اسْمُ الْفَقِیْرِ تو نے کس دیوان میں دیکھا ہے کہ جس کا دل مشاہدۂ حق میں قائم ہو۔ اس پر فقیر کا نام واقع ہوتا ہے؟ یعنی اصحاب مشاہدہ حق تعالیٰ کے ساتھ غنی ہوتے ہیں اور فقر او ارباب مجاہدہ ہوتے ہیں۔ شیخ ابومسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنے اس خیال سے بہت پشیمان ہوا۔ اور اپنے برے خیال سے توبہ کی۔ اور آپ ہی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اَلتَّصَوُّفُ قِیَامُ الْقَلْبِ مَعَ اللّٰہِ بِلَا وَاسِطَۃٍ (تصوف دل کا حق تعالیٰ کے ساتھ بلاواسطہ قائم ہوتا ہے) اور یہ بھی مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے اور مشاہدہ محبت کا غلبہ رویت حق کے شوق میں صفت کا مستغرق ہونا اور بقائے حق سے صفت کا فنا ہوتا ہے اور کتاب الحج میں مشاہدہ اور اس کے وجوہ کے متعلق انشاء اللہ میں ایک مستقل باب لکھوں گا

ایک دفعہ نیشاپور سے آپ نے طوس کا قصد کیا راستے میں ایک دشوار گزار گھاٹی میں بہت سردی تھی آپ کے پاؤں موزوں میں بھی سردی محسوس کرتے تھے۔ آپ کے ہمراہی ایک درویش نے کہا کہ میں نے خیال کیا کہ اپنی چادر دو ٹکڑے کر کے آپ کے پاؤں میں لپیٹ دوں۔ مگر میرے دل نے نہ چاہا۔ کیونکہ چادر بہت عمدہ تھی۔ جب ہم طوس میں آئے تو مجلس میں میں نے آپ سے سوال کیا۔ اے شیخ! وسوسہ شیطانی اور الہام کے درمیان کیا فرق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ الہام تو یہ ہے کہ جس نے تیرے دل میں یہ آرزو پیدا کی کہ چادر پھاڑ کر ابوسعید کے پاؤں کے گرد لپیٹ تاکہ وہ سردی سے محفوظ ہو جائیں اور شیطانی وسوسہ یہ ہے کہ جس نے تجھے اس نیک کام سے باز رکھا۔ اس قسم کی بکثرت باتیں آپ سے ظہور میں آئی ہیں۔ جنہیں ہم بخوف طوالت چھوڑ دیتے ہیں واللہ اعلم۔

چھٹی فصل

حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمہ اللہ

متاخرین رحمہم اللہ میں سے ایک اوتاد کی زینت اور عابدوں کے شیخ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی رحمہ اللہ ہیں طریقت میں میں آپ کی اقتدا کرتا ہوں۔ آپ علم تفسیر اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور تصوف میں حضرت جنید رحمہ اللہ کا مذہب رکھتے تھے۔ اور حضرت حصری رحمہ اللہ کے مرید اور رازدار اور ابوعمر قزوینی اور حضرت ابوالحسن بن سالبہ رحمہما اللہ کے ہمعصر آپ پورے ساٹھ سال تک سچی گوشہ نشینی کی وجہ سے پہاڑوں میں جا گتے پھرتے اور خلقت سے کنارہ کش رہے اور زیادہ تر کوہ لکام میں قیام رکھتے تھے۔ اچھی عمر پائی تھی۔ آپ کی کرامتیں اور دلیلیں بہت سی ہیں آپ صوفیانہ رسم و لباس کے پابند نہ تھے بلکہ اہل رسم کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتے تھے۔ میں نے آپ سے زیادہ بارعب آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ آپ ہی سے روایت ہے آپ نے فرمایا اَلدُّنْيَا يَوْمٌ وَلَنَا فِيهِ صَوْمٌ (دنیا دن ہے اور ہم اس میں روزہ دار ہیں) یعنی ہم اس سے کچھ حصہ نہیں لیتے۔ نہ اس کی قید میں پھنستے ہیں اس لئے کہ ہم نے اس کی خرابی کو دیکھ لیا۔ اور اس کے حجابوں سے واقفیت حاصل کر کے اس سے اعراض

کر لیا ہے ایک دفعہ میں ان کے ہاتھ دھلا رہا تھا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ جب تمام کام تقدیر اور قسمت پر موقوف ہیں تو آزادلوگ کرامت کی امید پہ کیوں اپنے آپ کو پیروں کا غلام بناتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا اے بیٹا جو کچھ تو نے خیال کیا وہ مجھے معلوم ہو گیا۔ جان لے کہ ہر حکم کا ایک سبب ہے۔ جب خدا تعالے چاہتا ہے کہ کسی عام بچے کو تخت وتاج کا مالک بنا دے۔ تو پہلے اس کو توبہ کی توفیق بخشتا ہے اور اپنے کسی دوست کی خدمت میں بھیج دیتا ہے تاکہ اس کی یہ خدمت اس کی کرامت کا سبب ہو جائے اور ایسے ہی بہت سے لطائف ہر روز آپ سے ہم پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اور جس روز آپ کی وفات ہوئی آپ بیت الجن میں تھے اور رو بانیان اور دمشق کے درمیان ایک گھاٹی کے پاس ایک گاؤں ہے۔ آپ نے میری گود میں سر رکھا ہوا تھا۔ اور میرے دل میں لوگوں کی عادت کے مطابق ایک سچے دوست کی جدائی کا بہت رنج تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اے بیٹا میں اعتقاد کا ایک مسئلہ تجھے بتاتا ہوں۔ اگر تو اپنے آپ کو اس کے مطابق کرے گا۔ تو سب رنجوں سے چھوٹ جائے گا۔ جان لے کہ سب مقامات وحالات میں خدا تعالیٰ ہی نیک وبد پیدا کرتا ہے۔ اس لئے تجھے اس کے فعل پر نہ کوئی جھگڑا کرنا چاہئے اور نہ دل میں رنج کرنا چاہئے۔ اور اس کے سوا کوئی لمبی وصیت نہ فرمائی اور جان دے دی۔ واللہ اعلم۔

ساتویں فصل

حضرت ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمہ اللہ

متأخرین رحمہم اللہ میں سے ایک اسلام کی زینت اور مسلمانوں کے بزرگ رہنما حضرت ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمہ اللہ آپ اپنے زمانہ میں بے مثل اور بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ آپ کا حال آپ کی فضیلت اہل زمانہ کو معلوم ہیں۔ ہر فن میں آپ کے لطیف اقوال اور محققانہ تصنیفات موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کے حال اور زبان کو فضول باتوں سے محفوظ رکھا تھا۔ ایک دفعہ میں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں۔ مَثَلُ التَّصَوُّفِ كَعِلَّةِ الْبِرْسَامِ أَوَّلُهُ هَذَيَانٌ وَ آخِرُهُ سُكُوْتٌ وَإِذَا تَمَكَّنَ خَرِسَ ۔ تصوف کی مثال برسام کی بیماری جیسی

ہے کہ اس کی ابتدا بکواس اور انتہا خاموشی ہے۔ اور جب مضبوط ہو گئی تو بالکل گونگا ہو گیا ہے۔ پس صوت کے مورخ ہیں۔ ایک وجد اور دوسری نمود۔ اور نمود مبتدیوں کے لیے ہے اور وجد منتہی لوگوں کے لئے ہے اور وجد میں وجد کو بیان کرنا محال ہے۔ پس جب تک طالب حق ہوتے ہیں۔ اپنے قصد کی بلندی کی وجہ سے ناطق ہوتے ہیں۔ اور ہمت و تحقیق میں اہل آرزو کو ان کا نطق ہذیان معلوم ہوتا ہے اور جب وہ انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔ تو سب باتوں سے چھوٹ جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کو بیان کرنے اور اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہیں رہتی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مبتدی تھے۔ آپ کی سب ہمت فقط رویت حق تھی۔ چنانچہ آپ نے اسی قصد کو بیان کرتے ہوئے عرض کیا۔ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اے رب مجھے اپنا دیدار عطا فرما تاکہ میں تیری ذات کو دیکھوں) آپ کا اپنے ارادہ کو یوں بیان کرنا مقصود کے نہ پانے کی وجہ سے ہذیان اور بے فائدہ معلوم ہوا۔ اور ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ منتہی اور متمکن تھے۔ اس لئے جب آپ کی ذات ہمت کے مقام پر پہنچی۔ تو آپ کی ہمت فانی ہو گئی۔ اور آپ نے فرمایا لَآ اُحْصِیْ ثَنَآءً عَلَیْکَ (میں تیری ثنا نہیں کر سکتا) یہ منزل بہت بلند اور مقام عالی ہے　واللہ اعلم۔

آٹھویں فصل

حضرت ابو العباس احمد بن محمد الاشقانی رحمہ اللہ تعالیٰ

متاخرین رحمہم اللہ میں سے ایک اپنے وقت میں طریقت کے منفرد امام حضرت ابو العباس احمد بن محمد اشقانی رحمہ اللہ ہیں آپ علم اصول و فروع کی تمام انواع میں امام تھے۔ سب طریقت کے تمام مطالب و معانی میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ اور بہت سے مشائخ کو آپ نے دیکھا تھا۔ اور بڑے جلیل القدر اہل تصوف میں سے تھے۔ اور اپنے راستہ کو مغلق عبارت میں فنا سے تعبیر کرتے تھے۔ اور اسی عبارت میں آپ مخصوص تھے۔ اور میں نے جاہلوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ آپ کے اس بیان کی تقلید کرتے تھے۔ اور آپ کے مشکل اور مبہم کلمات کو اختیار کر رکھا تھا۔ تقلید تو معنی میں بھی اچھی نہیں ہوتی۔ بھلا عبارت کی تقلید کیسے درست

ہو سکتی ہے۔ مجھے آپ سے بہت انس تھا۔ اور آپ کو مجھ پر سچی شفقت تھی۔ اور بعض علوم میں آپ میرے استاد بھی تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی گروہ میں سے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا۔ کہ اس کے نزدیک آپ سے زیادہ شریعت کی تعظیم ہو۔ آپ نے کل مخلوقات سے تعلق قطع کیا ہوا تھا۔ علم اصول میں آپ کی عبارات کی دقت کی وجہ سے محقق امام کے سوا کسی اور کو آپ سے فائدہ نہیں ہوتا تھا اور آپ کی طبیعت ہمیشہ دنیا و عقبیٰ سے متنفر رہتی تھی آپ ہر وقت جوش میں یہی فرمایا کرتے تھے۔ کہ اَشْتَہِیْ عَدَمًا لَاوُجُوْدَ لَہٗ (میں وہ عدم چاہتا ہوں جس کے لئے کبھی وجود نہ ہو) اور فارسی میں فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کو جیسا ہونا چاہیئے ہو نہیں سکتا۔ اور مجھ بھی جیسا ہونا چاہیئے نہیں ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ نہیں ہوگا۔ اور وہ بات جو میرے لئے ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ مجھے اس عدم میں لے جائے جس کے لئے کبھی وجود نہ ہو اس لئے کہ یہ جو کچھ مقامات و کرامات ہیں یہ سب حجاب بلا کا محل ہیں اور آدمی اپنے حجاب کا عاشق ہو گیا ہے۔ دیدار الٰہی میں بندہ کی نیستی حق سے حجاب کی صورت میں آرام سے بہتر ہے اور چونکہ حق جل و علا ایسی ہستی ہے کہ جس پر عدم جائز نہیں۔ اس لئے اگر میں اس ملک میں نیست ہو جاؤں تو کیا نقصان ہے۔ کیونکہ اس نیستی کو کبھی ہستی نہ ہوگی۔ اور فنا کی صحت میں یہ اصل بہت قوی ہے۔ واللہ اعلم

نویں فصل

حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رحمہ اللہ

متاخرین رحمہم اللہ میں سے ایک زمانہ کے قطب اور اپنے زمانہ میں یکتا حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبداللہ گرگانی رحمہ اللہ۔ اللہ آپ سے راضی ہو اور آپ کو بھی راضی کرے۔ اور ہمیں اور سب مسلمانوں کو آپ کی بقا سے نفع بخشے۔ آپ اپنے وقت میں بے نظیر اور اپنے زمانہ میں بے بدل بزرگ تھے۔ اور آپ کے حال کی ابتداء روحانی اعتبار سے بہت ہی اچھی اور بلند ہے۔ اور طریقت کی خاطر آپ نے کئی کٹھن سفر سخت شرائط کے ساتھ کئے تھے۔ اور اس وقت تمام اولیاء و علماء کے دل آپ کی طرف متوجہ تھے۔ اور سب طالبان حق کا اعتقاد

آپ پر تھا۔ آپ مریدوں کے الجھنیں دور کرتے ایک ظاہر نشان اور تمام اقسام علوم کے عالم تھے۔ آپ کے مریدوں میں سے ہر ایک زمانے کا سردار ہوا ہے اور آپ کے بعد آپ کے خلفا قوم کے پیشوا ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ . . . . .

غرض یہ آپ لسان الوقت اور مستجاب الدعوات تھے کہ جو فرماتے تھے وہی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو علی ابو الفضل بن محمد الفارمدی ابقاہ اللہ جنہوں نے تمام مخلوق سے اعراض کر کے اپنا حصہ اس بزرگ کے حق میں چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سرحانی کی زبان حال کی برکت سے سردار بنا دیا ہے۔ ایک دن میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اور اپنے احوال و مشاہدات آپ کی خدمت میں عرض کر رہا تھا۔ تاکہ آپ کے ذریعے کھوٹے کھرے کی پرکھ ہو جائے۔ کیونکہ آپ وقت کے بہترین نقاد ـــ اور ـــ کھرا کرنے والے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ ان باتوں کو بڑی حرمت کے ساتھ سن رہے تھے۔ اور مجھے بچپن کا غرور اور جوانی کی حدت ان باتوں کے ذکر پر اکسا رہے تھے۔ کہ شاید حضرت شیخ کو ابتدا میں اس کوچہ سے گزر ہی نہیں ہوا۔ کہ آپ میرے حق میں اتنی عاجزی اور انکسار ظاہر فرما رہے ہیں۔ آپ نے میرے باطن میں یہ خیال دیکھ کر فرمایا۔ اے دوست! جان لے کہ میری یہ عاجزی نہ تیرے لئے ہے۔ اور نہ تیرے حال کے لئے کہ احوال کا تبدیل کرنا محال ہے۔ بلکہ یہ گڑگڑاہٹ میں احوال کے تبدیل کرنے والے مریدوں کو آدابِ صحبت سکھانے کی خاطر کرتا ہوں اور یہ سب طالبانِ حق کے لئے عام ہے۔ نہ خاص تیرے لئے۔ جب میں نے یہ بات سنی تو میں حیران رہ گیا۔ اور آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ اے بیٹا! آدمی کو طریقت میں اس سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔ کہ جب پیر کسی کو طریقت سے وابستہ کرتے ہیں تو اسے طریقت کے حاصل کرنے کا غرور پیچھے دھکیل دیتا ہے۔ اور جب اسے طریقت سے معزول کر دیتے ہیں۔ تو وہ اپنے غرور (زعم باطل) کے بیان کرنے میں بھی بند ہو جاتا ہے۔ پس اس کا ماسوائے اللہ کی نفی کرنا اور ذات حق کا ثابت کرنا بلکہ اپنا عدم و وجود دونوں زعم باطل ہوتے ہیں۔ اور آدمی ـــ زعم باطل کی قید سے کبھی نہیں چھوٹتا۔ اس کو چاہئے کہ عبودیت کی درگاہ کو لازم پکڑے

اور تمام تعلقات کو سوائے تعلق بندگی و فرمانبرداری کے اپنے سے دور کر دے اور اس واقعہ کے بعد مجھے آپ سے بہت اسرار معلوم ہوئے۔ اور اگر آپ کی کرامات کے اظہار میں مشغول ہو جاؤں تو اصل مقصود کے بیان کرنے سے قاصر رہ جاؤں گا۔

دسویں فصل

حضرت ابو احمد المظفر بن حمدان رحمۃ اللہ

متاخرین رحمہم اللہ میں سے ایک ہیں اولیاء کے رئیس اور اہل صفوت کے ناصح حضرت ابو احمد المظفر بن حمدان رحمۃ اللہ ہیں۔ آپ پر مسند ریاست پر اللہ تعالیٰ نے طریقت کا دروازہ کھول دیا۔ اور کرامت کا تاج آپ کے سر پر رکھ دیا اور فنا بقا کے متعلق آپ کا بیان بہت اچھا اور آپ کی تعبیر بہت بلند تھی۔ شیخ المشائخ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ ہم بندگی کی راہ سے درگاہ حق میں پہنچے ہیں۔ اور خواجہ مظفرؒ خداوندی کی راہ سے۔ یعنی ہم نے مجاہدہ سے مشاہدہ حق حاصل کیا ہے اور آپ مشاہدہ حق سے مجاہدہ کی طرف آئے ہیں۔ اور میں نے انہی خواجہ مظفرؒ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ دوسرے بزرگوں کو وادیوں اور جنگلوں کے قطع کرنے سے ملا ہے۔ وہ مجھے مسند اور بالانشینی کے درمیان مل گیا ہے۔ اور جو لوگ اہل رعونت ہیں وہ آپ کے اس قول کو خالی دعوے پر محمول کرتے ہیں۔ اور یہ ان کا قصور فہم ہے۔ کیونکہ اہل معنی کا اپنے حال سے خبر دینا کسی حالت میں بھی خالی خولی دعوے نہیں ہوا کرتا۔ اور آج تک آپ کے نیک اخلاق باقی ہیں اور بزرگوار خواجہ احمد سلمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک روز میں آپ کی خدمت میں آیا۔ اس وقت نیشاپور کے مدعیوں میں سے ایک شخص آپ کے پاس بیٹھا تھا اور وہ اپنے بیان میں کہہ رہا تھا کہ طالب پہلے فانی ہو جائے تب باقی ہوتا ہے۔ خواجہ مظفرؒ نے فرمایا کہ فنا پر بقا کیسے متصور ہو سکتی ہے۔ کیونکہ فنا سے مراد نیستی ہے اور بقا کا اشارہ ہستی کی طرف ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک دوسری بات کی نفی کرنے والی ہے۔ پس فنا معلوم ہے۔ لیکن جب یہ فانیت ہے۔ پس اگر یہ ہست ہو جائے تو وہ عین نہیں ہو گی۔ بلکہ کوئی اور ہی چیز ہو گی۔ اور جائز نہیں کہ

. . ذاتیں یعنی اصل اشیا فنا ہو جائیں . . . . . لیکن صفت اور سبب کا فنا ہونا جائز ہے۔ پس جب سبب و صفت فنا ہو جائے تو موصوف و مسبب رہ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی ذات پر فنا درست نہیں ہوتی۔ میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ حضرت خواجہ مظفر رحمۃ اللہ کی عبارت تو مجھے بعینہ یاد نہیں۔ لیکن مطلب ان کا یہی تھا جو میں نے اس عبارت میں بیان کر دیا۔ اور اس عبارت کی مراد اور واضح کر دیتا ہوں۔ تاکہ زیادہ عام فہم ہو جائے۔ پس اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ کا اختیار اس کی صفت ہے اور وہ اپنے اختیار کی وجہ سے حق تعالٰے کے اختیار سے حجاب میں ہے۔ پس بندہ کی صفت حق تعالٰے سے اس کا حجاب ہے۔ اور لامحالہ اختیار حق ازلی[1] ہے اور اختیار بندہ حادث[2] اور ازلی پر فنا روا نہیں۔ اور جب اختیار حق تعالٰی بندہ کے حق میں بقا پالے تو لامحالہ خود اس بندے کا اختیار فانی ہو گا اور تصرف منقطع ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ ایک روز موسم گرما میں میں آپ کے پاس سفر کا لباس پہنے تھکا ماندہ حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ اے ابو الحسن! مجھے بتاؤ اس وقت تمہارا ارادہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اس وقت مجھے سماع کی ضرورت ہے آپ نے اسی وقت آدمی بھیج کر ایک قوال اور اہل عشرت[3] کی ایک جماعت کو بلایا۔ اور ابتداہی میں مجھے بچپن کے جوش و ارادہ اور سوزش محبت کی قوت نے ان کے کلمات سننے میں بیقرار کر دیا۔ جب کچھ وقت گذر گیا۔ اور اس آفت کا جوش و غلبہ مجھ میں کسی قدر کم ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ یہ سماع تیرے لئے کیسا رہا؟ میں نے کہا اے شیخ میں بہت خوش ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ ایک وقت ایسا آئے گا۔ کہ یہ راگ اور کوّے کی آواز تیرے لئے یکساں ہو گی۔ کیونکہ سماع کی قوت اسی وقت ہوتی ہے کہ مشاہدہ حق نہ ہو۔ جب مشاہدہ حاصل ہو جائے تو سماع کی قوت معدوم ہو جاتی ہے دیکھو اس سماع کو اپنی عادت نہ بنا لینا۔ کہ یہ طبیعت ثانیہ ہو جائے اور اس کی وجہ سے تم اصل مقصود سے باز رہ جاؤ واللہ اعلم بالصواب

---

[1] قدیم۔ جو فنا کو قبول نہ کرے۔ [2] نو پیدا۔ فنا کو قبول کرنے والا [3] اصحاب ذوق و سماع

تیرھواں باب

مُتاخرین صوفیہ کرام کا مختصر حال

اگر میں ان سب صوفیہ کرام کا حال اس کتاب میں بیان کروں جو مختلف شہروں میں اللہ تعالےٰ کے بندوں کی اصلاح کرنے میں مشغول ہیں تو یہ کتاب طویل ہو جائیگی اور اگر بعض صوفیا کا حال چھوڑ دوں تو کتاب کا مقصد پورا نہ ہو گا۔ بنابریں میں اہل رسوم کو چھوڑ کر اپنے عہد کے فقط ان صوفیہ اور مشائخ کے مختصر حالات اس کتاب میں درج کرتا ہوں۔ جو ارباب معانی اور محرم اسرار ربانی ہیں۔ تاکہ اگر خدا کو منظور ہو تو اپنی مراد کے حصول سے زیادہ قریب ہو جاؤں۔ (چنانچہ ان کے نام یہ ہیں) :-

۱۔ متاخرین صوفیا اہل شام و عراق

شیخ زکی بن العلاؒ آپ اپنے وقت کے بزرگ مشائخ اور سرداروں میں سے تھے۔ میں نے آپ کو آتشِ محبت کے شعلوں میں سے ایک شعلہ کی طرح پایا۔ آپ کی کرامتیں اور دلیلیں ظاہر تھیں۔ (۲) شیخ بزرگوار ابو جعفر محمد بن المصباح الصیدلانیؒ آپ اہل تصوّف کے رئیسوں میں سے تھے۔ تحقیق معارف میں آپ کو کافی دسترس حاصل تھی۔ زبان بہت اچھی تھی اور حسین بن منصور حلّاج رحمہ اللہ سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ میں نے آپ کی بعض تصانیف آپ ہی سے پڑھی تھیں (۳) ابو القاسم سدسی رحمہ اللہ آپ بڑے با مجاہدہ پیر اور نیک حال بزرگ تھے درویشوں کے محافظ اور ان کے حق میں بہت اچھا اعتقاد رکھتے تھے۔

۲۔ متاخرین اہل فارس

شیخ الشیوخ ابو الحسن بن سالبہؒ آپ تصوّف میں نہایت فصیح زبان اور توحید میں ان کا بیان نہایت واضح ہوتا ہے۔ آپ کے اقوال معروف و مشہور ہیں۔ (۲) شیخ مرشد ابو اسحاق بن شہریارؒ۔ آپ باحشمت صوفیا میں سے تھے۔ اور پورا پورا انتظامی ملکہ رکھتے تھے۔ (۳) شیخ طریقت ابو الحسن علی بکران صوفی بزرگوں

میں سے تھے۔ (۴) شیخ ابومسلم ہرویؒ نادر الوقت اور نیک حال بزرگ تھے۔ (۵) شیخ ابوالفتح آپ اپنے والد کے نیک لڑکے اور بلند درجات کے امیدوار تھے (۶) شیخ ابوطالبؒ آپ کلمات حق کے گرفتار تھے اور ان میں سے ایک شیخ الشیوخ ابواسحاق ہیں۔ جن کو میں نے نہیں دیکھا ہے۔

۳۔ صوفیائے اہل قہستان و آذربائیجان و طبرستان

شیخ شفیق فرخ معروف بہ اخی زنجانیؒ۔ آپ بہت نیک سیرت اور پسندیدۂ طریقت بزرگ تھے۔ (۲) شیخ وندری ہیں جو اس گروہ کے بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ کے نیک کام بہت ہیں۔ (۳) بادشاہ تائبؒ آپ راہ حق میں بہت بہت تیز گام بزرگ تھے۔ (۴) شیخ ابوعبداللہ جنیدیؒ۔ آپ بڑے نرم دل اور محترم بزرگ تھے۔ شیخ ابوطاہر مکشوف آپ اپنے وقت کے بڑے بزرگوں میں سے تھے۔ (۶) خواجہ حسین سمنانیؒ۔ آپ محبت حق میں گرفتار اور سعادت کے امیدوار بزرگوار تھے۔ (۷) شیخ سہلکیؒ بڑے درویش صوفیوں میں سے تھے۔ (۸) احمد پسر شیخ خرقانیؒ اپنے باپ کے نیک جانشین تھے۔ (۹) ادیب ندی آپ زمانہ کے سرداروں میں سے ہوئے ہیں۔

۴۔ اہل کرمان میں سے صوفیائے متاخرین

(۱) خواجہ علی الحسن السیرکانیؒ آپ وقت کے سیاح ہوئے ہیں۔ اور آپ نے بہت اچھے سفر کئے ہیں (۲) حکیم پسر خواجہ علی ایک نادر بزرگ ہیں۔ (۳) شیخ محمد بن سلمہؒ وقت کے بزرگوں میں سے ہوئے ہیں علاوہ ازیں اللہ عزوجل کے اولیاء میں سے بزرگ پوشیدہ ہوئے ہیں۔ اور کچھ جوان اور نوخیز امیدوار بھی ہیں۔

۵۔ اہل خراسان کے متاخرین صوفیاء

(۱) شیخ مجتہد ابوالعباس دامغانیؒ آپ کا وقت خوش اور زندگی خوب تھی اور (۲) خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجوینیؒ۔ آپ اس گروہ کے بزرگوں اور محققین میں سے ہوئے ہیں۔ (۳) خواجہ ابوجعفر ترشیزیؒ آپ وقت کے عزیزوں میں سے تھے (۴) خواجہ محمود نیشاپوری جو وقت کے پیشوا تھے۔ آپ کی زبان طریقت کے بیان میں بہت اچھی تھی۔ (۵) شیخ محمد معشوقؒ آپ کی زندگی اور وقت بہت

اچھا تھا آپ عشق الٰہی کی چنگاری نیک باطن خوش وخرم رہنما تھے۔ (۶) خواجہ رشید پسر شیخ ابو سعیدؒ امید ہے کہ آپ قوم کے پیشوا اور دلوں کے قبلہ ہوں گے (۷) خواجہ احمدؒ دی سرخسیؒ آپ وقت کے مرد میدان ہوئے ہیں اور ایک مدت تک میرے رفیق رہے ہیں۔ میں نے آپ کی بہت سی عجیب باتیں دیکھی ہیں۔ آپ صوفی جوانمردوں میں سے ایک ہیں۔ (۸) شیخ احمد نجار سمرقندی جو مرو میں مقیم تھے اور اپنے زمانہ کے بادشاہ تصوف تھے (۹) شیخ ابو الحسن علی بن علی الاسود آپ اپنے باپ کے سچے جانشین اور علوِ ہمت و صدقِ فراست میں اپنے زمانہ میں یگانہ تھے اب اگر اہل خراسان میں سے سب بزرگوں کو شمار کروں تو کتاب طویل ہو جائیگی میں نے تین سو صوفی مرد صرف خراسان میں ایسے دیکھے ہیں۔ کہ ہر ایک ان میں سے ایک خاص مشرب رکھتا تھا۔ اور ان میں سے ایک شخص بھی سارے عالم کے لئے کافی تھا اور یہ سب اس لئے ہے کہ محبت الٰہی کا آفتاب اور طریقت کا اقبال خراسان کے آسمان سے جلوہ تابیاں کر رہا ہے۔

۶۔ اہل ماوراالنہر میں سے صوفیائے متاخرین

(۱) خواجہ امامؒ۔ آپ خواص و عوام میں مقبول تھے۔ اور (۲) ابوجعفر بن محمد الحسین حرمی۔ آپ کلمات حق کے سننے والے اور محبت حق میں گرفتار مرد تھے۔ آپ کی ہمت عالی اور وقت صاف تھا۔ اور درگاہِ حق کے طالبان پر کامل شفقت رکھتے تھے (۳) خواجہ فقیہہ ابو محمد بالغزیؒ ہیں اپنے اصحاب میں نہایت باعزت تھے۔ آپ کا حال بہت اچھا اور معاملات بہت قوی تھے (۴) احمد ایلاقیؒ جو وقت کے شیخ اور زمانہ کے بزرگ اور رسوم و عادات کے تارک تھے۔ (۵) خواجہ عارفؒ ہیں وقت کے یگانہ اور اپنے زمانہ میں بے نظیر تھے (۶) علی بن اسحاقؒ ہیں جو اپنے زمانے کے سردار اور باحشمت بزرگ تھے۔ آپ کی زبان بہت اچھی تھی۔ اور یہ نام صوفیاء اور اہل حقیقت کے اس گروہ کے ہیں۔ جن کو میں نے دیکھا ہے اور ہر ایک کے مقام کو میں نے معلوم کیا ہے۔ اور یہ سب بزرگ اہل تحقیق میں سے ہوئے ہیں۔

۷۔ اہلِ غزنی میں سے متاخرین صوفیا:۔۔۔ (۱) شیخ عارف ابو الفضل

بن الاسدیؒ اپنے زمانہ میں صاحب انصاف اور بڑے بزرگ رہنما ہوئے ہیں
آپ کی دلیلیں ظاہر ہیں اور آپ کی کرامتیں روشن ہیں آپ آتش محبت الٰہی کا
ایک شعلہ تھے۔ آپ اپنے زمانے میں بالکل گمنام تھے۔ (۲) شیخ علائق اسمعیل الشاشیؒ
آپ دنیا سے کنارہ کش اور باحشمت رہنما تھے اور سلامتی کے طریق پر چلتے تھے
(۳) شیخ سالار طبریؒ آپ صوفی علماء میں سے تھے۔ اور طریقت میں بہت اچھے
حال کے مالک تھے (۴) شیخ ابوعبداللہ محمد بن الحکیم المعروف بہ مریدؒ ہیں۔ آپ بڑے
ہوشیار، اسرار کے معدن اور درگاہ حق کے مستوں میں سے تھے۔ اور طریقت میں
ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ کا حال لوگوں سے پوشیدہ تھا۔ آپ کی دلیلیں ظاہر اور
کرامتیں روشن ہیں اور صحبت میں آپ کا حال دیدار سے بہتر تھا (۵) شیخ سعید بن
ابی سعید رحمہ اللہ جو سب سے زیادہ محترم بزرگ ہیں۔ آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
کی حدیث کے حافظ تھے۔ عمر بہت طویل پائی تھی اور بہت سے مشائخ کو دیکھا
تھا۔ آپ بہت قوی حال اور باخبر بزرگ تھے۔ اپنا بھید کسی پر ظاہر نہ کرتے تھے
(۶) خواجہ بزرگوار ابو العلاء عبدالرحیم بن احمد السعدیؒ ہیں۔ آپ حرمت و وقار
کی بنیاد، قوم کے عزیز اور وقت کے سردار تھے۔ میرا دل آپ سے بہت خوش
ہے۔ آپ کا وقت مہذب اور حال اچھا تھا اور تمام علوم سے واقف تھے
(۷) شیخ یگانہ قسورۃ بن محمد الجردیزی۔ آپ اہل طریقت سے پوری شفقت رکھتے
ہیں اور ہر ایک کے دل میں آپ کی بہت عزت ہے آپ نے بہت سے
مشائخ کو دیکھا ہے اور عوام اور اس شہر کے علماء کے اعتقادات کے مطابق
میں بہتر امید رکھتا ہوں کہ آپ کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ میں ان
سے اعتقاد ہو گا۔ اور یہ پراگندہ حال لوگوں کا گروہ جو اس شہر میں راہ پا گئے ہیں
اور انہوں نے اس طریق کی صورت کو قبیح کر دیا ہے وہ اس شہر سے مٹ
جائیں گے اور یہ شہر اولیاء اور بزرگوں کی قیامگاہ بن جائے گا۔ اب ہم ان فرقوں
کے مذاہب کے فرق بیان کریں گے۔

واللہ اعلم بالصواب

چودھواں باب

صوفیاء کے فرقوں کا باہمی فرق

اور اس سے پہلے حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ کے ذکر ہی میں میں نے ضمناً بیان کیا تھا۔ کہ صوفیوں کے بارہ گروہ ہیں۔ دو گروہ ان میں سے مردود۔ اور دس گروہ مقبول ہیں اور ان دس گروہوں میں سے ایک گروہ کا عمل اور طریقہ مجاہدات میں اچھا ہے اور ان کے آداب مشاہدات میں بھی بہت ہی عمدہ ہیں۔ اگرچہ یہ گروہ مجاہدات و معاملات اور ریاضات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکن شریعت و توحید کے اصول و فروع میں سب موافق ہیں۔ چنانچہ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا ہے۔ اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَۃٌ اِلَّا فِیْ تَجْرِیْدِ التَّوْحِیْدِ (سوائے توحید خالص کے علماء کا باہمی اختلاف رحمت ہے) اور اسی حکم کے موافق ایک حدیث بھی مشہور ہے۔ غرض یہ کہ تصوف کی حقیقت حقیقی مجازی اور رسمی طور پر ان مختلف مشائخ کے حالات میں کسی نہ کسی رنگ میں موجود ہے۔ میں اختصار ایجاز کے طور پر ان مشائخ کے کلام کو تصوف کے بیان میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اور اصل مذہب میں ہر ایک کے لئے عزت کا مقام متعین کرتا ہوں۔ تاکہ طالب حقیقی کو اس کا علم حاصل ہو جائے اور علماء کے لئے ہتھیار مریدوں کے لئے نیکی اور عاشقان الٰہی کے لئے کامیابی اور عقلمندوں اور صاحب مروت لوگوں کے لئے تنبیہ، اور خود میرے لئے دوجہان کا ثواب ہو۔ اور توفیق اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

پہلی فصل

فرقہ محاسبیہ اور ان کے متعلقہ امور

محاسبی فرقہ کے لوگ حضرت ابوعبداللہ حارث بن الاسد محاسبی رضی اللہ عنہ سے نسبت رکھتے ہیں اور آپ تمام اہل زمانہ کے اتفاق سے مقبول و مقتول نفس بزرگ تھے۔ اور علم اصول و فروع اور حقائق کے عالم بے بدل تھے۔ اور

آپ کا کلام ظاہری و باطنی عمل کی صحت کے ساتھ ساتھ خالص توحید سے متعلق تھا۔ اور طریقت میں آپ کی نادر بات یہ ہے کہ وہ رضا کو طریقت کے مقامات میں سے کوئی مقام شمار نہیں کرتے تھے۔ اور آپ کے بعد اس قول کو اہلِ خراسان نے لے لیا اور وہ اسی پر عمل پیرا ہے۔ اور صوفیان کرام کہتے ہیں کہ رضا منجملہ مقامات کے ہے اور یہ توکل کی انتہا ہے۔ اور آج تک یہ اختلاف ان دونوں گروہوں میں چلا آرہا ہے۔ اب اللہ تعالےٰ نے چاہا تو ہم اس قول کو بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان مذاہب کے بیان میں مناسب ہے کہ پہلے ہم رضا کی حقیقت بیان کریں اور اس کی قسمیں لکھیں اور پھر حال و مقام کی حقیقت اور ان کے فرق کو بیان کریں۔

پہلی بحث

رضا کی حقیقت

جاننا چاہیے کہ کتاب اور سنت رضا کے اثبات پر ناطق ہیں۔ اور امت کا اس بات پر اتفاق ہے۔ چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (اللہ تعالےٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے) اور نیز فرمایا ہے۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوا جب وہ آپ سے اس درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ذَاقَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا (ایمان کا مزہ اس نے چکھا جو اللہ تعالےٰ کے رب ہونے پر راضی ہوا)۔

رضا کی قسمیں

رضا دو قسم کی ہوتی ہے (اول) خداوند تعالےٰ کا بندہ سے راضی ہونا۔ (دوم) بندہ کا خدا تعالےٰ سے راضی ہونا۔ رضائے الٰہی کی حقیقت سو وہ بندہ کے لئے ثواب و نعمت و کرامت عطا کرنے کا ارادہ کرنا ہے۔ اور رضائے بندہ کی حقیقت خدا تعالےٰ کے فرمان پر ثابت قدم رہنا اور اس کے حکم کی تعمیل کے لئے سرِ تسلیم خم کر دینا ہے۔ پس رضائے الٰہی رضائے بندہ پر مقدم ہے۔ کیونکہ جب تک توفیق الٰہی نہ ہو۔ بندہ اس کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کے حکم پر ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ اس لئے کہ بندہ کی رضا رضائے حق تعالےٰ سے وابستہ ہے اور اس کا قیام اس کی ذات سے

ہے۔ فی الجملہ بندہ کی رضا یہ ہے۔ کہ اس کا دل قضائے الٰہی کی دونوں طرفوں سے خواہ قضائے منع ہو۔ خواہ قضائے عطا ہو۔ یکساں طور پر مطمئن اور راضی ہو اور اس کا باطن احوال کے دیکھنے سے خواہ وہ جمالی ہوں خواہ جلالی مستقیم اور قائم ہو۔ چنانچہ اگر قضائے الٰہی کسی چیز کے عطا نہ کرنے پر ٹھہر جائے یا اس کے عطا کرنے پر سبقت کرے۔ تو بندہ کی رضا میں دونوں باتیں مساوی ہوں (یعنی اس کا دل دونوں حالتوں میں برابر راضی رہے) اور اگر ہیبت و جلال الٰہی سے وہ جل جائے۔ یا انوار لطف جمال حق سے روشن ہو جائے تو یہ روشن ہونا اور جلنا اس کے نزدیک یکساں ہو۔ کیونکہ وہ اس وقت حق کا مشاہدہ کرنے والا ہے۔ اور جو کچھ اس کی ذات سے مشاہدہ میں آئے اس کے لئے وہی بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین حسین بن علی کرم اللہ وجہہما سے لوگوں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اس قول کے متعلق پوچھا۔ جو انہوں نے کہا ہے کہ اَلْفَقْرُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْغِنَاءِ وَالسُّقْمُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الصِّحَّۃِ (فقیری میرے نزدیک دولت مندی سے اور بیماری تندرستی سے بہتر ہے) تو امام علیہ السلام نے فرمایا رَحِمَ اللّٰہُ اَبَاذَرٍّ اَمَّا اَنَا فَاَقُوْلُ مَنْ اَشْرَفَ عَلٰی حُسْنِ اِخْتِیَارِ اللّٰہِ لَہٗ لَمْ یَتَمَنَّ غَیْرَ مَا اَخْتَارَ اللّٰہُ لَہٗ (اللہ تعالےٰ ابوذر پر رحم فرمائے۔ لیکن میں تو کہتا ہوں کہ جس نے اپنے متعلق حق تعالےٰ کے اختیار کی خوبی کو آنکھ اٹھا کر دیکھ لیا ہے۔ وہ اس امر کے سوا جو اللہ تعالےٰ نے اس کے لئے اختیار فرمایا ہے۔ کسی اور امر کی تمنا ہی نہیں کرتا۔ اور جب بندہ نے حق تعالیٰ کے اختیار کو مد نظر رکھا۔ اور اپنے اختیار سے اعراض کیا تو وہ سب غم و اندوہ سے چھوٹ گیا۔ اور یہ بات حق سے دوری کی صورت میں درست نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کے لئے حضور حق کی ضرورت ہے لِاَنَّ الرِّضَا لِلْاَحْزَانِ نَافِیَۃٌ وَّلِلْغَفْلَۃِ مُعَالِجَۃٌ شَافِیَۃٌ (کیونکہ رضا بقضا الٰہی غموں کو دور کرنے والی اور غفلت کا شافی علاج ہے) یعنی رضا بقضائے الٰہی آدمی کو غموں سے رہائی دلاتی ہے۔ غفلت کے پنجہ سے چھڑاتی ہے۔ غیر کا خیال دل سے دور کرتی ہے۔ اور مصیبتوں کے بندے سے آزاد کرا دیتی ہے۔ کیونکہ رضا کی صفت

رہائی دلاتا ہے۔ لیکن رضا کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اس بات پر یقین رکھے کہ کسی چیز کا دینا اور نہ دینا اللہ تعالےٰ کی مشیت و ارادہ سے ہے اور اس بات کا بھی اعتقاد رکھے۔ کہ اللہ تعالےٰ سب احوال میں اس کو دیکھتا ہے اور ایسے اعتقاد رکھنے والے اہل رضا چار گروہ میں منقسم ہیں۔

(۱) وہ جو معرفت الٰہی پر راضی ہیں

(۲) وہ جو دنیا کی آسائشوں اور گوناگوں نعمتوں پر راضی ہیں

(۳) وہ جو دنیا کی آزمائشوں اور مصائب و آلام پر راضی ہیں

(۴) وہ جو ہمہ وقت حق تعالےٰ کی محبت اور دیدار میں مست رہتے ہیں۔

پس جو شخص عطا کرنے والے کو ملحوظ خاطر رکھنے کی وجہ سے عطا کو دیکھتا ہے۔ وہ اس کو سچے دل سے قبول کر لیتا ہے۔ اور جب سچے دل سے قبول کر لیتا ہے۔ تو تکلیف اور مصیبت اس کے دل سے دور ہو جاتی ہے۔ اور جو شخص عطا کو ملحوظ رکھ کر عطا کرنے والے کو دیکھتا ہے۔ وہ عطا میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور بڑی تکلیف سے رضا کے راستہ پر چلتا ہے۔ کیونکہ تکلیف میں جو کچھ ہے وہ رنج و مشقت ہی ہے۔ اور معرفت اس وقت حقیقت کی صورت اختیار کرتی ہے۔ جب بندہ معرفت کی وجہ سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرنے والا ہو۔ اور اگر معرفت اس کے لئے حق تعالیٰ سے رکاوٹ اور حجاب کا باعث ہو تو وہ معرفت ناشناسائی ہوتی ہے اور وہ نعمت عذاب اور وہ عطا پردہ ہو جاتی ہے۔ اور وہ شخص جو خدا تعالےٰ سے دنیا پر راضی ہوتا ہے۔ وہ خسارے میں رہتا ہے اور اس کی وہ رضا آتش دوزخ کا موجب ہو جاتی ہے اس لئے کہ پوری کی پوری دنیا بھی اس لائق نہیں کہ دل اس سے لگایا جائے یا اس کے غم کا بار دل پر ڈالا جائے۔ نعمت اس وقت نعمت ہوتی ہے۔ کہ انعام کرنے والے کی طرف رہنمائی کرے۔ اور جب وہ منعم ہی سے باعث حجاب ہو تو پھر وہ نعمت بلا ہو جاتی ہے۔ اور وہ شخص جو خدائے تعالےٰ سے بلا پر راضی ہوتا ہے۔ وہ وہ شخص ہے جو بلا میں بھی بلا نازل کرنے والے کو دیکھے۔ اور اس بلا کی تکلیف کو دیدار میں ڈالنے والے کے مشاہدہ سے برداشت کر سکے۔ کیونکہ بلا کی تکلیف مشاہدے کی خوشی میں تکلیف ہی نہیں رہتی اور وہ شخص جو حق تعالےٰ

سے برگزیدگی پر راضی ہوتا ہے۔ وہ عاشق الٰہی ہے۔ کہ رضا و غضب میں اس کی ہستی عارضی ہوتی ہے اور اس کا دل معرفت رب العزت کے سوا اور کسی کی فرودگاہ نہیں ہوتا۔ اور اس کے باطن کا خیمہ انس الٰہی کے جانب کے سوائے کہیں نہیں ہوتا۔ یہ دربار حق کے وہ مقرب ہیں جو ما سوی اللہ سے غائب، اور خلقت سے بیگانہ عرش کے مکین، ہیکر لوزانی۔ حق کے موحد، خلقت سے جدا، مقامات و احوال کے حدود سے نکلے ہوئے باطن کو مخلوق سے رد کئے ہوئے۔ حق کی محبت میں کمر باندھے ہوئے اللہ تعالےٰ کے لطف و کرم کے لئے سر تا سر انتظار بنے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا۔ وہ اپنے نفسوں کے لئے نہ تو نفع اور نقصان کے مالک ہیں۔ اور نہ موت و حیات اور دوبارہ اٹھائے جانے کا اختیار رکھتے ہیں۔ پس اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور چیز کے لئے رضا خسارہ ہے۔ اور رضا باعث رضوان الٰہی ہے۔ اس لئے کہ غیر سے راضی ہونا بڑی ہلاکت ہے۔ اور حق تعالےٰ پر راضی ہونا صریح سعادت ہے جس سے آخرت کی عافیت ملتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ لَّمْ يَرْضَ بِاللّٰهِ وَبِقَضَائِهٖ شَغَلَ قَلْبَهٗ وَتَعِبَ بَدَنُهٗ (جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کی قضا پر راضی نہیں تو وہ اپنے دل کو اسباب میں مشغول رکھتا ہے اور اپنے جسم کو ان اسباب کی تلاش کی وجہ سے رنج میں ڈالتا ہے۔

دوسری بحث

رضا کے متعلق مشائخ کے اقوال

حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهٗ رَضِيْتَ عَنِّيْ (اے اللہ! مجھے ایسا عمل بتا دے جس کے کرنے سے تو مجھ سے راضی ہو جائے) فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ يَا مُوْسٰى، فَخَرَّ مُوْسٰى سَاجِدًا مُتَضَرِّعًا فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ يَا ابْنَ عِمْرَانَ رِضَائِيْ فِيْ رِضَائِكَ بِقَضَائِيْ۔ (اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے موسیٰ تو اس بات کی طاقت نہیں رکھتا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر کر گریہ و زاری کرنے لگے تو

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی۔ کہ عمران کے بیٹے! میری رضا میری قضا پر تیرے راضی ہونے میں ہے۔ مطلب یہ کہ جب بندہ قضائے الٰہی پر راضی ہو جائے تو یہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ نے ایک دفعہ حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے پوچھا۔ کہ زہد زیادہ فضیلت والا ہے یا رضا۔ حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا۔ اَلرِّضَاءُ اَفْضَلُ مِنَ الزُّهْدِ لِاَنَّ الرَّاضِیَ لَا يَتَمَنّٰى فَوْقَ مَنْزِلَتِهٖ رضا زہد سے افضل ہے۔ کیونکہ راضی بقضا اپنی منزل سے اوپر کسی اور بات کی تمنا نہیں کرتا ہے اور زاہد تمنا کرتا ہے۔ یعنی زہد کی منزل کے بعد اور بھی منزل ہوتی ہے جس کی زاہد تمنا کرتا ہے۔ اور رضا کے اوپر اور کوئی نہیں کہ راضی بقضا اس کی تمنا کرے۔ پس پیش گاہ در گاہ سے افضل ہے۔ اور یہ حکایت حضرت محاسبی رحمہ اللہ کے قول کی صحت پر دلیل واضح ہے کہ رضا منجملہ احوال و مواہبات الٰہیہ کے ہے اس کا حصول کسب و محنت سے ممکن نہیں۔ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ راضی کی کوئی تمنا نہیں ہوتی۔ اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے دعا میں سوال کیا۔ اَسْئَلُكَ الرِّضَاءَ بَعْدَ الْقَضَاءِ اے اللہ! میں قضا کے آجانے پر تجھ سے تیری رضا کی درخواست کرتا ہوں۔ یعنی مجھے وہ حالت عطا کر جب تیری طرف سے کوئی قضا آئے تو وہ مجھے راضی برضا پائے۔ اور یہاں یہ بات صحیح ہو گئی کہ رضا قضا کے وارد ہونے سے پہلے درست نہیں کیونکہ قضا کے آنے سے پہلے رضا کے قبول کر لینے کے لئے عزم تو ہوتا ہے۔ مگر خود رضا نہیں ہوتی۔ رضا کیا ہے دل کا اللہ تعالیٰ کے اس ازلی اختیار کو دیکھ لینا ہے۔ جو اسے اپنے بندے پر حاصل ہے۔ اور حضرت ابوالعباس بن عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَلرِّضَا نَظَرُ الْقَلْبِ اِلٰى قَدِیْمِ اِخْتِیَارِ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ یعنی جو مصیبت اس پر پہنچے جان لے کہ یہ خداوند تعالیٰ کا میرے حق میں ازلی ارادہ اور حکم ہے اس پہ بیچین نہ ہو۔ خوشدل رہے۔ اور حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ صاحب طریقہ فرماتے ہیں۔ اَلرِّضَاءُ سُكُوْنُ الْقَلْبِ تَحْتَ مَجَارِی الْاَحْكَامِ رضا احکام الٰہی کے جاری ہونے پر دل کا ساکن اور مطمئن رہنا ہے اور اس بارہ میں آپ کا یہ نظریہ بہت عمدہ ہے۔ اس لئے کہ سکون و اطمینان قلب

بندہ کی محنت اور کسب سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ حق تعالےٰ کی موہبات میں سے ہے۔ اور اس بات پر دلیل ہے کہ رضا احوال میں سے ہے نہ مقامات میں سے کہتے ہیں کہ عُتْبَۃُ الْغُلَام رحمۃ اللہ علیہ رات بھر نہ سوئے اور صبح تک یہ کہتے رہے اِنْ تُعَذِّبْنِیْ فَاَنَالَکَ مُحِبٌّ وَاِنْ تَرْحَمْنِیْ فَاَنَالَکَ مُحِبٌّ (اے اللہ! اگر تو مجھے عذاب دے تو بھی میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور اگر تو مجھ پر رحم کرے تو بھی میں تجھ سے محبت کرتا ہوں) یعنی عذاب کی تکلیف اور آرام کی لذت جسم پر ہوتی ہے۔ اور محبت کی بے قراری دل میں ہوتی ہے۔ اور ظاہری تکلیف اس محبت کو کچھ نقصان نہیں دیتی۔ اور یہ بات بعینہٖ حضرت محاسبیؒ کے قول کی تائید ہے۔ کیونکہ رضا محبت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس طرح محبت کرنے والا اس بات پر راضی ہوتا ہے۔ جو محبوب کرے۔ اگر محبوب اس کو عذاب میں رکھے تو وہ باوجود دوستی کے محبوب سے حجاب میں نہیں ہوتا۔ بلکہ خوش ہوتا ہے اور اگر وہ اس کو نعمت میں رکھے تو بھی دوستی کی وجہ سے اس محبوب سے حجاب میں نہیں ہوتا۔ اور اپنے اختیار کو حق تعالےٰ کے اختیار کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہے۔ حضرت ابوعثمان حیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً مَا اَقَامَنِیَ اللّٰہُ فِیْ حَالٍ فَکَرِھْتُہٗ وَمَا نَقَلَنِیْ اِلٰی غَیْرِہٖ فَسَخِطْتُہٗ (چالیس سال سے اللہ تعالےٰ نے مجھے جس حال میں رکھا میں نے اس کو ناپسند نہیں کیا۔ اور اگر اس حال سے کسی اور حال میں تبدیل کیا تو بھی میں نے برا نہیں مانا) اور یہ بات رضا کے دوام اور محبت الٰہی کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ حکایات میں مشہور ہے کہ ایک درویش دریائے دجلہ میں گر پڑا۔ جو تیرنا نہیں جانتا تھا۔ کنارے پر سے ایک شخص نے پوچھا۔ کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میں کسی شخص کو آگاہ کردوں تاکہ وہ تجھے باہر نکال دے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس آدمی نے کہا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ غرق ہو جائے؟ درویش نے کہا نہیں۔ اس آدمی نے کہا پھر تو کیا چاہتا ہے؟ درویش نے کہا جو خدا چاہتا ہے۔ اور رضا کے متعلق مشائخ کرام کی بہت سی حکیمانہ باتیں ہیں۔ الفاظ گو ان کے مختلف ہیں۔ لیکن بنیادی یہی دو باتیں ہیں۔ جو میں نے بیان کر دیں۔ ہاں میں یہاں پھر مناسب سمجھتا ہوں کہ حال و مقام میں فرق بیان کر کے ان کی حدود متعین کر دوں۔ تاکہ تمہیں اور دوسرے

پڑھنے والوں کو اس کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیقُ

تیسری بحث

مقام وحال کے درمیان فرق

جاننا چاہئے کہ حال و مقام دو لفظ صوفیا کے ہاں زیادہ مستعمل ہیں اور ان کے بیانوں میں اکثر دیکھے جاتے ہیں گو یہ مقام ان الفاظ و اصطلاحات کے تشریح اور توضیح کا نہ تھا۔ مگر پھر بھی چونکہ تصوف کے طالبوں کے لئے ان کا سمجھنا ضروری ہے اس لئے ضرورتاً ان کی توضیح بیان کی جا رہی ہے۔ وَمَا تَوفِیقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

علم تصوف کے لئے گو یہ باب ان کی تعریف بیان کرنے کا محل نہیں۔ لیکن یہاں ان کا بتلا دینا بھی بحد ضروری ہے اور نیک بات کی توفیق اور مدد اور غلطی سے بچانا اللہ کے قبضہ میں ہے

مقام کی تحقیق

جان لو! کہ عام طور پر مقام میم کی پیش کے ساتھ "کھڑے ہونے" اور مقام میم کے زبر کے ساتھ کھڑے ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ حالانکہ اس الفاظ کے یہ معنی اور تحقیق قطعاً غلط ہے۔ اس لئے کہ مقام عربی کا لفظ ہے۔ اور عربی میں مقام میم کی پیش کے ساتھ قائم ہونے اور قائم ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اور مقام میم کے زبر کے ساتھ قیام کرنے اور قیام کرنے کی جگہ کے معنوں میں مستعمل ہے۔ لیکن تصوف کی اصطلاح میں مقام میم کے زبر کے ساتھ بندے کا راہِ حق میں قیام کرنے اس کے حق ادا کرنے اور اس کی رعایت کو ملحوظ رکھنے کو کہتے ہیں۔ تاکہ اس مقام کا کمال حاصل کرے۔ پس تصوف کے مقامات میں سے سب سے پہلا مقام توبہ[1] ہے۔ دوسرا انابت[2] اور زہد[3]۔ اور چوتھا توکل[4] ہے اور ایسے ہی دوسرے مقام پس صوفی کو جائز نہیں کہ سچی توبہ کئے بغیر انابت کا دعوےٰ کرے اور سچی انابت کے بغیر زہد کا۔ اور زہد کے بغیر توکل کا۔ اور خدا تعالےٰ نے ہمیں جبرائیل علیہ السلام کی نسبت خبر دی کہ انہوں نے کہا ہے وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین مقام ہے)۔

---

[1] توبہ: ترک گناہ [2] انابت: اللہ کی طرف رجوع کرنا [3] زہد: ترک دنیا [4] توکل: اللہ تعالیٰ پر بھروسہ

حال کی تحقیق

اور حال وہ کیفیت ہے جو حق تعالےٰ کی طرف سے دل پر طاری ہوتی ہے۔ جب وہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ تو اپنی کوشش سے اس کو ہٹا نہیں سکتے۔ اور جب وہ چلی جاتی ہے۔ تو تکلف اور کوشش سے اسے حاصل نہیں کر سکتے۔ پس مقام سے مراد راستہ اور مجاہدہ کے محل میں طالب کے قیام اور عمل کے مطابق بارگاہِ حق میں اس کا درجہ ہے۔ اور حال سے مراد بندہ کے دل میں مجاہدات کے تعلق کے بغیر اللہ تعالےٰ کے فضل اور لطف کا طاری ہونا ہے۔ اس لئے کہ مقام منجملہ اعمال ہے۔ اور حال منجملہ افضال کے دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مقام بندے کے اعمال سے متعلق ہے اور حال اللہ تعالےٰ کے فضل سے تعلق رکھتا ہے۔ جس میں کسی کوشش اور عمل کو دخل نہیں

پس صاحب مقام اپنے مجاہدہ کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور صاحب حال اپنی صفات سے فانی ہوتا ہے بلکہ اس کا قیام اسی وہبی کیفیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ اس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے۔ مشائخ رحمہم اللہ کا اس بارہ میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ تو حال کے دوام کو جائز رکھتا ہے۔ اور دوسرا گروہ اس کے دوام کو جائز نہیں رکھتا اور حضرت محاسبی رحمہ اللہ دوام حال کو روا سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ محبت، شوق، قبض بسط یہ سب احوال ہیں۔ اگر ان کا دوام روا نہ ہو۔ تو محبؔ محب ہو۔ اور نہ مشتاق، مشتاق اور جب تک یہ حال بندہ کی صفت نہ ہو جائے۔ تب تک حال کے نام کا اطلاق اس پر نہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ رضا کو منجملہ احوال کہتے ہیں اور جو کچھ ابو عثمان حیری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مُنْذُ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً مَا اَقَامَنِیَ اللّٰهُ عَلٰی حَالٍ فَکَرِهْتُهٗ الخ اس کا اشارہ بھی اسی بات کی طرف ہے اور دوسرا گروہ حال کے دوام و بقا کو جائز نہیں سمجھتا۔ چنانچہ ان میں سے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْاَحْوَالُ کَالْبُرُوْقِ فَاِنْ بَقِیَتْ فَحَدِیْثُ النَّفْسِ۔ احوال بجلیوں کی طرح ہوتے ہیں کہ جنہیں دوام نہیں ہوتا پس اگر وہ باقی رہ جائیں تو وہ نفس کی بات اور طبیعت کی ہوس ہے۔ اور ایک گروہ اس کے متعلق یوں کہتا ہے۔ کہ اَلْاَحْوَالُ کَاِسْمِهَا یعنی اَنَّهَا کَمَا تَحُلُّ بِالْقَلْبِ تَزُوْلُ احوال اپنے نام کی طرح ہوتے ہیں۔ یعنی جب وہ دل پر طاری ہوتے ہیں۔ تو جھٹ زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ لغت میں حال وہ عارضی کیفیت ہے۔ جو دل پر طاری ہو

اور جلد ہی زوال پذیر ہو جائے اور جو کیفیت باقی رہ جائے وہ صفت ہوتی ہے۔ اور صفت کا قیام موصوف کے ساتھ ہوتا ہے اور اس صورت میں موصوف کا صفت سے زیادہ کامل ہونا لازم آتا ہے اور یہ محال ہے۔ کیونکہ موصوف کا کمال اس کے ذاتی صفات کو بروئے کار لانے کی وجہ سے ہوتا ہے اور صفات ذاتیہ کو بروئے کار لانا فضل ولطف الٰہی پر موقوف ہوتا ہے اور فضل ولطف عارضی اور وہبی کیفیت ہے نہ صفت۔ اور یہ صفات آتی جاتی رہتی ہیں اور یہ فرق یہاں اس لئے بیان کر دیا ہے۔ کہ صوفیا کی عبارات میں اور اسی کتاب میں جہاں حال اور مقام کے الفاظ آ جائیں تو تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان سے کیا مراد ہے۔ فی الجملہ یہ اچھی طرح جان لو کہ رضا مقامات سلوک کی انتہا اور احوال کی ابتدا ہے اور یہ وہ محل ہے۔ کہ اس کی ایک طرف کسب و مجاہدہ اور دوسری طرف محبت وغلبہ اشتیاق ہے اور اس سے بالاتر کوئی اور مقام نہیں۔ اور یہاں آ کر انسان کے تمام مجاہدات ختم ہو جاتے ہیں۔ پس اس کی ابتدا تو بندہ کے کسب وریاضت سے ہوتی ہے اور انتہا اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام پر۔ اب یہاں یہ احتمال پیدا ہو سکتا ہے کہ سالک نے رضا کی ابتداء میں جب خدا اپنی طرف دیکھا ہو۔ تو سمجھا ہو کہ رضا بھی ایک مقام ہے اور جب اس نے اپنی رضا کی انتہا میں حق تعالیٰ کی طرف دیکھا ہو تو کہہ دیا ہو کہ رضا تو حال ہے۔

حضرت محاسبی رحمۃ اللہ کا مذہب تصوف کے اصول میں یہی ہے۔ باقی طریقت کے معاملات میں انہوں نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ البتہ جن عبارات اور معاملات میں خطا کا وہم ہوتا ہے۔ گو ان کی اصل درست ہی ہو۔ آپ مریدوں کو ان سے منع کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ جو آپ کے مرید تھے۔ آپ کے پاس آئے۔ اور وہ سماع سننے والے صاحب کمال مرد تھے۔ حضرت محاسبی رحمۃ اللہ نے ایک شاہ مرغ رکھا ہوا تھا۔ جو بانگ دیا کرتا تھا اس وقت اس مرغ نے بانگ دی۔ ابو حمزہ نے نعرہ مارا تو حضرت محاسبی سخت ناراض ہوئے چاہا کہ چھری سے مرغ کو ذبح کر دیں مگر مریدوں نے ہاتھ پاؤں پڑ کر مرغ کو تو بچا لیا۔ مگر آپ نے ابو حمزہؒ سے سخت غصہ میں فرمایا "اے مردود! تو کافر ہو گیا دوبارہ اسلام لا! مریدوں نے عرض کیا۔ اے شیخ! ہم تو سب اس کو خاص اولیاء اللہ اور موحدین میں سے جانتے ہیں۔ شیخ

کو اس کے اسلام کے متعلق یہ تردّد کس وجہ سے پیدا ہوا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس مرغ کے اسلام کے متعلق کوئی تردّد نہیں۔ اور اس میں بظاہر سوائے خوبی کے اور کچھ نہیں۔ اور اس کے باطن کو بھی میں توحید میں غرق دیکھتا ہوں۔ لیکن اسے ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جو حلولیوں[1] کے خیال سے مشابہ ہو اور ان کی باتوں کا اس کے عمل میں کوئی نشان ظاہر ہو کہ ایک مرغ جو عقل نہیں رکھتا اور اپنی طبعی عادت اور خواہش کے مطابق بانگ دیتا ہے۔ اسے اس کی آواز سے ناحق سماع کی حالت کیوں پیدا ہوتی ہے۔ باوجودیکہ خداوند تعالےٰ قابل تجزیہ و تقسیم نہیں کہ اس کا کچھ حصہ اس مرغ میں حلول کر گیا ہو اور عارف اس کو خدا کی آواز تصور کرکے وجد میں آجائے۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے دوستوں کو اس کے کلام کے سوا کسی چیز سے آرام نہیں۔ اور نہ اس کے اسلام کے سوا کسی چیز سے ان کو وقت و حال حاصل ہوتا ہے اور نہ حق تعالیٰ اشیاء میں حلول اور نزول فرماتا ہے۔ اور نہ قدیم کا اشیائے حادثہ کے ساتھ اتحاد[2] اور امتزاج[3] جائز ہے۔ جب اس وقت ابو حمزہ نے شیخ کی نظر دیکھی تو کہنے لگا۔ اے شیخ! اگرچہ میں اصل میں صحیح ہوں۔ لیکن چونکہ میرا فعل ایک گمراہ قوم کے فعل سے مشابہ تھا۔ اس لئے میں نے اس سے توبہ کر لی اور باز آیا۔ اور اسی قسم کی عجیب باتیں آپ سے مشہور ہیں جنہیں میں نے مختصر طور پر بیان کر دیا ہے اور یہ طریق بہت ہی قابل ستائش ہے۔ جس میں ہوشیاری اور صحو کو چھوڑے بغیر سلامتی اور سلامتی ہی ہے اور یہی کامل سلامتی کی راہ ہے۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَقِفَنَّ مَوَاقِفَ التُّهَمِ (جو شخص تم میں سے اللہ تعالےٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ وہ تہمت کے مقام پر نہ کھڑا ہو) اور میں علی بن عثمان جلابی ہمیشہ خدا تعالےٰ سے اس بات کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ایسا ہی عمل نصیب فرمائے۔ لیکن یہ بات زمانہ کے رسمی صوفیوں کی صحبت میں درست نہیں آسکتی۔ کیونکہ اگر تو ریا اور معصیت میں ان کی موافقت نہ کرے تو وہ تیرے دشمن ہو جائیں گے۔

[1] جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خدا اپنی مخلوق میں حلول کرتا ہے۔ انہیں حلولی کہتے ہیں
[2] ایک ہو جانا ——— [3] باہم مل جانا

پس جہالت سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ واللہ اعلم

دوسری فصل

فرقہ قصاریہ

قصاری لوگ حضرت ابی الصالح بن حمدون بن عمارہ قصار رحمہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔ اور آپ بزرگ علماء اور طریقت کے سرداروں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ کا طریقہ ملامت کا تھا آپ ان تمام اسباب وعوامل کے قائل تھے۔ جن سے ملامت کا نشر و اظہار ہو۔ معاملات طریقت کے بیان کرنے میں آپ کا کلام بہت عالی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ تیرے متعلق خدا تعالٰے کا علم خلقت سے اچھا ہونا چاہئے۔ یعنی خلوت میں خدا تعالٰے کے ساتھ تیرا معاملہ اس سے بہتر ہونا چاہئے۔ جو ظاہر میں تیرا خلقت کے ساتھ ہے۔ کیونکہ تیرے دل کا مخلوق میں مشغول ہونا حق تعالٰی سے حجاب اعظم ہے اور کتاب ہذا کی ابتداء میں سلامت کے باب میں میں نے آپ کے احوال اور حکایتیں بیان کر دی ہیں۔ اس لئے ترک طوالت کے لئے اس پر اختصار کیا ہے آپ کی نادر حکایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں۔ ایک روز میں نیشاپور کی نہر حیرہ کے کنارے چلا جا رہا تھا کہ نوح نامی ایک رہزن سے ملاقات ہوئی۔ جو جوانمردی میں بڑا مشہور تھا۔ اور نیشاپور کے سب عیار اس کے حکم میں تھے میں نے اس سے پوچھا۔ اے نوح! جوانمردی کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری جوانمردی پوچھتے ہو یا اپنی؟ میں نے کہا دونوں کی بابت بتاؤ۔ تب اس نے کہا کہ میری جوانمردی تو یہ ہے کہ میں چوغہ اتار کر گدڑی پہن لوں۔ اور اس کا عمل اختیار کروں تاکہ حقیقی صوفی بن جاؤں۔ اور پھر حق تعالٰے کی شرم سے اس گدڑی میں گناہ سے پرہیز کروں۔ اور آپ کی جوانمردی یہ ہے۔ کہ آپ گدڑی اتار دیں تاکہ آپ مخلوق کے لئے اور مخلوق آپ کے لئے باعث فتنہ نہ ہو۔ پس میری جوانمردی تو ظاہر میں شریعت کی حفاظت کرنا ہوگی۔ اور آپ کی جوانمردی باطن میں حقیقت کی حفاظت کرنا ہوگی۔ اور اگر دیکھا جائے تو یہ ایک سب سے بڑی حقیقت ہے۔ واللہ اعلم

تیسری فصل

فرقہ طیفوریہ

یہ گروہ حضرت بایزید طیفور بن عیسٰی بن سروشان بسطامی رحمہ اللہ سے محبت و عقیدت رکھتا ہے۔ اور آپ طریقت میں بڑے سردار اور بزرگ صوفیوں میں سے ہوتے ہیں اور آپ کا طریقہ غلبہ شوق اور جذب و مستی تھا۔ اور شوق الٰہی کا جذبہ اور اس کی محبت میں مدہوشی آدمی کی اکتساب کردہ محبت کی قسم سے نہیں اور جو چیز انسان کے دائرہ کسب سے خارج ہو اس کا دعویٰ کرنا باطل اور اس کی تقلید محال ہے اور سکر ہوشیاری کی صفت نہیں ہو سکتی۔ اور نہ آدمی کو اپنے اندر حالت سکر پیدا کرنے کی طاقت ہی ہے۔ مجذوب مغلوب ہوتا ہے۔ اسے خلقت کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ کہ اوصاف میں سے کسی وصف میں اس کا تکلف ظاہر ہو۔ مشائخ طریقت اس بات پر متفق ہیں کہ مستقیم الحال صوفی کے سوا جو احوال کے دور سے گزر چکا ہے۔ کسی اور کی اقتدا درست نہیں اور اہل طریقت کا ایک گروہ اس بات کو جائز قرار دیتا ہے کہ کوئی شخص تکلف سے غلبہ عشق الٰہی اور جذب محبت حق کی راہ اختیار کرے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِبْکُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْکُوْا فَتَبَاکُوْا (گریہ و زاری کرو اور اگر تم خود بخود گریہ و زاری نہیں کر سکتے تو تکلف سے رونی صورت بناؤ) اور اس کی دو صورتیں ہیں (اول) اپنے آپ کو کسی قوم سے مشابہ کرنا محض ریاکاری کے لئے تو یہ صریح شرک ہے (دوم) اپنے آپکو ان سے اس لئے مشابہ کرنا کہ شاید حق تعالےٰ اس کو بھی اسی درجہ پر پہنچا دے۔ جس پر وہ لوگ ہیں۔ تاکہ وہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے موافق ہو۔ جو آپ نے فرمایا ہے مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرتا ہے۔ وہ ان ہی میں سے ہے) پس راہ طریقت میں جو اقسام مجاہدات پیش آتے ہیں وہ ان کو عمل میں لایا کرے۔ اور درگاہ حق سے امیدوار رہے۔ شاید خدا تعالےٰ اس پر معانی کی تحقیق کا دروازہ کھول دے۔ کیونکہ مشائخ رحمہم اللہ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے۔ اَلْمُشَاھَدَاتُ مَوَارِیْثُ الْمُجَاھَدَاتِ مشاہدے مجاہدوں کی میراثیں اور نتائج ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ مجاہدے تمام امور میں اچھے ہوتے ہیں، لیکن سکر اور غلبہ محبت کسب کے تحت نہیں آتے۔ کہ مجاہدات سے ان

کو حاصل کر سکیں۔ اور نہ مجاہدات غلبہ اور سکر کے حاصل ہونے کی علت ہو سکتے ہیں۔
کیونکہ مجاہدات حالتِ صحو میں ہی کر سکتے ہیں۔ اور صاحبِ صحو کا رُخ سکر کے قبول کرنے
کی طرف نہیں ہوتا۔ لہٰذا فقط مجاہدے اور ریاضت سے غلبۂ شوق اور جذب و مستی
کو حاصل کرنا محال ہے اور اب میں سکر اور صحو کی حقیقت اور اس میں مشائخ کے اختلاف
کو بیان کرتا ہوں تاکہ اگر اللہ کو منظور ہو تو یہ اشکال اٹھ جائے

سُکر و صحو کی حقیقت

جان لو! اللہ تمہیں سعادت مند کرے کہ سکر، غلبہ مدہوشی اور جذب و مستی کو کہتے
ہیں جس سے مراد اربابِ معانی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے۔ اور
صحو ہوشیاری سے مراد مقصود کا حاصل کرنا ہے اور ان کے متعلق اہلِ معانی کے بہت
سے اقوال ہیں۔ ایک گروہ سکر کو صحو پر فضیلت دیتا ہے۔ اور دوسرا گروہ صحو کو سکر
پر فوقیت دیتا ہے اور جو لوگ سکر کو صحو پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ
اور ان کے پیرو ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ صحو آدمیت کی صفت کے معتدل اور مستحکم ہونے
کی صورت میں متصور ہو سکتا ہے۔ اور وہ حق تعالیٰ سے حجابِ اعظم ہے اور سکر آفت
کے زوال اور صفاتِ بشریہ کے کم ہونے اور اپنے اختیار و تدبیر کے چلے جانے
اور ان معانی اور قویٰ کی بقا کی وجہ سے جو اس کے وجود میں اس کی جنسِ بشریت کے
خلاف موجود ہیں۔ اور اپنے حق میں تصرف کے فنا ہو جانے پر متصور ہو سکتا ہے۔ اور
یہ حال زیادہ اچھا اور کامل معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام حالت صحو
میں تھے۔ آپ سے ایک فعل سرزد ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو خود ان کی طرف
ہی منسوب کر کے فرمایا۔ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (اور حضرت داؤد علیہ السلام نے کافر
بادشاہ جالوت کو قتل کیا) اور ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم حالت سکر میں تھے۔ آپ
سے اس حالت میں ایک فعل ظہور پذیر ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب
کر کے فرمایا۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور جب آپ نے کفار
مکہ پر خاک کی مٹھی پھینکی۔ تو وہ دراصل آپ نے نہیں پھینکی تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ
نے پھینکی تھی) پس حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت نبی کریم صلعم میں بڑا فرق
ہے۔ کیونکہ حضرت داؤدؑ تو اپنی ذات کے ساتھ قائم اور اپنی صفات کے ساتھ

ثابت تھے۔ تو ان کو تو کرامت کے طور پر فرمایا: "اس نے کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو حق تعالیٰ کے ساتھ قائم اور اپنی صفات سے فانی تھے۔ ان کے متعلق فرمایا۔ کہ جو کچھ کیا ہم نے کیا" پس بندہ کے فعل کو حق تعالیٰ سے منسوب کرنا خود حق تعالیٰ کے فعل کو بندہ کی طرف منسوب کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ کا فعل بندہ سے منسوب ہوتا ہے۔ تو وہ بندہ اپنی ذات سے قائم ہوتا ہے۔ جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کہ جب ان کی نظر ایسی جگہ پڑی کہ جہاں نہ چاہیئے تھی۔ یعنی اوریا کی عورت پر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو متنبہ ہوا اور جب بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے تو صورت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ چنانچہ جب جناب رسول خدا صلعم کی ایک ایسی ہی نظر پڑ گئی۔ تو زیدؓ کی عورت ان پر حرام ہو گئی۔ اس لئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر محل صحو میں تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر محل سکر میں تھی۔ اور وہ لوگ جو صحو کو سکر پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ حضرت جُنید بغدادی رحمہ اللہ اور ان کے پیرو ہیں۔ وُہ کہتے ہیں کہ محل سکر محل آفت ہے۔ اس لئے کہ وہ احوال کی پریشانی اور صحت کے جاتے رہنے اور اپنے حال پر قابو نہ ہونے کا باعث ہے اور جب تمام امور کی اصلی بنیاد طالب ہے۔ اپنے فنا کی وجہ سے یا بقا کی وجہ سے یا محویت کی رو سے یا اپنے آپ کو ثابت کرنے کی رو سے ہی ہے جب وہ خود ہی صحیح الحال نہ ہوگا۔ تو تحقیق کا فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اہل حق کا دل تمام موجودات ثابتہ سے مجرّد ہونا چاہیئے اور ایک نابینا شخص کو اشیاء کے تعلق سے نہ کوئی راحت ہوتی ہے اور نہ ان کی خرابی سے اس کو خلاصی ملتی ہے۔ اور لوگوں کا حق تعالیٰ کو چھوڑ کر اشیاء میں الجھے رہنا اس لئے ہے کہ وہ اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں۔ نہیں دیکھتے اور اگر وہ ان کی حقیقت کو پالیں تو ان کی قید سے چھوٹ جائیں۔ صحیح طور پر دیکھنا دو طرح سے ہوتا ہے ایک تو یہ کہ کسی چیز کو دیکھنے والا آنکھ سے اس کو دیکھے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی فنا کو دیکھے۔ اگر آنکھ سے بقا کو دیکھے تو سب اشیاء کو اپنی بقا میں ناقص پائے گا کیونکہ وہ ان کی بقا کی حالت میں ان کو بذات خود قائم نہیں دیکھے گا۔ اور اگر آنکھ سے ان کی فنا کو دیکھے گا۔ تو سب موجودات کو بقائے حق تعالیٰ کے مقابلہ میں فانی

پائے گا۔ اور یہ دو نو صفتیں اس کو موجودات سے اعراض کرنے پر مجبور کریں گی یہی وجہ ہے کہ سید صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے ہوئے فرمایا اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ (اے اللہ! ہمیں اشیاء جیسی کہ وہ حقیقت میں ہیں دکھا دے اس لئے کہ جس نے اشیاء کو کَمَا ھِیَ دیکھ لیا وہ آرام پا گیا۔ اور یہی مطلب ہے اللہ تعالےٰ کے اس قول کا کہ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ (آنکھوں والو عبرت پکڑو) جب تک اشیاء کو جیسی کہ وہ ہیں نہ دیکھیں گے۔ وہ عبرت نہیں پکڑیں گے۔ پس یہ سب باتیں صحو کے حال کے سوا درست نہیں ہو سکتیں اور اہل سکر کو ان امور کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حالت سکر میں تھے۔ اس لئے جلال الٰہی کی ایک تجلی برداشت نہ کر سکے اور بیہوش ہو گئے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (حضرت موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے) اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ حالت صحو میں تھے۔ اس لئے مکہ مکرمہ سے مقام قَابَ قَوْسَیْنِ تک عین تجلی الٰہی میں چلے گئے اور ہر وقت زیادہ ہوشیار اور زیادہ بیدار رہے واللہ اعلم۔ شعر

شَرِبْتُ الرَّاحَ کَاْسًا بَعْدَ کَاْسٍ   فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِیْتُ

(میں نے متواتر پیالہ پر پیالہ شراب پی   پس نہ تو شراب ختم ہوئی اور نہ میں سیراب ہوا)

اور میرے مرشد نے فرمایا ہے۔ اور آپ جنیدی مذہب رکھتے تھے۔ کہ سکر بچوں کے کھیل کا میدان ہے اور صحو مردوں کے فنا کا مقام اور میں علی بن عثمان جلابیؒ اپنے شیخ رحمہ اللہ کے موافق کہتا ہوں۔ کہ صاحب سکر کا کمال صحو میں ہوتا ہے اور صحو میں کمتر درجہ بشریت کے دور ہو جانے کو دیکھ لینا ہے۔ پس وہ صحو جو خرابی کو ظاہر کرے۔ اس سکر سے بہتر ہے جو عین خرابی ہے اور حضرت ابو عثمان مغربی رحمہ اللہ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ کہ آپ نے ابتدائے حال میں بیس سال تک جنگلوں میں ایسی گوشہ نشینی فرمائی کہ آدمی کی آہٹ تک نہ سنی۔ یہاں تک کہ تکلیف کی وجہ سے آپ کا جسم گھل گیا۔ اور آپ کی آنکھیں کثرت ریاضت و بیداری کے باعث اندر گھس گئیں۔ اور آدمیوں کی صورت نہ رہی اور بیس سال کے بعد حق تعالےٰ نے فرمایا کہ خلقت کی صحبت اختیار کرو۔ آپ نے دل میں کہا کہ

پہلے اللہ والوں اور اللہ کے گھر کے مجاوروں کی صحبت اختیار کروں۔ تاکہ زیادہ بابرکت ہو۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کا قصد کیا۔ مشائخ کے ان کے آنے سے پہلے باخبر تھے۔ آپ کے استقبال کے لئے باہر نکلے اور ان کو ایسی حالت میں پایا کہ صورت بدلی ہوئی اور بدن میں سوائے ہڈیوں کے کچھ نہ رہا تھا۔ آپ سے کہنے لگے اے ابوعثمان! بیس سال آپ نے ایسی حالت میں زندگی بسر کی کہ آدم اور ان کی اولاد آپ کا حال معلوم کرنے سے عاجز آگئے۔ ہمیں بتایئے آپ کیوں گئے؟ اور کیا دیکھا؟ اور کیا حاصل کیا؟ اور کیوں واپس آئے؟ آپ نے فرمایا۔ میں سکر کی وجہ سے گیا اور سکر کی آفت کو دیکھا اور مقصود سے ناامیدی حاصل کی اور ہار کر واپس آگیا۔ سب مشائخ نے فرمایا اے ابوعثمان! آپ نے صحو و سکر کی حقیقت جیسی کہ چاہیئے تحقیق فرما لی ہے اور آپ کے بعد کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ صحو و سکر کے متعلق وہ کچھ مزید تحریر کرے۔ اور سکر کی آفت کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ پس سکر سرتاسر گمان فنا ہے۔ بقائے صفت کے ساتھ اور یہ حجاب ہے اور صحو سرتاسر دیدار بقا ہے۔ صفت کے فنا ہونے کی حالت میں اور یہ عین کشف و مشاہدہ ہے۔ اور فی الجملہ اگر کسی شخص کو یہ خیال ہو کہ سکر صحو کی نسبت فنا سے زیادہ قریب ہے۔ تو یہ محال ہے۔ کیونکہ سکر صحو کی صفت پر ایک زائد صفت ہے اور جب تک بندہ کے اوصاف بڑھتے رہتے ہیں وہ بے خبر ہوتا ہے اور جب وہ صورت گھٹنے لگتی ہے تو اس وقت طالبوں کو اس سے مقصود کی امید ہو جاتی ہے۔ پس صحو و سکر میں ان کے حال کی غایت یہی ہے اور حضرت بایزید رحمہ اللہ سے جو مغلوب الحال تھے۔ حکایت کرتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے آپ کو خط لکھا کہ آپ اس شخص کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں کہ جو محبت الٰہی کے سمندر سے ایک قطرہ پی کر ہی مست ہو گیا تو حضرت بایزید رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا۔ کہ آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ کہ سارے جہاں کے دریا محبت کی شراب بن جائیں اور وہ ان سب کو پی جائے۔ لیکن پھر بھی پیاس سے چلاتا ہے؟ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت یحییٰ رحمہ اللہ نے سکر سے مراد لی ہے اور بایزید رحمہ اللہ نے صحو کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ صاحب صحو وہ ہوتا ہے۔ جو ایک قطرہ شراب کی بھی طاقت نہیں رکھتا اور صاحب سکر

وہ ہے جو مستی میں سب کچھ پی جائے۔ اور ابھی اس کو اور ضرورت ہو۔ اس لئے کہ شراب سکر کا آلہ ہے اور جنس ہم جنس سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے اور صحو اس کی ضد ہے اور اس کو شراب پینے سے آرام نہیں ملتا۔ لیکن سکر دو قسم کا ہے (اول) دوستی کی شراب سے (دوم) عشق کے پیالہ سے اور دوستی کا سکر کسی سبب کو چاہتا ہے اور وہ سبب نعمت کا دیکھنا ہے اور عشق کا سکر کسی سبب اور علت کی بجائے منعم کو دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ نعمت کے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور سکر عشق منعم کے دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جو شخص نعمت کو دیکھتا ہے وہ اپنی ذات سے دیکھتا اور خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور جو منعم کو دیکھتا ہے۔ وہ اس کے ذریعے سے دیکھتا ہے۔ اپنی ہستی کو نہیں دیکھتا۔ وہ اگرچہ سکر میں ہو۔ اس کا سکر صحو ہوتا ہے۔ اسی طرح صحو بھی دو قسم کا ہوتا ہے (اول) صحو غفلت پر ہوتا ہے (دوسرا) محبت پر جو صحو غفلت پر ہوتا ہے وہ حجاب اعظم ہے اور جو صحو محبت پر ہوتا ہے وہ زیادہ واضح ہے پس جو صحو غفلت سے ملا ہوا ہو۔ اگرچہ وہ صحو ہے سکر ہوتا ہے اور جو سکر محبت سے ملا ہوا ہو۔ اگرچہ وہ سکر ہے۔ صحو ہوتا ہے۔

جب اصل مستحکم ہو تو صحو سکر ہوگا اور سکر صحو۔ اور جب اصل مضبوط نہ ہو۔ تو دونوں بے فائدہ ہیں۔ حاصل یہ کہ صحو و سکر مردان حق کے راستہ میں علل کے اختلاف کے باعث مختلف ہوتے ہیں اور جب حقیقت کی سلطنت اپنا جمال دکھاتی ہے تو صحو و سکر دونو طفیلی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کے اطراف ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ایک کی نہایت دوسرے کی ابتدا ہے اور ظاہر ہے کہ ابتدا و انتہا سوائے باہمی تفرقہ کے متصور نہیں ہو سکتی۔ اور جس چیز کی نسبت تفرقہ کی طرف ہو۔ وہ چیز حکم میں مساوی ہوتی ہے اور جمع کرنا تفرقوں کو مٹا دیتا ہے۔ غرض یہ کہ جب تک طالب کو مشاہدہ حق جو دراصل مقصود بالذات ہے حاصل نہ ہو۔ تب تک سکر و صحو دو مختلف چیزیں ہیں کہ ایک کی انتہا دوسرے کی ابتدا ہوتی ہے۔

اور دونوں مساوی طور سے بے سود ہیں۔ اور جب اصل مقصود حاصل ہو جائے۔ تو دونوں میں غایت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ وہ قول مفید ہیں) کسی شاعر نے اسی مضمون کو یوں ادا کیا ہے ؎

إِذَا طَلَعَ الصَّبَاحُ بِنَجْمِ رَاحٍ   تَسَاوِي فِيهِ سَكْرَانٌ وَصَاحٍ

جب صبح خوشی کے ستارہ کے ساتھ طلوع ہو تو اس وقت مست و ہوشیار دونو مساوی ہوتے ہیں لکھتے ہیں کہ سرخس میں دو بزرگ تھے۔ ایک لقمانؒ دوسرے ابو الفضل حسنؒ۔ ایک دن لقمان ابو الفضل کے پاس آئے تو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک جزو ہے۔ پوچھا۔ اے ابو الفضلؒ جزو میں کیا تلاش کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ وہی جو تم اس کے ترک کرنے میں ڈھونڈتے ہو۔ انہوں نے پوچھا تو یہ اختلاف کیوں ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اختلاف تو تمہیں دکھائی دیتا ہے کہ تم مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا ڈھونڈتے ہو۔ مستی سے ہوشیار ہو اور ہوشیاری سے بیدار ہو تاکہ یہ اختلاف اٹھ جائے اور تم یہ جان لو کہ میں اور آپ کیا ڈھونڈتے ہیں؟ پس طیفوریوں کا جنیدیوں سے یہی اختلاف تھا۔ جو میں نے بیان کر دیا ہے اور مطلق معاملات میں بایزید طیفور رحمہ اللہ کا مذہب لوگوں کی صحبت کو ترک کرنا اور گوشہ گزینی کو اختیار کرنا ہے۔ اور مریدوں کو آپ بس یہی فرماتے ہیں۔ اور اگر کسی کو میسر آجائے تو یہ طریق بہت اچھا ہے اور یہ سیرت بہت عمدہ ہے۔

چوتھی فصل

فرقہ جنیدیہ

فرقہ جنیدیہ کے پیرو حضرت ابو القاسم جنید بن محمدؒ سے محبت کرتے ہیں اپنے وقت میں ان کو لوگ طاؤس العلماء کہتے تھے۔ آپ صوفیا کے ایک گروہ کے سردار اور ان کے اماموں کے امام تھے آپ کا طریقہ طیفوریوں کے برعکس صحو پر مبنی ہے۔ جن کا اختلاف پہلے بیان کر دیا گیا ہے۔ صوفیا کے تمام مذاہب میں زیادہ مشہور و معروف آپ ہی کا مذہب ہے

اور تمام مشائخ جنیدی مذہب کے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ طریقت کے معاملات میں اگرچہ ان کے کلمات میں بہت اختلاف ہے۔ لیکن میں نے طوالت کے خوف سے اسی پر اختصار کیا ہے۔ اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔ اگر کسی شخص کو اس سے زیادہ حال معلوم کرنے کی ضرورت ہو تو ان کے مذہب سے متعلق دوسری کتابوں کو پڑھ لے تاکہ اسے اس سے زیادہ حقیقت معلوم ہو جائے

کیونکہ میں نے اس کتاب میں اختصار کو اختیار کیا ہے۔ حکایات میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب حسین بن منصور رحمہ اللہ غلبہ محبت الٰہی میں عمرو بن عثمان رحمہ اللہ سے بیزار ہو کر حضرت جنید رحمہ اللہ کے پاس آئے۔ تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم عمرو کو چھوڑ کر میرے پاس کیوں آئے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اس لئے کہ شیخ کی صحبت اختیار کروں۔ آپ نے فرمایا۔ ہم مجنونوں کی صحبت پسند نہیں کرتے صحبت کے لئے صحت دماغ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جب تم باوجود جذب و مستی کی آفت کے مصاحبت کروگے تو ایسا ہی ہوگا۔ جیسا تم نے سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ اور عمرو بن عثمان رحمہ اللہ کے ساتھ کیا انہوں نے کہا اَیُّہَا الشَّیْخُ الصَّحْوُ وَالسُّکْرُ صِفَتَانِ لِلْعَبْدِ وَمَادَامَ الْعَبْدُ مَحْجُوْبًا عَنْ رَبِّہٖ حَتّٰی فَنِیَ اَوْصَافُہٗ اے شیخ! صحو اور سکر بندہ کی دو صفتیں ہیں اور بندہ ہمیشہ خدا سے حجاب میں ہے یہاں تک کہ اس کے اوصاف فنا ہو جائیں۔ حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا یَا ابْنَ الْمَنْصُوْرِ اَخْطَأْتَ فِی الصَّحْوِ وَالسُّکْرِ لِاَنَّ الصَّحْوَ بِلَا خِلَافٍ عِبَارَۃٌ عَنْ صِحَّۃِ حَالِ الْعَبْدِ مَعَ الْحَقِّ وَذٰلِکَ لَا یَدْخُلُ تَحْتَ صِفَۃِ الْعَبْدِ وَاکْتِسَابِ الْخَلْقِ وَاَنَا اَرٰی یَا ابْنَ مَنْصُوْرٍ فِیْ کَلَامِکَ فُضُوْلًا کَثِیْرًا وَعِبَارَاتٍ لَا طَائِلَ تَحْتَہَا اے منصور کے بیٹے! تو نے صحو اور سکر کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ کیونکہ صحو بغیر اختلاف کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے صحیح حال سے عبارت ہے۔ اور یہ بات بندہ کی صفت اور خلق کے کسب کے تحت داخل نہیں اے منصور کے بیٹے! علاوہ ازیں میں تیرے کلام میں بہت سی فضول باتیں اور بیفائدہ عبارتیں بھی پاتا ہوں۔ واللہ اعلم

پانچویں فصل

فرقۂ نوریہ

نوری فرقہ کے لوگ حضرت ابو الحسن احمد بن محمد نوری رحمہ اللہ سے محبت و عقیدت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ نیز آپ علمائے صوفیاء کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔ اور نور نام سے زیادہ مشہور تھے۔ صوفیائے کرام میں روشن اوصاف اور قاطع دلیلوں کے ساتھ آپ کا ذکر ہوتا ہے۔ اور تصوف میں آپ کا مذہب نہایت

پسندیدہ ہے اور اصول بجید عمدہ اور آپ کا مذہب صفوت کو فقر پر فضیلت دینا ہے۔ طریقت میں آپ کا عمل حضرت جنید رحمۃ اللہ کے موافق ہے اور آپ کے طریقہ کی نادر باتوں میں سے ایک بات یہ ہے کہ آپ صحبت میں اپنے رفیق کے حق کو اپنے حق پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور صحبت بے ایثار کو حرام سمجھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ درویشوں کے لیے صحبت فرض ہے اور گوشہ نشینی ناپسندیدہ ہے۔ اور رفیق کے حقوق کو اپنے حقوق پر ترجیح دینا بھی فرض ہے آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے۔ اِيَّاكُمْ وَالْعُزْلَةَ فَاِنَّ الْعُزْلَةَ مُقَارَنَةُ الشَّيْطَانِ وَعَلَيْكُمْ بِالصُّحْبَةِ فَاِنَّ الصُّحْبَةَ رِضَاءُ الرَّحْمٰنِ (گوشہ نشینی سے بچو کیونکہ گوشہ گزینی شیطان کی ہم نشینی ہے اور تم پر صحبت اختیار کرنا لازم ہے۔ کیونکہ صحبت اللہ تعالےٰ کی خوشنودی ہے) اب میں ایثار کی حقیقت بیان کرتا ہوں۔ اور جب صحبت و عزلت کے باب میں پہنچوں تو انشاء اللہ اس جگہ ان کے اسرار و رموز کو کامل وضاحت سے بیان کروں گا۔ تاکہ عوام و خواص سب اس سے فائدہ اٹھا سکیں ٭

ایثار کی حقیقت

قرآن عزیز میں اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (وہ فقراء صحابہ کرام اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود انہیں اس کی حاجت ہو) اس آیت کا نزول خاص کر فقراء صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شان میں ہوا ہے۔ ایثار کی حقیقت یہ ہے کہ صحبت و رفاقت میں اپنے ساتھی اور دوست کے حق کا خیال رکھے۔ اور اپنا حصہ اسے دیدے اور دوست کے آرام کے لیے خود تکلیف اٹھائے۔ لِاَنَّ الْاِيْثَارَ اَلْقِيَامُ بِمُعَاوَنَةِ الْاَغْيَارِ مَعَ الْاِشْتِغَالِ بِمَا اَمَرَهُ الْجَبَّارُ لِرَسُوْلِهٖ الْمُخْتَارِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (کیونکہ ایثار دوسروں کی مدد کرنا اور ساتھ ہی اس امر میں مشغول ہونا ہے جس کا اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے درگذر اختیار کیجئے اور نیکی کا حکم دیجئے۔ اور جاہلوں سے اعراض فرمائیے۔ ایثار کی حقیقت اس سے زیادہ آداب صحبت کے بیان میں مفصل بیان ہو گی اور یہاں اس آیت کریمہ میں

ایثار کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ ایثار دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو صحبت میں جیسا کہ اس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور دوسرے محبت میں اور رفیق کے لئے ایثار کرنے میں ایک قسم کا رنج اور تکلیف ہوتی ہے لیکن محبت میں ایثار کرنے میں سب خوشی اور راحت ہی ہوتی ہے اور حکایات میں یہ بات مشہور ہے کہ جب غلام الخلیل نے اس گروہ کے ساتھ اپنی عداوت ظاہر کی۔ اور ہر ایک سے دشمنی کا اظہار کیا۔ اور سرکاری آدمی حضرت نوری و حضرت رقام و حضرت ابو حمزہ رحمہم اللہ کو پکڑ کر دار الخلافہ میں لے گئے۔ اور غلام الخلیل نے کہہ دیا کہ یہ لوگ بے حقیقت اور بے دین ہیں۔ اگر امیر المومنین ان کے قتل کا حکم فرمایا۔ تو بے دینی کی جڑ کٹ جائے گی۔ کیونکہ سب بے دینوں کے سرغنہ یہی لوگ ہیں۔ اور جس کے ہاتھ سے یہ نیکی ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے بہت بڑے اجر کا ضامن ہوں۔ چنانچہ خلیفہ نے اسی وقت ان کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیا۔ جلاد آ گیا۔ اور تینوں کے ہاتھ باندھ دیئے جب جلاد نے حضرت رقام کے قتل کرنے کا قصد کیا۔ تو حضرت نوریؒ اٹھ کر بڑی خوشی اور خرمی سے حضرت رقامؒ کی جگہ پر جلاد کے سامنے جا بیٹھے۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا۔ جلاد نے آپ سے کہا۔ اے جوانمرد! یہ تلوار ایسی چیز نہیں ہے کہ کوئی ایسی رغبت سے اس کے سامنے آ جائے۔ جیسے کہ تم آ گئے ہو۔ حالانکہ ابھی تک تمہاری باری نہیں آئی۔ آپ نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے کہ میری باری نہیں آئی۔ لیکن میرا طریق ایثار پر مبنی ہے اور دنیا میں عزیز ترین چیز زندگی ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس بھی ان بھائیوں کے کام میں صرف کر دوں۔ کیونکہ دنیا کا ایک سانس میرے نزدیک آخرت کے ہزار سال سے بھی بہتر ہے۔ اس لئے کہ یہ دنیا عمل کا گھر ہے۔ اور آخرت ثواب کا۔ اور ثواب خدمت کرنے پر ہی حاصل کرتے ہیں۔ جب قاصد نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچا دی۔ تو خلیفہ آپ کی طبیعت کی رقت اور آپ کے کلام کی باریکی کی وجہ سے سخت متعجب ہوا۔ اور آدمی بھیج کر حکم دیا۔ کہ ان لوگوں کے معاملہ میں سردست توقف کیا جائے۔ ابو العباس بن علی اس وقت قاضی القضاۃ تھے۔ چنانچہ ان کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ ان تینوں حضرات کو اپنے گھر لے گئے۔ اور جو کچھ ان حضرات سے شریعت و حقیقت

کے احکام کے متعلق دریافت کیا۔ اس میں ان کو درست پایا۔ وہ اپنی غفلت کی وجہ سے ان کے حال سے سخت پریشان و پشیمان ہوئے اس پر حضرت نوریؒ نے فرمایا۔ اے قاضی! آپ نے یہ سب کچھ تو پوچھا مگر پوچھنے کی بات نہ پوچھی فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا یَاْکُلُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَشْرَبُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَلْبَسُوْنَ بِاللّٰہِ وَیَنْطِقُوْنَ بِاللّٰہِ (پس بے شک اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کا کھانا۔ پینا۔ بیٹھنا اور بولنا سب اللہ کے ساتھ ہے) کیونکہ ان کا قیام و قعود و نطق و حرکت و سکون سب اللہ کے ساتھ ہے اسی کے ساتھ وہ زندہ ہیں اور اسی کے مشاہدہ سے ان کی بقا ہے۔ کہ اگر لحظہ بھر مشاہدہ حق ان کے حال سے منقطع ہو جائے تو ان کے وجود میں شور برپا ہو۔ قاضی صاحب آپ کے کلام کی دقت اور آپ کے حال کی صحت پر بڑے متعجب ہوئے۔ اور خلیفہ کو لکھ دیا کہ اگر یہ لوگ ملحد ہیں۔ تو فَمَنِ الْمُوَحِّدُ فِی الْعَالَمِ۔ پھر جہان میں موحد کون ہے؟ میں گواہی دیتا ہوں اور حکم کرتا ہوں کہ اگر یہ لوگ بے دین ہیں تو پھر روئے زمین پر کوئی موحد نہیں خلیفہ نے ان حضرات کو بلا کر فرمایا۔ کوئی حاجت طلب کرو۔ انہوں نے فرمایا۔ ہمیں آپ سے صرف یہ حاجت ہے کہ آپ ہمیں بالکل فراموش کر دیجئے۔ نہ ہمیں اپنے قبول سے اپنے مقرب بنائیے اور نہ اپنے ہجر سے راندہ درگاہ کیجئے کیونکہ آپ کا ہمیں ہجر دینا بالکل ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ آپ کا ہمیں قبول کرنا اور آپ کا قبول کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ رد کر دینا۔ خلیفہ رو پڑا اور عزت و احترام سے ان کو واپس کر دیا اور حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک دفعہ مچھلی کی خواہش ہوئی۔ سارے شہر میں تلاش کرنے پر بھی نہ ملی۔ اتفاق سے کچھ دنوں کے بعد مجھے ایک مچھلی مل گئی۔ میں نے اس کے بھوننے کا حکم دیا اور ان کے پاس لے آیا۔ میں نے دیکھا کہ مچھلی دیکھنے سے ان کے چہرہ پر خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اسی وقت ایک سائل دروازہ پر آ گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ مچھلی اس سائل کو دیدو۔ غلام نے عرض کیا ہم اس کی بجائے سائل کو کوئی اور چیز دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اے غلام! سائل کی آمد سے اب اس کا کھانا مجھ پر حرام ہے میں نے اس کو اپنے دل سے نکال دیا ہے۔ کیونکہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سُنی ہے۔ اَیُّمَا امْرِءٍ یَشْتَھِیْ شَھْوَۃً فَرَدَّ شَھْوَتَہٗ وَ اٰثَرَ الاٰخَرَ عَلٰی نَفْسِہٖ غُفِرَ لَہٗ (جو شخص کسی چیز کی خواہش کرے جب مل جائے تو اس کو ترک کرے۔ اور دوسرے شخص کو اپنے آپ پر ترجیح دے اللہ تعالےٰ اس کو بخش دیتا ہے) اور حکایات میں میں نے دیکھا ہے کہ ایک دفعہ دس درویش جنگل میں جاتے جاتے راستہ بھول گئے۔ اور انہیں پیاس لگی۔ ان کے پاس پانی کا ایک پیالہ تھا۔ جسے وہ ایک دوسرے پر ایثار کرتے رہے۔ بالآخر ان میں سے کسی نے بھی نہ پیا۔ یہاں تک کہ ایک شخص کے سوا سب پیاس کی وجہ سے مر گئے۔ اس نے کہا۔ جب میں نے دیکھا کہ سب مر گئے ہیں تو میں نے وہ پانی پی لیا۔ اور اس کی قوت سے میں چل کر راستہ پر واپس آگیا۔ ایک شخص نے اسے کہا کہ اگر تو بھی نہ پیتا تو اچھا ہوتا۔ اس نے جواب دیا۔ اے فلانے! میں نے شریعت کا حکم ایسا ہی سمجھا ہے کہ اگر میں نہ پیتا تو اپنے نفس کا قاتل ہوتا۔ اور اس کی وجہ سے مواخذہ کیا جاتا۔ اس شخص نے کہا۔ تو کیا وہ سب اپنے نفس کے قاتل ہوئے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اس لئے نہیں پیتا تھا۔ کہ دوسرا پیئے۔ جب وہ سب ایک دوسرے کی موافقت میں ہلاک ہوگئے اور میں رہ گیا اور لامحالہ شرعاً مجھ پر واجب ہوا کہ وہ پانی میں پی کر اپنی جان بچاؤں اور اسی طرح ہجرت کی رات جب حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے نکل کر غار ثور میں تشریف لے گئے۔ اور اس رات کفار مکہ نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا۔ تو اللہ تعالےٰ نے حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام سے فرمایا۔ کہ میں نے تم دونوں کے درمیان مواخاۃ[1] قائم کر دی ہے اور ایک کی زندگی دوسرے سے دراز کر دی ہے۔ تم دونوں میں کون ایسا ہے۔ جو اپنی زندگی اپنے بھائی پر ایثار کرکے اپنی موت اختیار کرے دونوں نے اپنی زندگی کو ترجیح دی۔ تب اللہ تعالےٰ نے حضرت جبرائیل و حضرت میکائیل سے فرمایا۔ کہ تم اپنے اوپر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شرافت اور بزرگی کو دیکھو کہ

---

[1] بھائی چارہ

میں نے ان کے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اخوت قائم کر دی تو انہوں نے اپنے قتل اور موت کو ترجیح دی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر جا سوئے۔ اور اپنی جان آپ پر فدا کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے اور اپنی زندگی حضور کے سپرد کر دی۔ اب تم دونوں زمین پر جا کر آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھو تب حضرت جبرائیل و میکائیل علیہما السلام آگئے۔ ایک ان کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اور دوسرا ان کی پائنتی۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا۔ بَخٍ بَخٍ مَنْ مِثْلُکَ یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَنَّ اللّٰہَ یُبَاھِیْ بِکَ عَلٰی مَلٰٓئِکَتِہٖ اے ابن ابی طالب! خوش ہو جیے۔ آپ جیسا کون ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے فرشتوں کے سامنے آپ پر فخر کرتا ہے) اور آپ میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے اور سب سے بے پرواتھے اس وقت آپ کی شان میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے نفس کو بیچ دیتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے) اور جب جنگ احد کی مصیبت میں اللہ تعالےٰ نے اہل ایمان کی آزمائش کی۔ تو انصار کے نیک لوگوں میں سے ایک عورت کہتی ہے کہ میں تھوڑا سا پینے کا پانی لے کر احد کیطرف نکلی تاکہ مجاہدوں میں سے کسی کے پاس لے جاؤں۔ میں نے میدان جنگ میں بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک کو دیکھا کہ زخمی پڑے ہیں اور سانس گن رہے ہیں۔ انہوں نے میری طرف اشارہ کیا کہ پانی مجھے دو۔ میں وہ پانی انہیں دینے لگی۔ کہ ایک دوسرے زخمی کی آواز آئی "پانی پانی" انہوں نے جب یہ آواز سنی تو فرمایا کہ پہلے ان کے پاس لے جاؤ۔ جب میں اس کے پاس لے گئی تو اتنے میں قریب سے ایک تیسرے زخمی کی آواز آئی "پانی پانی" یہ سن کر اس صحابی نے بھی پانی نہ پیا اور فرمایا کہ پہلے ان کے پاس لے جاؤ۔ اسی طرح میں پورے سات زخمیوں کے پاس پانی لے کر گئی۔ مگر ہر ایک نے دوسرے کی آواز سن کر پانی چھوڑ دیا اور پہلے دوسرے کو پلانے کی تلقین کی۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ بالآخر جب میں ساتویں زخمی کے پاس پہنچی۔ تو وہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی جان دے چکا تھا۔ جب میں دوسرے کے پاس لوٹ کر آئی تو وہ بھی رخصت ہو چکا تھا۔ اور اسی طرح میں باری باری سب کے پاس پہنچی اور وہ سب کے سب یکے

بعد دیگرے اس جہاں سے رخصت ہو چکے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (اور وہ دوسروں کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود انہیں اس کی حاجت ہو) اسی طرح بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا۔ جس نے مسلسل چار سو سال عبادت کی تھی۔ ایک دن اس نے عرض کیا۔ بار خدایا! اگر تو ان پہاڑوں کو پیدا نہ کرتا۔ تو تیرے بندوں کیلئے چلنا اور سیاحت کرنا آسان ہو جاتا۔ اس وقت کے پیغمبر صلوات اللہ علیہ کو فرمان الٰہی ہوا۔ کہ اس عابد سے کہدیں۔ کہ ہمارے ملک میں تصرف کرنے سے تجھے کیا کام؟ اب جو تو نے تصرف کیا۔ تو تیرا نام میں نے سعادتمندوں کے دیوان سے مٹا دیا۔ اور بدبختوں کے دیوان میں لکھ دیا۔ یہ سن کر عابد کے دل میں خوشی پیدا ہوئی۔ اور فوراً خداوند تعالٰے کے لئے سجدہ شکر بجالایا۔ اس وقت کے پیغمبر نے فرمایا۔ اے فلانے! بدبختی پر سجدۂ شکر کیسا؟ اس نے جواب دیا کہ میرا شکر بدبختی پر نہیں۔ بلکہ اس بات پر ہے کہ میرا نام اس کے دیوانوں میں سے کسی دیوان میں تو ہے۔ لیکن اے اللہ کے پیغمبر! میری ایک حاجت ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ بتا۔ تاکہ وہ اللہ سے بیان کروں۔ اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ سے عرض کیجئے کہ اب جو تو مجھے دوزخ میں بھیجتا ہے تو مجھے ایسا کردے کہ سب گنہگاروں کی جگہ میں ہی گھیر لوں۔ تاکہ وہ سب بہشت میں چلے جائیں۔ حکم ہوا کہ اس بندہ سے کہہ دیجئے کہ تیرا یہ امتحان تیری رسوائی کے لئے نہ تھا۔ بلکہ مخلوق میں تجھے ظاہر کرنا مقصود تھا۔ پس قیامت میں تو جن کی شفاعت کرے گا۔ وہ سب بہشت میں ہونگے اور میں نے حضرت احمد حماد سرخسیؒ سے دریافت کیا۔ کہ آپ کی توبہ کی ابتدا کیسے ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ ایک دفعہ میں اپنے اونٹوں کو لے کر سرخس کے جنگل میں چلا گیا اور کچھ مدت وہاں رہا اور میں ہمیشہ اس بات کو پسند کرتا تھا کہ میں خود تو بھوکا رہوں اور اپنا حصہ دوسرے کو دے دیا کروں اور اللہ تعالٰے کا یہ قول میرے دل میں تازہ رہتا تھا۔ کہ اس نے فرمایا ہے يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (وہ دوسروں کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود ان کو حاجت ہو) اور اس گروہ کے ساتھ میں بڑا اعتقاد رکھتا تھا۔ چنانچہ ایک روز ایک بھوکا شیر جنگل سے آیا اور اس نے میرے اونٹوں میں سے ایک اونٹ کو مار ڈالا۔ اور پھر بلندی پر

چلا کر چنگھاڑا اور پرندے جو دور سے آس پاس تھے۔ اس کی آواز سن کر اس کے پاس جمع ہو گئے۔ پھر اس نے آکر اونٹ کو پھاڑ ڈالا۔ خود کچھ نہ کھایا اور بلندی پر چڑھ گیا۔ اور دوسرے درندے لومڑی، گیدڑ، بھیڑیا وغیرہ سب اس میں سے کھانے لگے۔ اور شیر وہیں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سب سیر ہو کر لوٹ گئے۔ تب اس نے قصد کیا کہ قطعہ اس اونٹ سے خود کھائے کہ ایک لنگڑی لومڑی دور سے نمودار ہوئی۔ شیر واپس لوٹا اور بلندی پر چڑھ گیا۔ یہاں تک کہ وہ لومڑی جتنا کھا سکی کھا کر واپس چلی گئی۔ تب شیر نے آکر تھوڑا سا کھا لیا۔ میں دور سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب وہ واپس لوٹا۔ تو فصیح زبان سے مجھے کہنے لگا اے احمد! لقمہ کا ایثار تو کتے بھی کیا کرتے ہیں۔ مرد تو خدا کی راہ میں اپنی جان اور زندگانی ایثار کیا کرتے ہیں۔ جب میں نے یہ دلیل دیکھ لی تو تمام اشغال دنیا سے ہاتھ اٹھا لیا۔ میری توبہ کی ابتدا یہ تھی۔

اور حضرت ابو جعفر خلدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک روز حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ خلوت میں درگاہ الٰہی میں مناجات کر رہے تھے۔ میں جا کر آپ کی مناجات ایسے طور پر سننے لگا کہ آپ کو معلوم نہ ہو۔ آپ نہایت اضطراب میں فرما رہے تھے۔ بار خدایا! اہل دوزخ کو تو عذاب دے گا اور وہ سب تیرے علم اور قدرت اور ارادہ سے تیرے ہی پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور اگر دوزخ کو تو آدمیوں سے بھرنا ہی چاہتا ہے تو تو اس بات پر قادر ہے کہ اس دوزخ اور اس کے تمام طبقات کو مجھ سے بھر دے اور ان کو بہشت میں بھیج دے۔ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ میں آپ کے معاملہ میں متحیر ہو گیا کچھ دنوں کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی آنے والا آکر کہتا تھا۔ کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابوالحسنؒ سے کہہ دو کہ ہم نے تمہیں اس شفقت اور تعظیم کی وجہ سے بخش دیا ہے جو تمہیں ہم سے اور ہمارے بندوں سے ہے اور آپ کو نوری اس لئے کہتے تھے۔ کہ تاریک مکان میں جب آپ کلام کرتے تو آپ کے نور باطن کی وجہ سے مکان روشن ہو جاتا اور دوسرا یہ کہ نور حق تعالیٰ سے آپ اپنے مریدوں کے اسرار معلوم کر لیتے تھے۔ یہاں تک کہ جنیدؒ نے فرمایا کہ ابوالحسنؒ دلوں کے جاسوس ہیں یہی آپ کے مذہب کی بڑی خصوصیت ہے۔ اور اہل بصیرت کے نزدیک عزیز ترین چیز کا دوسروں کی خاطر چھوڑ دینا ایک قوی دلیل اور امر عظیم ہے۔ کیونکہ

کسی آدمی کے لئے اپنی روح کے خرچ کرنے اور اپنے محبوب سے ہاتھ اٹھا لینے سے بڑھ کر کوئی چیز سخت نہیں اور اللہ عزوجل نے تمام نیکیوں کی کنجی اپنی محبوب چیز کے خرچ کرنے میں رکھی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (اے مسلمانو! جب تک تم اللہ کی راہ میں وہ چیز خرچ نہ کرو جس سے تم محبت رکھتے ہو۔ تب تک تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے) جب کسی کی جان ہی اللہ کی راہ میں خرچ ہو جائے تو قلیل و مال اور خرقہ و لقمہ کیا وقعت رکھتا ہے اور اس طریقہ کا اصل یہ ہے کہ ایک شخص حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا مجھے کوئی وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا۔ یَا بُنَیَّ لَیْسَ الْأَمْرُ غَیْرَ بَذْلِ الرُّوْحِ فَإِنْ قَدَرْتَ عَلٰی ذٰلِكَ وَإِلَّا فَلَا تَشْتَغِلْ بِتُرَّهَاتِ الصُّوْفِیَّةِ۔ اے بیٹا! تصوف درحقیقت اللہ کی راہ میں جان خرچ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر تو کر سکے تو بہتر ورنہ صوفیوں کی فضول باتوں میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ جو کچھ اس کے سوا ہے وہ سب فضول باتیں ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ (جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں۔ ان کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اللہ کے ہاں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور نیز فرمایا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْیَاءٌ (اور جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید ہوئے ہیں انہیں مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں) پس یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حکم اور اس کے دوستوں کی متابعت میں اپنی جان کو صرف کرنے اور اپنا حصہ چھوڑ دینے کی وجہ سے قرب حق میں دائمی زندگانی حاصل کرتے ہیں۔ ایثار و اختیار سب تفرقہ ہیں تحقیق میں اُلٹا ہی سمجھا جائے اور ایسے ہی سمجھا جائے۔ تو یہی ایثار جو اپنے حصہ کو چھوڑ دینا ہے۔ خود ہی اصل نصیب ہو جاتا ہے اور جب تک طالب کی روش اپنے کسب سے متعلق رہتی ہے۔ اس کی ہلاکت کا باعث ہی رہتی ہے اور جب کشش ازلی اس پر اپنی حکومت ظاہر کرتی ہے تو اس کے احوال اور افعال سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ نہ اس کو بیان کی طاقت رہتی ہے اور نہ اس کی حالت کا کوئی نام ہوتا ہے کہ کوئی شخص اس نام سے پکار سکے یا اس سے کچھ تعبیر کرے یا کسی چیز کو اس کے حوالے کرے اور اسی معنی کے متعلق حضرت شبلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ شعر ؎

غِبْتُ بِهِ عَمَّا أُحِسُّ بِنَفْسِيْ　　وَتَلَاشَتْ بِهِ صِفَاتِي الْمَوْصُوْفَهْ
فَأَنَا الْيَوْمَ غَائِبٌ عَنْ جَمِيْعٍ　　لَيْسَ إِلَّا الْعِبَارَةُ الْمَلْهُوْفَهْ

میں اپنے آپ سے غائب ہو گیا ہوں۔ پس مجھے اپنی ذات کا بھی احساس نہیں۔ اور اس کی وجہ سے میری سب صفات معلومہ لاشئے محض ہو گئیں۔ پس میں آج سب اشیاء سے غائب ہوں۔ سوائے پریشان عبارت کے اور کچھ نہیں رہا۔

چھٹی فصل

فرقہ سہیلیہ

فرقہ سہیلیہ کے بزرگ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور آپ اہل تصوف کے باحشمت بزرگوں اور ان کے سرداروں میں سے ہوئے ہیں چنانچہ ان کا ذکر گزر چکا ہے فی الجملہ آپ اپنے وقت کے بادشاہ اور طریقت میں اہل حل وعقد میں سے تھے۔ آپ کی دلیلیں بہت واضح تھیں کہ ان کے بیانات سمجھنے سے عقل عاجز ہے۔ تصوف میں آپ کا طریق سخت محنت اور نفس کا جہاد و ریاضت ہے آپ اپنے مریدوں کو مجاہدہ کے ذریعہ کمال کے درجہ پر پہنچا دیتے تھے۔ اور حکایات میں مشہور ہے کہ آپ نے ایک مرید سے فرمایا کہ کوشش کر یہاں تک کہ ایک روز دن بھر تو اللہ اللہ ہی کہتا رہے اور اسی طرح دوسرے اور تیسرے روز بھی۔ جب اس کو اس کی عادت ہو گئی تو فرمایا۔ اب راتوں کو بھی ساتھ شامل کرے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ وہ ایسا ہو گیا۔ کہ اگر اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا تو خواب میں بھی وہی کہتا۔ یہ اس کی طبعی عادت ہو گئی تب آپ نے فرمایا۔ اب اس سے باز آجا۔ اور دوست کے خیال میں مشغول ہو جا۔ یہاں تک کہ اس کی حالت ایسی ہو گئی کہ وہ سارا وقت اسی میں مستغرق ہو گیا۔ چنانچہ ایک دفعہ وہ گھر کے اندر تھا۔ کہ ایک لکڑی ہوا سے اندر آ پڑی۔ اور سر پر پڑی اور سر پھٹ گیا۔ اور خون کے قطرے جو اس کے سر سے زمین پر پڑتے تھے۔ ان سے اللہ اللہ لکھا ہوا۔ ظاہر ہوتا تھا۔ اور مجاہدات و ریاضات کے ذریعہ سے مریدوں کی پرورش سہیلیوں کا طریق اور درویشوں کی خدمت اور ان کی حرمت حمدونیوں کا طریق اور باطن کا مراقبہ جنیدیوں کا طریقہ تھا۔ لیکن ریاضت و مجاہدہ سب نفس کے لئے

فائدہ مند نہیں ہوتا ہے مگر جس کو نفس کی شناخت نہ ہو ریاضت اور مجاہدہ اس کو کچھ نفع نہیں دیتا۔ اب میں نفس کی شناخت اور اس کی حقیقت بیان کرتا ہوں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے۔ پھر مجاہدات کے متعلق صوفیہ کے مذاہب اور ان کے احکام لکھوں گا تاکہ طالب معرفت پر یہ دونوں باتیں ظاہر ہو جائیں۔ اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

پہلی بحث

نفس کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ نفس لغت کی رو سے کسی چیز کا وجود اور اس کی حقیقت اور ذات ہے۔ لیکن لوگ اپنی عبارات میں اس کے کئی معنی لیتے ہیں۔ جو آپس میں مختلف اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثلاً کوئی اسے روح کہتا ہے تو کوئی مروت وجوانمردی یا ایک اسے جسم کہتا ہے تو دوسرا خون۔ مگر صوفیہ کے نزدیک ان معنوں میں سے کوئی بھی معنی مراد نہیں بلکہ وہ اسے شر کا منبع اور برائی کا رہنما کہتے ہیں اور اس پر ان سب کا اتفاق ہے۔ لیکن ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ ایک عین چیز ہے جو جسم میں ایسے ہی ودیعت کی گئی ہے۔ جیسے روح۔ اور ایک گروہ کہتا ہے۔ کہ یہ زندگی کی طرح جسم کی ایک صفت ہے۔ مگر باایں ہمہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ کمینے اخلاق اور برے افعال کا اظہار اسی کے سبب سے ہوتا ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں (اول) معاصی یعنے برے افعال اور دوسرے) ردی اخلاق مثلاً تکبر وحسد وبخل وکینہ وغصہ وغیرہ شریعت وعقل میں ناپسندیدہ امور پس ریاضت ومجاہدہ سے ان برے اوصاف کو اپنے سے دفع کیا جاتا ہے۔ گناہ اوصاف ظاہری میں سے ہیں اور برے اخلاق اوصاف باطنیہ میں سے اور ریاضت افعال ظاہرہ میں سے ہے اور توبہ اوصاف باطن میں سے۔ پس جو ردی اوصاف باطن میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ ظاہر کے اچھے اوصاف سے پاک ہو جاتے ہیں۔ اور جو بد افعال ظاہر میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ باطن کے پسندیدہ اوصاف سے دور ہو جاتے ہیں اور نفس وروح دونوں جسم میں اعیان لطیفہ[1] (غیر محسوسہ) میں سے ہیں۔ جیسا کہ عالم میں

---

[1] اعیان لطیفہ لطائف ستہ میں سے ہیں۔ یعنی ان چھ لطائف میں سے جن کے نام یہ ہیں:۔ نفس، قلب، روح، سر، خفی، اخفی اور یہ تمام عالم امر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور دوسرا عالم عالم خلق ہے۔ جو محسوسات کا عالم اور مادی دنیا کہلاتا ہے۔

شیاطین اور ملائکہ اور بہشت و دوزخ۔ لیکن ان موجودات میں سے ایک روح محلِ خیر
ہے۔ اور دوسرا نفس محلِ شر۔ جس طرح محسوسات میں سے آنکھ محلِ نظر ہے اور
کان محلِ شنوائی۔ اور زبان محلِ ذوق۔ ایسے ہی تو بہت سے اعیان محسوسہ اور اوصاف
و اعراض ہیں جو آدمی کے جسم میں ودیعت کئے گئے ہیں۔ پس اس نفس کی
خواہشات کی مخالفت تمام عبادات کا اصل اور مجاہدات کا کمال ہے اور بندہ
سوائے موافقت نفس کے حق تعالیٰ کی طرف راہ نہیں پا سکتا اس لئے کہ نفس
کی موافقت بندہ کی ہلاکت اور اس کی مخالفت بندہ کی نجات کا باعث ہے،
خدا تعالیٰ نے اس کی مخالفت کا حکم دیا ہے اور اس کے خلاف کوشش کرنے والوں
کی تعریف اور اس کی موافقت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ہے وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ہِیَ الْمَاْوٰی (اور جس نے
نفس کو خواہش سے باز رکھا پس اس کا ٹھکانا جنت ہے) اور فرمایا ہے اَفَکُلَّمَا
جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَہْوٰۤی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ (پس کیا جب کبھی
کوئی رسول ایسے احکام اللہ کی طرف سے لے کر تمہارے پاس آیا جن کو تمہارے
نفس نہیں چاہتے تو تم اکڑ بیٹھے) اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف صدیقؑ کی
طرف سے ہمیں خبر دے کر فرمایا ہے۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ
بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (اور میں اپنے نفس کو گناہ سے بری نہیں کرتا ہوں
کیونکہ بلاشبہ نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے۔ بجز اس صورت کے کہ میرا پروردگار
رحم فرمائے اور اس کی پیروی سے بچائے) اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے۔ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ خَیْرًا بَصَّرَہٗ بِعُیُوْبِ نَفْسِہٖ (جب اللہ تعالیٰ
کسی بندہ سے بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے نفس کے عیوب دکھا دیتا
ہے) اور روایات میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی
طرف وحی کر کے فرمایا۔ یَا دَاؤُدُ عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّ مَوَدَّتِیْ فِیْ عَدَاوَتِہَا (اے
داؤد اپنے نفس سے عداوت رکھو۔ کیونکہ میری محبت اس کی عداوت میں ہے)
پس یہ سب امور جو ہم نے بیان کئے ہیں اوصاف و اعراض ہیں اور ظاہر ہے کہ
صفت کو ایک موصوف چاہیے۔ جس کے ساتھ وہ قائم ہو۔ اس لئے کہ صفت قائم

کچھ نہیں ہوتی اور اس صفت کی معرفت سارے جسم کی شناخت کے سوا حاصل نہیں ہو سکتی اور جسم کی شناخت کا طریق انسانیت کے اوصاف اور اس کا بھید بیان کرنے میں ہے اور انسانیت کی حقیقت میں لوگوں نے کلام کیا ہے کہ انسانیت کس چیز کا نام ہے؟ اور کس چیز کے لائق ہے؟ اس کا علم سب طالبانِ حق پر فرض ہے اس لئے کہ جو شخص اپنی حقیقت سے جاہل ہے۔ وہ غیر کی حقیقت سے زیادہ جاہل ہے اور چونکہ بندہ کو اللہ تعالےٰ کی معرفت کا حکم دیا گیا ہے تو اس کو پہلے اپنی معرفت بھی ضرور حاصل ہونی چاہیے تاکہ وہ اپنے حدوث کے صحیح ہونے سے خدا تعالےٰ کے (قدیم ہونے) کو پہچان لے اور اپنی فنا سے حق تعالیٰ کی بقا کو معلوم کرے۔ اور کتاب اللہ میں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کفار کی صفت اپنی ذات سے جاہل ہونا بیان کی ہے اور فرمایا ہے وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ اور دین ابراہیم سے سوائے اس شخص کے جو اپنی ذات سے جاہل ہے کون روگردانی کر سکتا ہے اور ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ مَنْ جَهِلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ بِالْغَيْرِ اَجْهَلُ (جو اپنے نفس سے جاہل ہے وہ غیر کی حقیقت سے زیادہ جاہل ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) اَیْ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْفَنَاءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْبَقَاءِ (یعنی جس نے اپنے آپ کو فنا سے پہچان لیا اس نے اپنے رب کو بقا سے پہچان لیا) وَيُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالذُّلِّ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْعِزِّ (اور بعض کہتے ہیں جس نے اپنے نفس کو ذلت سے پہچان لیا۔ اس نے اپنے رب کو عزت سے پہچان لیا) وَيُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْعُبُوْدِيَّةِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالرُّبُوْبِيَّةِ (اور بعض کہتے ہیں جس نے اپنے نفس کو بندگی سے پہچان لیا۔ اس نے اپنے رب کو ربوبیت سے پہچان لیا) پس جو شخص اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ وہ کل کی معرفت سے حجاب میں رہتا ہے اور ان سب سے مراد انسانیت کی غایت ہے اور اہلِ قبلہ میں سے بعض لوگوں کا انسان کی حقیقت میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان سوائے روح کے اور کچھ نہیں۔ یہ جسم اس کی زرہ اور ڈھانچہ ہے اور اس کی جگہ اور ٹھکانہ ہے

تاکہ وہ طبیعتوں کے خلل سے محفوظ رہے اور حس اور عقل اس کی صفت ہے۔ لیکن یہ قول باطل ہے اس لئے کہ یہ روح جب اس جسم سے جدا ہو جاتی ہے۔ تو بھی اس کو انسان ہی کہتے ہیں اور یہ اسم انسان پر سے اٹھ نہیں سکتا۔ فرق صرف یہ ہے کہ جب اس میں جان ہوتی ہے تو اس کو زندہ انسان کہتے ہیں اور جب بے جان ہو جاتا ہے تو مردہ انسان کہلاتا ہے دوسری یہ بات ہے کہ جان تو حیوان کے جسم میں بھی ودیعت کی گئی ہے۔ مگر اس کو انسان نہیں کہتے اور اگر انسانیت کا سبب روح ہی ہوتا تو چاہیے تھا کہ جس میں جان ہوتی اس پر حکم انسانیت صحیح ہوتا پس ان کے قول کے باطل ہونے پر یہ دلیل قائم ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے۔ کہ انسان کا یہ اسم روح و جسم دونوں پر ایک ساتھ واقع ہوتا ہے لہذا جب ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائے۔ تو یہ اسم اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ گھوڑے پر جب دو رنگ سیاہ و سفید جمع ہو جاتے ہیں۔ تو اس کو ابلق کہتے ہیں۔ جب وہ رنگ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں تو ایک کو سیاہ اور دوسرے کو سفید کہتے ہیں۔ لیکن یہ قول بھی اللہ تعالےٰ کے اس قول سے باطل ہے جو اس نے فرمایا ہے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۔ زمانہ میں سے ایک وقت انسان پر ایسا آچکا ہے کہ اس کا کچھ ذکر بھی نہ تھا۔) اس آیت شریفہ میں انسان کی مٹی کو بغیر جان کے انسان فرمایا کہ ابھی تک جان اس کے قالب میں نہ ملی تھی اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ انسان ایک جزو لایتجزیٰ[1] ہے اور اس کا محل دل ہے۔ کہ آدمی کے تمام اوصاف کی بنیاد وہی ہے۔ لیکن یہ قول بھی صحیح نہیں کیونکہ اگر ایک آدمی کو قتل کر کے اس میں سے دل باہر نکال لیں۔ تو بھی انسانیت کا اسم اس سے نہیں گرتا۔ اور جان سے پہلے بالاتفاق آدمی کے جسم میں دل نہ تھا۔ اور صوفی مدعیوں کے ایک گروہ کو اس معنی میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ انسان کھانے پینے والا محل تغیر نہیں۔ بلکہ وہ سر الٰہی ہے اور یہ جسم اس کی پوشش ہے اور وہ طبیعت کے امتزاج اور روح و جسم کے اتحاد میں ودیعت کیا گیا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ

---

[1] ایک ایسا چھوٹے سے چھوٹا جزو جس کا تجزیہ نہ ہو سکے۔

ن ان میں موجود نہیں ہوں گے وہ سب تغیر پذیر اور کھلنے والے ہیں
کے جسم اور وجود میں کوئی چیز ایسی نہیں۔ جس کو انسان کہیں
اور نہ اس جسم کے معدوم ہونے کے بعد ہی کوئی ایسی چیز ہے۔ جسے انسان کہا جائے
اور خدائے عزّوجلّ نے تمام مادوں کو جو اس نے ہمارے اندر ترکیب دیئے ہیں
انسان کہا ہے۔ بغیر ان معنوں کے جو بعض آدمیوں میں پائے نہیں جاتے۔ جیسا کہ
اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ
جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ
مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ
فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ (ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصہ سے۔ پھر
ہم نے بنایا اسے نطفہ ایک مضبوط قرار گاہ (رحم) میں پھر ہم نے نطفہ کو خون بستہ
بنایا۔ پھر خون بستہ کو گوشت کا لوتھڑا اور لوتھڑے کو ہڈیاں۔ پھر ہڈیوں پر گوشت
چڑھا دیا۔ پھر اسے اور ہی مخلوق یعنی انسان کامل بنا دیا۔ پس بابرکت ہے اللہ سب سے
اچھا بنانے والا) پس اللہ عزّوجلّ کے قول کے مطابق جو سب سے زیادہ سچا ہے۔
مٹی کی یہ خاص صورت اپنی زیبائی اور تغیرات کے ساتھ انسان ہے۔ چنانچہ اہل سنت
کا ایک گروہ کہتا ہے کہ انسان ایک جاندار کا نام ہے جس کی صورت اس صفت کے
ساتھ معلوم ہے کہ موت بھی اسم انسان کو اس سے جدا نہیں کر سکتی جب تک ظاہر و
باطن میں کس صورت سے وابستہ ہے اور اس جسم سے موسوم ہے صورت معلوم سے
مراد ظاہر میں تندرست اور بیمار ہونا ہے اور باطن میں جسم کا مجنوں یا عاقل کے نام سے
موسوم ہونا ہے۔ اور بالاتفاق یہ انسان زیادہ صحیح ہے۔ وہ پیدائش میں زیادہ کامل ہے
پس جاننا چاہئے کہ انسان کی ترکیب محققین کے نزدیک تین باتوں سے کامل ہوتی
ہے۔ ایک روح، دوسرے نفس، تیسرے جسم اور ان میں سے ہر ایک چیز کے
لئے ایک صفت ہے جو اس کے ساتھ قائم ہے۔ چنانچہ روح کی صفت عقل ہے
اور نفس کی صفت خواہش اور جسم کی صفت حس ہے اور آدمی نمونہ ہے کل عالم
کا۔ اور عالم نام ہے دو جہان کا چنانچہ انسان میں دونوں کا نشان موجود ہے۔ عالم ظاہر

کا نشانہ ہمارا اگر ... اس کی صفت ہے۔ لیکن
جدا ہو جاتی ہے۔ تو بھی اس
ہے۔ اور عالم باطن ... ہے اور اس کی ترتیب ... ہے
کی وجہ سے بہشت ہے اور نفس خرابی و وحشت ... دوزخ ہے اور جسم
بجائے عرصات یعنی میدان قیامت کے ہے اور ان دونوں چیزوں کا جمال تہر
اور باہمی اُنس سے ہے۔ پس بہشت رضا کی تاثیر ہے اور دوزخ اس کے غضب
کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مومن کی روح معرفت الٰہی کی راحت سے ہے اور اس کا
نفس گمراہی کے حجاب سے۔ اور جب تک قیامت میں مومن دوزخ سے خلاصی نہ
پائیگا۔ بہشت میں نہیں پہنچے گا اور رویت حق کی حقیقت اور خالص محبت الٰہی،
نہیں پا سکے گا۔ اسی طرح بندہ دنیا میں جب تک نفس سے نجات حاصل نہیں کرتا
اور حق کی محبت تک نہیں پہنچتا جس کی اصل اور بنیاد روح ہے تب تک وہ
قرب الٰہی اور معرفت حق کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔ پس جو شخص دنیا میں حق سبحانہٗ
کو پہچان لے اور دوسروں سے اعراض کرے۔ اور شریعت کے راستہ پر قائم ہو۔ وہ
قیامت میں دوزخ اور پل صراط کو نہیں دیکھے گا۔ الغرض مومن کی روح اس کو بہشت
کی طرف دعوت دینے والی ہے۔ کیونکہ دنیا میں بہشت کا نمونہ وہی ہے اور اس کا
نفس اس کو دوزخ کی طرف بلانے والا ہے۔ کیونکہ دنیا میں دوزخ کا نمونہ یہی ہے
اور اس روح کی مدبر کامل عقل ہے اور نفس کی رہبر ناقص خواہش اور عقل کی مدبر
حق ہے اور خواہش کی تدبیر خطا۔ اس لئے طالبان حق کو لازم ہے کہ ہمیشہ نفس
کی مخالفت کے طریق پر چلیں۔ تاکہ اس کے خلاف روح و عقل کی مدد کر سکیں۔ جو سِرِّ
الٰہی کا محل ہے؛

دوسری بحث

نفس کے بارہ میں مشائخ کے اقوال

نفس کے بارہ میں مشائخ کے اقوال یہ ہیں۔ حضرت ذو النون قدس سرہٗ فرماتے
ہیں۔ اَشَدُّ الْحِجَابِ رُؤْيَةُ النَّفْسِ وَتَدْبِيْرُهَا (نفس اور اس کی تدبیر کو مدنظر
رکھنا سخت ترین حجاب ہے) کیونکہ اس کی متابعت حق عزوجل کی مخالفت ہے اور
حق کی مخالفت سب سے بڑا حجاب ہے۔

کیونکہ جو بھی حق تعالےٰ تک پہنچا۔ وہ اس کے فضل سے پہنچا اور اس کے فضل کو بندہ کے فعلوں سے کیا کام۔ پس مجاہدہ نفس کی درستی کے لئے ہے نہ کہ قرب کے حصول کے لئے کیونکہ مجاہدہ کا رجوع بندہ کی طرف ہوتا ہے اور مشاہدہ کا تعلق خدا تعالےٰ سے ہے اس لئے محال ہے کہ مجاہدہ مشاہدہ کی علت ہو۔ یا مشاہدہ مجادلہ کا آلہ ہو اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ کی دلیل کی بنیاد اللہ عزوجل کا یہ قول ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جو لوگ ہمارے لئے مجاہدہ کرتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے تک پہنچنے کے راستے دکھا دیتے ہیں) نیز تمام انبیا کا بھیجا جانا اور شریعت کا ثابت کرنا، کتابوں کا نازل ہونا اور تکلیف کے سب احکام مجاہدہ ہیں اگر مجاہدہ مشاہدہ کی علت نہ ہوتا۔ تو ان سب کا حکم باطل ہو جاتا ہے نیز دنیا و عقبیٰ کے تمام احوال حکمتوں اور علتوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اگر علتوں کی نفی کر دیں تو شریعت اور رسم سب اٹھ جائے۔ نہ اصل میں تکلیف کا ثابت کرنا درست ہو نہ فرع میں کھانا پیٹ بھرنے کے لئے اور کپڑا سردی ہٹانے کے لئے علت ہے۔ اور یہ علت کی نفی کل امور کے بیکار کرنے کا سبب ہے۔ پس افعال میں اسباب کا اعتبار کرنا توحید میں داخل ہے اور اس کو ہٹا دینا نظام عالم کا تعطّل ہے۔ اور مشاہدات میں اس امر کی دلیلیں موجود ہیں اور مشاہدہ کا انکار کرنا کھلم کھلا مکابرہ ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ سرکش گھوڑے کو ریاضت سے حیوانی صفت سے نکال کر انسانی صفت میں لے آتے ہیں اور حیوانی اوصاف کو اس میں بدل دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ چابک کو زمین سے اٹھا کر دے دیتا ہے اور گیند کو ہاتھ سے پھیر دیتا ہے اور اسی طرح بے عقل عجمی لڑکے کو ریاضت سے عربی زبان بولنے والا بنا دیتے ہیں اور اس کی طبعی مادری گویائی کو اس کے اندر تبدیل کر دیتے ہیں اور وحشی جانور کو ریاضت کے اس درجہ پر پہنچا دیتے ہیں کہ جب اس کو چھوڑ دیں تو چلا جاتا ہے اور بلائیں تو واپس آجاتا ہے اور قید کی تکلیف اسے آزادی اور چھوٹ جانے سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور ایک ناپاک کتے کو مجاہدہ سے اس محل پر پہنچا دیتے ہیں کہ اس کا مارا ہوا جانور حلال ہو جاتا ہے حالانکہ بے مجاہدہ اور ریاضت نہ پائے ہوئے آدمی کا مارا ہوا حرام ہو جاتا ہے۔ وغیرہ

وغیرہ۔ پس شرع اور رسم سب کا مدار مجاہدہ پر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب حق وحصول مقصود وامن عاقبت وعصمت کے متحقق ہونے کی حالت میں بھی لمبی بھوکوں اور صوم وصال اور راتوں کی بیداریوں سے اتنا مجاہدہ کیا ہے کہ آپ کو فرمان الٰہی ہوا۔ طٰهٰ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے قرآن آپ پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ اس کی وجہ سے رنج اٹھائیں) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت خود اینٹیں اٹھاتے تھے اور میں دیکھتا تھا کہ آپ کو تکلیف ہوتی تھی میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ اینٹ مجھے دیجئے۔ کہ میں آپ کی جگہ کام کردوں۔ آپ نے فرمایا: یا اَبَا هُرَيْرَةَ خُذْ غَيْرَهَا فَاِنَّهٗ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ (اے ابوہریرہؓ! تو دوسری اینٹ لے کیونکہ اچھی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے) یعنی آخرت ہی عیش کا مکان ہے اور دنیا تو رنج ومصیبت کا گھر ہے۔ اور حضرت حیان بن خارجہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ غذا کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا اِبْدَأْ بِنَفْسِكَ فَجَاهِدْهَا وَابْدَأْ بِنَفْسِكَ فَاغْزِهَا (جہاد اپنے نفس سے شروع کر اور غذا بھی اپنے نفس سے شروع کر) فَاِنَّكَ اِنْ قُتِلْتَ فَارًّا بَعَثَكَ اللّٰهُ فَارًّا وَاِنْ قُتِلْتَ مُرَائِيًا بَعَثَكَ اللّٰهُ مُرَائِيًا وَاِنْ قُتِلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا۔ (پس اگر تو بھاگتے ہوئے قتل کیا جائے گا۔ تو اللہ تعالےٰ تجھے قیامت میں بھاگتا ہوا اٹھائے گا۔ اور اگر تو ریاکاری کرتے ہوئے قتل کیا جائیگا۔ تو اللہ تجھے ریاکار اٹھائیگا۔ اور اگر ثواب کی نیت سے صبر کرتے ہوئے قتل کیا جائے گا۔ تو اللہ تعالےٰ تجھے صابر اور ثواب کی نیت کرنے والا اٹھائیگا) پس جس قدر معانی کے بیان کرنے میں عبارات کی ترکیب اور تالیف کو اثر ہے۔ اتنا ہی اصل معارف تک پہنچنے میں مجاہدات کی تالیف وترکیب کو اثر ہے کوئی بیان عبارت اور اس کی تالیف کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ تو معارف تک پہنچنا بھی بغیر مجاہدہ اور اس کی ترکیب کے درست نہیں ہوسکتا۔ اور

اور جو دعوے کرے خطا کار ہے کیونکہ عالم اور اس کے حدوث کو ثابت کرنا معرفت خالق کی دلیل ہے۔ اور نفس اور اس کے مجاہدہ کی معرفت وصل حق کی دلیل ہے اور دوسرے گروہ کی یہ دلیل ہے کہ یہ آیت تفسیر میں مقدم و مؤخر ہے۔ چنانچہ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (جنہوں نے ہمارے دین میں مجاہدہ کیا ہم ان کو اپنے راستے دکھا دیتے ہیں) در اصل یوں ہے وَالَّذِیْنَ هَدَیْنَاهُمْ سُبُلَنَا جَاهَدُوْا فِیْنَا۔ (جن کو ہم نے اپنے راستوں کی ہدایت کی۔ انہوں نے ہمارے لئے مجاہدہ کیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے۔ لَنْ یُّنْجِیَ اَحَدَکُمْ بِعَمَلِهٖ قِیْلَ لَهٗ وَ اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ (تم میں سے کوئی شخص بھی صرف اپنے عمل سے نجات نہیں پائے گا کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ بھی نجات نہیں پا سکیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں بھی نجات نہیں پا سکوں گا۔ مگر اسی صورت میں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں چھپا لے۔ پس مجاہدہ بندہ کا فعل ہے۔ اور یہ محال ہے کہ اس کا فعل اسی کی نجات کی علت ہو۔ پس خلاصی اور نجات مشیتِ الٰہی سے متعلق ہے نہ کہ مجاہدہ سے۔ کیونکہ ارشاد الٰہی ہے فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا (پس جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے قبول کرنے کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ اور سخت کر دیتا ہے) نیز فرمایا ہے تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ (اے اللہ! تو جسے چاہتا ہے بادشاہی دے دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے بادشاہی چھین لیتا ہے) اس آیت کریمہ سے بھی اہل عالم کے ہر فعل میں اللہ تعالیٰ کی مشیت واضح ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر مجاہدہ وصول الی الحق کی علت ہوتا تو ابلیس مردود نہ ہوتا۔ اور اگر مجاہدہ کا ترک کرنا راندۂ درگاہ ہونے کی علت ہوتا تو آدم علیہ السلام ہرگز مقبول و برگزیدہ نہ ہوتے پس ثابت ہوا کہ فلاح و نجات کے لئے فقط عنایت الٰہی کی سبقت درکار ہے نہ مجاہدہ کی کثرت۔ کیونکہ جو شخص زیادہ مجاہدہ کرنے والا ہے وہ اپنی کثرت مجاہدہ سے اللہ تعالیٰ کے قہر و مؤاخذہ

سے بے خوف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جس پر عنایت حق زیادہ ہے وہ حق سے زیادہ نزدیک ہے۔ غرض یہ کہ ایک تو عبادت خانہ میں عبادت کرتا ہوا حق تعالےٰ سے دور ہے اور دوسرا خرابات میں نافرمانی کرتا ہوا حق سے نزدیک ہو سکتا ہے۔ سب امور سے اشرف ایمان ہے۔ ایک لڑکا جو ابھی مکلف نہیں وہ مسلمان کہلاتا ہے اور دیوانوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ پس جب سب سے زیادہ شریف بخششوں کے لئے مجاہدہ علت نہیں تو جو بخششیں ان سے کم ہیں وہ بھی علت کی محتاج نہیں ہونگی میں علی بن عثمانؓ کہتا ہوں کہ یہ اختلاف صرف عبارات میں ہے معنی میں نہیں اس لئے کہ ایک تو کہتا ہے مَنْ طَلَبَ وَجَدَ (جس نے ڈھونڈا پالیا) اور دوسرا کہتا ہے مَنْ وَجَدَ طَلَبَ (جس نے پالیا طلب کیا) پالینے کا سبب طلب کرنا اور طلب کرنے کا سبب پالینا ہے ایک تو مجاہدہ کرتا ہے کہ مشاہدہ پالے اور دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ پالے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ مجاہدہ مشاہدہ کے لئے بالکل ویسا ہی ہے جیسا عبادت کے لئے توفیق اور بخشش الٰہی۔ پس جیسے بلا توفیق الٰہی بندگی کا حاصل ہونا محال ہے ویسے ہی بندگی کے بغیر توفیق کا حاصل ہونا بھی محال ہے اور جس طرح مشاہدہ بغیر مجاہدہ کے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح مجاہدہ بھی بغیر مشاہدہ کے محال ہے پس جمال الٰہی کی شعاع درکار ہے۔ تاکہ وہ بندہ کو مجاہدہ کی طرف رہنمائی کرے۔ اور جب جمال حق کی تجلیات مجاہدہ کے لئے علت ہوں تو مجاہدہ سے پہلے اللہ تعالےٰ کی ہدایت ہو گی۔ لیکن وہ بات جو حضرت سہل رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب حجت میں پیش کرتے ہیں کہ جو شخص مجاہدہ کو ثابت نہیں کرتا۔ اور اس کی شرعی اہمیت سے انکار کرتا ہے۔ وہ تمام انبیاء اور کتابوں اور شریعتوں کے وارد ہونے کا منکر ہے کیونکہ تکلیفِ شرعی کا مدار مجاہدہ پر ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ مدار تکلیف فقط ہدایت الٰہی پر سمجھا جائے۔ کیونکہ مجاہدہ اثبات حجت کے لئے ہے نہ کہ وصول الی اللہ کے لئے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ۔ (اور اگر ہم ان کی طرف فرشتوں کو بھیجتے اور ان سے مُردے کلام کرتے اور اگر ہم ان کی راہ میں پڑنے والی ہر چیز کو زندہ کر کے اکٹھا کھڑا کرتے۔ تو بھی وہ

ایمان نہ لاتے۔ مگر اسی صورت میں کہ اللہ چاہتا۔ لیکن ان میں سے اکثر اس بات کو نہیں جانتے) کیونکہ یہاں ایمان کی علت فقط مشیت الٰہی کو قرار دیا ہے نہ دلائل کے دیکھنے کو اور نہ ان کے مجاہدات کو۔ نیز فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں آپ انہیں ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے) یعنی حجت کا ظاہر کرنا اور دلائل کا پیش کرنا اور انہیں احوالِ قیامت سے ڈرانا اور ان کو چھوڑ دینا ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں پر ازلی بدبختی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ پس انبیاء کا آنا اور کتبِ الٰہیہ کا نازل ہونا اور شریعتوں کا ثبوت اور ان پر ایمان لانا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے اسباب ہیں نہ کہ اس تک پہنچنے کی علت۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو عدل و فضل حق سے حق تعالیٰ تک پہنچ گئے۔ اور ابوجہل عدل سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر حق تک پہنچنے سے رہ گیا پس وصول کی علت عین وصول ہے نہ وصول کی طلب۔ کیونکہ اگر طالب اور مطلوب دونوں ایک ہوتے تو طالب واجد (پانے والا) ہوتا اور جب واجد ہوتا تو طالب نہ ہوتا کیونکہ پہنچا ہوا آرام یافتہ ہوتا ہے اور طالب پر آرام درست نہیں ہوتا۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنِ اسْتَوٰی یَوْمَاهُ فَهُوَ مَغْبُوْنٌ (جس کے دو دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے) یعنی طالبانِ حق میں جس شخص کے دو دن برابر ہوں وہ نقصان میں ہے۔ کیونکہ ضرورت ہے کہ اس کا ہر روز پہلے سے بہتر ہو اور یہ طالبانِ حق کا درجہ ہے نیز فرمایا ہے۔ اِسْتَقِیْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا (ثابت قدم رہو اور تم ہرگز ابھارے نہیں جاؤ گے۔ یعنی ایک حال پر رہو گے۔ پس مجاہدہ اور ریاضت کو صوفیاء نے بالاتفاق سبب تو قرار دیا ہے۔ لیکن یہ فقط اثباتِ حجت اور اجر و ثواب کے لئے ہے مشاہدۂ حق کے لئے علت نہیں۔ کیونکہ مجاہدہ اور ریاضت بندے کے افعال ہیں اور مشاہدۂ حق عطیۂ خداوندی ہے جو بندے کے کسی فعل کا مرہون نہیں اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ گھوڑے کو مجاہدے سے دوسری صفت میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ سو جاننا چاہئے کہ گھوڑے میں ایک پوشیدہ صفت ہوتی ہے۔ جس کے اظہار کے لئے مجاہدہ سبب ہے۔ کیونکہ جب تک گھوڑا ریاضت حاصل نہیں کر لیتا وہ صفت ظاہر نہیں ہوتی۔

اور گدھے میں چونکہ وہ صفت نہیں ہوتی لہذا وہ کبھی گھوڑا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ نہ گھوڑے کو مجاہدہ سے گدھا بنا سکتے ہیں نہ گدھے کو ریاضت سے گھوڑا۔ اس لئے کہ یہ اصل کا تبدیل کرنا ہے اور کسی چیز کی اصل بدلی نہیں جا سکتی۔ پس حضرت حق سبحانہ تعالٰے کے بارہ میں اس امر کو ثابت کرنا کہ بندہ مجاہدہ سے اللہ تک پہنچ سکتا ہے محال ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ پر اس قسم کا مجاہدہ وقوع پذیر ہوتا تھا کہ آپ اس سے آزاد ہوتے تھے اور اس مجاہدہ کے بیان کرتے وقت عبارت کی حقیقت سے آپ الگ رہتے نہ ان لوگوں کی طرح رہتے تھے۔ جنہوں نے ان کی عبارت کو بغیر عمل کے مذہب قرار دیا ہے اور محال ہے کہ جو کچھ عمل میں آتا ہے۔ وہ سب عبارت میں بھی آجائے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اہل طریقت کے نزدیک بالاتفاق مجاہدہ و ریاضت ثابت ہے۔ لیکن اس کو وصول الی اللہ کی علت قرار دینا غلط ہے۔ پس جو شخص مجاہدہ کی نفی کرتا ہے اس کی مراد عین مجاہدہ کی نفی نہیں بلکہ مجاہدہ کو مدار وصول سمجھنے اور محل قدس میں اپنے افعال پر مغرور ہونے کی نفی ہے کیونکہ مجاہدہ بندہ کا فعل ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ عطیہ الٰہی۔ اور جب تک عطاء الٰہی نہ ہو۔ بندہ کا فعل کچھ قیمت نہیں رکھتا۔ میری جان کیا خود تیرا دل نہیں گھبراتا کہ تو اپنے آپ کو تو اتنی آرائش (اہمیت) دے اور اللہ تعالٰے کے فضل کو نہ دیکھے۔ اور اپنے فعل کی تعریف میں اتنی باتیں بناتا چلا جائے۔ پس دوستان حق کا مجاہدہ ان کے اختیار کے بغیر فعل حق ہوتا ہے اور وہ محبت الٰہی سے مقہور اور شوق الٰہی میں پگھل جاتے ہیں اور ان کا یہ پگھل جانا عین نوازش الٰہی ہے اور غافلوں کا مجاہدہ خود ان کے اختیار سے ان کا فعل ہوتا ہے اور وہ سراسر پریشانی اور پراگندگی ہے اور پراگندہ دل خرابی سے اور پراگندہ ہوتا ہے۔ پس جہاں تک ہو سکے اس کے کسی فعل کا ذکر نہ کرو۔ اور کسی صفت میں نفس کی متابعت نہ کرو۔ کیونکہ تمہاری خودی کا وجود ہی تمہارا حجاب ہے۔ اگر ایک فعل سے حجاب ہوتا تو دوسرے فعل سے حجاب اٹھ جاتا ہے۔ لیکن جب تمہاری ہستی ہی حجاب ہے تو جب تک تم پورے طور پر فنا نہ ہو جاؤ۔ بقا کے قابل نہیں ہو سکتے۔ لِاَنَّ النَّفْسَ كَلْبٌ بَابِغٍ وَجِلْدُ الْكَلْبِ لَا يَطْهُرُ اِلَّا بِالدِّبَاغِ (کیونکہ نفس امارہ ایک سرکش کتا ہے اور کتے کا

چمڑا سوائے دباغت کے پاک نہیں ہو سکتا) اور حکایات میں مشہور ہے۔ کہ ایک مرتبہ حسین بن منصورؒ کوفہ میں محمد بن الحسین علوی کے مکان پر اترے ہوئے تھے۔ اتفاق سے حضرت ابراہیم خواصؒ بھی ان دنوں کوفہ میں تشریف لائے جب ان کی آمد کی خبر سنی تو ان کے پاس گئے۔ حضرت حسین بن منصورؒ نے حضرت ابراہیمؒ سے پوچھا کہ چالیس سال سے جو آپ نے یہ طریق اختیار کر رکھا ہے تو اس سے آپ کو کیا چیز حاصل ہوئی؟ انھوں نے فرمایا مجھے توکل حاصل ہوئی۔ تب حضرت حسین بن منصورؒ نے کہا۔ ضَیَّعْتَ عُمْرَكَ فِي عُمْرَانِ بَاطِنِكَ فَأَيْنَ الْفَنَاءُ فِي التَّوْحِيْدِ ؟ (تو نے اپنی عمر کو اپنے باطن کے آباد کرنے میں فنا کر دیا۔ پس توحید میں فنا کہاں ؟ یعنی توکل سے مراد اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دینا اور اس پر بھروسہ کرنے سے اپنے باطن کی درستی کرنا ہے۔ اور جب کوئی شخص ایک عمر باطن کی درستی پر خرچ کرے۔ تو ایک اور عمر چاہیے۔ تاکہ ظاہر کی درستی میں خرچ کی جائے۔ اور اس طرح یہ دونوں عمریں بھی ضائع کر کے وہ اپنے اندر حق کا کوئی اثر نہیں پائے گا۔

اور حضرت شیخ بو علی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ میں نے نفس کو اپنی شکل میں دیکھا جیسے ایک شخص نے بالوں سے پکڑ کر میرے حوالے کر دیا کیونکہ اس شخص نے اس کو بالوں سے ہی پکڑا ہوا تھا اور اسی طرح میرے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ میں نے اس کو ایک درخت سے باندھ دیا اور اس کے مار ڈالنے کا قصد کیا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ اے بو علی ! تو تکلیف نہ اٹھا۔ کیونکہ میں خدا کا پیدا کیا ہوا لشکر ہوں۔ تو مجھے کم نہیں کر سکتا۔

حضرت محمد بن علیان لنسوی رحمۃ اللہ جو حضرت جنید رحمۃ اللہ کے بڑے بزرگ اصحاب میں سے تھے۔ سے روایت ہے جو فرماتے ہیں کہ میں ابتدائے حال سے نفس کی برائیوں سے واقف تھا۔ اور اس کی چالوں کو جانتے ہوئے اس سے سخت دشمنی رکھتا تھا۔ ایک روز کوئی چیز لومڑی کے بچہ جیسی میرے حلق سے باہر نکلی اور خدائے تعالیٰ کے فضل سے میں نے جان لیا کہ یہ نفس امارہ ہے تو میں اسے پاؤں کے نیچے ڈال کر روندنے لگا۔ مگر روندنے سے وہ اور بڑا ہوتا جاتا تھا۔ اور جتنی لاتیں لگاتا تھا وہ بڑا ہوتا جاتا تھا۔ میں نے پوچھا اسے فنا تو ہر سب چیزیں

تو تکلیف اور چوٹ سے ہلاک ہو جاتی ہیں اور تو ہے کہ بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری پیدائش ہی الٹی ہے۔ جس چیز سے سب چیزوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ وہ میرے لئے راحت ہے اور جو اور اشیاء کے لئے باعث راحت ہے۔ وہ میرے لئے باعث رنج ہے۔

اور شیخ ابو العباس اشتانی رحمہ اللہ جو وقت کے امام تھے فرمایا۔ کہ ایک روز میں گھر میں داخل ہوا۔ تو میں نے ایک زرد کتا دیکھا جو میری جگہ پر سو رہا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید محلہ کا کوئی کتا اندر گھس آیا ہے۔ اس لئے میں نے اسے نکالنے کا ارادہ کیا۔ تو وہ میرے دامن میں گھس کر غائب ہو گیا۔

اور حضرت شیخ ابو القاسم گرگانی رحمہ اللہ جو اس وقت کے قطب اور مدار علیہ ہیں دانشمندان کو باقی رکھے نے اپنے ابتدائے حال کا حوالہ دے کر فرمایا۔ کہ میں نے اپنے نفس کو ایک سانپ کی صورت میں دیکھا۔

اور ایک درویش نے کہا ہے کہ میں نے اس کو ایک چوہے کی شکل میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں غافلوں کی ہلاکت ہوں کہ ان کو شر اور برائی کی دعوت دیتا ہوں اور دوستان حق کی نجات کا سبب ہوں اگرچہ مرا وجود باعث خرابی ہے مگر پھر بھی اگر میں ان کے ساتھ نہ ہوتا تو وہ اپنی پاکی پر مغرور ہو جاتے اور اپنے افعال پر تکبر کرتے۔ کیونکہ جب وہ اپنے دل کی طہارت اور اپنے باطن کی صفائی اور ولایت کے نور اور بندگی پر اپنی ثابت قدمی کو دیکھتے ہیں۔ تو خواہش نفس کی وجہ سے ان میں ایک قسم کا غرور پیدا ہو جاتا ہے اور پھر جب وہ مجھے اپنے دونوں پہلوؤں کے درمیان دیکھتے ہیں تو ان کے وہ سارے عیب پاک ہو جاتے ہیں اور یہ سب حکایات اس بات کی دلیل ہیں۔ کہ نفس ایک شے قائم بذات خود ہے نہ صفت۔ اور اس کی صفت موجود ہے اور ہم اس کے اوصاف کو علانیہ دیکھتے ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرمایا ہے۔ اَعْدیٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ (تیرا سب سے بڑا دشمن خود تیرا نفس ہے۔ جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے) پس جب اس کی معرفت حاصل ہو جائے تو تو جان لے گا کہ ریاضت سے اس کو قابو میں لا سکتے ہیں۔ لیکن اس کا اصل اور اس کی ماہیت

بالکل فنا نہیں ہو سکتی ۔ اور جب اس کی شناخت درست ہو جائے۔ تو طالب اگر اس پر قابو رکھنے والا ہے تو اس کے اپنے اندر باقی رہنے میں کوئی خوف نہیں ہوتا ۔ اِنَّ النَّفْسَ كَلْبٌ نَبَّاحٌ۔ وَاِمْسَاكُ الْكَلْبِ بَعْدَ الرِّيَاضَةِ مُبَاحٌ۔ کیونکہ نفس ایک بھونکنے والا کتا ہے اور کتے کو شکار کی ریاضت کرا لینے کے بعد اپنے پاس رکھ لینا مباح[1] ہے) پس نفس کے مجاہدات اس کے اوصاف فنا کر دینے کے لئے ہوتے ہیں نہ اس کی اصل ذات کو فنا کرنے کے لئے ۔ اس کے متعلق مشائخ کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔ لیکن میں نے کتاب کے طویل ہو جانے کے خوف سے ان ہی اقوال پر اکتفا کیا۔ اب انشاء اللہ ھوی (خواہش نفس) کی حقیقت اور شہوت کے ترک کرنے کے متعلق کلام شروع کرتا ہوں ـــــ اور توفیق قبضۂ الٰہی میں ہے ۔

چوتھی بحث

ہوئی کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ ھوی صوفیہ کے ایک گروہ کے نزدیک نفس کے اوصاف میں سے ایک صفت ہے ۔ ایک دوسرے گروہ کے نزدیک نفس طبیعت کے ارادے ہی کا نام ہے اور جس طرح عقل روح کی مُدبّر ہے اسی طرح طبیعت نفس کی مدبّر اور اس میں متصرّف ہے اور جس روح کو اپنے جسم میں عقل سے قوت نہیں ملتی ۔ وہ ناقص ہے ۔ اسی طرح جس نفس کو ھوی سے قوت نہیں ملتی وہ بھی ناقص ہے ۔ پس روح کا نقصان قربِ حق کا نقصان ہے اور نفس کا ناقص ہونا عین قربِ حق کا سبب ہے اور ہمیشہ بندہ کو دو چیزوں کی طرف سے بلاوا ملتا رہتا ہے ۔ ایک تو عقل کی طرف سے اور دوسرے ھوی کی طرف سے ۔ مگر جو شخص عقل کی دعوت کا اتباع کرتا ہے ۔ وہ ایمان پر پہنچ جاتا ہے ۔ اور جو ھوی کی دعوت کا تابع ہوتا ہے ۔ وہ گمراہی اور انکارِ حق میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ پس ھوی حجاب اور موجب گمراہی ہے ۔ اور مریدوں کی پستی اور حق سے اعراض کا محل ہے ۔ اس لئے بندہ اس کی مخالفت کرنے پر مامور ، اور اس کے اتباع سے روکا گیا ہے ۔ لِاَنَّ مَنْ رَكِبَهَا هَلَكَ وَمَنْ خَالَفَهَا مَلَكَ (کیونکہ جو شخص ھوائے نفس پر سوار ہوا ، وہ ہلاک ہو گیا ۔ اور جس نے اس کی مخالفت

---

[1] جائز ۔ جس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہوں ۔

کی وہ فرشتہ ہو گیا) چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (لیکن جو شخص اپنے رب کے حضور میں مجرمانہ حیثیت سے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روک دیا۔ بلا شبہ اس کا ٹھکانا جنت ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِيْ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ (سب سے زیادہ خوفناک چیز جس سے میں اپنی امت کے متعلق ڈرتا ہوں۔ وہ خواہش نفس کی پیروی اور لمبی آرزو ہے) اور اللہ تعالےٰ کے اس قول اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ (دیکھو جس نے اپنے نفس کی خواہش کو اپنا معبود ٹھہرا لیا) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں۔ اَلْهَوٰى اِلٰهٌ مَعْبُوْدٌ (یعنی جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود ٹھہرا لیا (پس وہ شخص مستحق ہلاکت ہے۔ جس نے اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر خواہش نفس کو اپنا معبود بنایا اور دن رات اس کی دل جوئی کرتا رہا۔ اور ہوائے کی دو قسمیں ہیں (اول) لذت وشہوت کی خواہش (دوم) خلقت میں مرتبہ اور ریاست کی خواہش اور جو شخص لذت وشہوت کا خواہش مند ہو۔ وہ میخانوں میں ہوتا ہے۔ اور لوگ اس کے فتنہ سے امن میں رہتے ہیں اور جو شخص مرتبے اور جاہ کا تابع ہے۔ وہ عبادت خانوں اور خانقاہوں میں رہا کرتا ہے۔ اور خلقت کے لئے باعث فتنہ ہوتا ہے کہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے۔ اور لوگوں کو بھی گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پس خواہش نفس کی متابعت سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ پس جس کی کل حرکات خواہش نفس سے ہوں۔ اور وہ اس کی متابعت پر راضی ہو۔ وہ حق تعالےٰ سے دور ہوتا ہے اگرچہ مسجد میں وہ تمہارے ساتھ ہو اور وہ شخص جس کو خواہش نفس سے بیزاری ہو۔ اور وہ اس کی متابعت سے گریز کرے وہ حق تعالےٰ سے نزدیک ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ بت خانہ میں ہو۔ حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے سنا کہ ملک روم میں ایک پادری ستر سال سے ترک دنیا کر کے کلیسا میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے کہا بڑے تعجب کی بات ہے۔ کہ رہبانیت[1] کی شرط تو

[1] ترک دنیا۔

چالیس سال ہے یہ شخص کس مذہب کے مطابق ستر سال تک کلیسا میں آرام کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ میں نے اس کو دیکھنے کا ارادہ کیا۔ جب میں اس کے نزدیک پہنچا۔ تو کھڑکی کھول کر مجھ سے کہا۔ اے ابراہیم! مجھے معلوم ہو گیا ہے جس مطلب کے لئے تو یہاں آیا ہے۔ میں یہاں ستر سال سے رہبانیت کے لئے نہیں بیٹھا ہوا ہوں۔ بلکہ میرے پاس ایک کتا ہے۔ جو حرص سے بھرا ہوا ہے۔ میں اس لئے کلیسا میں بیٹھا ہوں۔ کہ کتے کی نگرانی کروں۔ اور اس کا شر لوگوں سے دفع کروں۔ ورنہ میں وہ نہیں ہوں۔ جیسا کہ تو نے خیال کیا ہے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ جب میں نے اس سے یہ بات سنی۔ تو کہا۔ بارخدایا! تو قادر ہے کہ تو ایک گمراہ بندے کو بھی عین گمراہی میں نیکی کا راستہ بتا دیتا ہے اور سیدھی راہ دکھلا دیتا ہے۔ اس نے کہا اے ابراہیمؒ! کب تک تو لوگوں کی تلاش کرے گا۔ جا اپنے آپ کی طلب کر۔ جب تو نے پا لیا۔ تو اپنی نگہبانی کر کیونکہ نفس کی یہ خواہش ہر روز تین سو ساٹھ معبودوں کا لباس پہنتی ہے اور بندہ کو گمراہی کی دعوت دیتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شیطان کو بندے کے دل اور باطن میں اس وقت تک گھسنے کی مجال نہیں جب تک کہ اس کو نافرمانی کی خواہش پیدا نہ ہو اور جب خواہش کا مادہ اس میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ تو شیطان اس کو سنبھال لیتا ہے اور اس کو آراستہ کر کے اس کے دل کے سامنے پیش کرتا ہے اور اسی کو وسوسہ کہتے ہیں۔ پس گناہ اور نافرمانی کی ابتدا خواہش نفس سے ہوتی ہے اور حدیث میں آیا ہے اَلْبَادِیْ اَظْلَمُ (پہل کرنے والا زیادہ ظالم ہے) اور یہی مطلب اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ہے۔ جبکہ اس نے شیطان کے اس قول کے جواب میں کہ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ (پس تیری عزت کی قسم میں تیرے سب بندوں کو البتہ گمراہ کروں گا اس پر اللہ پاک نے فرمایا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ؟ بلاشبہ فرمانبردار بندوں پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا پس شیطان ہی درحقیقت بندہ کا نفس اور اس کی خواہش ہے اور اسی وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ غَلَبَہٗ شَیْطَانُہٗ اِلَّا عُمَرُ فَاِنَّہٗ غَلَبَ شَیْطَانَہٗ (کوئی آدمی نہیں کہ اس کا شیطان یعنی خواہش نفس اس پر غالب نہ ہو سوائے عمر رضی اللہ عنہ کے کہ وہ اپنے شیطان پر غالب ہیں) پس ہر وقت نفس آدم علیہ السلام کی سرشت اور بنی آدم کی جان کی راحت ہے۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْھَوٰی وَالشَّھْوَۃُ مَعْجُوْنَتَیْنِ

جُبِلَتْ فِی طِینَةِ ابْنِ آدَمَ (خواہش نفس اور شہوت ابن آدم کی سرشت میں رکھ دی گئی ہیں خواہش کا چھوڑ دینا بندہ کو امیر کر دیتا ہے اور اس کی پیروی کرنا امیر کو اسیر بنا دیتا ہے چنانچہ حضرت زلیخا نے جب خواہش نفس کی پیروی کی تو باوجود امیر و باعزت ہونے کے اسیر ہو گئیں۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ہوائے نفس کو ترک کر دیا۔ تو امیر ہو گئے۔ حضرت جنید رحمہ اللہ سے ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا۔ کہ مَا الْوَصْلُ قَالَ تَرْكُ اِرْتِكَابِ الْهَوٰی (وصل حق کیا چیز ہے؟ تو فرمایا خواہش نفس کی پیروی ترک کرنا پس جو شخص چاہتا ہے کہ وصل حق سے مکرم ہو اسے چاہیے کہ اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرے۔ کیونکہ بندہ ہوائے نفس کی مخالفت سے بڑھ کر کسی اور عبادت سے قرب حق حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ بندہ کے لیے ہوائے نفس کے خلاف کرنا۔ پہاڑ کو ناخن سے کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ اور حکایات میں ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑ رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ درجہ تو نے کس طرح پایا اس نے جواب دیا کہ میں نے خواہش نفس کی پیروی نہیں کی اس لیے ہوا پر سوار اڑا پھر رہا ہوں۔ اور حضرت محمد بن الفضل بلخی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے۔ جو اپنی خواہش نفس سے اللہ کے گھر جاتا ہے اور اس کی زیارت کرتا ہے۔ کیوں ہوائے نفس کی مخالفت نہیں کرتا۔ کہ حق تک پہنچ جائے اور اس کا دیدار حاصل کرے۔ لیکن یہ اچھی طرح یاد رہے نفس کی سب سے زیادہ ظاہر صفت شہوت ہے اور شہوت ایک کیفیت ہے جو آدمی کے اجزا میں پھیلی ہوئی ہے اور تمام حواس[1] اس کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا بندہ ان سب کی نگرانی کرنے پر مکلف اور مامور ہے اور ہر ایک حس کے فعل سے اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہے چنانچہ آنکھ کی شہوت دیکھنا اور کان کی شہوت سننا اور ناک کی شہوت سونگھنا اور زبان کی شہوت بولنا اور تالو کی شہوت چکھنا، اور جسم کی شہوت چھونا اور گھسنا اور اور قلب و دماغ کی شہوت سوچنا ہے۔ پس طالب کو چاہیے کہ اپنا نگہبان اور حاکم ہو۔ اور رات دن اسی میں لگا رہے تاکہ ہوائے نفس کے ان اسباب کو جو حواس میں پیدا ہوتے ہیں اپنے سے دور کرے۔ اور خدائے تعالیٰ سے درخواست کرے کہ

[1] جمع حاسہ کی۔ کسی چیز کو محسوس کرنے قوت۔

کہ وہ اس کو ایسا بنا دے کہ یہ خواہش اس کے باطن سے دفع ہو جائے۔ کیونکہ جو شخص شہوت کے کسی ایک جزو میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ تمام معارف سے حجاب میں ہو جاتا ہے۔ پس اگر بندہ تکلف سے اس کو اپنے سے دور کرے تو اس کا رنج طویل ہو جائیگا۔ کیونکہ اس قسم کی خواہشات کا وجود متواتر اور پے در پے ہوتا ہے۔ لہذا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اسے خدا ہی کے حوالہ کر دے۔ تاکہ مراد حاصل ہو جائے۔ اور حضرت ابو علی سیاہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ میں حمام میں گیا ہوا تھا اور سنت کے مطابق اُسترہ سے زیر ناف بال صاف کر رہا تھا۔ کہ اچانک جی میں آیا۔ اے ابو علی! اس عضو کو جو چشمہ شہوت ہے اور تجھے اتنی آفتوں میں مبتلا رکھتا ہے۔ کیوں نہ اپنے سے علیحدہ کر دے۔ تاکہ شہوت سے باز رہے۔ میرے باطن میں ندا ہوئی کہ اے ابو علی! تو ہمارے ملک میں تصرف کرتا ہے؟ حالانکہ ہماری طرف سے بدن کی ساخت و زیبائش کے لئے کوئی عضو دوسرے عضو سے زیادہ موزوں اور مناسب نہیں۔ ہمیں اپنی عزت کی قسم ہے۔ اگر تو اس عضو کو اپنے سے جدا کر دے گا۔ تو ہم اس کی جگہ تیرے ہر بال میں سو گنا زیادہ شہوت اور خواہش پیدا کر دینگے۔ اسی کے متعلق کسی کا قول ہے۔ شعر ؎

تَبْتَغِي الْاِحْسَانَ دَعْ اِحْسَانَكَ		اَتُرِيْدُ بِخُشُوْ اللّٰهِ رَيْحَانَكَ

تو احسان (نیکی کرنا) چاہتا ہے تو اپنا احسان چھوڑ دے۔ اللہ تعالٰے کی پیدا کی ہوئی کھجور کے بدلہ اپنے نازبو کو چھوڑ دے) بندہ کو اپنے وجود کے خراب کرنے میں تصرف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ لیکن اپنی کسی صفت کی تبدیلی کرنے میں اپنی قوت و طاقت سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰے کی توفیق اور اس کے امر کی تسلیم کے بعد تصرف اور کسب کا حق حاصل ہے۔ در اصل جب مرتبہ تسلیم حاصل ہو گیا۔ تو عصمت الٰہی حاصل ہو گئی اور بندہ اللہ کی عصمت و تائید میں سے ہی تمام آفات سے محفوظ ہو سکتا ہے نہ کہ مجاہدہ و ریاضت سے لِاَنَّ نَفْيَ الذُّبَابِ بِالْمِكْنَسِ اَيْسَرُ مِنْ نَفْيِهِ بِالْمِذَبَّةِ (کیونکہ مکھیوں کو دور کرنا ڈھانکنے والی چیز سے کم ران کے ذریعہ ہٹانے

کی نسبت زیادہ آسان ہے۔ الیس حفظ الٰہی تمام خرابیوں کو دور کرنے والی اور تمام عیوب کو مٹانے والی ہے اور کسی صفت میں بھی بندہ کو حق تعالےٰ کے ساتھ مشارکت نہیں چنانچہ خود اس نے فرمادیا ہے کہ اس کے ملک میں کسی کو تصرف کرنے کا حق نہیں اور جب تک عصمت الٰہی مقدر میں نہ ہو بندہ اپنی کوشش سے کسی چیز سے رک نہیں سکتے کیونکہ کوشش بخت اور نصیبے کے بغیر مفید نہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بخت نصیب نہ ہو کوشش کار آمد نہ ہو گی۔ صرف کوشش اس کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ اور محض کوشش سے بندگی کی طاقت ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بندہ کی تمام کوششیں دو ہی طرح کی ہوتی ہیں۔ یا تو وہ کوشش کرتا ہے کہ تقدیر الٰہی بدل جائے یا خود تقدیر کے خلاف کوئی چیز کسب کرتا ہے اور یہ دونوں جائز نہیں۔ کیونکہ تقدیر کوشش سے بدل نہیں سکتی اور نہ کوئی کام تقدیر کے بغیر ہو سکتا ہے۔ اور روایت ہے کہ حضرت شبلی رحمہ اللہ بیمار ہو گئے۔ ایک طبیب نے آپ کے پاس آکر کہا۔ کہ پرہیز کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ کس چیز سے پرہیز کروں؟ کیا اس چیز سے جو میرے مقدر میں نہیں؟ اگر پرہیز مقدر سے کرنا چاہیں تو وہ نہیں کر سکتے اور اگر پرہیز اس چیز سے کرتا ہے جو مقدر نہیں تو ایسی چیز تو وہ خود ہی مجھے نہیں دیں گے اس سے پرہیز کیا؟ کیونکہ مشاہدہ مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور میں اس مسئلہ کو انشاء اللہ تعالیٰ پوری احتیاط سے کسی دوسری جگہ بیان کروں گا۔

ساتویں فصل

فرقۂ حکیمیہ

فرقۂ حکیمیہ کے پیرو حضرت ابی عبد اللہ محمد بن علی الحکیم ترمذی رحمہ اللہ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ آپ تمام علوم ظاہری و باطنی میں اپنے وقت کے اماموں میں سے تھے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں آپ کے کلام اور طریق کی بنیاد ولایت پر ہے اور آپ ولایت کی حقیقت اور اولیاء کے درجات اور ان کی ترتیب کی رعایت کے متعلق بیان فرماتے ہیں۔ اور وہ علیحدہ ایک ناپید اکنار سمندر ہے جس میں بے شمار عجائبات ہیں اور آپ کے مذہب کو سمجھنے کے لئے ابتداءً یہ جاننا ضروری ہے کہ خداوند تعالیٰ کے بہت سے اولیا ہیں۔ جن کو اس نے اپنی مخلوق میں سے چن لیا ہے اور ان کے ارادہ کو دنیا

کے تمام تعلقات سے قطع کر لیا ہے اور نفس و ہوا کے مقتضیات سے آزاد کر لیا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو ایک درجہ پر قائم فرما دیا ہے اور اپنے اسرار و معارف کا دروازہ ان پر کھول دیا ہے۔ چونکہ ولایت کے متعلق بہت سے امور ہیں اور سب تشریح طلب ہیں۔ لیکن میں بخوف طوالت یہاں صرف چند اصول بیان کرتا ہوں۔ تاکہ لوگوں کو ولایت کی عظمت شان کا علم ہو سکے۔ اس ضمن میں دوسرے حضرات کے اقوال اور اولیائے کرام کے اوصاف کا ذکر بھی آجائے گا انشاء اللہ تعالیٰ ۔

پہلی بحث

ولایت کا ثابت کرنا

جاننا چاہیئے کہ تصوف و معرفت کے طریق کی بنیاد در اصل اصول ولایت اور اس کے ثابت کرنے پر قائم ہے۔ اور تمام مشائخ رضی اللہ عنہم اس کے اثبات میں گو متفق ہیں۔ تاہم ہر ایک نے ولایت کا مفہوم مختلف عبارات میں بیان کیا ہے اور حضرت محمد بن علی الحکیم ترمذی رحمہ اللہ ولایت کو طریقت اور حقیقت پر محمول کرنے میں مخصوص ہیں۔ لیکن ولایت بفتح واو لغت میں تصرف کرنا ہے۔ اور ولایت بکسر واو امارت (امیر ہونا) ہے۔ اور یہ دونوں فعل ولی کے مصدر ہیں۔ جب ایسا ہے تو ضروری ہے کہ یہ دو لغت ہوں۔ جیسا کہ دلالت دال کے زبر کے ساتھ بتانا اور دِلالت دال کے زیر کے ساتھ "ناز کرنا" کے معنوں میں مستعمل ہے۔ نیز ولایت معنی ربوبیت بھی آتا ہے۔ اور اسی معنی کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ (وہاں قیامت میں ربوبیت اللہ برحق کے لئے ہے) کہ کفار اس سے محبت کریں گے اور اس کے گرویدہ ہوں گے۔ اور اپنے مزعومہ معبودوں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور نیز ولایت کے معنی محبت بھی ہے۔ کیونکہ فَعِيلٌ بروزن فَعِيلٌ کبھی کبھی مفعول کے معنوں میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ پس اس قاعدہ کی رُو سے وَلِیّ وہ ہے جس کے ساتھ محبت کی گئی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ (وہ نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو خود اس کے افعال و اوصاف کی بنا پر نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ولی بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ ہو اور فاعل

کے معنوں میں مستعمل ہو۔ کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس کی بندگی اور دیگر حقوق کے ادا کرنے پر مداومت کرتا اور اس کے غیر سے منہ موڑتا ہے چنانچہ بندہ مرید اور اللہ تعالیٰ مراد ہوتا ہے اور یہ سب باتیں محبت اور نصرت کی حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے ساتھ اور محبت و اطاعت و بندگی وغیرہ کی باتیں بندہ کی طرف سے حق تعالیٰ کے ساتھ روا ہیں۔ اور جو باتیں اللہ کی طرف سے بندہ کے ساتھ روا ہیں وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کا ناصر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ (سو بلاشبہ اللہ کی نصرت قریب ہے) نیز فرمایا ہے وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ (بلاشبہ کافروں کا کوئی ناصر و مددگار نہیں) جب وہ کافروں کا مددگار نہیں تو لامحالہ مومنوں کا ناصر و مددگار ہے کہ ان کی عقل کو اپنی صریح نشانیوں سے۔ ان کے دلوں کو اسرار و معارف کے کشف سے مدد دیتا ہے اسی طرح انہیں نفس و شیطان کی مخالفت اور اپنے احکام پر چلنے کی توفیق سے نوازتا ہے اور یہ بھی روا ہے کہ وہ ان کو اپنی دوستی سے مخصوص کرکے اپنی عداوت اور دشمنی سے بچائے رکھے۔ چنانچہ اس نے فرمایا ہے۔ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ اللہ تعالیٰ مومنوں کو دوست رکھتا ہے اور وہ اسے دوست رکھتے ہیں) تاکہ وہ اس سے اس کی وجہ سے محبت کریں اور مخلوق کی محبت سے منہ موڑلیں یہاں تک کہ وہ بھی ان کا ولی اور دوست ہو جائے۔ اور باقی مومن بھی اس کے اولیا ہوں اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ ایک شخص کو اپنی بندگی پر قائم رکھنے کے لئے ولایت عطا کرے اور اسے اپنی حفاظت و عصمت میں محفوظ رکھے۔ تاکہ وہ مومن اس کی بندگی پر قائم رہے اور اس کی مخالفت سے پرہیز کرے اور شیطان اس کی آہٹ سے بھاگ جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ ایک شخص کو اس لئے ولایت عطا کرے کہ ملک کا انتظام اس کے سپرد ہو۔ اس کی دعا مستجاب ہو اور اس کے اقوال مقبول ہوں۔ چنانچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ ذِیْ طِمْرَیْنِ لَا یُعْبَاءُ بِہٖ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ (کبھی ایک پراگندہ بالوں والا غبار آلودہ پھٹی چادروں والا شخص جس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اگر وہ کسی امر میں

اللہ کی قسم کھائے تو اللہ تعالےٰ اس کی قسم کو پورا فرماتا ہے) اور یہ بات مشہور ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں دریائے نیل کا پانی اپنی عادت کے مطابق ٹھہر گیا۔ کیونکہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ہر سال جب دریائے نیل میں پانی رک جاتا تو ایک لونڈی آراستہ کر کے اس میں ڈال دی جاتی تب پانی جاری ہو جاتا جب حضرت عمرؓ کو اس قبیح رسم کا علم ہوا۔ تو انہوں نے ایک کاغذ پر یہ لکھا اور دریائے نیل میں ڈلوا دیا۔ الفاظ یہ تھے کہ اے نیل! اگر تو خدا کے حکم سے رکا ہے تو رکا رہ اور اگر کوئی اور بات ہے تو اللہ کے حکم سے جاری ہو جا۔ چنانچہ خط کے ڈالتے ہی پانی جاری ہو گیا۔ یہ حقیقی امارت ہے۔ پس میری مراد ولایت اور اس کے ثابت کرنے سے یہ ہے کہ تم جان لو کہ ولی کا نام اس شخص کے لئے جائز ہے۔ کہ ولی کے اوصاف اس میں موجود ہوں اور وہ ظاہر باطن میں اللہ تعالےٰ کا دوست اور ان کے جملہ احکام کا پابند ہو۔ اور اسی موضوع پر پہلے بھی مشائخ کرام نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اب میں ان (حضرت محمد بن علی الحکیمؒ) کی عبارت کو لکھ دیتا ہوں۔ جیسا کہ میرا ان پر اعتقاد ہے۔ تاکہ اگر اللہ کو منظور ہو۔ تو تمہیں اور ان کو جو طالبان طریقت ہیں، اس سے بہت سے فائدے حاصل ہوں۔

دوسری بحث

لفظِ ولی کی مزید تشریح

جاننا چاہیے کہ لفظ ولی لوگوں میں عام طور پر مشہور ہے اور کتاب و سنت بھی اس پر ناطق ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ سنو بے شبہ اللہ تعالےٰ کے اولیاء پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غم کریں گے۔ نیز ارشاد ہے۔ نَحْنُ اَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (ہم ہی تم مومنین کے مددگار ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور ایک دوسری جگہ فرمایا۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اللہ تعالےٰ ایمان والوں کا دوست ہے) پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَعِبَادًا يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ وَالشُّهَدَآءُ قِيْلَ مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا لَعَلَّنَا نُحِبُّهُمْ ۔ قَالَ قَوْمٌ تَحَابُّوْا

بِرُوْحِ اللّٰہِ مِنْ غَیْرِ اَمْوَالٍ وَّلَا اِکْتِسَابٍ وُجُوْھُھُمْ نُوْرٌ عَلٰی مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ثُمَّ تَلَا اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (سنو! اللہ کے بندوں میں سے بعض وہ بندے ہیں کہ نبی اور شہید بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں؟ ہمیں ان کا حال بتایئے تاکہ ہم ان سے محبت کریں آپ نے فرمایا۔ وہ لوگ ہیں جو بغیر مال اور تکلف کے محض اللہ کی وحی کے مطابق آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ خود نور کے منبروں پر بیٹھے ہوں گے انہیں کوئی خوف نہیں ہو گا جبکہ لوگ خوفزدہ ہوں گے۔ اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ جب کہ اور لوگ غمزدہ ہوں گے۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ الآیۃ (سنو! بے شک اللہ تعالےٰ کے اولیاء پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ غم کریں گے) نیز پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے مَنْ اٰذٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدِ اسْتَحَلَّ مُحَارَبَتِیْ (جس نے ولی کو اذیت پہنچائی اس نے میرے ساتھ جنگ کرنے کو حلال سمجھا مراد اس حدیث سے یہ ہے کہ اللہ کے اولیاء جن کو اس نے اپنی دوستی اور ولایت کے لئے مخصوص فرمالیا ہے اور وہ اس کے ملک کے مالک ہیں اور ان کو اپنی محبت کے لئے مخلوقات میں چن کر اپنے فعل کے اظہار کا نشان بنا دیا۔ اور قسم قسم کی کرامات سے مخصوص اور طبیعت کی خرابیوں کو ان سے بالکل پاک کر دیا اور نفس کی متابعت سے چھڑا دیا ہے۔ پس ان کا مقصود اس کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور نہ سوائے اس کے کسی اور سے ان کو انس ہے ہم سے پہلے گزشتہ زمانوں میں بھی ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں اور اس کے بعد قیامت تک موجود رہیں گے۔ اس لئے کہ خداوند تعالےٰ نے اس امت کو تمام سابقہ امتوں پر شرف عطا فرما کر یہ ذمہ لیا ہے کہ شریعت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ محفوظ رکھوں گا۔ اور جب کہ نقلی اور عقلی دلیلیں اور حجتیں آج بھی علماء کے درمیان موجود ہیں۔ تو ضرور ہے کہ اولیاء و خاصان الٰہی کے درمیان عینی دلائل بھی موجود ہوں۔ اور ہمارے اس مسلک کے دو گروہ مخالف ہیں۔ ایک معتزلہ دوسرے عام حشویہ۔ بلکہ معتزلہ تو گروہ بدل

حق یعنی اولیاء اللہ میں سے ایک ولی کی دوسرے ولی پر تخصیص و ترجیح کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی سب اولیاء کو برابر جانتے ہیں حالانکہ ولی کی تخصیص کی نفی نبی کی تخصیص کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ جس طرح انبیاء میں سے بعض نبی خاص ہوتے ہیں۔ اسی طرح ولیوں میں بھی بعض ولی خاص درجہ رکھتے ہیں اور جو ولیوں میں تخصیص کا قائل نہیں وہ نبیوں میں بھی تخصیص کا قائل نہیں ہوگا۔ اور یہ کفر ہے اور عام حشویہ اولیاء میں بعض کی تخصیص کو جائز رکھتے ہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ ایسے خاص اولیاء اللہ پہلے ہو گزرے ہیں آج نہیں حالانکہ انکار ماضی و مستقبل دونو برابر ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک طرف کا انکار دوسری طرف کے انکار سے زیادہ بڑا نہیں ہوتا پس خدا تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برہان کو آج تک باقی رکھا ہے اور اولیاء کو اس کے اظہار کا سبب بنا دیا ہے تاکہ ہمیشہ حق کے نشانات اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیل قائم رہے اور ایسے خاص اولیاء کو عالم کا متصرف کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تنہا اللہ تعالیٰ کی بات کے لئے وقف ہو گئے ہیں اور نفس کی متابعت کا راستہ ان پر بند ہو گیا ہے۔ تاکہ آسمان سے بارش ان کے قدموں کی برکت سے نازل ہو۔ اور ان کے احوال کی صفائی کی وجہ سے زمین سے نباتات اُگے اور مسلمان ان کی دعا و توجہ سے کفار پر نصرت حاصل کریں اور یہ چار ہزار ہیں جو پوشیدہ رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے اور اپنے حال کی خوبی بھی نہیں جانتے۔ اور تمام حالات میں خود اپنی ذات اور خلقت سے چھپے رہتے ہیں۔ اس کے متعلق حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اور اولیاء کا کلام اس پر ناطق ہے اور مجھے خود الحمد للہ اس کے متعلق خبر ملی ہے۔ جو لوگ عالم میں اہل تصرف اور درگاہ حق کے سر لشکر ہیں۔ وہ تین سو ہیں۔ جن کو اخیار کہتے ہیں اور چالیس دوسرے ہیں۔ جنہیں ابدال کہتے ہیں اور سات اور ہیں جنہیں ابرار بولتے ہیں اور چار دوسرے ہیں۔ جنہیں اوتاد کہتے ہیں اور تین اور ہیں جن کو نقیب کہتے ہیں اور ایک اور ہے جسے غوث اور قطب کہتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ کاموں میں ایک دوسرے کے اذن کے محتاج ہوتے ہیں اور اس بات پر اخبار مروجہ ناطق ہیں اور تمام اہل سنت اس بات کی صحت پر متفق ہیں اور اس مقام پر اس امر کی شرح و

تفصیل مقصود نہیں ہے اور یہاں اس امر کے متعلق جو میں نے کہا ہے ـــــ
ذکر یہ ہے کہ وہ اولیاء جو ایک دوسرے کو پہچانتے نہیں کہ ان میں سے ہر ایک
ولی ہے عوام اس پر جو اعتراض کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس صورت میں تو ضروری ہے کہ وہ
اپنی عاقبت سے امن میں ہوں۔ مگر یہ محال ہے کہ ولایت کی معرفت عاقبت سے
امن میں ہونے کا اقتضا کرے۔ کیونکہ جس طرح کہ یہ جائز ہے کہ مومن اپنے ایمان کا
پہچاننے والا ہو۔ اور وہ عاقبت سے بے خوف نہ ہو۔ اسی طرح جائز ہے۔ کہ ولی
اپنی ولایت کو پہچانتا ہو۔ اور عاقبت سے بے خوف نہ ہو۔ لیکن یہ روا ہے کہ
کرامت کے طور پر حق تعالےٰ ولی کو اس کے حال کی صحت کی وجہ سے اسے عاقبت
اور دشمن کی مخالفت سے بے خوف کر دے۔ اور اس مقام پر مشائخ کے درمیان
اختلاف ہے اور میں نے اختلاف کا سبب ظاہر کر دیا ہے کہ ان چار ہزار میں سے
جو مخفی ہیں۔ جو بھی ہے اس کا اپنی ولایت کو جاننا جائز نہیں رکھتے اور جو لوگ
اس گروہ کے علاوہ ہیں۔ اس بات کو جائز سمجھتے ہیں۔ نیز بہت سے فقہاء اس
گروہ کے موافق ہیں اور بہت سے اس گروہ کے موافق۔ اور متکلمین میں سے بھی
بعض پہلے گروہ کے موافق ہیں اور بعض پچھلے کے۔ استاد ابو اسحٰق اسفرائنی رحمہ اللہ
اور متقدمین کی ایک جماعت اس بات پر ہیں کہ ولی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا کہ وہ ولی
ہے۔ اور استاد ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ اور متقدمین کی ایک دوسری جماعت اس
بات پر ہیں کہ ولی اپنے آپ کو پہچانتا ہے کہ وہ ولی ہے۔ پس ہم پہلے گروہ سے پوچھتے
ہیں۔ کہ اس کو ان کی ولایت کی معرفت میں کیا نقصان اور حرج نظر آتا ہے؟ اگر
وہ یہ جواب دیں کہ جب وہ یہ بات جان لے گا کہ میں ولی ہوں تو اپنے آپ پر مغرور
ہو جائے گا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ولایت کی شرط حق کی نگہداشت ہے۔ پس جو شخص
آفت سے محفوظ ہو وہ مغرور کیسے ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات تو بالکل عامیانہ ہے
کہ جب کسی ولی سے خلافِ عادت چیزوں کا ظہور ہو۔ جسے عرف میں کرامت کہتے
ہیں تو وہ انہیں دیکھتے ہوئے کبھی یہ نہ سمجھ سکے کہ میں ولی ہوں اور یہ خوارق میری
ہی کرامتیں ہیں۔ اور بعض عوام اس گروہ کی پیروی کرتے ہیں اور بعض اس گروہ کی
لیکن عوام کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور معتزلہ تخصیص و کرامت کے بالکل منکر ہیں

اور ولایت کی حقیقت کرامت وتخصیص ہی ہوتی ہے لیکن معتزلہ کہتے ہیں کہ سب مسلمان جب فرمانبردار ہوں اولیاءِ الٰہی ہیں اور جو شخص ایمان کے تمام تقاضوں کو پورا کرے ؟ صفات حق و رویت الٰہی کا منکر ہو۔ فاسق مومن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کو روا رکھے۔ بغیر رسولوں کے آنے اور کتب الٰہی کے نازل ہونے کے محض عقل پر تکلیف کے جواز کا اقرار کرے وہ ولی ہوتا ہے۔ لیکن شیطان کا ولی نہ کہ خدا کا ولی اور وہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر ولایت کے لئے کرامت شرط ہوتی، تو سب مسلمانوں کو کرامت حاصل ہونی چاہئے تھی۔ کیونکہ وہ سب ایمان میں مشترک ہیں اور جب اصل میں مشترک ہیں تو چاہیے کہ فرع میں بھی مشترک ہوں پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پھر جائز ہے کہ مومن کافر دونوں کو کرامت حاصل ہو۔ اسی طرح کہ جب کسی کو سفر میں بھوک لگ رہی ہو۔ تو اچانک کوئی میزبان نمودار ہو جائے یا کوئی تھک گیا ہو۔ اور کوئی اس کو سواری کے جانور پر بٹھالے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بات جائز ہوتی کہ کوئی شخص ایک رات میں ایک طویل مسافت طے کر لیتا۔ تو یہ بات پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو اس وقت بھی حاصل ہوتی۔ جب کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا تھا۔ حالانکہ خداوند جل وعلا نے ارشاد فرمایا ہے وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ (وہ چارپائے تمہارے بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں۔ جہاں تم بدقت تمام پہنچ سکتے ہو) میں کہتا ہوں کہ یہ قول باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرمایا ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم) کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی طرف جس کی اطراف کو ہم نے برکت دی سیر کرائی الخ) اور پہلی آیت میں بوجھوں میں چارپاؤں پر اٹھانے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مکہ چل کر جانے کا مطلب یہ ہے کہ کرامات خاص ہیں۔ نہ عام لہذا اگر وہ لوگ سب کرامات سے تھوڑے وقت میں ایک طویل مسافت طے کر کے مکہ چلے جاتے تو کرامات عام ہو جاتیں۔ اور ایمان غیبی عینی ہو جاتا۔ اور

ایمان غیبی کے تمام احکام اٹھ جاتے۔ اس لئے فرمانبردار اور نافرمان آدمی کا ایمان ایک عام ایمان ہے خاص نہیں اور ولایت کا ایمان خاص اور ولایت کا محل خاص پس خدا تعالیٰ نے ایمان بالغیب کے عام حکم کے تحت اور اسے ثابت کرنے کے لئے ایک طرف تو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے ساتھ چار پایوں پر بوجھ لاد کر لے جانے کا حکم فرمایا۔ تو دوسری طرف معجزہ اور کرامت کو ثابت کرنے کے لئے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک رات میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس اور وہاں سے مقام قاب قوسین تک پہنچا دیا۔ اور تمام عالم کے اسرار و مغیبات آپ پر ظاہر فرمائے اور جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ابھی رات بہت باقی تھی حاصلِ کلام یہ ہے کہ ایمان کے حکم میں آپ عام کے ساتھ عام تھے۔ اور کرامت و معجزہ کے حکم میں خاص کے ساتھ خاص تھے۔ پس ولایت و کرامت کے ساتھ بعض بندوں کی تخصیص کی نفی کرنا کھلا مکابرہ اور کفر ہے۔ جس طرح کہ بادشاہ کی درگاہ پر دربان و حاجب و وزیر وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ سب خدمت کے حکم میں یکساں ہوتے ہیں۔ لیکن ہر ایک کا مرتبہ جُدا ہے۔ پس اسی طرح اگرچہ ایماندار ہونے کی حیثیت سے سب مسلمان یکساں ہوتے ہیں۔ لیکن ایک گنہگار ہوتا ہے اور دوسرا فرمانبردار، ایک عالم تو دوسرا جاہل — ایک عابد دوسرا تارک عمل پس یہ بات ثابت ہوئی کہ بندوں میں ایک دوسرے کی فضیلت و تخصیص کا انکار کرنا گویا سب معانی کا انکار کرنا ہے۔ جو موجب کفر ہے واللہ اعلم بالصواب۔

تیسری بحث

ولایت کی تحقیق میں مشائخ کے رموز

ولایت کے بیان کی تحقیق میں مشائخ کرام کی بہت ہی عمدہ اور لطیف رموز ہیں۔ اور جہاں تک ممکن ہے میں ان کے چیدہ رموز میں سے چند یہاں درج کرتا ہوں۔ تاکہ اگر اللہ چاہے تو ان سے تمہیں پورا فائدہ حاصل ہو۔ چنانچہ ابو علی، جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْوَلِیُّ هُوَ الْفَانِیْ فِیْ حَالِهٖ وَالْبَاقِیْ فِیْ مُشَاهَدَةِ الْحَقِّ۔ لَمْ یَكُنْ لَهٗ عَنْ نَفْسِهٖ اَخْبَارٌ وَلَا مَعَ غَیْرِ اللّٰهِ قَرَارٌ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق تعالےٰ میں باقی ہو۔ نہ اپنی ذات کی نسبت

وہ کچھ خبر دے سکے اور نہ غیر اللہ کے ساتھ اسے آرام ہو، کیونکہ بندہ کا خبر دینا کسی حالت کی نسبت ہوتا ہے اور جب اس کے تمام احوال ہی فانی ہو چکے ہیں تو اس کا اپنے حال کی نسبت خبر دینا درست نہیں ہو گا۔ اور اسی طرح جب وہ غیر حق سے آرام ہی نہیں پاتا تو وہ کیسے اسے اپنے حال کی نسبت خبر دے اس لئے کہ محبوب کے حال سے غیر کو خبر دینا محبوب کے بھید کو ظاہر کرنا ہے اور حبیب کے بھید کو غیر پر ظاہر کرنا محال ہے اور نیز مشاہدہ حق میں غیر کو دیکھنا محال ہے اور جب غیر کو دیکھنا نہ ہو گا۔ تو خلقت سے آرام پانا کیسے ممکن ہو گا۔

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَلْوَلِیُّ اَنْ لَّا یَکُوْنَ لَہٗ خَوْفٌ لِاَنَّ الْخَوْفَ تَرَقُّبُ مَکْرُوْہٍ یَحُلُّ فِی الْمُسْتَقْبِلِ وَانْتِظَارُ الْمَحْبُوْبِ یَفُوْتُ فِی الْمُسْتَاْنِفِ وَالْوَلِیُّ اِبْنُ وَقْتِہٖ لَیْسَ لَہٗ وَقْتٌ مُسْتَقْبِلٌ فَیَخَافُ شَیْئًا وَکَمَا لَاخَوْفَ لَہٗ لَا رَجَاءَ لَہٗ لِاَنَّ الرَّجَاءَ اِنْتِظَارُ مَحْبُوْبٍ یَحْصُلُ اَوْ مَکْرُوْہٍ یَکْشِفُ وَذٰلِکَ فِی الثَّانِیْ مِنَ الْوَقْتِ وَکَذَالِکَ لَا حُزْنَ لِاَنَّ الْحُزْنَ مِنْ حُزُوْنَۃِ الْوَقْتِ وَمَنْ کَانَ فِیْ ضِیَاءِ الرِّضَاءِ وَنُوْرِ الشُّکْرِ وَرَوْضَۃِ الْمُوَافَقَۃِ فَاَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ حُزْنٌ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ ولی وہ ہے کہ اس کو کوئی خوف نہ ہو۔ کیونکہ خوف زمانہ مستقبل میں کسی تکلیف کے آنے یا کسی محبوب ترین چیز کے فوت ہو جانے سے لاحق ہوتا ہے اور ولی اپنے موجودہ وقت کا پابند ہوتا ہے۔ اس کا زمانہ مستقبل کوئی نہیں۔ کہ وہ اس میں کسی چیز سے ڈرے۔ اور جس طرح اسے خوف نہیں اسی طرح اسے کوئی امید بھی نہیں۔ کیونکہ امید مستقبل میں کسی محبوب چیز کے حاصل ہونے یا تکلیف کے دور ہونے کا انتظار ہوتا ہے اور یہ بھی دوسرے آنے والے وقت میں ہوتا ہے اور ایسے ہی اسے کوئی غم بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ غم وقت کی سختی ناسازگاری اور کدورت سے پیدا ہوتا ہے اور جو شخص رضائے الٰہی کی روشنی اور شکر کے نور اور موافقت کے باغ میں ہو اسے غم کیسے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ الخ (سنو اللہ کے اولیاء کو نہ کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) لیکن عوام کو اس قول سے یہ

خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب ولی کو نہ خوف و امید ہوتی ہے اور نہ غم۔ تو وہ ضرور اپنی عاقبت سے مطمئن ہو گا۔ حالانکہ اسے امن بھی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ امن غیب کے نہ دیکھنے اور موجودہ وقت سے اعراض کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ ان لوگوں کی صفت ہے جو اپنی بشریت کو نہیں دیکھتے اور کسی صفت سے آرام نہیں پاتے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خوف و امید و امن و غم نفس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جب نفس فانی ہو گیا تو رضائے الٰہی بندہ کی صفت ہو گئی اور جب رضائے الٰہی حاصل ہو گئی تو سب احوال حالات کے تبدیل کرنے والے اللہ تعالٰے کی رویت و مشاہدہ میں درست ہو گئے اور اپنے احوال سے اعراض ظاہر ہو گیا۔ تب ولایت دل پر ظہور پذیر ہو گئی اور اس کی حقیقت باطن پر واضح ہو گئی۔

اور حضرت ابوعثمان مغربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَلْوَلِیُّ قَدْ یَکُوْنُ مَشْهُوْرًا وَلَا یَکُوْنُ مَفْتُوْنًا (ولی لوگوں میں مشہور تو ہوتا ہے لیکن مفتون[1] نہیں ہوتا)

اور دوسرے صاحب فرماتے ہیں اَلْوَلِیُّ قَدْ یَکُوْنُ مَسْتُوْرًا وَّ لَا یَکُوْنُ مَشْهُوْرًا (ولی پوشیدہ ہوتا ہے اور عام لوگوں میں مشہور نہیں ہوتا۔ اور یہ بات کہ ولی مشہور نہیں ہوتا کیونکہ اس کی شہرت میں فتنہ ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی سچا ولی لوگوں میں شہرت پائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ فتنہ جھوٹ میں ہوتا ہے اور جھوٹا ولی نہیں ہو سکتا اور نہ کرامت کا اظہار جھوٹے کے ہاتھ پر ممکن ہے۔ پس ایسی صورت میں چاہیئے کہ فتنہ اس کے حال سے ساقط ہو جائے۔ دراصل ان دونوں اقوال کا تعلق اس اختلاف سے ہے۔ کہ ولی اپنے آپ کو نہیں پہچانتا کہ وہ ولی ہے کیونکہ اگر وہ پہچان لے تو وہ مشہور ہو جائے۔ اور اگر نہ پہچانے۔ تو فتنہ میں ڈالا جائے اور اس کی شرح بہت طویل ہے اور میں نے حکایت میں دیکھا ہے کہ حضرت ابراہیم ادہم رحمہ اللہ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ خدا تعالٰے کے اولیا میں سے ایک ولی تو ہو جائے اس نے کہا ہاں میں چاہتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا۔ لَا تَرْغَبْ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَفَرِّغْ نَفْسَكَ لِلّٰهِ وَاَقْبِلْ بِوَجْهِكَ

[1] مفتون - فتنے میں ڈالا ہوا۔

عَلَیْہِ دنیا و آخرت کی کسی چیز کی رغبت نہ کر اور اپنے نفس کو اللہ تعالےٰ کے لئے بالکل خالی کر دے۔ اور اپنی توجہ حق تعالیٰ کی طرف لگا دے۔ کیونکہ دنیا کی طرف رغبت کرنا اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر ایک فانی چیز کی طرف رغبت کرنا ہے۔ اور عقبیٰ کی طرف رغبت کرنا مولیٰ سے منہ موڑ کر ایک باقی چیز کی طرف رغبت کرنا ہے۔ اور جب فانی چیز کی طرف سے اعراض ہوگا تو فانی چیز فنا ہو جائے گی اور وہ اعراض کرنا بھی فنا ہو جائے گا اور جب باقی چیز کی طرف سے اعراض ہوگا۔ تو بقا پر فنا روا نہیں۔ پس اس کے اعراض پر بھی فنا روا نہ ہو گی۔ فائدہ اس کا یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ کو دنیا و عقبےٰ کے بدلے ہرگز نہ چھوڑے اور آپ نے فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کی دوستی کے لئے فارغ کر دے۔ اور دنیا و عقبےٰ کو اپنے دل میں کوئی راہ نہ دے اور اپنی دلی توجہ حق تعالےٰ کی طرف رکھے اور جب یہ اوصاف تیرے اندر موجود ہوں گے۔ تو تو ولی ہو جائے گا اور حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک دفعہ لوگوں نے پوچھا کہ ولی کسے کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔ اَلْوَلِیُّ هُوَ الصَّابِرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَالنَّهْیِ (ولی وہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے امر و نہی پر صابر ہو) اس لئے کہ جس کے دل میں محبت الٰہی زیادہ ہو۔ اللہ تعالےٰ کا حکم اس کے دل پر زیادہ باعظمت ہوتا ہے اور اس کی منع کردہ چیز دل سے وہ زیادہ دور ہوتا ہے۔ نیز آپ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ ایک دفعہ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ فلاں شہر میں ایک ولی ہے۔ میں اٹھا اور اس کی زیارت کا قصد کیا جب میں اس کی مسجد میں پہنچا۔ تو وہ اپنے گھر سے باہر نکلا۔ اور مسجد میں قبلہ کی طرف تھوک دیا یہ دیکھ کر میں اسے سلام کئے بغیر وہاں سے واپس لوٹا۔ اور میں نے دل میں کہا۔ کہ ولی کو چاہئے کہ اپنے اوپر شریعت کی حفاظت لازم کرے۔ تاکہ اللہ تعالےٰ اس کے حال کو اپنی نگاہ میں رکھے۔ اگر یہ آدمی ولی ہوتا تو حرمت قبلہ کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کی طرف تھوک نہ پھینکتا اور صحت کرامت کے پیش نظر اس کے حق کی رعایت کرتا آپ نے فرمایا کہ اسی رات میں نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ کہ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اے بایزید! جو عمل تو نے کیا اس عمل کی برکتیں تیرے اندر پہنچ گئیں۔ دوسرے روز میں اس درجہ تک پہنچ گیا جو تم مجھے دیکھتے ہو۔ میں نے

سنا ہے کہ کوئی شخص حضرت ابوسعیدؒ کے پاس آیا اور پہلے بایاں پاؤں اس نے مسجد میں رکھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ اس کو واپس لوٹا دو کیونکہ جو شخص خانہ خدا میں اندر آنا نہیں جانتا وہ ہمیں نہیں چاہیئے۔

اور ملحدینؒ میں سے ایک گروہ نے اللہ ان پر لعنت کرے اس بزرگ طریق سے کسی طرح تعلق پیدا کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ریاضت و مجاہدہ اتنا چاہیئے کہ بالآخر بندہ ولی ہو جائے اور جب وہ ولی ہو گیا تو عمل کی ضرورت نہ رہی اور یہ کھلی گمراہی ہے۔ حق تعالےٰ کے راستہ میں کوئی ایسا مقام نہیں کہ جہاں اعمال کے ارکان میں سے کوئی رکن اٹھ جائے اور اس کی ضرورت نہ رہے میں اپنے مقام پر انشاء اللہ اس کی پوری شرح بیان کروں گا۔

چوتھی بحث

کرامت کا ثابت کرنا

جاننا چاہیئے کہ سچے ولی سے کرامت کا ظہور جائز ہے اور تمام اہل سنت و جماعت اس پر متفق ہیں اور عقل کی رو سے بھی یہ بات محال نہیں۔ کیونکہ اس قسم کی بات خداوند تعالےٰ کی قدرت ہے اور نہ شریعت کے اصول میں سے کسی اصل کے منافی ہے اور لوگوں کے باطل خیالات اور اوہام کی وجہ سے معجزے اور کرامت سے ارادت دور نہیں ہو سکتی۔ اور کرامت ولی کی صداقت کی علامت ہوتی ہے اور اس کا ظہور جھوٹے سے جائز نہیں۔ بجز اس کے کہ اس کے دعوے کے جھوٹا ہونے کی علامت ہو گی۔

اور کرامت وہ خلاف عادت قول یا فعل ہے جو کسی نیک آدمی سے تکلیف شرعی کی موجودگی میں سرزد ہوتا ہے اور جو شخص حق تعالےٰ کے جتلانے سے صدق کو کذب سے جدا کرے تو وہ بھی ولی ہوتا ہے اور اہل سنت و جماعت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ کرامت درست ہے لیکن حد معجزہ تک نہیں۔ مثلاً دعا کا قبول ہونا اور اس سے مراد کا حاصل ہونا اور اسی قسم کے دوسرے افعال کا ظہور جو عادت کے خلاف ہوں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ تمہیں کسی ولی صادق کے ذریعہ کسی خلافِ عادت

لہ بے دین

فعل کے ظہور میں، تکلیف شرعی کے موجود ہوتے ہوئے، کیا قباحت نظر آتی ہے؟
اگر وہ کہیں کہ یہ کام خدا تعالےٰ کی قدرت میں نہیں تو یہ صریح گمراہی ہے اور اگر وہ کہیں
کہ مقدور تو ہے۔ لیکن ایک ولی صادق کے ہاتھ پر کسی خلاف عادت امر کا ظاہر ہونا
نبوت کا باطل کرنا ہے اور انبیاء کی تخصیص کی نفی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی
محال ہے کیونکہ ولی کرامت سے مخصوص ہوتا ہے اور نبی معجزہ سے وَالْمُعْجِزَةُ لَمْ
تَكُنْ مُعْجِزَةً بِعَيْنِهَا اِنَّمَا كَانَتْ مُعْجِزَةً لِحُصُوْلِهَا وَمِنْ شَرْطِهَا
اِقْتِرَانُ دَعْوَى النُّبُوَّةِ بِهَا. فَالْمُعْجِزَاتُ تَخْتَصُّ لِلْاَنْبِيَاءِ وَالْكَرَامَاتُ
تَكُوْنُ لِلْاَوْلِيَاءِ (اور معجزہ بعینہٖ معجزہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ حاصل ہونے کی وجہ
سے ہی ہوتا ہے اور اس کی شرط یہ ہے کہ نبوت کا دعوےٰ بھی اس کے ساتھ شامل
ہو پس معجزات انبیاء کے لئے مختص ہیں اور کرامات اولیاء کے ساتھ) اور جب
ولی ولی ہو۔ اور نبی نبی تو ان کے درمیان کوئی شبہ نہیں ہوتا کہ اس سے بچنا پڑے
اور انبیاء علیہم السلام کے مرتبہ کا شرف، رتبہ کی بلندی اور عصمت کی صفائی کی
وجہ سے ہوتا ہے۔ نہ محض معجزہ یعنی خلاف عادت امور و افعال کے ظاہر کرنے سے
اور سب کے اتفاق سے انبیاء کے تمام معجزات خلاف عادت ہوتے ہیں اور
اصل اعجاز میں تمام معجزے مساوی ہوتے ہیں۔ لیکن درجات میں ایک کو
دوسرے پر فضیلت ہوتی ہے اور جب یہ جائز ہے کہ خلافِ عادت افعال
کے ظاہر کرنے کے باوجود ان کو ایک دوسرے پر فضیلت ہو تو کیوں جائز نہیں
کہ ولی کو بھی کرامت اور خلاف عادت فعل کے ظاہر کرنے کی قدرت حاصل ہو
اور انبیاء کو ان اولیاء سے زیادہ فضیلت ہو۔ اور جب وہاں خلاف عادت
فعل ایک دوسرے پر ان کی فضیلت اور تخصیص کا باعث نہیں ہوتا۔ تو یہاں
بھی فعل خلافِ عادت ایک ولی کو دوسرے ولی پر تخصیص کا سبب نہیں ہوتا اور
نہ وہ ان کے ساتھ برابر ہوتے ہیں۔ اور جس عقلمند کو یہ دلیل معلوم ہو جائیگی
اس کے دل سے یہ شبہ اٹھ جائے گا۔ اور اگر کسی کو یہ خیال ہو۔ کہ اگر ولی کے

خلاف عادت کرامت حاصل ہو تو وہ نبوت کا دعوے کرے گا۔ تو اس کا یہ خیال بالکل محال ہے۔ کیونکہ ولایت کی شرط سچ بولنا ہے اور حقیقت کے خلاف کسی بات کا دعوے جھوٹ ہوتا ہے۔ اور جھوٹا ولی نہیں ہو سکتا اور اگر ولی نبوت کا دعوے کرے تو وہ معجزہ میں نکتہ چینی کرتا ہے اور یہ کفر ہے دوسرے یہ کہ کرامت سوائے مومن فرمانبردار کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتی اور جھوٹ نافرمانی ہے نہ کہ فرمانبرداری۔ اور جب ولی کی کرامت نبی کی حجت کے ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے تو طعن کرنے سے کرامت و معجزہ کے درمیان کوئی شبہ نہیں پڑتا۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم معجزہ کے ثابت کرنے سے اپنی نبوت کو ثابت فرماتے ہیں اور ولی کرامت سے آپ کی نبوت کو بھی ثابت کرتا ہے اور اپنی ولایت کی بھی تصدیق کرتا ہے پس سچا ولی وہی بات کہتا ہے جو ایک سچا نبی کہتا ہے۔ اور ولی کی کرامت نبی کا عین معجزہ ہوتی ہے۔ اور ایک مومن کو ولی کی کرامت دیکھنے سے نبی کی صداقت پر زیادہ یقین ہو جاتا ہے نہ کہ اس میں کوئی شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان کے دعوے میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ کہ ایک دوسرے کی نفی کرے۔ بلکہ کسی ولی کا دعوے بعینہٖ نبی کے دعوے کی دلیل ہوتا ہے جیسا کہ شریعت میں جب وارثوں کا ایک گروہ دعوے میں متفق ہو۔ تو جب ایک کی حجت ثابت ہو جائے گی۔ تو اس کی حجت دوسروں کی بھی حجت ہو گی! کیونکہ وہ سب دعوے میں متفق ہیں۔ اور جب دعوے میں تضاد ہو گا۔ تو اس وقت ایک کی حجت دوسروں کی حجت نہ ہو گی۔ پس جب نبی معجزہ سے اپنی نبوت کے صحیح ہونے کا مدعی ہو۔ اور ولی اس کے دعوی میں اس کی تصدیق کرے تو اس شبہ کا ثابت ہونا محال ہے

واللہ اعلم بالصواب

پانچویں بحث

معجزہ اور کرامت میں فرق

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزہ و کرامت کا ظہور محال ہے تو لامحالہ معجزہ و کرامت میں بھی فرق زیادہ واضح ہونا چاہیئے تاکہ وہ اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ سو جاننا چاہیئے کہ معجزات کی شرط تو ان کو ظاہر کرنا ہے اور کرامات کی شرط ان کو چھپانا ہے کیونکہ معجزہ کا فائدہ تو غیر کو پہنچتا ہے اور کرامت صرف صاحب کرامت کے لیئے ہوتی ہے۔ نیز صاحب معجزہ (نبی) قطعی طور پر جانتا ہے کہ یہ عین معجزہ ہے اور ولی قطعی طور پر نہیں جانتا کہ یہ کرامت ہے یا استدراج اور علاوہ ازیں نبی حکم الٰہی سے شریعت میں تصرف کرتا ہے اور اس کے حکم سے اوامر و نواہی کو ترتیب دیتا ہے اور ولی کو شریعت کے معاملہ میں نبی کے احکام کو تسلیم و قبول کرنے کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔ اس لیئے کہ کسی طرح سے بھی ولی کی کرامت نبی کی شریعت کی مخالف نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب تو نے کہا کہ معجزہ ایک خلاف عادت فعل ہے اور نبی کی صداقت کی دلیل۔ اور پھر اس خلاف عادت فعل کو غیر نبی کے لیے بھی جائز رکھتا ہے تو وہ فعل عادت کے موافق ہو جائے گا اور اس صورت میں تو اثبات کرامت کی یہ دلیل اثبات معجزہ کی دلیل کو باطل ٹھہرائیگی تو میں جواب دونگا کہ امر واقعہ میں ایسا نہیں ہے جیسا کہ تو نے خیال کیا ہے کیونکہ اعجاز خلقت کی عادت کے خلاف ہوتا ہے لہٰذا ولی کی کرامت عین معجزہ نبی ہوتی ہے اور وہی دلیل ظاہر کرتی ہے جو معجزہ نبی نے ظاہر کی ہے پس اعجاز اعجاز کو باطل کرنے والا نہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو مکہ میں جب کافروں نے سولی پر چڑھا دیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مسجد نبوی کے اندر بیٹھے ہوئے اس کو دیکھ رہے تھے اور کافر ان سے جو سلوک کر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے اصحاب سے بیان فرما رہے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب کی آنکھ پر سے حجاب ہٹا دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور آپ کو سلام کیا اور خداوند تعالیٰ نے ان کا سلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک پہنچا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ان کو سنوا دیا اور آپ نے خبیبؓ کے لیئے دعا کی

یہاں تک کہ ان کا رخ قبلہ کی طرف داخل بحق ہو کر ہوگیا پس ظاہر ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو مدینہ سے دیکھ لینا۔ حالانکہ وہ اس وقت مکہ میں تھے ایک فعل خلاف عادت اور معجزہ تھا اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے دیکھ لینا ان کی کرامت تھی۔ اس لئے کہ سب کے اتفاق سے غائب کو دیکھ لینا خلاف عادت ہوتا ہے پس غیبت زمان اور غیبت مکان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا حضرت خبیبؓ کی کرامت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبت مکان کی حالت میں اور اولیاء متاخرین کی کرامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غیبت زمان کی حالت میں دونوں برابر ہیں اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کرامت کا معجزہ کی ضد ہونا محال ہے کیونکہ کرامت صاحب معجزہ کی تصدیق کے سوا کسی اور صورت میں ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ تصدیق کرنے والے اطاعت گزار مومن کے سوا کسی اور کے ہاتھ پر ظاہر ہو سکتی ہے کیونکہ امت کی کرامتیں برابر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت باقی ہے لہٰذا اس کی حجت کا باقی رہنا بھی ضروری ہے پس اولیاء اللہ رسول کی رسالت کی صداقت پر گواہ ہوتے ہیں اور یہ جائز نہیں کہ دین رسول سے بیگانہ کسی شخص کے ہاتھ پر کرامت ظاہر ہو اور اس معنی کی تائید میں حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ سے ایک حکایت بیان کرتے ہیں جو اس مقام کے بہت ہی مناسب ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں اپنی عادت کے مطابق تنہا جنگل میں جا رہا تھا ابھی تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ایک گوشہ میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس نے مجھ سے مصاحبت کی درخواست کی میں نے اس پر نگاہ ڈالی تو اس کے دیکھنے سے مجھے نفرت سی ہوئی میں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے کہا اے ابراہیم! رنجیدہ خاطر نہ ہو جئے میں نصاریٰ اور ان کے پادریوں میں سے ہوں لیکن آپ کی صحبت کی امید پر ملک روم کے دور دراز شہروں سے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جب مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ ایک اجنبی ہے تو میرا دل مطمئن ہو گیا اس کی صحبت اور اس کے حق رفاقت کو ادا کرنے کے لئے بخوشی تیار ہو گیا میں نے کہا اے نصاریٰ کے راہب! میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں مجھے ڈر ہے کہ تمہیں اس جنگل میں رنج پہنچے اس نے جواب دیا اے ابراہیم! عالم میں تیری اتنی شہرت ہے اور تو ابھی تک

کھانے پینے کی نہ غم رکھتا ہے۔ میں نے اس کی اس خوش دلی سے تعجب کیا اور اس بات
کا تجربہ کرنے کے لئے کہ وہ اپنے دعوٰی میں کہاں تک سچا ہے اور کس درجہ میں ہے،
اس کو اپنی صحبت میں قبول کر لیا۔ جب ہم سات رات دن تک چلتے رہے تو ہمیں
پیاس لگی اور وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اے ابراہیم! عالم میں تیری اتنی شہرت ہے کہ
تجھ کو اللہ تعالیٰ کی جناب میں بے تکلفی اور ناز حاصل ہے کوئی کرامت دکھا کیونکہ مجھ میں پیاس
کے مارے چلنے کی طاقت نہیں رہی۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے سر زمین پر رکھ
کر دعا کی کہ بار خدایا! مجھے اس کافر کے سامنے ذلیل نہ کیجیو کیونکہ اسے عین بیگانگی
میں مجھ پر حسن ظن اور نیک خیال ہے کیا بات ہے اگر تو اس کافر کے ظن کو میرے
متعلق صحیح کر دے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں نے سر اٹھایا تو ایک طبق دیکھا جس
میں دو روٹیاں اور دو پیالے شربت کے رکھے ہیں ہم دونوں نے کھایا پیا اس سے
چلتے رہے۔ [illegible] جب سات دن گذر گئے تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے بھی اس نصرانی
کا تجربہ کرنا چاہئے تاکہ پیشتر اس کے کہ وہ کسی بات میں میرا امتحان کرے اور میرے
ساتھ معاملہ کرے وہ خود اپنی ذلت کو دیکھ لے میں نے کہا اے نصرانی راہب!
آج تیری باری ہے لاؤ کچھ تیرے پاس اپنی ریاضت کا ثمرہ ہے اس نے
بھی سر زمین پر رکھ کر کچھ کہا تو ایک طبق نمودار ہوا جس پر چار روٹیاں اور چار پیالے
شربت کے رکھے تھے۔ مجھے اس بات سے سخت تعجب ہوا اور دل میں بہت
پیچ و تاب پیدا ہوا اور میں اپنی حالت سے نا امید ہو گیا میں نے کہا کہ میں تو اس سے ہرگز
نہیں کھاؤں گا کیونکہ یہ کافر کے لئے ظاہر ہوا ہے اور یہ یقیناً غیر اللہ کی طرف
سے امداد ہے میں یہ کب کھا سکتا ہوں؟ اس نے مجھ سے کہا اے ابراہیم!
کھا لیجئے میں نے کہا میں تو نہیں کھاؤں گا۔ اس نے پوچھا کیوں؟ میں نے جواب
دیا کہ تو اس بات کا اہل نہیں اور یہ کرامت تیرے حال کے مناسب نہیں اور
میں حیرت میں ہوں کہ اس کام پر متعجب ہوں اگر اس کو کرامت پر محمول کرتا ہوں تو کرامت
کا ظہور کافر سے روا نہیں اور اگر اس کو معونت کہوں تو [illegible]
کسی [illegible] کر رہا ہے تو جو شخص اسلام کو قبول کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے
کہا۔ اے ابراہیم! کھا لیجئے۔ مجھے دو باتوں کی بشارت ہو ایک تو میرے

اسلام لانے کی: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے سچے رسول ہیں) اور دوسرے اس بات کی کہ تیرا اللہ کے نزدیک بہت بڑا رتبہ ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیونکر؟ اس نے جواب دیا کہ اس طرح کہ درحقیقت ہمیں روحانی کشف اور کرامت حاصل نہیں ہو سکتی میں نے آپ کی شرم اور توسط سے سر زمین پر رکھ کر دعا کی کہ بار خدایا! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین برحق ہے اور تجھے پسند ہے تو مجھے دو روٹی اور دو پیالے شربت عطا کر اور اگر ابراہیم خواص تیرا ولی ہے تو مجھے دو روٹیاں اور دو پیالے شربت کے اور مرحمت فرما جب میں نے سر اٹھایا تو یہ طبق حاضر پایا۔ پھر حضرت ابراہیمؒ نے الحمد للہ پڑھ کر اس میں سے کھا لیا اور وہ جوانمرد راہب دینِ اسلام کے بزرگوں میں سے ایک بزرگ ہو گیا اور یہ عین معجزہ نبی ہے جس میں کرامت ملی ہوئی ہے اور یہ بہت ہی نادر ہے کہ نبی کی غیر موجودگی میں غیر نبی کی دلیل ظاہر ہو اور ولی کے سامنے غیر ولی کو ولی کی کرامت نصیب ہو اور درحقیقت ولایت کی انتہا نبوت کی ابتدا کے بغیر نہیں ہوتی اور وہ راہب فرعون کے جادوگروں کی طرح مخفی اولیاء میں سے تھا پس حضرت ابراہیم خواص نے نبی کے معجزہ کی سچائی ثابت کر دی اور وہ دوسرا شخص نبوت کی سچائی بھی طلب کرتا تھا اور ولایت کی عزت بھی خدا تعالیٰ نے اپنے حسنِ عنایتِ ازلی سے اس کا مقصود حاصل کرا دیا اور یہ کرامت و اعجاز میں ظاہر فرق ہے اور اس کے متعلق کلام بہت ہے اور یہ کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی اور کرامت کا اظہار اولیاء پر ایک دوسری کرامت ہے لیکن اس کی شرط اس کا مخفی رکھنا ہے نہ کہ تکلف سے اس کو ظاہر کرنا اور میرے شیخ نے فرمایا ہے کہ اگر ولی ولایت کو ظاہر کرے اور اس کا دعویٰ کرے تو اس کے حال کی صحت کو کچھ نقصان نہیں دیتا بشرطیکہ اظہار میں عجز و انکسار ہو لیکن اس کے ظاہر کرنے میں تکلف کرنا سرکشی ہے واللہ اعلم۔

چھٹی بحث

مُدعی الوہیت کے ہاتھ پر خرقِ عادت کا اظہار

تمام مشائخ طریقت اور اہل سنت وجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معجزہ اور کرامت کی طرح خلافِ عادت فعل کا ظہور کسی کافر کے ہاتھ پر بھی ہو سکتا ہے جب کہ اس عمل کے ظہور میں شبہ کے اسباب بالکل پائے نہ جائیں اور کسی کو اس کے جھوٹے ہونے میں شک نہ ہو لیکن اس خارقِ عادت فعل کا ظہور درحقیقت اس کافر کے جھوٹ پر دلالت کرتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ فرعون نے چار سو سال عمر پائی اتنے عرصہ میں اسے کوئی بیماری نہ ہوئی اور پانی اس کے پیچھے اوپر کو چڑھتا تھا جب وہ کھڑا ہو جاتا تو پانی بھی ٹھہر جاتا اور جب وہ چلتا تو پانی بھی چلنے لگتا تھا لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس نے خدائی کا جو دعویٰ کیا عقلمندوں کو اس دعویٰ کے جھوٹ ہونے میں کوئی شبہ و شک نہیں ہوا کیونکہ عقل مند اس بات کو ماننے پر مجبور ہیں کہ خداوند عزّ اسمہٗ مرکب اور مجسم نہیں۔ اور اگر ایسے افعال اور بھی بہت سے اس سے ظاہر ہوتے تو بھی عاقل کو اس کے دعویٰ کے جھوٹ ہونے پر شک نہ ہوتا اور وہ خلاف عادت امور جو باغ ارم کے مالک شداد اور بادشاہ نمرود کی نسبت بیان کیے جاتے ہیں ان کو اسی پر قیاس کرنا چاہیے اور ویسے ہی مخبر صادق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجال ظاہر ہوگا اور وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور دو پہاڑ اس کے دائیں بائیں چلتے ہوں گے دائیں طرف نعمت کا اور بائیں طرف عذاب دینے کا اور وہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے گا اور جو شخص اسے نہ مانے گا اسے وہ عذاب دیگا اور خداوند تعالیٰ اس کی گمراہی کی وجہ سے لوگوں کو مارے گا اور زندہ کریگا اور تمام جہان میں اس کا حکم مطلق پھیلا دیا جائے گا اور اگر اس کی بجائے سو گنا افعال خلاف عادت اس دجال سے ظاہر ہوں تو بھی عاقل کو ان کے جھوٹ بولنے میں کوئی شبہ نہیں ہوگا کیونکہ عقلمند آدمی کو ضرور معلوم ہوگا کہ خدا نہ تو گدھے پر سوار ہوتا ہے اور نہ تغیر و تبدل پذیر اور اندھا ہوتا ہے چنانچہ اس کی سب خارقِ عادت باتوں پر استدراج[1] کا حکم لگایا جائے گا اور یہ بھی جائز ہے کہ

---

[1] وہ خلاف عادت امور جو کسی کافر اور بےدین کے ہاتھ پر ظاہر ہو جائیں ۱۲

رسالت کے جھوٹے مدعی کے ہاتھ پر کوئی فعل خارق عادت ظاہر ہو جو اس کے جھوٹ کی دلیل ہو جیسا کہ سچے (نبی) کے ہاتھ پر اس کی صداقت کی علامت ہوتا ہے لیکن یہ روا نہیں کہ کوئی ایسا فعل ظاہر ہو جس میں کسی کو کوئی شبہ واقع ہو اور جب شبہ کا ثابت ہونا جائز ہو تو جھوٹے کو سچے اور سچے کو جھوٹے سے لوگ پہچان سکتے ہیں۔ اس وقت طالب نہیں جانتا کہ کس کی تصدیق کرے اور کس کی تکذیب اور اس وقت نبوت کا حکم اسی سبب سے بالکل باطل ہو جاتا ہے اور روا ہے کہ ولایت کے مدعی کے ہاتھ پر کرامت کی قسم کی کوئی چیز ظاہر ہو جو دین میں درست ہو اگرچہ اس کا عمل اچھا نہ ہو اس لئے کہ وہ اس سے رسول کی صداقت ثابت کرتا ہے اور اللہ کا فضل ظاہر کرتا ہے نہ کہ اس فعل کو جو اپنی قوت اور طاقت کی طرف نسبت کرتا ہے اور جو شخص اصل ایمان میں بغیر دلیل کے سچا ہوتا ہے وہ تمام احوال میں ولی کا اعتقاد وصف ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اگرچہ اس کے اعمال اس کے اعتقاد کے موافق نہ ہوں باایں ہمہ ولایت کا دعویٰ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے منافی نہیں جیسا کہ ایمان کا دعویٰ اس کے منافی نہیں کیونکہ کرامت اور ولایت اللہ تعالیٰ کی بخششوں میں سے ہے نہ کہ بندہ کے کسبوں میں سے پس بندہ کا کسب ہدایت اور بخشش خداوندی کے لئے علت نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس سے پہلے میں نے کہہ دیا ہے کہ اولیاء معصوم نہیں ہوتے کیونکہ عصمت نبوت کی شرط ہے لیکن وہ ایسے گناہ سے ضرور محفوظ ہوتے ہیں کہ اس کا وجود ولایت کی نفی کا اقتضا کرے اور ولایت کی نفی اس چیز سے ہوتی ہے جو ایمان کی نفی کرے پس ایسی چیز کے ارتکاب سے بندہ مرتد ہوتا ہے نافرمان نہیں اور یہی مذہب حضرت محمد بن علی حکیم ترمذیؒ و جنیدؒ و ابوالحسن نوریؒ و حارث محاسبیؒ اور ان کے علاوہ اور بہت سے اہل حقائق کا ہے لیکن اہل معاملات مثلاً حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ اور ابو سلیمان دارانیؒ اور ابو حمدون قصارؒ کا مذہب یہ ہے کہ ولایت کی شرط بندگی پر ہمیشہ قائم رہنا ہے اور جب کبیرہ گناہ اس سے سرزد ہوتا ہے تو ولایت سے معزول ہو جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ بندہ کبیرہ گناہ کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوتا پس کوئی ولایت دوسری ولایت سے بہتر نہیں اور چونکہ ولایت معرفت جو تمام کرامتوں کا

اصل اور سرچشمہ ہے محض معصیت کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی تو محال ہے کہ جو ولایت شرف و کرامت میں اس سے کم درجہ کی ہے وہ معصیت سے زائل ہو جائے اور اس مسئلہ میں مشائخ کرام کا بہت بڑا اختلاف ہے اور میرا مقصود یہاں سب کو ثابت کرنا نہیں لیکن سب سے ضروری اور اہم چیز اس باب کی معرفت میں یہ ہے کہ تمہیں اس بات کا یقینی علم ہونا چاہیئے کہ یہ کرامت ولی سے کس حال میں واقع ہوتی ہے۔ حالتِ صحو میں یا حالتِ سکر میں؟ حال کے غلبہ میں یا حال پر غالب ہونے کی صورت میں؟ اور صحو و سکر کی تشریح حضرت بایزید رحمۃ اللہ کے ذکر میں بیان کر چکا ہوں اور حضرت بایزیدؒ و ذوالنون مصریؒ و محمد بن خفیفؒ و حسین بن منصورؒ و یحییٰ بن معاذ رازی رحمہم اللہ اور ایک جماعت صوفیا اس پر متفق ہیں کہ کرامت کا ظہور ولی سے سوائے حالتِ سکر کے اور کسی حال میں نہیں ہوتا اور جو حالتِ صحو میں ہو وہ معجزۂ انبیاء ہوتا ہے اور یہ ان مشائخ کے مذہب میں معجزہ و کرامت کے درمیان واضح فرق ہے کہ کرامات کا اظہار ولی سے اس کے سکر کی حالت میں ہوتا ہے کیونکہ وہ مغلوب الحال ہوتا ہے اور اس کے لئے کوئی دعوت نہیں ہوتی اور معجزہ کا ظہور نبی سے حالتِ صحو میں ہوتا ہے کیونکہ وہ تحدی کرتا ہے اور لوگوں کو اس کے معارضہ کے لئے بلاتا ہے اور صاحبِ معجزہ کو حکم الٰہی کی رو سے دونوں طرفوں میں سے کسی ایک کے کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے یعنی ضرورت کے موقع پر اس کو ظاہر کرنا یا اس کو مخفی رکھنا لیکن اولیا کو یہ بات حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ان کو کرامت میں اختیار نہیں ہوتا اور ولی کبھی کرامت چاہتا ہے تو ظاہر نہیں ہوتی اور کبھی نہیں چاہتا تو ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ولی لوگوں کو دعوت دینے کے لئے مبعوث نہیں ہوتا ہے کہ اس کا حال اوصاف کے باقی رہنے کے ساتھ منسوب ہو کیونکہ وہ تو پوشیدہ ہوتا ہے اور اس کا حال صفت کے فنا ہونے سے موصوف ہوتا ہے پس نبی صاحبِ شریعت ہوتا ہے اور ولی صاحبِ سِر، پس ضروری ہے کہ کرامت سوائے دہشت، غیبت اور مدہوشی کی حالت کے کسی اور حالت میں ظاہر نہ ہو اور اس کا سب تصرف حق تعالیٰ کے تصرف کی وجہ سے ہوتا ہے اور جس شخص کا حال ایسا ہو، اس کا سب کلام تالیف اور مشاہدہ حق سے ہوتا ہے اس لئے کہ بشریت کی صفت کی صحت یا فاعل کا محل ہو

حاصل ہوتی ہے یا بھولنے والے کو یا بالکل اللہ والے کو۔ پس انبیاء نہ غافل ہوتے ہیں نہ غلطی کرنے والے۔ اور سوائے انبیاء علیہم السلام کے صحیح معنوں میں اللہ والا اور کوئی نہیں ہوتا۔ اب رہ گئے اولیاء سو جب تک وہ بشریت کے حال کو قائم رکھتے ہوئے باہوش ہوتے ہیں، حق تعالیٰ سے حجاب میں ہوتے ہیں، اور جب مشاہدہ کرنے والے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے امکان کی حقیقت میں بے ہوش اور متحیر ہو جاتے ہیں اور کرامت کا ظہور سوائے حالتِ کشف کے اور کسی حالت میں درست نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان کے قرب کا درجہ ہوتا ہے اور اس وقت ہوتا ہے کہ پتھر اور سونا ان کے نزدیک یکساں ہوتا ہے اور کسی صورت میں بھی یہ حالت سوائے انبیاء کے کسی اور آدمی کی صفت نہیں ہوتی اور اگر ایسی صفت کسی میں پائی بھی جائے تو بالکل عارضی یا حالتِ سکر میں ہوگی۔ چنانچہ ایک روز حارثہؓ نے دنیا سے کنارہ کش ہوتے وقت دنیا میں عقبیٰ کا مکاشفہ کرتے ہوئے فرمایا: عَزَفَتْ نَفْسِي عَنِ الدُّنْيَا فَاسْتَوٰى عِنْدِي حَجَرُهَا وَذَهَبُهَا وَمَدَرُهَا۔
(میرے نفس نے دنیا سے اعراض کیا تو میرے نزدیک اس کا پتھر اور سونا چاندی اور ڈھیلا سب برابر ہو گئے) دوسرے روز لوگوں نے ان کو دیکھا کہ کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے کام کر رہے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے حارثہ! کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ روزی تلاش کر رہا ہوں کہ اس سے چارہ نہیں اس وقت ویسی حالت تھی اور اب اس وقت ایسی حالت ہے پس اولیاء کے صحو کے مقام کو عوام کا درجہ ہوتا ہے اور ان کے مقام سکر کو انبیاء کا درجہ جب وہ باہوش ہوتے ہیں تو اپنے آپ کو عام لوگوں میں سے ایک معمولی آدمی سمجھتے ہیں اور جب حالتِ سکر میں بے ہوش ہو جاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ان کی بے ہوشی پاکیزہ ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کے لئے تہذیب یافتہ ہو جاتے ہیں اور سارا عالم ان کے حق میں سونا ہو جاتا ہے۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں
ذَهَبٌ اَيْنَمَا ذَهَبْنَا وَدُرٌّ حَيْثُ دُرْنَا وَفِضَّةٌ فِي الْفَضَاءِ
(جہاں ہم چلے گئے سونا ہے اور جہاں ہم گھومے وہاں موتی ہیں اور فضا میں چاندی ہے)۔

اور حضرت استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت طرانی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ابتدائے حال کی نسبت دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ مجھے پتھر کی ضرورت ہوتی تو سرخس کے دریا سے جو پتھر میں اٹھاتا تھا وہ ایک موتی ہو جاتا تھا اور میں پھر اس کو پھینک دیتا تھا اور یہ اس لیے ہوتا تھا کہ دونوں آپ کے نزدیک یکساں ہوتے تھے بلکہ موتی زیادہ ذلیل ہوتا تھا کیونکہ آپ کو اس کی خواہش نہ ہوتی تھی بلکہ آپ کو پتھر کی ضرورت ہوتی تھی۔

اور خواجہ امام خزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے سرخس میں سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ میں بچہ تھا اور ایک محلہ میں ریشم کے کیڑوں کے لیے توت کے پتوں کی تلاش میں گیا ہوا تھا چنانچہ میں ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اس کی شاخ کو ہلایا کہ شیخ ابوالفضل بن الحسن کا اس کوچہ میں گزر ہوا اور میں درخت پر چڑھا ہوا تھا۔ آپ نے مجھے نہ دیکھا اور مجھے کوئی شک نہ ہوا کہ وہ مدہوش ہیں اور دل سے خدا کی طرف متوجہ ہیں۔ اتنے میں آپ سر اٹھا کر فرمانے لگے بار خدایا! ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا کہ تو نے مجھے ایک دانگ تک نہ دیا کہ میں سر کے بال منڈوا لوں، کیا دوستوں سے ایسا ہی سلوک روا رکھتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ اس وقت درختوں کے تمام پتے اور ٹہنیاں اور جڑیں میں نے سنہری دیکھیں پھر آپ نے فرمایا یہ عجیب معاملہ ہے کہ ہمارا اشارہ دنیا سے اعراض کرنا ہے دل کی کشائش کے لیے تجھ سے کوئی بات نہیں کہہ سکتے اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ کی نسبت روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نے چار ہزار دینار سب کے سب دریائے دجلہ میں پھینک دیئے لوگوں نے پوچھا آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے جواب دیا پتھر پانی میں بہتر ہیں۔ لوگوں نے کہا کیوں آپ اور لوگوں کو نہیں دیتے؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! میں خدا تعالیٰ کے حضور میں کیا جواب دے سکونگا کہ حجاب اپنے دل سے اٹھا کر مسلمان بھائیوں کے دل پر رکھ دیا اور یہ دین کی شرط نہیں کہ مسلمان بھائی کے واسطے اپنی نسبت زیادہ برائی چاہوں۔ یہ سب سکر کی حالت ہے اور اس کی شرح پہلے میں بیان کر چکا ہوں لیکن یہاں مراد کرامت کا ثابت کرنا ہے اور حضرت جنید و حضرت ابوالعباس سیاری و حضرت ابوبکر واسطی و حضرت محمد بن علی ترمذی رحمہم اللہ اللہ ان سب سے راضی ہو جو صاحب طریقہ ہیں

وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ کرامت حالت صحو و تمکین میں ظاہر ہوتی ہے نہ سکر میں اس لیئے کہ اولیاء اللہ ملک کے مدبر ہیں اور عالم کے احوال سے آگاہ اور خدا تعالیٰ نے ان کو عالم کیلئے حاکم بنا دیا ہے اور اس کا انتظام ان سے متعلق فرمایا ہے اور عالم کے جملہ انجام کو ان کی ہمت سے وابستہ کر دیا ہے پس ضرور ہے کہ سب سے زیادہ صحیح رائے انہی کی ہو اور اللہ کی مخلوق پر سب سے زیادہ شفقت والا دل انہی کا ہو کیونکہ وہ منزل مقصود پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں اور مزاج میں تغیر و سکر حال کی ابتدا میں ہوتا ہے جب منزل مقصود پر رسائی حاصل ہو جائے تو تغیر تمکین سے بدل جاتا ہے اور اسی وقت وہ در اصل ولی ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے اور اہل طریقت کا عقیدہ ہے کہ اوتاد کو چاہیئے کہ ہر رات عالم کے گرد گھومیں اور اگر کوئی ایسی جگہ رہ جائے جہاں ان کی نظر نہ پڑے تو دوسرے روز ایسی جگہ خلل پیدا ہو جاتا ہے تب وہ اپنے وقت کے قطب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنی ہمت مبذول کرے اور وہ خلل عالم سے اس کی برکتوں کی وجہ سے دور ہو جائے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سونا اور مٹی کا ڈھیلا ان کے نزدیک مساوی ہو جاتا ہے، یہ سب سکر کی علامت اور شاہد کی نادرستی ہے کوئی زیادہ شرف و فضیلت کی بات نہیں بلکہ شرف اس میں ہے کہ سونا اس کے نزدیک سونا ہو اور مٹی کا ڈھیلا ڈھیلا تاکہ اس کی خرابی سے آگاہ ہو یہاں تک کہ وہ کہہ سکے یَا صَفْرَاءُ یَا بَیْضَاءُ غُرِّی غَیْرِی لَا لِی (اے زرد! اے سفید! کسی اور کو فریب دے تو مجھے فریب نہیں دے سکتی) کیونکہ میں تیری خرابی سے آگاہ ہوں پس جو شخص تیری خرابی کو دیکھ لیتا ہے اس کو حجاب کا محل سمجھتا ہے جب اس کو ترک کر دیتا ہے تو اس کا ثواب پا لیتا ہے پھر جس شخص کو سونا ڈھیلے کی طرح معلوم ہوا اس کا دینے کو ترک کرنا ٹھیک نہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ چونکہ حضرت حارثہ صاحب سکر تھے اس لیئے انہوں نے کہہ دیا کہ سونا پتھر و ڈھیلا اور چاندی میرے نزدیک یکساں ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صاحب صحو تھے آپ نے دنیا لینے کی خرابی کو دیکھ لیا اور اس کے ترک کرنے کا ثواب انہیں معلوم ہو گیا تو آپ نے اس کو ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ بیوی بچوں کے لیئے تم نے کیا چھوڑا ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وراق ترمذی رحمۃ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز محمد بن علی

رحمۃ اللہ نے مجھ سے فرمایا! اے ابوبکر! آج میں تمہیں ایک جگہ لے جاؤں گا۔ میں نے کہا جیسا حکم ہو تعمیل کے لئے تیار ہوں۔ چنانچہ میں آپ کے ہمراہ چلا گیا۔ ابھی کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ میں نے ایک بہت دشوار گزار جنگل دیکھا جس میں ایک سبز درخت کے نیچے سنہری تخت بچھا ہوا اور اس کے نیچے پانی کا چشمہ جاری تھا اور اس تخت پر ایک شخص نہایت عمدہ لباس پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ محمد بن علی رحمۃ اللہ اس کے پاس گئے تو وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور ان کو اس تخت پر بٹھا دیا جب کچھ وقت گزر گیا تو ہر طرف سے لوگ آنے شروع ہوئے یہاں تک کہ چالیس آدمی جمع ہو گئے۔ اس شخص نے اشارہ کیا تو آسمان سے کھانے کی نہایت عمدہ چیزیں نازل ہوئیں ہم سب نے کھانا سیر ہو کر کھایا اور محمد بن علی رحمۃ اللہ نے اس شخص سے ایک سوال کیا اور اس شخص نے اس کے متعلق بہت کچھ کہا لیکن ایک بات بھی ان میں سے میری سمجھ میں نہ آئی۔ جب تھوڑا سا وقت گزر گیا تو آپ اجازت لے کر واپس ترمذ لوٹے اور مجھ سے فرمایا کہ جا تو سعید ہو گیا۔ جب ہم ترمذ میں واپس آئے تو میں نے عرض کیا اے شیخ! وہ کونسی جگہ تھی اور وہ شخص کون تھا؟ آپ نے فرمایا وہ مقام بنی اسرائیل کا جنگل تھا اور وہ شخص قطب[۱] مدار علیہ تھا۔ میں نے پوچھا اے شیخ! ہم اتنے وقت میں ترمذ سے بنی اسرائیل کے جنگل میں کیونکر پہنچ گئے؟ آپ نے جواب دیا تمہیں پہنچنے سے کام تھا نہ کہ پوچھنے اور اس کی کیفیت دریافت کرنے سے۔ مطلب یہ کہ یہ حال کے صحیح ہونے کی علامتیں ہیں نہ کہ سکر کی۔ میں نے تو ان واقعات کو مختصر بیان کر دیا ہے۔ اگر میں ان کی تفصیل میں مشغول ہوتا اور ایسی باتوں کی شرح کرتا تو کتاب طویل ہو جاتی اور اصل مضمون بیان ہونے سے رہ جاتا۔ اس کے بعد بعض ان دلائل کو جو اس کتاب سے متعلق ہیں کرامات اور حکایات کے ذکر کرنے سے ان کی تاویل کرتا ہوں تاکہ اس کے پڑھنے سے مریدوں کو تنبیہ ہو اور علماء کو احتشام و محققین کے لئے یاددہانی اور عوام کے لئے یقین کی زیادتی اور شبہ کے دور کرنے کا باعث ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

۱؎ جن کے ہاتھ میں دنیا کی باگ ہو، انہیں قطب مدار علیہ کہتے ہیں ۱۲

ساتویں بحث

کرامات اولیاء اللہ

جاننا چاہیئے کہ جب کرامات کے صحیح ہونے پر عقلی حجت ثابت ہو چکی اور ان کے ثبوت پر دلیل قائم ہو چکی تو نقلی دلائل بھی تمہیں ضرور معلوم ہونے چاہئیں یہ واضح رہے کہ کتاب اور سنت اہل ولایت کے ہاتھ پر کرامات اور افعال خلاف عادت کے ظہور کے صحیح ہونے پر ناطق ہیں اور ان کا انکار کرنا نصوص کا انکار کرنا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى (ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور من و سلوٰی اتارا) اگر منکرین میں سے کوئی یوں کہے کہ یہ تو موسیٰ کا معجزہ تھا تو ہم کہیں گے کہ یہ جائز ہے کیونکہ اولیاء کی کرامتیں سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں اور اگر وہ یوں کہیں کہ یہ ہماری کرامتیں حضور سے غائب ہونے کی حالت میں ہیں۔ اس لئے ضروری نہیں کہ آپ کا معجزہ ہوں اور وہ معجزہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں تھا تو ہم کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے غائب ہو کر کوہ طور پر چلے گئے تو وہی حکم یعنی ابر کا سایہ اور من و سلوٰی ان پر باقی رہا پس زمان و مکان کی غیبت دونوں مساوی ہیں جب موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ مکان کی غیبت کی صورت میں جائز تھا تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی غیبت زمان کی صورت میں جائز ہوگا۔ اسی طرح ہم کو آصف بن برخیا کی کرامت کی یہ خبر دی گئی ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو ضرورت ہوئی کہ بلقیس کا تخت اس کے یہاں پہنچنے سے پیشتر آپ کے سامنے حاضر کر دیں اور اللہ تعالیٰ نے آصف بن برخیا کا شرف اور اس کی کرامت کو لوگوں پر ظاہر کرنا اور اہل زمانہ کو یہ جتانا چاہا کہ اولیاء اللہ کی کرامت جائز ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کون ہے جو بلقیس کا تخت اس کے آنے سے پہلے یہاں حاضر کر دے؟ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کی حکایت کرتے ہوئے ہمیں خبر دیتا ہے کہ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ (جنوں میں سے ایک دیو نے کہا میں اس کو آپ کے پاس اس سے پہلے لا سکتا ہوں کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں) حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا اس سے زیادہ جلدی چاہیئے تو حضرت آصف

بن برخیا نے کہا اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ (میں اس کو آپ کی خدمت میں پلک جھپکنے سے پہلے لا سکتا ہوں) ان کی اس بات سے حضرت سلیمان ناراض نہیں ہوئے نہ ہی اس کا انکار فرمایا نہ آپ کو محال معلوم ہوا اور یہ کسی صورت سے بھی معجزہ نہ تھا کیونکہ آصف پیغمبر نہ تھے۔ اس لئے لامحالہ کرامت ہوگی اگر وہ معجزہ ہوتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس کا ظاہر ہونا لازم تھا نیز حضرت مریم علیہا السلام کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ جب حضرت زکریا علیہ السلام آپ کے پاس آتے تو گرمی کے موسم میں سردی کے پھل موجود پاتے اور سردی کے موسم میں گرمی کے۔ یہاں تک کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا: اَنّٰی لَکِ ھٰذَا۔ (یہ پھل تمہارے پاس کہاں سے آتے؟) حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے آتے ہیں) حالانکہ وہ نبی نہ تھیں اور نیز خدا تعالیٰ نے ان کے حال سے متعلق دوسری جگہ ہمیں یہ صریح خبر دی ہے وَھُزِّیْٓ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَۃِ تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا (اے مریم تو کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا۔ اس سے تجھ پر تازہ کھجوریں گریں گی) نیز اصحاب کہف کا حال اور کتے کا ان سے کلام کرنا اور غار میں ان کا تین سو سال تک سوتے رہنا اور غار میں دائیں بائیں پر کروٹ بدلنا چنانچہ فرمایا وَنُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَکَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ (الآیۃ) (اور ہم ان کو دائیں بائیں پہلو پر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور ان کا کتا ہاتھ پھیلائے بیٹھا ہے) پس یہ سب افعال عادت کے خلاف ہیں اور ظاہر ہے کہ معجزہ نہیں ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ کرامات ہوں۔ اور یہ بھی روا ہے کہ یہ کرامات تکلیف کے وقت ناممکن الحصول چیز طلب کرنے سے دعاؤں کے قبول ہونے کی صورت میں ہوں اور یہ بھی روا ہے کہ ایک ساعت میں طویل مسافت کو قطع کرانا ہو اور جائز ہے کہ نامعلوم جگہ سے طعام کا ظاہر کرنا ہو اور روا ہے کہ ایک ولی اللہ لوگوں کے دلی اندیشوں پر اطلاع پالے اور احادیث صحیحہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث الغار مروی ہے وہ یوں ہے کہ ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! گزشتہ امتوں کے عجیب افعال میں سے ہمیں کچھ بتائیے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کہ پہلے زمانے میں تین شخص کہیں جا رہے تھے جب رات ہوئی تو انہوں نے ایک غار کا قصد کیا اور اس کے اندر جاکر سو رہے جب کچھ رات گذر گئی تو ایک پتھر پہاڑ پر سے گر پڑا جس سے غار کا منہ بند ہو گیا سو وہ لوگ حیران ہو کر آپس میں کہنے لگے کہ اب ہمیں یہاں سے کوئی اور چیز رہائی نہیں دلا سکتی۔ سوائے اس کے کہ ہم اپنے نیک اور سچے پیارے اعمال کو خداتعالےٰ کے حضور میں وسیلہ بنائیں۔ تب ان میں سے ایک شخص نے کہا میرے ماں باپ زندہ تھے اور دنیا کے مال سے سوائے چند بکریوں کے میرے پاس اور کچھ نہ تھا جن کا دودھ میں ان کو پلاتا تھا اور میں ہر روز ایک گٹھا ایندھن کا لاتا اور اس کی قیمت ان کے اور اپنے کھانے پر خرچ کرتا تھا۔ ایک رات میں دیر سے گھر آیا اور جب تک کہ میں ان بکریوں کو دوہ کر ان کا کھانا و دودھ میں تیار کروں وہ سو گئے تھے وہ پیالہ میرے ہاتھ میں رہا اور میں برابر کھڑا رہا اور خود بھی کچھ کھائے بغیر ان کی بیداری کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہ دونوں بیدار ہوئے اور کھانا کھایا میں اس کے بعد بیٹھا اور وہ کہنے لگا بار خدایا! اگر میں اس معاملہ میں سچا ہوں تو ہمارے لیئے کچھ کشائش بھیج۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسی وقت وہ پتھر ہلا اور کچھ شگاف پیدا ہو گیا۔ دوسرے شخص نے کہا کہ میرے چچا کی لڑکی نہایت خوبصورت تھی اور میرا دل ہمیشہ اس پر فریفتہ رہتا تھا اور میں اس کو اپنی طرف بلاتا تھا یہاں تک کہ ایک دفعہ بہت حیلوں سے میں نے ایک سو بیس دینار اس کے پاس بھیجے کہ وہ ایک رات میرے ساتھ خلوت کرے اور اس نے اس بار رضامندی ظاہر کی جب میں اس کے پاس گیا میرے دل میں خداتعالیٰ کا خوف پیدا ہوا اور میں نے ہاتھ اس سے اٹھا لیا اور وہ روپے بھی اس کے پاس رہنے دیئے۔ پھر اس نے عرض کی بار خدایا! اگر میں اس بیان میں سچا ہوں تو ہمارے لیئے کشائش فرما۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ پتھر ایک دفعہ پھر ہلا اور وہ سوراخ زیادہ ہو گیا لیکن ابھی تک وہ اس غار سے باہر نہیں نکل سکتے تھے تیسرے نے کہا کہ میرے پاس مزدوروں کی ایک جماعت کام کرتی تھی۔ جب وہ کام ختم ہو گیا تو وہ سب مزدوری مجھ سے لے گئے سوائے ایک مزدور کے کہ وہ کہیں غائب ہو گیا۔ میں نے اس کی اجرت سے ایک بھیڑ خریدی۔ دوسرے سال وہ دو ہو گئیں تیسرے سال چار۔ اسی طرح ہر سال

چرتی رہیں اور جب چند سال گزر گئے تو وہ بہت سا مال جمع ہو گیا۔ اب وہ مزدور آ گیا اور کہنے لگا مجھے یاد ہو گا کہ ایک دفعہ میں نے تیرا کچھ کام کیا تھا۔ اب مجھے اجرت کی حاجت ہے۔ میں نے کہا جاؤ وہ بھیڑ بکریاں تمہارا مال اور ملک ہیں لے جاؤ۔ اس نے کہا تو مجھ سے مسخر کرتا ہے۔ میں نے کہا نہیں میں سچ کہتا ہوں اور وہ مال اس کو دے دیا یہاں تک کہ وہ لے گیا۔ اس کے بعد اس نے عرض کی "یا رخدایا! اگر میں اس میں سچا ہوں تو ہمارے لئے کشائش بھیج۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ پتھر غار کے منہ سے ہٹ گیا۔ یہاں تک کہ وہ تینوں غار میں سے باہر نکل آئے۔ یہ فعل عادت کے خلاف تھا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جریج راہب کی ایک حدیث مشہور ہے اور اس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بچپن میں گہوارہ کے اندر سوائے تین شخصوں کے کسی نے کلام نہیں کیا ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اور یہ تم سب لوگ جانتے ہو اور دوسرے بنی اسرائیل میں ایک پادری تھا جس کا نام جُریج تھا وہ ایک بہت ہی عبادت گزار آدمی تھا۔ اس کی والدہ بھی ایک پردہ دار عورت تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک روز وہ بیٹے کو دیکھنے کے لئے آئی۔ اس وقت وہ نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے عبادت خانہ کا دروازہ نہ کھولا۔ اور دوسرے تیسرے چوتھے روز بھی ایسا ہی کیا اس کی والدہ نے اس سے رنجیدہ ہو کر دعا کی کہ اے پروردگار! میرے لڑکے کو رسوا کر اور میرے حق کے عوض اس کو مواخذہ فرما۔ اس زمانہ میں ایک فاحشہ عورت تھی۔ اس نے ایک جماعت کے پاس جا کر کہا کہ میں جریج کو گمراہ کرتی ہوں چنانچہ وہ اس کے عبادت خانہ میں چلی گئی جریج نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اس نے راستہ میں ہی ایک چرواہے سے صحبت کی اور حاملہ ہو گئی جب شہر میں آئی تو کہنے لگی کہ یہ جریج کا حمل ہے اور جب اس نے وضع حمل کیا تو لوگوں نے جریج کے عبادت خانہ کا قصد کیا اور اسے محل شاہی کے دروازے پر لے آئے جریج نے بادشاہ کے سامنے ایک نوزائیدہ بچے کو مخاطب کر کے کہا "اے لڑکے! تیرا باپ کون ہے" اس نے جواب دیا اے جریج! میری ماں تجھ پر بہتان لگاتی ہے میرا باپ تو ایک چرواہا ہے" تیسرے ایک عورت کا بچہ تھا— کہتے ہیں کہ اس کی ماں اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھی تھی کہ اتنے میں ایک خوبصورت

سوار عمدہ لباس پہنے ہوئے وہاں سے گزرا تو عورت نے اسے دیکھ کر دعا کی کہ اے پروردگار! تو میرے اس لڑکے کو اس سوار جیسا بنا دے لڑکے نے کہا: اے رب! مجھے ایسا نہ کیجو۔ جب کچھ مدت گزری تو مکان کے پاس سے ایک عورت گزری۔ اسے دیکھ کر بچے کی ماں نے دعا کی کہ اے رب! تو میرے لڑکے کو اس عورت جیسا نہ کیجو۔ تب لڑکے نے دعا کی اے رب! مجھے اس عورت جیسا بنا دے ماں متعجب ہوئی اور پوچھنے لگی کہ تو یہ کیوں کہتا ہے؟ لڑکے نے جواب دیا۔ اس لئے کہ وہ سوار ایک ظالم آدمی تھا اور یہ عورت نیک ہے لیکن لوگ اس کو بری بتاتے ہیں اور اس کو نہیں جانتے اور میں نہیں چاہتا کہ ظالموں میں سے ہوں بلکہ چاہتا ہوں کہ نیکوکاروں میں سے ہوں اور ایک حدیث حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی زائدہ کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ کو سلام کیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زائدہ! تو میرے پاس دیر دیر سے کیوں آیا کرتی ہے؟ تیرا آنا تو رکھا جاتا ہے اور میں تجھے اچھا سمجھتا ہوں۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آج ایک عجیب بات لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ صبح کو میں ایندھن کی تلاش میں گئی۔ جب میں نے گٹھا باندھ کر ایک پتھر پر رکھ لیا تاکہ اس کو اٹھالوں تو ناگاہ میں نے ایک سوار دیکھا کہ آسمان سے زمین پر آرہا ہے۔ جب زمین پر اترا تو اس نے مجھے سلام کیا اور پھر کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام کہو اور یہ بات کہو کہ رضوان بہشت کے خازن نے کہا ہے کہ آپ کو بشارت ہو کہ بہشت کو آپ کی امت کے لئے تین حصہ کر دیا گیا ایک جماعت بے حساب اس میں داخل ہوگی اور دوسری جماعت کے لئے حساب آسان کر دیں گے اور تیسری جماعت کو آپ کی شفاعت سے بخش دیں گے۔ یہ کہہ کر اس نے آسمان کا قصد کیا اور آسمان و زمین کے درمیان پہنچ کر پھر میری طرف توجہ کی اور دیکھا کہ میں اس گٹھے کو اٹھا نہیں سکتی یہ دیکھ کر اس نے کہا اے زائدہ! گٹھے کو پتھر پر رکھ دے پھر اس نے پتھر سے کہا اے پتھر! یہ گٹھا زائدہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازہ تک لے جا چنانچہ

وہ پتھر اس گھٹنے کو عمر رضی اللہ عنہ کے دروازہ تک میرے ساتھ لایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعہ سن کر اٹھے اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر تشریف لائے اور آپ نے اس پتھر کے آنے جانے کا نشان دیکھا تو فرمایا الحمدللہ کہ خدا نے مجھے دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھایا جب تک کہ رضوانِ جنت نے مجھے میری امت کی بخشش کی بشارت نہیں دی اور جب تک خدا تعالیٰ نے میری امت میں سے ایک عورت کو مریم علیہا السلام کے درجہ تک نہیں پہنچایا اور یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو ایک غزوہ پر بھیجا وہ دریا پر پہنچے تو کچھ پانی سامنے آیا۔ اس پر انہوں نے قدم رکھا اور سب لوگ ایسے عبور کر گئے کہ ان کے قدم تک تر نہ ہوئے اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک راستہ میں جا رہے تھے آپ نے دیکھا کہ ایک گروہ عین راستہ میں کھڑا ہے اور شیر نے ان پر راستہ بند کیا ہوا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے شیر سے مخاطب ہو کر فرمایا اے کتے! اگر خدا کی طرف سے تو کھڑا ہے تو بے شک کھڑا رہ ورنہ ہم کو رستہ دے تاکہ ہم نکل جائیں۔ شیر اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کو چوم چاٹ کر چلا گیا اور اسی طرح حضرت ابراہیم پیغمبر علیہ السلام کے متعلق ایک حدیث مشہور ہے کہ آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ ہوا میں بیٹھا ہوا ہے۔ آپ نے پوچھا اے بندۂ خدا تو نے یہ رتبہ کس چیز سے پایا؟ اس نے جواب دیا کہ تھوڑی سی چیز سے۔ آپ نے فرمایا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے دنیا سے منہ موڑا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف توجہ کی تو مجھ سے پوچھا گیا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ تو میں نے کہا کہ مجھے ہوا میں مکان دیا جائے تاکہ میرا دل اہلِ جہان سے بے تعلق ہو جائے۔ اسی طرح ایک عجمی جوان نے مدینہ میں آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کا قصد کیا تو لوگوں نے بتایا کہ امیر المومنین جنگل میں کسی جگہ سو رہے ہوں گے۔ اس نے جا کر دیکھا کہ آپ زمین پر سو رہے ہیں اور دُرّہ سر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ جہان میں سب فتنہ اسی کی وجہ سے ہے اور اب اس کا قتل کرنا میرے نزدیک آسان ہے۔ چنانچہ اس نے تلوار سونت لی اور وار کرنے کو بڑھا ہی تھا کہ دو شیر نمودار ہوئے اور اس عجمی

کے پہاڑ کھانے کے لئے دوڑ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے واویلا شروع کیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جاگ اٹھے اور اس نے اپنا سارا ماجرا بیان کیا اور پھر اسلام لے آیا۔

اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ملکِ عراق میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس چند تحفے آئے جن میں ایک ڈبیا زہرِ قاتل کی تھی کہ کسی بادشاہ کے خزانہ میں اس قسم کا زہر موجود نہ تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس ڈبیہ کو کھولا اور وہ زہر ہتھیلی پر رکھا اور بسم اللہ پڑھ کر منہ میں ڈال لیا تو آپ کو اس سے کچھ بھی نقصان نہ پڑا۔ لوگ متعجب ہوئے اور بہت سے ان میں سے راہِ راست پر آگئے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ روایت فرماتے ہیں کہ عبادان میں ایک سیاح تھا جو ویرانوں میں رہتا تھا۔ ایک روز میں نے کوئی چیز بازار سے خریدی اور اس کے پاس لے گیا تو اس نے کہا یہ کیا چیز ہے؟ میں نے کہا کہ کھانا ہے۔ اس لئے لایا ہوں کہ شاید تجھے اس کی حاجت ہو۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور مجھے دیکھ کر ہنسا۔ میں نے اس ویرانہ کی دیواروں کے ڈھیلوں اور پتھروں کو دیکھا کہ وہ سب سونا ہو گئے۔ تو میں اپنے کئے پر سخت پشیمان ہوا اور جو کچھ میں لے گیا تھا اس کو وہیں چھوڑ کر چلا آیا۔

حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک چرواہے کے پاس سے گزرا اور اس سے پینے کیلئے تھوڑا سا پانی مانگا۔ اس نے کہا کہ میں دودھ بھی رکھتا ہوں اور پانی بھی، تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا پانی چاہتا ہوں۔ وہ اٹھا اور لاٹھی پتھر پر ماری۔ اس پتھر سے نہایت عمدہ اور پاکیزہ پانی نکلا۔ میں بڑا متعجب ہوا۔ اس نے کہا تعجب نہ کر کیونکہ جب بندہ حق تعالیٰ کا فرمانبردار ہوتا ہے تو سارا جہان اس کا مطیع ہو جاتا ہے۔

اور حضرت ابو درداء و حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما ایک جگہ بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے اور پیالہ تسبیح پڑھتا تھا جسے وہ دونوں صحابی سنتے تھے۔

حضرت ابوسعید خراز رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ کچھ مدت ایسی تھی کہ میں تین روز کے بعد ایک دفعہ کھانا کھایا کرتا تھا۔ انہیں ایام ایک روز میں جنگل میں جا رہا تھا کہ تیسرے روز میں نے اپنے اندر ضعف محسوس کیا۔

لیکن کھانا نہ تھا اور طبیعت اپنی عادت کے مطابق کچھ تقاضا کرنے لگی۔ آخر کار میں ایک جگہ بیٹھ گیا۔ اتنے میں ہاتف غیب نے آواز دی کہ اے ابو سعید! کوئی سی بات اختیار کر۔ کیا تو سستی کو دور کرنے کے لئے کھانے کے سوا کوئی اور سبب چاہتا ہے؟ یا نفس کے لئے کھانا بغیر کسی اور سبب کے؟ یا قوت چاہتا ہے؟ میں نے کہا الٰہی! میں قوت چاہتا ہوں۔ جب میں اٹھا تو مجھ میں قوت آگئی اور میں متواتر بارہ منزل بغیر کچھ کھائے پیئے چلا گیا۔ مشہور ہے کہ آج کل تستر میں حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ کے گھر کو بیت السباع[1] کہتے ہیں اور سب اہل تستر اس بات پر متفق ہیں کہ بہت سے درندے اور شیر آپ کے پاس آیا کرتے تھے اور آپ ان کو کھانا کھلاتے اور آپ ان سے پیار و تحسین کیا کرتے تھے اور اس واقعہ کے دیکھنے والے بہت ہیں۔

ابو القاسم مروزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ابو سعید خراز رحمۃ اللہ کے ہمراہ جا رہا تھا کہ دریا کے کنارہ پر ایک جوان دیکھا جو گدڑی پہنے کھانے کا سامان چمڑے کے تھیلے میں ڈالے لٹکائے چلا آرہا تھا۔ حضرت ابو سعید رحمۃ اللہ نے فرمایا اس جوان کا ظاہر حال تو گدڑی ہے لیکن درحقیقت اس کا معاملہ کچھ اور ہے کیونکہ جب میں اس کی طرف دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ وہ خدا رسیدہ بزرگوں میں سے ہے اور جب اس کے کھانے کے سامان کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ طالبانِ درگاہ میں سے ہے۔ آؤ اس سے پوچھیں کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ چنانچہ حضرت خراز رحمۃ اللہ نے پوچھا اے جوان! بخدا تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ ایک تو عوام کی راہ اور دوسرے خواص کی راہ۔ تجھے خواص کی راہ کی تو کچھ خبر نہیں لیکن عوام کی راہ یہی ہے جو تو چل رہا ہے اور تو اپنے عمل کو حق تعالیٰ تک پہنچنے کی علت قرار دے رہا ہے اور کھانے پینے کو حجاب کا سبب جانتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز مصر سے جدہ جانے کے ارادہ سے کشتی میں سوار ہوا۔ اس کشتی میں ایک گدڑی پوش

[1] درندوں کا گھر۔

جوان بھی سوار تھا۔ میں اس سے گفتگو کی خواہش تو رکھتا تھا لیکن اس کی عجیب و غریب شکل و صورت میرے راستے میں ہمیشہ حائل رہی۔ ایک عجیب ہی درویش تھا۔ اپنا تمام وقت عبادتِ الٰہی میں گزارتا تھا۔ اتفاق سے کشتی میں کسی سوداگر کا ایک قیمتی موتی گم ہو گیا اور اس سوداگر نے اسی درویش پر شبہ کیا۔ ابتدا میں لوگوں نے اس سے کچھ پوچھ گچھ کی لیکن اس نے مطلقاً لاعلمی کا اظہار کیا۔ آخر کار لوگوں نے اس پر جبر و تشدد کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن میں نے یہ کہہ کر انہیں ایسا کرنے سے باز رکھا کہ محض شبہ کی بنا پر عجلت درست نہیں پہلے مجھے اس سے گفتگو کرنے دو۔ چنانچہ میں نے اسے علیحدہ کر کے بڑی نرمی سے پوچھا کہ یہ لوگ تجھ پر موتی چرانے کا الزام لگاتے ہیں اور اب جبر و تشدد پر آمادہ ہیں۔ اب بتا تیرا کیا ارادہ ہے؟ یہ سن کر اس نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور کچھ کہا۔ میں نے دیکھا کہ اسی وقت بہت سی مچھلیاں پانی کی سطح پر ابھر آئیں جن میں سے ہر ایک کے منہ میں ایک بیش قیمت موتی تھا۔ چنانچہ اس درویش نے ایک مچھلی کے منہ سے موتی لے کر الزام لگانے والے سوداگر کو دیا اور خود کشتی سے اتر کر پانی کی سطح پر قدم رکھا اور چلتے چلتے دریا عبور کر گیا۔ یہ اس لئے کہ وہ کشتی والوں سے بہت سخت بیزار ہو گیا تھا اتنے میں جس شخص نے وہ موتی چرا لیا تھا وہ اہلِ کشتی میں سے تھا۔ چنانچہ از خود اس نے وہ موتی نکال کر مالک کے سامنے پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر تمام اہلِ کشتی شرمندہ ہوئے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔

حضرت ابراہیم رقی رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہے کہ میں نے ایک دفعہ اپنے حال کی ابتدا میں حضرت مسلم مغربی رحمۃ اللہ کی زیارت کا قصد کیا۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو اس وقت وہ امامت کرا رہے تھے لیکن میں نے دیکھا کہ اَلحَمدُ غلط پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میری محنت برباد گئی اس رات میں وہاں رہا۔ دوسرے روز میں نے طہارت کے ارادہ سے دریائے فرات کے کنارہ پر جانا چاہا۔ دیکھا کہ ایک شیر رستہ میں سویا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر میں واپس لوٹ آیا۔ جب مڑا تو ایک دوسرا شیر میرے پیچھے آ رہا تھا۔ میں بڑا گھبرایا اور شور مچا دیا اور عاجز ہو کر رہ گیا۔ اتنے میں حضرت مسلم رحمۃ اللہ عبادت خانہ سے باہر نکل آئے۔ جب شیروں نے ان کو دیکھا تو ان کی تواضع کی۔ آپ نے ہر ایک کا

کان پکڑ کر کہا اے خدا کے کتو! کیا میں نے تم سے نہیں کہہ رکھا ہے کہ تم ہمارے مہمانوں کو نہ چھیڑنا۔ تب آپ نے مجھ سے فرمایا اے ابو اسحاق! تم کو مخلوق کی خاطر ظاہر کے درست کرنے میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ تم مخلوق سے ڈرنے لگے اور ہم خدا کے لئے باطن کے درست کرنے میں مشغول ہوئے اس لئے مخلوق ہم سے ڈرتی ہے۔ ایک روز میرے شیخ نے، اللہ ان سے راضی ہو، بیت الجن سے دمشق کا قصد کیا اور میں ان کے ہمراہ تھا چونکہ بارش ہو گئی تھی اس لئے ہم لوگ کیچڑ میں مشکل سے چل رہے تھے۔ ناگاہ جب میں نے شیخ رحمۃ اللہ کی طرف نگاہ کی تو آپ کی نعلین اور کپڑا خشک تھا میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا ہاں! جب سے میں نے توکل کے راستہ سے توہمات کو اٹھا دیا ہے اور دل کو حرص کی وحشت سے محفوظ کر لیا ہے خدا تعالیٰ نے میرے قدم کو کیچڑ سے محفوظ کر دیا ہے۔

مجھ علی ابن عثمان جلابی کو ایک دفعہ ایک واقعہ پیش آیا اور اس کے حل کرنے کا طریقہ مجھ پر دشوار ہوا تو میں نے طوس میں حضرت ابو القاسم گرگانی رحمۃ اللہ کی زیارت کا قصد کیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو میں نے آپ کو ان کے مکان کے قریب مسجد کے اندر تنہا پایا اور میں نے دیکھا کہ آپ بعینہٖ وہی میرا واقعہ ایک ستون سے بیان فرما رہے تھے چنانچہ میں نے سوال کئے بغیر اپنا جواب پا لیا تو عرض کی کہ اے شیخ! آپ یہ واقعہ کس سے بیان فرما رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا "اے بیٹا! حق تعالیٰ نے اس وقت اس ستون کو گویا کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھ سے سوال کیا۔

ملک فرغانہ میں ایک گاؤں کے اندر جسے سلاتک کہتے ہیں۔ اوتاد میں سے ایک بزرگ رہتے تھے کہ جنہیں باب عمر کہتے تھے اور اس علاقہ کے سب درویش بڑے مشائخ کو باب ہی کہتے ہیں اور ان کے ہاں ایک بڑھیا عورت تھی جس کا نام فاطمہ تھا۔ میں مقام اوزکند سے آپ کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا تو کس لئے آیا ہے؟ میں نے کہا اس لئے کہ شیخ کو اصلی صورت میں دیکھوں اور وہ مجھ پر شفقت سے نظر ڈالیں تو آپ نے فرمایا اے بیٹا! میں خود فلاں روز سے تجھے دیکھ رہا تھا اور جب تک کوئی تجھے مجھ سے غائب نہ کر دے میں تجھے دیکھتا ہی رہوں گا۔ خواجہ ہجویری فرماتے ہیں کہ جب

میں نے دنوں اور سالوں کا شمار کیا تو وہ روز جو آپ نے بتایا تھا وہ میری توبہ کی ابتدا کا دن تھا۔ انہوں نے فرمایا اے بیٹا! تھوڑے وقت میں طویل مسافت کاٹ کے کرنا جوان کا کام ہے۔ اس زیارت کے بعد اس کی زیارت کر، جسے ہر کوئی پا نہیں سکتا ہے اور نہ اس کی زیارت کرنے میں مسافت طے کرنے کی کوئی شرط ہے۔ اس کے بعد فرمایا "اے فاطمہ! جو کچھ تیرے پاس ہے لا کہ یہ درویش کھالے۔ وہ تازہ انگور کا ایک طباق لے آئیں حالانکہ انگور کا موسم نہ تھا اور ان کے اوپر چند تازہ کھجوریں تھیں حالانکہ فرغانہ میں تازہ کھجوریں ملنی ناممکن تھیں۔

ایک دفعہ مہنہ نامی گاؤں میں حضرت شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ کی تربت پر میں عادت کے مطابق تنہا بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا ایک سفید کبوتر آکر اس غلاف میں گھس گیا جو قبر پر ڈالا ہوا تھا۔ میں نے خیال کیا شاید یہ کبوتر کسی کے ہاتھ سے چھوٹ آیا ہے اور جب میں نے اٹھ کر غلاف کے نیچے نگاہ ڈالی تو کوئی چیز موجود نہ تھی دوسرے روز بھی ایسا ہی دیکھا اور میں حیران رہ گیا۔ یہاں تک کہ آپ کو میں نے ایک رات خواب میں دیکھا اور آپ سے اس واقعہ کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "وہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے جو ہر روز قبر میں میری ہم نشینی کے لئے آتی ہے۔"

اور اگر اس قسم کی بہت سی حکایات بیان کرتا جاؤں تو بھی ختم نہ ہوں اور اس کتاب سے مقصود فروع و معاملات میں طریقت کو ثابت کرنا ہے اور بعض نقل کرنے والوں نے خود بھی اس موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں اور بہت سی باتیں جمع کی ہیں اور واعظ لوگ منبر پر ان کو بیان بھی کرتے ہیں۔ اس لئے اب وہ فضیلیں جو اس علم طریقت سے تعلق رکھتی ہیں اس کتاب میں ان کی پیروی کرتے ہوئے لاتا ہوں تاکہ کسی اور جگہ اس مطلب کی تلاش کے لئے نہ جانا پڑے۔

آٹھویں بحث

اولیاء پر انبیاء کی فضیلت

جان لو کہ تمام اوقات و احوال میں طریقت کے تمام مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اولیا ما اللہ انبیاء کے تابع اور ان کی دعوت کی تصدیق کرنے والے ہیں اور یہ کہ انبیاء اولیاء سے افضل ہیں کیونکہ ولایت کی انتہا نبوت کی ابتدا ہوتی ہے لہٰذا

تمام انبیاء ولی ہوتے ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی ولی نبی نہیں ہوتا اور انبیاء صفاتِ بشریت کی نفی میں طاقتور ہوتے ہیں اور اولیاء اس حال پر جو ان پر طاری ہوتا ہے عاری ہوتے ہیں اور انبیائے کرام کا مقام ایک محقق مقام ہے اور عاری مقام نہیں پھر جو مقام اولیاء کو حاصل ہے وہ انبیاء کا حجاب ہے اور اہل سنت میں سے کسی عالم نے اور اہلِ طریقت میں سے کسی محقق نے اس بارہ میں اختلاف نہیں کیا ہے سوائے حشویہ لوگوں کے جو خراسان کے ہیں اور اہل تجسیم[1] کے نام سے مشہور ہیں اور اصول توحید میں غلط کلام کرتے ہیں کیونکہ وہ اس طریقت کی اصل کو نہیں سمجھتے اور اس کے باوجود اپنے آپ کو ولی کہتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ ولی ضرور ہیں لیکن شیطان کے ولی ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں اور یہی گمراہی ان کے لئے کافی ہے کہ ایک جاہل شخص کو محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل بتاتے ہیں۔ ان کا ایک گروہ اور بھی ہے جسے مشبہین[2] کہتے ہیں وہ بھی طریقت سے اپنے آپ کو وابستہ خیال کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حلول[3] نزول اور انتقال اور اس کی ذاتِ لطیف کے تجزیہ و تقسیم کو جائز سمجھتے ہیں اور یہ باتیں ان دو مذاہب کے بیان میں جن کا میں نے وعدہ کیا ہے اس کتاب میں پورے طور پر ذکر کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

الغرض یہ دونوں گروہ جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، انبیاء کی تخصیص و فضیلت کی نفی کے بارے میں برہمنوں سے متفق ہیں اور جو شخص انبیاء کی تخصیص کی نفی کا اعتقاد کرے وہ کافر ہوتا ہے پس انبیاء صلوات اللہ علیہم خلقت کو حق کی طرف دعوت کرنے والے ہیں اور امام و اولیاء سب نیک عمل کرنے میں ان کے تابع ہیں اور یہ بات محال ہے کہ مقتدی امام سے افضل ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر تمام اولیاء کے اقوال و احوال کو کسی ایک نبی کے پیچھے رہنے کے مقابل لایا جائے تو وہ سب ہیچ ہوں گے اس لئے کہ

---

[1] وہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے جسم کے قائل ہیں، اہلِ تجسیم کہلاتے ہیں۔

[2] جو اللہ تعالیٰ کے لئے عام مخلوق کی طرح جسم ثابت کرتے ہیں۔

[3] کسی شے میں اترنے اور سرایت کرنے کو حلول، کسی شے کے اوپر سے نیچے اترنے کو نزول، ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانے کو انتقال اور کسی شے کے حصہ بخرے ہونے کو تجزیہ کہتے ہیں۔

اولیاء منزلِ مقصود کے طالب ہوتے ہیں اور اس راستہ پر چلتے ہیں اور انبیاء منزل مقصود پر پہنچے ہوئے اور مقصود حاصل کئے ہوتے ہیں اور دعوت خلق کا فرمان لے کر واپس آتے ہیں اور ایک قوم کو حق کی طرف لے جاتے ہیں اور اگر ان ملحدوں میں سے اللہ ان پر لعنت کرے کوئی شخص یوں کہے کہ عادت یوں جاری ہے کہ جب کسی بادشاہ کی طرف سے کوئی قاصد آئے تو لازم ہے کہ وہ مبعوثٌ الیہ[1] اس قاصد سے افضل ہو جیسا کہ پیغمبر صلوات اللہ علیہم جبرائیل سے افضل ہیں تو ہم ان کے جواب میں یوں کہتے ہیں کہ اگر کوئی بادشاہ کسی ایک آدمی کی طرف کوئی رسول بھیجے تو ضرور لازم ہے کہ وہ مرسلٌ الیہ[2] اس رسول سے افضل ہو جیسا کہ جبرائیل علیہ السلام کو ایک ایک پیغمبر کے پاس بھیجا گیا اور ہر ایک پیغمبر اس سے افضل ہوتا ہے لیکن رسول جب ایک جماعت اور قوم کی طرف بھیجا جائے تو لامحالہ وہ رسول اس قوم و جماعت سے افضل ہو گا۔ جیسا کہ انبیاء اپنی امتوں سے افضل ہوتے ہیں اور کسی عقلمند کو اس میں کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ پس ایک پیغمبر تمام اولیاء سے افضل ہو گا۔ اس لیئے کہ جب عادت و عرف کی رو سے جو منزلِ مقصود کی نہایت پر پہنچ جاتے ہیں تو مشاہدہ سے خبر دیتے ہیں اور بشریّت کے حجاب سے خلاصی پا جاتے ہیں اگرچہ وہ بالکل بشر ہی ہوتے ہیں۔ پس رسول کا پہلا قدم ہی مشاہدہ میں ہوتا ہے اور چونکہ رسول کی ابتداء ولی کی انتہا ہوتی ہے۔ اس لیئے ولی کو نبی پر قیاس نہیں کر سکتے کیا تو نہیں دیکھتا کہ اولیاء اللہ میں سے سب طالبانِ حق اس بات پر متفق ہیں کہ کثرت کا وحدت میں گم ہو کر ایک ہو جانا مقامِ ولایت کا کمال ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بندہ کثرتِ یاد و عبادت سے کثرت محبت کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے جہاں بندہ محبتِ الٰہی سے اس کی عقل فعل کے دیکھنے میں مغلوب ہو جاتی ہے اور فاعلِ کل یعنی اللہ تعالیٰ کے شوق میں سارے عالم کو ہُو ہُو ہی جانتا اور دیکھتا ہے چنانچہ حضرت علی رودباری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "اگر ہم سے رویتِ حق زائل ہو جائے تو ہم اس کی عبادت نہ کریں" یعنی بندگی کا اسم ہم سے ساقط ہو جائے کیونکہ ہم اس کی عبادت کا شرف اس کے دیدار کے سوا نہیں پا سکتے اور یہ امور انبیاء کے لیئے ابتدائے حال

[1] جس کی طرف قاصد بھیجا جائے۔
[2] جس کی طرف رسول بھیجا گیا ہو۔

ہی میں ہوتے ہیں کیونکہ ان کے حال میں تفرقہ ممکن نہیں کیونکہ وہ نفی و اثبات و سلوک و قطع سلوک و توجہ و عدم توجہ و ابتدا و انتہا میں ہمیشہ عین جمع کے مقام میں ہوتے ہیں چنانچہ ابتدائے حال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آفتاب کو دیکھ کر کہا "یہ میرا رب ہے" اور چاند و ستارہ کو دیکھ کر کہا "یہ میرا رب ہے"۔ اس لیے کہ وہ اپنے دل پر حق کے غلبہ اور عین مقام جمع میں اپنے ثابت ہونے کی وجہ سے غیر کو نہ دیکھتے تھے جب سب کو جمع کی آنکھ سے دیکھا تو عین دیدار کی حالت میں اپنے مشاہدہ سے بیزاری ظاہر کی اور یوں کہا "میں زوال پانے والوں کو دوست نہیں رکھتا" آپ کے حال کی ابتدا بھی جمع، اور انتہا بھی جمع تھی لہٰذا ضروری طور پر ولایت کی ابتدا اور نہایت ہوتی ہے لیکن نبوت کی نہیں ہوتی جب وہ موجود تھے تو نبی تھے اور جب تک رہے نبی ہی رہے اور جب وہ دنیا میں موجود نہ تھے، اللہ کے علم و ارادہ میں بھی نبی تھے۔

اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ سے لوگوں نے پوچھا کہ انبیا کے حال میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا یہ احاطہ بیان سے باہر ہے کیونکہ ہمیں انبیاء کے بارے میں کچھ دخل نہیں۔ ان کے حق میں جو کچھ بھی ہم تصور کرتے ہیں وہ سب ہم خود ہی ہوتے ہیں حق تعالےٰ نے ان کے نفی و اثبات کو ایسے درجہ میں رکھ دیا ہے کہ انسان کی نظر وہاں تک پہنچ نہیں سکتی پس جس طرح اولیاء کا رتبہ لوگوں کے ادراک سے بالا ہے اسی طرح انبیاء اولیاء کے ادراک سے بھی بالا ہیں اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ جو اپنے زمانہ کی حجت ہوتے ہیں فرماتے ہیں "ابتدا میں جب میں نے وحدانیت کی طرف سیر کی تو میں نے دیکھا کہ میرے باطن کو آسمان پر لے گئے اور اس نے راستہ میں کسی چیز کی طرف نگاہ نہیں کی بہشت و دوزخ اس کو دکھایا تو بھی اس نے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کی اور جب مجھے کائنات عالم اور حجابوں سے آگے لے گئے تو میں ایک پرندہ ہوگیا جس کا جسم احدیت سے بنا تھا۔ اور پر و بال قدم سے پس میں تنزیہ و تقدیس کی ہوا میں اڑتا رہا حتی کہ میں ازلیت کے میدان میں جا پہنچا اور احدیت کے درخت کو دیکھا پس میں نے اس پر نظر غائر ڈالی تو میں نے معلوم کیا کہ وہ سب کچھ اس کا غیر ہے یعنی وہ سب کچھ میں خود ہی تھا میں نے عرض کی بار خدایا! مجھے اپنی خودی کے ہوتے ہوئے تیری ذات تک کچھ بھی رسائی نہیں ہوئی اور میں اپنی خودی سے آگے نہیں نکل سکا۔ مجھے کیا کرنا چاہیے حکم ہوا کہ "لے

بایزید! تیری خودی سے تیری خلاصی ہمارے دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے وابستہ ہے۔ اپنی آنکھ کو آپ کے قدموں کی مٹی سے سرمہ لگا اور آپ کی متابعت پر ہمیشگی اختیار کر۔ اور یہ حکایت بہت لمبی ہے اور اہلِ طریقت اس کو حضرت بایزید رحمۃ اللہ کی معراج کہتے ہیں اور معراج سے مراد قربِ حق ہے پس انبیا کی معراج جسم و بدن کیساتھ ظاہر ہوتی ہے اور اولیاء کی معراج ہمت و ارادہ سے پوشیدہ طور پر ہوا کرتی ہے اور پیغمبروں کا ظاہری جسم صفائی اور پاکیزگی اور قربت میں اولیاء کے دل اور ان کے باطن کی طرح ہوتا ہے اور یہ فضیلت ظاہر ہے اور یہ اس طرح ہے کہ ولی کو حال میں مغلوب کر دیتے ہیں تاکہ وہ مست ہو جائے تب آہستہ آہستہ اس کے باطن کو اس سے غائب اور قربِ حق سے آراستہ کر دیتے ہیں اور جب وہ صحو کی حالت میں واپس آجاتا ہے تو ان تمام دلائل کی صورت اس کے دل پر نقش ہوتی ہے اور ان کا علم اس کو حاصل ہوا ہوتا ہے پس نبی کے جسم کو قرب میں لے جایا جاتا ہے اور ولی کے فکر و ذکر کو۔ اور ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ واللہ اعلم ۞

نویں بحث

ملائکہ پر انبیاء و اولیاء کی فضیلت

جاننا چاہیئے کہ اہلِ سنت و جماعت اور جمہور مشائخ اہلِ طریقت کے اتفاق سے انبیائے عظام و اولیائے کرام جو گناہ سے محفوظ ہیں وہ فرشتوں سے افضل ہیں۔ بخلاف معتزلہ کے کہ وہ ملائکہ کو انبیاء سے افضل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرشتے رتبہ میں انبیاء سے زیادہ بلند اور پیدائش میں ان سے زیادہ لطیف اور حق تعالیٰ کے زیادہ فرمانبردار ہیں اس لئے ضروری ہے کہ وہ ان سے افضل ہوں ہم کہتے ہیں کہ حقیقت اس کے خلاف ہے کیونکہ فرمانبردار جسم اور بلند رتبہ اور لطیف پیدائش فضیلت کی علت نہیں ہو سکتی۔ فضلِ الٰہی اس کو حاصل ہوتا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہو۔ اور یہ سب امور جو معتزلہ بیان کرتے ہیں وہ شیطان کو بھی حاصل تھے لیکن سب کے اتفاق سے وہ ملعون[1] و مخذول ہو گیا۔ پس فضلِ الٰہی اسی کے لئے ہے جس کے لئے خدا تعالیٰ نے مقدر کر دیا ہے اور انبیاء کی فضیلت پر سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] لعنتی۔ رسوا۔

نے ملائکہ کو حکم دیا تو انہوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور یہ بات مقرر ہے کہ جس کو سجدہ کیا جائے اس کا رتبہ سجدہ کرنے والے سے بلند ہوتا ہے اور اگر وہ کہیں کہ خانہ کعبہ ایک پتھر ہے اور مومن اس سے افضل ہے۔ حالانکہ وہ اس کو سجدہ کرتا ہے پس کیوں نہ ملائکہ آدم علیہ السلام سے افضل ہوں اگرچہ انہوں نے اس کو سجدہ کیا تو ہم کہتے ہیں کہ کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ میں خانہ کعبہ یا محراب یا دیوار کو سجدہ کرتا ہوں بلکہ سب یہی کہتے ہیں کہ ہم خدا کو سجدہ کرتے ہیں اور کلام الٰہی کے تقاضا کے مطابق سب لوگ کہتے ہیں کہ ملائکہ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے سجدہ کا ذکر کیا تو یوں فرمایا "ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔" اور جہاں مومنین کے سجدہ کا ذکر کیا تو فرمایا "اپنے رب کو سجدہ کرو اور اس کی عبادت اور نیک اعمال کرو۔" پس خانہ کعبہ آدم علیہ السلام کی طرح نہیں ہو سکتا اور دوسرے یہ کہ مسافر جب جانور کی پیٹھ پر خداوند تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتا ہے تو اگر اس کا رخ خانہ کعبہ کی طرف نہ بھی ہو تب بھی وہ نماز ادا کر سکتا ہے۔ اسی طرح جب کسی پر بے ہوشی طاری ہو یا کسی جنگل میں قبلہ اس کو معلوم نہ ہو سکے تو جس طرف بھی وہ رُخ کرے نماز درست ہو گی۔ پس ثابت ہوا کہ مومن دراصل خانہ کعبہ کو سجدہ نہیں کرتے بلکہ ان کا سجود درحقیقت پروردگار ہی ہوتا ہے اور جب ملائکہ کو آدم کی طرف سجدہ کرنے کا حکم ملا تو انہوں نے اس میں کوئی عذر نہ کیا جس نے اپنی طرف سے عذر تراشا وہ ملعون اور ذلیل ہو گیا اور یہ دلائل اس شخص کے لئے بہت واضح ہیں جس کو تھوڑی سی بھی بصیرت حاصل ہے۔ تیسرے یہ کہ ملائکہ معرفت و فضیلت میں انبیاء سے کیونکر فائق ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی پیدائش میں شہوت نہیں نہ ان کے دل میں حرص اور فساد ہے اور نہ طبیعت میں فریب و مکر ہے۔ ان کی غذا عبادت ہے اور طریقہ حق تعالیٰ کے حکم پر قائم رہنا ہے اور ان کے برعکس آدمی کی سرشت میں شہوت مرکب ہے اور معاصی کے ارتکاب کرنے کا اس سے احتمال ہے اور دنیا کی زینت اس کے دل میں اثر انداز اور حرص و فریب اس کی طبیعت میں منتشر ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیطان کو اس کے جسم میں اتنا غلبہ ہے کہ اس کی رگوں میں خون کے دوران کے

راستوں میں چلتا پھرتا ہے اور نفسِ امّارہ جو سب شرارتوں کو دعوت دینے والا ہے اس کا ہم نشین ہے پس وہ شخص جس کے وجود میں یہ سب اوصاف ہوں غلبہ شہوت کے امکان کے باوجود وہ فسق و فجور سے پرہیز کرے اور باوجود حرص کے دنیا سے اعراض کرے اور اپنے دل میں وسوسہ شیطان کے باوجود معاصی سے اجتناب کرے اور نفسانی آفت (خواہش) سے روگردانی کرے تاکہ عبادت پر قائم رہنے اور بندگی پر ہمیشگی کرنے اور نفس کے ساتھ جہاد کرنے اور شیطان سے جنگ کرنے میں مشغول ہو وہ فرشتہ سے یقیناً افضل ہوگا جس کی صفت میں نہ شہوت کی معرکہ آرائی ہو اور نہ اس کی طبیعت میں غذا اور لذتِ دنیا کی خواہش ہو اور نہ بیوی بچوں کا غم ہو اور نہ خویش و اقربا میں مشغول ہو نہ سبب و آلہ کا محتاج نہ چھوٹی موٹی آرزو میں مستغرق ہو مجھے اپنی جان کی قسم ہے میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو بندگی افعال میں دیکھتا اور عزت و جمال میں دیکھتا ہے اور یا بزرگی مال و اسباب کے حاصل کرنے میں دیکھتا ہے۔ ایسا شخص بہت جلد اس نعمت و بزرگی کو اپنے سے زوال پذیر دیکھے گا کیوں وہ شخص اشیاء کی فضیلت مالک حقیقی کی مہربانی میں، عزت اللہ سبحانہٗ کی رضا میں اور معرفت الٰہی کی بندگی اور اس پر ایمان لانے میں نہیں دیکھتا تاکہ اس نعمت کو اپنے لئے ہمیشہ دیکھے اور دونوں جہان میں اپنے دل کو اس سے خوش و خرم رکھے جبرائیل جو ہزار سال خلعت کے لئے عبادت کرتا رہے۔ آخر کار اس کی خلعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غاشیہ برداری تھی کہ معراج کی رات آپ کے براق کی خدمت کرنے کو اپنے لئے قابلِ افتخار سمجھا۔ پس وہ ایک نبی سے کیونکر افضل ہو سکتا ہے جو دنیا میں اپنے نفس کو ریاضت میں ڈالے، رات دن مجاہدہ کرے اور حق تعالیٰ اس پر عنایت کر کے اپنا دیدار اس کو کرامت فرمائے اور تمام وساوس سے اس کو سلامت رکھے حالانکہ یہ بھی مقرر ہے کہ جب ملائکہ کی شیخی حد سے زیادہ بڑھ گئی اور اپنے عمل کی صفائی کو حجت گردانا اور ملامت کی زبان بنی آدم کے حق میں دراز کی اور ان کے عیوب بیان کرنے لگے اور حق تعالیٰ نے چاہا کہ ان کا حال ان پر ظاہر کرے تو ان کو فرمایا کہ تم اپنے میں سے تین ایسے شخصوں کو اختیار کرو جن پر تم کو اعتماد ہے تاکہ وہ تینوں جاکر زمین کے خلیفہ ہوں اور خلقیت کی اصلاح کریں اور آدمیوں میں عدل و انصاف کریں انہوں نے تین فرشتوں کا انتخاب کیا جن میں سے ایک تو بشیر اس کے کہ وہ زمین پر آئے اس

کی خرابی کو دیکھ لیا اور خدا تعالیٰ سے واپسی کی درخواست کی اور دو فرشتے زمین پر آتے۔ خداوند تعالیٰ نے ان کی پیدائش کو تبدیل کر دیا اور انسانوں کی طرح ان میں کھانے پینے اور جماع کی خواہش پیدا کر دی چنانچہ وہ زمین پر اترتے ہی شہوت کی طرف مائل ہوئے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگے۔ انجام یہ ہوا کہ اللہ نے ان کو اس کی سزا دی۔ ان فرشتوں نے ملائکہ پر بنی آدم کی فضیلت کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تمام علما و صوفیائے محققین کے اتفاق سے مومنوں میں سے خواص خاص فرشتوں سے افضل ہیں اور عام مومن عام فرشتوں سے افضل ہیں پس انسانوں میں سے جو لوگ گناہ سے محفوظ اور معصوم ہیں یعنی اولیاء و انبیاء وہ جبرائیل و میکائیل وغیرہ خواص ملائک سے افضل ہیں اور جو محفوظ و معصوم نہیں یعنی عام مومن وہ محافظ و کراماً کاتبین فرشتوں سے افضل ہیں واللہ اعلم۔

اور اس کے متعلق کلام بہت ہے اور مشائخ طریقت میں سے ہر ایک نے اس کے متعلق کچھ نہ کچھ کہا ہے اور خدا تعالیٰ جس کو جس پر چاہتا ہے فضیلت دیتا ہے اور توفیق قبضہ قدرت الٰہی میں ہے پس تصوّف اور صوفیوں کے باہمی اختلاف کے متعلق فرقہ حکیمیہ کے مذہب سے متعلقہ امور یہی ہیں جو میں نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں لیکن حقیقت میں جاننا چاہیئے کہ ولایت اسرار الٰہی میں سے ایک سر ہے جو سوائے ریاضت کے ظاہر نہیں ہوتا اور ولی کو سوائے ولی کے کوئی نہیں پہچانتا اور اگر اس بات (ولایت) کا تمام عقلمندوں پر ظاہر کرنا جائز ہوتا تو ولی غیر ولی سے اور واصل غافل سے ممتاز نہ ہوتا پس خداوند تعالیٰ نے ایسا چاہا کہ ولایت کے موتی کو خلقت کی رسوائی کے سیپ میں رکھ کر دریا میں ڈال دے تاکہ اس کا طالب اس کے عزیز الوجود ہونے کی وجہ سے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دے اور اس مہلک دریا کو عبور کرے۔ اور اس کی گہرائی میں غوطہ لگائے تاکہ یا اس کی مراد حاصل ہو یا اس پر یہ حال ختم ہو جائے اور میں چاہتا تھا کہ اس بحث کو طویل کر دوں لیکن تمہارے ملالِ خاطر اور طبیعت کی نفرت کا خوف ایسا کرنے سے مانع تھا اور ویسے مرید باصفا کے لئے اتنا بیان ہی کافی ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

آٹھویں فصل

فرقۂ خرازیہ

خرّازی فرقہ کے لوگ حضرت ابراہیم خرّاز رحمۃ اللہ سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں اور طریقت میں آپ کی بہت واضح تصانیف موجود ہیں طریقت میں فنا و بقار کی اصطلاحات کو دراصل آپ ہی نے وضع کیا ہے اور اس طریق کے تمام مطالب و معانی کو انہی دو لفظوں میں منحصر فرمایا ہے اب میں اس مسلک کو بیان کرتا ہوں اور جن لوگوں کو اس مسلک کے بارے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے ان کا بھی ساتھ ساتھ ذکر کروں گا تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ ان کا مذہب کیا ہے اور اس گروہ خرّازیہ کی فنا و بقا کے الفاظ متداولہ سے کیا مراد ہے؟

پہلی بحث

فنا و بقا کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائیگا اور جو اللہ کے ہاں ہے وہ ہمیشہ اور باقی رہنے والا ہے"۔ دوسری جگہ فرمایا ہے "جو کچھ زمین پر ہے وہ فانی ہے اور صرف تیرے پروردگار کی ذات باقی رہ جائے گی جو بڑی شان و بزرگی والا ہے"۔

جاننا چاہیئے کہ فنا و بقا کے علم لغت کی رُو سے اور معنی ہیں اور اہل طریقت کی زبان میں ان کے کچھ اور معنی ہیں اور اہلِ ظاہر اس فرقہ (خرازیہ) کی عبارات میں سے کسی عبارت میں اتنے زیادہ متحیر نہیں جتنے کہ فنا و بقار کے ان دو لفظوں کے معنوں میں حیران ہیں۔ پس بقار علمِ لغت کی رُو سے تین قسم کی ہے:

(اوّل) وہ بقار کہ طرفِ اوّل بھی فنا میں ہو اور آخر بھی فنا میں ہو جیسا کہ یہ عالم ناسوت کہ وہ ابتدا میں بھی نہ تھا اور انتہا میں بھی نہ ہوگا اور فقط اس وقت باقی ہے۔

دوسری وہ بقا کہ پہلے کبھی نہ تھی اور بعد میں موجود ہو گئی اور کبھی فانی نہ ہوگی۔ جیسے بہشت و دوزخ اور عالمِ عقبیٰ اور اس کے رہنے والے کہ ابتدا میں نہ تھے نیست سے ہست ہوئے اور ان کی ہستی پر کبھی عدم طاری نہ ہوگا۔

تیسری وہ بقا کہ ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی یعنی کوئی ایسا وقت نہیں

ہوا کہ وہ یہ منتہی اور نہ کوئی ایسا وقت ہوگا کہ وہ نہ ہو۔ اور وہ ذاتِ حق اور اس کی صفات ازلی و ابدی ہے، بقا ہے اور وہ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے اور اس کی بقا سے مراد اس کے وجود کا ہمیشہ رہنا ہے اور کسی کو اس کی صفات میں اس کے ساتھ مشارکت نہیں۔

پس فنا کا علم یہ ہے کہ تم جان لو کہ دنیا فانی ہے اور بقا کا علم یہ ہے کہ تم جان لو کہ عقبےٰ باقی ہے، چنانچہ خدائے عزوجل نے فرمایا ہے "عالمِ آخرت بہتر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے"۔ اس آیہ میں اَبْقٰی مبالغہ کے طور پر فرمایا ہے اس لیئے کہ اس عالمِ آخرت کی عمر کی بقا کے لیئے فنا نہیں لیکن اہلِ طریقت کی اصطلاح میں فنا و بقا یہ ہے کہ جب جہالت فانی ہو جائے تو ضرور علم باقی ہوتا ہے اور جب معصیت یعنی نافرمانی فانی ہو جاتی ہے تو طاعت یعنی بندگی باقی ہوتی ہے جب بندہ اپنی بندگی کا علم حاصل کر لیتا ہے تو ذکرِ حق کے باقی رہنے سے اس کی غفلت فنا ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ جب بندہ حق تعالیٰ کا علم حاصل کر لیتا ہے تو اس کے علم کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے اور اس کے نہ جاننے سے فانی ہو جاتا ہے اور جب غفلت سے فانی ہو جاتا ہے تو اس کے ذکر سے باقی ہو جاتا ہے گویا فنا و بقا ان کے نزدیک بُرے اوصاف کو ساقط کر کے نیک صفات پر قائم ہونا ہے لیکن اہلِ طریقت میں سے خاص لوگوں کی مراد ان الفاظ سے یہ نہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے اور ان کا اشارہ اس امر میں علم اور حال کی طرف نہیں ہے بلکہ وہ فنا و بقا کو ان اہلِ ولایت کے کمال کے درجہ کے سوا کسی اور مقام میں استعمال نہیں کرتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو مجاہدہ کرتے کرتے اس کی تکلیف سے چھوٹ گئے ہیں اور مقامات کی پابندی اور احوال کے تغیر سے نکل گئے ہیں۔ حصولِ مقصد کی طلب میں مقصود پر پہنچ چکے ہیں۔ سب دیکھنے کی چیزیں دیکھ چکے اور سب سننے کی چیزیں سن چکے ہیں، دل کے جاننے کے لائق امور جان چکے اور باطن کے پانے کے لائق چیزیں پا چکے ہیں۔ دریافتِ مقصود میں اپنی دریافت کی آفت کو دیکھ چکے اور سب سے منہ موڑ چکے ہیں حتیٰ کہ مراد کا قصد ان سے فانی ہو چکا ہے اور منزلِ مقصود کی راہ طے کر کے منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ دعویٰ سے بیزار ہو کر معنیٰ سے الگ ہو گئے ہیں، ان کی کرامتیں حجاب ہو گئیں اور مقامات مشاہدہ ہو گئے ہیں، ان کے احوال آفت کا لباس پہن چکے ہیں اور عین مراد میں

مراد سے بے مراد ہو گئے ہیں اور ان کا طریق تمام مخلوق سے ہٹ کر معبود حقیقی کے لئے ہو جانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "تا کہ ہلاک ہو جو ہلاک ہوا دلیل سے اور زندہ رہے وہ جو زندہ رہا دلیل سے اور اس معنی کے متعلق میں کہتا ہوں[1] شعر ؎

(میری خواہش کے معدوم ہونے کی وجہ سے میری فنا فانی ہو گئی پس تمام امور میں میری خواہش بالکل تیری محبت ہو گئی)

پس جب بندہ اپنے اوصاف سے فانی ہو جاتا ہے تو کامل بقا کو حاصل کر لیتا ہے اور جب بندہ اپنے اوصاف کے موجود ہونے کی حالت میں اوصاف کی خرابی سے فانی ہو جاتا ہے تو مراد کی بقا کے ساتھ مراد کی فنا میں باقی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو نہ قرب و بُعد رہتا ہے اور نہ وحشت و انس اور نہ صحو و سُکر اور نہ فراق و وصال کا ڈر نہ مٹانا اور حجر سے اکھاڑنا بعد ترنام و مقام اور نہ نشان و نقش سے کچھ تعلق رہتا ہے اور اسی معنی میں ایک شیخ فرماتے ہیں

"اور میرا مقام اور نشان دونوں ہٹ گئے پس اپنے وقت میں نہ قرب کو دیکھتا ہوں اور نہ بُعد کو۔ پس میں ذاتِ حق کے ساتھ اپنی ذات و صفات سے فنا ہو کر اسی سے قائم ہوا اور میرے لئے راہِ حق ظاہر ہو گئی۔ پس فنا کے وقت یہ ظہورِ حق ہی مقصود ہے) ؛

الغرض کسی چیز سے فنا ہونا اس کی خرابی کو دیکھنے اور اس کی خواہش کے دور کرنے کے سوا درست نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس کا خیال ہے کہ اگر کسی چیز سے فنا ہونا اس چیز سے حجاب میں نہ ہوئے بغیر درست ہے وہ غلطی پر ہے۔ ایسا نہیں کہ جب کوئی آدمی کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ باقی ہوں اور یا کسی چیز سے دشمنی رکھتا ہے تو کہتا ہے کہ میں اس چیز سے فانی ہوں کیونکہ یہ دونوں صفتیں طالب کی ہیں اور فنا میں محبت و عداوت نہیں ہوتی اور نہ بقا میں جمع و تفرقہ کا دیکھنا ہوتا ہے اور ایک گروہ کو اس معنی میں غلطی ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ فنا اس کی ذات کے معدوم ہو جانے اور شخصیت کے

---

[1] فَنَاءُ فَنَائِیْ بِعَقْدِ هَوَائِیْ
فَصَارَ هَوَائِیْ فِی الْاُمُوْرِ هَوَاکَ

نیست و نابود ہو جانے کے معنی میں ہے اور بقا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بقا بندہ میں پیوست ہو جائے یہ دونوں باتیں محال ہیں اور ہندوستان میں میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو علوم ظاہری اور باطنی کا مدعی تھا۔ میرے ساتھ اس امر میں اس نے مناظرہ کیا۔ جب میں نے خوب غور کر کے دیکھا تو وہ خود نہ فنا کو پہچانتا تھا اور نہ بقا کو ہی جانتا تھا اور نہ قدیم و حادث میں فرق کر سکتا تھا اور جاہلوں میں سے اس قسم کے لوگ بہت ہیں جو فنائے کلی کو روا رکھتے ہیں اور یہ تو کھلا مکابرہ[۱] اور فضول جھگڑا ہے کیونکہ بید الشی اجزار کا فانی ہونا اور ان کا منقطع ہو جانا روا نہیں۔ ایسے جاہل خطا کاروں کو میں کہتا ہوں کہ اس فنا سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اگر وہ کہیں ہماری مراد اس سے عین یعنی کسی چیز کی ذات کا فنا ہونا ہے تو یہ بالکل محال ہے اور اگر وہ یوں کہیں کہ ہماری مراد صفت کا فانی ہونا ہے تو ہم بھی ان دو صفتوں میں سے جن کا بندہ سے تعلق ہو ایک صفت کے فانی ہو جانے کو دوسری صفت کے باقی ہونے سے جائز سمجھتے ہیں لیکن یہ محال ہے کہ کوئی شخص اپنی صفت کے بغیر کسی غیر کی صفت سے قائم ہو اور روم کے نسطوریوں[۲] اور عام نصرانیوں کا یہ مذہب ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کثرتِ مجاہدہ کی وجہ سے کل جسمانی اوصاف سے فانی ہو گئی تھیں اور بقائے الٰہی ان میں پیوست ہو گئی تھی اور جس سے انہوں نے بقا حاصل کر لی تھی۔ یہاں تک کہ وہ بقائے الٰہی سے باقی ہو گئیں اور عیسیٰ علیہ السلام اسی بقا کا نتیجہ تھے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی ترکیب کا اصل مادہ انسانی مادہ نہ تھا بلکہ ان کی بقا حقیقت میں بقائے الٰہی تھی پس وہ اور ان کی والدہ اور خداوند تعالیٰ تینوں ایک بقا کے ساتھ باقی ہیں جو قدیم اور صفتِ الٰہی ہے اور یہ سب باتیں مجسمین[۳] اور مشبہین[۴] میں سے حشویہ فرقہ کے قول کے مطابق ہیں اور جو لوگ ذاتِ حق تعالیٰ کو حوادث کا محل قرار دیتے ہیں اور قدیم کے لئے حادث کی صفت روا رکھتے ہیں میں ان سب سے کہتا ہوں کہ حادث قدیم کا اور قدیم حادث کا محل کیسے

---

۱ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے جھگڑا۔

۲ نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے

۳ وہ فرقہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے جسم ثابت کرتا ہے۔

۴ وہ فرقہ جو اللہ تعالیٰ کو عام مخلوق کی مانند سمجھتا ہے۔

بن سکتا ہے؟ اور قدیم کا وصف حادث اور حادث کی صفت قدیم کس طرح ہو سکتی ہے؟ ان باتوں کو جائز رکھنا دہریوں کا مذہب ہے اور حدوثِ عالم کی دلیل کو بھی باطل کرتا ہے اسی طرح مخلوق و خالق کو قدیم ماننا پڑتا ہے یا دونوں کو حادث کہنا لازم آتا ہے اور یہ سب خرابی مخلوق کے غیر مخلوق کے ساتھ ترکیب پانے اور غیر مخلوق کے مخلوق میں حلول کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی اور یہ خسارہ ان کے لئے کافی ہے کہ جب وہ قدیم کو محلِ حوادث کہیں اور یا حادث کو محل قدیم کہیں تو مصنوع و صانع کو قدیم یا دونوں کو حادث کہنا چاہیئے۔ لہٰذا منطقی طور پر جب مصنوع جو حادث ہے صانع کا محل ہوگا تو صانع جو اس میں حال ہے وہ بھی حادث ہوگا اور ٹھیک اسی طرح اگر صانع جو قدیم ہے محل ہوگا تو مصنوع جو اس میں حال ہے وہ بھی قدیم ہوگا کیونکہ کسی چیز کا محل عین حال کی طرح ہوتا ہے جب محل حادث ہو تو ضرور حال بھی حادث ہونا چاہیئے اور جب محل قدیم ہو تو حال کو بھی قدیم ہونا لازم ہے پس ثابت ہوا کہ حادث کو قدیم کہیں یا قدیم کو حادث یہ دونوں امر صریح گمراہی ہیں۔ الغرض جو چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ متصل اور پیوستہ، مرکب اور متحد ہو، دونوں چیزوں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے پس ہماری بقا بھی ہماری صفت ہے اور ہماری فنا بھی ہماری ہی صفت اور ہمارے اوصاف کی تخصیص میں ہماری بقا ہماری فنا کی طرح ہے اور ہماری فنا، ہماری بقا کی طرح پس فنا ایک وصف کا فنا ہونا ہے اور دوسرے وصف کی بقا کی وجہ سے لہٰذا اگر کوئی شخص فنا سے وہ فنا مراد لے جس کے ساتھ بقا کا کوئی تعلق نہ ہو تو روا ہے۔ اسی طرح اگر بقا سے وہ بقا مراد لے جس کے ساتھ فنا کا کوئی واسطہ نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ مراد اس فنا سے ذکرِ ماسوی اللہ کی فنا ہے اور بقا سے مراد ذکرِ حق تعالیٰ کی بقا ہے اور جو اپنی مراد سے فانی ہو جاتا ہے وہ مرادِ حق سے باقی ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ تیری مراد تو فانی ہے اور حق تعالیٰ کی مراد باقی ہے جب تو اپنی مراد کے ساتھ قائم ہوگا تو تیری مراد فانی ہو جائے گی اور تیرا قیام فنا پر ہوگا اور پھر جب تو مراد حق تعالیٰ پر عمل کرے تو مراد حق تعالیٰ باقی رہے گی اور تیرا قیام بقا پر ہوگا اور اس کی مثال یوں بھی ہو سکتی ہے کہ جو چیز آگ میں گر جائے وہ اس کے غلبہ سے اسی کی صفت اختیار کر کے

آگ ہی بن جاتی ہے پس جب آگ کا غلبہ ایک چیز کے وصف کو اس کے اندر تبدیل کر سکتا ہے تو حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ تو آگ کے غلبہ سے بہت بہتر ہے حالانکہ آگ کا تصرف تو لوہے کے وصف کے تبدیل کرنے میں ہوتا ہے مگر لوہے کی ذات تو جوں کی توں موجود ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ لوہا کبھی آگ نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم۔

دوسری بحث

فنا و بقا کے متعلق مشائخ کے رموز

مشائخ رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک کے لئے اس معنی کے متعلق ایک لطیف امر ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ جو صاحب مذہب ہیں فرماتے ہیں: "فنا سے مراد بندہ کا اپنی بندگی کو دیکھنے سے فانی ہو جانا ہے اور بقا سے مراد بندہ کا مشاہدۂ الٰہی کے ساتھ باقی رہنا ہے۔" یعنی عمل میں اپنی بندگی کو دیکھنا خرابی ہے۔ چنانچہ بندہ بندگی کی حقیقت پر اس وقت پہنچتا ہے جب کہ وہ اپنے عمل کو نہ دیکھے اور اپنے فعل کو دیکھنے سے بالکل فنا ہو جائے اور خدا تعالیٰ کے فضل کو دیکھنے کے ساتھ باقی رہے تاکہ اس کے عمل کا تعلق حق تعالیٰ سے ہو نہ خود اپنی ذات سے کیونکہ جو فعل بھی بندہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ ناقص ہوتا ہے اور جو فعل حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو پہنچتا ہے وہ سب کامل ہوتا ہے۔ پس جب بندہ اپنے متعلقات سے فانی ہو جاتا ہے تو جمالِ حق تعالیٰ سے باقی رہتا ہے۔ حضرت ابو یعقوب نہر جوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "بندگی کا صحیح ہونا فنا و بقا میں مضمر ہے۔" اس لئے کہ جب تک بندہ ہر ایک چیز سے بیزاری ظاہر نہ کرے خالص خدمتِ حق کے لائق نہیں ہوتا۔ پس بشریت کے لوازم سے بیزاری ظاہر کرنا فنا ہے اور خالص اللہ کی عبادت کرنا بقا ہے۔ حضرت ابراہیم بن شیبانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "فنا و بقا کے جاننے کا دارومدار خالص وحدانیت اور صحیح عبودیت پر ہے اور جو کچھ اس کے سوا ہے وہ مغالطہ اور بے دینی ہے۔" یعنی بندہ جب حق تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر لیتا ہے تو اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے حکم سے مغلوب و مقہور دیکھتا ہے اور مغلوب غالب

کے غلبہ میں فانی ہوتا ہے اور جب اس کی فنا اس پر درست ہو جاتی ہے تو وہ اپنی عاجزی کا اقرار کر لیتا ہے اور پھر سوائے بندگی کے کوئی چارہ نہیں دیکھتا۔ اور بہ رضائے حق کی درگاہ کے حلقہ کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے اور جو شخص فنا اور بقا کو اس کے سوا کسی اور امر سے تعبیر کرے یعنی یوں تعبیر کرے کہ فنا کو اپنی ذات کی فنا جانے اور بقا کو بقائے حق تعالیٰ سمجھے یہ بے دینی ہے۔ یہ نصاریٰ کا مذہب ہے جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے اور میں علی بن عثمان جلابی (رضی اللہ عنہ) کہتا ہوں کہ بغور دیکھا جائے تو یہ سب اقوال معنی کی رُو سے ایک دوسرے سے قریب ہیں اگرچہ عبارت میں مختلف ہیں اور ان سب کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ کو فنا جلالِ الٰہی کے دیکھنے اور دل پر اس کی عظمت کے ظاہر ہونے سے ہوتی ہے تاکہ اس کی عظمت کے غلبہ میں دنیا اور عقبیٰ اس کے دل سے فراموش ہو جائے اور سب احوال اس کی ہمت کی نظر میں حقیر معلوم ہوں اور کرامات کا ظہور اس کے حال میں ہیچ محض ہو جائے حتیٰ کہ عقل و نفس اور فنا سے بھی فانی ہو جائے اور عین فنا کے اندر اس کی زبان حق کے ساتھ ناطق ہو اور اس کا دل و جسم خضوع و خشوع کرنے والا ہو جیسا کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے آپ کی اولاد کے نکالے جانے کے شروع میں حال کے اندر آفات کی ترکیب کے بغیر عہد عبودیت باندھا گیا تھا۔ ایک شیخ اسی معنی میں فرماتے ہیں شعر ؎

”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری طرف پہنچنے کی کیا صورت ہے تو میں اپنے آپ کو اپنے تمام متعلقات سے فنا کر لیتا اور تیرے اشتیاق میں روتا رہتا۔“

اور دوسرے بزرگ فرماتے ہیں۔ شعر ؎

”پس میری بقا میں میری فنا کا فنا ہونا ہے اور میری فنا میں تو نے معلوم کر لیا کہ میں نے اپنے نام اور اپنے جسم کے نشان کو مٹا دیا ہے اور جب مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کون ہے؟ تو میں کہتا ہوں تو ہی ہے۔“

یہ ہیں فنا و بقا کے احکام اور فقر و تصوف کے باب میں بھی کچھ احکام میں نے بیان کر دیئے ہیں اور جہاں کہیں اس کتاب میں فنا و بقا کا بیان کروں گا یہی مراد ہو گی۔ یہ ہے خرازیہ فرقہ کا مذہب اور حضرت ابو سعید خراز

رحمۃ اللہ علیہ کے حال کا اصل ۔ اور یہ بہت ہی اچھا اصل ہے " وہ فضل جو جہل کی دلیل ہو وہ بے اصل نہیں ہوتا ۔ اور اس گروہ کے کلام کے دوران یہ مقولہ بہت مشہور ہے ۔ واللہ اعلم ۔

نویں فصل

فرقہ خفیفیہ

خفیفیہ فرقہ کے لوگ حضرت ابی عبداللہ محمد ابن خفیف شیرازی رحمۃ اللہ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں جو گروہ صوفیہ کے سرداروں اور بزرگوں میں سے ہوئے ہیں اپنا اپنے وقت کے عزیز اور علوم ظاہر و باطن کے عالم تھے اور علم طریقت کے شعبوں میں آپ کی تصنیفات بہت مشہور و معروف ہیں اور آپ کے اوصاف اس سے زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کر سکیں الغرض آپ اپنے زمانہ میں نہایت باعزت اور پاک نفس بزرگ تھے اور شہوت نفسانی کی متابعت سے منہ موڑے ہوئے تھے اور میں نے سنا ہے کہ آپ نے چار سو نکاح کئے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ شہزادوں میں سے تھے اور جب آپ نے توبہ کی تو شیراز والوں نے آپ سے بہت تقرب حاصل کیا جب آپ کا حال ترقی پا گیا تو بادشاہوں اور رئیسوں کی لڑکیوں نے برکت کے حصول کے لئے آپ سے نکاح کرنا چاہا ۔ آپ ان سے نکاح کر لیا کرتے اور صحبت سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دیا کرتے تھے لیکن چالیس عورتیں جو بیگانہ اور پریشان حال تھیں ۔ آپ کی عمر میں دو دو تین تین کر کے آپ کے بستر کی خادم رہیں اور ان میں سے ایک تو چالیس سال تک آپ کی صحبت میں رہی جو ایک وزیر کی لڑکی تھی اور میں نے شیخ ابوالحسن علی بن بکران الشیرازی سے سنا ہے کہ ایک روز ان عورتوں کا جو آپ کے عقد میں تھیں ایک جگہ اجتماع ہوا ۔ ہر ایک نے آپ کے متعلق اپنی وابستگی کی حکایت بیان کی چنانچہ سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ انہوں نے شیخ کو خلوت میں اسباب شہوت کے تابع کبھی نہیں دیکھا چنانچہ یہ سن کر ہر ایک کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا اور متعجب ہوئیں حالانکہ اس سے پہلے ہر ایک سمجھتی تھی کہ شیخ فلاں عورت سے خاص تعلق رکھتے ہیں ۔ بالآخر سب

کہنے لگیں کہ آپ کی صحبت کے بھید سے وزیر کی لڑکی کے سوا اور کوئی خبر نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ کئی سال سے ان کی صحبت میں ہے اور آپ کے نزدیک سب عورتوں سے زیادہ محبوب وہی عورت ہے پس انہوں نے اس مجلس میں اپنے میں سے دو عورتوں کا انتخاب کیا اور اس (وزیر کی لڑکی) کے پاس بھیجا کہ شیخ تجھ سے بہت خوش رہتے ہیں تو ہمیں ان کی صحبت کے بھید سے آگاہ کر۔ اس نے کہا کہ جس دن شیخ نے مجھ سے عقد باندھا۔ اسی دن ایک شخص نے میرے پاس آکر کہا کہ شیخ آج رات تیرے کمرہ میں آئیں گے۔ میں نے اچھے اچھے کھانے پکائے اور اپنی زیب و زینت میں خوب تکلف کیا۔ جب وہ آئے تو نوکر ان کے پاس کھانا لائے اور مجھے آپ نے بلایا تو کبھی آپ میری طرف دیکھتے اور کبھی کھانے کی طرف۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنی آستین کے اندر رکھا تو میں نے دیکھا کہ آپ کے سینہ سے لے کر ناف تک پیٹ میں پندرہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا اے وزیر کی لڑکی! تو پوچھ کہ یہ گانٹھیں کیا ہیں؟ جب میں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ یہ سب صبر کی سختی اور تکلیف سے وجود میں آئی ہیں کیونکہ میں نے ایسے چہرے اور ایسے کھانے سے صبر کیا۔ یہ بات کہہ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ میری زیادہ گستاخی آپ کے ساتھ یہی ہوئی۔ اس کے بعد متواتر کئی سال میں آپ کی خدمت و رضا جوئی میں مصروف رہی اور آپ سے کوئی نفسانی خواہش نہیں کی اور تصوف میں آپ کے مذہب کا اصل اصول غیبت اور حضور ہے اور وہ اسی کو بیان کیا کرتے ہیں اور میں انشاء اللہ تعالیٰ اپنی طاقت کے مطابق اس کو بیان کروں گا۔

بحث

غیبت و حضور

غیبت و حضور ایسے الفاظ ہیں کہ کسی معنی مقصود پر ان کا اطلاق ایسا ہوتا ہے جیسا کسی آنکھ میں اصل چیز کا عکس پڑتا ہے پھر وہ عکس اصل سے متضاد معلوم ہوتا ہے اور یہ لفظ اہل زبان اہل معنی کے درمیان مستعمل اور مروج ہیں پس حضور سے مراد یقینی دلالت کے ساتھ اللہ کے سامنے دل کا حاضر ہونا ہے

تاکہ نفی حکم اس کے لئے نفی حکم کی طرح ہو جائے اور غیبت سے مراد ماسوی اللہ
سے دل کا اس حد تک غائب ہو جانا ہے کہ وہ اپنے آپ سے بھی غائب ہو
جائے بلکہ اپنے غائب ہونے سے بھی غائب ہو جائے تاکہ وہ اپنی اس غیبت
میں آپ اپنا نظارہ کر سکے اور اس کی علامت رواجی امور کے حکم سے اعراض
کرنا ہے اور ان سے اپنے آپ کو ایسا معصوم بنانا ہوتا ہے جیسا کہ نبی حرام
امور سے معصوم ہوتا ہے پس اپنے آپ سے غائب ہونا حق تعالیٰ کے سامنے
حاضر ہونا ہے اور خدا کے حضور میں حاضر رہنا اپنے آپ سے غائب ہونا ہے
چنانچہ جو شخص اپنے آپ سے غائب ہو جاتا ہے وہ حق کے سامنے حاضر
ہوتا ہے اور جو شخص حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتا ہے وہ اپنے آپ سے
غائب ہوتا ہے چونکہ دل کا مالک اللہ تعالےٰ ہے پس جب اللہ عزوجل کی کششوں
میں سے کوئی کشش طالبِ حق کے دل کو مقہور و مغلوب کر لیتی ہے تو دل کا غائب
ہونا اس کے نزدیک حاضر ہونے کے مانند ہوتا ہے اور اس کے دل سے کسی اور
کی شرکت اٹھ جاتی ہے اور اس کے علاوہ کسی چیز کو اپنے سے نسبت دینا منقطع
ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

"دل ہے اور تو اس کا تنہا مالک ہے پس وہ کیسے منقسم ہو سکتا ہے"
جب دل کا سوائے حق سبحانہٗ و تعالےٰ کے کوئی اور مالک نہ ہو تو خواہ

اس کو غائب رکھے یا حاضر وہ اسی کے تصرف میں ہوتا ہے اور اسی کے حکم میں
اور جمع کی آنکھ سے دیکھنا سب محبت سے سب احباب کا عمل یہی ہے
رہا یہ امر کہ غیبت اور حضور میں کونسا زیادہ افضل ہے۔ سو اس میں مشائخ کرام نے
اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے ایک گروہ حضور کو غیبت پر مقدم رکھتا ہے اور
دوسرا گروہ غیبت کو حضور پر ترجیح دیتا ہے جیسا کہ ہم نے صحو اور سکر میں بیان کیا
ہے فرق صرف اتنا ہے کہ صحو اور سکر تو اوصاف کی بقا کا پتہ دیتے ہیں اور
غیبت و حضور اوصاف کی فنا کا۔ . . . . . اور نظرِ تحقیق میں یہ غیبت و حضور
کا اعزاز ہے۔ جو لوگ غیبت کو حضور پر مقدم رکھتے ہیں وہ ابن عطا و حسین ابن
منصور و ابوبکر شبلی و بندار ابن حسین و ابو حمزہ بغدادی و سمنون محب رضی اللہ عنہم ہیں

اور عراقیوں میں ایک جماعت کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ راہِ حق میں سب سے بڑا حجاب تو خود ہے۔ جب تو اپنی خودی سے غائب ہو جائے اور تیری ہستی کو ثابت کرنے والی چیزیں تیرے اندر فانی ہو جائیں۔ تیرے حال کی بنیاد پلٹ جاتے۔ مریدوں کے مقامات سب تیرے لئے حجاب بن جائیں اور طالبوں کے احوال تیرے لئے محل آفت بن جائیں۔ اسرار تیری نظر میں زنار ہو جائیں اور ہستی کو ثابت کرنے والے امور تیرے ارادہ کے سامنے حقیر اور خوار ہو جائیں اور تیری آنکھ اپنے سے اور غیر سے بالکل بند ہو جائے اور بشریت کو ثابت کرنے والی باتیں تیرے اندر قربتِ الٰہی کے شعلہ سے جل جائیں اور اس وقت صورتِ حال ایسی ہے کہ گویا خداوند تعالیٰ نے تیری غیبت کی حالت میں تجھے آدم علیہ السلام کی پشت سے باہر نکالا اور اپنا کلامِ عزیز تجھے سنایا اور توحید کے خلعت اور مشاہدۂ حق کے لباس سے مخصوص فرمایا اور جب تک تو اپنے آپ سے غائب تھا دنیا میں موجود نہیں تھا حق تعالیٰ کے حضور میں بے حجاب حاضر تھا۔ جب تو اپنی صفات کو دیکھنے لگا اور دنیا میں آموجود ہوا تو قرب حق سے تو غائب ہو گیا۔ پس تیری ہلاکت تیرے اپنے آپ کو دیکھنے کی صورت میں ہے اور یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ تم مرنے کے بعد ہمارے پاس اسی طرح تنہا آتے جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا؛

اور پھر حارث محاسبی وجنید وسہل بن عبداللہ وابوحفص حداد و ابوحمدان قصار وابو محمد حریری وحصری ومحمد بن خفیف رضی اللہ عنہم جو سب کے سب اصحابِ مذہب ہیں مع دوسری جماعت کے اس بات پر متفق ہیں کہ حضور غیبت سے افضل ہے کیونکہ سب خوبیاں حق کے حضور میں حاضر رہنے سے متعلق ہیں اور اپنے آپ سے غائب ہونا حضورِ الٰہی میں حاضر ہونے کا ذریعہ ہے۔ جب تو بارگاہِ حق میں پہنچ گیا تو ذریعہ اس وقت ایک آفت ہو جاتا ہے پس جو شخص اپنے آپ سے غائب ہو وہ ضرور بارگاہِ حق میں حاضر ہوتا ہے اور غیبت کا فائدہ کبھی حضور کی وجہ سے ہے اور غیبت بلا حضور جنون اور دیوانگی ہے۔ لہٰذا طالبِ حق کو چاہئے کہ غفلت کو چھوڑ دے تاکہ اس

غیبت کا مقصود حضور ہوا جب مقصود حاصل ہو گیا تو علت ساقط ہو گئی۔ شعر ہے

"غائب وہ نہیں جو اپنے شہرِ وطن سے غائب ہو، بلکہ غائب تو وہ ہے جو اپنی مراد سے غائب ہو۔"

مطلب یہ کہ اپنے تمام ارادے چھوڑ دے اور حق کا ارادہ ہی اس کا ارادہ ہو اور حاضر یہ نہیں کہ جس کی کوئی مراد نہ ہو بلکہ حاضر تو وہ ہے کہ جس کا دل ہی نہ ہو کہ اس میں کوئی اور مقصود قرار پذیر ہو سکے تاکہ نہ دل ہو نہ اس میں دنیا و آخرت کا ذکر پیدا ہو اور نہ خواہشِ نفس سے اس کو آرام ہو۔ اور اسی معنی میں ایک بزرگ فرماتے ہیں شعر ہے

"جو شخص اپنے نفس اور خواہش اور احباب کے ساتھ انس کرنے سے فانی نہیں ہوا وہ گویا مراتب کے درمیان حظِ نفس کے حاصل کرنے یا نیک انجام کے لیے ٹھہرا ہوا ہے۔"

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت ذوالنون مصریؒ کے مریدوں میں سے ایک نے حضرت بایزید رحمۃ اللہ کی زیارت کا قصد کیا۔ جب وہ عبادت خانے کے دروازے پر پہنچا اور اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو حضرت بایزیدؒ نے پوچھا تو کون ہے؟ اور کس سے ملنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت بایزید سے۔ آپ نے فرمایا بایزید کون ہے؟ کہاں ہے؟ اور کیا کام کرتا ہے؟۔ میں تو ایک مدت سے بایزیدؒ کی جستجو میں ہوں لیکن وہ مجھے ملا نہیں اور جب وہ شخص واپس لوٹا اور اپنا حال ذوالنون رحمۃ اللہ سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: اَخِی اَبُوْ یَزِیْدَ ذَهَبَ فِی الذَّاهِبِیْنَ فِی اللّٰہِ (میرا بھائی بایزید ان لوگوں میں چلا گیا ہے جو فانی اللہ ہو گئے ہیں) اور ایک شخص حضرت جنید کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا۔ آپ مہربانی کر کے مجھے تھوڑی دیر کے لیے شرفِ ملاقات بخشئے میں چند باتیں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے جوان مرد! تو مجھ سے وہ چیز طلب کرتا ہے جو مدت ہوئی میں خود ہی تلاش کر رہا ہوں۔ میں تو کئی سال سے یہ چاہتا ہوں کہ دم بھر کے لئے اپنی طرف متوجہ ہو جاؤں مگر ایسا نہ ہو سکا۔ پھر بھلا ایسی صورت میں تیری طرف

کیسے متوجہ ہو سکتا ہوں۔ پس غیبت میں حجاب کی وحشت ایک اور حجاب ہے اور حضور میں کشف راحت ہے اور اسی معنی میں شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں شعر

"جدائی اور غیبت کا بادل حبیب کے چاند جیسے رخسار سے چھٹ گیا اور غیبت کے اندھیرے میں صبح کا نور روشن ہو گیا۔"

اس معنی کے فرق کے متعلق مشائخؒ کا ایک مشہور لطیفہ ہے جو حقیقت میں حال کے ساتھ تعلق رکھتا ہے گو ظاہر میں وہ قال سے متعلق ہے۔ یہ بزرگ غیبت اور حضور کے دونوں الفاظ کو آپس میں قریب المعنی ظاہر کرتے ہیں یعنی کیا حق تعالےٰ کے سامنے حاضر ہونا اور کیا اپنے آپ سے غائب ہونا درحقیقت یہ دونوں امر مساوی ہیں کیونکہ اپنے آپ سے غائب ہونے سے مراد حق کے سامنے حاضر ہونا ہے اور جو اپنے آپ سے غائب نہیں وہ حق کے سامنے حاضر نہیں اور جو حق کے سامنے حاضر ہے وہ اپنے آپ سے ضرور غائب ہے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیقراری محبت کے وارد ہونے کی حالت میں اپنی ذات کی طرف توجہ کرنے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ اس حالت میں اپنے آپ سے بالکل غائب تھے۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے آپ کی عین اس بے قراری کو صبر سے الگ نہیں فرمایا۔ چنانچہ جب آپ نے نہایت جزع و کرب کی حالت میں اللہ تعالےٰ سے عرض کیا "مجھے سخت تکلیف پہنچی" تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت فرمایا "بے شک ہم نے اسے نہایت صابر پایا اور یہ حکمت بعینہٖ اس کے قصّہ سے ظاہر ہے۔ اچھی طرح غور کرو تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایک وقت میری یہ حالت تھی کہ اہلِ آسمان و زمین میری حیرانی پر روتے تھے پھر ایسا ہوا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ نہ ان کی مجھے خبر ہے نہ اپنی خبر اور یہ حضور کی طرف بہت اچھا اشارہ ہے۔ پس غیبت و حضور کے مختلف مشائخ کے نزدیک یہ معنی ہیں جو میں نے مختصراً بیان کر دیئے تاکہ خفیفیہ فرقہ کا مسلک تجھے معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے

کہ غیبت و حضور سے ان لوگوں کی کیا مراد ہے کیونکہ شرح و توضیح کتاب کو طویل کر دے گی اور میرا طریق اس کتاب میں اختصار ہے اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

دسویں فصل

فرقہ سیاریہ

سیاریہ فرقہ کے لوگ حضرت ابو العباس سیاری رحمۃ اللہ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ آپ مرو میں امام تھے اور سب علوم کے عالم اور حضرت ابو بکر واسطی رحمۃ اللہ کے ہم نشین تھے۔ آج بھی نسا اور مرو میں آپ کے طبقہ کے بہت سے لوگ موجود ہیں اور حق یہ ہے کہ آپ کے مذہب کے سوا اور کوئی مذہب تصوف میں اپنے حال پر نہیں رہا کیونکہ کسی وقت بھی مرو اور نسا کسی ایسے پیشوا سے خالی نہیں رہا ہے جو آپ کے اصحاب کو آپ کے مذہب پر قائم رکھنے کے لئے آج تک ان کی حفاظت نہ کرتا رہا ہو۔ آپ کے ان اصحاب کی طرف سے جو اہل نسا سے ہیں کچھ عمدہ رسالے اور خطوط اہل مرو کے نام بھیجے گئے تھے اور جن کے ذریعے انہوں نے اہل مرو سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا اور میں نے ان خطوط میں سے بعض کو مرو میں خود دیکھا ہے۔ وہ بہت ہی اچھے ہیں اور ان کی عبارتیں جمع و تفرقہ پر مبنی ہیں اور یہ ایک ایسا لفظ ہے جو تمام اہل علوم کے درمیان مشترک ہے اور ایک گروہ خاص طور پر اس لفظ کو اپنی عبارت کے سمجھانے میں استعمال کرتا ہے لیکن ہر ایک گروہ کی مراد اس لفظ سے جدا جدا ہے۔ چنانچہ محاسبیہ فرقہ کے لوگ جمع و تفریق سے کسی چیز کے اعداد کا جمع ہونا اور علیحدہ ہونا مراد لیتے ہیں اور نحوی لوگ نحوی اسماء و صفات کا لفظوں میں متفق اور معانی میں مختلف ہونا اس سے مراد لیتے ہیں اور فقہا، قیاس کا جمع ہونا اور نص کی صفات کا علیحدہ و مختلف ہونا یا نص کا جمع ہونا اور قیاس کا مختلف ہونا مراد لیتے ہیں اور اہل اصول صفات ذاتیہ کا جمع ہونا اور صفات فعلیہ کا اختلاف مراد لیتے ہیں لیکن اس گروہ سیاریہ کی مراد جمع و تفرقہ کے الفاظ سے یہ باتیں نہیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں۔ اس

لئے اب میں ان الفاظ سے اس گروہ کے مقصود کو اور ان کے مشائخ کے اختلاف کو انشاء اللہ بیان کروں گا تاکہ تم کو اس کی حقیقت اور مشائخ میں سے ہر ایک گروہ کا جمع و تفرقہ سے جو مقصود ہے وہ معلوم ہو جائے۔

پہلی بحث

جمع و تفرقہ کی حقیقت

یاد رکھئے کہ اللہ تعالےٰ نے سب لوگوں کو اپنی دعوت میں جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ بیان فرمایا ہے "اللہ سب کو دار السلام یعنی جنت کی طرف بلاتا ہے"۔ پھر ہدایت کے بارے میں ان میں تفریق کر دی اور فرمایا وہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔ مطلب یہ کہ وہ سب کو دعوت دے کر جنت کی طرف بلاتا ہے۔ پھر ایک گروہ کو اپنی مشیت کے تحت ہدایت دیتا ہے اور دوسرے کو اپنی رحمت سے محروم کر کے رد کر دیتا ہے گویا سب کو حکم میں پہلے جمع کر دیا اور پھر ان میں تفریق کر دی۔ ایک گروہ کو مقبول اور دوسرے کو مردود بنایا۔ اسی طرح اس نے سب کو نہی میں جمع کر کے سب کو معاصی سے دور رہنے کی تاکید فرمائی اور پھر ان میں تفریق کر دی کہ ایک گروہ کو بالکل عصمت عطا فرمائی اور دوسرے کو گناہ کی طرف راغب کر دیا۔ پس اس معنی کے اعتبار سے جمع کے بھید کی حقیقت حق تعالےٰ کے علم و ارادہ میں ہے لیکن تفرقہ سو وہ امر و نہی کا ظاہر کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسمٰعیل کا سر کاٹ اور چاہا کہ وہ ایسا نہ کرے اور آدم سے فرمایا کہ گیہوں نہ کھا اور چاہا کہ وہ کھائے اور اسی طرح بہت سی مثالیں ہیں جہاں اللہ تعالےٰ نے کرنے کا حکم دیا اور نہ کرنا چاہا۔ پس جمع سے مراد وہ ہے کہ جو اللہ نے اپنے اوصاف کو جمع کیا ہے اور تفرقہ سے مراد وہ ہے جو اس نے اپنے افعال میں تفریق کی ہے اور یہ سب ارادۂ حق کے اثبات میں ارادہ کا منقطع ہو جانا اور خلقت کے تصرف کو ترک کرنا ہے اور جمع و تفرقہ کی مذکورہ بالا توجیہات سے معتزلہ کے سوا تمام مشائخ طریقت نے اہل سنت و جماعت سے اتفاق کیا ہے۔ البتہ ان عبارات کے استعمال میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ جمع کو توحید پر استعمال کرتے ہیں۔ اور

کہتے ہیں کہ جمع کے دو درجے ہیں ایک اوصافِ الٰہی میں اور دوسری اوصافِ بندہ میں جو جمع اوصافِ الٰہی میں ہے وہ توحید کا بھید ہے۔ بندہ کا کسب اس سے منقطع ہے اور جو اوصاف بندہ میں ہیں وہ صدقِ عقیدہ اور پختہ ارادہ ہے اور یہ قول ابو علی رودباری رحمۃ اللہ کا ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو ان الفاظ کو اوصافِ الٰہی پر جاری کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جمع صفاتِ الٰہی ہیں اور تفرقہ اس کے افعال ہیں اور بندہ کا کسب ان سے منقطع ہے اس لئے کہ الوہیت میں کوئی اس سے جھگڑا کرنے والا نہیں پس جمع اس کی ذات و صفات کے لئے ہے اس لئے کہ جمع اصل میں برابر کرنے کو کہتے ہیں اور سوائے اس کی ذات و صفات کے قدم اور ہمیشگی میں اور کوئی چیز مساوی نہیں اور ذات و صفاتِ الٰہیہ کی علیحدگی کے متعلق بیان و تفصیل میں لوگ متفق ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں اور وہ ان سے مخصوص ہے اور ان صفات کا قیام اس کی ذات سے ہے اور ان کا وجود اس کی ذات سے محقق ہے لہٰذا وہ اور اس کی صفات علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں کیونکہ اس کی وحدانیت میں تفرق و تعدد روا نہیں پس اس پر جمع کا حکم سوائے اس معنی کے اور کسی لحاظ سے روا نہیں۔

احکامِ الٰہی میں تفرقہ

یہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں جو سب علم میں مختلف ہیں اگر ایک فعل کے لئے حکم وجود کا ہے تو دوسرے فعل کے لئے حکم عدم کا ہے لیکن جو ممکن الوجود ہوتا ہے اس میں ایک کو حکم فنا کا ہوتا ہے اور دوسرے کو حکم بقا کا ان کے علاوہ ایک گروہ اور ہے جو جمع و تفرقہ کے الفاظ کا علم پر اطلاق کرتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جمع علم توحید الٰہی ہے اور تفرقہ علم احکامِ الٰہی۔ پس علم اصول جمع ہے اور علم فروع تفرقہ۔ اور مشائخ میں سے ایک بزرگ نے یہی کہا ہے کہ جمع وہ ہے جس پر اہلِ علم نے اتفاق کیا ہے اور تفرقہ وہ ہے جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ اور پھر اہلِ تصوف میں سے جمہور محققین اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو تازہ کرے، ان کی عبارات اور اشارات کے موقعوں میں لفظ تفرقہ سے مراد مکاسب معاملات اور جمع سے مراد مواہب یعنی مجاہدات اور مشاہدہ ہے۔

پس جو کچھ بندہ اور حسنِ عمل سے حاصل کرتا ہے وہ سب تفرقہ ہے اور جو کچھ محض عنایت اور ہدایتِ الٰہی سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے وہ جمع ہے اور بندہ کی عزت اس میں ہے کہ اپنے افعال کے وجود اور مجاہدہ کے ممکن ہونے میں جمالِ الٰہی کی وجہ سے اپنے فعل کی خرابی سے چھوٹ جائے اور اپنے افعال کو حق تعالیٰ کے افعال میں ڈوبا ہوا پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے مقابلہ میں بالکل معدوم سمجھے پس پورے طور پر اس کا قیام حق تعالیٰ کے ساتھ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اوصاف کا مظہر ہو یعنی اس کے اوصاف کا وکیل و کارساز ہو اور اس بندہ کے ہر فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تاکہ وہ اپنے کسب کی نسبت سے چھوٹ جائے چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جبرئیل علیہ السلام سے اور جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جب میں اس کو دوست بنا لیتا ہوں تو اس کی ہستی کو اس میں فنا کر کے اس کے جملہ افعال کی نسبت اس سے اٹھا لیتا ہوں حتیٰ کہ میں خود اس کے کان اور آنکھ اور ہاتھ اور زبان ہو جاتا ہوں چنانچہ وہ میرے ہی ذریعہ سے سنتا اور میرے ہی ذریعہ سے دیکھتا اور میرے ہی سبب سے کوئی چیز پکڑتا اور میرے ذریعہ سے بولتا ہے یعنی ہمارے ذکر میں ہمارے ذکر سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کا اپنا کسب اس کے ذکر سے فنا ہو جاتا ہے اور ہمارا ذکر اس کے ذکر پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے اور اس کے ذکر سے بشریت کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے پس اس کا ذکر ہمارا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ غلبہ ذکر کی حالت میں وہ اس صفت پر ہوتا ہے جیسے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے: "میری ذات پاک ہے۔ میری شان بڑی عظیم ہے۔" اور جو کچھ آپ نے کہا تھا اس گفتار کا نشانہ تو خود تھے یعنی گفتار آپ کے منہ سے ہی سرزد ہو رہی تھی لیکن کہنے والا حق تعالیٰ تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "حق تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر بولتا ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کی قاہریت آدمی پر اپنا غلبہ ظاہر کرتی ہے تو اس کی ہستی کو اس سے چھین لیتی ہے یہاں تک کہ اس بندہ کی گویائی تبدیل ہو کر

اللہ تعالیٰ کی گویائی ہو جاتی ہے بغیر اس کے کہ حق تعالیٰ نے مخلوقات کے ساتھ امتزاج پائے یا موجودات کے ساتھ متحد ہو۔ یا اللہ تعالیٰ نے اشیاء میں حلول کیے۔ اللہ تعالیٰ اس سے اور ان سب فضول باتوں سے جو ملحدین اس ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کرتے ہیں بہت بلند ہے۔ پس روا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندہ کے دل پر غلبہ پا جائے اور اس محبتِ الٰہی کے غلبہ اور زیادتی کی وجہ سے عقل اور طبیعت اس کے برداشت کرنے سے عاجز ہو جائے اور پھر اس کا معاملہ بندہ کے کسب و مجاہدہ سے ساقط ہو جائے۔ اس وقت اس درجہ کو جمع کہتے ہیں[1] اور دوسرے الفاظ میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود۔ چنانچہ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبتِ الٰہی میں غرق اور مغلوب تھے تو جو فعل آپ سے سرزد ہوا خداوند تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت آپ سے دور کر کے فرمایا کہ وہ فعل میرا تھا نہ کہ تیرا

[1] وَحْدَتُ الْوُجُوْد اور وَحْدَتُ الشُّهُوْد صوفیہ کرام کی دو مشہور اصطلاحیں ہیں جو ممکنات کے حقائق میں اختلاف کی وجہ سے سطح پا گئیں۔ چنانچہ صوفیہ کا ایک گروہ اس امر کا قائل ہے کہ عالم میں فقط ایک ہی وجود ہے اور وہ ذاتِ حق ہے اور باقی موجودات و ممکنات اسی ذاتِ حق میں علیٰ سبیل الاجمال اسی طرح منطوی ہے جس طرح ایک درخت اپنی ٹہنیوں، پتوں اور دوسرے شیون متنوعہ کے ساتھ ایک دانہ میں اجمالی طور پر منطوی ہوتا ہے لہٰذا انہوں نے وحدت الوجود یعنی "ہمہ اوست" کی تلقین شروع کی اور یہی عقیدہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی و اتباعہٗ کا ہے اور ایک گروہ اس امر کا معتقد ہے کہ ممکنات موجود تو ہیں لیکن ان کا وجود عارضی، ظلی اور انتزاعی ہے۔ اصل وجود صرف ذاتِ حق کا ہے جس سے ان ممکنات کے وجود کا اس طرح ظہور ہوتا ہے جس طرح شعلۂ جوالہ سے گھماتے وقت ایک موہوم دائرہ نظر آتا ہے ـــ یا ـــ آئینہ میں دیکھتے وقت اپنی صورت دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے "وحدت الشہود" کو رواج دیا۔ اس نظریہ کے قائل الشیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی اور ان کے اتباع ہیں لیکن امعان سے دیکھا جائے تو ان بزرگوں کا یہ نزاع لفظی ہے، نہ کہ معنوی۔ اس لئے کہ ہمہ اوست اور ہمہ از وست کا مآل بالکل واحد ہے۔

اللہ تعالےٰ کی گویائی ہو جاتی ہے بغیر اس کے کہ حق تعالےٰ مخلوقات کے ساتھ امتزاج پائے یا موجودات کے ساتھ متحد ہو۔ یا اللہ تعالےٰ اشیاء میں حلول کرے اللہ تعالیٰ اس سے اور ان سب فضول باتوں سے جو ملحدین اس ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کرتے ہیں بہت بلند ہے۔ پس روا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندہ کے دل پر غلبہ پا جائے اور اس محبت الٰہی کے غلبہ اور زیادتی کی وجہ سے عقل اور طبیعت اس کے برداشت کرنے سے عاجز ہو جائے اور پھر اس کا معاملہ بندہ کے کسب و مجاہدہ سے ساقط ہو جائے۔ اس وقت اس درجہ کو جمع کہتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود[1] چنانچہ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت الٰہی میں غرق اور مغلوب تھے تو جو فعل آپ سے سرزد ہوا خداوند تعالےٰ نے اس فعل کی نسبت آپ سے دور کر کے فرمایا کہ وہ فعل میرا تھا نہ کہ تیرا

[1] وَحْدَتُ الْوُجُوْد اور وَحْدَتُ الشُّهُوْد صوفیہ کرام کی دو مشہور اصطلاحیں ہیں جو ممکنات کے حقائق میں اختلاف کی وجہ سے سطح پا گئیں۔ چنانچہ صوفیہ کا ایک گروہ اس امر کا قائل ہے کہ عالم میں فقط ایک ہی وجود ہے اور وہ ذاتِ حق ہے اور باقی موجودات و ممکنات اسی ذاتِ حق میں علی سبیل الاجمال اسی طرح منطوی ہے جس طرح ایک درخت اپنی ٹہنیوں پتوں اور دوسرے شیون متنوعہ کے ساتھ ایک دانہ میں اجمالی طور پر منطوی ہوتا ہے لہٰذا انہوں نے وحدت الوجود یعنی "ہمہ اوست" کی تلقین شروع کی اور یہی عقیدہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی و اتباعہٗ کا ہے اور ایک گروہ اس امر کا معتقد ہے کہ ممکنات موجود تو ہیں لیکن ان کا وجود عارضی، ظلی اور انتزاعی ہے۔ اصلی وجود صرف ذاتِ حق کا ہے جس سے ان ممکنات کے وجود کا اس طرح ظہور ہوتا ہے جس طرح شعلۂ جوالہ سے گھماتے وقت ایک موہوم دائرہ نظر آتا ہے۔ یا جیسے آئینہ میں دیکھتے وقت اپنی صورت دکھائی دیتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے "وحدت الشہود" کو رواج دیا۔ اس نظریہ کے قائل الشیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی اور ان کے اتباع ہیں لیکن امعان سے دیکھا جائے تو ان بزرگوں کا یہ نزاع لفظی ہے، نہ کہ معنوی۔ اس لئے
کہ ہمہ اوست اور ہمہ از وست کا
مآل بالکل واحد ہے۔

اگرچہ اس فعل کا نشانہ ظاہری سبب اتر تھا جیسے کہ ارشادِ ربانی ہے: "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! وہ خاک کی مٹھی جو تو نے دشمن کے منہ پہ پھینکی تھی وہ تو نے نہیں پھینکی تھی بلکہ درحقیقت وہ ہم نے پھینکی تھی" اور اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام سے بھی اسی قسم کا فعل سرزد ہوا تو اس کی نسبت فرمایا: "داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا"۔ کیونکہ حضرت داؤدؑ اس وقت حالِ تفرقہ میں تھے یعنی محبتِ الٰہی میں مستغرق و مغلوب نہ تھے پس وہ شخص جس کے فعل کو خدا تعالیٰ اسی کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ شخص آفات و حوادث کا محل ہے اور وہ شخص جس کے فعل کو خدا تعالیٰ خود اپنی ذات کی طرف منسوب فرمائے حالانکہ خدا کی ذات قدیم اور محلِ آفات و حوادث نہیں۔ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے پس جب کسی بندہ سے ایسا فعل ظاہر ہو جو آدمیوں کے فعل کی جنس سے نہیں، تو لامحالہ اس فعل کا فاعل خدا تعالیٰ ہی ہوتا ہے اور معجزات و کرامات سب اسی درجہ سے تعلق رکھتے ہیں پس وہ افعال جو عادت کے مطابق ہوتے ہیں سب تفرقہ ہوتے ہیں اور خلافِ عادت افعال سب جمع ہیں اس لئے کہ ایک رات میں زمین سے مقام قاب قوسین تک چلے جانا عادت کے مطابق نہیں اور یہ سوائے فعلِ الٰہی کے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح غیب کے متعلق صحیح بات بیان کرنا عادت نہیں تھی، سو یہ بھی سوائے فعلِ الٰہی کے نہیں ہو سکتا اور آگ سے نہ جلنا یہ بھی عادت میں داخل نہیں، سو یہ بھی فعلِ حق تعالیٰ کے سوا نہیں ہو سکتا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و اولیاء کو یہ معجزات و کرامات عطا فرمائے ہیں اور اپنے فعل کو ان کی طرف منسوب فرمایا ہے اور ان کے فعل کو اپنی طرف۔ کیونکہ اس کے دوستوں کا فعل اسی کا فعل ہوتا ہے اور ان کی بیعت خود اسی کی بیعت ہے اور ان کی اطاعت خود اسی کی اطاعت ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: "بلاشبہ وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔" اور نیز فرمایا ہے: "جس نے رسول اللہؐ کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ کی اطاعت کی" پس اولیاء اللہ باطن میں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حالتِ جمع میں ہوتے ہیں یعنی واصل بحق ہوتے

ہیں اور اپنے عمل وظاہر حالت میں حالتِ افتراق میں تاکہ ان کے باطنوں کے حق تعالیٰ کے ساتھ مجتمع ہونے سے محبت الٰہی مضبوط ہو اور ان کی ظاہری حالت کے حق تعالیٰ سے جدا ہونے سے بندگی کو قائم رکھنا صحیح ہو۔ چنانچہ بڑے مشائخ میں سے ایک بزرگ حالت جمع میں فرماتے ہیں۔ شعر

تو میرے باطن میں ثابت ہو گیا۔ پس میری زبان نے تجھ سے سرگوشی کی پس ہم کئی امور کے لحاظ سے تو جمع ہیں اور کئی امور کے لحاظ سے جدا ہیں۔ پس اگر تیری عظمت شان نے تجھ کو میرے مشاہدے سے غائب کر دیا ہے۔ تو میرے جذبۂ عشق نے تجھے غیبت میں بھی میری پناہ بنا دیا ہے۔

باطنوں کے چند اتصالات کے ساتھ ملنے کو جمع اور زبان سے حق تعالیٰ کے حضور میں مناجات کرنے کو تفرقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر جمع اور تفرقہ کا اپنے اندر نشان دیا ہے اور اس کی بنیاد خود اپنے آپ کو قرار دیا ہے اور کلام نہایت عمدہ ہے اور توفیق قبضۂ الٰہی میں ہے۔

حقیقت جمع و تفرقہ میں اختلاف

باقی رہا وہ اختلاف جو ہمارے اور اس گروہ کے درمیان ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جمع کو ثابت کرنا تفرقہ کی نفی ہے اس لئے کہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں کیونکہ جب ہدایت الٰہی کی حکومت جو جمع کی صورت ہے تو تفرقہ کی صورت جو کسب اور مجاہدہ ہے ختم ہو جائے گی حالانکہ یہ صحیح نہیں اس لئے کہ یہ تعطیلِ محض ہے جو جائز نہیں۔ کیونکہ جب تک بندہ میں طاقت و قوت ہے اس سے عمل اور مجاہدہ ہرگز ساقط نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جمع تفرقہ سے علیحدہ نہیں۔ جیسا کہ نور آفتاب سے اور عرض جوہر سے اور صفت موصوف سے جدا نہیں ہو سکتے۔ پس مجاہدہ ہدایت سے اور شریعت حقیقت سے اور مطلوب کا پانا طلب سے بھی جدا نہیں ہو سکتا البتہ یہ ممکن ہے کہ مجاہدہ ہدایت حق کے حصول سے پہلے ہو یا پیچھے ہو۔ مگر جس کے لئے مجاہدہ پہلے ہوگا۔ اس پر تکلیف زیادہ ہوگی۔ اور جس کے لئے مجاہدہ پیچھے کرنا پڑے گا اسے رنج اور کلفت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ وہ حضور حق میں ہوگا۔ اور وہ شخص جسے اعمال کی

مشقت کی نفی جو جمع یعنی ہدایت حق سے مشاہدہ میں حاصل ہوتی ہے عین عمل کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ وہ سخت غلطی پر ہے اور یہ جائز نہیں کہ بندہ ایسے درجہ پر پہنچ جائے کہ اپنے تمام اوصاف کو برا اور معیوب سمجھے۔ شاید وہ اپنے نیک اوصاف کو بھی عیب کی نظر سے دیکھے اور ان کو ناقص جانے بلکہ برے اوصاف ہی ان کو زیادہ، معیوب معلوم ہونے چاہئیں۔ اور یہ بات میں نے اس لئے بیان کی ہے کہ جاہلوں کی ایک قوم کو اس امر کے متعلق غلطی واقع ہوئی ہے۔ جو حقیقت سے بیگانگی کی دلیل ہے وہ کہتے ہیں کہ مقصود کا پانا کچھ بھی ہماری کوشش اور اعمال سے وابستہ نہیں اس لئے کہ ہماری عبادات اور افعال سب عیب والے ہیں۔ پس ناقص مجاہدہ کرنے سے نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ ہمارے عمل کو تم اور ہم بالاتفاق فعل کہتے ہیں اور افعال کو تم عیب کا محل اور نقصان کا منبع کہتے ہو۔ تو لامحالہ ناکردہ عمل کو بھی فعل ہی کہنا لازم آئے گا۔ اور جب دونوں فعل ہیں اور فعل عیب و نقصان کا محل ہے۔ پس نہ کئے ہوئے عمل کو تم کئے ہوئے عمل سے کیوں بہتر سمجھتے ہو؟ یہ تو ظاہر خسارہ اور واضح نقصان ہے اور یہ کفر اور ایمان کے درمیان بہت اچھا فرق ہے اس لئے کہ مومن اور کافر دونوں متفق ہیں کہ ان کے افعال عیب کا محل ہیں۔ پس مومن تو حکم الٰہی کی رو سے کرنے کو نہ کرنے سے بہتر جانتا ہے اور کافر تعطیل کی رو سے نہ کرنے کو کرنے سے بہتر سمجھتا ہے۔ پس جمع یہ ہے کہ رویت میں تفرقہ کی آفت و نقص اور اس کا حکم بندہ سے ساقط نہ ہو اور تفرقہ یہ ہے کہ جمع کے حجاب میں بندہ تفرقہ کو جمع سمجھے اور اسی معنی میں مزین کبیر فرماتے ہیں۔ شعر

جمع مشاہدہ و قرب حق سے مخصوص ہوتا ہے اور تفرقہ اللہ کی بندگی کرنا ہے کہ ہر ایک ان میں سے دوسرے سے متصل ہے جدا نہیں ؎

اس لئے کہ قرب حق سے مخصوص ہونے کی علامت خود عبودیت کی حفاظت کرنا ہی ہے کیونکہ جب مدعی اپنے اعمال میں کسی عمل پر قائم نہ ہو تو وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہوتا ہے۔ ہاں روا ہے کہ مجاہدہ اور خدا کی طرف سے مقررہ احکام کی تعمیل کا حق ادا کرنے میں مجاہدہ کی دشواری اور تکلیف کا رنج بندہ سے اٹھ جائے۔ لیکن یہ روا نہیں کہ بغیر کسی عذر واضح کے جو شریعت کے حکم میں عام ہے۔ عین حالت جمع میں

مجاہدہ اور احکام مقررہ کیا اٹھ جائیں۔

اور میں اس بات کو بیان کرتا ہوں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے سو جان لو کہ جمع دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو جمع سالم اور دوسری جمع تکسیر۔ اور جمع سالم یہ ہے کہ حق تعالیٰ حال کے غلبہ میں وجد کی قوت اور شوق کی بیقراری پیدا کر دے۔ اور خود حق تعالیٰ بندہ کا محافظ ہو۔ اور اپنا حکم اس کے ظاہر حال پر جاری کر کے اس کو اپنے امر کے ادا کرنے کی توفیق دے اور اس کو مجاہدہ سے آراستہ کر دے۔ جیسا کہ سہل بن عبد اللہ و ابوحفص حداد و ابوالعباس سیاری مروزی امام مرو و صاحب مذہب ابایزید بسطامی و ابوبکر شبلی و ابوالحسن حصری اور بڑے دوسرے مشائخ میں سے ایک جماعت رحمہم اللہ تعالیٰ و قدس اللہ ارواحہم ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے۔ لیکن جب نماز کا وقت آتا تو حالت صحو میں ہو جاتے تھے اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو پھر مغلوب الحال ہو جایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ جب تک تو تفرقہ کی حالت میں ہوگا۔ تو تو ہوگا۔ اور امر و نہی تو ادا کرے گا اور جب حق سبحانہ تجھے اپنے حکم سے اپنی طرف جذب کریگا تو زیادہ مناسب ہے کہ تجھ پر نگاہ رکھے وہ امر کے لئے۔ اوّل اس لئے کہ بندگی تجھ سے ساقط نہ ہو دوسرے اس لئے کہ اپنے اس وعدہ کے حکم پر قائم رہے۔ کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو کبھی منسوخ نہیں کروں گا اور جمع تکسیر یہ ہے کہ بندہ حکم میں بیخود اور مدہوش ہو جائے۔ اور اس کا حکم مجنونوں کا سا ہے۔ پس مجذوب بے ہوش تو اس عمل و مجاہدہ سے معذور ہوگا۔ اور مجذوب باہوش عمل کرنے پر مشکور و مقبول اور جو مشکور ہوگا۔ اس کا حال معذور کی نسبت زیادہ قوی ہوگا۔ الغرض جاننا چاہیئے کہ جمع کا کوئی خاص مقام نہیں اور نہ کوئی علیحدہ حال ہے۔ کیونکہ جمع سے مراد اپنے امر مطلوب میں اپنے ارادہ و ہمت کو جمع کر لینا ہے اور ایک گروہ کو اس امر کا کشف مشاہدہ اور مقامات طریقت میں ہوتا ہے۔ اور دوسرے گروہ کو اس کا مشاہدہ احوال طریقت میں اور مدلول و قبول ان طلب جمع کی مراد حاصل شدہ مراد کی نفی کرنا ہے۔ کیونکہ تفرقہ سے مراد علیحدگی اور جمع سے مراد اتصال و قرب حق ہے اور یہ سب امور میں درست ہے چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہمت کا حضرت یوسف علیہ السلام پر جمع ہونا۔ حتیٰ کہ حضرت

یوسف کے سوا آپ کا کوئی ارادہ اور مقصود ہی نہ رہا تھا اسی طرح مجنوں کے عقد کو لیلےٰ پر جمع ہونا سارے عالم میں لیلےٰ کے سوا کسی اور کو نہ دیکھتا تھا اور ایسی بہت سی مثالیں ہیں جہاں طالب کا ارادہ ایک نکتہ پر مرتکز رہتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ ایک روز اپنے عبادت خانہ میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نے آکر پوچھا: "کیا حضرت بایزید گھر میں ہیں؟" تو حضرت بایزید نے فرمایا۔ "اللہ کے سوا گھر میں کوئی نہیں"۔ اور ایک بزرگ دانشمندان سے ساتھی ہو، فرماتے ہیں کہ ایک درویش مکہ میں آیا اور خانہ کعبہ کے مشاہدہ میں ایک سال بیٹھا رہا۔ نہ کھایا نہ پیا اور نہ سویا۔ نہ طہارت کی۔ اپنی ہمت وارادہ کو خانہ کعبہ (جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے) کی رویت پر جمع کر دیا وہی اس کے جسم کی غذا اور جان کا شربت ہو گیا تھا اور ان سب امور کی اصل یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اپنی محبت کا اصل جو ایک جوہر تھا اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دیا اور اپنے دوستوں میں سے ہر ایک کو اس محبت الٰہی میں اس کی گرفتاری کے مطابق محبت کے کل اجزاء میں سے ایک جزو کے ساتھ اسے مخصوص کر دیا۔ پھر انسانیت کا جوش، طبیعت کا لباس۔ مزاج کا پردہ اور روح کا حجاب اس پر ڈال دیا۔ یہاں تک کہ محبت الٰہی کے اس جزو نے اپنی قوت سے اس دوستِ حق کے ہر ایک جزو کو جو محبت الٰہی کے اس جزو کے ساتھ پیوست اور متصل تھا اپنی صفت پر کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ دوست حق ہمہ تن مجسمۂ محبت ہو گیا۔ اور اس کی تمام حرکتیں اور سکنات اس محبت کے پیوستہ ہونے کی جگہ بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل معانی و اہل لغت نے اس مقام کا نام ہی جمع رکھ دیا ہے اور اسی معنے کے متعلق حسین بن منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ شعر

اے میرے آقا۔ اے میرے مولا! میں حاضر ہوں! میں حاضر ہوں۔ اور اے میرے مقصود اور میرے مطلوب! میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔ اے میرے وجود کی دونوں آنکھوں کی اصل! اور اے میری ہمت (ارادہ) کے منتہےٰ۔ اور اے میری گویائی! اور اے میرے اشارات اور میرے ایما! اور اے میرے کل وجود کے کل! اور اے میرے کان! اور اے میری بصارت! اور اے میرے جملہ وجود! اور اے

میرے عنصرِ وجود! اور اے میرے تمام اجزائے بدن میں تیرے ہر حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں۔ پس جو شخص اپنے اوصاف میں مستغرق ہو اسے اپنی ہستی کا ثابت کرنا اس کے لئے عار ہوتا ہے اور اس کی توجہ دونوں جہاں کی طرف باعثِ کفر ہوتی ہے اور تمام موجودات اس کے ارادہ میں ہیچ و خوار ہوتی ہے۔ میراہلِ لغت کا ایک گروہ کلام کی باریکی اور عبارت کے عجیب ہونے کو کہتے ہیں کہ جمع الجمع ہے اور یہ کلمہ از روئے عبارت و تلفظ تو بہت ہی اچھا ہے۔ لیکن معنی کے لحاظ سے یوں بہتر ہے کہ جمع کی جمع نہ کہے۔ اس لئے کہ ضرورت ہے کہ جمع سے پہلے تفرقہ ہو۔ تاکہ اس پر جمع کا اطلاق درست ہو۔ جمع کی جمع کیسے ہو سکتی ہے؟ کیونکہ جمع تو تفرقہ کی ہوتی ہے اور جمع اپنے حال اور کیفیت سے نہیں بدلتی اور یہ عبارت محلِ نظر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب جمع جس کا قصد ایک امر پہ جمع ہو اپنے سے باہر اوپر نیچے دیکھ نہیں سکتا۔ کیا تو نے دیکھا نہیں؟ کہ شب معراج میں دونوں جہان پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو دکھا دیئے۔ لیکن آپ نے کسی چیز کی طرف التفات نہیں کی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام جمع میں تھے اور ایک ہی امر یعنی مشاہدۂ ذاتِ حق پر اپنا ارادہ جمع کئے ہوئے تھے اور ایک مجتمع کے لئے تفرقہ یعنے ماسوی اللہ کا مشاہدہ ممکن نہیں اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا نہ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ تجلیات حق سے ادھر ادھر ہٹی اور نہ ہی آگے بڑھی۔ بلکہ عین تجلیات پر گڑی رہی۔ اور میں نے اسی معنی کے متعلق ابتدائے حال میں ایک کتب لکھی ہے۔ جس کا نام کتاب البیان لاہل العیان" رکھا ہے اور کتاب بحر القلوب کے باب جمع میں بھی میں نے ایک طویل مفصل بیان کی ہے۔ یہاں ذرا تخفیف کر کے اتنے بیان پر کفایت کی ہے۔ صوفیوں کے فرقوں میں سے جو مقبول اور محقق ہیں ان میں سے فرقہ سیاریہ کا طریقہ یہ ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے۔ اب اس گروہ کے قول کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جس سے ملحدین اپنے آپ کو وابستہ کرتے ہیں اور ان کی عبارات کو اپنے الحاد کے ظاہر کرنے کا ذریعہ بنانے اور اپنے آپ کو ان کی عزت میں ذلیل کرتے ہیں۔ تاکہ ان لوگوں کی غلطیوں کے مقام ظاہر ہو جائیں اور مریدان کے دعووں سے پرہیز کریں۔ اور اپنے آپ کی حفاظت کریں۔ سار اعما ملنا اللہ کے

ہاتھ میں ہے"۔

گیارھویں فصل

فرقۂ حلولیہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا چیز ہے؟" ان دو مردود گروہوں میں سے جو اس طائفۂ حلولیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کو اپنی گمراہی میں اپنے مددگار بناتے ہیں۔ ایک گروہ ابی حلمان دمشقی سے عقیدت و محبت کرتا ہے اور اس سے روایات بیان کرتا ہے۔ لیکن وہ روایتیں دراصل اسی طرح نہیں ہیں جو مشائخ کی کتابوں میں اس کی طرف سے منسوب ہیں۔ اس طریقہ کے پیر و اس بزرگ ابی حلمان دمشقی کو اہلِ دینی جذب و بیخودی میں سے سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ ملحدین اس کو عقیدہ حلول و امتزاج اور ارواح کے دوسرا جسم تبدیل کرنے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور میں نے کتاب مقدس میں بھی دیکھا ہے کہ اس میں اس عقیدہ پر اعتراض کیا ہے۔ اور علمائے اصول کو بھی اس سے ایک خیال پیدا ہو گیا ہے اور خدائے تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اور ایک دوسرا گروہ ہے جو اپنے اقوال کو فارس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ حسین بن منصور کا مذہب ہے حالانکہ ان کے سوا ہم نشینانِ حسین میں سے کسی کا بھی یہ مذہب نہیں۔ چنانچہ میں نے ابو جعفر صیدلانی کو اور چار ہزار آدمیوں کو جو عراق میں پھیلے ہوئے ہیں۔ دیکھا ہے کہ سب حلاجی تھے۔ وہ سب فارس کو اس قول کی وجہ سے لعنت کرتے تھے۔ اور حسین بن منصور کی کتابوں میں بھی جو ان کی تصنیف ہیں سوائے تحقیق کے اور کچھ نہیں۔ اور میں علی بن عثمان جلابی (اللہ ان سے راضی ہو) کہتا ہوں کہ میں نہیں جانتا کہ فارس اور ابو حلمان کون ہوئے ہیں اور انہوں نے کیا کہا ہے؟ لیکن جو شخص ان اقوال کا قائل ہو۔ جو توحید الٰہی و تحقیق کے خلاف ہیں۔ اس کو دین میں کچھ حصہ حاصل نہیں۔ اور جب دین جو اصل ہے مضبوط نہ ہو۔ تو تصوف جو اس دین کی فرع اور نتیجہ ہے۔ زیادہ مناسب ہے کہ اس میں زیادہ خلل ہو۔ کیونکہ کرامات کا ظاہر ہونا اور دلائلِ عرفان کا کشف اہلِ دین و اہلِ توحید کے سوا کسی اور پر ممکن نہیں۔ اور جن لوگوں کو روح کے متعلق غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ اب میں اس کے تمام احکام سنت

کے قانون کے مطابق بیان کرتا ہوں اور ملحد لوگوں کے اقوال اور ان کے مغالطے اور شبہات بھی بیان کرتا ہوں۔ تاکہ تمہیں اللہ قوی کرے۔ اس بیان سے قوت حاصل ہو۔ کیونکہ ان مغالطوں اور شبہات میں بہت فساد ہے اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

پہلی بحث

رُوح کی تحقیق

جان لو کہ روح کی ہستی کے متعلق علم کا ہونا ضروری ہے اگرچہ اس کی کیفیت اور اصل حقیقت معلوم کرنے میں عقل عاجز ہے۔ کیونکہ یہ عالم امر کی ایک غیر مرئی چیز ہے جس کی حقیقت کا صحیح علم صرف اللہ تعالےٰ کو ہے۔ تاہم امت کے علماء و حکماء میں سے ہر ایک نے اپنے علم و قیاس کے مطابق اس کے متعلق بہت کچھ کہا ہے اور کافروں کے گروہوں نے بھی اس میں کلام کیا۔ اور چنانچہ کفار قریش نے یہودیوں کے کہنے سے نضر بن حارث کو بھیجا۔ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی کیفیت اور ماہیت دریافت کرے۔ تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اس کے عین وجود کو ثابت کیا۔ اور فرمایا وہ قریش آپ سے روح کی بابت دریافت کرتے ہیں۔" پھر اس کے قدیم ہونے کی نفی کی اور فرمایا: "کہہ دیجئے روح میرے پروردگار کا حکم ہے" اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے: "ارواح بے شمار جمع کئے ہوئے لشکر ہیں۔ پس ان میں سے جو عالم ارواح میں باہم شناسا ہوئے وہ دنیا میں بھی باہم الفت کرتے ہیں اور جو وہاں ناشناسا تھے۔ وہ یہاں بھی باہم مختلف رہتے ہیں۔" پس روح کی ہستی پر ایسی بہت سی دلیلیں ہیں۔ لیکن ان میں اس کی کیفیت و ماہیت کی نسبت کچھ بحث نہیں کی گئی ہے۔ سو ایک گروہ کہتا ہے کہ "روح وہ زندگی ہے۔ جس سے بدن زندہ ہوتا ہے اور متکلمین کے ایک گروہ کی بھی یہی رائے ہے اور اس ہستی کی رو سے گویا روح ایک عرض ہے۔ جاندار اللہ کے حکم سے اسی کے سبب سے زندہ رہتا ہے اور اس جاندار میں تالیف اور حرکت اور باہم اجزاء کا اجتماع اسی کی وجہ سے ہے اور ایسے ہی وہ اعراض جن کی وجہ سے جسم ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال کرتا ہے۔ وہ سب اس قوت حیات کی وجہ سے ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے روح زندگی کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ زندگی اس کے بغیر پائی نہیں جاتی۔ جس طرح

کہ روح بغیر جسم کے پائی نہیں جاتی۔ اسی طرح زندگی بغیر روح کے پائی نہیں جاتی اور یہ کہ ان دونوں روح وحیات میں کوئی بھی ایک دوسرے کے بغیر پایا نہیں جاتا۔ جیسا کہ درد اور اس کا علم کیونکہ دو چیزیں ہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں اور اس معنی کے لحاظ سے بھی روح عرض ہے۔ جیسا کہ زندگی عرض ہے۔ پھر سب مشائخ اور بہت سے اہل سنت وجماعت کی یہ رائے ہے۔ کہ روح ایک جوہر ہے جو قائم بذات خود ہے۔ نہ وہ وصف کہ جب تک وہ جسم کے ساتھ پیوستہ ہے عادت جاریہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اس قالب میں زندگی پیدا کر دیتا ہے اور آدمی کی زندگی صفت ہے اور وہ اسی سے زندہ ہے۔ لیکن اس کے جسم میں روح امانت کے طور پر رکھی گئی ہے۔ اور یہ بھی روا ہے کہ وہ روح آدمی سے جدا ہو جائے اور وہ زندگی کی وجہ سے زندہ رہے۔ جیسا کہ خواب کی حالت میں روح نکل جاتی ہے اور حیات باقی رہتی ہے۔ لیکن یہ روا نہیں کہ اس روح کے چلے جانے کی حالت میں علم وعقل باقی رہے اور انسان زندوں کی طرح ان سے کام لے سکے - - - - - - - - - - - - - - - - - - اس لئے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شہیدوں کی روحیں پرندوں کے پوٹوں میں ہونگی۔ اس لئے لامحالہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ روح ایک جوہر قائم بذات خود ہو۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ارواح بہت سے لشکریں جمع کئے ہوئے۔ اس لئے لامحالہ وہ لشکر باقی ہوں گے۔ حالانکہ عرض اپنے محل کے بغیر باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ وہ قائم بالذات نہیں ہوتا۔ پس روح ایک جسم لطیف ہے جو فرمانِ الٰہی سے جسم میں آتی اور اسی کے فرمان سے چلی جاتی ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے شبِ معراج میں آدم صفی اللہ ویوسف صدیق اللہ وموسیٰ کلیم اللہ وہارون حلیم اللہ وعیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو آسمانوں میں دیکھا تو لامحالہ وہ ان انبیاء کے ارواح ہی ہوں گے۔ اور اگر روح عرض ہوتی تو خود بذات خود قائم نہ ہوتی۔ اور ہستی کی حالت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس کو نہ دیکھ سکتے۔ اس لئے کہ اس کے وجود کے لئے کوئی محل چاہیے تاکہ وہ روح اس کو

عارض ہو۔ اور اس کا وہ محل جو ہر قائم بذات خود ہو۔ اور جواہر (یعنے اجسام قائم بذات خود) سب مرکب اور کثیف ہوتے ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ارواح انبیاء کو اجسام کے ساتھ نہیں دیکھا۔ پس معلوم ہوا کہ روح جسم لطیف ہے اور جب وہ جسم ہے تو اس کا دیکھنا جائز ہے لیکن دل کی آنکھ سے۔ اور یہ بھی روا ہے کہ وہ ارواح پرندوں کے پوٹوں میں رہیں اور یہ بھی روا ہے کہ وہ ایک شکر ہوں۔ اور وہ آجا سکتے ہوں۔ چنانچہ احادیث صحیحہ اس امر پر ناطق ہیں اور ان کا اجسام میں آنا اور ان سے نکل جانا حکم الٰہی پر موقوف ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے "اے رسول اصلے اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

اب باقی رہا اختلاف ملحدین کا کہ وہ روح کو قدیم کہتے ہیں اور اس کی پرستش کرتے ہیں اور اشیاء کا فاعل اور ان کا مدبر اس کے سوا کسی کو نہیں جانتے اور ان ہی ارواح کو معبود قدیم اور مدبر عالم کہتے ہیں۔ اور ایک جسم سے دوسرے جسم کیطرف پلٹ جانے والا خیال کرتے ہیں۔ اور جتنا اس شبہ پر خلقت کا اجتماع و اتفاق رہا ہے۔ اتنا کسی اور شبہ پر نہیں۔ کیونکہ سب نصاریٰ کی اصل اسی بات پر متفق ہیں۔ اگرچہ وہ بیان اس کے خلاف کرتے ہیں۔ اسی طرح سب ہندو اہل تبت اور چین و ماچین اس بات پر متفق ہیں۔ اور شیعوں و قرامطیوں و باطنی لوگوں کا بھی اجتماع اسی پر ہے سا اور دو گروہ ملحدین کے بھی اسی قول کے قائل ہیں۔ اور یہ تمام گروہ جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں اور دلائل کے ساتھ اس کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ پس ہم ان سب گروہوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ تم اس لفظ قدیم سے کیا مراد لیتے ہو۔ قدیم زمانی یا قدیم ذاتی اگر وہ کہیں کہ قدیم سے ہماری مراد قدیم زمانی ہے۔ تو پھر اختلاف کیا؟ کیونکہ ہم بھی تو روح کو بدیں معنی قدیم کہتے ہیں کہ زمانہ میں کوئی ایسا وقت نہیں تھا۔ جس میں روح موجود نہ تھی۔ اور حضور اکرم کی ایک حدیث سے بھی اجسام پر ارواح کے قدم زمانی کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے "بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے ارواح کو ہزاروں سال پہلے اجسام سے پیدا کیا ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ روح اگرچہ زمانہ کے لحاظ سے قدیم سہی فلت اور ہیت کے لحاظ سے حادث ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حادث محدث کے بغیر نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ

وہ عدم سے وجود میں آنے میں کسی موجود کرنے والے کا محتاج ہے۔ اور موجود کرنے والا اللہ تعالےٰ ہے۔ گویا روح اللہ تعالےٰ کی مخلوقات میں سے ایک جنس ہے جو دوسری جنس یعنی جسم کے ساتھ پیوستہ ہوتی ہے اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست کرنے سے خدا تعالےٰ اپنی تقدیر کے مطابق اس میں زندگی پیدا کر دیتا ہے غرض یہ کہ ارواح مخلوق میں سے ایک جنس ہے اور اجسام دوسری جنس ہیں۔ جب اللہ تعالےٰ ایک حیوان کی حیات مقدر کرتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ روح جسم سے پیوست ہو جائے۔ اور اس میں حیات حاصل ہو جائے۔ لیکن اس روح کا ایک جسم سے دوسرے جسم میں جانا روا نہیں۔ اس لئے کہ جس طرح ایک جسم کے لئے دو زندگیاں روا نہیں، اسی طرح ایک روح کے لئے دو جسم بھی روا نہیں۔ اور اگر احادیث اس امر پر ناطق نہ ہوتیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کے متعلق خبر نہ دیتے۔ تو محض عقل کی رو سے روح کا مفہوم سوائے حیات کے اور نہ ہوتا اور وہ ایک صفت ہوتی نہ عین قائم بذات خود اور اگر وہ لوگ یوں کہیں کہ ہماری مراد قدم سے ہمیشہ رہنے والا قدیم ہے جو نہ کسی وقت معدوم تھا اور نہ معدوم ہوگا۔ تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ قائم بذات خود ہے یا اپنے قیام میں غیر کا محتاج ہے؟ اگر وہ کہیں کہ وہ قدیم قائم بذاتہ ہے تو ہم ان سے پوچھتے ہیں۔ کہ وہ خالق عالم ہے یا نہیں۔ اگر وہ کہیں کہ وہ عالم کا خالق نہیں۔ تو پھر اسی صورت میں خالق عالم کے علاوہ دوسرے قدیم کا ثابت کرنا لازم آئے گا۔ اور یہ بات عقل سے بعید ہے۔ کیونکہ قدیم ذاتی کی نہ ابتداء ہوا اور نہ انتہاء ہوتی ہے اور نہ وہ کسی میں محصور ہوتا ہے۔ حالانکہ یہاں ایک قدیم کے وجود و ذات کی ابتداء دوسرے سے ہے اور اسی میں محصور ہے اور یہ محال ہے۔ لہذا روح کا قدیم بالذات ہونا بھی محال ہے کیونکہ جس شے کے لئے ابتداء اور انتہاء ہو اور اس پر کسی شے نے احاطہ کیا ہو۔ وہ قدیم نہیں حادث ہوتی ہے۔ اور اگر وہ کہیں کہ وہ خالق عالم ہے تو ہم کہتے ہیں۔ پس وہ قدیم ہے اور خلق حادث اور یہ محال ہے کہ حادثہ کو قدیم کے ساتھ یا اس میں سرایت کرے اور یا حادث قدیم کا محل اور موصوف ہو۔ کیونکہ جو چیز کسی دوسری سے پیوست ہوتی ہے وہی ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ [illegible] یہ حادث کے سوائے کسی اور چیز پر روا نہیں۔ کیونکہ حادث چیزیں سبب ایک دوسرے

کی ہم جنس ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے اور اگر وہ کہیں کہ وہ قائم بذات خود نہیں۔ بلکہ اس کا قیام غیر کے ساتھ ہے تو یہ دعویٰ دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ ایک صفت ہوگا یا عرض اور اگر وہ کہیں کہ عرض ہے تو لا محالہ اسے یا کسی محل کے اندر ماننا پڑے گا۔ یا لا محل کے اندر۔ اور اگر محل کے اندر کہیں تو اس کا وہ محل بھی اسی طرح کا عرض اور قائم بغیر ہو گا اس صورت میں پھر قدیم کا اطلاق ان میں سے کسی پر بھی روا نہیں۔ اور اگر محل کے اندر کہیں تو یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ جب عرض قائم بذات خود نہیں ہوتا تو لا محل کے اندر اس کا قیام عقل میں نہیں آسکتا اور اگر وہ کہیں کہ وہ صفت قدیم ہے۔ جیسے اہل تناسخ اور حلولیہ کہتے ہیں۔ اور پھر اس کو حق تعالیٰ کی صفت قرار دیتے ہیں۔ تو یہ محال ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت قدیم حادث مخلوق کی صفت ہو جائے ورنہ پھر یہ بھی روا ہو گا۔ کہ اس کی قدرت مخلوق کی قدرت ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی یہ صفت قدیم حادث مخلوق کی صفت ہو تو لا محالہ وہ اس سے متصف ہو گی۔ حالانکہ یہ محال ہے کہ صفت قدیم کا موصوف حادث ہو۔ اس لئے لامحالہ قدیم کو حادث کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ ملحد لوگوں کے تمام اقوال روح کے متعلق باطل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ روح مخلوق ہے اور اس کے حکم سے ہے اور جو شخص اس کے سوا کچھ اور کہے وہ کھلا مکابرہ ہے بلکہ وہ شخص حادث و قدیم میں فرق ہی نہیں کر سکتا اور یہ ہرگز روا نہیں کہ ولی اپنی ولایت کے صحیح ہونے کی حالت میں حق تعالیٰ کے اوصاف سے جاہل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو بدعت اور خطرہ نفسانی سے محفوظ رکھا اور عقل دی کہ جس سے ہم اس کے مصنوعات میں غور اور استدلال کرتے ہیں اور ہمارے دل کو ایمان کے نور سے منور کیا جس سے ہم اسے پہچان لیتے ہیں اور وہ ایسی حمد و ثنا کے لائق ہے کہ جس کی انتہا نہ ہو۔ کیونکہ حمد کتنی ہی نعمت نا فتنا ہی کے مقابلہ میں مقبل نہیں ہوتی اور جب اہل ظاہر نے یہ حکایت اہل باطل سے سن لی۔ تو انہوں نے خیال کر لیا کہ سب اہل تصوف کا یہی عقیدہ ہے۔ یہاں تک کہ اس ہماری غلطی اور ظاہری خسارہ کی وجہ سے وہ اہل خیر صوفیائے کرام کے جمال سے حجاب میں ہو گئے اور ولایت الٰہی کا لطیفہ اور ربانی تجلیات کے شعلے ان سے پوشیدہ ہو گئے۔ اس لئے

کہ طریقت کے بزرگوں اور سرداروں کے نزدیک خلقت کا انہیں رد کر دینا یا قبول کر لینا برابر ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری بحث

روح کے متعلق مشائخ کے اقوال

ایک شیخ فرماتے ہیں اللہ تعالےٰ ان پر رحمت کرے کہ روح جسم میں ایسی ہے جیسے آگ لکڑی میں پس آگ مخلوق ہے اور کیونکہ مصنوعی چیز اور حق تعالےٰ کی ذات وصفات کے سوا کسی چیز پر قدم کا اطلاق روا نہیں۔ اور مشائخ میں سے حضرت ابوبکر واسطی رحمتہ اللہ علیہ نے روح کے متعلق بہت کلام کیا ہے اور آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ "ارواح کے دس مقامات ہیں"

(اول) خطا کاروں کی ارواح جو تاریکی میں بند کی ہوئی ہیں اور یہ نہیں جانتیں کہ آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائیگا۔

(دوم) پرہیزگاروں کی ارواح جو پہلے آسمان میں ہیں اپنے اچھے اعمال کے باعث خوش وخرم ہیں اور اپنی عبادت کی وجہ سے مسرور اور ان کی قوت سے سیر کرتی ہیں۔

(سوم) مریدانِ حق کی ارواح جو چوتھے آسمان میں اپنے صدق معاملہ کی لذت اور اپنے اعمالِ صالحہ کے سایہ میں فرشتوں کے ساتھ رہتی ہیں۔

(چہارم) اہلِ احسان کی ارواح جو نور کی قندیلوں میں عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں ان کی غذا رحمتِ الٰہی اور شربت لطف اور قربِ حق ہے۔

(پنجم) اہلِ وفا کی ارواح جو صفا کے حجاب اور برگزیدگی کے مقام میں خوش رہتی ہیں۔

(ششم) شہیدوں کی ارواح جو بہشت میں بہشتی پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں اور جنت کے باغوں میں جہاں چاہیں وقت بے وقت جاتی رہتی ہیں۔

(ہفتم) عاشقانِ الٰہی کی ارواح جو صفاتِ حق کے نوری پردوں میں ادب واحترام کے فرشوں پر قیام پذیر ہیں۔

(ہشتم) عارفانِ الٰہی کی ارواح جو بارگاہ قدس میں رہتی ہیں اور صبح وشام کلامِ حق

تعالیٰ سے مستغنی رہتی ہیں اور بہشت و دنیا میں اپنے مکانات کو دیکھتی رہتی ہیں۔

(نہم) اولیاء اللہ کی ارواح جو جمال الٰہی کے مشاہدہ اور کشف حقیقت کے مقام میں ہمیشہ غرق رہتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو نہیں جانتی اور نہ کسی اور چیز سے آرام پاتی ہیں۔

(دہم) درویشوں کی ارواح جو فنا کے محل میں قرب حاصل کئے ہوئے ہیں ان کے اوصاف و احوال تبدیل ہو گئے ہیں اور تجلیِ الٰہی کی لطافت اندوز ہو رہی ہیں۔ اور مشائخ سے روایت کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک نے ارواح کو ان مدارج اور ان کے احوال کی جدا جدا صورت میں دیکھا ہے اور یہ معلوم ہے۔ اس لئے کہ ہم نے کہا ہے کہ روح موجود ہے اور ایک لطیف جسم ہے سو اس قابل ہے کہ دیکھی جائے۔ اور حق تعالیٰ سبب اور جس طرح چاہے اسے اپنے برگزیدہ بندوں کو دکھا دیتا ہے۔

اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ ہماری زندگی اور ہمارا قیام و ثبات سب اللہ تعالیٰ کے سبب سے ہے اور ہمیں زندہ رکھنا بھی اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اسی کے پیدا کرنے اور حکم کی وجہ سے ہم زندہ ہیں۔ نہ کہ اس کی ذات و صفت کی وجہ سے ملاحدہ اور روحیوں کے تمام اقوال جو روح کے متعلق ہیں سب غلط اور باطل ہیں اور لوگوں میں منجملہ اور بڑی بڑی گمراہیوں کے ایک گمراہی یہ بھی ہے کہ وہ روح کو قدیم کہتے ہیں۔ اگرچہ عبارت کو انہوں نے تبدیل کر دیا ہے ان میں سے ایک گروہ اسے نفس اور ہیولیٰ کہتا ہے اور دوسرا گروہ نور و ظلمت اور طریقت کے جھوٹے مدعی فنا و بقا یا جمع و تفرقہ کہتے ہیں اور ایسی ہی ملمع کی ہوئی جھوٹی اور بے اصل عبارات بنا کر ان سے اپنے قول کی تزئین کرتے ہیں۔ حالانکہ صوفی لوگ اس گروہ ملحدین سے بیزار ہیں۔ کیونکہ ولایت اور محبت الٰہی کی حقیقت کا ثابت کرنا اللہ تعالیٰ کی معرفت کے سوا درست نہیں۔ اور جب کوئی شخص قدیم اور حادث میں تمیز نہ کر سکے۔ تو جو کچھ وہ کہتا ہے۔ جہالت کی وجہ سے کہتا ہے اور عقلمند لوگ جاہلوں کی باتوں کی طرف رغبت نہیں کیا کرتے ان دونوں جھوٹے گروہوں کے خیالات کا اور ان دونوں باطل فرقوں کا جو مقصود تھا وہ کسی حد تک گزشتہ دو فصلوں میں بیان ہو چکا۔ اور

اگر اس سے زیادہ معلوم کرنے کی ضرورت ہو۔ تو میری دوسری کتابوں میں تلاش کرنا چاہیے کیونکہ یہاں طوالت مقصود نہیں۔ اب میں حجابوں کا اٹھ جانا۔ اور معاملات طریقت کے ابواب اور اہلِ تصوف کے حقائق عقلی اور نقلی دلیلوں کے ساتھ اس کتاب میں بیان کرتا ہوں۔ تاکہ مقصود کے جاننے کا طریق تم پر آسان ہو جائے۔ اور منکرین میں سے جس کو دلی بصیرت حاصل ہو۔ اس راہِ طریقت کی طرف واپس لوٹ آجائے اور مجھ اس کے سبب سے دعائے خیر اور ثواب حاصل ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔

پندرھواں باب

معرفتِ الٰہی میں پردے کا کھولنا

اللہ جلّ وعلا نے فرمایا ہے: "ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں جانی جیسا کہ اس کی قدر کرنا چاہیئے تھی۔" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے: "اگر تم اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتے جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے تو سمندروں پہ پاؤں پاؤں چلتے اور تمہاری دُعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔" میں خدائے غالب و بزرگ کی معرفت دو قسم کی ہے۔ ایک عِلمی اور دوسری حالی۔ اور معرفتِ علمی دُنیا و آخرت کی تمام نیکیوں کی طرف رہنمائی کرنے والی ہے اور اپنے اوقات و احوال میں بندہ کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ جیسا کہ اللہ غالب و بزرگ نے فرمایا ہے: "ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت یعنی معرفتِ الٰہی کے لئے پیدا کیا ہے۔" لیکن بہت سے لوگ اس بارے میں کوتاہی کر رہے ہیں اور اپنی پیدائش کی غرض و غایت سے غافل ہیں۔ سوائے ان اولیاء اللہ کے جنہیں اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کر دیا اور دنیا کی تاریکیوں سے اُنہیں رہائی بخشی ہے اور ان کے دلوں کو اپنی معرفت سے زندہ کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حال سے ہمیں خبر دی ہے اور فرمایا ہے: "ہم نے اس کے لئے روشنی پیدا کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں میں چلتا ہے۔" اور ابوجہل ملعون کے حال سے خبر دی اور فرمایا: "اس کا حال اس شخص کی مانند ہے جو تاریکیوں میں گھرا ہوا ہو اور باہر نہ نکل سکتا ہو۔" پس معرفتِ الٰہی سے دل کی زندگی ہے اور ماسوی اللہ سے رُوگردانی ہر شخص کی قیمت ہوتی ہے۔ کیونکہ جس کو معرفتِ حق حاصل نہیں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ پس علماء و فقہاء وغیرہ اہلِ علم اللہ تبارک و تعالیٰ کے متعلق صحیح علم کو معرفت کہتے ہیں اور مشائخ صوفیہ خداوند تعالیٰ کے ساتھ حال کے صحیح ہونے کو معرفت کہتے ہیں اور اسی وجہ سے معرفتِ الٰہی کو علمِ حق تعالیٰ سے افضل کہتے ہیں۔ کیونکہ حال کا صحیح ہونا علم کے صحیح ہونے کے بغیر نہیں ہو سکتا اور علم کے

صحیح ہونے سے صحیح حال حاصل نہیں ہوتا یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کا علم صحیح نہ رکھتا ہو، وہ عارف صحیح الحال نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو عارف صحیح الحال نہ ہو وہ حق تعالیٰ کا عالم ہو سکتا ہے۔ اور دونوں گروہوں میں سے جو لوگ اس حقیقت سے ناواقف تھے۔ انہوں نے اس امر کے متعلق بے فائدہ مناظرے کیے ہیں۔ چنانچہ علماء کے اس گروہ نے صوفیاء کے اس گروہ کا انکار کیا۔ اور اس گروہ صوفیاء نے اس گروہِ علماء کا انکار کر دیا۔ اور اب میں اس مسئلہ کا بھید ظاہر کرتا ہوں۔ تاکہ دونوں گروہوں کو فائدہ پہنچے۔ انشاء اللہ۔

پہلی فصل

معرفتِ الٰہی کے متعلق اختلاف

جان لو۔ (اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت مند کرے) کہ خداوند تعالیٰ کی معرفت اور اس کے متعلق صحیح علم رکھنے کے بارے میں لوگوں کا بہت اختلاف ہے مُعتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت عقل سے حاصل ہوتی ہے اور سوائے عقلمند کے اس کی معرفت کسی کو روا نہیں لیکن یہ قول بوجہ باطل ہے۔ اس لئے کہ جو دیوانے دارالاسلام میں ہوتے ہیں۔ ان کا حکم معرفت کا حکم ہوتا ہے اور دوسرے وہ لڑکے جو عاقل نہیں ہوتے ان کا حکم ایمان کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر معرفت عقل سے ہوتی تو ان کو جو عقل نہیں رکھتے معرفت کا حکم نہ ہوتا اور کافروں کو جو عقل حاصل ہے انہیں کفر کا حکم نہ ہوتا اسی طرح عقل معرفت کی علت ہوتی تو چاہیئے تھا کہ جو عقلمند ہوتا وہ عارف ہوتا۔ اور سب بے عقل جاہل ہوتے اور یہ کھُلا مکابرہ ہے اور ایک گروہ کہتا ہے کہ معرفت الٰہی کی علت استدلال ہے۔ اور استدلال کرنے والے کے سوا کسی اور کو معرفت کا حاصل ہونا روا نہیں اور یہ قول بھی باطل ہے ابلیس کی وجہ سے کہ اُس نے بہت سے دلائل مثلاً بہشت و دوزخ و عرش و کرسی وغیرہ دیکھے اور سب کا دیکھنا اس کے لئے معرفت کی علت نہ ہُوا۔ دُوسرے یہ کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم کفار پر بجائے پیغمبروں کے فرشتے نازل کرتے اور مُردے ان سے باتیں کرتے اور ہم دُنیا بھر کی نعمتیں ان کے سامنے جمع کر دیتے تو بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر جب کہ مشیت الٰہی میں ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ

کی معرفت کے لئے فقط دلائل اور آیاتِ ربّانی کا دیکھنا علت نہیں۔ اس لئے کہ اگر آیات و دلائل کا دیکھنا اور ان سے استدلال کرنا بھی معرفت الٰہی کی علت ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کی علت اسی کو قرار دیتا نہ کہ اپنی مشیّت کو۔ اور اہل سنّت و جماعت کے نزدیک عقل کا صحیح ہونا اور آیت و دلیل کا دیکھنا معرفت کا سبب ہے نہ کہ معرفت کی علت۔ جان لو کہ معرفت الٰہی کی علت عنایت و مشیتِ الٰہی کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ اس کی عنایت کے بغیر عقل نابینا ہے۔ اس لئے کہ عقل اپنی نسبت خود جاہل ہے۔ اور کسی عقلمند نے آج تک اس کی حقیقت کو نہیں پہچانا ہے اور جب وہ اپنی نسبت جاہل ہے تو وہ اپنے غیر کو کس طرح پہچانے گی۔ اور اللہ بزرگ و بلند کی عنایت و رہنمائی کے بغیر محض دلیل سے استدلال کرنا اور اس میں غور کرنا بھی خطا ہے۔ کیونکہ سب اہل ہوا اور ملحدوں کے گروہ استدلال ہی کیا کرتے ہیں لیکن اکثر ان میں سے عارف نہیں۔ پھر جو شخص اہل عنایت میں سے ہے۔ اس کی سب حرکتیں معرفت کی علامت ہیں اور ان کا استدلال طلب حق ہے اور ترک استدلال تسلیم اور معرفت الٰہی کے صحیح ہونے میں تسلیم طلب سے بہتر نہیں ہوتی۔ کیونکہ طلب حق ایک اصل ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں۔ اور تسلیم ایک ایسا اصل ہے کہ اس میں اضطراب و بے چینی کی کوئی صورت نہیں۔ اور ان دونوں کی حقیقت معرفت نہیں اور در حقیقت جاننا چاہئیے کہ بندہ کا حقیقی رہنما اور دل کھولنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور بلند تر ہے۔ جن کی ظالم اس کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ رہا عقل اور دلائل سے استدلال کرنا تو قرآن کی رُو سے یہ ہدایت و رہنمائی کا مجاز نہیں جیسا کہ عقل و استدلال سے ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی جبتک خدا کی تائید و توفیق شامل حال نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (الآیہ) "اور اگر وہ کفار دنیا میں واپس لوٹا دیئے جائیں تو پھر بھی وہی بُرے کام کریں گے جن سے ان کو روکا گیا تھا"۔ اور اسی طرح جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے معرفت کی نسبت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو اس کے فضل سے پہچانا۔ اور غیر اللہ کو اللہ کے نور سے پہچانا۔"

پس خداوند تعالیٰ نے جسم کو پیدا کیا۔ اور اس کی زندگی روح سے متعلق کر دی اور دل کو پیدا کیا تو اس کی زندگی اپنے سے متعلق فرما دی۔ پس جب عقل اور دلیل کو جسم کے زندہ کرنے کی طاقت نہیں تو محال ہے کہ وہ دل کو زندہ کر سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کیا وہ شخص جو مردہ تھا۔ پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس میں زندگی کا تعلق اپنی طرف ظاہر فرمایا پھر فرمایا ارشاد فرمایا "اور ہم نے اس کے لئے نور پیدا کیا جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے" یعنی اس نور کا پیدا کرنے والا جس میں ایماندار دل کی روشنی ہے میں ہی ہوں اور نیز فرمایا۔ پس کیا وہ شخص جس کا اللہ تعالیٰ نے سینہ اسلام کے لئے کھول دیا ہے اور اس وجہ سے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی حاصل کئے ہوئے ہے۔" اس میں دل کے کھولنے کو اپنی ذات سے متعلق فرمایا۔ اور اسی طرح دل کے باندھنے کو بھی اپنے فعل سے متعلق کیا اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہیں۔" اور نیز فرمایا "آپ اس شخص کا حکم نہ مانئے جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔" جب دل کو قبض کرنا اور کشادہ کرنا اور کھولنا۔ اور اس پر مہر لگانا اللہ تعالیٰ ہی سے تعلق رکھتا ہے تو محال ہے کہ اپنی ذات کے سوا کسی اور کو رہنما سمجھے۔ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے سوا ہے وہ سب علت و سبب ہے اور علت و سبب مسبب کی عنایت کے بغیر ہرگز رہنمائی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تمام حجاب رہزن ہوتے ہیں نہ کہ رہبر۔ اور نیز خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے دلوں میں محبوب کر دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں زینت دے دی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تزیین[1] اور تحبیب[2] کو اپنی طرف نسبت دی ہے۔ اور تقویٰ کا لازم کرنا جو عین معرفت الٰہی ہے وہ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ چنانچہ متقی کو تقوی کے اپنے اوپر لازم کرنے یا نہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ پس حق سبحانہٗ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر معرفت الٰہی میں سے لوگوں کا حصہ عجز کے سوا اور کچھ نہیں۔ ابو الحسن نوری

[1] زینت بخشنا [2] محبوب بنانا

رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ کی معرفت پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رہنما نہیں۔ علم تو صرف اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ کام کرنے کے آداب معلوم ہو جائیں نہ اس لئے کہ اس سے معرفتِ الٰہی حاصل ہو جائے۔ اور مخلوقات میں سے کسی کو بھی یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کو خدا تک پہنچا دے۔ ورنہ استدلال میں کوئی ابوطالب سے زیادہ عقلمند نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کوئی دلیل محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہو سکتی ہے لیکن چونکہ ابوطالب کے لئے بدبختی کا حکم جاری ہو چکا تھا اس لئے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی اس کو کوئی نفع نہ دے سکی۔ یاد رکھو کہ استدلال کا پہلا درجہ ہی حق تعالیٰ سے روگردانی ہے۔ کیونکہ دلیل لانا غیر اللہ میں تامل کرنا ہوتا ہے اور معرفتِ الٰہی کی حقیقت اس کے برعکس غیرِ حق تعالیٰ سے اعراض کرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام مطلوبات کا وجود استدلال کی وجہ سے ہوتا ہے اور معرفتِ الٰہی عادت کے خلاف ہے پس معرفتِ الٰہی عقل کی ہمیشہ کے لئے حیرانی کے سوا کچھ نہیں اور عنایتِ الٰہی کا حاصل ہونا بندے کے کسب میں نہیں۔ کیونکہ بندے کے کسب و فعل کو اس کے حصول میں کوئی دخل نہیں اور اس کی تائید و توفیق کے سوا بندے کا کوئی رہنما نہیں۔ وہی ہے جو غیب کے ہاتھوں سے دلوں کے قفل کھولتا ہے۔ اس لئے جو کچھ حق تعالیٰ کے سوا ہے سب حادث ہے اور یہ روا ہے کہ حادث اپنے جیسے حادث تک پہنچ جائے لیکن یہ روا نہیں کہ وہ اپنے خالق تک پہنچ جائے۔ ورنہ اس صورت میں خالق اس کے کسب سے حاصل ہوگا۔ اور جو کچھ کسب کے تحت آجائے تو اس کا کسب اس پر غالب ہوتا ہے۔ اور اس کا کسب کیا ہوا مغلوب ہے۔ کرامت یہ نہیں کہ عقل فعل کو دیکھ کر فاعل کی ہستی کو ثابت کرے۔ بلکہ کرامت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کے نور سے اپنی ہستی کی نفی کرے۔ پس ایک کو فاعل کی معرفت حاصل ہوگی اور دوسرے کو حال کی۔ اس ایک (عقل) کے ذریعے سے ہستی فاعل کو ثابت کرنے والے کو معرفتِ قال (تعریفی معرفت) حاصل ہوگی۔ اور اس دوسرے (نورِ الٰہی) سے اس کی ہستی کو ثابت کرنے والے کو معرفتِ حالی (اصلی معرفت) حاصل ہوگی۔ ملحدین جن کو ایک دوسرا گروہ معرفت کی علت جانتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ

عقل ہے تو اس سے پوچھو کہ عقل دل میں حقیقی معرفت میں سے کس چیز کو ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ جس چیز کو عقل ثابت کرتی ہے معرفت الٰہی تو اس کی نفی کرتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ دل میں عقل کی دلالت سے متصور ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ یہ ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہے۔ اگر اس کے خلاف کوئی اور چیز مقصود ہو تو وہ بھی اس کے خلاف ہے۔ پس یہاں عقل کی کیا مجال ہے کہ اس کے دلیل پیش کرنے سے معرفتِ الٰہی حاصل ہو اس لیئے کہ عقل اور وہم دونوں ایک جنس ہیں اور جہاں جنس ثابت ہو جائے وہاں معرفت منفی ہو جاتی ہے۔ پس عقل کے استدلال سے معرفت حق کو ثابت کرنا تشبیہ ہے۔ اور عقل کے استدلال کی نفی کرنا تعطیل ہے۔ اور اس عقل کی جولاں گاہ سوائے ان دو اصلوں کے اور کوئی نہیں اور یہ دونوں کے دونوں معرفت ناشناس ہیں۔ کیونکہ مشبہ اور معطل موحد نہیں ہوتا۔ پس جب عقل امکان بھر کوشش کے باوجود اللہ تعالیٰ کی معرفت میں کامیاب نہ ہوتی بلکہ جو کچھ اس سے ظاہر ہوا وہ خود اس کا وہم تھا۔ تو دوستان حق کے دلوں کو اس کی طلب کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ سو وہ عاجزی کی درگاہ پر بغیر کسی آلہ کے آرام پذیر ہوئے۔ اور اپنے آرام میں بے آرام ہو گئے اور عاجز ہو کر انہوں نے اپنے دلوں کے لئے مرہم تلاش کی۔ دراصل ان کا راستہ طلب کی اقسام اور ان کی قدرت دونوں سے پوشیدہ تھا۔ ایک طرف تو ان کی قدرت اس راستہ سے آگاہ نہ تھی دوسری طرف طلب کی گوناگوں اقسام اس راہ سے نا آشنائے محض تھیں۔ پس قدرتِ حق تعالیٰ یہاں ان کی قدرت بن گئی۔ یعنی انہوں نے خود اسی کی مہربانی سے اس کی طرف راہ پالی اور اسی طرح اس سے دُوری اور غیبت کے رنج سے آسودہ ہو گئے۔ اور اُنس الٰہی کے روضہ میں انہیں جگہ مل گئی اور انہوں نے آرام پایا۔ اور راحت و سرور میں قرار پذیر ہوتے۔ جب عقل نے دلوں کو اپنی مراد پر پہنچا ہوا دیکھا تو اپنا تصرف شروع کیا۔ لیکن معرفت کو نہ پا سکی۔ عاجز رہ گئی۔ جب عاجز رہ گئی تو حیران ہو گئی اور فرمایا کہ جب تو اپنی خودی میں رہی۔ اپنے آلات و تصرف کی وجہ سے حق سے محجوب رہی اور جب تیرے تصرف و عمل کے آلات فانی ہو گئے تو صرف تو رہ گئی اور جب تو رہ گئی تو

حق تعالیٰ تک پہنچ گئی۔ پس دل کے حصہ میں قُربِ الٰہی آیا اور عقل کے حصہ میں خدمت اور معرفت تو خود معرفت ہی تھی۔ پس خدا تعالیٰ نے بندہ کو اپنی تعریف و توفیقِ معرفت سے شناسا کیا۔ یہاں تک کہ اس نے اس حق سُبحانہٗ کو اسی توفیقِ معرفت سے پہچان لیا۔ نہ ایسا پہچاننا جو اسباب سے ہو۔ بلکہ وہ پہچاننا کہ خود اس کی ہستی اس میں عاریتی (عارضی) ہو۔ تاکہ تمام وجوہ سے عارف کو انانیت یعنی غرور تکبر اور خود بینی خیانت معلوم ہو۔ یہاں تک کہ اس کی یاد بغیر بھولنے کے اور اس کا وقت بغیر کوتاہی کے اور اس کی معرفت حال ہو نہ کہ زبانی گفتگو۔ اور نیز ایک گروہ نے کہا ہے کہ معرفتِ حق الہامی ہے۔ لیکن یہ بھی محال ہے۔ اس لئے کہ معرفت کے حق و باطل ہونے کے لئے دلیل ہوتی ہے اور اہلِ الہام کے صواب وخطا ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ خداوند تعالیٰ مکان میں ہے اور دوسرا شخص کہے کہ مجھے یوں الہام ہوا ہے کہ اس کے لئے مکان نہیں تو لامحالہ ان دونوں متضاد دعووں میں حق ایک کے نزدیک ہوگا۔ حالانکہ وہ دونوں الہام سے دعوے کرتے ہیں۔ پس لامحالہ ایک ایسی دلیل چاہیئے کہ ان ہر دو مدّعیوں کے صدق و کذب میں فرق کر سکے۔ اس وقت دلیل سے ہی ان کو فرق معلوم ہو سکے گا اور الہام سے اس پر حکم لگانا باطل ہوگا۔ یہ برہمنوں اور الہامی لوگوں کا قول ہے اور میں نے اپنے زمانہ میں کچھ لوگوں کو دیکھا ہے۔ جو اس معاملہ میں بہت مبالغہ کرتے تھے۔ اور اپنے حال کی نسبت پارساؤں کے طرق کی طرف کرتے تھے لیکن وہ سب لوگ گمراہی پر ہیں۔ اور ان کا قول اہلِ کفر و اہلِ اسلام میں سے تمام عقلمندوں کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ دس الہام کے مدعی ایک حکم میں دس ہی باہم متناقض باتوں کا دعوے کرتے ہیں پس وہ سب باطل ہوتے ہیں اور کوئی شخص ان سے حق پر نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جو کچھ خلاف شرع ہو وہ الہام نہیں ہوتا۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ تو اپنے اصل میں خطاکار اور غلطی پر ہے کیونکہ جب تو الہام کو اپنے ساتھ قائم ہونے میں شریعت کو لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس الہام کا اثبات اس شریعت کی وجہ سے ہے تو پس معرفت شرعی و نبوتی

وہ ذاتی ہوگی نہ الہامی۔ اور الہام کا حکم معرفت میں ہر طرح سے باطل ہے اور ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ معرفتِ الٰہی ضروری ہے لیکن یہ بھی محال ہے کیونکہ جس چیز میں بندہ کے علم کی ضرورت ہو اس میں لازم آتا ہے کہ سب عقلمند اس میں مشترک ہوں لیکن جب میں دیکھتا ہوں کہ عقلمندوں کا ایک گروہ اس کا انکار کرتا ہے تشبیہ وتعطیل کو روا سمجھتا ہے۔ تو یہ بات صحیح ہوگی کہ ضروری نہیں ہے۔ نیز اگر معرفتِ الٰہی ضروری ہوتی۔ تو اس پر سب لوگوں کو مکلف کرنا صحیح نہ ہوتا۔ کیونکہ اس چیز کی معرفت پر مکلف کرنا محال ہے جس کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ خود اپنی ہستی اور آسمان وزمین و روز وشب و درد و لذت وغیرہ جو ایسی چیزیں ہیں کہ کوئی عاقل آدمی اپنے آپ کو ان کے وجود کے متعلق کسی شک میں نہیں ڈال سکتا۔ کہ وہ اس میں لاچار ہو جائے۔ اور اگر کوئی چاہے کہ ان کو نہ پہچانے۔ تو وہ ایسا کر نہیں سکتا کہ ان کو نہ پہچانے لیکن صوفیوں کا ایک گروہ جس نے اپنے یقین کی صحت کو مدنظر رکھ کر کہا ہے کہ ہم اس کو ضروری طور پر پہچانتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے متعلق کوئی شک نہ پایا اور اس کے متعلق اپنے یقین کا نام ضرورت رکھ لیا تو وہ لوگ اس معنی میں تو راستی پر ہیں لیکن عبادت میں خطا کار ہیں۔ کیونکہ علم ضروری میں صحیح کی تخصیص روا نہیں۔ اس لئے کہ سب دانا لوگ یکساں ہوتے ہیں۔ اور نیز علم ضروری وہ علم ہوتا ہے کہ زندوں کے دل میں بغیر کسی سبب اور دلیل کے پیدا ہو۔ حالانکہ علم معرفتِ حق سبب کے واسطے سے پیدا ہوتا ہے لیکن استاد ابو علی دقاق و شیخ ابو سہل صعلوکی اور بدر ابن ابی سہل جو نیشاپور کے رئیس اور امام تھے رحمہم اللہ تعالیٰ وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ معرفت کی ابتدا استدلال ہے اور انتہا ضرورت جیسا کہ صنعتوں کا علم کہ اس کی ابتدا کسب ہے اور انتہا ضرورت۔ یہ بات اہل سنت کے ایک قول کے مطابق ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ کیا تم دیکھتے نہیں کہ بہشت میں خدا تعالیٰ کا علم ضروری ہوگا اور جب جائز ہے کہ آخرت میں خدا تعالیٰ کا علم ضروری ہو تو جائز ہے کہ یہاں دنیا میں بھی اس کا علم ضروری ہو۔ اور نیز انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام دنیا میں اس حال میں کہ خدا تعالیٰ کا کلام بے واسطہ سنتے تھے۔ تاکہ

اس کو ضروری طور پر پہچانیں۔ یا فرشتہ اور وحی کے واسطہ سے سُنتے تھے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ بہشتی لوگ بہشت میں اس کو ضروری طور پر پہچانیں گے کیونکہ بہشت تکلیف کا مقام نہیں، اور پیغمبر بُرے انجام سے محفوظ ہیں اور حق تعالیٰ کی جُدائی سے امن میں ہیں۔ اور جس نے اس کو ضروری طور پر پہچان لیا۔ اُسے علیحدگی کا بھی کوئی خوف نہ ہوگا اور ایمان و معرفت الٰہی کی بزرگی اس وجہ سے ہے کہ وہ غیب ہے اور جب عین ہو جائے تو ایمان جبری ہو جائے گا اور اس مشاہدہ میں ایمان لانے کا اختیار اُٹھ جائے گا اور شریعت کے تمام اصولوں میں اضطراب واقع ہو جائے گا اور ارتداد کا حکم باطل ہو جائے گا۔ اور بلعم بن باعور، ابلیس اور برصیصا پر تکفیر کا حکم درست نہ رہے گا۔ کیونکہ وہ سب بالاتفاق خدا کے عارف تھے۔ جیسا کہ ابلیس کی نسبت اس کے مردود و رجیم یعنے راندۂ درگاہ ہونے کے حال سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "تیری عزت کی قسم کہ میں تمام اولادِ آدم کو گمراہ کر دوں گا۔" اور ظاہر ہے کہ اس سے کلام کرنا اور جواب سُننا معرفت کا تقاضا کرتا ہے اور عارف جب تک عارف ہو علیحدگی سے امن میں ہوتا ہے۔ کیونکہ علیحدگی معرفت کے زائل ہونے سے حاصل ہوتی ہے اور علم ضروری کا زائل ہونا ممکن نہیں۔ اور یہ مسئلہ لوگوں کے درمیان بہت خطرناک ہے۔ لہٰذا اس کی گہرائی میں نہیں جانا چاہیئے۔ البتہ شرط یہ ہے کہ تم اتنا جان لو کہ بندہ کو خدا تعالیٰ کا علم اور اس کی معرفت حق تعالیٰ کی ازلی ہدایت اور اس کے خبر دینے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ روا ہے کہ بندوں کا یقین معرفت الٰہی میں کبھی زیادہ ہو اور کبھی کم۔ لیکن اصل معرفت کم و بیش نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کی زیادتی بھی نقصان اور کمی بھی نقصان ہے اور خداوند تعالیٰ کی شناخت میں تقلید نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ اس کو اس کی صفاتِ کمال کے ساتھ پہچاننا چاہیئے۔ اور یہ بات حق تعالیٰ کی محض عنایت اور اس کی عمدہ حفاظت کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتی۔ دلائل اور عقلیں سب اس کی ملک میں اور اس کے تصرف میں ہیں۔ چاہے تو اپنے کسی فعل کو کسی کے لئے

دلیل بنا دے۔ اور اس کو اس دلیل کے ذریعہ سے اپنی طرف راستہ دکھا دے اور اگر چاہے تو اسی فعل کو اس کے لئے حجاب بنا دے۔ تاکہ وہ اسی فعل کے ذریعہ سے اس تک پہنچنے سے باز رہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السّلام ایک قوم کے لئے تو معرفتِ حق کی دلیل ہو گئے لیکن دوسری قوم کے لئے اس کی معرفت سے حجاب بن گئے۔ یہاں تک کہ ایک گروہ نے کہہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے تھے اور دوسرے گروہ نے کہا۔ وہ خدا کے بیٹے تھے۔ اور اسی طرح بت، آفتاب اور چاند ایک گروہ کے لئے حق کی دلیل بن گئے۔ اور دوسرا گروہ انہی کی وجہ سے حق سے باز رہا۔ اور اگر دلیل معرفتِ الٰہی کی علت ہوتی تو چاہیئے تھا کہ ہر ایک دلیل لانے والا عارفِ الٰہی ہوتا اور یہ کھلا مکابرہ ہے۔ پس خدا تعالیٰ ایک کو تو برگزیدہ کر لیتا ہے اور سب امور کو اس کا رہبر بنا دیتا ہے تاکہ وہ ان کے ذریعہ سے حق سبحانہٗ تک پہنچ جائے اور اس کو جان لے۔ پس دلیل معرفتِ حق کے لئے سبب اور ذریعہ ہے، نہ کہ علت۔ اور مسبّب کے لئے سبب ہونے میں کوئی سبب دوسرے سبب سے بہتر نہیں ہوتا۔ مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ سبب کا ثابت کرنا عارف کے لئے معرفتِ الٰہی میں زنّار ہے۔ اور غیر حق کی طرف توجہ کرنا شرک ہے " جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے، اسے کوئی راہ پہ لانے والا نہیں " جب لوحِ محفوظ میں بلکہ اللہ تعالیٰ کے علم و مراد میں کسی کے نصیب میں بدبختی ہو۔ تو دلیل اور دلیل لانا اس کے لئے کیونکر رہنما ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے " جس نے غیر حق کی طرف التفات کی اس کی معرفت باعثِ کفر و شرک ہے "۔ جو شخص قہرِ الٰہی میں غرق ہے حق تعالیٰ کے سوا کوئی چیز اس کا گریبان پکڑ کر اس کو اس میں سے نکال نہیں سکتی۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام غار سے نکلے تو دن میں آپ نے کچھ نہ دیکھا۔ حالانکہ دن میں دلائل بہت اور عجائب زیادہ ظاہر تھے۔ جب رات ہوئی تو ایک ستارہ دیکھا۔ اگر آپ کی معرفتِ الٰہی کی علت دلیل ہوتی تو دلائل دن میں زیادہ ظاہر اور اس کے عجائب زیادہ واضح ہوتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ جب چاہتا ہے، بندہ کو اپنی طرف راہنمائی کرتا ہے اور

اپنی معرفت کا دروازہ اس پر کھول دیتا ہے۔ یہاں تک کہ کبھی عین معرفت میں وہ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ عین معرفت اس کو غیر معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کی صفتِ معرفت اس کی آفت ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی معرفت سے حجاب میں ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی معرفت کی تحقیق اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کی معرفت اس کا دعویٰ ہو جاتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس بات سے بچ کہ حق تعالیٰ کی معرفت کا تو دعوےٰ کرے۔

شعر:

"عارف لوگ تو اس کی معرفت کا دعوےٰ کرتے ہیں میں اپنی جہالت
کا اقرار کرتا ہوں۔ یہی میری معرفت ہے۔"

یعنی تجھ پر لازم ہے کہ معرفتِ الٰہی کا دعوےٰ نہ کرے کیونکہ اس کے اندر تیری ہلاکت ہے۔ ہاں! اس کے معنی سے تعلق پیدا کر کہ تو نجات پا جائے۔ پس جو شخص اس کے جلال کے کشف و مشاہدہ سے سرفراز کیا جائے اس کی ہستی اس کے لئے وبال ہو جاتی ہے۔ اور اس کی صفات سب اس کے لئے آفت کا محل بن جاتی ہیں۔ اور جو حق تعالیٰ کا ہو رہے۔ اور حق اس کا ہو۔ اس کے لئے کوئی چیز دونوں عالم میں ایسی نہیں ہوتی کہ اس کی نسبت اس چیز سے درست ہو الغرض معرفت کی حقیقت یہ جاننا ہے کہ ملک سب خدا تعالیٰ کا ہے جب کوئی شخص سارے ملک میں اسی حق تعالیٰ کو متصرف جانے اس کو خلقت سے کیا کام رہ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے سے یا خلقت سے وہ حجاب میں ہو جاتا ہے۔ ان سب کا حجاب جہل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب جہالت فانی ہو جائے تو حجاب لاشئ ہو جاتا ہے اور دنیا بمنزلہ عقبیٰ کے ہو جاتی ہے۔

دوسری فصل

معرفتِ الٰہی کے متعلق مشائخ کے رموز

جاننا چاہیئے کہ معرفتِ الٰہی کے متعلق مشائخ رحمہم اللہ کے بہت سے رموز ہیں۔ فائدہ کے لئے ان کے اقوال میں سے بعض کو میں یہاں بیان کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "معرفت وہ ہے کہ کسی

چیز سے تو تعجب نہ کرے، کیونکہ تعجب اس فعل پر ہونا چاہیئے کہ کوئی اپنی قدرت سے زیادہ کرے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو عارف کو اس کے افعال پر تعجب کرنا محال ہے اور اگر تعجب متصور بھی ہو تو وہاں کرنا چاہیئے کہ اس نے ایک مشتِ خاک کو اس درجہ پر پہنچا دیا جس کی وجہ سے وہ اس کا فرمانبردار بنا اور خون کے قطرہ کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا کہ اس کی محبت و معرفت اس کے دیدار کی طلب اور اس کے قرب اور وصل کا طلبگار ہوا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "معرفت کی حقیقت خداوند تعالیٰ کا نہایت لطیف انوار کے ساتھ دلوں پر جلوہ فرمانا ہے" یعنی جب تک خداوند تعالیٰ اپنی مہربانی سے بندے کے دل کو اپنے نور سے آراستہ نہ کر دے تب تک اس کا دل تمام تباہیوں سے رہائی نہیں پاتا۔ چنانچہ تمام موجودات اور مخلوقات کو اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر وزن نہیں ہوتا۔ باطن اور ظاہر کے اسرار کا مشاہدہ اس پر غلبہ نہیں کرتا جب وہ ایسا کر لیتا ہے تو اس کا دیکھنا سب مشاہدہ ہو جاتا ہے اور شبلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "معرفت ہمیشہ کی حیرانی ہے" اور حیرانی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو وجود کے متعلق دوسرے اس کی کیفیت کے متعلق۔ وجودِ الٰہی کے متعلق حیرانی شرک و کفر ہے اور کیفیت میں حیرانگی معرفت ہے اس لئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی ہستی میں عارف کو شک ہونا ممکن نہیں اور اس کی کیفیت اور ماہیت میں عقل کو مجال نہیں اب یہاں حق تعالیٰ کے وجود میں یقین اور اس کی کیفیت میں حیرانی رہ گئی اور اسی وجہ سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے "اے متحیروں کے رہنما میری حیرت کو بڑھا دے!" پہلے تو حق تعالیٰ کے وجود کی معرفت اور اس کے صفات کا کمال ثابت کیا اور جان لیا کہ وہی خلقت کا مقصود اور ان کی دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے اور حیرت والوں کو سوائے اس کی کیفیت کے کسی میں حیرت نہیں۔ تب حیرت کی زیادتی کی درخواست کی اور جان لیا کہ مقصود کے اندر عقل کو سوائے حیرانی اور پریشانی کے کوئی شرکت اور مداخلت نہیں اور یہ بات نہایت لطیف ہے۔ نیز اس میں احتمال ہے کہ حق تعالیٰ کی ہستی کی معرفت اپنی ہستی کے متعلق حیرانی کا تقاضا کرتی ہے اس لئے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے تو اپنی ساری ہستی کو اس کے قہر کی قید میں دیکھتا

ہے اور جب اس کا وجود بھی اسی کے سبب سے ہے اور عدم بھی اسی کی وجہ سے اس کی حرکت اور سکون بھی اسی کی قدرت پر موقوف ہے تو وہ حیران ہو جاتا ہے۔ اور جب سب چیزوں کا قیام اسی کی ذات پر موقوف ہے تو میں خود کون ہوں؟ اور کیا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے "جس نے اپنے آپ کو فنا کے ساتھ پہچان لیا اس نے خدا تعالیٰ کو بقا کے ساتھ پہچان لیا" اور فنا سے عقل اور صفت باطل ہو جاتی ہے اور جب کسی چیز کا مین عقل میں نہ آسکے تو اس کی معرفت میں سوائے حیرانی کے اور کوئی چیز ممکن نہیں ہو سکتی ۔ بایزید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "معرفت یہ ہے کہ تو جان لے کہ خلقت کی سب حرکات و سکنات اللہ تبارک و تعالیٰ کی وجہ سے ہیں" اور کسی کو اس کے اذن کے بغیر اس کے ملک میں تصرف حاصل نہیں اور اسی کی وجہ سے عین و قائم بخود [1] عین ہے اور اسی کی وجہ سے اثر [2] ہے اور صفت صفت ہے اور متحرک متحرک اور ساکن ساکن ہے کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ نے جسم کے اندر استطاعت نہیں پیدا کی اور دل کے اندر ارادہ نہیں رکھا بندہ کوئی فعل نہیں کر سکتا تھا اور بندہ کا فعل مجاز ہے اور حقیقی فعل خداوند تعالیٰ کے لئے ہے ۔ محمد بن واسع رحمۃ اللہ عارف کی صفت میں فرماتے ہیں "جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا اس کا کلام کم ہو گیا اور اس کی حیرت ہمیشہ کے لئے ہو گئی ۔ اس لئے کہ تعبیر اسی چیز سے کر سکتے ہیں جو بیان کے تحت میں آسکے اور اصولاً عبارت کے لئے ایک حد ہوتی ہے اگر تعبیر کیا ہوا محدود ہی نہ ہو جس پر کہ تعبیر کرنے والے نے اپنی عبارت کی بنیاد رکھی ہے تو جو تعبیر کئے ہوئے کے متعلق عبارت یا بیان کیسے ثابت ہو؟ جب مقصود عبارت میں نہ آسکے ۔ اور بندہ کو اس سے چارہ نہ ہو تو سوائے ہمیشہ کی حیرانی کے اس کے لئے اور کیا چارہ ہو سکتا ہے ۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "معرفت الٰہی کی حقیقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت سے عاجز ہونا ہے ۔" اور وہ چیز جس کی حقیقت کی نسبت بندہ سوائے اظہار عجز کے اور کچھ نہ کر سکے تو مناسب ہے کہ بندہ کو اس کے ادراک کرنے میں اپنی نسبت زیادہ دعویٰ نہ ہو اس لئے کہ عاجزی اس کے

[1] عین سے مراد ذات باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ ہے [2] اثر ۔ نشانِ اصل ۱۲

لیے طلب ہے اور طالب جب تک اپنے آلات و صفت سے اعضاء و قوائے انسانیت کے ساتھ قائم ہے۔ عاجزی کا اطلاق اس پر صحیح نہیں ہوتا اور جب یہ آلات و اوصاف اس کے ختم ہو جاتے ہیں تو اس وقت فنا ہوتی ہے نہ عاجزی۔ اور مدعیوں کا ایک گروہ باوجود اس کے کہ ان کی آدمیت کے اوصاف ثابت، ان پر تکلیف شرعی کا خطاب صحیح اور اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر قائم ہے یہ کہتا ہے کہ معرفتِ الٰہی کی حقیقت عاجز ہو جانا ہے اور ہم عاجز ہیں اور سب باتوں سے ہارے ہوئے ہیں حالانکہ یہ قول گمراہی اور خسارہ ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کس چیز کی طلب میں تم عاجز ہو گئے ہو؟ کیونکہ عاجزی کی دو علامتیں ہوتی ہیں اور وہ دونوں تم میں موجود نہیں۔ ایک علامت تو آلہ اور اسباب طلب کا فنا ہوتا ہے اور دوسری علامت تجلی الٰہی کا ظہور ہے اور جہاں آلہ فنا ہو وہاں بیان معدوم ہوتا ہے اگر ایسی صورت میں اپنے عجز کو بیان کرے گا تو عجز کی تعبیر سوائے عاجزی کے کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتی اور جہاں تجلی الٰہی کا ظہور ہو وہاں نہ نشان کیا جا سکتا ہے اور نہ تمیز مقصود ہو سکتی ہے یہاں تک کہ عاجز یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ عاجز ہے بلکہ جس صفت کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے اگر اس کو عجز کہیں تو یہ بھی ممکن نہیں اس لئے کہ عجز خود غیر حق اور ماسوی اللہ ہے اور غیر کی معرفت کا ثابت کرنا معرفت الٰہی نہیں ہو سکتی اور جب تک غیر حق کی جگہ دل میں ہے تب تک تو معرفت الٰہی صحیح نہیں اس لئے کہ عارف جب تک غیر حق سے کنارہ نہ کرے وہ عارف الٰہی نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابو حفص حداد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا ہے میرے دل میں نہ حق کا خیال گزرتا ہے نہ باطل کا اس لیے کہ جب خلقت کو کوئی غرض اور خواہش ہوتی ہے تو وہ دل کی طرف رجوع کرتی ہے یہاں تک کہ دل اس کو نفس کے حوالہ کر دیتا ہے جو باطل کا محل ہے اور جو ہمیشگی کا پختہ ارادہ پاتے ہیں تو وہ بھی دل کی طرف رجوع کرتا ہے اور دل اس کو روح کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو حق اور حقیقت کا سرچشمہ ہے اور جب دل میں غیر حق کا خیال آتا ہے تو عارف کا اس کی طرف رجوع کرنا اس کی ناشناسائی کی دلیل ہے پس تمام لوگ معرفت کی برہان کی تلاش بھی دل سے

کرتے ہیں اور غرض اور خواہش نفسانی کی جستجو بھی دل سے کرتے ہیں اور چونکہ ان اہل اللہ کو کوئی دنیا میں غرض نہیں ہوتی اس لئے وُہ دل کی طرف رجوع نہیں کرتے اور سوائے حق تعالیٰ کے کسی چیز سے وہ آرام نہیں پاتے اور جب ان کو معرفت کی زبان کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں نہ کہ دل کی طرف پس وہ بندہ جس کا رجوع دل کی طرف ہوتا ہے اور وہ بندہ جس کا رجوع حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے ان دونوں میں بڑا فرق ہے اور ابوبکر واسطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا وہ دنیا سے الگ ہو گیا بلکہ دنیا کے متعلق کچھ بیان کرنے سے گونگا ہو گیا اور اپنے اوصاف سے فانی ہو گیا۔" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "میں تیری صفت و ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا" چنانچہ پیغمبر علیہ السلام جب تک غیبت کی حالت میں تھے اور عرب و عجم سب سے زیادہ فصیح تھے، آپ نے فرمایا اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ (میں عرب و عجم میں سب سے زیادہ فصیح ہوں) اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبت سے حضور حق کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے فرمایا "میں تیری صفت و ثنا کما حقہٗ اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتا پس کیا کہوں کہ میں گویا سے بے گویا ہو گیا اور حال سے بے حال پس تو وہی ہے جو تو ہے میرا کلام میری وجہ سے ہو گا یا تیری وجہ سے۔ اگر اپنے واسطہ سے کلام کروں تو اپنے کلام کی وجہ سے حجاب میں ہوں گا اور اگر تیرے واسطہ سے کلام کروں تو اپنے کسب کی وجہ سے قربت کے ثابت کرنے میں محجوب ہوں گا پس میں کچھ نہیں کہتا ہوں حکم ہوا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر تو نہیں کہتا تو ہم خود کہتے ہیں "تیری جان کی قسم جب تو میری ثنا سے ساکت رہے گا تو سب عالم کا ثنا کرنا تیری طرف سے میری ثنا ہو گی یعنی سارا عالم آپ کا نائب ہو کر میری ثنا کرے گا اور وہ آپ ہی کی طرف سے میری ثنا ہو گی۔

سولھواں باب
دوسرے پردے کا کھولنا۔ توحید الٰہی
پہلی فصل

اثباتِ توحید

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور تمہارا معبودِ برحق واحد ہے"۔ نیز فرمایا ہے "تم دو معبود اختیار نہ کرو بے شک وہ معبودِ برحق اکیلا ہی ہے" اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا اس نے سوائے توحید الٰہی کے اور کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا اس نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا دو۔ پھر میری خاکستر کو پیس کر ریزہ ریزہ بنا دو۔ پھر اسے ہوا کے ساتھ کچھ خشکی اور کچھ پانی کی طرف اڑا دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہوا اور پانی کو حکم دیا کہ جو کچھ تم نے اس کی خاکستر میں سے لیا ہے اس کو قیامت تک محفوظ رکھو۔ سو قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے جو یہ کام کیا تھا تجھے اس پر کس چیز نے ابھارا تھا وہ کہے گا کہ میں سخت گنہگار تھا مجھے تیری جناب سے شرم آئی اور میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔ دراصل توحید کی حقیقت کسی چیز کے ایک ہونے پر حکم کرنا ہے اور اس کے ایک ہونے کو صحیح طور پر جاننا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا ذات و صفات میں کوئی ثانی نہیں اور نہ افعال میں کوئی مثل و شریک ہے۔ اور اہلِ توحید نے اس کو اسی صفت کے ساتھ جانا ہے اور عقل نے ان کو خدا تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت کی دعوت دی ہے اور یاد رکھو کہ توحید تین قسم کی ہوتی ہے (اول) اللہ تعالیٰ کا اپنے آپ کو واحد جاننا اور وہ اس کا اپنی یکتائی کو جاننا ہے (دوم) خدا کی توحید ہے خلقت کے لئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بندہ کو اپنی توحید کا حکم دینا اور اس کے دل میں توحید کا جذبہ پیدا کرنا ہے (سوم) خلقت کی توحید اللہ کے لئے

اور وہ ان کا اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت کو جاننا ہے پس جب بندہ عارف حق تعالیٰ ہو اور اس کی وحدانیت کی نسبت یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے جو فصل و وصل کو قبول نہیں کرتا یعنی نہ کوئی چیز اس سے پیوست ہو سکتی ہے نہ اس سے علیحدہ ہو سکتی ہے۔ دوئی اس میں روا نہیں، اس کی وحدانیت عددی نہیں کہ دوسرے عدد کے ثابت ہونے سے دو ہو جائیں اور وہ ان دونوں میں سے عدد واحد ہو جس سے اس کی وحدانیت عددی ہو اور یہ اعداد کا ثابت کرنا، بے نہایت ہو اور محدود نہیں تاکہ اس کی چھ طرفیں ہوں جنہیں وہ گھیرے ہوئے ہو اور اس کا مکان نہیں اور نہ وہ مکان کے اندر ہے تاکہ مکان ثابت کرنے کی حاجت ہو۔ اس لئے کہ اگر وہ مکان کے اندر جاگزیں ہوتا تو مکان کے لئے بھی مکان کا ہونا لازم آتا۔ پھر فعل و فاعل اور قدیم و حادث کا حکم باطل ہو جاتا۔ وہ عرض بھی نہیں کہ وہ جوہر کا محتاج ہو اور پھر اس کے اندر حال ہو اور اپنے محل میں باقی رہے وہ جوہر بھی نہیں ہے کہ اس کا وجود اپنے جیسے جواہر کے سوا صحیح نہ ہو۔ وہ طبعی بھی نہیں ہے کہ حرکت اور سکون کا مبدأ ہو اور وہ روح بھی نہیں ہے کہ غذا کا محتاج ہو۔ جسم بھی نہیں کہ اجزاء سے مرکب ہو۔ کسی چیز میں حال نہیں۔ تاکہ چیزوں کی جنس میں سے ہو اور کسی چیز کے ساتھ اس کا پیوند نہیں تاکہ وہ چیز اس کا ایک جزو ہو بلکہ تمام نقائص سے وہ بری ہے۔ تمام خرابیوں سے پاک اور سب عیوب سے برتر ہے اس کا کوئی مانند نہیں تاکہ وہ اپنے مانند کے ساتھ دو ہو۔ نہ اس کا کوئی فرزند ہے تاکہ اس کی نسل اس کے اصل کا اقتضا کرے اس کی ذات و صفات پر تغیر روا نہیں کہ اس کا وجود اس تغیر کی وجہ سے متغیر ہو جاتے یا متغیر کے حکم میں ہو جاتے۔ وہ ان کامل صفات سے موصوف ہے کہ مومن اور موحد لوگ اس کے لئے نورِ عقل سے ثابت کرتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ان سے موصوف کیا ہے اور ان صفتوں سے پاک ہے جن سے ملحد لوگ اپنے نفس کی پیروی کرتے ہوئے اسے موصوف کرتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے آپ کو ان صفتوں سے موصوف نہیں کیا ہے وہ حیّ (ہمیشہ زندہ) و علیم (سب کچھ جاننے والا) رؤف (نہایت مہربان) و رحیم (نہایت رحم کرنے والا)

اور مرید (ارادہ کرنے والا) و قدیر (ہر چیز پر قادر) سمیع (سب کچھ سننے والا) و بصیر (ہر چیز دیکھنے والا) و متکلم (کلام کرنے والا) اور باقی ہے۔ اس کا علم اس کے اندر حال نہیں۔ اس کی قدرت ٹھوس نہیں جس سے انشقاق نہ ہو سکے۔ اس کی سمیع و بصر اس کے اندر نو پیدا نہیں۔ اس کے کلام میں تبعیض اور تجدید نہیں (یعنی نہ اس کے اجزا ہو سکتے ہیں اور نہ وہ نئی ہے) وہ ہمیشہ اپنی صفات کے ساتھ قدیم ہے۔ تمام معاملات اس کے علم سے باہر نہیں اور موجودات کو اس کے ارادہ سے گریز نہیں۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے اسے وہ ازل سے جانتا ہے۔ اور مخلوق اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ نہیں سکتی۔ اس کا حکم سب حق ہے اس کے دوستوں کو سوائے تسلیم کر لینے کے اور کوئی صورت نہیں۔ اس کا حکم قطعی ہے جس کے بجا لانے کے سوا طالبان حق کے لئے کوئی چارہ ہی نہیں۔ خیر و شر کا اندازہ کرنے والا سوائے اس کے کوئی نہیں۔ سوائے اس کی ذات کے کسی سے امید رکھنا یا خوف کرنا جائز نہیں۔ نفع اور ضرر کا پیدا کرنے والا وہی ہے اور حکم سوائے اس کے کسی کو حاصل نہیں۔ اس کا حکم سب حکمت ہے اور اس کی قضا کے بغیر نہیں۔ کسی کو اس کے اصل کی بو تک نہیں پہنچی اور نہ اس تک پہنچنا ممکن ہے۔ اس کا دیدار بہشتیوں کے لئے جائز ہے۔ اس کے لئے تشبیہ اور جہت نہیں نہ مقابلہ اور مواجہہ اس کی ہستی پر ممکن۔ دنیا میں اولیا کے لئے اس کا مشاہدہ جائز ہے اور انکار کرنا لازم نہیں جو اس کو ان اوصاف سے متصف جانے وہ دین سے علیحدہ نہیں اور جو اس کے خلاف جانتا ہے اس کا دین نہیں اور اس معنی کے متعلق اصول اور وصول کے لحاظ سے بہت سا کلام ہے لیکن طوالت کے خوف سے میں نے اسی پر بس کی اور ان سب امور کے متعلق میں (علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ) کہتا ہوں کہ اس فصل کے شروع میں میں نے یہ کہہ دیا ہے کہ توحید کسی چیز کی وحدانیت پر حکم کرنا ہے اور حکم کرنا سوائے اس چیز کے علم کے نہیں ہو سکتا پس اہل سنت نے خداوند تعالیٰ کی وحدانیت پر تحقیقی طور پر حکم کیا ہے اس لئے انہوں نے اس کی عجیب و غریب صنعت اور اس کے نہایت ہی عجیب فعل کو دیکھا جس میں بہت سے عجائبات اور لطائف ان کو

نظر آئے اور انہوں نے اس کا خود بخود ہو جانا محال جانا اور ہر چیز کے اندر حدوث کی علامات ظاہر پائیں تو لامحالہ ایک فاعل کا ہونا ضروری سمجھا کہ اس کو عدم سے وجود میں لاتے اور یہ تمام سورج چاند ستارے خشکی تری، پہاڑ اور دریا پیدا کئے، پھر ان تمام صورتوں اور شکلوں کو ان کی حرکات و سکنات علم و گویائی، موت اور زندگی کے ساتھ وابستہ کیا۔ پس ان سب کو اپنی نمود کے لئے ایک صانع کے بغیر چارہ نہیں تھا اور دو تین صانع کی بجائے صرف ایک صانع کامل، حی عالم، قادر کی وجہ سے جو کسی دوسرے شریک کا محتاج نہ ہو، یہ سب چیزیں مستغنی تھیں۔ چونکہ فعل کو فاعل کے سوا چارہ نہیں ہوتا اور ایک فعل کیلئے دو فاعل کی ضرورت یہ لازم ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہوں۔ اس لئے لامحالہ اور بلا شک و شبہ یقینی علم سے ثابت ہوا کہ وہ خدا ایک ہو۔ ہمارے ساتھ یہ اختلاف دو خالق ماننے والوں نے کیا ہے نور اور ظلمت کو ثابت کر کے اور آتش پرستوں نے یزدان (خدا) اور اہرمن (شیطان) ثابت کرنے سے اور طبیعی (فلاسفر سائنسدانوں) نے طبیعت اور قوت کے ثابت کرنے سے اور فلکیوں (ہیئت دانوں) نے سات ستاروں کے ثابت کرنے سے اور معتزلیوں نے بے نہایت خالق اور صانع ثابت کرنے سے اور میں نے ان سب کے رد کرنے کے لئے چھوٹی سی دلیل بیان کر دی ہے کیونکہ یہ کتاب ان کے فضول خیالات کو رد کرنے کی جگہ نہیں اور اس علم کے طالب کو یہ مسئلہ میری دوسری کتاب سے تلاش کرنا چاہیئے جو میں نے اس موضوع پر تصنیف کی ہے اور اس کا نام اَلرِّعَایَۃُ بِحُقُوقِ اللّٰہِ رکھا ہے اور یا متقدمین اہلِ اصول رضی اللہ عنہم کی کتابوں میں تلاش کرنا چاہیئے۔ اب ہم ان رموز کی طرف رجوع کرتے ہیں جو توحید کے متعلق مشائخ نے بیان کئے ہیں اور سب امر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

دوسری فصل

توحید کے متعلق مشائخ کے رموز

حضرت جنید رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "توحید قدم کو حوادث سے علیحدہ اور تمیز کرنا ہے۔" یعنی یہ کہ تو قدیم کو حوادث کا محل نہ جانے

اور نہ حوادث کو قدیم کا محل سمجھے اور یہ جان لے کہ حق تعالیٰ قدیم ہے اور تو حادث ہے تیری جنس سے کوئی چیز اس کے ساتھ پیوست نہیں ہو سکتی اور اس کی صفات میں سے کوئی چیز تیرے اندر نہیں مل سکتی۔ کیونکہ قدیم حادث کا ہم جنس نہیں ہوتا کیونکہ قدیم حوادث کے موجود ہونے سے پہلے تھا اور جب حوادث کے وجود سے پہلے قدیم حادث کا محتاج نہیں تھا تو حوادث کے وجود کے بعد بھی ان کا محتاج نہیں ہو گا اور یہ اختلاف ان لوگوں کا ہے جو ارواح کو قدیم کہتے ہیں اور ان کا ذکر گزر چکا ہے اور جب کوئی شخص قدیم کو حادث میں اترنے والا حلول کرنے والا کہے یا حادث کو قدیم کے ساتھ متعلق جانے تو پھر حق تعالیٰ کے قدیم ہونے اور عالم کے حادث ہونے پر کوئی دلیل باقی نہیں رہتی اور یہ دہری لوگوں کا مذہب ہے۔ سو اس بُرے عقیدے سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ الغرض اشیائے حادثہ کی سب حرکات توحید کی دلیلیں ہیں اور خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کے قدم کے ثابت کرنے پر گواہ ہیں لیکن انسان ان سے غافل ہے جو اپنے دل میں اس کے غیر کو چاہتا ہے یا اس کے ذکر کے سوا غیر کے ذکر سے آرام پاتا ہے جیسا ایک شاعر کہتا ہے ؎

وَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَّہٗ اٰیَۃٌ
تَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

(یعنی ہر شے میں اس کی ایک نشانی ہے جو اس کے ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے)۔

جب تیرے نیست اور ہست کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا ہے تو محال ہے کہ تیری پرورش کے اندر اس کا کوئی شریک ہو اور حسین بن منصور رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "توحید الٰہی کے میدان میں بندے کا پہلا قدم اللہ تعالیٰ کو اپنے اوصاف حقیقیہ میں منفرد نہیں بلکہ یکتائے محض سمجھنا ہے۔ اس لئے کہ تفرید کسی کے خوابیوں سے جدا ہونے پر حکم لگاتا ہے اور توحید کسی کی وحدانیت پر حکم لگاتا ہے جبکہ پس تفرید میں غیر کا ثابت کرنا روا ہوتا ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس صفت سے موصوف کرنا مناسب نہیں اور وحدانیت میں غیر کا ثابت کرنا

روا نہیں اور سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو اس صفت سے موصوف نہ کرنا چاہیے۔ میں تفرید کا لفظ مشترک ہے اور ممکن اور واجب تعالیٰ دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر توحید شرکت کی نفی کرتی ہے۔ اس لئے پہلا قدم توحید میں شرکت کی نفی کرنا اور راستے سے غیر کی موجودگی کو دفع کرنا ہے کیونکہ طریق حق میں غیر کی موجودگی کے ساتھ راستہ کو چراغ سے تلاش کرنا ہے اور حصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "ہمارے اصول توحید میں پانچ چیزیں ہیں۔ حدث کا اٹھا دینا، نفی کرنا، اللہ کے قدیم ہونے کو ثابت کرنا، وطنوں کو چھوڑ دینا، بھائیوں سے جدائی اور معلوم اور نامعلوم کو فراموش کرنا"۔ لیکن دفع حدث سے مراد توحید الٰہی کے سوا سب حادث چیزوں کے پیوست ہونے کی نفی کرنا اور اس کی ذات مقدس پر حوادث کے وقوع کو محال سمجھنا ہے اور قدم کے اثبات سے مراد خداوند تعالیٰ کے ہمیشہ ہونے کا اعتقاد کرنا ہے جس کی شرح حضرت جنید رحمۃ اللہ کے قول میں بیان کر چکا ہوں اور اوطان کے چھوڑنے سے مراد نفس کی مرغوبات اور دل کے آرام کی جگہوں اور طبیعت کے قرار پکڑنے کی چیزوں کو چھوڑ دینا ہے اور طالب حق کے لئے دنیا کے رسوم چھوڑ دینا ہے اور بھائیوں کی مفارقت سے مراد مخلوق کی صحبت سے روگردانی اور حق کی صحبت کی طرف توجہ کرنا ہے کیونکہ غیر کے اندیشہ سے جو کچھ موحد کے دل پر گزرتا ہے وہ ایک حجاب اور آفت ہوتی ہے اور جس قدر دل کو غیر کے ساتھ صحبت ہوتی ہے اتنا ہی وہ توحید میں حجاب کے اندر ہوتا ہے اس لئے کہ سب لوگوں کے اتفاق سے توحید اپنے ارادوں کو حق تعالیٰ پر جمع کرنا ہے اور غیر کے ساتھ آرام پانا ہمت کے متفرق ہونے کا نشان ہے۔

اور توحید میں اس چیز کی فراموشی سے جس کو جانتے ہیں یا نہیں جانتے مراد یہ ہے کہ مخلوق کا علم یا تو ماہیت یا کیفیت یا جنس یا طبیعت کے متعلق ہوتا ہے اس مخلوق کا علم حق تعالیٰ کی توحید میں جو کچھ ثابت کرتا ہے توحید اس کی نفی کرتی ہے اور جس چیز کو ان کی جہالت ثابت کرتی ہے وہ ان کے علم کے برخلاف ہوتا ہے اس لئے کہ جہالت توحید نہیں ہے اور توحید کا تحقیقی علم تصرف غیر کی نفی کئے بغیر درست نہیں ہوتا اور مخلوق کے علم اور جہل میں سوائے تصرف کے اور کچھ نہیں ہے

کیونکہ ایک علم تو بصیرت پر تصرف کرنے سے ہوتا ہے اور دوسرا جہالت (غفلت) پر تصرف کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک شیخ فرماتے ہیں کہ میں حصری رحمۃ اللہ کی مجلس میں تھا۔ مجھے نیند آگئی اور میں نے دو فرشتوں کو دیکھا کہ وہ آسمان سے اترے اور کچھ دیر تک آپ کا کلام سنتے رہے ایک نے دوسرے سے کہا کہ جو کچھ یہ مردِ حق کہہ رہا ہے وہ توحید کا علم ہے نہ کہ عین توحید جب میں بیدار ہوا تو آپ توحید ہی بیان کر رہے تھے اور آپ نے میری طرف رُخ کر کے فرمایا "اے فلاں! توحید کی نسبت سوائے علم توحید کے اور کچھ نہیں بتا سکتے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا توحید یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ایسا جسم ہو کر رہ جائے جو اپنے اختیار اور ارادے سے بالکل خالی ہو اور جس پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے ناپیدا کنار سمندر میں اور اس کی قدرت کے احکام کے اجرا کے وقت اسی کی تدبیر کے تصرفات کارفرما ہوں اور جو اللہ تعالیٰ کے حقیقی قرب اور توحید کی حقیقت سے آگاہ ہو جانے کے باعث اپنے نفس اور مخلوق کی دعوت کے ردّ و قبول سے قطعاً بے خبر ہو اور پھر اس مقام فنا فی اللہ کے حصول کے بعد اس کا اپنا کوئی ارادہ باقی نہ رہے اور اس مقام کی طرف لوٹ آئے جہاں اس کا آخر اس کے اوّل سے ہمکنار ہو وہ ایسا ہو جائے جیسا دنیا میں موجود ہونے سے پہلے تھا پس مراد ان سب امور سے یہ ہے کہ موحّد کو حق تعالیٰ کے اختیار میں کرتی اس کا اپنا اختیار نہ رہے اور حق تعالیٰ کی وحدانیت میں اپنی ذات کی طرف نگاہ نہ ہو۔ اس لیئے کہ قربِ حق کے محل میں اس کا نفس فنا ہو جائے گا اور اس کی حس و حرکت جاتی رہے گی اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا بندہ کی وجہ سے حق تعالیٰ کے احکام اس پر جاری رہیں گے یہاں تک کہ وہ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ وہ ازل میں عہدِ توحید کے وقت ایک ذرہ تھا کہ گویا کہنے والا بھی حق تعالیٰ تھا اور جواب دینے والا بھی حق تعالیٰ۔ اور بظاہر نشانہ وہ ذرّہ تھا اور جو ایسا ہو جائے تو پھر مخلوق کو اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہتا کہ اسے وہ کسی چیز کی طرف دعوت دیں اور اسے بھی کسی کے ساتھ انس اور محبت نہیں ہوتی کہ ان کی دعوت قبول کرے اور اس قول میں بشری صفت

کے فنا ہونے اور غلبہ و کشفِ جلالِ حق کی حالت میں تسلیم و رضا کی صحت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بندہ کو اس کے اپنے اوصاف سے فانی کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ محض ایک آلہ اور ایک ایسا جوہر لطیف ہو کر رہ جاتا ہے کہ اگر اس کے جگر میں نیزہ لگائیں تو بلا تیز پار ہو جائے اور اگر صحیح و سالم پیٹھ پر لگائیں تو بے تصرف اس کو کاٹ کر رکھ دے مختصر یہ ہے کہ وہ تمام اوصاف سے فانی ہو جائے۔ اس کا جسم اسرارِ الٰہی کے مظاہر میں سے ہو جائے یہاں تک کہ اس کی گویائی کا تعلق بھی حق تعالیٰ سے ہو۔ اس کے فعل کی نسبت بھی اسی سے ہو اور اس کے وصف کا قیام بھی اسی سے ہو اور فقط حجت کے ثابت کرنے کے لئے شریعت کا حکم اس پر باقی رہے ویسے وہ سب امور کے دیکھنے سے فانی ہو۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تھی کہ جب معراج کی رات آپ کو اللہ تعالیٰ نے مقام قرب حق پر پہنچا دیا تو گو اس مقام کے لئے مسافت تھی مگر آپ کی قربت بے مسافت تھی۔ آپ کا حال مخلوق کی عقل و دانش سے بعید ہو گیا اور لوگوں کے وہموں سے بالاتر۔ یہاں تک کہ عالم کون و فساد نے آپ کو کھو دیا اور آپ نے اپنے آپ کو صفت کے فنا کے مقام میں گم کر دیا چنانچہ بے صفت متحیر ہو گئے اور طبیعت مبارک کی ترتیب اور مزاج کا اعتدال پراگندہ ہو گیا بالآخر نفس دل کے مقام پر اور دل جان کے درجہ اور جان باطن کے مرتبہ اور باطن قرب حق کی صفت پر پہنچ گیا اور سب احوال میں آپ سب سے جدا تھے آپ نے چاہا کہ وجود معدوم ہو کر جسم کو چھوڑ دے لیکن اللہ تعالیٰ کی مراد اس حجت کا قائم کرنا تھا۔ اس لئے فرمانِ الٰہی ہوا کہ اپنے حال پر مستقل رہئے آپ نے اس فرمان سے قوت پائی۔ وہ قوت آپ کی قوت ہو گئی اور اس فنا سے بقا باللہ کا مقام جلوہ گر ہوا یہاں تک کہ آپ رک گئے اور فرمایا "میں تم میں سے کسی ایک آدمی جیسا نہیں ہوں میں تو اپنے پروردگار کے حضور میں رات بسر کرتا ہوں۔ وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" "میری زندگی اور بقا اسی کی وجہ سے ہے" نیز فرمایا "مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت میسر ہوتا ہے کہ اس وقت میرے ساتھ نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی نبی مرسل کی۔"

اور حضرت عبداللہ بن سہل تستری رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اگرچہ علم سے موصوف ہے لیکن جو اس ظاہری و باطنی سے اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا اور نہ وہ اس دنیا میں آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے وہ ایمان کی حقیقت میں بغیر حد اور حلول کے موجود ہے البتہ آخرت میں اس کو اس کے ملک اور اس کی قدرت کو ظاہر و باطن میں دیکھ لیں گی اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی ذات کی حقیقت کے دریافت کرنے سے حجاب میں رکھا ہے اور اپنی قدرت کی نشانیوں کو مخلوق کی رہبری کا ذریعہ بنایا ہے۔ عارفین کے دل اس کو پہچانتے ہیں عقلیں اس کو معلوم نہیں کر سکتیں اور مومن قیامت میں ادراک و احاطہ کئے بغیر اپنی آنکھوں سے اس کا دیدار کر سکیں گے اور یہ لفظ توحید کے تمام احکام کا جامع ہے۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے" توحید الٰہی کے متعلق سب سے بزرگ اور حکیمانہ قول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے" پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کے لئے اپنی معرفت کی طرف سوائے اعتراف عجز کے راستے کے اور کوئی راستہ نہیں رکھا" لیکن عام لوگ اس کلمہ کے متعلق غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ معرفت سے عاجز ہو جانا معرفت کا نہ ہونا ہے حالانکہ یہ محال ہے اس لئے کہ عاجز ہو جانا موجود کی حالت میں ممکن ہو سکتا ہے لیکن معدوم کی حالت میں عاجز ہونا کبھی متصور نہیں ہو سکتا جیسا کہ مردہ حیات سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ موت میں موت سے عاجز ہوتا ہے کیونکہ اس کی قوت کو عجز کا نام دینا محال ہے اسی طرح اندھا بینائی سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ نابینائی میں نابینائی سے عاجز ہوتا ہے اور اپاہج کھڑا ہونے سے عاجز نہیں ہوتا بلکہ بیٹھنے کی حالت میں وہ بیٹھنے سے عاجز ہوتا ہے جیسے کہ عارف معرفت میں معرفت کے حصول سے عاجز آ جاتا ہے اور اس وقت معرفت کا حصول اس کے لئے بمنزلہ ایک احتیاج کے ہوتا ہے پس ہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو اس بات پر محمول کرتے ہیں جو حضرت ابو سہل صعلوکی اور استاد ابو علی دقاق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ معرفت ابتدا میں کسبی ہوتی

ہے اور انتہا میں ضروری ہو جاتی ہے اور علم ضروری وہ ہوتا ہے کہ صاحب علم اس علم کی موجودگی کی حالت میں اس کے ٹالنے یا لینے سے عاجز ہوتا ہے پس اس قول کے مطابق توحید بندہ کے دل میں محض فعل الٰہی ہوتی ہے پھر شبلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں توحید جمالِ احدیت یعنی وحدانیت موحّد کا حجاب ہوتی ہے اس لئے کہ اس توحید کو بندہ کا فعل کہیں تو لامحالہ بندہ کا فعل مشاہدہ حق تعالیٰ کے لئے علت نہیں ہو سکتا اور عین مشاہدہ میں جو چیز کشف و مشاہدہ کی علت نہ ہو وہ حجاب ہوتی ہے اور بندہ اپنے تمام اوصاف کے ساتھ غیر حق ہوتا ہے کیونکہ بندہ جب اپنی صفت کو حق تعالیٰ سمجھے گا تو لامحالہ اس صفت کے موصوف کو بھی جو وہ خود ہے حق تعالیٰ سمجھنا پڑے گا۔ تب موحّد، توحید اور احد تینوں ایک دوسرے کے وجود کی علت ہو جائیں گے اور یہ بعینہٖ نصاریٰ کا باطل عقیدہ تین میں کا تیسرا ہو جائے گا کہ وہ خدا و عیسیٰ و روح القدس میں سے ہر ایک کو تین خداؤں میں سے تیسرا خدا اور تینوں کو پھر ایک خدا مانتے ہیں) اور جو صفت طالب کے لئے توحید میں اس کی اپنی فنا سے مانع ہو تو اس صفت کی وجہ سے وہ طالب ابھی تک توحید حق تعالیٰ سے حجاب میں ہے موحّد نہیں" کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو بھی موجود ہے وہ سب باطل ہے" جب یہ بات درست ہو گئی کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا ہے سب باطل ہے اور خود طالب بھی اللہ کے سوا ہے تو اس کی صفت بھی جمال حق تعالیٰ کے مشاہدہ میں باطل ہو گئی اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی یہی تفسیر ہے اور حکایات میں یہ بات مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ حسین ابن منصور رحمۃ اللہ کی زیارت کے لئے کوفہ میں گئے حضرت حسین رحمۃ اللہ نے پوچھا اے ابراہیم! تم نے اپنا وقت کس بات میں گزارا انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو توکل کے مطابق کر دیا تب حضرت حسین بن منصور رحمۃ اللہ نے کہا اے ابراہیمؒ! تم نے اپنی عمر اپنے باطن کی آبادی میں ضائع کر دی پس توحید الٰہی میں تیرا فنا ہونا کہاں ہے؟" یعنی تجھے توحید میں فنا ہو جانا چاہیئے تھا۔ فی الجملہ توحید کی تعبیرات میں مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں ایک گروہ نے اس کو اپنی بقا سے تعبیر کیا ہے کیونکہ بقا کے سوا میت حق کسی

چیز پر درست نہیں ہوتی اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اپنی فنا کے سوا توحید کی کوئی اور صفت نہیں ہو سکتی۔ ان قولوں کو جمع و تفرقہ پر قیاس کرنا چاہیئے کہ بقائے بندہ جمع اور فنائے بندہ تفرقہ ہے تاکہ اس کی حقیقت معلوم ہو اور میں علی بن عثمان جلابی رحمۃ اللہ کہتا ہوں کہ توحید الٰہی حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے ساتھ اسرار میں جو بیان ہیں ظاہر نہیں ہو سکتے کہ کوئی شخص اس کو عبارت کے ملمع سے آراستہ کر کے ظاہر کر سکے کیونکہ عبارت اور جس کو عبارت میں بیان کیا ہے ایک دوسرے کا غیر ہوتے ہیں اور توحید میں غیر کو ثابت کرنا شریک کا ثابت کرنا ہے تب تو وہ تکمیل ہو جائے گا اور موحد الٰہی اللہ والا ہوتا ہے نہ کہ لاھی[1]۔ (کھیلنے والا)

توحید کے احکام اور اس کے متعلق اہل معرفت کے اقوال و ارشادات جن کو میں نے یہاں اختصار کے طور پر بیان کر دیا ہے یہی ہیں۔ واللہ اعلم۔

ستر ھواں باب

تیسرے پردہ کا کھولنا۔ ایمان کی حقیقت

پہلی فصل

ایمان کا ثبوت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ" اور نیز کئی دوسرے مقامات میں فرمایا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا ہے "ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے"۔ اور ایمان سنت کی رو سے دل سے تصدیق کرنا ہے اور شریعت میں اس کے متعلق لوگوں کے مختلف اقوال ہیں جن میں بہت اختلاف ہے معتزلہ سب عبادات علمی و عملی کو ایمان کہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ بندہ کو گناہ کبیرہ کے سبب خارج از ایمان جانتے ہیں اور خارجی لوگ

[1] غافل

بھی ایسا ہی کہتے ہیں اور بندہ کو اس گناہ کی وجہ سے جو وہ کرتا ہے کافر قرار دیتے ہیں اور ایک دوسرا گروہ ایمان کو صرف قول کہتا ہے اور تیسرا گروہ صرف معرفت کو ایمان کہتا ہے اور متکلمین اہل سنت وجماعت کا ایک گروہ مطلق تصدیق قلب کو ایمان کہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایمان قلب کی ایک بسیط کیفیت کا نام ہے فقط اور یہی کیفیت اقرار و عمل کا باعث ہے اور میں نے ایمان کے بیان میں ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے اور یہاں صرف مشائخ صوفیہ کے اعتقاد کا ثابت کرنا مراد ہے۔ یاد رکھو کہ مشائخ صوفیہ دو قسم کے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ قول، تصدیق اور عمل سے ایمان عبارت ہے جیسا کہ حضرت فضیل بن عیاض، بشر حافی، خیر النساج، سمنون المحب و ابوحمزہ بغدادی و محمد جریری اور ان کے سوا اور بہت سے بزرگ، فقہاء اور اہل یقین رضی اللہ عنہم بھی اس نظریہ کے قائل ہیں اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ایمان قول و تصدیق کا نام ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم بن ادھم، ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، ابوسلیمان دارانی و حارث محاسبی جنید بغدادی، سہل بن عبداللہ تستری، شقیق بلخی و حاتم اصم و محمد بن فضل البلخی رحمہم اللہ اور ان کے سوا فقہائے امت کی ایک جماعت جیسا کہ امام مالک و امام شافعی و احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم پہلے قول کے مطابق ہیں اور امام ابوحنیفہ و حسین بن فضل بلخی اور امام ابوحنیفہ کے اصحاب مثلاً امام ابویوسف و محمد بن حسن اور داؤد طائی رضی اللہ عنہم دوسرے قول کے مطابق ہیں لیکن حقیقت میں یہ اختلاف صرف لفظی ہے معنوی نہیں۔ اب میں ایمان کے معنی کو مختصر طور پر بیان کرتا ہوں تاکہ حقیقت معلوم ہو جائے اور تو اس اختلاف کی وجہ سے کسی کو ایمان میں اصل کے خلاف نہ سمجھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور توفیق قبضۂ الٰہی میں ہے۔

دوسری فصل

تحقیق ایمان

جان لو کہ تمام اہل سنت وجماعت و اہل تحقیق و معرفت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایمان کا ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ ایمان کا اصل تو دل سے تصدیق کرنا ہے اور اس کی فرع حکم الٰہی کی تعمیل۔ اور عادت اور عرف میں کسی

ہے کہ کسی چیز کی فرع کو استعارہ اور مجاز کے طور پر اس کے اصل نام سے پکارتے ہیں جیسا کہ آفتاب کے نور کو سب زبانوں میں آفتاب ہی کہتے ہیں۔ اسی لحاظ سے وہ جماعت عبادت کو ہی ایمان کہتی ہے کیونکہ بندہ اس کے بغیر عذاب سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور جب تک امر الٰہی کے احکام بجا نہ لائے محض تصدیق کافی نہیں۔

پس جس کی بندگی زیادہ ہوگی، عذاب سے اس کو امن بھی زیادہ ہوگا چونکہ عبادت تصدیق اور قول کے ساتھ امن کی علت ہے اس لیے انہوں نے عبادت ہی کو ایمان کہہ دیا اور ایک گروہ جو کہتا ہے کہ امن کی علت معرفت الٰہی ہے نہ بندگی کیونکہ اگر عبادت حاصل ہو اور معرفت موجود نہ ہو تو وہ عبادت کچھ سود مند نہ ہو گی اور اگر معرفت موجود ہے عبادت نہیں تو آخر کار نجات پالے گا گو کہ اس کا حکم مشیت الٰہی ہے خواہ خدا تعالیٰ خود اپنے فضل سے اس کی لغزش کو معاف کر دے یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بخش دے یا اس کے جرم کے برابر سزا دے کر دوزخ سے نجات دے اور بہشت میں پہنچا دے پس اہل معرفت اگرچہ مجرم ہوں معرفت کے سبب سے ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے رہے عمل والے لوگ تو وہ محض عمل کی وجہ سے بغیر معرفت الٰہی کے بہشت میں میں داخل نہیں ہو سکیں گے پس معلوم ہوا کہ عبادت امن کی علت نہیں ہے اور اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پاسکے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ بھی اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا اور میں بھی نہیں نجات پاؤں گا مگر اسی صورت میں کہ اللہ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔ پس ثابت ہوا کہ ایمان فی الحقیقت معرفت الٰہی ہی ہے اور اس پر پوری امت کا اتفاق ہے اور اقرار عمل کا قبول کرنا ہے اور جو شخص خدا کو پہچانتا ہے وہ اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کی وجہ سے ہی پہچانتا ہے اس کے خاص الخاص اوصاف تین قسم کے ہیں یعنی اول وہ جو اس کے جمال سے تعلق رکھتے ہیں دوسرے کمال سے اور تیسرے جلال سے ......

پس وہ شخص جس کا شاہد معرفت میں جمالِ الٰہی ہو وہ ہمیشہ دید و مشاہدہ کا مشتاق رہتا ہے اور جس کا شاہد معرفت میں جلالِ الٰہی ہو وہ ہمیشہ اپنے اوصاف سے نفرت کرتا ہے اور اس کا دل ہمیشہ خوف اور ہیبت کے محل میں ہوتا ہے اب رہ گیا کمال، سو جو شخص اس کے کمال سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لئے اس کے کمال تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں بجز اس کے کہ وہ اس کے کمال کو تو ثابت کریں اور نقص کی اس سے نفی کریں، پس شوق محبت کی تاثیر ہے اور نفرت بشریت کے اوصاف میں سے ہے اس لئے کہ بشریت کے حجاب کا کھلنا محبت کے سوا اور کسی طرح ممکن نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ ایمان و معرفت کی انتہا عشق و محبت ہے اور محبت کی علامت بندگی ہے کیونکہ جب دل محبت اور مشاہدہ کا محل ہے اور آنکھ رویت کا محل اور جان عبرت کا تو جسم کو چاہیئے کہ امر الٰہی کا تارک نہ ہو اور جو شخص امر الٰہی کا تارک ہو۔ اس کو امر الٰہی کی کچھ خبر نہیں ہوتی اور یہ فساد ہمارے زمانہ کے صوفیوں کے درمیان ظاہر ہوا ہے کہ ملحدین کے ایک گروہ نے ان صوفیوں کے جمال کو دیکھا اور ان کی قدر اور مرتبہ کو معلوم کیا تو اپنے آپ کو بھی ان کی مانند کر لیا اور کہنے لگے کہ عبادات اور اعمال کی یہ تکلیف تو اسی وقت تک ہے کہ تو نے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا جب تو نے اس کو پہچان لیا تو عبادت جسم پر سے اٹھ گئی حالانکہ یہ فاش خطا ہے کیونکہ جب اس نے پہچان لیا تو چاہیئے کہ دل شوق کا محل ہو جائے اور اس کے حکم کی تعظیم اور زیادہ ہو جائے۔ ہاں ہم اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ فرمانبردار اس درجے پر پہنچ جائے کہ عبادت کی تکلیف اس سے اٹھ جائے بلکہ اس سے اٹھا دیں۔ اس طرح اس کے ادا کرنے پر اس کو زیادہ توفیق دیں۔ یہاں تک کہ جو امر لوگ تکلیف سے ادا کرتے ہیں، اس کو ادا کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہو لیکن یہ بات سوائے بے قرار کرنے والے شوق کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ پھر ایک اور گروہ ہے جو ایمان کو سب اللہ کی طرف سے سمجھتے ہیں اور دوسرا گروہ سب ایمان کو بندہ کی طرف سے سمجھتا ہے اور ملک ماوراء النہر میں یہ اختلاف لوگوں کے درمیان بہت بڑھ گیا ہے،

پس جو شخص کہتا ہے کہ ایمان سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کا یہ قول جبر محض ہے اس لئے کہ بندہ کو اس میں مضطر و مجبور ہونا پڑتا ہے اور جو شخص کہتا ہے کہ ایمان سب بندے کی طرف سے ہے اس کا یہ قول قدر محض ہے کیونکہ بندہ اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر اس کو جان نہیں سکتا حقیقت میں توحید کا طریقہ جبر سے نیچے اور قدر سے اوپر ہے اور ایمان بندے کا فعل ہے جس کے ساتھ حق کی ہدایت ملی ہوئی ہے کہ اس کا گمراہ کیا ہوا شخص رستہ پر آ نہیں سکتا اور اس کا رستہ پر لایا ہوا شخص کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا چنانچہ فرمایا ہے "اللہ جس کو ہدایت کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو تنگ اور سخت کر دیتا ہے" اور اس اصل کے مطابق چاہئے کہ ایمان یا اسلام کی طرف میلان حق تعالیٰ کی ہدایت ہو اور مائل ہونا بندے کا فعل ہو پس دل میں مائل ہونے کی علامت توحید الٰہی کا اعتقاد کرنا ہے اور آنکھ کا حرام چیزوں کی طرف سے بچنا اور نشانات و دلائل قدرت دیکھ کر عبرت حاصل کرنا ہے اور کان کا کلام الٰہی کا سننا معدے کا اکل حرام سے خالی ہونا زبان کا سچ بولنا ہے اور بدن کا حرام باتوں سے پرہیز کرنا ہے تاکہ اعتقاد دعویٰ کے ساتھ موافق ہو جائے یعنی زبان سے جو اس نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے وہ حقیقت میں اس کے عمل کے ساتھ موافق ہو۔ اسی وجہ سے اس گروہ نے ایمان کی زیادتی میں زیادتی اور کمی کو روا رکھا ہے حالانکہ ایمان کی معرفت میں کمی بیشی روا نہیں کیونکہ اگر معرفت زیادہ یا کم ہو سکتی تو چاہئے تھا کہ جس کی معرفت حاصل کی گئی ہے وہ بھی کم و بیش ہو جاتا اور جب اس چیز میں کمی بیشی روا نہیں جس کی معرفت حاصل کی گئی ہے تو معرفت میں کمی بیشی کیسے ممکن ہو سکتی ہے کیونکہ ناقص معرفت معرفت ہی نہیں پس چاہئے کہ بیشی اور کمی فروع اور عمل کے اندر ہو اور سب کا اتفاق ہے کہ عبادت میں کمی بیشی روا ہے اور حشوی لوگ جو مذکورہ بالا دونوں فرقوں سے اپنے آپ کو نسبت دیتے ہیں یہ کہنا کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا کہ عبادت منجملہ ایمان کے ہے جب کہ انہیں کا دوسرا فریق ایمان کو قول کے سوا کچھ نہیں مانتا لیکن طلب حق میں یہ دونوں باتیں بے انصافی ہیں۔ ایمان حقیقت میں بندے

کے کل اوصاف کا طلب حق میں مستغرق ہو جانا ہے اور سب طالبان حق کو اس بات پر اتفاق کرنا چاہیئے کہ معرفت کے سلطان کا غلبہ ناشناسی کے اوصاف کو مغلوب کرنے والا ہوتا ہے اور جہاں ایمان ہو وہاں سے ناشناسی کے اسباب دور ہو جاتے ہیں کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے "جب صبح نمودار ہو گئی تو چراغ بے نور ہو گیا اور دن کو دلیل سے نہیں ظاہر کر سکتے کیونکہ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو برباد کر دیتے ہیں" مطلب یہ ہے کہ جب معرفت کی حقیقت عارف کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے تو ناشناسی کے ظن اور شک کی حکومت فانی ہو جاتی ہے اور معرفت کی سلطنت حواس اور اس کی خواہش کو اپنا مطیع کر لیتی ہے یہاں تک کہ جس چیز کو وہ دیکھتا ہے یا جو کچھ وہ کرتا ہے اور کہتا ہے سب حکم الٰہی ہی کے دائرہ میں آ جاتا ہے ایک دفعہ میں نے ابراہیم خواص رحمۃ اللہ سے ایمان کی حقیقت کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا کیونکہ جو کچھ میں کہوں گا وہ عبارت ہو گی حالانکہ مجھے چاہیئے کہ میں اس کا جواب عمل سے دوں۔ البتہ میں مکہ مکرمہ کا قصد رکھتا ہوں اور تو بھی وہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا اس راستہ میں تو میرے ساتھ صحبت رکھ تاکہ تو اپنے سوال کا جواب پا سکے میں نے کہا بہت اچھا جب ہم جنگل میں چلے گئے تو ہر رات دو روٹیاں اور دو پیالے پانی کے نمودار ہوتے۔ ایک مجھے دے دیتے اور دوسرا آپ اٹھا لیتے۔ یہاں تک کہ جنگل کے اندر ایک بوڑھا سوار آ گیا جب اس نے آپ کو دیکھا تو وہ گھوڑے سے اتر آیا۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کچھ پوچھا اور کچھ دیر باتیں کیں اور پھر وہ بوڑھا گھوڑے پر سوار ہو کر واپس چلا گیا۔ میں نے عرض کیا اے شیخ! وہ بوڑھا کون تھا؟ تو آپ نے فرمایا وہ تیرے سوال کا جواب تھا میں نے کہا وہ کس طرح؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے جو میری ہمنشینی چاہتے تھے مگر میں نے قبول نہیں کیا میں نے پوچھا یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ میں اس بات سے ڈرا کہیں ان کی صحبت میں حق تعالیٰ کو چھوڑ کر ان پر بھروسہ نہ کر دوں اور اس طرح میری توکل برباد ہو جائے۔

حالانکہ ایمان کی حقیقت توکل کی حفاظت کرنا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم مومن ہو" اور حضرت محمد بن خفیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ایمان دل سے اس امر کی تصدیق کرنا ہے جو اس کو غیب سے معلوم ہوا ہے یعنی جو کچھ غیب سے اس پر ظاہر کریں اور اس کو سکھائیں" اس لئے کہ صحیح ایمان غیب ہی پر ایمان لانا ہے اور خداوند تعالیٰ جو سر کی آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا اس کی تائید کے سوا جو بندہ کے یقین میں ظاہر ہوتی ہے اس پر یقین نہیں لا سکتے اور یہ صرف خداوند تعالیٰ کے آگاہ کرنے اور شناسا کرنے سے ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ وہ حقیقت جس کو عارف پہچانتے، اور عالم جانتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے آگاہ کرنے اور شناسا کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے جس نے ان کے دل میں معرفت اور علم پیدا کر دیا پس علم اور معرفت کا تعلق ان کے کسب سے نہیں ہے اس لئے مومن اور واصل بحق حقیقت میں وہی ہے۔ چونکہ اس کتاب کے سوا اور جگہ بھی اس معنی کے متعلق بر ابیت کلام ہے۔ اس لئے یہاں اتنے بیان پر ہی میں نے اکتفا کیا ہے تاکہ کتاب طویل نہ ہو جائے اور اتنا بیان اہل بصیرت کے لئے کافی ہے۔ اب میں اعمال کی طرف رجوع کرتا ہوں اور ان سے پردہ ہٹاتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ!

اٹھارھواں باب

چوتھے پردے کا کھولنا

طہارت

ایمان لانے کے بعد سب سے پہلی چیز جو بندہ پر فرض ہے وہ نماز ادا کرنے کے لیئے طہارت ہے اور وہ بدن کو نجاست[1] اور جنابت[2] سے پاک کرنا ہے اور وہ شریعت کے مطابق تین اعضا یعنی منہ، ہاتھ اور پیر کا دھونا اور سر کا مسح کرنا ہے یا پانی نہ ہونے یا مرض کی شدت کی حالت میں تیمم کرنا ہے اور اس کے احکام خود معلوم ہیں مگر جاننا چاہیئے کہ طہارت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک تو جسم کی طہارت، دوسرے دل کی طہارت اور جیساکہ بدنی طہارت کے بغیر نماز درست نہیں اسی طرح دلی طہارت کے بغیر معرفت حق درست نہیں ہوتی اور جیساکہ بدنی طہارت کے لیئے خالص پانی کی ضرورت ہے اور دوسری اشیاء سے ملا ہوا اور مستعمل پانی درکار نہیں اسی طرح دل کی طہارت کے لیئے خالص توحید الٰہی چاہیئے۔ خلط ملط اور پریشان اعتقاد درکار نہیں ہیں صوفیہ کا گروہ ہمیشہ ظاہر میں بدنی طہارت کے ساتھ رہتے ہیں اور باطن میں دل کی طہارت یعنی توحید خالص کے ساتھ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا "تو ہمیشہ باوضو رہ تاکہ تجھے دونوں محافظ فرشتے دوست رکھیں" اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور خوب پاک صاف بننے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" پس جو شخص ظاہر میں طہارت پر مداومت کرتا ہے ملائکہ اس کو دوست رکھتے ہیں لیکن جو شخص باطن میں توحید الٰہی پر قائم رہے اس کو خداوند تعالیٰ دوست رکھتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دعا میں فرمایا کرتے تھے "اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے پاک کردے" حالانکہ کسی وجہ بھی نفاق آپ کے بارے میں متصور نہیں ہو سکتا لیکن اپنی بزرگیوں کا دیکھنا ہی آپ

---

[1] بول براز خون اور پیشاب وغیرہ یہ ظاہری اور حقیقی ناپاکی ہے۔

[2] جنابت حکمی پلیدی یعنی وہ پلیدی جس کے بعد انسان پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔

کو غیر کا ثابت کرنا معلوم ہوا اور غیر کا ثابت کرنا محل توحید میں نفاق لاتا ہے گو کہ
مشائخ کی کرامات میں سے ایک ذرہ بھی مریدوں کی آنکھ کا سرمہ ہے مگر وہ کمالی
صاحب کمال کے لئے ایک حجاب ہی رہا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ غیر اللہ ہو۔ اس
کا دیکھنا آفت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت بایزید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے عارفوں
کا نفاق طالبوں کے اخلاص سے بہتر ہے یعنی جو کچھ مرید کا مقام ہوتا ہے وہ کامل
کا حجاب ہوتا ہے کیونکہ مرید کا قصد تو یہ ہوتا ہے کہ کرامت حاصل کرے اور کامل
کا قصد یہ ہوتا ہے کہ کرامت عطا کرنے والی ذات حق تعالیٰ کو پالے۔ الغرض
کرامات کا ثابت کرنا اہل حق کے لئے نفاق معلوم ہوتا ہے غرض یہ کہ جو بات غیر
اللہ کے معائنہ کی قسم سے ہے وہ بھی ایسا ہی نفاق معلوم ہوتی ہے پس دوستان
حق تعالیٰ کی آفت جملہ اہل معصیت کی معصیت سے خلاصی ہے اور اہل معصیت
کی آفت سب اہل ضلالت کی ضلالت سے نجات ہے کیونکہ اگر کافر جان لیں
کہ ان کی نافرمانی خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے جیسا کہ گنہگار جانتے ہیں تو سب کفر
سے چھوٹ جائیں اور اگر گنہگار جان لیں کہ ان کے سب عمل نقصان کا محل ہیں
جیسا کہ دوست جانتے ہیں تو وہ سب معصیت سے نجات پا جائیں اور سب
آفتوں اور گناہوں سے پاک ہو جائیں پس چاہئے کہ ظاہر کی طہارت باطن کی
طہارت کے موافق ہو یعنی جب ہاتھ کو دھوئے تو چاہئے کہ دل کو بھی دنیا کی
محبت سے دھو دے اور جب استنجا کرے تو چاہئے کہ جس طرح اس نے ظاہری
نجاست سے نجات ڈھونڈی ہے اسی طرح باطن میں غیر کی محبت سے بھی
نجات ڈھونڈے اور جب منہ میں پانی ڈالے تو چاہئے کہ اپنے منہ کو غیر کے
ذکر سے خالی کر دے اور جب ناک میں پانی ڈالے تو چاہئے کہ ناجائز چیزوں
کے سونگھنے کو اپنے اوپر حرام کر دے اور جب منہ دھوئے تو چاہئے کہ تمام
مرغوبات نفس سے یک لخت اعراض کرے اور حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرے۔
اور جب ہاتھوں کو دھوئے تو چاہئے کہ اپنی تمام لذات دنیاوی سے ہاتھ اٹھا
لے اور جب سر کا مسح کرے تو چاہئے کہ اپنے تمام امور کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر
دے اور جب پاؤں دھوئے تو چاہئے کہ سوائے موافق حکم الٰہی کے ٹھہرا نہ ہو

تاکہ دونوں طہارتیں اس کو حاصل ہو جائیں کیونکہ شریعت کے تمام ظاہری کام باطن کے امور سے وابستہ ہیں جیسا کہ ایمان میں بظاہر زبان کا قول دل کی تصدیق کیساتھ وابستہ ہے اور شریعت میں بندگی کے احکام ظاہر بدن پر دل کی نیت کے ساتھ مربوط ہیں پس دل کی طہارت کا طریقہ دنیا کی حیرانی میں تدبر اور تفکر کرنا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ دنیا ایک بے وفا جگہ ہے اور فنا کا مقام ہے لہٰذا دل کو اس سے خالی کر دے اور یہ بات سخت مجاہدہ کئے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور سب سے ضروری مجاہدہ ظاہر کے آداب کی حفاظت کرنا اور سب احوال میں ان پر مداومت کرنا ہے

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے خداوند تعالیٰ کا حق ادا کرنے کے لئے دنیا میں ابدی عمر چاہیئے تاکہ اگر سب لوگ دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہو کر حق تعالیٰ کو فراموش کر دیں تو میں دنیا کی مصیبت میں شریعت کے آداب کی حفاظت پر قائم رہ کر حق تعالیٰ کو یاد رکھوں اور روایت ہے کہ ابو جعفر حرمی رضی اللہ عنہ چالیس سال تک مکہ میں مجاور رہے اور حرم کعبہ کے اندر طہارت نہیں کی بلکہ ہر بار طہارت کے لئے حرم کی حد سے باہر جاتے اور فرماتے کہ جس زمین کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے میں ناپسند کرتا ہوں کہ مستعمل پانی اس پر گراؤں۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ رَی کی جامع مسجد میں درد شکم میں مبتلا تھے تو ایک دن رات میں آپ نے ساٹھ غسل کئے تھے اور آخر کار آپ کی وفات بھی پانی میں ہی ہوئی۔

ابو علی رودباری رضی اللہ عنہ کچھ مدت طہارت میں وسوسہ کی بیماری میں مبتلا رہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں صبح کے وقت دریا پر چلا گیا۔ اور سورج نکلنے تک وہاں رہا۔ اس عرصہ میں میرا دل رنجیدہ ہوا میں نے عرض کیا اے بار خدایا! آرام دے۔ آرام دے۔ آرام دے۔ دریا میں سے ہاتف نے آواز دی کہ "آرام علم میں ہے"۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیماری میں وفات کے دن آپ نے ہر نماز کے لئے ساٹھ بار طہارت فرمائی اور فرمایا یہ اس لئے تاکہ جس وقت حکم الٰہی آئے تو میں اس وقت طہارت کے ساتھ حاضر

یوں کہتے ہیں کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ نے مسجد میں داخل ہونے کے لیے وضو کیا تو ہاتف نے آواز دی کہ تو نے ظاہر کو آراستہ کر لیا باطن کی صفائی کہاں ہے؟ آپ وہاں سے واپس لوٹے اور سارا مال و اسباب راہِ خدا میں دے دیا اور ایک سال تک اتنے کپڑے کے سوا نہ پہنا جس سے نماز درست ہو جائے پھر حضرت جنید رحمۃ اللہ کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا اے ابوبکر! وہ نہایت مفید طہارت تھی جو تو نے کی خدا تعالیٰ تجھے ہمیشہ پاک رکھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد آپ کبھی بے طہارت نہ رہے یہاں تک کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہونے لگے تو آپ کا وضو ٹوٹ گیا۔ آپ نے ایک مرید کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مجھے طہارت کرا دے چنانچہ اس نے آپ کو وضو کرا دیا اور ریش مبارک کا خلال کرنا بھول گیا اور آپ اس وقت بول نہ سکتے تھے مرید کا ہاتھ پکڑ کر ریش مبارک کی طرف اشارہ فرمایا یہاں تک کہ اس نے خلال کر دیا۔ نیز آپ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے طہارت کے آداب میں سے کوئی ادب ترک نہیں کیا مگر اس وقت جب کہ میرے دل میں غرور سا پیدا ہو گیا اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب میرے دل پر دنیا کا خیال گزرتا ہے تو میں وضو کر لیتا ہوں اور جب عقبیٰ کا خیال آتا ہے تو غسل کر لیتا ہوں کیونکہ دنیا حادث ہے اور اس کا خیال حدث (بے وضو) ہوتا ہے اور عقبیٰ غیبت اور آرام کا محل ہے اور اس کا خیال جنابت یعنی حکمی ناپاکی موجب غسل ہے پس حدث سے وضو واجب ہوتا ہے اور جنابت سے غسل۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ ایک روز آپ نے وضو کیا جب مسجد میں آئے تو آپ کے دل میں ندا آئی کہ اے ابوبکر! کیا تو وہ طہارت رکھتا ہے کہ اس بے باکی کے ساتھ ہمارے دربار میں داخل ہوا؟ آپ یہ ندا سن کر واپس لوٹے تو ندا آئی کہ تو ہماری درگاہ سے واپس لوٹ کر کہاں جائے گا؟ آپ نے نعرہ مارا تو ندا ہوئی کہ کیا تو ہم پر طعنہ زنی کرتا ہے۔ آپ اسی جگہ پر خاموش کھڑے ہو گئے تو ندا آئی کہ کیا تو ہمارے سامنے مصیبت برداشت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے؟ حضرت شبلی رحمۃ اللہ نے عرض کیا اے

مولا! تجھ سے تیری ہی جناب میں فریاد ہے۔"

اور طہارت کی تحقیق کے متعلق مشائخ کرام کا بہت سا کلام ہے اور انہوں نے اپنے مریدوں کو حق تعالیٰ کی درگاہ کا قصد کرتے وقت ظاہر و باطن کی طہارت پر مداومت کرنے کا حکم فرمایا ہے جب کوئی شخص ظاہر میں عمل کا قصد کرے تو اسے چاہئے کہ ظاہر میں وضو کرے اور جب باطن میں قرب حق کا قصد کرے تو اسے چاہئے کہ باطن کی طہارت کرے۔ ظاہر کی طہارت پانی سے ہوتی ہے اور باطن کی طہارت توبہ کرنے اور خدا تعالیٰ کی جناب میں رجوع کرنے سے اب میں توبہ اور اس کے متعلقہ امور کا حکم کھول کر بیان کرتا ہوں تاکہ تم کو اس کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

اُنّیسواں باب

توبہ اور اس کے متعلق دوسرے امور کے بیان میں

پہلی فصل

توبہ کی حقیقت

جاننا چاہیئے کہ سالکان راہ حق کا پہلا مقام توبہ ہے جیسا طالبان عمل کا پہلا درجہ طہارت ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ عزاسمہٗ نے فرمایا ہے "اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچی توبہ کرو" اور نیز فرمایا ہے "اے ایمان والو! سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ کو توبہ کرنے والے جوان سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ محبوب نہیں" اور نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے "گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کے مانند ہے جس پر کوئی گناہ نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو کوئی گناہ اس کو نقصان نہیں دیتا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے" صحابہ رضی اللہ عنہم

سے عرض کیا کہ توبہ کی علامت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ندامت و پشیمانی لیکن یہ جو آپ نے فرمایا کہ دوستانِ حق کو گناہ نقصان نہیں دیتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ گناہ سے کافر نہیں ہوتا اور گناہ کرنے سے اس کے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا تو اس نافرمانی کا نقصان جس کا انجام نجات ہو حقیقت میں نقصان نہیں ہوتا اور جاننا چاہیئے کہ توبہ کے معنی لغت میں رجوع کرنا ہیں چنانچہ عرب کہتے ہیں تاب یعنی اس نے رجوع کیا پس اللہ تعالیٰ کی نہی یعنی وہ فعل جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے سے محض اللہ تعالیٰ کے خوف سے باز آجانا توبہ کی حقیقت ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "فعلِ بد سے پشیمانی توبہ ہے" اور یہ ایک ایسا قول ہے جس میں توبہ کی تمام شرطیں موجود ہیں کیونکہ توبہ کی ایک شرط تو مخالفتِ احکامِ الٰہی پر افسوس کرنا ہے دوسری شرط لغزش کو فوراً چھوڑ دینا ہے، تیسری شرط معصیت کی طرف نہ لوٹنے کا قصد کرنا ہے اور یہ تینوں شرطیں ندامت کے ساتھ وابستہ ہیں کیونکہ جب دل میں کیئے پر ندامت پیدا ہوتی ہے تو باقی دو شرطیں اس کے ساتھ خود بخود آ جاتی ہیں اور اپنے کیئے پر ندامت و پشیمانی کے تین اسباب ہیں جیسا کہ توبہ کی تین شرطیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ جب عذاب کا خوف دل پر غلبہ پاتا ہے اور بُرے اعمال پر دل میں غم پیدا ہوتا ہے تو ندامت حاصل ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ نعمت کی خواہش دل پر غالب آجائے اور معلوم ہو کہ بُرے فعل اور نافرمانی سے وہ نعمت حاصل نہیں ہوگی تو بُرے فعل سے پشیمانی حاصل ہوگی تیسرے یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور تمام مخلوق کے سامنے اپنی بے نقابی کے تصور سے خائف ہو کر بُرے افعال پر نادم ہو پس ان میں سے پہلا تو تائب[1] دوسرا منیب[2] اور تیسرا اوّاب[3] کہلاتا ہے نیز توبہ کے مقام بھی تین ہیں پہلا توبہ، دوسرا انابت تیسرا اوبت ہیں توبہ کا مقام عذاب کے خوف کے لیئے اور انابت کا مقام طلبِ ثواب کے لیئے ہوتا ہے اور اوبت فرمانِ حق کی رعایت کے لیئے ہوتا ہے اس لیئے کہ توبہ عام مومنین کا مقام ہے اور وہ کبیرہ گناہ سے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے ایمان والو! اللہ کی جناب

[1] تائب توبہ کرنے والا [2] منیب۔ انابت کرنے والا یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا [3] توّاب۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا۔

میں سچی اور پکی توبہ کرو اور انابت اولیاء و مقربانِ حق کا مقام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جو شخص رحم کرنے والے اللہ سے بن دیکھے ڈر گیا اور خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا دل لے کر آیا" اور اوبت انبیاء و مرسلین کا مقام ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وہ کیا ہی اچھا بندہ ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا ہے" پس توبہ گناہ کبیرہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے حضور میں رجوع کرنا ہے اور انابت صغیرہ گناہوں سے اللہ سے محبت کرنے کے باعث رجوع کرنا ہے اور اوبت اپنی ذات کو چھوڑ کر خداوند تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے پس جو شخص فواحش یعنی کبیرہ گناہوں سے حکم الٰہی کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو شخص محض صغیرہ گناہ اور فاسد اندیشہ سے اللہ تعالیٰ کی خالص محبت رکھنے کے باعث اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو شخص اپنی خودی کو ترک کر کے ذاتِ حق کی طرف رجوع کرتا ہے ان تینوں میں بڑا فرق ہے اور اصل توبہ اللہ تعالیٰ کی جھڑکیوں یعنی تنبیہات و وعید سے بچنے اور خوابِ غفلت سے دل کی بیداری اور اپنے حال کے عیب کو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے اور جب بندہ اپنے بُرے احوال اور بُرے افعال میں غور کرے اور ان سے خلاصی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ کے اسباب اس پر سہل کر دیتا ہے اور اس کو معصیت کی بدبختی سے رہائی دے دیتا ہے اور اسے عبادت کی حلاوت تک پہنچا دیتا ہے اہلِ سنت وجماعت اور تمام مشائخ معرفت کے نزدیک یہ بات روا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک گناہ سے توبہ کرے لیکن دوسرے گناہ کرتا رہے تو خداوند تعالیٰ اس ایک گناہ سے باز رہنے کی وجہ سے بھی اس کو ثواب دے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ایک گناہ سے توبہ کی برکت سے وہ دوسرے گناہوں سے بھی باز آجائے جیسا کہ کوئی شخص شراب خور اور زانی ہو اور زنا سے توبہ کرے اور شراب خوری کرتا رہے تو اس کی اس ایک گناہ سے توبہ باوجود دوسرے گناہ کے ارتکاب کرنے کے بھی درست ہے اور معتزلہ میں سے بہشمی کہتے ہیں کہ جب تک تمام کبیرہ گناہوں سے یک وقت پختہ توبہ نہ کی جائے تو توبہ کرنا فضول ہے کیونکہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا اور بعض گناہوں میں گرفتار رہنا یہ توبہ کی توہین ہے لیکن یہ قول محال ہے اس لئے کہ ان تمام معاصی پر جو بندہ کرتا ہے

اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیتا ہے اور جب ان معاصی میں سے ایک معصیت کو ترک کر دے گا تو وہ بندہ اس معصیت کے عذاب سے محفوظ اور بے خوف ہو جائے گا اور لامحالہ اس کی وجہ سے وہ تائب ہو گا۔ نیز اگر کوئی شخص بعض فرائض ادا کرتا ہے اور بعض ادا نہیں کرتا تو لامحالہ جو ادا کرتا ہے اس کا اس کو ثواب ملے گا جیسا کہ اس فرض کے بدلے میں جو وہ ادا نہیں کرتا ہے اس کو عذاب ہو گا اور اگر کسی کو معصیت کا آلہ حاصل نہ ہو اور نہ اس کے اسباب مہیا ہوں اور وہ اس معصیت سے توبہ کرے تو وہ بھی تائب ہی ہو گا اس لئے کہ توبہ کا ایک رکن پشیمانی ہے اس کو اس توبہ کی وجہ سے گزشتہ پر ندامت حاصل ہو جائے گی اور فی الحال وہ اس جنس معصیت سے اعراض کر رہا ہے اور ارادہ رکھتا ہے کہ اگر معصیت کا آلہ موجود ہو جائے اور اسباب بھی مہیا ہو جائیں تو بھی میں ہرگز اس معصیت کی طرف نہیں جاؤں گا۔ یاد رکھو کہ توبہ کے وصف اور اس کی صحت میں مشائخ کا کچھ اختلاف ہے حضرت سہل بن عبداللہ تستری اور صوفیہ کی ایک جماعت اس بات پر ہیں کہ توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہ کو نہ بھولے" اور ہمیشہ اس کی پریشانی میں رہے تاکہ اگرچہ تو عمل بہت رکھتا ہے۔ اس کو مغرور نہ ہو۔ اس لئے کہ بڑے کام پر ندامت اور پشیمانی نیک اعمال پر مقدم ہوتی ہے اور وہ شخص جو گناہ کو فراموش نہیں کرتا، اپنے اعمال پر کبھی مغرور نہیں ہوتا۔ پھر حضرت جنید رحمۃ اللہ اور ایک جماعت اس بات پر متفق ہیں کہ اَلتَّوْبَةُ اَنْ تَنْسٰی ذَنْبَكَ یعنی توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہوں کو بھول جائے۔ اس لئے کہ توبہ کرنے والا محبت الٰہی ہوتا ہے اور محب الٰہی مشاہدہ میں ہوتا ہے اور مشاہدہ میں گناہ کا یاد کرنا ظلم ہے۔ کچھ عرصہ تو جفا کے ساتھ ہو گا مشاہدہ میں اور پھر کچھ عرصہ میں وفا میں جفا کے ذکر کے ساتھ ہو گا اور جفا یعنی ظلم کا ذکر وفا یعنی مشاہدہ میں وفا سے حجاب ہوتا ہے اور اس اختلاف کا تعلق مجاہدہ و مشاہدہ سے ہے اور اس کا مفصل ذکر سہیلیوں کے مذہب کے بیان میں تلاش کرنا چاہیئے جو شخص تائب کو قائم بخود کہتا ہے وہ گناہ کے بھول جانے کو اس کے لئے غفلت جانتا ہے اور جو شخص اس کو قائم بحق کہتا ہے وہ گناہ کے یاد کرنے کو اس کے لئے شرک سمجھتا ہے فی الجملہ اگر تائب کی صفت باقی ہو تو اس کے اسرار کا عقدہ حل نہیں ہوا ہو گا

اور جس کی صفت فنا ہو گئی ہو۔ پھر اپنی صفت کا ذکر کرنا اس کو مناسب نہ ہو گا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السّلام نے صفت کی بقا کی حالت میں فرمایا تُبْتُ اِلَیْكَ (میں نے تیری جناب کی طرف رجوع کیا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفت کے فنا کی حالت میں فرمایا لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ (یعنی میں تیری ثنا بیان نہیں کر سکتا) الغرض قربِ حق کے محل میں وحشت کا ذکر وحشت ہوتا ہے لہٰذا تائب کو چاہئے کہ اپنی خودی کو بھی یاد نہ کرے بھلا اس کو اپنا گناہ کس طرح یاد آئے گا اور حقیقت میں گناہ کا یاد کرنا خود گناہ ہے اس لئے کہ وہ اعراض کا محل ہے اور جیسا کہ گناہ خدا تعالیٰ سے روگردانی کا محل ہے اس کا ذکر بھی حق تعالیٰ سے روگردانی کا محل ہے۔ اور ایسے ہی غیر اللہ کا ذکر حق تعالیٰ سے روگردانی کا محل ہے اور جیسا کہ جرم کا ذکر جرم ہوتا ہے ویسا ہی اس جرم کا بھول جانا بھی جرم ہے اس لئے کہ ذکر و نسیان دونوں کا تعلق تجھ سے ہے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں نے بہت سی کتابیں پڑھی ہیں کسی چیز میں مجھے اتنا فائدہ نہیں ہوا جتنا اس شعر میں ہوا ہے شعر ؎

اِذَا قُلْتُ مَا اَذْنَبْتُ قَالَتْ مُجِیْبَۃً
حَیَاتُكَ ذَنْبٌ لَا یُقَاسُ بِہٖ ذَنْبٌ

جب میں نے محبوب سے کہا کہ میں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا تو اس نے جواب دیتے ہوئے یوں کہا کہ تیری زندگی خود ایسا جرم ہے جس کے مقابلے میں کسی دوسرے جرم کا قیاس نہیں کیا جا سکتا)۔

اور جب دوست کا موجود ہونا دوست کے حضور میں جرم ہے تو اس کی صفت کی کیا قیمت رہ جاتی ہے الغرض توبہ توحید ربانی ہے اور گناہ فعل جسمانی ہے جب دل میں پشیمانی آگئی تو جسم میں کوئی آلہ ایسا نہیں ہوتا جو دل کی پشیمانی کو دور کر دے جب فعل کے ابتدا میں اس کی پشیمانی توبہ کو دفع نہیں کرتی تو جب ندامت آجاتی ہے تو انتہا میں بھی اس کا فعل توبہ کو رد کرنے والا نہیں ہوتا اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (پس اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔ بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے) اور اس کی نظائر کتاب اللہ

میں بہت سے ہیں اور اتنے مشہور ہیں کہ ان کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں پس توبہ تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک توبہ گناہ سے نیکی کی طرف۔ دوسری نیکی سے زیادہ نیکی کی طرف تیسری قسم اپنی خودی سے حق تعالیٰ کی طرف اور جو توبہ خطا سے نیکی کی طرف ہوتی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ (الآیہ) اور وہ لوگ کہ جب انہوں نے کوئی برا فعل کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ تعالیٰ کو یاد کیا پھر اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی، اور جو توبہ نیکی سے نیکی سے زیادہ نیکی کی طرف ہوتی ہے اس کی مثال وہ ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تُبْتُ اِلَيْكَ (میں نے تیری طرف رجوع کیا) اور جو توبہ اپنی خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے اس کی مثال وُہ ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ حَتّٰى اِنِّيْ كُنْتُ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً (اور توبہ مجھ پر آسان کردی جاتی ہے یہاں تک کہ میں ہر روز ستر بار اللہ سے معافی مانگتا ہوں)، اور خطا کا ارتکاب کرنا بُرا اور قابل مذمت ہے اور خطا سے نیکی کی طرف رجوع کرنا اچھا اور قابل ستائش ہے اور یہ توبہ عام ہے اور اس کا حکم ظاہر ہے اور جب تک زیادہ نیکی حاصل نہ ہو معمولی نیک کام پر قرار پکڑنا اور راستہ میں ٹھہر جانا ایک حجاب ہے نیکی سے زیادہ نیکی کی طرف رجوع کرنا اہل ہمت اور اولیاء کے درجہ میں بہت ستائش کے قابل ہے اور یہ توبہ خاص ہے اور محال ہے کہ اللہ کے خاص بندے معصیت سے توبہ کریں کیونکہ وہ معصیت کرتے ہی نہیں بلکہ وہ نیکی سے توبہ کرکے زیادہ نیکی کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سارا عالم خداوند تعالیٰ کی رویت کی حسرت میں ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام نے رویت سے توبہ کی۔ اس لئے انہوں نے رویتِ حق اپنے اختیار سے طلب کی اور محبت میں اپنا اختیار حیرانی ہے اور حیرانی کو ترک کرنا خلقت کے لئے حق کو اختیار کرنا ہے اس لئے آپ نے دیدارِ الٰہی کو ترک کردیا اور اپنے آپ کو ترک کرکے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا درجہ محبت میں ہے یا جیسا کہ بلند تر مقام کی محبت کی وجہ سے مقام بلند پر ٹھہرنے سے توبہ کرے اور تمام مقامات و حوال سے بھی توبہ کرے جیسا کہ حضور مصطفیٰ علیہ السلام کے مقامات

ہمیشہ ترقی پر تھے آپ جب بلند تر مقام پر پہنچتے تھے تو اس سے نیچے کے مقام سے استغفار اور اس مقام کے دیکھنے سے توبہ کرتے تھے۔ واللہ اعلم ۔

دوسری فصل

توبہ کرنے کے بعد ارتکاب معصیت کرنا

جاننا چاہئے کہ معصیت کی طرف رجوع نہ کرنے کا پختہ ارادہ صحیح ہونے کے بعد توبہ پر ہمیشہ قائم رہنا شرط نہیں ہے اور اگر توبہ کرنے والے کی توبہ میں کوئی فتور واقع ہو جائے اور ایام گزشتہ میں پختہ ارادہ کے صحیح ہونے کے بعد پھر معصیت کی طرف رجوع کرے تو اس کو اس توبہ کا ثواب ملے گا اور سلوک طریقت کے مبتدیوں میں سے توبہ کرنے والے کچھ ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں کہ انہوں نے توبہ کر لی اور پھر ان کی توبہ میں کچھ فتور آگیا اور گناہ کی طرف رجوع کیا۔ پھر وہ کسی تنبیہ کی وجہ سے درگاہِ حق تعالیٰ کی طرف واپس آگئے یہاں تک کہ مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ میں نے ستر بار توبہ کی اور پھر گناہ کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ اکہترویں بار مجھے استقامت نصیب ہوئی اور حضرت ابوعمرو جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ میں نے ابتدا میں حضرت ابوعثمان حیری کی مجلس میں توبہ کی اور کچھ مدت اس توبہ پر قائم رہا پھر میرے دل میں معصیت کی خواہش پیدا ہوئی اور میں نے اس خواہش کو پورا کیا اور اس رہنما کی صحبت سے اعراض کیا اور جہاں کہیں میں ان کو دور سے دیکھتا تو ندامت کی وجہ سے بھاگ جاتا تھا تاکہ وہ مجھے نہ دیکھیں۔ ایک روز میں آپ کے پاس پہنچ گیا تو آپ نے فرمایا "بیٹا! اپنے دشمنوں کی صحبت اختیار نہ کر۔ مگر اس وقت کہ تو بالکل بے گناہ ہو۔ اس لئے کہ دشمن تیرا عیب دیکھتا ہے اور جب تو عیب دار ہوگا تو دشمن خوش ہوگا اور جب بے گناہ ہوگا تو وہ غمگین ہوگا اور اگر تجھے معصیت کے ارتکاب کرنے کی ضرورت ہے تو ہمارے پاس آجا تاکہ تیری بلا ہم اٹھائیں اور دشمن کی خواہش کے مطابق ذلیل نہ ہو۔ آپ نے فرمایا ہے کہ اس پر میرا دل گناہوں سے بالکل سیر ہو گیا اور میری توبہ درست ہو گئی۔ نیز میں نے سنا ہے کہ کسی شخص نے گناہ سے توبہ کی۔ پھر گناہ کی طرف رجوع کیا۔ پھر اس سے پشیمان ہوا۔ ایک روز اپنے دل میں کہنے لگا۔ اگر درگاہِ الٰہی میں واپس جاؤں گا تو میرا کیا حال ہوگا؟ ہاتف

نے آواز دی اطعتنا فشکرناک ثم ترکتنا فامھلناک فان عدت الینا قبلناک (تو نے ہماری فرمانبرداری کی تو ہم نے تجھے قبول کیا پھر تو نے ہمارے حکم کو چھوڑ دیا تو ہم نے تجھے مہلت دی پس اگر تو ہماری طرف واپس آجائے تو ہم تجھے قبول کریں گے) اب ہم توبہ کے متعلق مشائخ رحمہم اللہ کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

تیسری فصل

توبہ کے متعلق مشائخ کے اقوال

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "توبۃ العوام من الذنوب وتوبۃ الخواص من الغفلۃ" (عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خاص لوگوں کی توبہ غفلت سے ہوتی ہے) اس لئے کہ عوام سے ظاہر حال کی نسبت پوچھیں گے اور خواص سے عمل کے حقیقی طور پر ادا کرنے کی نسبت پرسش ہوگی کیونکہ غفلت عام آدمیوں کے لئے تو نعمت ہوتی ہے لیکن خاص لوگوں کے لئے حجاب۔ حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "لیس للعبد فی التوبۃ شیء لان التوبۃ الیہ لا منہ" (بندہ کو توبہ میں کچھ دخل نہیں ہوتا کیونکہ توبہ حق تعالے کی طرف سے بندہ کو وہبی طور پر ملتی ہے نہ کہ بندہ کے اپنے اختیار سے) پس اس قول کے مطابق ضروری ہے کہ توبہ کسبی نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی بخششوں میں سے ایک بخشش ہو اور یہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔

حضرت ابوالحسن بوشنجہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "اذا ذکرت الذنب ثم لا تجد حلاوۃ عند ذکرہ فھو التوبۃ" (جب تو گناہ کو یاد کرے اور اس کے یاد کرنے سے لذت نہ پائے پس یہی توبہ ہے) اس لئے کہ گناہ کا ذکر یا تو حسرت کی وجہ سے ہوتا ہے یا دلی خواہش کی وجہ سے جب کوئی شخص حسرت ندامت کی وجہ سے اپنی معصیت کو یاد کرے تو تائب ہوتا ہے اور جب شخص ارادہ سے معصیت کو یاد کرتا ہے تو گنہگار ہوتا ہے کیونکہ گناہ کے کرنے میں اتنی حیرانی نہیں ہوتی جتنی کہ اس کا ارادہ کرنے میں۔ اس لئے کہ اس کا فعل تو ایک وقت ہوتا ہے لیکن اس کی محبت ہمیشہ ہوتی ہے پس جو شخص گھڑی بھر

جسم سے گناہ کرے وہ ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ وہ شخص جو رات دن دل سے اس گناہ کا ارادہ رکھے۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "اَلتَّوْبَۃُ تَوْبَتَانِ، تَوْبَۃُ الْاِنَابَۃِ وَتَوْبَۃُ الْاِسْتِحْیَاءِ۔ فَتَوْبَۃُ الْاِنَابَۃِ اَنْ یَتُوْبَ الْعَبْدُ خَوْفًا مِنَ الْعُقُوْبَۃِ وَتَوْبَۃُ الْاِسْتِحْیَاءِ اَنْ یَتُوْبَ حَیَاءً مِنْ کَرَمِہٖ"۔ توبہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک توبہ انابت یعنی رجوع کرنے کی وجہ سے اور دوسری توبہ استحیا یعنی شرم کی وجہ سے۔ پس خدا کی طرف رجوع کرنے کی توبہ یہ ہے کہ بندہ عذاب کے خوف سے خدا کی طرف رجوع کرے اور حیا کی وجہ سے توبہ یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے حیا کر کے گناہ سے خدا کی طرف رجوع کرے۔ پس توبہ بوجہ خوف جلال الٰہی کے کشف سے ہوتی ہے اور توبہ بوجہ حیا اللہ تعالیٰ کے جمال کے مشاہدہ سے ہوتی ہے پس ایک جلال الٰہی میں خوف کی آگ سے جل رہا ہے اور دوسرا جمال حق میں حیا کے نور سے روشن ہو رہا ہے گویا ایک مست اور دوسرا بے ہوش ہوتا ہے اور اہل حیا اصحاب سکر ہوتے ہیں اور اہل خوف اصحاب صحو۔ اور اس کے متعلق کلام بہت طویل تھا لیکن میں نے مختصر کر دیا ہے۔ اور توفیق قبضہ الٰہی میں ہے۔

بیسواں باب

پانچویں پردہ کے کھولنے کے بیان میں

پہلی فصل

حقیقت نماز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" (اور نماز قائم کرو) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" نماز اور جو تمہارے ملک میں ہیں (لونڈی اور غلام) کا خیال رکھو اور نماز کے معنی لغت کی رو سے ذکر، دعا اور فرمانبرداری کے ہیں۔ اور فقہا کی اصطلاح میں وہ ایک

مخصوص عبادت ہے جو روزمرہ چند مخصوص احکام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ پانچ وقتوں میں پانچ نمازیں روزانہ ادا کرو اور اس نماز میں داخل ہونے سے پہلے کچھ شرطیں ہیں پہلی ان میں سے جسم کی طہارت ظاہر میں نجاست سے اور باطن میں خواہش نفسانی سے دوسری لباس کی طہارت ظاہر میں نجاست سے اور باطن میں مال حرام سے تیسری مکان کی طہارت ظاہر میں نجاست اور گندگیوں سے اور باطن میں فساد اور گناہ سے چوتھی قبلہ کی طرف رُخ کرنا اور قبلہ ظاہر کا کعبہ شریف ہے اور باطن کا عرش معلیٰ اور سِر کا مشاہدہ مقصود ہے پانچویں قیام ظاہر طاقت کی حالت میں اور اقلیم باطن قرب حق کے باغیچے میں اور قیام ظاہر کی شرط یہ ہے کہ اس کا وقت درست ہو اور قیام باطن کی شرط یہ ہے کہ حقیقت کے درجہ میں اس کا وقت ہمیشہ ہے چھٹی حضرت حق تعالیٰ کی طرف توجہ کر کے خالص نیت کرنا۔ ساتویں ہیبت الٰہی اور فنائے صفت کے مقام میں تکبیر پڑھنا اور وصل کے محل میں قیام کرنا اور نہایت ترتیل رصحتِ تلفظ و مخارج و عظمت کے ساتھ قرات کرنا اور گڑگڑا کر رکوع اور عاجزی سے سجود اور دل جمعی کے ساتھ تشہد اور صفت کے فنا ہونے کے ساتھ سلام دینا۔

اور احادیث میں آیا ہے کَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُصَلِّي، وَ فِي جَوْفِهِ اَزِيزٌ كَاَزِيزِ الْمِرْجَلِ (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے تو آپ کے دل میں ایسا جوش ہوتا تھا جیسا کہ کانسی کی اس دیگ میں جس کے نیچے آگ جلتی ہو) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نماز کا قصد کیا کرتے تو آپ کے بدن کے بال کھڑے ہو جاتے اور کپڑے سے باہر نکال دیتے اور آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی اور فرماتے کہ اس امانت کے ادا کرنے کا وقت آ گیا جس کے اٹھانے سے آسمان اور زمین عاجز آ گئے تھے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح ادا فرماتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت آ جاتا ہے تو ایک وضو ظاہر کا کرتا ہوں اور دوسرا وضو باطن کا۔ ظاہری وضو پانی سے اور باطنی وضو توبہ سے کرتا ہوں۔ پھر مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور مسجد بیت الحرام کا

مشاہدہ کرتا ہوں اور مقام ابراہیم کو اپنے دونوں ابرو کے سامنے رکھتا ہوں اور بہشت کو اپنے دائیں طرف اور دوزخ کو بائیں جانب رکھتا ہوں اور صراط اپنے قدموں کے نیچے رکھتا ہوں اور فرشتہ ملک الموت اپنی پیٹھ کے پیچھے خیال کرتا ہوں۔ پھر نہایت عظمت واحترام کے ساتھ تکبیر پڑھتا ہوں اور حرمت کے ساتھ قیام اور بڑی ہیبت کے ساتھ قرارت اور خاکساری کے ساتھ رکوع اور عاجزی سے سجدہ اور بڑے حلم و وقار کے ساتھ قعود اور پھر آخر میں شکر حق کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں اور توفیق قبضہ الٰہی میں ہے۔

دوسری فصل

اہل طریقت کے لئے نماز کے فوائد۔

جاننا چاہئے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ طالبان اللہ کی راہ میں ابتدا سے انتہا تک اسی سے راہ حق پاتے ہیں اور اسی میں ہمیشہ مشغول رہتے ہیں اور ان کے مقامات عموماً اس میں کشف ہوتے ہیں۔ چنانچہ طہارت طالبان حق کے لئے توبہ ہوتی ہے اور قبلہ کی طرف رخ کرنا پیر کے ساتھ تعلق کے قائم مقام ہے اور قیام کرنا مجاہدہ نفس اور قرامت ذکر دوام اور رکوع تواضع اور سجود معرفت نفس اور تشہد، انس حق اور سلام دنیا سے علیحدگی اور مقامات کی پابندی سے نکلنے کے قائم مقام ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے تمام تعلقات سے منقطع ہو جاتے تو کمال حیرت کے محل میں شوق دیدار کے طالب ہوتے اور فقط یاد حق سے تعلق مضبوط کرتے۔ پھر فرماتے اَرِحْنَا یَا بِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ (اے بلال ہمیں نماز سے خوش کر یعنی نماز کی اذان دے تاکہ نماز پڑھ کر راحت قلب حاصل کریں۔ اس امر کے متعلق مشائخ کے بہت سے اقوال ہیں اور ہر ایک کا ایک خاص وجہ ہے۔ چنانچہ مشائخ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ نماز دربار حق میں حاضری کا ذریعہ ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نماز اپنے آپ سے غائب ہونے کا ذریعہ ہے اور جو لوگ غائب ہوتے ہیں وہ نماز میں حاضر ہو جاتے ہیں اور جو لوگ پہلے سے حاضر ہیں وہ نماز میں غائب ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اس عالم میں رویت حق کے محل میں جو لوگ خدا تعالیٰ کو دیکھیں گے وہ پہلے سے غائب ہوں گے اور وہ

اس وقت حاضر ہو جائیں گے اور جو لوگ حاضر ہوں گے وہ غائب ہو جائیں گے اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ نماز حکمِ الٰہی ہے نہ حاضری کا آلہ ہے اور نہ غیبت کا ذریعہ کیونکہ امرِ الٰہی کسی چیز کا آلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حضور کی علت عین حضور ہوتا ہے اور غیبت کی علت بھی عین غیبت ہے اور امرِ حق کسی سبب سے نقض پذیر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر نماز حضور کا آلہ اور علت ہوتی تو چاہئے تھا کہ سوائے نماز کے کوئی اور چیز بندہ کو دربارِ حق میں حاضر نہ کر سکتی اور اگر نماز غیبت کی علت ہوتی، تو ضرور ایسا ہوتا کہ غائب نماز کے ترک کرنے سے حاضرِ دربارِ حق ہو جاتا اور جب حاضر اور غائب کو نماز کے ادا و ترک کرنے میں کوئی عذر نہیں تو نماز کو بذاتِ خود ایک غلبہ حاصل ہے۔ غیبت وحضور سے اس کا کچھ واسطہ نہیں پس اہلِ مجاہدہ و اہلِ استقامت نماز زیادہ پڑھتے ہیں اور دوسروں کو حکم دیتے ہیں چنانچہ مشائخ اپنے مریدوں کو رات دن میں چار سو رکعت پڑھنے کا حکم فرماتے ہیں تاکہ جسم، عبادت کا عادی ہو جائے اور استقامت والے بھی بہت نماز پڑھا کرتے ہیں تاکہ دربارِ حق میں قبولیت کا شکر ادا کریں۔ اب رہ گئے احوال والے لوگ سو وہ دو گروہ ہیں۔ اول وہ لوگ جن کی نمازیں کمالِ سلوک اور محویت کے باعث مقامِ جمع میں ہوتی ہیں اور اپنی نمازوں میں مجتمع ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جن کی نمازیں سلوک کے انقطاع اور عدمِ محویت کے باعث مقامِ تفرقہ میں ہوتی ہیں وہ ان میں تفرقہ حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو نماز میں اجتماعِ خاطر حاصل کرتے ہیں وہ رات دن نماز میں رہتے ہیں اور فرائض وسنت کے علاوہ بکثرت نوافل پڑھتے ہیں اور جو لوگ نماز میں تفرقہ کی حالت میں ہوتے ہیں وہ لوگ سوائے فرائض اور سنن کے نفل نماز کم پڑھا کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔ یعنی مجھے نماز ہی میں سرور و فرحت حاصل ہوتی ہے)
اس لئے کہ اہلِ استقامت کا طریق ہی نماز میں رہنا ہے اور وہ یوں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات محلِ قربِ حق میں پہنچا دیا گیا تو آپ کا نفسِ شریف عالمِ کون وفساد کے تعلق سے منقطع ہو گیا اور حضور اس درجہ پر پہنچ

گئے اور ... کا نفس دل کے درجہ پر اور دل جان کے درجہ پر اور جان باطن کے محل میں پہنچ گئی اور باطن درجات سے فانی ہو گیا اور مقامات سے محو اور بے نشان کی نشانیوں میں سے ہو گیا اور عین مشاہدہ میں مشاہدہ سے غائب ہو گیا اور معائنہ کی حالت میں معائنہ سے الگ ہو گیا۔ آپ کے انسانی خواص معدوم ہو گئے اور نفسانی مادہ جل گیا اور طبعی قوت نیست و نابود ہو گئی۔ ربانی مشاہدے اپنی ولایت و حکومت میں جلوہ نما ہوئے اور خودی خودی سے رد گئے مقصود مقصود کے ساتھ مل گئے۔ ذاتِ لم یزلی کے مشاہدے میں محو ہو گئے۔ کمالِ شوق سے بے اختیار ہو کر عرض کیا "اے بارِ خدایا! مجھے پھر دنیا کے بلاخانہ میں نہ بھیجا اور طبیعت اور خواہش نفس کی قید میں نہ ڈال حکم ہوا کہ ہمارا حکم یونہی ہے کہ آپ دنیا میں شریعت کے قائم کرنے کے لیئے واپس جائیں تاکہ جو کچھ ہم نے آپ کو یہاں عالمِ ملکوت میں عطا کیا ہے، وہاں دنیا میں عطا کریں۔ چنانچہ جب حضور دنیا میں واپس تشریف لائے تو جب کبھی آپ کا دل معراج کا مشتاق ہوتا تو حضور فرماتے اَرِحْنَا یَا بِلَالُ بِالصَّلٰوۃِ "اے بلال! ہمیں اذان دے کر نماز سے خوش کر" پس ہر نماز آپ کے لیئے ایک معراج ہوتی تھی اور ایک نیا تقرب حق ہوتا تھا اور گو لوگ آپ کو نماز میں دیکھتے حالانکہ آپ کی روح تو نماز میں ہوتی لیکن آپ کا دل اور باطن اللہ تعالےٰ کے ساتھ راز و نیاز میں اور حضور علیہ السلام کا جسم تواضع میں ہوتا یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہو جاتی اور آپ کا جسم مبارک بظاہر اس ملک دنیا میں ہوتا لیکن آپ کا دل مبارک عالمِ ملکوت میں۔ آپ کا جسم بظاہر انسانوں کے ساتھ ہوتا لیکن آپ کی روح محلِ انسِ الٰہی میں ۔

اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "عَلَامَۃُ الصِّدْقِ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗ تَابِعٌ مِنَ الْحَقِّ اِذَا دَخَلَ وَقْتُ الصَّلٰوۃِ، بَعَثَهٗ عَلَیْهَا وَ یُنَبِّهُهٗ اِنْ کَانَ نَائِمًا" سچے فرمانبردار کے صدق کی علامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ایک تابع فرشتہ اس کے لیئے مقرر ہو کہ جب نماز کا وقت آئے تو وہ اس بندہ کو نماز ادا کرنے پر آمادہ کرے اور اگر وہ شخص

سو رہا ہو تو اس کو بیدار کر دے اور یہ علامت حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ میں ظاہر تھی۔ اس لئے کہ آپ بوڑھے اور معذور ہو گئے تھے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ٹھیک ٹھاک ہو جاتے اور جب نماز ادا کر چکتے تو پھر عاجز اور معذور ہو کے کھڑے رہ جاتے۔

اور مشائخ رحمہم اللہ میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ یَحْتَاجُ الْمُصَلِّیْ اِلٰی اَرْبَعَۃِ اَشْیَاءٍ۔ فَنَاءُ النَّفْسِ وَذِھَابُ الطَّبْعِ وَصَفَاءُ السِّرِّ وَکَمَالُ الْمُشَاھَدَۃِ۔ (نمازی کو چار چیزوں کی حاجت ہوتی ہے نفس فانی ہونے طبیعت کے ہٹ جانے، باطن کی صفائی اور کمال مشاہدہ کی) یعنی نمازی کو فنائے نفس کے سوا چارہ نہیں اور وہ ارادہ کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے سوا حاصل نہیں ہو سکتی اور جب ہمت مجتمع ہو گئی تو نفس کی حکومت ختم ہو گئی اس لئے کہ اس کا وجود تفرقہ سے ہے اور وہ جمع اور مشاہدہ حق کی تاب نہیں لا سکتا اور طبیعت کا مٹ جانا جلال حق کے ثابت کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جلال حق غیر کا زوال ہوتا ہے اور باطن کی صفائی محبت الٰہی کے سوا نہیں حاصل ہو سکتی۔ اور مشاہدہ کا کمال سوائے صفائی باطن کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

روایت ہے کہ حسین بن منصور رحمۃ اللہ رات دن میں چار سو رکعت نماز اپنے اوپر لازم رکھتے تھے۔ لوگوں نے کہا "آپ جو اتنے بلند درجہ پر ہیں تو اس قدر رنج اٹھانے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا "یہ سب رنج و راحت تیرے اپنے حال میں ظاہر ہوتا ہے اور دوستانِ حق جو فانی الصفت ہوتے ہیں انہیں نہ رنج محسوس ہوتا ہے اور نہ راحت۔ خبردار کہیں سستی کا نام حق تک پہنچنا اور حرص کا نام طلب حق نہ رکھنا۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کے پیچھے نماز پڑھی جب آپ نے تکبیر شروع کر کے اللہ اکبر کہا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور ایسے ہو گئے گویا ایسا جسم ہیں جس میں روح اور حس نہیں۔

سنتے ہیں کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ جب بوڑھے ہو گئے تو روز ایام جوانی کے اوراد میں سے کوئی ورد بھی نہ چھوڑتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا "اے شیخ

اب آپ ضعیف ہو گئے ہیں۔ ان اوراد میں سے کچھ چھوڑ دیجیئے تو آپ نے فرمایا۔ "یہ وہ چیزیں ہیں کہ شروع سلوک میں میں نے جو کچھ پایا انہی کی بدولت پایا اب محال ہے کہ انتہائے سلوک میں ان کو ترک کر دوں"۔

اور مشہور ہے کہ فرشتے ہمیشہ عبادت میں لگے رہتے ہیں اور ان کا پینا بھی عبادت الٰہی ہے اور کھانا بھی عبادت حق۔ اس لئے کہ "وہ روحانی مخلوق ہیں ان میں نفس امارہ نہیں اور بندگی سے روکنے والا نفس امارہ ہی ہوتا ہے اور جتنا بھی وہ نفس زیادہ مغلوب ہو اتنا ہی بندگی کا طریقہ سہل ہو جاتا ہے اور جب نفس فانی ہو جاتا ہے تو اس کا کھانا اور پینا عبادت ہی ہو جاتی ہے جیسا کہ فرشتوں کا کھانا اور پینا عبادت ہے بشرطیکہ نفس کا فانی ہونا صحیح ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بچپن میں ایک عابدہ عورت کو دیکھا کہ بچھو نے اس کو نماز میں چالیس جگہ کاٹا اور اس میں کچھ بھی تغیر ظاہر نہ ہوا جب وہ نماز سے فارغ ہوئی تو میں نے اس سے کہا "اے اماں جان! تو نے اس بچھو کو کیوں نہیں ہٹایا؟ تو اس نے جواب دیا کہ "تو ابھی بچہ ہے یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ میں خداتعالیٰ کے کام میں اپنا کام کرتی"۔

حضرت ابوالخیر اقطع رحمۃ اللہ کے پاؤں میں گوشت خورہ کی بیماری ہو گئی تھی حکیموں نے کہا کہ اس پاؤں کو کاٹ دینا چاہیئے لیکن آپ اس بات پر راضی نہ ہوئے چنانچہ مریدوں نے مشورہ کیا کہ نماز میں آپ کا یہ پاؤں کاٹ دیا جائے کیونکہ اس حالت میں ان کو اپنی کچھ خبر نہیں ہوتی چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو پاؤں کٹا ہوا دیکھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ جب رات کے وقت قراءت کرتے تو دھیمی آواز سے پڑھتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے جیسا کہ ہم نے صحابہؓ کے ذکر میں اس بات کو بیان کیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے ابوبکر! آپ کیوں نماز میں آہستہ پڑھتے ہیں؟ آپ نے عرض کیا کہ میں حسن قراءت سے راز و نیاز کی بات کرتا ہوں اور جس کو سناتا ہوں وہ سنتا ہے خواہ میں آہستہ کہوں یا زور سے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ

عنہ سے پوچھا کہ آپ کیوں بلند آواز سے پڑھتے ہیں؟ آپ نے عرض کیا میں سوتے کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابوبکر! تم ذرا اونچا پڑھا کرو" اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم ذرا آہستہ پڑھا کرو تاکہ عادت چھوٹ جائے۔ پس صوفیہ کرام میں سے بعض لوگ فرائض کو تو ظاہر طور پر ادا کرتے ہیں اور نوافل کو مخفی طور پر۔ اس بات سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ریا سے چھوٹ جائیں کیونکہ جب کوئی شخص عمل میں دکھلاوا کرتا ہے اور خلقت کی توجہ اپنی طرف چاہتا ہے تو وہ ریاکار ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ ہم عمل کرتے اور اس کو نہیں دیکھتے لیکن لوگ تو دیکھتے ہیں اور یہ بھی ریا ہوتا ہے اور دوسرا گروہ فرضوں اور نفلوں سب کو ظاہر میں ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ریا باطل ہے اور عبادت حق ہے۔ اس لئے محال ہے کہ ہم ایک باطل کی خاطر حق کو چھپاویں پس ریا کو دل سے باہر نکال دو اور جہاں جیسا چاہو عبادت کرو اور مشائخ رضی اللہ عنہم نے خود عبادت کے آداب کو نگاہ رکھا ہے اور مریدوں کو بھی اس کا حکم فرمایا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے چالیس سال سفر کیا میری کوئی نماز جماعت کے بغیر نہ ہوتی تھی اور ہر جمعہ کے روز میں ایک قصبہ میں ہوتا تھا اور نماز کے احکام اس سے زیادہ ہیں کہ ان کو حصر کر سکیں لیکن مقامات میں سے جو بات نماز سے تعلق رکھتی ہے وہ محبت الٰہی ہے اس لئے اب ہم اس کے تمام احکام بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۞

اکیسواں باب

محبّت الٰہی اور اس سے متعلقہ امور کے بیان میں

پہلی فصل

محبّت کا ثبوت

اللہ عزّوجل نے فرمایا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ (اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے سو اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم پیدا کریگا جسے وہ خود دوست رکھے گا اور وہ لوگ بھی اسے دوست رکھیں گے) اور نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے سوائے اوروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیئے) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے سُنا کہ انہوں نے کہا کہ خدائے عزّوجل نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَهَانَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزَنِیْ بِالْمُحَارَبَةِ مَا تَرَدَّدْتُ فِیْ شَیْءٍ كَتَرَدُّدِیْ فِیْ قَبْضِ نَفْسِ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ مَنْ یَكْرَهُ الْمَوْتَ وَ اَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّ لَهٗ مِنْهُ۔ وَمَا یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اَدَاءِ مَا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَ لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ لَهٗ سَمْعًا وَّ بَصَرًا وَّ یَدًا وَّ رِجْلًا وَّ لِسَانًا (الحدیث) (جس نے میرے دوست کی اہانت کی۔ اس نے مجھ سے جنگ کا اعلان کیا۔ اور مجھے کسی چیز کے متعلق اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ ایک مومن کی رُوح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کو تکلیف دینا ناپسند کرتا ہوں۔ حالانکہ اس کو موت سے چارہ نہیں۔ اور میرا بندہ کسی ایسی چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرسکتا جو مجھے ان احکام کے ادا کرنے سے زیادہ محبوب ہو جو میں نے اس پر فرض کئے۔ اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل ادا کرنے سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔

یہاں تک کہ میں اس کو اپنا دوست بنالیتا ہوں۔ پس جب میں اس کو اپنا دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان اور آنکھ اور پاؤں اور زبان ہو جاتا ہوں) اور نیز فرمایا ہے۔
مَنْ اَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ۔
(جو اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دیکھنے کو ناپسند کرتا ہے) اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ قَالَ لِجِبْرِيْلَ يَا جِبْرِيْلُ اِنِّيْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ فَيُحِبُّهٗ جِبْرِيْلُ ثُمَّ يَقُوْلُ جِبْرِيْلُ لِاَهْلِ السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَحَبَّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَآءِ ثُمَّ يَضَعُ لَهُ الْقَبُوْلَ فِي الْاَرْضِ فَيُحِبُّهٗ اَهْلُ الْاَرْضِ وَفِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اے جبرئیل! میں فلاں بندہ کو دوست رکھتا ہوں۔ پس تو بھی اس کو دوست رکھ۔ سو جبرئیل اس کو دوست رکھتا ہے۔ پھر جبرئیل اہل آسمان سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں شخص کو دوست بنالیا ہے۔ پس تم بھی اسے دوست بنالو۔ پس اہل آسمان اسے دوست بنالیتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بندہ کو اہل زمین میں بھی مقبول بنا دیتا ہے تو اہل زمین بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور بعض روایات میں اَهْلُ الْاَرْضِ کی جگہ مِثْلُ ذٰلِكَ ہے۔ یعنی اہل سماء کی طرح اہل زمین بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں +

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندہ کے لئے اور بندہ کی خدا کے لئے درست ہے۔ اور کتاب و سنت اس پر ناطق و شاہد ہے۔ اور ساری اُمت اس پر متفق ہے۔ اور اللہ تعالےٰ ایسے اوصاف سے متصف ہے۔ کہ اولیاء اللہ اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ اور وہ بھی اُن کو دوست رکھتا ہے۔

اور محبت کے لغوی معنی کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ وہ حِبّہ بکسر حاء سے ماخوذ ہے۔ اور وہ بیج ہیں جو صحرا میں زمین پر پڑتے ہیں۔ پس لوگوں نے محبت کا نام حُبّ کر دیا۔ اس لئے کہ حیات کا اصل اُس کے اندر ہوتا ہے۔ جیسا کہ نباتات کے اصول بیج کے اندر ہوتے ہیں۔ اور جس طرح بیج صحرا میں گر کر مٹی میں چھپ جاتا ہے۔ پھر اس پر بارش

ہوتی ہے۔ آفتاب چمکتا ہے سردی اور گرمی اس کو پہنچتی ہے۔ اور وہ بیج زمانوں کے تغیر سے متغیر نہیں ہوتا مگر جب اُس کا وقت آپہنچتا ہے تو وہ اُگ آتا ہے پھول نکالتا ہے اور پھل دیتا ہے اسی طرح محبت دل میں جگہ پکڑتی ہے حضور و غیبت یا محنت راحت و لذت استغراق و وصال سے وہ متغیر نہیں ہوتی۔ اس مفہوم کو کسی شاعر نے ذیل کے شعر میں ادا کیا ہے۔ شعر ؎

یَا مَنْ سَقَامُ جُفُونِهٖ لِسَقَامِ عَاشِقِهٖ طَبِيْبٗ
غَرَسَ الْمَوَدَّةَ فَاسْتَوٰى عِنْدِىْ حُضُوْرُكَ وَالْمَغِيْبُ

(اے وہ شخص کہ جس کی پلکوں کی بیماریاں اُس کے عاشق کی بیماریوں کے لیئے طبیب ہیں۔ اُس نے میرے دل میں محبت کا بیج بو دیا پس میرے نزدیک تیرا حاضر ہونا اور غائب ہونا برابر ہے)۔

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت کا لفظ حَبَبْ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں وہ گڑھا جس میں پانی بہت ہو۔ اور نظر کو اس میں گہرا نہ ہونا اور وہ پانی اُسکو روکنے والا ہو۔ ایسی ہی محبت ہے۔ کہ جب وہ طالب کے دل میں جمع ہو کر اس کے دل کو لبریز کر دیتی ہے تو دوست کی بات کے سوا دل میں کسی اور چیز کی جگہ نہیں رہتی جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو خلت اور دوستی کی نعمت سے نوازا تو حضرت خلیل اللہ عَلَيْهِ السَّلَام محض اللہ تعالےٰ کے کام کے لیئے سب دنیا سے الگ ہو گئے اور سب اہل عالم اُن کے لیئے حجاب ہو گئے اور آپ حق تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے سب حجابوں کے دشمن ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے اُن کے حال اور اُن کے مقام سے ہمیں خبر دی۔ اور فرمایا فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّىْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (بلا شبہ سب اہل عالم پروردگار کے سوا میرے دشمن ہیں) اور اسی معنی میں حضرت شبلی رَحِمَهُ اللہ فرماتے ہیں۔ سُمِّيَتِ الْمَحَبَّةُ لِاَنَّهَا تَمْحُوْ مِنَ الْقَلْبِ مَا سِوَى الْمَحْبُوْبِ (محبت کو اس لیئے محبت کہتے ہیں کہ وہ دل سے محبوب کے سوا سب کو مٹا دیتی ہے۔) اور بعض کہتے ہیں کہ محبت اس چار چوبہ کو کہتے ہیں کہ جن کو باہم جوڑ کر پانی کا لوٹا اس پر رکھ دیتے ہیں پس محبت الٰہی کو بھی حب اس لیئے کہتے ہیں کہ محبت الٰہی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی عزت و ذلت، راحت و مصیبت، تکلیف و آسائش

اور وفا و جفا کا برداشت کرتی ہے اور یہ چیزیں اس پر گراں نہیں گزرتیں۔ کیونکہ اس کا کام بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ان چار لکڑیوں کا کام جو لوٹے کا بوجھ اٹھاتی ہیں پس محبت اور پیدائش دوست کا بوجھ اٹھانے کے لئے ہی گئی ہے اور اس معنی میں ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر ؎

إِنْ شِئْتَ جُودِي وَإِمَّا شِئْتَ فَامْتَنِعِ
كِلَا هُمَا مِنْكِ مَنْسُوبٌ إِلَى الْكَرَمِ

(اے محبوبہ! تو چاہے تو سخاوت کر اور چاہے تو نہ کر۔ تیری یہ دونوں باتیں کرم سے ہی منسوب ہیں)

اور بعض کہتے ہیں کہ حُبّ سے ماخوذ ہے اور وہ حبّہ کی جمع ہے۔ اور مراد اس سے حبّۂ دل یعنے دل کا نقطہ سیاہ ہے۔ اور دل کا نقطہ لطف الٰہی کا محل ہے اور دل کا انتظام اسی کی وجہ سے ہوتا ہے اور محبت کا قیام بھی اسی سے ہے پس محبت کو اس کے محل کا نام حبّ دیا گیا۔ کیونکہ اس کا قرار دل کے دانہ میں ہے۔ اور اہل عرب کسی چیز کو اس کے محل و موضع کے نام سے بھی موسوم کیا کرتے ہیں۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت حُبَابُ الْمَاءِ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ بے تھاہ پانی۔ اور چونکہ اس کا جوش سخت بارش کے وقت ہوا کرتا ہے اس لئے محبت کا نام حَبّ رکھا کیونکہ وہ بھی دل کا جوش ہی ہے جو محبوب کے لقاء کے شوق کے وقت ہوا کرتا ہے۔ محبّ کا دل ہمیشہ محبوب کے دیدار کے شوق میں مضطرب اور بیقرار رہا کرتا ہے اور جیسا کہ جسم روحوں کے مشتاق ہوا کرتے ہیں۔ اور ان کا قیام روح کی وجہ سے ہوتا ہے اسی طرح دل کا قیام محبت سے ہے۔ اور محبت کا قیام محبوب کے دیدار اور اس کے ملنے سے ہے اسی معنی کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر ؎

إِذَا مَا تَمَنَّى النَّاسُ رَوْحًا وَرَاحَةً
تَمَنَّيْتُ أَنْ أَلْقَاكَ يَعْرِفُ خَالِيًا

(جب لوگ آرام و راحت کی آرزو کرتے ہیں تو میں اس بات کی آرزو کرتا ہوں کہ تجھ سے ملوں تا کہ کم سے کم تو میرا حال ہی معلوم کرے)۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حُبّ ایک اسم ہے جو صفائے محبت کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اہل عرب آنکھ کے تل کو حَبَّۃُ الْاِنْسَانِ (آنکھ کی پتلی کا تل) کہتے ہیں جیسا کہ وہ دل کے نقطۂ سیاہ کو حَبَّۃُ الْقَلْبِ (دل کا سیاہ دانہ یا نقطہ) کہتے ہیں پس یہ ایک (حَبَّۃُ الْقَلْبِ) تو محبت کا محل ہے۔ اور دوسرا (حَبَّۃُ الْاِنْسَانِ) رویت کا محل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دل اور آنکھ محبت میں متصل ہیں۔ اور اسی معنی میں ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر ؎

اَلْقَلْبُ یَحْسُدُ عَیْنِیْ لَذَّۃَ النَّظَرِ
وَالْعَیْنُ تَحْسُدُ قَلْبِیْ لَذَّۃَ الْفِکَرِ

(میرا دل میری آنکھ سے محبوب کے دیکھنے کی لذت پانے کے بارہ میں حسد کرتا ہے۔ اور میری آنکھ میرے دل سے محبوب کے متعلق غور و فکر کرنے میں حسد کرتی ہے)

دُوسری فصل

استعمال لفظ محبت

جاننا چاہیئے کہ لفظ محبت کا استعمال علماء کے نزدیک کئی طور پر ہوتا ہے۔ ایک تو محبوب کی طرف نفس کی بے آرامی رغبت اور خواہش اور دل کی آرزو اور طلب اُس کے ساتھ ارادہ کرنے کے معنوں میں۔ مگر ان سب امور کو خدا تعالیٰ سے متعلق کرنا روا نہیں۔ بلکہ یہ سب باتیں مخلوقات اور موجودات سے متعلق ہیں اور انہی میں پائی جاتی ہیں۔ دوسرے کے ساتھ خداوند تعالےٰ ان سب امور سے بے نیاز اور بہت برتر ہے۔ دوسرے محبت کا استعمال احسان اور بندہ کو اپنی عنایات سے مخصوص کرنے کے معنے میں ہوتا ہے کہ وہ اُس کو برگزیدہ کر لیتا ہے اور اُس کو کمال کے درجہ پر پہنچا دیتا ہے اور اپنی نوازشات سے مخصوص کر لیتا ہے۔ تیسرے بندہ کی صفت و ثنا کرنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اچھی ثنا و صفت اور متکلمین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ حق تعالےٰ کی محبت جہاں تک ہمیں علم ہے وہ اس کی سماعی صفات میں سے ایک صفت ہے جیسا کہ قرآن کریم میں اُس کے لئے چہرہ، ہاتھ اور استواء سیدھے ہو کر بیٹھنا ثابت ہے۔ کہ اگر کتاب و سنت اُن کو بیان نہ کرتی۔ تو اُن کا ثبوت حق تعالےٰ کے لئے عقل کی رُو سے محال ہوتا پس اس

وجہ سے ہم حق تعالےٰ کے لئے محبت ثابت کرنے اور اس پر ایمان لانے ہیں لیکن اُس کے استعمال کرنے میں ہم توقف کرتے ہیں۔ اور اس لفظ محبت سے کہ حق تعالےٰ پر اطلاق کرتے ہیں گروہ صوفیا کی مراد وہ سب اقوال ہیں جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں۔ اور میں انشاء اللہ تعالےٰ تمہارے سامنے اس کی حقیقت بیان کروں گا۔

جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کی محبت بندہ کے لئے اُس پر رحمت اور اُس کی بھلائی کا ارادہ کرنا ہے۔ اور محبت ارادت کے اسموں میں سے ایک اسم ہے۔ جیسا کہ رضا و سخط و رحمت و رافت اور ایسے ہی اور نام۔ ان ناموں کو اللہ تعالےٰ کی ارادت کے سوائے کسی اور چیز پر محمول نہیں کرنا چاہیئے۔ اور ارادت اللہ تعالیٰ کی صفت قدیم ہے جس سے وہ اپنے فعلوں کو چاہتا ہے۔ پس مبالغہ اور فعل کے ظاہر کرنے میں ان صفات میں سے بعض تحقیق بعض سے زیادہ مخصوص ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ کی محبت بندہ کے لئے یہ ہے کہ اُس پر نعمت زیادہ کرتا ہے اور دنیا و عقبےٰ میں اس کو ثواب دیتا ہے۔ اور عذاب کے محل سے اس کو محفوظ رکھتا ہے اور گناہ سے اس کو بچاتا ہے اور بلند احوال اور اُونچے مقامات اُس کو کرامت فرماتا ہے۔ اور اُس کے باطن کو اغیار کی طرف توجہ کرنے سے ہٹا دیتا ہے۔ اور اپنی ازلی عنایت سے اُسے سرفراز کرتا ہے۔ تاکہ وہ سب سے جُدا ہو کر اُس کی رضا کی طلب کے لیے تنہا رہ جائے۔ اور جب اللہ تعالےٰ کسی بندہ کو ان اُمور سے مخصوص کر لیتا ہے تو اللہ تعالےٰ کے اُس مخصوص ارادہ کو محبت نام دیتے ہیں۔ اور یہ مذہب حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ و حضرت جُنید رحمۃ اللہ اور مشائخ کی ایک جماعت کا ہے اور دونوں فریقوں کے فقہا اور اہل سنت و جماعت کے اکثر متکلمین کا بھی یہی مسلک ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ بندے سے اللہ تعالےٰ کی محبت اس کی نیک تعریف ہے۔ اگر یہ درست مان لیا جائے تو پھر اللہ تعالےٰ کا ثنا کرنا اللہ تعالےٰ ہی کا کلام ماننا پڑیگا حالانکہ اللہ تعالےٰ کا کلام قدیم ہے۔ اور قدیم سے حادث کا تعلق محال ہے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ محبت یعنے احسان الٰہی ہے تو اُس کا احسان اُس کا اپنا فعل

ہی ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ یہ سب اقوال معنوی لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں لیکن بندہ کی محبت اللہ تعالےٰ کے لئے ایک صفت ہے۔ جو فرمانبردار مومن کے دل میں تعظیم و تکبیر و تکریم کے معنی میں پیدا ہوتی ہے۔ تاکہ وہ محبوب بر حق کی رضا طلب کرے۔ اور اُس کے دیدار کی طلب میں بےصبر ہو۔ اور اس کی قربت کی آرزو میں بے قرار ہے۔ اُس کے سوا کسی اور سے اس کو آرام نہ ہو۔ اُس کے ذکر کا عادی ہو۔ اُس کے سوا غیر کے ذکر سے بیزار ہو۔ آرام اُس پر حرام ہو۔ چین اُس سے بھاگ جائے۔ تمام مرغوبات و مطلوبات دنیاوی سے الگ ہو جائے۔ خواہش نفس سے اعراض کرے۔ محبت کے غلبہ کی طرف توجہ کرے۔ اُس کے حکم پر گردن جھکا دے اور کامل صفتوں کے ساتھ خداوند تعالےٰ کو پہچانے اور یہ روا نہیں کہ خالق کی محبت اُس کے لئے ویسی ہی ہو جیسی کہ خلقت کی محبت ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ مخلوق کی باہمی محبت محبوب کا احاطہ کر لینے اور اس کو پا لینے کی رغبت ہوتی ہے اور یہ اجسام کی صفت ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کے دوست اس کے قرب میں ہلاک ہونے والے ہوتے ہیں۔ نہ کہ اس کی کیفیت کے طالب اس لئے کہ طالب محبت میں تمام بخود ہوتا ہے۔ اور گشتہ محبت محبوب کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اور میدانِ محبت میں سب سے زیادہ محبت کرنے والے محبت میں فانی اور مغلوب لوگ ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حادث ہستی کو قدیم سے منسوب ہونے کے سوا اور کسی طرح قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جو شخص محبت کی اصلی حقیقت معلوم کر لے۔ اس کے لئے کوئی شک و ابہام باقی نہیں رہیگا۔ پس محبت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو محبت جنس کی جنس کے ساتھ اور وہ نفس کا میلان اور جستجو پر جم جانا ایک دوسرے کو جسمانی طور پر چھونا اور ایک دوسرے سے چمٹ جانے کے طریق پر محبوب کی ذات کو طلب کرنا ہے۔ دوسری محبت ایک جنس کی غیر جنس سے ہے۔ اور یہ محبت پوری کوشش چاہتی ہے۔ تاکہ محبوب کے اوصاف میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ اطمینان پائے۔ اور اُنس گیر ہو۔ مثلاً بغیر کلام کے سُننا اور بغیر آنکھوں کے دیکھنا اور عاشقانِ الٰہی محبت حق میں دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل وہ لوگ جو اپنے اوپر اللہ تعالےٰ کا انعام و احسان دیکھتے ہیں

تو انعام و احسان کا دیکھنا ہی منعم و محسن کی محبت کا تقاضا کرتا ہے دوسرے وہ لوگ جو سبب انعام کو محبت کے غلبہ کی وجہ سے محل حجاب میں رکھتے ہیں۔ اور ان کا راستہ نعمتوں کے دیکھنے سے منعم حقیقی کی طرف ہوتا ہے۔ اور ان کا راستہ پہلے گروہ کے راستہ سے بہت اونچا ہوتا ہے۔ واللہ اعلم +

تیسری فصل

محبت کے مختلف نام

الغرض محبت ایک مشہور و معروف لفظ ہے۔ جو تمام لوگوں اور تمام زبانوں میں مروج ہے۔ گو اسے الفاظ و عبارات میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ تاہم عقلاً کے کسی گروہ نے اس کی حقیقت ثابتہ سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اور مشائخ طریقت میں سے حضرت سمنون المحب رحمۃ اللہ محبت الٰہی میں ایک خاص مذہب اور مسلک رکھتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ محبت الٰہی حق تعالےٰ کے راستہ کی اصل اور بنیاد ہے۔ اور احوال و مقامات اس کی منزلیں ہیں۔ اور جس منزل و محل میں بھی طالب ہوتا ہے۔ اس پر زوال آنا روا ہوتا ہے۔ سوائے محل محبت حق کے کہ جب تک کہ وہ موجود رہتی ہے۔ اس پر کسی حال میں زوال نہیں آتا ہے اور دوسرے سب مشائخ اس بات میں آپ سے اگرچہ متفق ہیں۔ لیکن چونکہ محبت کا نام عام اور ظاہر ہے۔ اس لئے انہوں نے چاہا کہ اس کو چھپا دیں۔ اور اس کی معنوی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے اس کا نام بدل دیں۔ پس انہوں نے خالص محبت کا نام صفوت رکھ دیا اور محبت حق کو صوفی کہہ دیا۔ اور ایک دوسرے گروہ نے حبیب کے اختیار کو ثابت کرنے اور محب کے اپنے اختیار کو ترک کرنے کو فقر اور محب الٰہی کو فقیر کہا ہے۔ اس لئے کہ محبت کا ادنیٰ درجہ حبیب کے ساتھ ہر حالت میں موافقت کرنا ہے اور حبیب کی موافقت ظاہر ہے کہ اس کی مخالفت کا غیر ہوتی ہے۔ یعنی اپنا اختیار جو حبیب کے اختیار کے مقابلہ میں ہو یہی اس کی مخالفت ہے۔ اور اسکے ترک کرنے سے ہی حبیب کی موافقت حاصل ہو سکتی ہے اور میں نے اس کتاب کے شروع میں فقر اور صفوت کا حال کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اور اسی معنی میں چند بزرگ رحمہا اللہ ان پر رحمت کرے فرماتے ہیں۔ اَلْحُبُّ عِنْدَ الزُّهَّادِ ظُهُوْرٌ مِنَ

مِنَ الْاِجْتِهَادِ (محبت زاہدوں کے نزدیک نیکی میں کوشش کرنے کی نسبت زیادہ ظاہر ہے) وَعِنْدَ التَّائِبِيْنَ اَوْجَدُ مِنْ اَنِيْنٍ وَحَنِيْنٍ اور اہل توبہ کے نزدیک محبت نالہ وفغاں سے زیادہ آسانی سے پائی جاتی ہے۔ وَعِنْدَ الْاَتْرَاكِ اَشْهَرُ مِنَ الْفِتْرَاكِ (اور ترکوں کے نزدیک محبت شکار بند سے زیادہ مشہور ہے) وَهَبُوْ الْحُبِّ عِنْدَ الْهُنُوْدِ اَظْهَرُ مِنْ سَبْيِ مَحْمُوْدٍ اور .... ہندوؤں میں محمود کے غلام بننے کے مقابلہ میں محبت کے غلام بننے کی رغبت زیادہ نظر آتی ہے۔ وَقِصَّةُ الْمُحِبِّ وَالْحَبِيْبِ عِنْدَ الرُّوْمِ اَشْهَرُ مِنَ الصَّلِيْبِ (اور محبت و محبوب کا قصہ رومیوں کے نزدیک صلیب سے زیادہ مشہور ہے) وَقِصَّةُ الْمُحِبِّ فِي الْعَرَبِ اَدَبٌ فِيْ كُلِّ حَيٍّ مِثْلُهُ طَرَبٌ اَوْ وَيْلٌ اَوْ نَيْلٌ اَوْ حُزْنٌ اَوْ هَرَبٌ (اور محبت کا قصہ عرب میں ایک ادب ہے جس سے ہر ایک قبیلہ میں خوشی ہے، یا ہلاکت ہے، یا کامیابی یا غم یا بھاگنا ہے) اور مراد ان سب اقوال سے یہ ہے، کہ انسانوں کا کوئی گروہ ایسا نہیں جسے غیب میں کوئی ایسا کام نہ پڑا ہو جس کی محبت سے اپنے دل میں فرحت یا زخم نہ رکھتا ہو۔ یا اس کا دل اس کی شراب سے مست یا اس کے غلبہ سے مخمور نہ ہو۔ اس لئے کہ دل کی ترکیب بیقراری اور بے چینی سے ہے اور محبت کی گرہ کے سوا جو کچھ اس کے اندر ہے۔ وہ سب ایک سراب کی مانند ہے۔ اور اس کے لئے محبت غذا کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس سے وہ زندہ ہے۔ اور جو دل محبت سے خالی ہے۔ وہ دل خراب ہے۔ اور تکلف کو اس کے ہٹانے اور اپنی طرف مائل کرنے کی طرف راستہ نہیں۔ اور نفس ان لطائف سے جو دل پر گزرتے ہیں۔ آگاہ نہیں۔

اور حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "محبت" میں فرماتے ہیں۔ کہ خداوند تعالیٰ نے دلوں کو جسموں سے سات ہزار سال پہلے پیدا کیا اور مقام قرب میں رکھا اور روحوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرما کر اُنس کے درجہ میں رکھا۔ اور باطنوں کو روحوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا کرکے وصل کے مقام میں رکھا۔ اور ہر روز تین سو ساٹھ بار اپنے جمال کے ظاہر کرنے سے باطن پر تجلی فرمائی اور تین سو ساٹھ بار نظر عنایت فرمائی اور محبت کا کلمہ روحوں کو سنایا۔ اور اپنے

تین سو ساٹھ لطیفے دل پر ظاہر کیئے۔ یہاں تک کہ سب نے عالم میں نگاہ کی۔ تو اپنے سے بڑھ کر باعزت اور کسی کو نہ دیکھا۔ جس کے باعث ان میں غرور و فخر پیدا ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے اس سبب سے اُن کا امتحان فرمایا کہ جسد کو جان میں مقید کر دیا اور جان کو دل میں اور دل کو جسم میں بند کر دیا۔ پھر عقل کو ان میں ترکیب دی۔ اور انبیاء علیہم السّلام کو بھیج کر انہیں کو احکام دیئے۔ تب اُن میں سے ہر ایک اپنے مقام کا طالب ہوا۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے نماز کا حکم فرمایا۔ تو جسم نماز میں لگ گیا اور دل محبت سے وابستہ ہو گیا۔ جان قرب حق میں پہنچ گئی۔ اور سر باطن نے وصل حق سے قرار پکڑا۔ الغرض محبت کا لطیف مفہوم الفاظ و عبارات میں کبھی ادا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ محبت ایک حال ہے۔ اور حال کبھی قال نہیں ہو سکتا۔ اگر سب اہل عالم چاہیں کہ محبت کو کھینچ کر زبردستی اپنے اندر پیدا کریں۔ تو کر نہیں سکتے۔ اور اگر تکلف سے اس کو ہٹانا چاہیں تو بھی ہٹا نہیں سکتے۔ کیونکہ وہ محبت خدا تعالےٰ کی بخششوں میں سے ہے نہ کہ انسانی کسبوں میں سے۔ اور اگر سب اہل عالم اس لئے جمع ہوں کہ محبت کو اس شخص کے لئے حاصل کریں۔ جو اُس کا طالب ہے۔ تو وہ ایسا بھی کر نہیں سکتے۔ اور اگر اس شخص کے دل سے اس کو دفع کرنا چاہیں۔ جو اس کا اہل ہے۔ تو بھی عاجز ہو جائیں گے۔ کیونکہ محبت عطیۂ الٰہی ہے۔ اور آدمی لہو و لعب کرنے والا ہے۔ اور لہو و لعب کرنے والا عطیۂ الٰہی کو پا نہیں سکتا۔

چوتھی فصل

عشق کی حقیقت

عشق کے متعلق مشائخ طریقت کے بہت سے اقوال ہیں اُن میں سے ایک گروہ نے بندہ کی طرف سے خدا تعالیٰ کے عشق کو جائز رکھا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے عشق کو جائز نہیں رکھا اور یوں کہا ہے کہ عشق اپنے محبوب سے روکنے کی صفت ہے اور بندہ حق تعالیٰ کے ملنے سے روکا گیا ہے۔ لیکن حق تعالےٰ بندہ کے ملنے سے نہیں روکا گیا ہے۔ پس بندہ سے خدا تعالیٰ کا عشق جائز ہے اور حق تعالےٰ سے بندہ کا عشق جائز نہیں۔ اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ بندہ سے بھی خدا تعالےٰ کا عشق جائز نہیں۔ کیونکہ عشق حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اور خداوند

تعالیٰ محدود نہیں۔ اور پھر متاخرین صوفیاء نے کہا ہے۔ کہ عشق دونوں جہان میں ذاتِ حق تعالےٰ کے ادراک کے طالب کے سوا کسی اور کے لئے درست نہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کا ادراک احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کے ساتھ محبت اور اخلاص تو درست ہے عشق درست نہیں۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ عشق آنکھ سے دیکھنے کے سوا ممکن نہیں۔ اور محبت سننے سے جائز ہے اور چونکہ عشق نظر سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا اطلاق حق تعالیٰ پر روا نہیں۔ کیونکہ دنیا میں اس کو کوئی شخص دیکھ نہیں سکتا اور چونکہ حق تعالےٰ کی نسبت یہ ایک خبر تھی۔ کہ وہ ایسا ہے۔ اس لئے ہر ایک نے اس کا دعویٰ کیا۔ کیونکہ خطاب میں سب یکساں ہیں پس حق تعالیٰ کی ذات قابل ادراک تھی ہی نہیں۔ تاکہ خلقت کا اس کے ساتھ عشق درست ہو۔ اور چونکہ وہ اپنے افعال اور اپنی صفات سے اولیاء پر احسان اور کرم کرنے والا ہے۔ اس لئے اس کی محبت ان سے درست ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب یعقوب علیہ السّلام کو یوسف علیہ السّلام کی محبت نے مستغرق کر دیا۔ اور فراق کی حالت میں جب آپ نے پیراہن کی بو ہی پائی تو آپ کی آنکھیں بینا اور روشن ہو گئیں۔ اور جب زلیخا کو یوسف علیہ السّلام کے عشق میں فنا کا درجہ حاصل ہو گیا۔ تو جب تک اس نے اس کو نہیں پایا۔ دوبارہ بینائی نہیں پائی۔ اور یہ طریق بہت ہی عجیب ہے۔ کہ ایک تو ہوا و خواہش کی پرورش کرتا ہے۔ اور دوسرا ہوا اور خواہش کو چھوڑتا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عشق کی ضد نہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی بھی ضد نہیں اس لئے اس کا اطلاق اللہ پر جائز ہونا چاہیئے اور اس عشق کے متعلق لطیفے بہت ہیں لیکن طوالت کے خوف سے میں نے اتنے ہی لطائف بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ واللہ اعلم

پانچویں فصل

محبت کی تحقیق میں مشائخ کے رموز

محبت کی تحقیق میں مشائخ صوفیہ کے رموز اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ ان کو شمار کر سکیں۔ اور میں اُن کے اقوال میں سے تھوڑے سے اس کتاب میں بیان کرتا ہوں۔ تاکہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو اس سے تبرک حاصل کر سکوں۔

چنانچہ استاد ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْمَحَبَّۃُ

مَحْوُ الْمُحِبِّ بِصِفَاتِهٖ وَاِثْبَاتُ الْمَحْبُوْبِ بِذَاتِهٖ (محبت محب کا اپنے کُل اوصاف کو اپنے محبوب کی طلب میں محو کرنا اور محبوب یعنی اللہ تعالےٰ کی ذات کو ثابت کرنا ہے یعنی چونکہ محبوب باقی ہوتا ہے۔ اور محب فانی۔ اِس لئے محبت کی غیرت کے لئے محبوب کی بقا کو اپنی نفی سے طلب کرتا ہے تاکہ مطلق ولایت اُس کو حاصل ہو۔ اور محب کی صفت کا فانی ہونا محبوب کی ذات کے ثابت کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ روا نہیں کہ محب اپنی صفت کے ساتھ قائم ہو۔ کیونکہ اگر وہ اپنی صفت کے ساتھ قائم ہوتا۔ تو محبوب کے جمال سے بے نیاز ہوتا جب وہ جانتا ہے کہ اس کی حیات محبوب کے جمال سے ہے تو ضرور وہ اپنے اوصاف کی نفی کا طالب ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کو معلوم ہے کہ اپنی صفت کے ہوتے ہوئے وہ محبوب سے حجاب میں رہتا ہے پس حق کی محبت کی وجہ سے وہ اپنا دشمن ہو گیا ہے۔ اور یہ مشہور ہے کہ جب حسین بن منصور رحمۃ اللہ کو سولی پر چڑھایا گیا۔ تو اُن کا آخری کلام یہ تھا۔ حَسْبُ الْوَاجِدِ اِفْرَادُ الْوَاحِدِ صاحب حال کی محبت اللہ واحد کو یکتا سمجھنا ہے۔ محب کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اُس کی ہستی محبت کے راستہ میں بالکل مٹ جائے۔ اور نفس کی حکومت اُس کے وجود میں بالکل ختم اور معدوم ہو جائے +

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اَلْمَحَبَّةُ اِسْتِقْلَالُ الْكَثِيْرِ مِنْ نَفْسِكَ وَاسْتِكْثَارُ الْقَلِيْلِ مِنْ حَبِيْبِكَ (محبت یہ ہے کہ اپنے بہت کو تو تھوڑا جانے اور دوست کے تھوڑے کو بھی بہت۔ اور یہی معاملہ اللہ تعالےٰ کا بندے کے ساتھ ہے۔ کہ دُنیا کی نعمت اور جو کچھ دُنیا میں اس نے بندہ کو عطا کیا ہے۔ اُس کو تھوڑا کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ دُنیا کا سامان جو تمہیں دیا گیا ہے۔ وہ تھوڑا ہے) پھر اس تھوڑی سی عمر اور تھوڑی سی جگہ اور تھوڑے سے سامان کے ہوتے ہوئے اُنکے تھوڑے سے ذکر کو بہت کہا۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ (اور اللہ تعالےٰ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں) کہ اہل عالم جان لیں۔ کہ حقیقی دوست

اللہ تعالے ہی ہے۔ اور یہ صفت مخلوق کے لئے درست نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالے کی طرف سے جو کچھ بھی بندہ کو پہنچتا ہے اس میں کوئی چیز تھوڑی نہیں اور بندہ کی طرف سے جو کچھ بھی ہے۔ وہ سب تھوڑا ہے ✦

شیخ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلْمَحَبَّۃُ مُعَانَقَۃُ الطَّاعَاتِ وَمُبَایَنَۃُ الْمُخَالَفَاتِ (محبت یہ ہے کہ تو محبوب کی عبادات سے بغلگیر ہو اور اس کی مخالفت سے علیحدہ ہو) کیونکہ جب محبت دل میں قوی ہو جاتی ہے تو دوست کا فرمان بجالانا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور یہ ملحدین کے اس گروہ کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بندہ محبت میں اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ بندگی اس سے اٹھ جاتی ہے۔ اور یہ محض بیدینی ہے کیونکہ محال ہے کہ عقل کی صحت کی حالت میں بندہ سے تکلیف کا حکم ساقط ہو جائے اس وجہ سے کہ سب امت کا اجماع ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کبھی منسوخ نہیں ہوگی۔ اور جب ایک شخص سے عقل کی صحت کی حالت میں تکلیف کا ساقط ہو جانا روا ہو تو ضرورت سے روا ہوگا۔ اور یہ محض بیدینی ہے اور ہاں مغلوب العقل اور بیہوش کا حکم دوسرا ہے اور اس کا عذر بھی ادا ہے البتہ یہ بات روا ہے کہ خداوند تعالے اپنے کسی بندہ کو اپنی محبت میں اس درجہ پر پہنچا دے کر عبادت کرنے کا رنج اس سے اٹھ جائے کیونکہ کسی امر کا رنج اس امر کی محبت کے مقدار کے مطابق ہوتا ہے جتنی محبت زیادہ قوی ہوگی۔ اتنا ہی فرمانبرداری کی تکلیف اٹھانا اس پر زیادہ آسان ہوگا۔ اور یہ بات پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے حال سے ظاہر ہے کہ جب حق تعالیٰ کی طرف سے آپ پر یہ نازل ہوا۔ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ (آپ کی جان کی قسم کفار اپنی مدہوشی میں سرگرداں ہیں) تو آپ نے رات دن اتنی عبادت کی۔ کہ آپ سب کاموں سے رہ گئے۔ اور آپ کے مبارک پاؤں سوج گئے۔ یہاں تک کہ خدا تعالے نے فرمایا۔ طٰهٰ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ (اے رسول صلے اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ اس کی وجہ سے ناقابل برداشت تکلیف اٹھائیں۔ اور نیز یہ بھی روا ہے کہ فرمان کے

ادا کرنے کی حالت میں ادا کرنے کو خیال میں لانا بندہ سے اٹھ جائے - چنانچہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً (بیشک میرے دل پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے - اور میں ہر روز ستر بار استغفار کرتا ہوں - کیونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور اپنے فعل کی طرف نہیں دیکھتے تھے - کہ اپنی عبادت پر مغرور ہونے - بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کو مدنظر رکھتے - اور یوں فرماتے تھے - کہ میرا یہ کام اس کی ذات کے لائق نہیں ہے ۔

اور حضرت سمنون محب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں - ذَھَبَ الْمُحِبُّوْنَ لِلّٰہِ بِشَرَفِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ لِاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (دوستانِ الٰہی دنیا و آخرت کی ساری بزرگی لے گئے ہیں - کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی قیامت میں اس شخص کے ساتھ ہوگا - جسے وہ دوست رکھتا ہے - پس دوستانِ حق دنیا و عقبےٰ میں حق کے ساتھ ہوں گے - اور جو حق تعالےٰ کے ساتھ ہو - اس کے لئے خطا روا نہیں - پس دنیا کا شرف یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے ساتھ ہے اور آخرت کا شرف یہ ہے - کہ وہ حق تعالےٰ کے ساتھ ہوں ۔

یحیٰی بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں - حَقِیْقَۃُ الْمَحَبَّۃِ مَا لَا یَنْقُصُ بِالْجَفَاءِ وَلَا یَزِیْدُ بِالْبِرِّ وَالْعَطَاءِ (محبت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ جفا سے کم ہوتی ہے - اور نہ احسان و عطا سے بڑھتی ہے - کیونکہ یہ دونوں محبت کے سبب ہیں - اور اشیاء کے موجود ہونے کی حالت میں اسباب معدوم ہوتے ہیں - اور دوست کے لئے دوست کی بھیجی ہوئی بلا اچھی لگتی ہے اور جفاء وفا طریقِ محبت میں مساوی ہوتے ہیں - جب محبت حاصل ہو تو وفا جفا کی طرح اور جفا وفا کی طرح ہو جاتی ہے - اور حکایات میں مشہور ہے - کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ کو دیوانہ پن کی تہمت لگا کر شفاخانہ میں لے گئے - اور وہاں بند رکھا - تو کچھ لوگ آپ کی زیارت کے لئے آئے - آپ نے ان سے فرمایا - مَنْ اَنْتُمْ ؟ قَالُوْا اَحِبَّاءُکَ ! فَرَمَاھُمْ

بِالْحِجَارَةِ فَفَرَّ وَا دتم لوگ کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم آپ کے دوست ہیں۔ آپ نے ان کے پتھر مارنے شروع کئے۔ تو وہ سب بھاگ گئے، تب آپ نے فرمایا لَوْ كُنْتُمْ اَحِبَّائِيْ لَمَا فَرَرْتُمْ مِنْ بَلَائِيْ فَاصْبِرُوْا عَلٰى بَلَائِيْ (اگر تم میرے دوست ہوتے تو میری اس بلا سے کیوں بھاگتے پس تم کو میری بلا پر صبر کرنا چاہیئے) کیونکہ دوست دوست کی بلا سے نہیں بھاگا کرتے۔ غرض اس سلسلے میں باتیں تو بہت ہیں مگر میں نے اتنے پر کفایت کی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔

بائیسواں باب

چھٹے پردے کا کھولنا۔ زکوٰۃ

پہلی فصل

اثباتِ زکوٰۃ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو)۔ اور اس کے متعلق بہت سی آیات اور احادیث ہیں اسلام کے ارکان و فرائض میں سے ایک زکوٰۃ ہے اور جس پر واجب ہو اسے اس سے روگردانی روا نہیں۔ زکوٰۃ نعمت کے پورا ہونے پر واجب ہوتی۔ یعنی جب دو سو درہم شرعی تقریباً ½ ۵۲ روپیہ رائج الوقت جو پوری نعمت ہے کسی کے تصرف میں ملکیت کے طور پر ہوں۔ اور ایک سال گزرنے کے باوجود اس کی ضرورت نہ پڑے تو اس پر پانچ درہم زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوتی ہے۔ اور اسی طرح بیس دینار تقریباً ½ ۷ تولے سونا بھی پوری نعمت ہے جس پر نصف دینار زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اور پانچ اونٹ بھی پوری نعمت ہے۔ اس پر ایک بکری زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اور جو مال اس کے مانند ہیں۔ ان میں اسی طرح زکوٰۃ واجب ہے یہ یاد رکھو کہ جس طرح مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اسی طرح مرتبہ پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ کیونکہ وہ بھی پوری نعمت ہے۔ چنانچہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ عَلَیْکُمْ زَکوٰۃَ جَاھِکُمْ کَمَا فَرَضَ عَلَیْکُمْ زَکوٰۃَ مَا مَلَکْتُمْ
(اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہارے مرتبہ کی زکوٰۃ فرض کی ہے جیسا کہ اس نے
تم پر تمہارے مال کی زکوٰۃ فرض کی ہے) اور نیز فرمایا۔ اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ زَکوٰۃٌ
وَزَکوٰۃُ الدَّارِ بَیْتُ الضِّیَافَۃِ (بلاشبہ ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور گھر کی
زکوٰۃ مہمان خانہ ہے۔ کسی نعمت پر زکوٰۃ ادا کرنے کی حقیقت اس نعمت پر
خدا کا شکر ادا کرنا ہے۔ اسی طرح تندرستی بھی بڑی بھاری نعمت ہے اس لئے
ہر عضو کی علیحدہ علیحدہ زکوٰۃ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے تمام اعضاء کو عبادت
الٰہی میں مشغول رکھیں۔ اور کسی کھیل کود کے کام میں ان کو نہ لگائیں۔ تاکہ نعمت کی
زکوٰۃ کا حق ادا کریں۔ اگر حاکم ہو تو انصاف کرے۔ اور عالم و مفتی ہو تو سفارش
و رعایت اخلاص سے مسائل حق بیان کرے۔ اور اسی طرح باطن کی نعمت کی
بھی زکوٰۃ ہے لیکن اس کی کثرت کی وجہ سے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتے
اس میں بھی اس کے لائق زکوٰۃ وہ ظاہری و باطنی نعمت کا عرفان ہے۔ جب بندہ
جان لیتا ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمت اس پر بے شمار ہے۔ تو بے شمار شکر بھی ادا کرتا
ہے۔ اور وہ بیشمار شکر بے اندازہ نعمت کی زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔ الغرض نعمت دنیا
کی زکوٰۃ گروہِ صوفیہ کے نزدیک اچھی نہیں ہوتی۔ کیونکہ بخل آدمی کے لئے بہت
برا ہے۔ اور جب پورا بخیل ہو تو کوئی دو سو درہم روک رکھے اور ایک سال برابر
ان کو اپنے تصرف میں نہ لائے۔ اور پانچ درہم اس میں سے کسی کو دے۔ اور چونکہ
اہل کرم کا طریق مال کا مستحق لوگوں میں خرچ کرنا اور سخاوت ان کی سیرت ہے۔ تو
پھر ان پر زکوٰۃ کہاں سے واجب ہو جائے گی۔ اور میں نے حکایات میں دیکھا ہے
کہ ایک ظاہری عالم نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ سے آزمائش کے طور پر زکوٰۃ کی
نسبت پوچھا کہ ادا کرنا چاہیئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب بخل موجود ہو اور مال حاصل
ہو تو دو سو درہم میں پانچ درہم دینے چاہئیں۔ اور ہر بیس دینار میں تمہارے
مذہب کے مطابق نصف دینار ادا کرنا چاہیئے۔ لیکن میرے مذہب میں کوئی
چیز اپنی ملکیت نہیں بنانا چاہیئے۔ تاکہ زکوٰۃ کے مشغلہ سے تو چھوٹ جائے
یہ سن کر اس عالم نے کہا۔ اس مسئلہ میں آپ کا امام کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہ جو کچھ ان کے پاس تھا۔ سب راہِ حق میں دے دیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ نے پوچھا۔ مَا خَلَّفْتَ لِعِيَالِكَ (تو نے اپنے اہل و عیال کے لئے کیا کچھ چھوڑا؟) تو انہوں نے عرض کیا۔ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (اللہ اور اس کا رسول صلے اللہ علیہ وسلم) اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ شعر ؎

فَمَا وَجَبَتْ عَلَيَّ زَكٰوةُ مَالٍ
وَهَلْ تَجِبُ الزَّكٰوةُ عَلَى الْجَوَادِ

(مجھ پر مال کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ اور کیا سخی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں)۔

پس ان کا مال راہِ حق میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اور ان کا خون اللہ کے لئے معاف ہوتا ہے۔ نہ وہ لوگ مال میں بخل کرتے ہیں۔ اور نہ خون پر کوئی گلہ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی کوئی ملک ہی نہیں ہوتی۔ لیکن اگر کوئی شخص جہالت کا ارتکاب کرکے کہے کہ میرے پاس کوئی مال نہیں۔ اس لئے زکوٰۃ کے علم سے میں مستغنی ہوں تو یہ سخت غلطی ہے۔ کیونکہ علم کا سیکھنا ہر مومن پر فرض عین ہے۔ اور علم سے استغنا کرنا کفر ہے۔ اور اس زمانہ کی خرابیوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ نیکی اور فقر کے مدعی لوگ اپنی جہالت سے علم کو ترک کر دیتے ہیں۔ ایک دفعہ میں صوفیوں کی ایک جماعت کو جو مبتدی تھے۔ کچھ فقہی مضمون سکھا رہا تھا۔ کہ ایک جاہل آ گیا۔ اور میں اس وقت اونٹوں کی زکوٰۃ کے مسائل بیان کر رہا تھا۔ بنت لبون[1] بنت مخاض[2] اور حقہ[3] کا حکم بیان کر رہا تھا۔ اس جاہل کا دل ان باتوں کے سننے سے تنگ آ گیا۔ اور اٹھ کر کہنے لگا کہ میرے پاس تو کوئی اونٹ نہیں۔ کہ بنتِ لبون کا علم مجھے درکار ہو۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ اے فلانے! جتنا ہمیں زکوٰۃ ادا کرنے کا علم ہونا چاہیئے۔ اتنا ہی اس کے لینے کا بھی علم درکار ہے۔ اگر کوئی شخص تجھے بنتِ لبون دیدے۔ اور تو اس کو لے لے۔ تو تجھے بنتِ لبون کے علم کو ترک کرنے کے لئے نہ کہنا چاہیئے اور اگر کسی کے پاس مال نہ ہو۔ اور مال کی ضرورت بھی نہ ہو تو بھی علم کی فرضیت اس سے ساقط نہیں ہوتی۔ پس جہالت سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

[1] بنت لبون۔ اونٹ کا تین سالہ بچہ۔ [2] بنت مخاض اونٹ کا دو سالہ بچہ [3] حقہ اونٹ کا چار سالہ بچہ

دُوسری فصل

زکوٰۃ لینے کے متعلق مشائخ صُوفیہ کا عمل

اور مشائخ صُوفیہ میں سے بعض وہ ہیں۔ جنہوں نے زکوٰۃ لی ہے۔ اور بعض وہ میں جنہوں نے نہیں لی۔ جن کا فقر اختیاری ہوتا ہے۔ اُنہوں نے زکوٰۃ نہیں لی۔ کہ جب ہم مال جمع نہیں کریں گے تو زکوٰۃ بھی نہیں دینی پڑے گی۔ اور دنیاداروں سے ہم لیتے بھی نہیں۔ کہ اُن کا ہاتھ ہم سے اُونچا اور ہمارا ہاتھ اُن سے نیچا نہ ہو۔ اور جن کا فقر مجبوری اور غربت کی وجہ سے ہے۔ اُنہوں نے زکوٰۃ لی ہے۔ لیکن نہ اپنی ضرورت کے لیئے بلکہ اس لیئے کہ مسلمان بھائی کی گردن سے فرض اُتار دیں۔ اور جب نیت یہ ہو تو اُونچا ہاتھ بھی ہوگا نہ وہ۔ اگر دینے والے کا ہاتھ بلند ہوتا اور لینے والے کا نیچا تو اللہ تعالےٰ کے اس قول وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ (وہ صدقات وصول کرتا ہے) کے معنی ہی باطل ہو جاتے۔ اور لازم آتا کہ زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ لینے والے سے افضل ہو۔ حالانکہ یہ اعتقاد صریح گمراہی ہے۔ پس بلند ہاتھ وہ ہے کہ کوئی چیز واجب ہونے کی وجہ سے مسلمان بھائی کی گردن پر سے اُٹھا لے۔ تاکہ اُس کا بوجھ اُس مسلمان کی گردن سے اُتر جائے۔ فقراء دنیادار نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اہل عقبےٰ ہوتے ہیں۔ اور اگر اہل عقبےٰ اہلِ دنیا کی گردن سے بوجھ نہ اُٹھاتے تو اس فرض کے ادا کرنے کا حکم اُس پر قائم رہے اور قیامت میں اُس کے سبب گرفتارِ بلا ہو۔ پس خداوند تعالےٰ نے اہل عقبیٰ کا مناسب طور پر اور آسان طریق سے امتحان لیا ہے۔ تاکہ اہل دُنیا اُس فرض کے بوجھ کو اپنی گردن سے اُتار سکیں۔ اور یقیناً بلند ہاتھ فقیروں کا ہاتھ ہی ہوتا ہے۔ جو شریعت کے حکم کے مطابق اپنا حق لینے والے ہوتے ہیں۔ اُس شخص سے جس پر خداوند تعالےٰ کا حق واجب ہوتا ہے۔ اور اگر زکوٰۃ لینے والے کا ہاتھ نیچا ہاتھ ہوتا جیسا کہ حشویہ لوگوں کا ایک گروہ کہتا ہے۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ پیغمبروں کا ہاتھ نیچا ہوتا۔ کہ وہ اللہ تعالےٰ کا حق بندوں سے وصول کرتے۔ اور شرائط کے مطابق صحیح مصرف میں خرچ کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ غلطی پر ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ پیغمبر امر الٰہی سے زکوٰۃ لیتے تھے اور پیغمبروں کے بعد دین کے امام بھی اسی طریق پر عمل پیرا رہے ہیں۔ جو بیت المال

کا حق لیتے رہے۔ اور جو شخص زکوٰۃ لینے والے کے ہاتھ کو نیچا۔ اور زکوٰۃ دینے والے کے ہاتھ کو اونچا سمجھتا ہے۔ وہ سخت غلطی پر ہے۔ ان دونوں باتوں کو تصوّف میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ چونکہ اس موضوع سے جُود و سخا کا گہرا تعلق ہے اس لئے میں اس کے متعلق بھی کچھ ذکر کئے دیتا ہوں۔ اور توفیق وعصمت اللہ کے قبضہ میں ہے۔

تیئیسواں باب
جُود و سخا کے بیان میں

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّۃِ وَبَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَبَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّۃِ۔ (سخی آدمی بہشت سے قریب اور دوزخ سے دُور ہے۔ اور بخیل آدمی دوزخ کے نزدیک اور بہشت سے دُور ہے) اور نیز فرمایا ہے۔ کَافِرٌ سَخِیٌّ عِنْدَ اللّٰہِ اَفْضَلُ مِنْ مُؤْمِنٍ بَخِیْلٍ (کافر سخی اللہ کے نزدیک بخیل مومن سے اچھا ہے) اور علماء کے نزدیک مخلوقات کی صفات میں جود و سخا دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ لیکن غور سے دیکھا جائے۔ تو یہ صحیح نہیں کیونکہ حق تعالےٰ کو جواد کہتے ہیں۔ سخی نہیں کہتے۔ کیونکہ جواد کے متعلق توقیف[1] موجود ہے۔ اور سخی کے متعلق توقیف ثابت نہیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے آپ کو سخی کے نام سے نہیں پکارا ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ عَلَیْہِ وسلم سے بھی اس کے متعلق کوئی حدیث نہیں آئی ہے اور تمام امّت واہل سنّت کے اجماع سے یہ بات روا نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالےٰ کا عقل ولغت کی رُو سے کوئی ایسا نام رکھے جس پر کتاب وسنّت گواہ نہ ہو۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ عالم ہے۔ اور اجماع امّت سے اس کو عالم کہنا چاہیئے لیکن عاقل وفقیہہ نہیں کہنا چاہیئے۔ اگرچہ یہ تینوں نام مترادف ہیں۔ اور ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں۔ عالم چونکہ ایک توقیفی اسم ہے۔ اس وجہ سے اس کا اطلاق اللہ تعالےٰ پر جائز سمجھا

[1] اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو کسی امر سے واقف کرنا اور اس امر کو وحی کے ذریعہ متعین کرنا توقیف ہے۔

گیا ہے۔ اور عاقل و فقیہہ چونکہ توقیفی نہیں یعنی کتاب و سنّت سے ثابت نہیں۔ اس لئے
ان کا اطلاق اللہ تعالےٰ پر ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اور بعض لوگوں نے جود و سخا کے
درمیان فرق کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ سخی وہ ہے جو سخاوت میں اپنے پرائے کی تمیز
کرے۔ اور جو کچھ وہ کرے کسی دنیاوی غرض اور سبب سے وابستہ ہو۔ اور
سخاوت میں یہ ابتدا کا مقام ہے۔ اور جواد وہ ہوتا ہے جو بخشش کرتے وقت اپنے
اور بیگانے کی تمیز نہ کرے۔ اور اس کی سخاوت بے غرض اور بلا سبب ہو۔ اور
یہ دو پیغمبروں کا حال ہے۔ اُن دونوں پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔ ایک ان
میں سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور دوسرے حبیب اللہ حضرت محمد رسول
اللہ صلّے اللہ علیہ وسلّم ہیں۔ اور صحیح احادیث میں آیا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ
السّلام جب تک کوئی مہمان نہ آجائے۔ کچھ نہ کھاتے تھے۔ ایک دفعہ تین روز
تک کوئی شخص نہ آیا۔ آخر ایک آتش پرست آپ کے گھر کے دروازہ پر آگیا۔
آپ نے اُس سے پوچھا تو کون ہے۔ اُس نے کہا میں آتش پرست ہوں۔ آپ
نے فرمایا چلا جا۔ تو میری مہمانی اور مہربانی کے لائق نہیں۔ اس پر اللہ تعالےٰ کی
طرف سے آپ کو عتاب ہوا۔ کہ جس شخص کی ستّر سال تک میں نے پرورش کی ہے
تجھے اتنا بھی گوارا نہ ہوا کہ اُسے ایک روٹی دے دے۔ لیکن اس کے برعکس جب
حاتم کا بیٹا عدی سیّد عالم صلّے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں آیا۔ تو حضورؐ نے اپنی
چادر اُٹھا کر اُس کے نیچے بچھا دی۔ اور فرمایا اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ
(جب تمہارے پاس کسی بھی قوم کا کوئی شریف آدمی آجائے۔ تو اُس کی تکریم
کرو۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے بخشش میں اپنے پرائے کی تمیز کی۔ اور
ایک روٹی تک کسی غیر مذہب والے کو دینا گوارا نہ کیا۔ اور حضور صلی اللہ عَلَیْہِ وسلم
نے اپنے پرائے میں کوئی تمیز نہ کی۔ تو انہوں نے نبوت کی چادر کو کافر کا فرش
بنا دیا۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام سخاوت تھا۔ اور حضور اکرم
صلّے اللہ عَلَیْہِ وسلم کا مقام جُود تھا۔ اور اس بارے میں سب سے اچھا
مذہب وہ ہے۔ جو کہتے ہیں کہ جُود خیالِ اوّل کی پیروی کرنا ہے۔ اور جب
دوسرا خیال پہلے خیال پر غلبہ کر لیتا ہے تو وہ بخل کی علامت ہوتی ہے اور

اہلِ تحقیق یعنی نیکی حاصل کرنے والوں نے اُسی پہلے خیال کو ترجیح دی ہے۔
کیونکہ لامحالہ پہلا خیال حق تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے
کہ نیشاپور میں ایک سوداگر تھا۔ جو ہمیشہ حضرت شیخ ابو سعید رحمۃ اللہ کی مجلس
میں رہتا تھا۔ ایک دن حضرت شیخ نے کسی درویش کے لیئے کچھ طلب کیا۔
سوداگر نے بیان کیا ہے کہ میرے پاس اُس وقت ایک دینار اور قراضہ یعنی
چاندی کا ایک چھوٹا سکہ تھا۔ پہلے تو جی میں آیا۔ کہ دینار دے دوں۔ لیکن پھر
خیال آیا کہ قراضہ دینا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے قراضہ دے دیا۔ جب حضرت شیخ
باتیں کرنے لگے۔ تو میں نے آپ سے پوچھا۔ کہ کیا یہ بات روا ہے کہ کوئی شخص
حق تعالےٰ سے معارضہ کرے؟ حضرت شیخ نے فرمایا۔ تو نے البتہ حق تعالےٰ سے
معارضہ کیا ہے کہ اُس نے تو کہا تھا کہ دینار دے اور تو نے قراضہ دیا۔ نیز مجھے
معلوم ہُوا ہے کہ شیخ ابو عبداللہ محمد رود باری رحمۃ اللہ ایک مُرید کے گھر میں
داخل ہوئے۔ مُرید موجود نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اُس کے گھر کا سامان بازار میں
لے جائیں۔ اور سب فروخت کرکے اللہ کی راہ میں دیدیں۔ جب مُرید آیا تو اِس
بات سے خوش ہُوا۔ اور شیخ کی خوشنودی کے واسطے کچھ نہ کہا۔ اور جب اُس کی
عورت آئی تو اِس معاملہ کو دیکھ کر گھر کے اندر چلی گئی۔ اور اپنے کپڑے اُتار کر
پھینک دیئے اور کہنے لگی کہ یہ بھی گھر کے سامان میں سے ہے۔ اور ان کا بھی یہی
حکم ہے۔ خاوند نے اُس کو پکار کر کہا کہ تُو نے یہ تکلف کیا۔ اور یہ فعل تُو نے
ذاتی اختیار سے کیا۔ شیخ کا حکم نہ تھا۔ عورت نے کہا۔ کہ بھلے آدمی! جو کچھ شیخ
نے کہا وہ جُود تھا۔ اس لیئے ہمیں چاہیئے کہ ہم بھی تکلیف اُٹھا کر جُود کریں۔ خاوند
نے کہا۔ کہ ہاں یہ صحیح ہے۔ لیکن جب ہم نے شیخ کو اپنے لیئے تسلیم کر لیا ہے تو
تو اُن کا یہ کام ہماری طرف سے عین جُود ہے۔ اور جُود آدمی کی صفت میں
تکلف کرنا ہوتا ہے اور مجاز ہے۔ ہمیشہ مُرید کو چاہیئے کہ اپنی مِلک اور
نفس کو امرِ الٰہی کی موافقت میں خرچ کرے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سہل بن
عبداللہ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے۔ اَلصُّوْفِیُّ دَمُہٗ ھَدْرٌ وَّ مِلْکُہٗ مُبَاحٌ
(صوفی کا خون معاف ہے۔ اور اُس کی ملکیت عام لوگوں کے لیئے مباح ہے)

میں نے شیخ ابُومُسلم فارسی رَحمۃُ اللہ سے سُنا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ ایک دفعہ میں نے ایک جماعت کے ہمراہ حجاز جانے کا ارادہ کیا۔ تو حلوان کے گرد و نواح میں کُردوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ اور ہمارے چیتھڑے ہم سے چھین لئے۔ اور ہم نے اُن سے کچھ بھی جھگڑا نہ کیا۔ بلکہ اُن کی دلجوئی کی۔ اندریں حال ہمارے درمیان میں ایک شخص تھا جو بیقراری کر رہا تھا۔ جیسے دیکھ کر ایک کُرد نے تلوار سونت لی۔ اور اُس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ہم سب نے اُس کُرد کے پاس اُس کی سفارش کی۔ تو اُس نے کہا کہ یہ روا نہیں کہ میں اُس جھوٹے کو زندہ چھوڑ دوں میں تو اُس کو ضرور ہی قتل کروں گا۔ ہم نے اُس کے قتل کرنے کا سبب پوچھا۔ تو اُس نے کہا۔ کیونکہ وہ صوفی نہیں۔ اور اولیا کی صحبت میں خیانت کرتا ہے۔ ایسے شخص کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ میں نے کہا۔ وہ کیسے؟ اُس نے کہا اِس لئے کہ صوفیوں کے لئے سب سے کم درجہ جُود کرنا ہے۔ اور اِس کی گُدڑی میں چند ٹکڑے بندھے ہیں۔ یہ شخص کیسے صوفی ہو سکتا ہے۔ جو اپنے دوستوں کے ساتھ اتنا جھگڑا کرتا ہے۔ کیونکہ ہم لوگ کئی سال سے تمہارا ہی کام کر رہے ہیں۔ اور تمہیں راستہ میں لُوٹ کر دُنیا کے تعلقات کو تم سے قطع کرتے ہیں ٭

کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عَنہُ کا ایک دفعہ کسی نخلستان کے پاس سے لوگوں کی ایک جماعت پر گذر ہُوا۔ اور ایک حبشی غلام کو دیکھا۔ جو بھیڑ بکریاں چرا رہا تھا۔ اتنے میں ایک کُتّا آ کر اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ غلام نے ایک روٹی نکال کر اُس کتّے کو دے دی۔ اور اِس طرح دوسری اور تیسری بھی اُس کے آگے ڈال دی۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ رَضِیَ اللہ عَنہُ نے اُس کے پاس جا کر فرمایا۔ اے غلام! تیری ہر روز کی خوراک کتنی ہے۔ اُس نے کہا بس اتنی ہی جو آپ نے دیکھی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تُو نے وہ خوراک کتّے کو کیوں دے دی۔ اُس نے جواب دیا۔ اِس لئے کہ یہ کُتّوں کی جگہ نہیں۔ اور وہ کہیں دُور سے اِس اُمید پر آیا ہے۔ چنانچہ میں نے خود اِس بات کو پسند نہیں کیا کہ اُس کی تکلیف کو ضائع کروں۔ حضرت

عبداللہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کو اُس کی یہ بات بہت پسند آئی۔ اور اُس غلام کو مع بھیڑ بکریوں اور کھجوروں کے باغ کے خرید لیا۔ اور پھر اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا اور اُسے کہا کہ یہ بھیڑ بکریاں اور باغ میں نے تجھے بخش دیا۔ غلام نے آپ کو دُعا دی اور بھیڑ بکریوں کو اللہ کی راہ میں دے کر وہاں سے چلا گیا +

روایت ہے کہ ایک شخص حضرت حسن بن علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے گھر کے دروازہ پر آگیا۔ اور کہنے لگا۔ اے پیغمبر خدا صَلَّے اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بیٹے! میرے ذمے چار سو درہم چاندی کے واجب الادا قرض ہیں۔ حضرت امیر المومنین حسن رَضِیَ اللہُ عنہ نے اُسی وقت اُس کو چار سو درہم چاندی کے دے دینے کا حکم دیا۔ اور روتے ہوئے گھر کے اندر چلے گئے۔ لوگوں نے پوچھا۔ اے پیغمبر خدا صَلَّے اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بیٹے! آپ کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اِس لئے کہ پہلے سے اُس شخص کا حال دریافت کرنے میں مَیں نے کوتاہی کی۔ اور آخر کار اُس کو سوال کرنے کی ذلت اُٹھانا پڑی +

کہتے ہیں کہ حضرت ابو سہل صعلوکی رَحمۃُ اللہ کبھی صدقہ کسی درویش کے ہاتھ پر نہ رکھا کرتے تھے۔ اور جو کچھ بخشتے تھے کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا کرتے تھے۔ بلکہ اُس کو زمین پر رکھ دیا کرتے تھے۔ تاکہ وہ لوگ خود اُٹھا لیں۔ اس کے متعلق لوگوں نے جب آپ سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ دُنیا کی اتنی وقعت نہیں کہ کسی مسلمان کے ہاتھ میں دی جائے۔ تاکہ اُس کی وجہ سے میرا ہاتھ اُونچا اور اُس کا نیچا ہو +

پیغمبر صَلَّے اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت ہے کہ ایک دفعہ شاہ حبش نے آپ کو دو سیر مُشک بھیجا۔ تو آپ نے ایک ہی بار اُس کو پانی میں ڈال دیا۔ اور اپنے اور دوستوں کے جسموں پر مل دیا۔ حضرت انس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے مروی ہے۔ کہ ایک شخص سید عالم صَلَّے اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس آیا۔ حضور نے اُس کو دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی جو بھیڑ بکریوں سے پُر تھی بخش دی جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس لَوٹ کر گیا۔ تو کہنے لگا۔ اے قوم! مسلمان ہو جاؤ۔ کہ محمد صَلَّے اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایسی بخشش فرماتے ہیں۔ کہ اپنی مفلسی سے

بھی نہیں ڈرتے +

نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ اسی ہزار درہم آئے۔ آپ نے ان کو ایک گدڑی پر ڈال دیا۔ اور جب تک ان سب کو راہ مولا میں دے ڈالا۔ حضور اس جگہ سے نہ اُٹھے +

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دفعہ ایسی حالت میں دیکھا کہ آپ نے بھوک کی وجہ سے پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا تھا +

اور میں نے متاخرین میں سے ایک درویش کو دیکھا۔ کہ ایک بادشاہ نے تین سو درہم کے وزن کے برابر خالص سونا اس کو بھیجا کہ وہ اس سے لے کر حمام میں چلے گئے۔ اور سب کا سب سونا اہل حمام کو دے کر چلے آئے۔ اور اس سے پہلے نوری فرقہ کے بیان کے ضمن میں ایثار کے متعلق میں نے کچھ مثالیں اور حکایتیں بیان کی ہیں۔ لہٰذا اس جگہ اتنے پر ہی اکتفا کیا گیا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ +

چوبیسواں باب

ساتویں پردہ کے کھولنے کے بیان میں

پہلی فصل

روزہ کی حقیقت

خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ (الآیۃ)۔ (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ (روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا) اس لئے کہ روزہ باطنی عبادت

ہے۔ جو ظاہر سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ اور غیر کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔ اور اسی سبب سے اس کی جزا بھی بہت بڑی ہے۔ اور کہتے ہیں کہ لوگوں کا بہشت میں داخلہ رحمت الٰہی سے ہوگا۔ اور درجات بقدر عبادات کے اور بہشت میں ہمیشہ رہنا روزے کی جزا کے طور پر ہوگا۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ (میں اس کی جزا دوں گا)۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے۔ اَلصَّوْمُ نِصْفُ الطَّرِیْقَۃِ (روزہ آدھی طریقت ہے) اور میں نے کچھ ایسے مشائخ کو دیکھا ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اور بعض کو دیکھا ہے کہ سوائے ماہ رمضان کے روزے نہ رکھتے تھے۔ اور وہ رمضان کے روزے رکھنا طلب اجر کے لئے تھا۔ اور غیر رمضان میں روزہ نہ رکھنا اپنے اختیار اور ریا کو ترک کرنے کے لئے تھا۔ اور یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض مشائخ نفلی روزہ رکھتے لیکن کوئی نہیں جانتا تھا۔ اور جب لوگ کھانا لاتے تو کھا لیتے تھے۔ اور یہ بات سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ موافق ہے۔ چنانچہ حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ تو انہوں نے کہا۔ اِنَّا قَدْ خَبَّأْنَا لَکَ حَیْسًا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنِّیْ کُنْتُ اُرِیْدُ الصَّوْمَ وَلٰکِنْ قَرِّبِیْہِ سَاَصُوْمُ یَوْمًا مَکَانَہٗ (ہم نے آپ کے لئے کھجور کا حلوہ پکایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرا تو روزہ رکھنے کا ارادہ تھا۔ لیکن تم اسے لے آؤ۔ میں اس کے بدلے کسی اور دن کا روزہ رکھ لوں گا۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ مشائخ ایام بیض یعنی ہر ماہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ اور محرم کی دسویں کے روزے رکھا کرتے تھے۔ نیز میں نے دیکھا کہ وہ صوم داؤد بھی رکھا کرتے تھے۔ جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر الصیام کہا ہے۔ اور وہ ایک دن روزہ رکھنا اور دوسرے دن افطار کرنا ہے۔ ایک دفعہ میں شیخ احمد بخاری کے پاس آیا۔ آپ کے سامنے حلوے کا طبق رکھا ہوا تھا۔ اور آپ اس سے کھا رہے تھے۔ آپ نے میری طرف اشارہ فرمایا۔ میں نے بچپن کی عادت

کے مطابق کہہ دیا۔ کہ میں روزہ سے ہوں۔ آپ نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ فلاں بزرگ کی موافقت میں، آپ نے فرمایا کہ مخلوق کو کسی مخلوق کی موافقت و پیروی کرنا درست نہیں، میں نے روزہ افطار کرنے کا قصد کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تو اس بزرگ کی موافقت سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔ تو پھر میری موافقت بھی نہ کر کیونکہ میں بھی مخلوق میں سے ہوں۔ اور یہ دونوں امر یکساں ہیں۔ اور یاد رکھو کہ روزہ کی حقیقت نفس کو روکنا ہے۔ گو یہ تعریف مختصر بھی لیکن اتنی جامع ہے کہ پوری طریقت کے اسرار و رموز اسی میں پوشیدہ ہیں۔ اور سب سے کم درجہ روزہ میں بھوکا رہنا ہے۔ اس لئے کہ وَالْجُوْعُ طَعَامُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ (اور بھوک زمین میں اللہ کا طعام ہے۔) اور بھوک شرع و عقل کی رو سے سب زبانوں میں لوگوں کے درمیان پسندیدہ ہے پس رمضان کے ایک ماہ کے روزے ہر عاقل و بالغ مسلمان تندرست مقیم پر فرض ہیں۔ اور ان کی ابتداء ماہِ رمضان کے ہلال دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اور اختتام شوال کا چاند دیکھ کر۔ اور ہر روز کے لئے صحیح نیت اور سچی شرط ضروری ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ نفس کو روکنے کی بہت سی شرطیں ہیں۔ مثلاً پیٹ کو کھانے اور پینے سے بچائے رکھے۔ آنکھ کو نظر شہوت سے، کان کو غیبت سننے، زبان کو لغو اور بیہودہ باتوں اور جسم کو دنیا کی متابعت اور شریعت کی مخالفت سے محفوظ رکھے اس وقت کوئی شخص حقیقی طور پر روزہ دار ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا۔ اِذَا صُمْتَ فَلْیَصُمْ سَمْعُکَ وَبَصَرُکَ وَلِسَانُکَ وَیَدُکَ وَکُلُّ عُضْوٍ مِنْکَ (جب تو روزہ رکھے تو چاہیئے کہ تیرے کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور تیرا ہر عضو بھی روزہ رکھے۔) اور نیز حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صَوْمِہٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالْعَطْشُ (بہت سے روزہ دار ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

اور میں (علی بن عثمان جلابیؒ) نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اَوْصِنِیْ (یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمایئے) آپ نے فرمایا اِحْبِسْ لِسَانَکَ وَحَوَاسَکَ (اپنی

زبان اور دوسرے سب حواس کو بند رکھے۔ کیونکہ حواس کو بند رکھنا ہی پورا مجاہدہ ہے۔ اس لئے کہ تمام علوم انہی کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔ اور وہ حواس دیکھنے، سننے چکھنے، سونگھنے اور چھونے کی قوتیں ہیں۔ حواس علم و عقل کے سپہ سالار ہیں۔ ان میں سے چار حواس کا محل مخصوص ہے۔ البتہ ایک حس سارے جسم میں پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ آنکھ نظر کا محل ہے۔ جو جسم اور رنگ کو دیکھتی ہے۔ کان شنوائی کا محل ہے جو خبر اور آواز کو سنتا ہے۔ تالو ذائقہ کا محل ہے جو مزہ اور بے مزہ کو جانتا ہے اور ناک سونگھنے کا محل ہے۔ جو خوشبو اور بدبو کو معلوم کرتا ہے۔ اور لمس یعنی چھونے کا کوئی خاص محل نہیں۔ بلکہ تمام اعضائے بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ جو کہ نرمی اگرمی سردی اور سختی کو محسوس کرتی ہے۔ یاد رکھو کہ بدیہی اور الہامی امور کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں جس کا علم انسان کو ان پانچ طریقوں کے سوا کسی اور طریق سے حاصل ہو۔ کیونکہ الہامی امور میں کوئی خرابی نہیں ہو سکتی۔ اور ان حواس خمسہ میں سے ہر ایک طریقہ میں صفائی بھی ہے اور کدورت بھی۔ کیونکہ جس طرح علم و عقل اور روح کو ان حواس میں دخل حاصل ہے۔ اسی طرح نفس اور خواہش نفسانی کو بھی گویا یہ حواس فرمانبرداری، نافرمانی، نیک بختی اور بدبختی میں۔ قدرِ مشترک ہیں۔ پس حق تعالے کی ولایت سمع و بصر میں امر خیر کا دیکھنا اور سننا ہے۔ لیکن نفس کی ولایت جھوٹ کا سننا اور شہوت سے نظر کرنا ہے۔ اور چھونے اور چکھنے اور سونگھنے میں ولایت حق حکم الٰہی کی موافقت اور سنت کی متابعت ہے۔ اور نفس کی ولایت فرمان حق و شریعت کی مخالفت۔ پس روزہ دار کو چاہیئے کہ وہ بہرکیف ان پانچ حواس کو اپنے قابو میں رکھے۔ یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی مخالفت کو چھوڑ کر شریعت کی پوری طرح پیروی اختیار کرے۔ تاکہ وہ صحیح معنوں میں روزہ دار کہلائے۔ ورنہ صرف کھانے پینے سے روزہ رکھنا بچوں اور بوڑھی عورتوں کا کام ہے۔ روزہ دراصل لہو و غیبت اور حرام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے۔ خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ (ہم نے اُن کے ایسے اجسام نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھائیں) اور نیز فرمایا ہے۔ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا (کیا تم نے خیال کر لیا ہے۔ کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے؟) یعنی ہم نے ہر ایک مخلوق

کو کھانے کا محتاج کیا ہے۔ اور لوگوں کو کھیل کود کے لیئے پیدا نہیں کیا پس درحقیقت نفس کو کھیل اور حرام سے روکنا چاہیئے۔ نہ صرف حلال کے کھانے سے مجھے اُس شخص پر سخت تعجب ہے۔ جو کہتا ہے۔ کہ میں نے نفلی روزہ رکھا ہے۔ حالانکہ وہ فرض کو ترک کرتا ہے۔ کیونکہ نافرمانی نہ کرنا فرض ہے۔ اور ہمیشہ نفلی روزے رکھنا سنت ہے۔ پس ہم دل کی اِس سختی سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اور جب کوئی شخص اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے محفوظ ہو جائے۔ تو پھر اُس کے تمام احوال ہی روزہ ہوتے ہیں ✦

اور کہتے ہیں کہ سہل بن عبداللہ تستری رحمۃُ اللہ جس دن شکم مادر سے پیدا ہوئے۔ روزہ دار تھے۔ اور جس دن دُنیا سے رُخصت ہوئے اُس روز بھی روزہ دار تھے۔ لوگوں نے کہا۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ جواب دیا کہ جس دن آپ کی پیدائش ہوئی صبح کا وقت تھا۔ آپ نے صبح سے شام تک کوئی دودھ نہ پیا۔ اور جب دُنیا سے رُخصت ہوئے تو خود روزہ دار تھے۔ یہ روایت ابوطالب مالکی رحمۃُ اللہ نے بیان کی ہے۔ لیکن روزۂ وصال[1] کی پیغمبر صلّے اللہ علیہ وسلم سے نہی آئی ہے کیونکہ جب حضور صلّے اللہ علیہ وسلم وصال کرتے تو صحابہ بھی حضور کی موافقت کرتے تھے۔ تب حضورؐ نے فرمایا۔ کہ تم لوگ روزۂ وصال نہ رکھو۔ اِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔ میں تم میں سے کسی ایک کی طرح نہیں ہوں۔ کیونکہ میں اللہ تعالےٰ کے پاس رات بسر کرتا ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے پس اہلِ مجاہدہ کہتے ہیں کہ وہ نہی شفقت ہے نہ کہ نہی تحریم۔ اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ روزۂ وصال رکھنا خلافِ سنّت ہے لیکن حقیقت میں وصال کا روزہ خود محال ہے۔ اِس لیئے کہ جب دن گذر گیا تو رات کو روزہ نہیں ہوتا۔ اور جب روزہ کی نیت رات کو باندھتا ہے۔ تو وصال نہ ہوگا ✦

اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃُ اللہ سے روایت ہے۔ کہ آپ ہر پندرہ روز میں ایک بار کھانا کھاتے تھے۔ اور جب ماہ رمضان ہوتا

---

[1] افطار کئے بغیر پے در پے روزہ رکھنا۔ یا لگاتار روزے رکھنا۔

تو عید تک کچھ کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور ہر رات چار سو رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ اور سوائے توفیق الٰہی کے ایسا کر نہیں سکتے۔ دراصل وہ تائیدِ الٰہی ہی ہے۔ جو اُس شخص کی غذا ہو جاتی ہے۔ اور ایک کی غذا تو دُنیا کا کھانا ہے۔ اور دوسرے کی غذا تائید الٰہی ہے۔

شیخ ابو نصر سراج طاؤس الفُقراء صاحب لمعہ رَحِمَہُ اللہ سے یہ بات مشہور ہے۔ کہ ایک دفعہ آپ ماہِ رمضان میں بغداد پہنچے تو مسجد شونیزیہ میں آپ کو ایک الگ حجرہ مل دیا گیا۔ اور درویشوں کی امامت بھی آپ کے سپرد کر دی گئی آپ عید تک اپنے اصحاب کی امامت کرتے رہے۔ اور تراویح میں آپ نے پانچ قرآن مجید ختم کئے۔ ہر رات کو خادم ایک روٹی حجرہ میں آپ کو دے آتا۔ جب عید کا دن ہوا تو آپ وہاں سے چلے گئے۔ اور خادم نے دیکھا کہ سب تیس کی تیس روٹیاں بدستور موجود تھیں +

علی بن بکّار رَحِمَہُ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حفص مصیصی رَحِمَہُ اللہ کو دیکھا ہے۔ کہ رمضان میں سوائے پندرھویں روز کے آپ نے کچھ نہیں کھایا +

ابراہیم ادہم رَحِمَہُ اللہ سے روایت ہے۔ کہ رمضان میں اوّل سے اخیر تک آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ حالانکہ گرمی کا موسم تھا۔ اور ہر روز مزدوری پہ گیہوں کاٹتے تھے۔ اور جو کچھ مزدوری لیتے تھے۔ وہ سب درویشوں کو دے دیتے تھے۔ اور ساری رات دن نکلنے تک نماز نفل ادا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو محفوظ رکھا۔ نہ اُنہوں نے کھایا اور نہ آپ سوئے +

شیخ عبداللہ بن خفیف رَحِمَہُ اللہ سے روایت ہے کہ جب دُنیا سے آپ نے رحلت کی۔ تو چالیس چلّے پے در پے آپ نے کاٹے تھے + اور میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ جنگل میں ہر سال دو چلّے کاٹا کرتے تھے +

اور دانشمند ابو محمد بالقری رَحِمَہُ اللہ نے جب دُنیا سے رحلت فرمائی۔ تو میں وہاں حاضر تھا۔ اسّی روز سے آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اور

کسی نماز میں بھی جماعت فوت نہ ہوئی تھی ۔

میں نے متاخرین میں سے ایک درویش کو دیکھا کہ اسّی دن رات تک اس نے نہ کچھ کھایا تھا اور نہ کسی نماز میں آپ سے جماعت فوت ہوئی تھی ۔

مرو میں دو بزرگ تھے ۔ ایک کا نام مسعود اور دوسرے کا نام شیخ ابوعلی سیاہ تھے ۔ اللہ اُن دونوں پر رحم فرمائے ۔ مسعود نے ابوعلی کی طرف آدمی بھیجا ۔ کہ یہ فقر کا دعویٰ کب تک رہیگا ۔ آؤ چالیس روز تک ہم بیٹھیں ۔ اور کچھ نہ کھائیں ۔ ابوعلی نے اُسے جواب دیا کہ آؤ ہر روز تین بار کھائیں اور چالیس روز تک ایک ہی وضو میں رہیں ۔ یہاں ایک اشکال ہے ۔ جس کا دور کرنا ضروری ہے کیونکہ جاہل لوگ اس کو سند بنا کر کہتے ہیں ۔ کہ روزہ وصال جائز ہے ۔ حالانکہ حضور اکرم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے ۔ اور طبیب لوگ بھی اس کو ناممکن العمل قرار دیتے ہیں ۔ اسی لئے میں اس مسئلہ کو پورے طور پر بیان کرتا ہوں ۔ تاکہ وہ مشکل حل ہو جائے ۔

جاننا چاہیئے کہ ایسے طور پر روزہ وصال رکھنا کہ فرمان الٰہی کی تعمیل میں کوئی خلل نہ آئے ۔ کرامت ہے اور کرامت خاص لوگوں کو حاصل ہوتی ہے ۔ نہ کہ عام کو ۔ اور جب اس کا حکم عام نہیں تو عوام کو اس کا حکم دینا درست نہیں اور اگر کرامت کا اظہار عام ہوتا تو ایمان لانا جبر ہوتا ۔ اور معرفت پر عارفوں کو کوئی ثواب نہ ہوتا پس چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب معجزہ تھے ۔ اس لئے آپ نے روزہ وصال علانیہ رکھا ۔ اور اہل کرامت کو اس کے ظاہر کرنے سے منع فرمادیا ۔ کیونکہ کرامت کی شرط پوشیدہ رکھنا اور معجزہ کی شرط ظاہر کرنا ہے ۔ اور یہ فرق معجزہ کرامت کے درمیان بالکل واضح ہے اور جس کو ہدایت ہو اس کے لیئے اتنا بیان کافی ہے ۔ اور اُن کے چلّہ کا اصل حضرت موسےٰ علیہ السلام کے حال سے تعلق رکھتا ہے ۔ اور مقام کی حالت میں مکالمہ درست ہوتا ہے ۔ اور اولیا جب چاہتے ہیں ۔ کہ خداوند تعالےٰ کا کلام باطن سے سنیں تو وہ چالیس روز بھوکے رہتے ہیں ۔ اور جب تیس روز گذر جاتے ہیں تو مسواک

کر لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد دس روز اور بھوکے رہتے ہیں۔ تو ضرور اللہ تعالےٰ اُن کے باطن سے کلام کرتا ہے۔ کیونکہ جو بات انبیاء کو ظاہر طور پر کرنی روا ہے اولیاء کو وہ بات اپنے باطن سے روا ہے پس کلام الہٰی کا سننا طبیعت کے باقی رکھنے کے باوجود روا نہیں۔ اور طبیعتوں کے لئے چالیس روز تک کھانے اور پینے کی نفی کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ طبائع مغلوب ہو جائیں۔ اور محبت کی صفائی اور روح کی لطافت پورے طور پر حاصل ہو جائے۔ اور اس کے لئے چونکہ زیادہ موافق بھوک کا باب ہے۔ اس لئے اب ہم اُس کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ تاکہ اگر اللہ تعالےٰ چاہے تو اُس کی حقیقت بھی تمہیں معلوم ہو جائے۔

پچیسواں باب
بھوک اور اس کے متعلقات

خداوند تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (اور ہم تم کو کچھ خوف، بھوک اور مالوں و جانوں و پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے) اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بَطْنٌ جَائِعٌ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ سَبْعِيْنَ عَابِدًا غَافِلًا۔ (بھوکا پیٹ اللہ تعالےٰ کے نزدیک ستر غافل عابدوں سے زیادہ محبوب ہے) جاننا چاہیئے کہ بھوکا رہنے کو بہت بڑا شرف حاصل ہے تمام اُمتوں اور ملتوں کے نزدیک وہ پسندیدہ ہے۔ اس لئے کہ ظاہر طور پر بھی بھوکے آدمی کا دل بہت تیز اور اُس کی طبیعت بہت تہذیب یافتہ اور زیادہ تندرست ہوتی ہے۔ خاص کر وہ بھوکا جس میں شر زیادہ نہ ہو۔ اور ریاضت و مجاہدہ سے اس نے اپنے آپ کو مہذب کر لیا ہو۔ لِأَنَّ الْجُوْعَ لِلنَّفْسِ خُضُوْعٌ وَلِلْقَلْبِ خُشُوْعٌ (کیونکہ بھوک نفس کے لئے فروتنی اور دل کے لئے عاجزی کا باعث ہے۔) کیونکہ بھوکے آدمی کا جسم پژمردہ اور دل گڑگڑانے والا ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نفسانی قوت بھوک کی وجہ سے مٹ جاتی ہے۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَجِیْعُوْا بُطُوْنَکُمْ وَاَظْمِئُوْا اَکْبَادَکُمْ وَاَعْرُوْا اَجْسَادَکُمْ لَعَلَّ قُلُوْبَکُمْ تَرَوْنَ اللّٰہَ عَیَانًا فِی الدُّنْیَا (اپنے شکموں کو بھوکا رکھو۔ اور اپنے جگروں کو پیاسا اور اپنے جسموں کو ننگا تاکہ تمہارے دل دنیا میں اللہ تعالےٰ کو دیکھ لیں۔) اگرچہ جسم کو بھوک کی وجہ سے مصیبت ہوگی لیکن دل کو اس سے نور حاصل ہوگا۔ اور روح کو صفائی اور باطن کو لقائے حق میسر ہوگا۔ اور جب باطن کو لقائے حق روح کو صفائی اور دل کو روشنی حاصل ہو۔ تو اگرچہ جسم مصیبت بھی دیکھے تو کیا نقصان ہے۔ کیونکہ پیٹ بھر کر کھانے کی کچھ وقعت نہیں۔ اگر وقعت ہوتی تو جانوروں کو پیٹ بھر کر نہ کھلاتے۔ کیونکہ پیٹ بھر کر کھانا جانوروں کا کام ہے۔ اور بھوکا رہنا بیماریوں کا علاج ہے۔ نیز بھوکا رہنا باطن کو آباد کرنا اور پیٹ بھر کر کھانا پیٹوں کو آباد کرنا ہے اگر ایک شخص اپنی ساری عمر باطن کی آبادی میں صرف کر دیتا ہے۔ تاکہ حق تعالےٰ کے لئے وہ تنہا اور تعلقات دنیا سے الگ ہو تو بھلا وہ ایسے شخص کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ جو ساری عمر بدن کی آبادی اور جسم کی خواہش کی خدمت میں خرچ کرتا ہے۔ ایک تو دنیا دار شخص ہے۔ جسے سارا جہان صرف کھانے کے لئے درکار ہے۔ اور دوسرا ولی اللہ جسے کھانا صرف عبادت کرنے کے لئے ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ کَانَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ یَاْکُلُوْنَ لِیَعِیْشُوْا وَاَنْتُمْ تَعِیْشُوْنَ لِتَاْکُلُوْا (پہلے لوگ تو کھانا صرف اس لئے کھاتے تھے کہ وہ زندہ رہ سکیں۔ اور تم اس لئے زندہ رہتے ہو کہ کھاتے رہو) اَلْجُوْعُ طَعَامُ الصِّدِّیْقِیْنَ وَمَسْلَکُ الْمُرِیْدِیْنَ وَقَیْدُ الشَّیَاطِیْنِ (بھوک صدیقوں کا کھانا اور مریدوں کا طریقہ اور شیطانوں کی قید ہے۔) اور آدم علیہ السلام کا بہشت سے زمین پر گرنا اور قرب الٰہی سے دور ہونا اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے بعد ایک لقمہ کھانے کی وجہ سے ہی تھا۔ اور درحقیقت جو شخص بھوک میں لاچار ہو۔ وہ بھوکا نہیں ہوتا۔ کیونکہ کھانے کا طالب خود کھانے والا ہوتا ہے۔ پس جس کو بھوک کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ کھانے کو ترک کرنے والا ہوتا ہے۔ نہ کہ کھانے سے روکا ہوا۔ اور جو شخص کھانے کے موجود ہونے کی حالت

میں اُس کو ترک کر دے۔ اور بھوک کا رنج اور بوجھ اٹھائے وہ فی الحقیقت بھوکا ہوتا ہے۔ اور شیطان کو مقید کرنا اور ہوائے نفس کو روکنا بھوکا رہنے کے سوا ہو نہیں سکتا۔

اور کتانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مِنْ حُکْمِ الْمُرِیْدِ اَنْ یَکُوْنَ فِیْهِ ثَلٰثَةُ اَشْیَاءَ نَوْمُهٗ غَلَبَةٌ وَکَلَامُهٗ ضَرُوْرَةٌ وَاَکْلُهٗ فَاقَةٌ (مرید کے لئے شرط یہ ہے کہ اُس میں تین باتیں موجود ہوں۔ اُس کا سونا غلبہ کی وجہ سے اور اُس کا کلام ضرورت کے سبب سے اور اُس کا کھانا فاقہ کی وجہ سے ہو) اور فاقہ بعض کے نزدیک دو رات دن بھوکا رہنا ہے۔ اور بعض کے نزدیک تین رات دن اور بعض کے نزدیک ایک ہفتہ۔ اور بعض کے نزدیک چالیس روز اس لئے کہ اہل تحقیق اس بات پر متفق ہیں کہ سچی بھوک چالیس رات دن میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ اور جو صرف جان کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ اس عرصہ کے درمیان جو خواہش ظاہر ہوتی ہے۔ وہ طبیعت کی حرص اور اُس کا غرور ہوتا ہے۔ اللہ تمہیں معاف کرے۔ تمہیں جاننا چاہیئے کہ اہل معرفت کی رگیں سب اللہ تعالیٰ کے اسرار کی دلیلیں ہیں۔ اور اُن کے دل اللہ تعالیٰ کی نظر کا مقام اور دلوں کی ضو سے اُن کے سینوں میں دروازے کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور عقل و ہوا اُن کی درگاہ پر بیٹھی ہیں۔ پس رُوح تو عقل کی مدد کرتی ہے۔ اور نفس خواہش کی۔ اور طبیعتیں جس قدر غذاؤں سے زیادہ پرورش پاتی ہیں۔ اسی قدر نفس زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور خواہش نفس زیادہ پرورش پاتی ہے۔ اور اس کا دبدبہ اعضاء میں زیادہ پھیلتا ہے۔ اور ہر ایک رگ میں اُس کے انتشار کی وجہ سے ایک اور طرح کا حجاب ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور جب غذائیں نفس کو قوی کرنے سے اتفاقاً لیتی ہیں۔ اور غذا نہ ملنے کی وجہ سے نفس کمزور ہو جاتا ہے۔ تو خواہش نفس زیادہ کمزور ہو جاتی ہے۔ اور عقل زیادہ قوی۔ اور نفس کی قوت رگوں سے منقطع ہو جاتی ہے۔ اور اسرار الٰہی اور اُس کے دلائل زیادہ واضح ہو جاتے ہیں۔ اور جب نفس اپنی حرکات سے عاجز آ جاتا ہے۔ اور خواہش نفس اپنے وجود سے فانی ہو جاتی ہے۔ تو جھوٹی ارادت حق کے ظاہر کرنے

میں محو ہو جاتی ہے۔ اس وقت مرید کی ساری مراد حاصل ہو جاتی ہے۔
حضرت ابوالعباس قصاب رحمۃ اللہ سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ میری طاعت و معصیت دو فعلوں سے وابستہ ہے یعنی جب میں کھاتا ہوں۔ تو مقام معاصی کا مادہ اپنے اندر پاتا ہوں۔ اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہوں۔ تو سب عبادت کی اصل اپنے اندر دیکھتا ہوں۔ لیکن بھوک کا ثمرہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مجاہدہ اس مشاہدہ کی اصل بنیاد ہے۔ پس سیری مشاہدہ کے ساتھ اس بھوک سے اچھی ہے جو مجاہدہ کے ساتھ ہو۔ اگر سیر ہو جانے سے مشاہدۂ حق حاصل ہو جائے۔ تو یہ اس کے بھوکا رہنے سے بہتر ہے جس میں محض مجاہدہ و ریاضت ہو۔ اور اگر اصل مقصود یعنی مشاہدہ حق حاصل نہ ہو۔ اس لئے کہ مشاہدۂ حق مردانِ الٰہی کا میدان کارزار ہے۔ اور مجاہدہ بچوں کا کھیل ہے۔ فَالشِّبَعُ بِشَاهِدُ الْحَقِّ خَيْرٌ مِّنَ الْجُوْعِ بِشَاهِدُ الْخَلْقِ (پس وہ سیری جس میں مشاہدۂ حق حاصل ہو۔ اس بھوک سے بہتر ہے جس میں خلقت کا مشاہدہ حاصل ہو) اور اس معنی میں کلام بہت ہے لیکن میں نے کتاب کی طوالت کے خوف سے اسی پر اختصار کیا ہے۔ اور توفیق اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

چھبیسواں باب
آٹھویں پردے کا کھولنا

حج کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (اللہ کے لئے بندوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جس کو اس تک پہنچنے کی استطاعت ہو) یعنی بندہ پر صحت عقل اور بلوغ اسلام اور استطاعت کے حاصل ہونے کی حالت میں شرعی فرائض میں سے ایک فرض بیت اللہ کا حج کرنا ہے۔ اور وہ میقات[1] پہنچ کر احرام باندھنا۔ اور میدان

[1] احرام باندھنے کی جگہ۔

عرفات (مکہ معظمہ سے ۱۲، ۱۳ میل کے فاصلہ پر پہاڑوں سے گھرا ہُوا ایک وسیع میدان ہے۔ جہاں نویں ذی الحجہ کو حاجی ظہر کے بعد سے لے کر سورج غروب ہونے کے بعد تک دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ اور اس جگہ کا قیام حج کے مناسک میں سے ایک اہم منسک ہے رمنسک حج کے ارکان میں سے ایک رکن کو کہتے ہیں) میں کھڑا ہونا۔ اور کعبہ کا طواف زیارت کرنا۔ اِن میں سب علماء کا اتفاق ہے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ البتہ احرام باندھے بغیر حرم مکہ میں داخل نہ ہونا چاہیئے۔ اور حرمِ مکہ کو اس لئے حرم کہتے ہیں۔ کہ اس میں مقام ابراہیم ہے۔ اور محلِ اَمن ہے۔ اور لڑنا اُس میں حرام ہے۔ پس ابراہیم علیہ السّلام کے دو مقام ہوئے۔ ایک آپ کے جسم کا مقام۔ دوسرا آپ کے دل کا مقام۔ اور آپ کے جسم کا مقام یعنے قیام گاہ تو مکّہ ہے۔ اور آپ کے دل کا مقام خلّت سے خالص محبتِ الٰہی ہے۔ جو شخص آپ کے جسم کے مقام کا قصد کرے۔ اُسے تمام شہوات اور لذّاتِ نفسانی سے اعراض کرنا چاہیئے۔ یعنی احرام باندھ کر گویا کفن پہن لینا۔ حلال شکار سے ہاتھ اُٹھا لینا۔ تمام حواس کو بند کر لینا۔ عرفات میں حاضر ہونا اور وہاں سے مُزدلفہ و مشعر الحرام میں جانا۔ اور کنکریاں اُٹھا کر مکہ میں کعبہ کا طواف کر کے پھر منیٰ میں آنا اور وہاں تین روز تک ٹھہرنا۔ اور کنکریاں مقررہ شرط کے ساتھ جمروں پر مارنا۔ اور وہاں سر کے بال مُنڈانا۔ اور قربانی کے بعد اصلی لباس پہن لینا چاہیئے۔ پھر جو شخص آپ کے دل کے مقام کا قصد کرے اُسے اپنی مرغوبات سے اعراض کرنا اور دنیوی لذّتوں اور راحتوں کو ترک کرنا۔ اور اغیار کے ذکر سے رُوگردانی کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ عالمِ کون و فساد کی طرف اِس کا التفات کرنا ممنوع ہے۔ تب معرفت کے عرفات میں قیام کرنا اور وہاں سے اُلفت کے مُزدلفہ کا قصد کرنا۔ اور وہاں سے اپنے باطن کو تنزیہہ حق تعالےٰ کے حرم کے طواف کے لئے بھیجنا۔ اور خواہشِ نفسانی اور فاسد خیالات کی کنکریاں ایمان کی امان کی منیٰ میں پھینکنا۔ اور نفس کو مجاہدہ

لہ مکہ مکرمہ کے پاس دو پہاڑیاں ہیں جہاں حضرت ہاجرہ علیہا السلام پانی کی تلاش میں کئی بار اِدھر سے اُدھر دوڑتی پھریں +

کے قربان گاہ میں قربان کرنا چاہیئے۔ تاکہ خلت کے مقام پر پہنچ جائے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے جسم کے مقام یعنے حرم کعبہ میں داخل ہونا۔ دشمن اور اُس کی تلوار سے محفوظ ہونا ہے۔ اور آپ کے دل کے مقام یعنے خلت میں داخل ہونا قطعیت یعنی علیحدگی، خلا سے دُوری وغیرہ اسی قسم کی باتوں سے امان پانا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْحَاجُّ وَفْدُ اللّٰہِ یُعْطِیْہِمْ مَا سَئَلُوْا وَ یَسْتَجِیْبُ لَھُمْ مَا دَعَوْا (حاجی لوگ اللہ تعالےٰ کا قافلہ ہیں۔ جو کچھ وہ مانگیں۔ اُنہیں عطا کرتا ہے۔ اور ان کی دُعا کو قبول فرماتا ہے۔ اور کچھ عام لوگ تو پناہ مانگتے ہیں۔ اور کچھ لوگ نہ پناہ مانگتے ہیں، اور نہ دُعا کرتے ہیں۔ سوائے تسلیم کے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے کیا۔ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (جب اللہ تعالےٰ نے اُن سے فرمایا کہ فرمانبردار ہوجا۔ تو آپ نے کہا۔ میں پروردگار عالم کا فرمانبردار ہوں۔ اور وہ خلت کے مقام پر پہنچ گئے۔ اور تعلقات دُنیا سے الگ ہوگئے۔ اور آپ کا دل غیر حق سے منقطع ہوگیا۔ تب حق تعالےٰ نے چاہا کہ آپ کو مخلوق کے سامنے ظاہر فرمائے۔ اس لیئے نمرود کو مقرر کیا۔ یہاں تک کہ اُس نے آپ کے اور آپ کے والدین کے درمیان پہلے تو جدائی ڈال دی۔ اور پھر آگ بھڑکائی شیطان نے آکر گوپھیا بنائی۔ اور لوگوں نے آپ کو گائے کے چمڑے میں سی کر گوپھیا کے پلڑے میں رکھ دیا۔ حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السّلام نے اُس گوپھیا کا پلڑا پکڑ کر کہا۔ ھَلْ لَکَ اِلَیَّ مِنْ حَاجَۃٍ (کیا آپ کو میری اعانت کی ضرورت ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا۔ اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا (نہیں مجھے آپ کی کوئی ضرورت نہیں) انہوں نے کہا۔ کیا آپ کو خداوند تعالےٰ کی بھی کوئی حاجت نہیں؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ خداوند تعالےٰ کی مجھے حاجت ہے۔ حضرت جبرائیل نے کہا۔ وہ کیسے؟ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ

لہ ایک آلہ ہے جس میں بڑے بڑے پتھر رکھ کر دور پھینک دیئے جاتے ہیں۔ عربی میں اسے منجنیق کہتے ہیں۔

عِلمُہٗ بِحَالِیْ (میرے سوال کی نسبت اُس کا میرے حال کو جاننا ہی میرے لئے کافی ہے) یعنی وہ جانتا ہے۔ کہ محض اُسی ذات کے لئے مجھے آگ میں ڈال رہے ہیں۔ اس لئے اب مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ۔

اور محمدؒ بن فضیل رَحمۃُ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ مجھے اس بات سے تعجب ہے کہ لوگ دُنیا میں تو آپ کا مقام یعنی کعبۃ اللہ تلاش کرتے ہیں لیکن دل میں آپ کا مشاہدۂ حق نہیں طلب کرتے۔ حالانکہ آپ کا یہ گھر یعنی خانہ کعبہ کبھی تو موجود ہوتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ موجود نہیں ہوتا یعنی منہدم ہو جاتا ہے۔ اور دل میں مشاہدہ حق ضرور ہوتا رہتا ہے۔ اگر عمارتِ کعبہ کی زیارت فرض ہے جس پر سال میں ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کی نظر ہوتی ہے۔ تو وہ دل جس پر رات دن میں تین سو ساٹھ مرتبہ نظرِ رحمت کرتا ہے۔ اُس کعبہ سے کہیں بڑھ کر زیارت کے لائق ہے۔ لیکن اہل تحقیق کے لئے مکہ کے راستہ میں ہر قدم پر ایک نشانِ قدرت ظاہر ہے۔ اور جب حرم میں پہنچتے ہیں۔ تو ہر ایک سے خلعت پاتے ہیں ۔

اور بایزیدؒ رَحمۃُ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ جس کی عبادات کا ثواب اور جزا کل قیامت کو ملنا ٹھیرا ہے۔ اُس سے کہہ دو کہ آج اُس نے عبادت ہی نہیں کی۔ کیونکہ مجاہدہ کی عبادت سے ہر دم کا ثواب حال ہی میں حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وہی فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ حج میں میں نے سوائے خانہ کعبہ کے اور کچھ نہ دیکھا۔ اور دوسری دفعہ گھر بھی دیکھا اور گھر والا بھی۔ اور تیسری دفعہ گھر والے یعنی اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ خانہ کعبہ بیت اللہ کو بالکل نہ دیکھا۔ الغرض حرم وہاں نہیں ہوتا جہاں مجاہدہ ہوتا ہے۔ بلکہ وہاں ہوتا ہے جہاں مشاہدۂ حق ہوتا ہے اور اُس کی تعظیم ہوتی ہے اور جس شخص کے لئے سارا عالم قربِ حق کے وعدہ کا مقام اور اُنس کی خلوت گاہ نہ ہو اُسے محبتِ حق کی ابھی تک کچھ خبر نہیں۔ اور جب بندہ حق کا مشاہدہ کرنے والا ہو تو سارا عالم اُس کے لئے حرم ہوتا ہے۔ اور جب مشاہدۂ حق سے حجاب میں ہو تو حرم کعبہ بھی اُس کے لئے سارے عالم سے تاریک ترین مقام ہوتا ہے ۔

مصرعہ: اَظْلَمُ الاَشْیَاءِ دَارُ الحَبِیْبِ بِلَا حَبِیْبٍ محب کے لئے محبوب کا گھر محبوب کے بغیر سب سے زیادہ تاریک مقام ہوتا ہے۔ پس خلوت دوستی حق کے مقام میں ہی مشاہدہ و عنایت حق کی قدر و قیمت ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے کعبہ کے دیکھنے کو اس کے حصول کا سبب بنا دیا ہے۔ نہ کہ کعبہ کی۔ لیکن سبب سے محض سبب ہونے کی حیثیت سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے نہ کہ اصل مقصود کی حیثیت سے۔ تاکہ معلوم ہو کہ عنایتِ الٰہی کس کمین گاہ سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور طالب کی مراد کہاں سے جلوہ نمائی کرتی ہے۔ پس جنگلوں اور بیابانوں کے قطع کرنے سے مردانِ حق کی مراد بعینہٖ حرم نہیں ہوتی۔ کیونکہ حق کے دوست کو حرم کا دیکھنا حرام ہوتا ہے۔ بلکہ اُن کی مراد ایک بے قرار رکھنے والے شوق اور اللہ کی محبت میں ہمیشہ گھلتے رہنے کی آواز کے ساتھ مجاہدہ کرنا ہے۔

کوئی شخص حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ کے پاس آیا۔ آپ نے اُس سے پوچھا۔ تُو کہاں سے آتا ہے؟ اُس نے کہا میں حج پر گیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ تُو نے حج کیا ہے؟ اُس نے کہا۔ ہاں! آپ نے پوچھا۔ شروع میں جو تُو اپنے گھر سے باہر نکلا۔ اور وطن کو چھوڑا تو کیا سب گناہوں کو بھی چھوڑا؟ اُس نے جواب دیا۔ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو تُو نے وطن سے سفر نہیں کیا۔ پھر آپ نے پوچھا۔ کہ جب تُو گھر سے نکلا۔ اور ہر منزل پر رات کے وقت مقام کیا۔ تو کیا تُو نے اس مقام میں طریقِ حق میں سے بھی کچھ قطع کیا؟ اُس نے کہا۔ نہیں۔ تب آپ نے فرمایا۔ کہ تُو نے منزلیں طے نہیں کیں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ جب تُو نے میقات پر احرام باندھا۔ تو کیا تُو اپنی صفاتِ بشری سے ایسا ہی جدا ہوا جیسا کہ اپنے کپڑوں اور عادتوں سے؟ اُس نے کہا نہیں! تو آپ نے فرمایا۔ تُو نے احرام نہیں باندھا۔ پھر پوچھا۔ کہ جب تُو عرفات کے میدان میں کھڑا ہوا تو کیا کشف و مشاہدۂ حق میں بھی تجھے کھڑا ہونا حاصل ہوا؟ اُس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ تُو عرفات میں بھی کھڑا نہیں ہوا۔ پھر پوچھا کہ جب تُو مزدلفہ میں گیا۔ اور تیری مراد حاصل ہو گئی تو کیا تُو نے سب نفسانی مرادوں کو ترک کر دیا۔ اُس نے کہا۔ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا!

کہ تو مزدلفہ بھی نہیں گیا۔ پھر پوچھا جب تو نے بیت اللہ کا طواف کیا تو کیا تو نے باطن کی آنکھ سے تنزیہ[1] کے مقام میں حضرت حق سبحانہ کے جمال کے لطائف کو بھی دیکھا۔ اُس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو نے طواف بھی نہیں کیا۔ پھر فرمایا جب تو نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی۔ تو کیا تو نے صفا کا اور مروہ کا درجہ معلوم کیا؟ اُس نے کہا۔ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو نے ابھی سعی بھی نہیں کی۔ پھر پوچھا کہ جب منیٰ میں آیا تو کیا تیری آرزوئیں تجھ سے ساقط ہو گئیں۔ اُس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ تو ابھی منیٰ میں نہیں گیا پھر پوچھا کہ جب تو قربان گاہ میں آیا اور قربانی کی تو کیا تو نے اپنی نفسانی خواہشات کی قربانی کی؟ اُس نے کہا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو نے قربانی بھی نہیں کی پھر پوچھا۔ کہ جب تو نے کنکریاں پھینکیں۔ تو کیا جو کچھ تیرے ساتھ نفسانی اُمور تھے۔ اُن سب کو تو نے پھینک دیا۔ اُس نے کہا۔ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو نے ابھی کنکریاں بھی نہیں پھینکیں۔ اور حج بھی نہیں کیا۔ واپس لوٹ جا اور اس طرح حج کر۔ تاکہ تو بھی مقام ابراہیم پر پہنچ جائے۔

میں نے سنا کہ ایک بزرگ کعبہ کے بالمقابل بیٹھا ہوا رو رہا تھا اور یہ اشعار زبان سے پڑھ رہا تھا۔ ابیات۔

وَاَصْبَحْتُ یَوْمَ النَّحْرِ وَالْعِیْسُ تَرْحَلُ
وَکَانَ حُدَی الْحَادِیْ بِنَا وَھُوَ مُعْجِلُ
اُسَائِلُ عَنْ سَلْمٰی فَہَلْ مِنْ مُخَبِّرٍ
بِاَنَّ لَہٗ عِلْمًا بِھَا اَیْنَ تَنْزِلُ
لَقَدْ اَفْسَدَتْ حَجِّیْ وَ نُسُکِیْ وَ عُمْرَتِیْ
وَفِی الْبَیْنِ لِیْ شُغْلٌ مِنَ الْحَجِّ اَشْغَلُ
سَاَرْجِعُ مِنْ عَامِیْ لِحَجَّۃٍ قَابِلٍ
فَاِنَّ الَّذِیْ قَدْ کَانَ لَا یُتَقَبَّلُ

ترجمہ:۔ (اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو جب کہ سفید اونٹ

[1] تنزیہ خداوند تعالیٰ کو ہر عیب سے منزہ اور پاک سمجھنا۔

کو حج کر رہے تھے۔ اور حدی خواں نے حدی پڑھ کر ہمارے اونٹوں کو چلایا۔
اور وہ جلدی کر رہا تھا میں اپنی محبوبہ سلمیٰ کی بات پوچھنے لگا پس ہے کوئی اس
بات کی خبر دینے والا جسے اس کی نسبت علم ہو کہ وہ کہاں اترے گی ؟ اس محبوبہ
نے تو میرا حج اور میری قربانی اور میرا عمرہ سب فاسد کر دیئے۔ اور اس کے
فراق میں مجھے ایک شغل حاصل ہے۔ جو سب سے زیادہ حج سے روکنے والا
ہے۔ میں اس سال آئندہ سال کے حج کے لئے واپس لوٹ جاؤں گا۔ کیونکہ
وہ حج جو ہو چکا ہے۔ وہ قبول نہیں کیا جائے گا +!

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک
جوان کو دیکھا کہ موقف حج میں خاموش کھڑا ہے اور سر نیچے ڈال رکھا ہے ۔
لوگ دعا کر رہے تھے اور وہ بالکل خاموش تھا میں نے کہا۔ اے جوان !
تو کیوں دعا اور خوشی نہیں کرتا ؟ اس نے کہا مجھے وحشت ہو گئی اور خوشی کا
وقت جو مجھے حاصل تھا وہ فوت ہو گیا ہے۔ اب دعا کرنے کی کوئی صورت
نہیں میں نے کہا۔ دعا کر تاکہ خداوند اس مجمع کی برکت سے تیری مراد بر لائے
اس نے چاہا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرے مگر اس نے ایک نعرہ مارا۔ اور جان
دے دی ❊

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ایک جوان کو
دیکھا۔ جو منیٰ میں آرام سے بیٹھا تھا۔ حالانکہ سب لوگ قربانیوں میں مشغول
تھے۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ کیا کرتا ہے اور کون ہے ؟ وہ کہنے
لگا۔ بارخدایا ! سب لوگ قربانیوں میں مشغول ہیں۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ اپنے
نفس کو تیری بارگاہ میں قربان کروں۔ مجھے تو قبول فرما۔ یہ بات کہی اور انگشت
شہادت سے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا۔ اور نیچے گر پڑا۔ جب میں نے
غور سے دیکھا۔ تو روح اس سے پرواز کر گئی تھی۔ اللہ اس پر رحم کرے پس
حج دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک غیبت میں اور دوسرا حضور میں جو شخص حرم مکہ
میں پہنچ کر بھی غیبت کے اندر ہو وہ اس جیسا ہے جو اپنے گھر میں بھی غیبت
کے اندر ہو۔ اس لئے کہ کوئی غیبت دوسری غیبت سے بہتر نہیں ہوتی اور

وہ شخص جو اپنے گھر میں ہوتے ہوئے حاضرِ حق ہو۔ وہ ایسا ہی ہے۔ گویا کہ حاضرِ دربارِ الٰہی ہے۔ کیونکہ کوئی دربارِ الٰہی کی حاضری دوسری حاضری سے بہتر نہیں ہوتی۔ پس حج ظہورِ مشاہدۂ حق کے لئے مجاہدہ ہے۔ اور مجاہدہ مشاہدۂ حق کی علت نہیں۔ بلکہ اس کا سبب ہے۔ اور سبب کو معانی کی حقیقت میں کوئی زیادہ تاثیر نہیں ہوتی۔ پس حج سے مقصود خانۂ کعبہ کا دیدار نہیں بلکہ اُس سے مقصود ظہورِ مشاہدۂ حق ہے۔ اب میں مشاہدۂ حق کے متعلق ایک باب درج کرتا ہوں۔ جو انہی معنی پر مشتمل ہو۔ تاکہ اگر اللہ تعالےٰ کو منظور ہو تو تمہیں اپنا مقصود حاصل کرنے میں مدد دے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔

ستائیسواں باب

کشف ومجاہدہ کی حقیقت میں

پیغمبر صلے اللہ عَلَیہِ وَسَلّم نے فرمایا ہے۔ اَجِیْعُوْا بُطُوْنَکُمْ وَدَعُوا الْحِرْصَ وَاَعْرُوْا اَجْسَامَکُمْ وَقَصِّرُوا الْاَمَلَ وَاَظْمِئُوْا اَکْبَادَکُمْ وَدَعُوا الدُّنْیَا لَعَلَّکُمْ تَرَوْنَ اللّٰہَ بِقُلُوْبِکُمْ (اپنے شکموں کو بھوکا رکھو۔ حرص کو چھوڑ دو۔ اپنے جسموں کو برہنہ رکھو۔ آرزو کم کرو اور اپنے جگر ودل کو پیاسا رکھو۔ دنیا کو چھوڑ دو۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کو اپنے دل سے دیکھ لو) اور نیز جب جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم سے مقامِ احسان کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ احسان یہ ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (کہ اللہ تعالےٰ کی عبادت ایسے طور پر کرے کہ گویا تو اُس کو خود دیکھ رہا ہے پس اگر تو اُس کو دیکھ نہیں سکتا۔ تو یقیناً وہ تجھے دیکھ رہا ہے) اور اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السّلام کی طرف وحی فرمائی یَا دَاؤدُ اَتَدْرِیْ مَا مَعْرِفَتِیْ قَالَ لَا قَالَ حَیٰوۃُ الْقَلْبِ فِیْ مُشَاھَدَتِیْ (اے داؤد! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میری معرفت کیا چیز ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ نہیں! تو فرمایا وہ میرے مشاہدہ میں دل کا زندہ

ہوتا ہے۔) اور جماعت صوفیہ کے نزدیک مشاہدہ سے مراد ذاتِ الٰہی کو دل کی آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ کہ وہ دل سے خداوند تعالےٰ کو خلوت وجلوت میں بے کیف دیکھتے ہیں۔ اور حضرت ابوالعباس بن عطار رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے اس قول کی تفسیر میں اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (بلاشبہ جن لوگوں نے کہا۔ ہمارا پروردگار تو اللہ تعالےٰ ہے پھر اس پر مضبوطی سے جمے رہے۔) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ بِالْمُجَاھِدَۃِ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا عَلٰی بِسَاطِ الْمُشَاھَدَۃِ (جنہوں نے بحالت مجاہدہ میں یوں کہا۔ کہ ہمارا پروردگار تو اللہ تعالےٰ ہے۔ پھر وہ مشاہدۂ الٰہی کی بساط پر مضبوطی سے جمے رہے) ٭

اور مشاہدہ کی حقیقت دو طرح پر ہے۔ ایک تو صحیح یقین سے دوسرے محبت کے غلبہ سے کہ محبتِ الٰہی غلبۂ محبت میں اس درجہ پر پہنچ جائے کہ وہ ہمہ تن محبوبِ حقیقی کی بات بن جائے۔ اُس کے سوا کچھ نہ دیکھے ٭

اور محمد بن واسع رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ مَا رَاَیْتُ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا وَرَاَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ اَیْ بِصِحَّۃِ الْیَقِیْنِ (میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ مگر اس میں صحیح یقین کے ساتھ صرف اللہ کو دیکھا ٭)

اور ایک اور شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مَا رَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا وَرَاَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ۔ (میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی کہ اس کے سامنے خدا کو نہ دیکھا ہو ٭) اور یہ حق تعالےٰ کا دیدار ہے ٭

حضرت شبلی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ مَا رَاَیْتُ شَیْئًا قَطُّ اِلَّا اللّٰہَ یَعْنِیْ بِغَلَبَاتِ الْمَحَبَّۃِ وَغَلَیَانِ الْمُشَاھَدَۃِ (میں نے محبتِ الٰہی کے غلبہ اور مشاہدہ کے جوش میں اللہ تعالےٰ کے سوا کسی اور چیز کو نہیں دیکھا) پس ایک شخص تو کسی فعل کو سر کی ظاہری آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور دوسرا باطن کی آنکھ سے فاعلِ حقیقی کو دیکھتا ہے پس پہلے شخص کے مشاہدۂ حق کا طریقہ نظری اور استدلالی ہے۔ گویا یہ حق کو دلائل سے ثابت کرتا ہے۔ اور دوسرے شخص کے مشاہدۂ حق کا طریقہ جذبۂ الٰہی ہے۔ وہ اس میں بالکل مجذوب اور بیخود ہوتا ہے

اس کے نزدیک دلائل اور حقائق سب حجاب ہوتے ہیں۔ لِاَنَّ مَنْ عَرَفَ شَیْئًا لَا یَجِدُ اُنْسًا بِغَیْرِہٖ وَمَنْ اَحَبَّ شَیْئًا لَا یُطَالِعُ غَیْرَہٗ فَیَتْرُکُ الْمُنَازِعَۃَ مَعَہٗ وَالْاِعْتِرَاضُ عَلَیْہِ فِیْ اَحْکَامِہٖ وَاَفْعَالِہٖ (کیونکہ جو شخص کسی چیز کو پہچان لیتا ہے۔ وہ اس کے سوا تسلی نہیں پاتا۔ اور جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے۔ وہ اُس کے سوا کسی پر نگاہ نہیں ڈالتا۔ اس لئے اُس کے افعال اور احکام میں اس کے ساتھ مخالفت کرنے اور اُس پر اعتراض کرنے کو چھوڑ دیتا ہے) تاکہ مخالفت اور تہمت کرنے والا نہ ہو۔ اسی طرح خدا تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی معراج کی بابت ہم کو خبر دی اور فرمایا ہے۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی (آپ کی نگاہ تجلیات حق سے اِدھر اُدھر ہٹی اور نہ آگے بڑھی) یہاں تک کہ جو کچھ ضروری تھا۔ آپ نے دل کی آنکھوں سے اُسے دیکھ لیا۔ کیونکہ جب دوستِ حق موجودات سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ تو لامحالہ دل سے پیدا کرنے والے حق تعالےٰ کو دیکھ لیتا ہے۔ نیز خداوند تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی (حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار کی بڑی نشانیوں کو دیکھ لیا) اور نیز فرمایا قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ اَیْ اَبْصَارِ الْعُیُوْنِ مِنَ الشَّھَوَاتِ وَاَبْصَارِ الْقُلُوْبِ عَنِ الْمَخْلُوْقَاتِ (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی کریں یعنی ظاہری آنکھوں کی نظروں کو نفسانی خواہشوں سے۔ اور دل کی آنکھوں کی نظروں کو مخلوقات سے) پس جو شخص مجاہدہ سے اپنے سر کی آنکھ کو خواہشوں سے روک دے۔ وہ باطن کی آنکھ سے حق تعالےٰ کو ضرور دیکھ لیتا ہے (فَمَنْ کَانَ اَخْلَصَ مُجَاھَدَۃً کَانَ اَصْدَقَ مُشَاھَدَۃً) (کیونکہ جو مجاہدہ میں زیادہ مخلص ہو وہ مشاہدہ میں زیادہ سچا ہوتا ہے۔) پس باطن کا مشاہدہ ظاہر کے مجاہدہ سے وابستہ ہوتا ہے۔ اور حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ مَنْ غَضَّ بَصَرَہٗ عَنِ اللّٰہِ طَرْفَۃَ عَیْنٍ لَا یَھْتَدِیْ طُوْلَ عُمْرِہٖ (جو شخص آنکھ جھپکنے جتنی دیر کے لئے اپنی نگاہ کو اللہ تعالےٰ سے بند کر لے۔ وہ ساری عمر ہدایت

نہیں پاتا ہے۔ کیونکہ غیر کی طرف نگاہ ڈالنا، غیر کی طرف لوٹنا ہوتا ہے۔ اور جس کو قضا و قدر نے غیر اللہ کے ساتھ مقید رہنے دیا۔ وہ ہلاک ہو گیا پس اہل مشاہدہ کی زندگی یہی ہے کہ وہ ہمیشہ مشاہدۂ حق میں رہیں۔ اور عمر کا جو حصہ حق تعالے سے غیبت اور دُوری میں گزرے اُس کو وہ زندگی میں شمار نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ حقیقت میں اُن کے لئے موت ہوتی ہے۔ چنانچہ بایزید رحمۃ اللہ سے ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا۔ کہ آپ کی عمر کتنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ چار سال۔ اور ایک نسخے میں ہے کہ چالیس سال۔ لوگوں نے کہا یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا۔ کہ ستر سال تک میں دُنیا کے حجاب میں رہا ہوں لیکن اب چار سال سے میں اُس کو دیکھ رہا ہوں۔ اور حجاب کا زمانہ عمر میں شمار نہیں ہوتا ۔

اور شبلی رحمۃ اللہ دُعا میں فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِخْبَاءِ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ فِیْ خُبَایَا غَیْبِکَ حَتّٰی نَعْبُدَکَ بِغَیْرِ وَاسِطَۃٍ (اے اللہ! جنت و دوزخ کو اپنے غیب کے پردوں میں چھپا دے۔ تاکہ ہم کسی لالچ کے بغیر بلا واسطہ تیری عبادت کریں۔) کیونکہ بہشت کی طبیعت کو خواہش ہے۔ اس لیے دُنیا میں عقل اسی بہشت کے لیے عبادت کرتا ہے۔ اور چونکہ اُن کے دل کو محبت الٰہی سے کوئی لگاؤ نہیں۔ اس لئے لامحالہ غافل آدمی مشاہدۂ الٰہی سے حجاب میں رہتا ہے۔ اور رسول علیہ السّلام نے شبِ معراج کا واقعہ سناتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ کہ میں نے خداوند تعالے کو نہیں دیکھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول عَلَیْہِ السَّلَام نے مجھ سے فرمایا۔ کہ میں نے حق تعالے کو دیکھا ہے پس لوگ اسی اختلافات میں پڑ گئے۔ لیکن جو بات بہتر تھی۔ وہ سائل حق نے وہ درمیان سے لے لی۔ یعنی آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں نے اللہ تعالے کو دیکھا ہے۔ سو اس سے مراد باطن کی آنکھ سے دیکھنا ہے۔ اور جو یہ فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا۔ اس سے ظاہر کی آنکھ سے دیکھنا مراد لیا ہے۔ چونکہ اُن دونوں میں سے ایک یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ

اہل باطن سکتے - اور دوسری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اہل ظاہر میں سے تھیں - اس لئے حضور صلے اللہ عَلَیْہِ وسلّم نے ہر ایک سے اُس کی سمجھ کے مطابق کلام کیا پس چونکہ آپ نے باطن کی آنکھ سے دیکھا تھا - اس لئے اگر ظاہری آنکھ کا واسطہ نہ ہو تو کیا نقصان ہے +

اور حضرت جُنید رَحِمَہُ اللہ فرماتے ہیں - کہ اگر خداوند تعالےٰ فرمائے کہ مجھے دیکھ تو میں نہیں دیکھوں گا - کیونکہ محبت الٰہی میں آنکھ غیر اور بیگانہ ہے غیرتیت کی غیرت مجھے دیدار سے روکتی ہے - کیونکہ دُنیا میں آنکھ کے واسطہ کے بغیر اُس کو دیکھتا رہا ہوں - پس میں آخرت میں اِس واسطہ کو کیا کروں گا -
شعر ؎

اِنِّیْ لَاَحْسُدُ نَاظِرِیْ اِلَیْکَا
وَاَغُضُّ طَرْفِیْ اِذَا نَظَرْتُ اِلَیْکَا

(اور میں تیری طرف نظر کرنے والوں سے حسد کرتا ہوں - اور جب خود تیری طرف دیکھتا ہوں - تو اپنی آنکھ موند لیتا ہوں - یعنی دوست کو آنکھ سے دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے - کیونکہ آنکھ بیگانہ ہوتی ہے +

کسی بزرگ سے لوگوں نے پوچھا - کیا آپ خداوند تعالےٰ کو دیکھنا چاہتے ہیں ؟ اُنہوں نے فرمایا - نہیں - لوگوں نے پوچھا کیوں ؟ فرمایا جب موسیٰ علیہ السّلام نے درخواست کی تو خدا کو نہ دیکھا - اور محمد مصطفےٰ صلے اللہ عَلَیْہِ وسلّم نے درخواست نہ کی - تو آپ نے دیکھ لیا - پس ہمارا چاہنا ہمارے لئے حق تعالےٰ کے دیدار سے ایک بڑا حجاب ہے - اس لئے کہ محبت میں ارادہ کا ہونا مخالفت ہے - اور مخالفت حجاب ہوتی ہے - اور جب ارادہ دُنیا میں ختم ہو جاتا ہے - تو مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اور جب مشاہدہ ثابت ہو جاتا ہے تو دُنیا عقبیٰ کی طرح اور عقبیٰ دُنیا کی طرح ہو جاتی ہے +

اور حضرت بایزید رَحِمَہُ اللہ فرماتے ہیں - اِنَّ لِلّٰہِ عِبَادًا لَوْ حُجِبُوْا عَنِ اللّٰہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ لَارْتَدُّوْا (بلاشبہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں کہ اگر وہ دُنیا اور آخرت میں اللہ تعالےٰ کے دیدار سے

حجاب میں رکھے جائیں۔ تو وہ مرتد ہو جائیں (یعنی اللہ تعالیٰ کو دوامی مشاہدہ سے پرورش کرتا ہے۔ اور محبت کی زندگی سے اُن کو زندہ رکھتا ہے پس لامحالہ جب مشاہدہ کرنے والا مشاہدہ سے حجاب میں ہو جاتا ہے۔ تو وہ راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے) اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ ایک دن میں مصر کے اندر جا رہا تھا۔ میں نے لڑکوں کو دیکھا کہ ایک جوان پر پتھر ماررہے تھے۔ میں نے کہا تم اُس سے کیا مانگتے ہو؟ اُنہوں نے کہا۔ یہ آدمی دیوانہ ہے میں نے کہا۔ اس میں دیوانگی کی کونسی علامت ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا۔ اے جوان مرد! یہ بات تو واقعی کہتا ہے۔ یا یہ لوگ تجھ پر تہمت دھرتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ نہیں میں ہی کہتا ہوں کیونکہ اگر ایک لحظہ میں حق تعالیٰ کو نہ دیکھوں۔ تو اُس سے حجاب میں رہوں اور اس کی بندگی نہ کر سکوں۔ اہلِ طریقت میں سے ایک گروہ کو اس مقام سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ دل سے رویتِ حق اور اُس کا مشاہدہ ایک صورت ہوتی ہے۔ جو وہم ذکر یا فکر کی حالت میں اس کے دل کے اندر ثابت کر دیتا ہے۔ اور یہ محض تشبیہ اور صریح گمراہی ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کے لئے اندازہ و مقدار نہیں جس کا دل کے اندر وہم کے ذریعہ اندازہ لگا سکیں یا عقل اُس کی کیفیت پر مطلع ہو سکے۔ پھر جو چیز وہم میں آتی ہے۔ وہ بھی وہم ہی کی قسم سے ہوتی ہے۔ اور جو چیز عقل میں آتی ہے۔ وہ عقلی ہوتی ہے۔ حالانکہ خداوند تعالیٰ جنسوں کا ہم جنس نہیں۔ اور یہ سب لطیف اور کثیف چیزیں ایک دوسرے کی جنس ہیں۔ اور ضد کے محل میں باہم ایک دوسرے کی ہم جنس ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ توحید کی تحقیق میں ضد بھی قدیم کے مقابلہ میں ایک جنس ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ ضدین سب حادث ہیں۔ اور سب حادث ایک جنس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اِن باتوں سے اور اُن سے جو ملحدین اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ پاک اور بہت برتر ہے پس مشاہدۂ حق تعالیٰ دُنیا کے اندر ایسا ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آخرت میں رویتِ حق جب تمام اصحاب کے اجماع و اتفاق سے آخرت میں رویتِ حق روا ہے۔ تو دُنیا میں مشاہدہ

حق بھی روا ہوگا۔ پس وہ مخبر جو آخرت میں رؤیتِ حق کی خبر دے۔ اور وہ مخبر جو دُنیا میں مشاہدۂ حق کی خبر دے۔ اِن دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور جو کوئی شخص اِن دونوں باتوں کے متعلق خبر دے گا۔ وہ اجازت ہی سے خبر دے گا۔ نہ کہ فقط دعویٰ سے۔ یعنی وہ یوں کہے گا کہ آخرت میں حق تعالےٰ کا دیدار اور دُنیا میں اُس کا مشاہدہ جائز ہے۔ لیکن یوں نہیں کہے گا۔ کہ مجھے مشاہدہ ہوا ہے یا اب مشاہدہ ہے۔ کیونکہ مشاہدہ باطن کی صفت ہے۔ اور اس کے متعلق خبر دینا زبان کی عبارت ہے۔ اور جب زبان کو باطن کی خبر ہو۔ کہ اُس کو عبارت میں لا سکے۔ تو مشاہدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ دعویٰ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جس چیز کی حقیقت عقل کے اندر ثابت نہیں ہو سکتی۔ زبان کس طرح اُس کو عبارت میں لا سکتی ہے۔ سوائے معنی مجازی کے لِاَنَّ الْمُشَاهَدَةَ حُضُوْرُ اللِّسَانِ بِحُضُوْرِ الْجِنَانِ (کیونکہ مشاہدہ دل کے حاضر ہونے میں زبان کا قاصر ہو جانا ہے) اور یہی وجہ ہے کہ خاموشی کا درجہ گویائی سے برتر ہے۔ کیونکہ خاموشی مشاہدہ کی علامت ہوتی ہے۔ اور گویائی شہادت کا نشان ہے۔ اور کسی چیز پر شہادت اور کسی چیز کے مشاہدہ کے درمیان بڑا فرق ہے۔ اور اسی وجہ سے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قرب اور اعلیٰ مقام میں جو حق تعالےٰ نے آپ کو خاص طور پر عطا کیا ہے۔ فرمایا ہے لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ (میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا) اس لئے کہ آپ مشاہدہ میں تھے اور مشاہدۂ محبت کے درجہ میں کمال اتحاد ہوتا ہے۔ اور اتحاد کی حالت میں بیان کرنا بیگانگی ہے تب آپ نے فرمایا اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ (تیری ذات ایسی ہے جیسی تو نے اپنی آپ تعریف فرمائی) یعنی یہاں تیرا کہنا خود میرا کہنا اور تیرا تعریف کرنا خود میرا تعریف کرنا ہے۔ اور میں اپنی زبان میں یہ قابلیت نہیں سمجھتا کہ میرے حال کو بیان کر سکے۔ اور بیان کو بھی میں اس کا مستحق نہیں دیکھتا کہ وہ میرے حال کو ظاہر کر سکے۔ اور اسی معنیٰ میں کسی کامل کا یہ قول ہے (شعر

تَمَنَّیْتُ مَنْ اَهْوٰی فَلَمَّا رَاَیْتُهٗ
بُهِتُّ فَلَمْ اَمْلِكْ لِسَانًا وَّلَا طَرَفًا

میں اس سے ملنے کی تمنا کیا کرتا تھا جس سے میں محبت کرتا تھا
جب میں نے اُس کو دیکھ لیا۔ تو میں حیران ہو گیا۔ تو اب نہ زبان میرے قابو میں ہے اور نہ آنکھ) یہ ہیں مشاہدہ کے تمام احکام جو مختصر طور پر بیان کر دیئے گئے۔ اور توفیق اللہ تعالےٰ کے قبضہ میں ہے ٭

اٹھائیسواں باب

گیارہویں پردے کا کھولنا

محبّت اور اس کے آداب و احکام

پہلی فصل

اثباتِ ادب

اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا الآية أَيْ أَدِّبُوهُمْ (اے ایمان والو! اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ مطلب یہ کہ اُن کو ادب اور تہذیب سکھلاؤ) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حُسْنُ الْأَدَبِ مِنَ الْإِيمَانِ (اچھا ادب ایمان میں سے ہے) اور نیز فرمایا ہے۔ أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي (میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا اور اچھا ادب سکھایا) پس جاننا چاہیئے کہ دُنیا اور دین کے تمام اُمور کی زیب وزینت ادب سے وابستہ ہے۔ اور لوگوں کے گروہوں کے مقامات میں سے ہر مقام کے لیئے ایک ادب ہے۔ اور سب کافر مسلمان، ملحد، موحد سنّی اور بدعتی اس بات پر متفق ہیں کہ معاملہ میں اچھا ادب پسندیدہ ہے۔ اور دُنیا کی کوئی رسم بھی ادب کا لحاظ کیئے بغیر انجام نہیں پا سکتی۔ اور ادب لوگوں میں مروت کی حفاظت ہے۔ لوگوں میں مروت کی حفاظت، دین میں سنّت کی حفاظت اور محبت میں حرمت کی حفاظت کا نام ادب ہے۔ اور یہ تینوں باتیں ایک دوسرے سے وابستہ

ہیں۔ یہی ہے جس کو مروت حاصل نہیں۔ اُس کو سنت کی متابعت بھی حاصل نہیں۔ اور جس کو سنت کی حفاظت حاصل نہیں۔ اُس کو حرمت کی رعایت بھی حاصل نہیں۔ اور معاملات میں آداب کی حفاظت دل میں مطلوب کی تعظیم سے حاصل ہوتی ہے۔ اور حق تعالیٰ اور اُس کے نشانات کی تعظیم تقویٰ میں سے ہے اور جو شخص بے ادبی سے حق تعالیٰ کی تجلیات کی تعظیم کو پامال کر دے۔ اُس کو تصوّف کے طریق میں کوئی حصہ نہیں۔ اور کسی حالت میں مدہوشی اور غلبۂ حال طالبِ حق کو آداب کی حفاظت سے منع نہیں کرتے۔ کیونکہ ادب طالبانِ حق کی عادت ہوتا ہے۔ اور عادت طبیعت کے مانند ہوتی ہے۔ اور طبیعت کا جاندار سے ساقط ہونا کسی حال میں بھی متصوّر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جب تک زندگی قائم ہے طبیعت کا ساقط ہونا محال ہے۔ پس جب تک انسانوں کا وجود قائم ہے۔ کبھی تکلّف سے۔ اور کبھی بغیر تکلّف وہ آداب کی شرطوں کو نگاہ رکھتے ہیں۔ اور جب اُن کا حال ہوشیاری کا ہوتا ہے۔ تو وہ تکلّف سے آداب کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور جب اُن کا حال بیہوشی کا ہوتا ہے۔ تو حق تعالیٰ بھی اُن کے ادب کی نگہداشت کرتا ہے۔ اور یہ یاد رکھو کہ ولی کسی صورت میں بھی تارکِ آداب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ولایت میں شریعت نبوی کی پیروی بہت ضروری ہوتی ہے۔ اور تارکِ ادب عادات و اخلاقِ محمدی سے منحرف ہوتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ترکِ ادب عدمِ محبت کی دلیل ہے۔ لِاَنَّ الْمَوَدَّۃَ عِنْدَ الْاٰدَابِ وَحُسْنُ الْاَدَبِ صِفَۃُ الْاَحْبَابِ (کیونکہ محبت آداب کے ہونے کی صورت میں ہے۔ اور اچھا ادب دوستوں کی صفت ہے) اور جس کو خداوند تعالیٰ کرامت عطا فرماتا ہے اُس کی دلیل یہ ہوتی ہے۔ کہ اُس کو آدابِ دین کے حکموں پر چلنے کی توفیق عطا کر دیتا ہے۔ برخلاف ملحدین کے (اللہ اُن پر لعنت کرے) جو کہتے ہیں کہ جب بندہ محبتِ الٰہی میں مغلوب ہو جاتا ہے۔ تو دین کی متابعت کا حکم اُس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ میں اس بات کو انشاء اللہ دوسرے مقام پر زیادہ واضح طور پر بیان کروں گا ۔

واضح رہے کہ آداب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل توحید کے اندر

حق تعالےٰ کے ساتھ ادب اور وہ اس طرح کہ خلوت اور جلوت میں۔ بے ادبی سے محفوظ رہے۔ اور معاملہ ایسا اختیار کرے۔ جیسا کہ بادشاہوں کے حضور میں کرتا ہے۔ اور صحیح احادیث میں آیا ہے کہ ایک دن پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پاؤں پھیلا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ جبرائیل علیہ السّلام نے آ کر کہا۔ یا مُحَمَّدُ اِجْلِسْ جِلْسَةَ الْعَبِیْدِ (اے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم! بارگاہ حق میں غلاموں کی طرح ادب سے بیٹھئے) کہتے ہیں کہ حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ نے چالیس سال تک رات دن دیوار سے پیٹھ نہیں لگائی۔ اور ہمیشہ دوزانو بیٹھے رہے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ اتنی کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ مشاہدۂ حق میں غلاموں کی طرح بیٹھنے کے سوائے کسی اور حالت میں بیٹھوں۔ اور میں (علی بن عثمان جلابی) مُلک خراسان میں ایک گاؤں میں پہنچا۔ جس کو کمند کہتے تھے۔ وہاں ایک مشہور آدمی تھا۔ جس کو ادیب کمندی کہتے تھے۔ اور وہ بہت بزرگ آدمی تھا۔ جو بیس سال سے پاؤں پر کھڑا تھا۔ اور نماز میں تشہد کے سوا اور کسی وقت نہ بیٹھتا تھا۔ میں نے اُس سے اِس کا سبب پوچھا۔ اُس نے کہا کہ مجھے ابھی تک وہ درجہ حاصل نہیں ہوا۔ کہ مشاہدۂ حق کے اندر بیٹھ جاؤں۔ اور حضرت بایزید رحمۃ اللہ سے لوگوں نے پوچھا۔ بِمَ وَجَدْتَ مَا وَجَدْتَ قَالَ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ مَعَ اللّٰهِ تَعَالٰے (جو درجہ آپ نے پایا ہے۔ کس وجہ سے پایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس وجہ سے کہ میں نے حق تعالےٰ کے ساتھ اچھی ہمنشینی اختیار کی (یعنی اچھی صحبت اور ادب کیا۔ اور خلوت و جلوت میں ایک سا رہا۔ یعنی دونوں حالتوں میں ادب ملحوظ رکھا۔ اور اہل عالم کو چاہیئے کہ معبود برحق کے مشاہدہ میں آداب کی حفاظت کرنا زلیخا سے سیکھیں۔ کہ جب اُس نے یُوسف علیہ السّلام سے خلوت کی۔ اور یُوسف علیہ السّلام سے اپنی بات کے قبول کرنے کی درخواست کی۔ تو پہلے اپنے بُت کے چہرے کو کسی چیز سے ڈھانپ دیا۔ یُوسف علیہ السّلام نے پوچھا کہ تو یہ کیا کرتی ہے۔ اُس نے کہا۔ میں اپنے معبود کا چہرہ ڈھانپتی ہوں۔ تاکہ وہ مجھ کو تیرے ساتھ اِس

بے حرمتی کے ساتھ نہ دیکھے۔ کہ وہ ادب کی شرط نہیں ہے۔ اور جب یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور خدا تعالیٰ نے اُن کو حضرت یوسف علیہ السلام کا وصال بخشا۔ زلیخا کو جوان کر دیا۔ اور اسلام کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اور یوسف علیہ السلام کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا پس جب یوسف علیہ السلام نے اُس کے پاس جانے کا قصد کیا تو زلیخا اُن سے بھاگتی تھی۔ آپ نے پوچھا۔ اے زلیخا! میں تو تیرا وہی معشوق ہوں تو مجھ سے کیوں بھاگتی ہے۔ شاید میری محبت تیرے دل سے محو ہو گئی ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ نہیں اللہ کی قسم محبت اسی طرح قائم ہے۔ بلکہ زیادہ ہے لیکن میں نے ہمیشہ معبود کے ادب کو محفوظ رکھا ہے۔ جس دن میں نے تیرے ساتھ خلوت کی تھی۔ اس دن میرا معبود ایک بت تھا۔ اور بار بار اُس کی آنکھیں دیکھتی تھیں میں نے اُس کے چہرے پر ایک چیز ڈال دی تھی۔ تاکہ بے ادبی کی تہمت مجھ سے اُٹھ جائے۔ لیکن اب تو میرا وہ معبود ہے جو بغیر آنکھ اور آلہ کے دیکھتا ہے۔ اور جس صفت پر کہ میں ہوں۔ وہ مجھ کو دیکھتا ہے لیکن میں نہیں چاہتی کہ تارک ادب ہوں۔

اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج پر لے گئے۔ تو محض حق تعالیٰ کے ادب کی حفاظت کی وجہ سے آپ نے دونوں عالم کی طرف نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ اَیْ بِرُؤْیَۃِ الدُّنْیَا وَمَا طَغٰی اَیْ بِرُؤْیَۃِ الْعُقْبٰی (آپ کی نگاہ تجلیات حق سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹی۔ یعنی دُنیا کے دیکھنے کی طرف اور نہ حد سے بڑھی یعنی عاقبت کے دیکھنے کی طرف)۔

دوسرے عمل میں اپنے ساتھ ادب کرنا ہے۔ اور وہ یوں ہے۔ کہ تمام احوال میں اپنے نفس کے ساتھ مروت مرعی رکھے۔ یہاں تک کہ جو کچھ خلقت کی صحبت میں بے ادبی ہوتی ہے۔ اپنی صحبت میں بھی اس کو استعمال نہ کرے۔ اس کی مثال اس طرح ہو سکتی ہے کہ سچ کے سوا کچھ نہ بولے اور وہ یوں ہے۔ کہ خود جس بات کے برخلاف ہو اُس کو زبان پر نہ لائے

کیونکہ وہ بے مروتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ کم کھائے۔ تاکہ فصل خانے میں اُسے
کم جانا پڑے۔ تیسری یہ ہے کہ اپنی شرمگاہ کو نہ دیکھے جس پر غیر کی نظر پڑنا
حرام ہے۔ کیونکہ امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آپ
نے کبھی اپنی شرمگاہ کو نہیں دیکھا تھا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا
کہ مجھے اپنے آپ سے شرم آتی ہے۔ کہ ایسی چیز کو دیکھوں کہ جس کا دیکھنا دوسرے
پر حرام ہے۔

تیسرے لوگوں سے ادب کے ساتھ پیش آنا ہے۔ اور مخلوق کی
صحبت کے آداب میں سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ سفر و حضر میں
ان کے ساتھ سنت کی متابعت میں عمدہ برتاؤ کرے۔ اور ان تینوں قسم کے
آداب کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ اب میں حسب توفیق تینوں
اقسام کو ترتیب وار بیان کرتا ہوں۔

دوسری فصل

صحبت کے حقوق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ اَیْ یُحَبِّبُ رَبُّهَا بَیْنَهُمُ الْاِخْوَانَ
(یعنی) بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے۔ اللہ تعالیٰ
اُن کے لیے دوستی پیدا کر دے گا۔ یعنی اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے
دوستوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ یعنی جن مسلمانوں کے عمل اچھے ہیں۔ خدا تعالیٰ
اُن کو دوست بنا لیتا ہے۔ اور دلوں میں اُن کی دوستی پیدا کر دیتا ہے۔ اس
لئے کہ وہ دلوں کی رعایت کرتے ہیں۔ اور اپنے بھائیوں کا حق ادا کرتے ہیں۔
اور اُن کو اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
ثَلٰثٌ یُصْفِیْنَ لَكَ وُدَّ اَخِیْكَ اَنْ تُسَلِّمَ عَلَیْهِ اِذَا لَقِیْتَهٗ وَتُوَسِّعَ
لَهٗ فِی الْمَجْلِسِ وَتَدْعُوَهٗ بِاَحَبِّ اَسْمَائِهٖ۔ تین چیزیں ہیں جو تیرے
بھائی کی دوستی تیرے لئے صاف کر دیں گی۔ اوّل یہ کہ اگر تو اُسے ملے تو
اُسے سلام کرے۔ اور دوم مجلس میں اُس کے لئے جگہ کشادہ کرے۔

اور سوم اُس کو اُس نام سے پکارے جو اُس کا زیادہ پسندیدہ ہو) اور نیز خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ (سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو۔) سب کو دو مسلمان بھائیوں کے درمیان مہربانی اور لطف کرنے کا حکم فرمایا۔ تاکہ ان کے دل آپس میں رنجیدہ نہ رہیں۔ اور رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے اَکْثِرُوْا مِنَ الْاِخْوَانِ فَاِنَّ رَبَّکُمْ حَیٌّ کَرِیْمٌ یَسْتَحْیٖ اَنْ یُّعَذِّبَ عَبْدَہٗ بَیْنَ اِخْوَتِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (اپنے بھائی زیادہ بناؤ۔ کیونکہ تمہارا پروردگار باحیا کریم ہے۔ وہ قیامت کے روز اپنے کسی بندہ کو اُس کے بھائیوں کے درمیان عذاب دینے سے حیا کرے گا۔ لیکن یہ ضروری ہے۔ کہ ہمنشینی خداوند تعالیٰ کے لئے ہو۔ نہ کہ خواہش نفس اور غرض نفسانی کے حصول کے لئے۔ تاکہ اُس کے ادب کی رعایت کرنے کی وجہ سے بندہ مشکور ہو۔

اور مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے داماد مغیرہ بن شعبہ سے فرمایا یَا مُغِیْرَۃُ کُلُّ اَخٍ وَّصَاحِبٍ لَّمْ تَسْتَفِدْ مِنْہُ فِیْ دِیْنِکَ خَیْرًا فَانْبِذْ عَنْ صُحْبَتِہٖ حَتّٰی تَسْلَمَ (اے مغیرہ اس بھائی اور دوست سے تو اپنے دین کا کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ اُس کی صحبت ترک کر دے۔ تاکہ تو سلامت رہے) کیونکہ ایسے شخص کی صحبت تجھ پر حرام ہے۔ اور اُس کا مطلب یہ ہے کہ صحبت یا تو اپنے سے بڑے کے ساتھ یا اپنے سے چھوٹے کے ساتھ مناسب ہے۔ کیونکہ اگر تو اپنے سے بزرگ کی صحبت اختیار کرے گا۔ تو اُس سے تجھے فائدہ ہوگا۔ اور اگر اپنے سے کم درجہ کے ساتھ صحبت اختیار کرے گا۔ تو تجھے دینی فائدہ یہ ہوگا۔ کہ وہ تجھ سے کوئی بات سیکھے گا۔ اور دونوں کو دینی فائدہ حاصل ہوگا۔ اگر تو کچھ اُس سے سیکھے گا۔ تو بھی اسی طرح دونوں کو دینی فائدہ حاصل ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ مِنْ تَمَامِ التَّقْوٰی تَعْلِیْمُ مَنْ لَّمْ یَعْلَمْ (بلاشبہ جو شخص نہیں جانتا۔ اُس کو

سکھانا پوری پرہیزگاری ہے) ۔

اور حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ بِئْسَ الصَّدِیْقُ صَدِیْقٌ تَحْتَاجُ اَنْ تَقُوْلَ لَهٗ اُذْكُرْنِیْ فِیْ دُعَائِكَ وَبِئْسَ الصَّدِیْقُ صَدِیْقٌ تَحْتَاجُ اَنْ تَعِیْشَ مَعَهٗ بِالْمُدَارَاةِ وَبِئْسَ الصَّدِیْقُ صَدِیْقٌ تَحْتَاجُ اِلَى الْاِعْتِذَارِ اِلَیْهِ فِیْمَا كَانَتْ مِنْكَ (بُرا دوست ہے وہ شخص کہ تجھے اس کو یہ بات کہنے کی ضرورت ہو کہ مجھے اپنی دعا میں یاد کرنا۔ کیونکہ ایک ساعت کی صحبت کا حق ہمیشہ دوست کے حق میں دعائے خیر کرنا ہے۔ اور بُرا ہے وہ دوست کہ تجھے اس کے ساتھ مدارات سے زندگی بسر کرنا پڑے کیونکہ صحبت کا سرمایہ تو خوشی ہوتی ہے اور بُرا ہے وہ دوست کہ اس قصور کی بابت جو تجھ سے اس کے متعلق سرزد ہوا ہے۔ تجھے اس سے عذر کرنے کی ضرورت ہو کیونکہ عذر کرنا بیگانوں کی شرط ہے اور صحبت میں بیگانگی ظلم ہے) ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمَرْءُ عَلٰى دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ یُّخَالِلْ (آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے کسی کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ کس سے دوستی پیدا کر رہا ہے) کیونکہ اگر وہ نیک لوگوں سے صحبت رکھتا ہے تو اگرچہ وہ بُرا ہی ہو نیک ہو گا۔ اس لئے کہ ان کی صحبت اس کو نیک کر دے گی۔ اور اگر وہ بُروں سے صحبت رکھتا ہے۔ تو اگرچہ وہ خود نیک ہی ہے۔ بُرا ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ان کے فعل بد پر اس کی رضامندی ہے۔ اور جب بُرائی پر راضی ہو گا۔ تو خود نیک سے بد ہو گا۔ اور حکایات میں وارد ہوا ہے کہ ایک آدمی کعبہ کے گرد طواف میں یوں دعا کر رہا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اِخْوَانِیْ فَقِیْلَ لَهٗ لِمَ لَمْ تَدْعُ لَكَ فِیْ هٰذَا الْمَقَامِ (اے اللہ! میرے بھائیوں کی اصلاح کر دے۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ اس شریف مقام میں تو اپنے لیے کیوں دعا نہیں کرتا ہے تو اس نے کہا) اِنَّ لِیْ اِخْوَانًا اَرْجِعُ اِلَیْهِمْ فَاِنْ صَلَحُوْا صَلَحْتُ مَعَهُمْ وَاِنْ فَسَدُوْا فَسَدْتُ مَعَهُمْ (تو اس نے کہا کہ میرے کچھ بھائی ہیں جن کے

پاس لوٹ کر جاؤں گا - پس اگر وہ دوست ہوں گے - تو میں بھی اُن
کی صحبت سے درست ہو جاؤں گا - اور اگر وہ خراب ہوں گے تو میں بھی اُن
کی صحبت سے خراب ہو جاؤں گا یعنی جبکہ میری اصلاح کی بنیاد اصلاح کرنے
والوں کی صحبت پر موقوف ہے - تو میں اپنے بھائیوں کے لئے دُعا کرتا ہوں
تاکہ میرا مقصود اُن سے حاصل ہو - اور ان سب امور کی بنیاد اس بات پر ہے کہ
نفس کو آرام دوستوں کے ساتھ ہوتا ہے - اور جس گروہ میں وہ ہوتا ہے اُن کی
عادت اور اُن کا فعل اختیار کر لیتا ہے - اس لئے کہ تمام معاملات ارادہ سے
پرورش پاتے ہیں - اور اُس کے ارادہ پر دوسروں کا ارادہ غالب آجاتا ہے -
یوں بھی طبیعت پر صحبت کا بڑا اثر ہوتا ہے - اور عادت کو سخت غلبہ حاصل
ہوتا ہے - یہاں تک کہ آدمی عالم کی صحبت سے عالم ہو جاتا ہے - اور طوطا آدمی
کی تعلیم سے ناطق (بولنے والا) ہو جاتا ہے - اور گھوڑا بھی ریاضت اور مشق کی
وجہ سے عادت بہیمی سے عادات انسانی اختیار کر لیتا ہے - اور ایسی سب
چیزوں میں صحبت کی تاثیر ہوتی ہیں کہ ان کی طبعی عادت بدل جاتی ہے - اور طریقت
کے مشائخ رضی اللہ عنہم پہلے ایک دوسرے سے صحبت کا حق طلب کرتے اور
مُریدوں کو اُس کی ترغیب دلاتے ہیں - یہاں تک اُن کے درمیان یہ بات ایک
فریضہ کی طرح ہو گئی ہے اور اس سے پہلے مشائخ نے اس گروہ صوفیہ کے لئے
صحبت کے آداب میں مشرح کتابیں تصنیف کی ہیں - چنانچہ حضرت جنید رحمۃ اللہ
نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے تصحیح الارادت رکھا ہے - اور
ایک کتاب حضرت احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ نے لکھی ہے - اس کا نام
الرعایۃ بحقوق اللہ رکھا ہے - اور محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ نے بھی
ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام آداب المریدین رکھا ہے - اور ابوالقاسم
حکیم اور ابوبکر ورّاق اور سہل بن عبداللہ اور ابو عبدالرحمن سلمی اور استاذ ابوالقاسم
قشیری رحمہم اللہ تعالیٰ سب نے اس کے متعلق کامل کتابیں لکھی ہیں اور یہ
سب لوگ اس فن کے امام ہوئے ہیں - چونکہ میرا مقصود اس کتاب سے یہ ہے
کہ جس کے پاس بھی یہ کتاب موجود ہو - اُسے دوسری کتابوں کی حاجت نہ ہو -

اور اس سے پیشتر اس کتاب کے مقدمہ میں تمہارے سوال کے موقعہ پر یہ کہہ چکا ہوں۔ کہ یہ کتاب تمہارے لئے اور طالبانِ طریقت کے لئے مطلوب ہے۔ اس لئے میں انشاء اللہ تعالٰی اُن صوفیائے کرام کے معاملات کے آداب کے انواع میں سے کچھ باب ترتیب وار بیان کروں گا۔

تیسری فصل

رعایتِ حقوقِ صُحبت

جب تمہیں معلوم ہو گیا۔ کہ مُرید کے لئے سب سے ضروری چیز صحبت ہے تو لامحالہ صحبت کے حق کو ملحوظ رکھنا فرض ہوا۔ کیونکہ مُرید کے لئے تنہا رہنا ہلاکت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلشَّیْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ (شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور دو سے وہ دُور رہتا ہے) خداوند تعالٰی نے فرمایا ہے مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (کبھی تین آدمی بھی سرگوشی نہیں کرتے۔ مگر اللہ تعالٰی اُن میں چوتھا ہوتا ہے) پس مُرید کے لئے تنہائی جیسی اور کوئی آفت نہیں ہے۔ اور حکایات میں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مُریدوں میں سے ایک کے دل میں خیال آیا۔ کہ وہ اب کمال کے درجہ پر پہنچ گیا ہے اور اس کے لئے تنہائی صُحبت سے بہتر ہے۔ چنانچہ وہ گوشہ میں چلا گیا۔ اور جماعت کی صحبت سے منہ موڑ لیا۔ جب رات ہوتی۔ تو اُن کے پاس ایک اونٹ لاتے۔ اور اُس سے کہتے کہ تمہیں بہشت میں جانا چاہیئے اس پر وہ اس اونٹ پر بیٹھ کر چلے جاتے۔ یہاں تک کہ ایک مقام نہایت اچھا ظاہر ہوتا۔ اور ایک خوبصورت جماعت اور عمدہ عمدہ کھانے اور جاری پانی صبح تک اُس کے لئے وہاں تیار رکھتے۔ پھر وہ سو جاتا۔ جب بیدار ہوتا تو اپنے آپ کو اپنے تکیہ میں موجود پاتا۔ یہاں تک کہ انسانیت کا غرور اُس کے اندر بھر گیا۔ اور تکبر نے اُس کے دل میں پوری تاثیر کی۔ اور اُس نے دعوٰی کی زبان کھولی۔ اور کہنے لگا۔ کہ مجھے ایسی حالت ہوتی ہے۔ یہ خبر حضرت جُنید رحمۃ اللہ کے پاس پہنچی۔ آپ اُٹھے اور اُس کے تکیے کے دروازے پر تشریف لے

جا کر معلوم کیا کہ غرور اور تکبر اس کے سر میں جگہ پکڑے ہوئے ہے۔ اس سے
خالی دریافت کیا۔ تو اس نے سارا ماجرا حضرت جنید رحمۃ اللہ سے بیان کر دیا
اُنہوں نے فرمایا کہ آج رات جب تو اس مقام پر پہنچے تو پڑھ لینا کہ تین بار کہ
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ (بلند اور عظمت والے اللہ کی
مدد کے بغیر نیکی کر سکتے ہیں نہ بدی سے بچ سکتے ہیں) ایک سبب رات ہوئی
تو اس کو وہاں لے گئے اور وہ دل میں جنید رحمۃ اللہ کا انکار کر رہا تھا۔ اور جب
کچھ وقت گزرا تو اس نے تجربہ کے لئے تین بار لَاحَوْلَ پڑھی۔ وہ سب
چلانے لگے اور وہاں سے چلے گئے۔ اور اس نے اپنے آپ کو ایک کوڑی
میں بیٹھا ہوا پایا۔ اور کچھ ہڈیاں مردار کی اپنے چاروں طرف رکھی ہوئی دیکھیں
چنانچہ اپنی غلطی پر آگاہ ہوا۔ اور توبہ کر کے صحبت اختیار کر لی۔ اور مرید کے
لئے تنہائی جیسی اور کوئی آفت نہیں ہوتی۔ اور ان کی صحبت کی شرط یہ ہے کہ
ہر شخص کو اس کے درجے میں پہچانیں۔ مثلاً بوڑھوں کے ساتھ ادب سے پیش
آئیں۔ اور ہم جنسوں کے ساتھ خوش خلقی سے زندگی بسر کریں۔ اور بچوں سے
شفقت کریں۔ چنانچہ بوڑھوں کو باپوں کے درجہ میں اور ہم جنسوں کو بھائیوں
کے درجہ میں اور بچوں کو بیٹوں کے مقام پر رکھیں۔ اور کینہ سے بیزار ہوں،
حسد سے پرہیز اور دلی دشمنی سے روگردانی کریں۔ اور نصیحت کسی سے بھی روک
نہ رکھیں۔ آپس کی صحبت میں ایک دوسرے کی غیبت اور خیانت اور ایک
دوسرے کے فعل کا انکار کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ جب صحبت خدا کے لئے
ہو تو کسی فعل یا قول سے جو بندہ سے ظاہر ہو قطع تعلق نہ کرے۔
مصنف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ المشائخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ
اللہ سے پوچھا کہ صحبت کی شرط کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا یہ ہے کہ تو صحبت
میں اپنا حصّہ نہ طلب کرے کیونکہ صحبت کی تمام خرابیاں اسی وجہ سے ہیں
کہ ہر شخص اس سے اپنا حصّہ طلب کرتا ہے۔ اور حصّہ طلب کرنے والے
کے لئے صحبت سے تنہائی بہتر ہے۔ اور جب اپنا حصّہ چھوڑ دے اور اپنے
ساتھی کے حصّے کی رعایت کرے۔ تو وہ صحبت میں حق پر ہوتا ہے۔ ایک

درویش کہتا ہے۔ کہ ایک دفعہ میں کوفہ سے مکہ کے ارادہ سے جا رہا تھا میں نے حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ کو راستہ میں پایا۔ ان سے صحبت کی درخواست کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ صحبت کے لئے ایک امیر چاہیئے۔ اور ایک حکم ماننے والا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تو امیر ہو یا میں؟ میں نے کہا امیر آپ ہو جیئے۔ آپ نے فرمایا۔ اب تجھے میرے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا ہوگا۔ میں نے کہا بجا ہے اس نے بیان کیا ہے کہ جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے مجھ سے فرمایا بیٹھ جا۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے کنوئیں سے پانی نکالا۔ سردی اتنی آپ نے ایندھن جمع کیا۔ اور آگ روشن کر کے مجھے گرم کیا۔ اور میں کام کا میں ارادہ کرتا تھا۔ مجھے فرماتے تھے۔ بیٹھ جا۔ اور میں چونکہ حکم کی شرط ملحوظ رکھتا۔ اس لئے خاموش ہو جاتا جب رات ہوئی بارش بہت برسنے لگی۔ آپ نے اپنی گدڑی نکالی اور صبح تک میرے سر پر پکڑے رہے۔ گدڑی ہاتھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔ اور میں شرمندہ ہو رہا تھا۔ اور شرط کی رو سے کوئی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ انہوں نے بیان کیا ہے۔ کہ جب صبح ہوئی میں نے کہا اے شیخ! آج امیر میں ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ بہت بہتر۔ جب ہم منزل پر پہنچے تو آپ نے وہی خدمت اپنے ہاتھ میں لے لی میں نے کہا میرے حکم سے آپ باہر ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ فرمان سے وہ شخص باہر نکلتا ہے جو امیر کو اپنی خدمت سپرد کرے۔ کہ تک اسی طرح آپ نے میرے ساتھ صحبت رکھی۔ جب ہم مکہ میں پہنچے تو میں مارے شرم کے بھاگ گیا۔ یہاں تک کہ منیٰ میں آپ نے مجھے دیکھا۔ اور کہنے لگے کہ بیٹا! تجھ پر لازم ہے کہ درویشوں کے ساتھ ایسی صحبت رکھے۔ جیسی میں نے تیرے ساتھ رکھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَخَدَمْتُہٗ عَشَرَ سِنِیْنَ فَوَاللّٰہِ مَا قَالَ لِیْ اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِیْ بِشَیْءٍ فَعَلْتُ کَذَا اَوْ لِشَیْءٍ لَمْ اَفْعَلْہُ لِمَ لَا فَعَلْتَ کَذَا ۔ میں دس سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا۔ اور آپ کی خدمت کی۔ سو قسم اللہ کی

آپ نے کبھی بھی مجھے اُف تک نہیں کہی۔ اور نہ ہی کسی کام میں آپ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ تُو نے ایسا کیا۔ اور نہ اُس کام میں جو میں نے نہیں کیا یوں فرمایا کہ تُو نے ایسا کیوں نہیں کیا۔) پس سب درویش دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مُقیم دوسرے مسافر۔ اور مشائخ کا طریق یہ ہے کہ مُسافر مقیموں کو اپنے اوپر ترجیح دیں۔ اس لئے کہ وہ مسافر اپنے نفس کے واسطے جا رہے ہیں۔ اور مقیم لوگ حق کی خدمت میں بیٹھ رہے ہیں۔ کیونکہ مسافروں کے اندر طلب اور تلاش کی علامت ہوتی ہے۔ اور مقیموں میں مطلوب کے حاصل ہونے کی نشانی پس فضیلت اُس کو ہوگی جس نے مطلوب کو پا لیا۔ اور بیٹھ گیا۔ اُس شخص کے مقابلہ میں جو مطلوب کی تلاش میں ہے۔ اور مقیموں کو بھی چاہیئے کہ مسافروں کو اپنے اوپر ترجیح دیں۔ اس لیئے کہ وہ خود تعلق رکھتے ہیں۔ اور مسافر تعلقات دنیا سے مُفرد اور مجرّد ہے۔ اور مسافر لوگ تلاش میں ہیں اور مقیم توقف کیا ہے۔ اور بوڑھوں کو چاہیئے کہ جوانوں کو اپنے اوپر فضیلت دیں کیونکہ وہ دنیا میں حال ہی میں وارد ہوئے ہیں۔ اور ان کے گناہ بہت تھوڑے ہیں۔ اور جوانوں کو بھی چاہیئے کہ بوڑھوں کو اپنے اوپر فوقیت دیں۔ کیونکہ وہ عبادت الٰہی میں ان سے پہلے اور خدمت میں مقدّم ہیں۔ اور جب ایسا ہو جائے گا۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو دونوں گروہ ایک دوسرے کی وجہ سے نجات پا جائیں گے۔ ورنہ ہلاک ہو جائیں گے ؂

چوتھی فصل

آداب کی حقیقت

یاد رکھو کہ آداب کی حقیقت نیک خصلتوں کا جمع ہونا ہے مَأْدُبَہ (دیہاتی کا کھانا) کو اس لئے مادبہ کہتے ہیں کہ اُس میں جو چیز ہوتی ہے بخیر ہوتی ہے۔ فَالْاَدِیْبُ مَنِ اجْتَمَعَ فِیْهِ خِصَالُ الْخَیْرِ اَدِیْبٌ (پس وہ شخص جس میں نیک خصلتیں جمع ہوں وہ ادب والا ہے) اور لوگوں کی اصطلاح میں جو شخص علم لغت و صرف نحو کو جانے اس کو ادیب کہتے ہیں۔ لیکن گروہ صوفیا کے نزدیک اَلْاَدَبُ هُوَ الْوُقُوْفُ مَعَ الْحَسَنَاتِ وَمَعْنَاهُ اَنْ تُعَامِلَ اللّٰهَ فِي الْاَدَبِ

سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَإِذَا كُنْتَ كَذٰلِكَ كُنْتَ اَدِيْبًا وَإِنْ كُنْتَ اَعْجَمِيًّا
وَإِنْ لَّمْ تَكُنْ كَذٰلِكَ تَكُوْنُ عَلٰى ضِدِّهٖ۔ ادب اچھے کام کرنا ہے۔
مطلب یہ ہے۔ کہ تو اللہ کے حضور ظاہر و باطن میں ادب محفوظ رکھے۔ جب تو ایسا
ہوگا ادیب ہوگا۔ اگرچہ تو غیر عربی ہے۔ اگر تو ایسا نہیں ہے۔ تو اس کے برعکس
یعنی غیر ادیب ہوگا۔ کیونکہ لفظی اور لسانی عمل کی کچھ قیمت نہیں۔ اور تمام
احوال میں عمل کرنے والے بے عملوں سے زیادہ بزرگ ہیں۔ ایک بزرگ
سے لوگوں نے پوچھا کہ ادب کی شرط کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے جو کچھ سنا
ہے۔ ایک بات کے اندر تیرا جواب دیتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ ادب یہ ہے۔ کہ اگر تو کچھ
کہے تو تیرا کلام سچا ہو۔ اگر تو کوئی معاملہ کرے تو تیرا معاملہ حق و انصاف کے ساتھ
ہو۔ اور سچا کلام اگرچہ سخت اور کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔ اچھا ہی ہوتا ہے اور
نیک عمل اگرچہ کتنا ہی سخت ہو اچھا ہی ہے۔ پس جب وہ کوئی بات کہے
تو اپنے کہنے میں حق بیان کرنے والا ہو۔ اور جب خاموش ہو تو اپنی خاموشی میں
راستی پر ہو۔ اور شیخ ابو نصر سراج رحمۃ اللہ مصنف لمع نے اپنی کتاب میں
ادب کے مختلف فرق بیان فرمائے ہیں۔ اور کہا ہے۔ اَلنَّاسُ فِي الْاَدَبِ
عَلٰى ثَلٰثِ طَبَقَاتٍ اَمَّا اَهْلُ الدُّنْيَا فَاَكْثَرُ اٰدَابِهِمْ فِي الْفَصَاحَةِ
وَالْبَلَاغَةِ وَحِفْظِ الْعُلُوْمِ وَاَسْمَارِ الْمُلُوْكِ وَاَشْعَارِ الْعَرَبِ وَاَمَّا
اَهْلُ الدِّيْنِ فَاَكْثَرُ اٰدَابِهِمْ فِي رِيَاضَةِ النَّفْسِ وَتَادِيْبِ الْجَوَارِحِ
وَحِفْظِ الْحُدُوْدِ وَتَرْكِ الشَّهَوَاتِ وَاَمَّا اَهْلُ الْخُصُوْصِيَّةِ
فَاَكْثَرُ اٰدَابِهِمْ فِي طَهَارَةِ الْقُلُوْبِ وَمُرَاعَاتِ الْاَسْرَارِ وَالْوَفَاءِ
بِالْعُهُوْدِ وَحِفْظِ الْوَقْتِ وَقِلَّةِ الْاِلْتِفَاتِ اِلَى الْخَوَاطِرِ وَحُسْنِ
الْاَدَبِ فِي مَوَاقِفِ الطَّلَبِ وَاَوْقَاتِ الْحُضُوْرِ وَمَقَامَاتِ الْقُرْبِ
لوگ آداب میں تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اہل دنیا ہیں کہ ان کے نزدیک
ادب فصاحت اور بلاغت علوم و فنون کی تحقیق و تدوین، زمانے کے بادشاہوں
کے قصے اور مختلف الفکر شعراء کے اشعار کا اچھا ذخیرہ حافظہ میں محفوظ کرنا
ہے۔ اور علموں اور بادشاہوں اور اشعار عرب کا حفظ کرنا ہے۔ دوسرے

اہلِ دین کہ اُن کے نزدیک ادب نفس ریاضت و مجاہدہ کا عادی بنانا۔ اعضا کو تادیب۔ حدود الٰہی کی حفاظت اور نفسانی خواہشات کو ترک کرنا ہے۔ تیسرے اہلِ خصوصیت کہ اُن کے نزدیک ادب دل کو پاک رکھنا۔ باطن کے بھید کی رعایت کرنا۔ عہد کو پورا کرنا۔ وقت کی نگہداشت اور خیالاتِ پراگندہ کو کم کرنا ہے۔ اور پھر طلب و قرب کے مقامات اور حضور کے اوقات میں سب سے اچھا ادب کرنا ہے۔ اور یہ کلام جامع ہے۔ اور اس کی تفصیل اس کتاب میں متفرق مقامات پر آئے گی۔

پانچویں فصل

اقامت میں صحبت کے آداب

جب کوئی درویش سفر چھوڑ کر اقامت اختیار کرلے۔ تو اُس کے ادب کی شرط یہ ہے کہ جب کوئی مسافر اُس کے پاس پہنچے تو اُس کی عزت کرتے ہوئے اُس کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ اور کامل ادب و احترام سے اُس کو قبول کرے۔ اور یوں سمجھے کہ وہ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے اعظمت کے لحاظ میں سے ایک ہے۔ وہ اُس کے ساتھ وہی سلوک کرے جو ابراہیم علیہ السلام اپنے مہمان کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ یعنی تکلف کئے بغیر جو کچھ موجود ہو۔ لا حاضر کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ (پس آپ موٹا تازہ بچھڑا اُٹھا ہوا لے آئے) اور ادب کا خیال رکھتے ہوئے یوں نہ پوچھے کہ تو کہاں سے آیا ہے۔ یا کہاں جاتا ہے؟ یا تیرا نام کیا ہے؟ بس اُس کے آنے کو خدا کی طرف سے اور اُس کے جانے کو خدا کی طرف اور اُس کے نام کو خدا کا بندہ خیال کرے۔ پھر غور کرے کہ اس کو آرام کے لئے تنہائی چاہیئے۔ یا صحبت اگر اُس کو خلوت پسند ہے۔ تو اُس کے لئے جگہ خالی کردے۔ اگر اُس کو صحبت پسند ہے تو بے تکلف محبت ہمدردی اور معاشرہ کے دیگر مراسم کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے گفتگو کرے۔ اور جب مسافر سر اُس کے پاؤں پر رکھ کر سونے کا ارادہ کرے تو مقیم کو چاہیئے کہ اُس کے پاؤں دبائے۔ اگر وہ ایسا نہ کرنے دے اور جیسے کہ مشتبہ اس کی عادت نہیں۔ تو اسے چھوڑ دے۔ تاکہ اُس کو ناگوار نہ گزرے۔

اور دوسرے دن اُسے کسی صاف ستھرے حمام میں لے جائے۔ اور اُس کے
کپڑوں کو حمام کی ناپاک جگہوں سے محفوظ رکھے اور کسی اجنبی خدمتگار کو اُس کی
خدمت پر مقرر نہ کرے۔ اور چاہیئے کہ ایسے اچھے اعتقاد کے ساتھ اُس کی
خدمت کرے۔ کہ وہ بدن کو صاف کرنے کے ساتھ خود تمام عیبوں سے پاک ہو
جائے۔ ضروری ہے کہ اُس کی پیٹھ کھجلائے۔ اور اُس کے گھٹنوں، تلووں اور
ہاتھوں کو اچھی طرح ملے اور اس پر اکتفا کرے۔ اور اگر اس مقیم کو اس بات کی
دسترس ہو کہ اُس کو نئے کپڑے مہیا کرے تو یہ بھی کرے۔ ورنہ تکلف بھی نہ کرے
اُس کے انہی کپڑوں کو دھو ڈالے۔ تاکہ جب حمام سے نکلے تو اُن کو پہن لے
اور جب حمام سے اپنی جگہ پر واپس آئے تو وہ تین دن اور ٹھہر جائے۔ اگر اس
شہر میں کوئی بزرگ یا کوئی جماعت یا اسلام کے اماموں میں سے کوئی ہو۔ تو
اُس سے کہے کہ اگر مناسب ہو تو اس کی زیارت کو چلیں۔ اگر وہ چلے تو بہتر
اور اگر انکار کرے تو اُس کو مجبور نہ کرے۔ کیونکہ طالبانِ حق پر ایک ایسا وقت
بھی آتا ہے۔ کہ اپنا دل بھی اُن کے قابو میں نہیں ہوتا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب
حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ سے لوگوں نے کہا کہ اپنے سفروں کے عجائبات
میں سے کچھ بتایئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک دفعہ
مجھ سے ہمنشینی کی درخواست کی۔ مگر میں نے قبول نہ کی۔ اور اُن کی ہم نشینی پر
راضی نہ ہوا۔ کیونکہ اُس وقت میرے دل نے نہ چاہا کہ حق تعالےٰ کے سوا کسی اور
کی میرے دل میں قدر و قیمت ہو۔ اور اس کی رعایت کرنا پڑے۔ البتہ یہ روا
نہیں کہ مقیم، مسافر کو اہل دنیا کے سلام کرنے اور اُن کی مہمانیوں اور بیمار پرسیوں
کے لئے لے جائے۔ اور جس مقیم کو مسافروں سے یہ لالچ ہو۔ کہ اُن کو اپنی گدائی
کا آلہ بنائے اور اُسے گھر گھر لئے پھرے۔ اُس کے لئے اُن کے جسم پر وہ گدائی
کی ذلت ڈالنے اور اُن کے دل کو رنج پہنچانے کے مقابلے میں یہ کہیں بہتر ہے۔
کہ سرے سے اُن کی کوئی خدمت ہی نہ کی جائے۔ اور مجھ (علی بن عثمان جلابی)
کو اپنے سفروں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی بات ناگوار اور رنجیدہ نہ تھی۔ کہ جاہل
خادم اور بے خوف مقیم کبھی مجھ کو اپنے ساتھ لے لیتے۔ اور اس چودھری کے

گھر سے اُس زمیندار گھر سے پھرتے۔ اور میں دلی کراہت سے اُن کے ساتھ
چلا جاتا۔ اور بظاہر میں درگزر کرتا۔ پھر مقیم لوگ بعد سے جو بے قاعدگی کیا کرتے
تھے۔ میں اُن کی وجہ سے دل میں عہد کر لیتا کہ اگر میں کسی وقت مقیم ہو جاؤں گا
تو مسافروں سے کبھی ایسا سلوک روا نہیں رکھوں گا۔ اور بے ادبوں کی صحبت
سے اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا۔ کہ جو کچھ اُن کے معاملات میں سے ناپسند ہو
تو اُس کو برداشت کرے۔ اور خود اُن جیسی کوئی حرکت نہ کرے۔ اور پھر اگر کوئی
درویش مسافر خوش ہو۔ اور چند روز صحبت رکھے اور دُنیاوی ضرورت ظاہر کرے
تو مقیم کے لئے ضروری ہے۔ کہ اُس کی ضرورت پوری کر دے۔ یعنی جو کچھ اُس
کو ضرورت ہو۔ فوراً حاضر کر دے۔ اگر وہ مسافر جھوٹا دعویٰ کرنے والا اور بے ہمت
ہے تو مقیم کو نہ چاہیئے کہ وہ بھی بے ہمتی کرے۔ اور اس کی محال ضروریات میں
اُس کے تابع ہو جائے۔ کیونکہ یہ دُنیا سے قطع تعلق کرنے والوں کا طریقہ نہیں ہے
جب اسے کوئی ایسی ضروری چیز درکار ہو۔ تو لین دین کے لئے بازار جانا چاہیئے
تاکہ سائلین کے ساتھ بادشاہوں کے دربار میں۔ بادشاہوں کو تارکانِ دُنیا کی صحبت سے
کیا کام ۔

کہتے ہیں کہ حضرت جُنید رحمۃ اللہ اپنے اصحاب کے ساتھ ریاضت
و مجاہدہ کے لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک مہمان آگیا۔ اُس کے واسطے بہت
تکلف کیا۔ اور کھانا اُس کے سامنے لا کر رکھا وہ کہنے لگا۔ مجھے تو فلاں چیز چاہیئے
آپ نے فرمایا۔ تب تو تجھے بازار جانا چاہیئے۔ کیونکہ تو بازاری آدمی ہے۔ اہلِ مساجد
و صوامع سے نہیں ۔

ایک دفعہ میں نے دمشق سے دو درویشوں کے ہمراہ ابن معلاؒ کی زیارت
کا قصد کیا۔ وہ رَملہ گاؤں میں رہتے تھے۔ ہم نے راستہ میں ایک دوسرے سے
کہا کہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے دل میں ایک ایسی بات سوچ لینی چاہیئے جو اُسے
معلوم ہو۔ تاکہ وہ پیر ہمارے باطن سے ہمیں خبر دیں۔ اور ہمارا وہ واقعہ حل ہو جائے
چنانچہ میں نے اپنے دل میں کہا۔ کہ مجھے آپ سے حسین بن منصورؒ کی مناجات اور
اُن کے اشعار کی درخواست کرنی چاہیئے۔ دوسرے نے کہا۔ مجھے دُعا کرانی ہے

تاکہ میری تلی اچھی ہو جائے۔ اور تیسرے نے کہا۔ کہ مجھے صابونی حلوا چاہیئے جب ہم لوگ آپ کے پاس پہنچے۔ تو آپ کے حکم سے حسین بن منصورؒ کی مناجات کے کچھ اشعار ختم ہوئے تھے۔ سو میرے سامنے رکھ دیئے گئے۔ دوسرے درویش کے پیٹ پر ہاتھ پھیر دیا۔ اُس کی تلی کم ہو گئی۔ اور تیسرے سے فرمایا کہ صابونی حلوا سلطانی نوکروں چاکروں کی غذا ہے۔ تو اولیاء کا لباس رکھتا ہے۔ اولیاء کا لباس سرکاری آدمیوں اور دُنیاداروں کے مطالبہ کے ساتھ درست نہیں معلوم ہوتا ان دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لے۔ الغرض مقیم کو اُس شخص کی رعایت کے سوا اور کچھ نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی رعایت میں مشغول ہے۔ اور اپنے حصّہ کو ترک کرنے والا ہے۔ اور جب کوئی شخص اپنے حصے کی رعایت پر اقامت کرے۔ تو نفس کی خوشی محال ہے۔ کہ کوئی دوسرا شخص اس کے نفس کی خوشی کے حصول میں اُس کے ساتھ موافقت کرے۔ کیونکہ درویش ایک دوسرے کے رہبر ہوتے ہیں۔ رہزن نہیں ہوتے۔ جب کوئی شخص اپنے حظِ نفس پر قائم رہے تو دوسرے کو چاہیئے کہ اُس کے خلاف کرے۔ اور جب وہ اپنے حظِ نفس کو چھوڑ دے۔ تو چاہیئے کہ اُس کے حصے پر وہ بھی موافقت کرے۔ تاکہ دونوں حال میں وہ رہبر ہو نہ رہزن۔ اور احادیث میں مشہور ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے برادری قائم کر دی تھی۔ اور دونوں اصحاب صفّہ اور اہل باطن کے سردار تھے۔ ایک دن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر رضی اللہ کے گھر زیارت کے لیئے آئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس اُن کی شکایت کی۔ کہ آپ کا یہ بھائی نہ تو دن کو کچھ کھاتا ہے اور نہ رات کو سوتا ہے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کچھ کھانے کی چیز لے آؤ۔ جب وہ لائیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اے بھائی! تجھے میرے ساتھ موافقت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ روزہ تجھ پر فرض نہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے موافقت نہ کی۔ اور جب رات ہوئی تو کہا۔ اے بھائی! سو جا۔ ابھی تجھ کو میرے ساتھ موافقت کرنی چاہیئے۔ اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجَتِكَ

عَلَیْکَ حَقًّا وَّ اِنَّ لِرَبِّکَ عَلَیْکَ حَقًّا (بلا شبہ تیرے جسم کا تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔ اور تیرے پروردگار کا بھی تجھ پر حق ہے) جب دوسرے دن حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں بھی وہی کہتا ہوں جو کل سلمان رضی اللہ عنہ نے تجھ سے کہا۔ اِنَّ لِجَسَدِکَ حَقًّا الخ (تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے الخ) چونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے نفس کی خواہشات کو ترک کیا ہوا تھا۔ اس لئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اُن کے نفس و خواہشات پر اقامت کی۔ اور اپنا ورد چھوڑ دیا۔ اور اسی بنیاد پر جو کچھ بھی تُو کرے۔ وہ صحیح اور مستحکم ہوگا۔

ایک دفعہ میں ملک عراق میں دُنیا کی طلب اور اُس کے فنا کرنے میں اسراف کر رہا تھا۔ اور قرض بہت ہو گیا تھا۔ اور جس کو ضرورت ہوتی وہ میری طرف متوجہ ہوتا۔ اور میں اُن کی خواہش نفسانی کے پورا کرنے کی تکلیف میں مبتلا تھا۔ وقت کے سرداروں میں سے ایک سردار نے مجھے لکھا۔ کہ اے بیٹا! خبردار اپنے دل کو خدا سے ہٹا کر اُس دل کو آرام دینے میں مشغول نہ کر۔ جو اپنے نفس کی خواہش میں مشغول ہے۔ پس اگر اپنے دل سے زیادہ عزیز دل تجھے ملے تو روا ہے۔ کہ اُس دل کی فراغت کے لئے تو اپنے دل کو مشغول کرے۔ ورنہ اس کام سے ہاتھ اُٹھا لے۔ کیونکہ خود خداوند تعالےٰ اپنے بندوں کے لئے کافی ہے چنانچہ فوراً مجھے اس کام سے فراغت حاصل ہوئی۔ مسافروں کی صحبت میں مقیموں کے لئے مختصر احکام بس یہی ہیں۔

چھٹی فصل

سفر میں آدابِ صحبت

جب درویش اقامت چھوڑ کر سفر اختیار کرے۔ تو اُس کے ادب کی شرط یہ ہے۔ کہ پہلے سفر خدا کے لئے کرے۔ نفس کی متابعت نہ کرے۔ اور جیسا کہ وہ ظاہر میں سفر کر رہا ہے۔ باطن میں بھی اپنے نفس کی خواہش کو چھوڑ کر سفر کرتے اور ہمیشہ باوضو رہے۔ اور اپنے ورد و وظائف کو ضائع نہ کرے۔ اور چاہیئے

کہ اُس سفر سے اُس کی مراد خانہ کعبہ کا حج ہو۔ یا جہاد یا کسی پاک مقام کی زیارت سے باطنی فائدہ اٹھانا۔ یا علم کی تلاش یا کسی بزرگ اور شیخ کے مزار کی زیارت مقصود ہو ورنہ اُس سفر میں وہ خطاوار ہوگا۔ اور اُس کے لئے اس سفر میں گدڑی مُصلّٰی، لوٹا، رسی، جوتا یا نعلین اور لاٹھی کے بغیر چارہ نہیں۔ تاکہ گدڑی سے اپنا ستر ڈھانپے۔ مُصلّے پر نماز ادا کرے۔ اور لوٹے سے وضو کرے۔ اور لاٹھی سے ضرر پہنچانے والے جانوروں کو ہٹائے اور ان میں اس کے لئے اور بھی کچھ فوائد ہیں۔ بغیر نعلین یا جوتا وضو کی حالت میں پیروں میں ڈالے۔ تاکہ مصلّے پر آئے۔ اور اگر کوئی شخص سنت کی پیروی کرتے ہوئے اس سے زیادہ سامان رکھے جیسا کہ کنگھی اور ناخن گیر اور سوئی اور سُرمہ وغیرہ تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر اس سے زیادہ سامان سفر مہیا کرے۔ اور اپنے آپ کی زینت کرے۔ تو وہ غور کرے۔ کہ وہ کس مقام میں ہے۔ اگر ارادت کے مقام میں ہے۔ تو ان میں سے ہر ایک چیز اُس کے لئے ایک قید ایک بُت ایک دیوار اور ایک حجاب ہے۔ اور اُس کے نفس کی سرکشی اور رعونت کے ظاہر کرنے کا سامان ہے اور اگر وہ تمکین و استقامت کے مقام میں ہے یعنی نفس اس کا قابو میں ہے۔ اور وہ ثابت قدم ہے۔ تو اس کے لئے یہ سامان اور اس سے بھی زیادہ رکھنا درست ہے +

میں نے شیخ ابو مسلم فارس بن غالب الفارسی رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے۔ فرماتے تھے۔ کہ میں ایک دن شیخ ابو سعید ابو الخیر فضل اللہ بن محمد رضی اللہ عنہ کے پاس زیارت کے قصد سے آیا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ آپ ایک تخت پر چار تکیے لگائے، ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر عجیب انداز سے دھرے بیٹھے ہیں۔ اور ایک بیش قیمت مصری چادر اوڑھ رکھی ہے میرے کپڑے میل کی وجہ سے چمڑے کی طرح ہو گئے تھے۔ اور میرا جسم رنج سے گھلا ہوا تھا۔ اور رنگ مجاہدہ کی وجہ سے زرد تھا۔ آپ کے دیدار سے میرے دل میں انکار سا پیدا ہوا میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ بھی درویش اور میں بھی درویش۔ یہ تو اتنے آرام کے اندر اور میں اتنی تکلیف میں؟ آپ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے

فوراً میرے باطن پر اطلاع پائی۔ اور میری نخوت و وسوسہ کو دیکھ کر فرمایا۔ اے مسلم! کسی ویلان میں تو نے دیکھا ہے۔ کہ خود بین آدمی درویش ہوتا ہے۔ چونکہ میں نے سب حق کو دیکھا۔ حق تعالےٰ نے فرمایا۔ کہ تجھے تخت پر ہی بٹھاؤں گا اور چونکہ تو نے سب اپنے ہی آپ کو دیکھا۔ تو اُس نے فرمایا کہ تجھے نیچے ہی رکھوں گا لہٰذا ہمارے نصیب تو مشاہدۂ حق ہؤا۔ اور تیرے نصیب مجاہدہ۔ اور یہ دونوں مقام طریقت کے مقامات میں سے ہیں۔ اور حق تعالےٰ اِن سے پاک ہے اور درویش مقامات سے فانی اور احوال سے خلاصی پائے ہوئے ہے۔ شیخ ابو مسلم فرماتے ہیں یہ سن کر میرے ہوش جاتے رہے۔ اور تمام عالم مجھ پر سیاہ ہو گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں نے معذرت کی۔ آپ نے میری معذرت قبول کی۔ تب میں نے عرض کیا اے شیخ! مجھے اجازت ہو کہ میں چلا جاؤں۔ کیونکہ میرا حال آپ کی رؤیت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ صَدَقْتَ یَا اَبَا مُسْلِم (اے ابو مسلم! تو نے سچ کہا ہے اور مثال کے طور پر آپ نے یہ بیت پڑھا ؎

آنچہ گوشم نتوانست شنیدن بہ خبر
ہمہ چشمم بیان یکسرہ دید آں بہ بصر

(جو کچھ میرا کان خبر سے سن نہ سکا۔ میری آنکھ نے سب کچھ ظاہر طور پر نظر سے دیکھ لیا۔) پس مسافر کو چاہیئے کہ ہمیشہ سنت کی حفاظت کرتا رہے اور جب کسی مقیم کے پاس پہنچے۔ تو قابل عزت واحترام کے ساتھ اُس کے پاس آئے۔ پہلے سلام کرے۔ اور پھر بایاں پاؤں جوتے سے باہر نکالے۔ کیونکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔ جب جوتا پہنے تو پہلے دایاں پاؤں جوتی میں ڈالے۔ پھر بایاں۔ جب پاؤں دھوئے تو پہلے داہنا اور پھر بایاں۔ اور دو رکعت نفل تحیتہ ادا کرے۔ پھر درویشوں کے حقوق کی رعایت کرنے میں مشغول ہو جائے۔ اور کسی حالت میں مقیموں پر اعتراض نہ کرے۔ اور نہ معاملہ میں کسی پر زیادتی کرے نہ اپنے سفر کی سختیوں کو بیان کرے۔ اور نہ جماعت کے درمیان علمی باتیں اور حکائتیں اور روائتیں بیان کرے۔ کیونکہ یہ سب اُمور سرکشی کا اظہار ہیں۔ اور چاہیئے کہ جاہلوں کا رنج اٹھائے۔ اور اُن کا بوجھ خدا کے لئے برداشت کرے

کیونکہ اس میں بہت برکتیں ہیں۔ اور اگر مقیم یا اُن کے خادم اُس پر کوئی حکم کریں۔ اور اُس کو سلام کرنے یا کسی زیارت پر جانے کی دعوت دیں۔ تو اگر ہو سکے تو اُن کی مخالفت نہ کرے۔ لیکن دل میں اہل دُنیا کی رعایت کرنے کا منکر رہے۔ اور اُن بھائیوں کے افعال کے لئے کوئی عذر ڈھونڈتا رہے۔ اور اُن کی تاویل کرتا رہے اور اپنی کسی مشکل سے حاصل ہونے والی ضرورت کا بوجھ اُن کے دل پر نہ ڈالنا چاہیئے اور اپنی راحت اور نفس کی خواہش کے حصول کے لئے انہیں امراء کے درباروں میں لئے لئے پھرنا بھی مناسب نہیں۔ اور تمام حالات میں مسافر اور مقیم کے لئے صحبت میں خداوند تعالٰے کی رضا جوئی مطلوب ہونی چاہیئے۔ اور ایک دوسرے پر نیک اعتقاد رکھنا چاہیئے۔ اور آپس میں بُرا نہیں کہنا چاہیئے۔ اور پیٹھ پیچھے غیبت نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ طالب حق کے لئے کسی کی برائی کرنا نہایت برا ہے۔ اس لئے کہ محقق لوگ فعل کے دیکھنے میں فاعل کو دیکھتے ہیں۔ اور چونکہ خلقت جس صفت پر کہ ہے۔ خداوند پاک کی ملک اور اُس کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اگرچہ وہ عیب دار ہے یا بے عیب، حجاب میں ہے یا مکاشفہ میں۔ کسی فعل پر اعتراض کرنا اس کے فاعل پر اعتراض ہے۔ اور جب آدمیت کی آنکھ سے مخلوق میں دیکھے گا۔ تو سب سے چھوٹ جائے گا۔ اور جان لے گا کہ تمام مخلوق خدا سے حجاب میں ہے اور مغلوب اور مقہور اور عاجز ہے۔ اور کوئی اس حالت کے سوائے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔ کسی اور حالت میں نہیں ہو سکتا۔ مخلوق کو اُس کے ملک میں کوئی تصرف نہیں۔ اور کسی کو قائم بذاتِ خود چیز کے تبدیل کرنے پر سوائے حق تعالٰے کے مطلق قدرت نہیں۔ اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

ساتویں فصل

کھانے کے آداب میں

جاننا چاہیئے کہ انسانوں کو غذا سے چارہ نہیں ہے۔ کیونکہ طبیعتوں کی ترکیب کو قائم رکھنا کھائے پیئے بغیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ضرورت کی شرط یہ ہے کہ اس میں حد سے مبالغہ نہ کرے۔ اور رات دن اپنے آپ کو کھانے پینے کی فکر میں مستغرق نہ رکھے۔ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہ فرماتے ہیں۔ مَنْ کَانَ ہِمَّتُہٗ

مَا یَدْخُلُ فِیْ جَوْفِہٖ کَانَ قِیْمَتُہٗ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ (جس شخص کے پیش نظر ہمیشہ وہ چیز ہو جو اُس کے پیٹ میں داخل ہوتی ہے۔ تو اُس کی قیمت وہ ہے۔ جو اُس کے پیٹ سے خارج ہوتی ہے) راہِ حق تعالےٰ کے مُرید کے لئے بہت کھا لے سے بڑھ کر کوئی چیز مُضر نہیں۔ اور اس سے پہلے اس کتاب میں بھوک کے باب میں کچھ کہہ چکا ہوں لیکن یہاں اسی قدر مناسب ہے۔ اور بعض حکایات سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ بایزید رحمۃ اللہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ بھوک کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! اگر فرعون بھوکا ہوتا تو ہرگز یوں نہ کہتا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (میں ہی تمہارا سب سے اُونچا خدا ہوں) اور اگر قارون بھوکا ہوتا تو سرکش نہ ہوتا۔ اور ثعلبہ جب تک بھوکا تھا سب لوگ اس کی تعریف کرتے تھے جب سیر ہو گیا تو اُس نے منافقت ظاہر کی۔ اور خداوند تعالیٰ نے کفار کی صفت میں فرمایا۔ ذَرْھُمْ یَاْکُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا وَیُلْھِھِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ۔ وَقَوْلُہٗ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ (انہیں چھوڑ دیجئے کہ کھائیں۔ تمتع حاصل کریں اور آرزو اُن کو غافل کئے رہے۔ پس وہ سب کچھ جان لیں گے اور اللہ کا یہ قول کہ جو کافر ہیں سو وہ دُنیا میں تمتع حاصل کرتے اور کھاتے ہیں جس طرح کہ چوپائے کھاتے ہیں۔ اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے) اور سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس پیٹ کو جو شراب سے بھرا ہوا ہو۔ حلال کھانے سے بھرے ہوئے پیٹ کی بہ نسبت زیادہ پسند کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کیوں؟ آپ نے فرمایا۔ اس لئے کہ جب پیٹ شراب سے بھر جاتا ہے۔ تو عقل اس کی وجہ سے آرام پا جاتی ہے۔ اور شہوت کی آگ مر جاتی ہے لیکن جب حلال کھانے سے وہ پُر ہو جاتا ہے۔ تو فضول کی آرزو کرتا ہے۔ شہوت زور پکڑتی ہے اور نفس اپنے حصّوں کے طلب کرنے کے لئے سر اٹھاتا ہے مشائخ نے ایسے لوگوں کی صفت میں کہا ہے۔ اَکْلُھُمْ کَاَکْلِ الْمَرْضٰی وَنَوْمُھُمْ کَنَوْمِ الْغَرْقٰی وَکَلَامُھُمْ کَکَلَامِ الثَّکْلٰی (اُن کا کھانا بیماروں کا سا کھانا ہے۔ اُن کا سونا غرق شدہ لوگوں کا سونا ہے۔ اور اُن کا کلام اُن عورتوں

کا سا کلام ہے۔ جن کے بچے مر گئے ہوں) ٭

پس کھانے کے ادب کی شرط یہ ہے کہ تنہا نہ کھائیں۔ اور جو کھائیں ایک دوسرے پر ایثار کریں۔ کیونکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ شَرُّ النَّاسِ مَنْ اَکَلَ وَحْدَہٗ وَضَرَبَ عَبْدَہٗ وَمَنَعَ رِفْدَہٗ (سب سے بُرا آدمی وہ ہے جو اکیلا کھائے۔ اپنے غلام کو پیٹے اور اپنے قاصد کو روکے) یا اپنی بخشش کو روکے۔ اور جب دستر خوان پر بیٹھے تو خاموش معلوم ہوتا ہو اور اللہ کے نام سے شروع کرے اور چیزوں کو اُوپر نیچے، اُلٹ پلٹ ہرگز نہ کرے۔ جس سے ساتھیوں کو کراہت ہو اور پہلا لقمہ نمکین اٹھائے۔ اور اپنے ساتھیوں سے انصاف کرے ٭

اور حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ سے لوگوں نے اس آیت کے معنی دریافت کئے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور نیکی کا حکم فرماتا ہے) تو آپ نے فرمایا عدل یہ ہے کہ اپنے ساتھی سے کھانے میں انصاف کرے۔ اور احسان یہ ہے کہ اُس کھانے کے لئے اُس کو اپنے سے بہتر سمجھے ٭

اور میرے شیخ رحمۃ اللہ فرماتے تھے۔ مجھے اُس جھوٹے مدعی پر تعجب ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں نے دنیا کو چھوڑ دیا ہے۔ اور ساتھ ہی شب و روز کھانے کی فکر میں رہتا ہے۔ اور چاہیئے کہ کھانا ہاتھ سے کھائے اور اپنے لقمے کے سوا دوسری طرف نہ دیکھے۔ اور کھانا کھانے میں پانی اُس وقت پیئے جس وقت سچی پیاس ہو۔ اور جب پیئے تو اتنا تھوڑا پیئے کہ اُس کا جگر تر ہو جائے۔ اور لقمہ بڑا نہ اٹھائے۔ اور کھانے اور چبانے میں جلدی نہ کرے کیونکہ ان باتوں سے بدہضمی اور سنت کی مخالفت کا خوف ہے اور جب کھانے سے فارغ ہو تو الحمد للہ پڑھے اور ہاتھ دھوئے۔ اور اگر جماعت میں سے دو تین یا زیادہ آدمی چھپ کر کسی دعوت پر چلے جائیں۔ اور کچھ کھائیں تو بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ وہ حرام ہے۔ اور حقوق صحبت میں خیانت کرنا ہے۔ اُولٰٓئِکَ مَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّا النَّارَ (یہ وہ لوگ ہیں

کہ اُن کا کھانا اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور ایک گروہ نے کہا ہے۔ جب وہ ایک جماعت ہو تو ایک دوسرے کی موافقت میں ایسا کرنا جائز ہے۔ اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ اگر ایک شخص بھی ہو تو بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس کو تنہائی ہی کی حالت میں انصاف نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ صحبت کی حالت میں انصاف کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جب اکیلا ہوگا۔ تو اس وقت کی صحبت کا حکم اس سے اٹھ جائے گا۔ اور اس کے عوض میں وہ ماخوذ نہیں ہوگا۔ اور سب سے زیادہ ضروری قاعدہ اس مذہب میں یہ ہے۔ کہ درویش کی دعوت کو رد نہ کرے۔ اور دنیادار کی دعوت کو قبول نہ کرے۔ اور اس کے گھر نہ جائے اور اس سے کوئی چیز نہ مانگے۔ کیونکہ اس میں اہل طریقت کے لئے کمزوری ہے۔ اس لئے کہ اہل دنیا درویش کے محرم نہیں ہیں اور پھر آدمی سامان کی زیادتی سے دنیادار نہیں ہو جاتا اور اس کی کمی سے درویش نہیں ہو جاتا۔ جو شخص دولت مندی پر فقر کی فضیلت کا قائل ہو وہ دنیادار نہیں ہوتا۔ اگرچہ بادشاہ ہو۔ اور جو فقر کا منکر ہو۔ وہ دنیا دار ہوتا ہے۔ اگرچہ لاچار ہی ہو۔ جب دعوت میں حاضر ہو تو کسی چیز کے کھانے اور نہ کھانے میں تکلف نہ کرے۔ وقت کے تقاضے کو دیکھ کر جو چاہے کھالے۔ جب دعوت والا قریبی اور محرم ہو تو جائز ہے۔ کہ گھر والا بچا کھچا اُٹھالے۔ اور اگر دعوت والا نامحرم ہو۔ تو اس کے گھر میں جانا جائز ہے لیکن کھانا بچانا نہ چاہیئے۔ کیونکہ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے۔ اَلزَّلَّةُ هِيَ الذِّلَّةُ (پس خوردہ چھوڑنا ذلت ہے) اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

آٹھویں فصل

چلنے کے آداب میں

خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (اور اللہ کے بندے وہ ہیں۔ جو زمین پر عجز و انکسار سے چلتے ہیں) یعنے طالب حق کو چاہیئے کہ وہ چلتے وقت یہ خیال

رکھے کہ وہ اپنا قدم زمین پر کس کے لئے رکھتا ہے ؟ خواہش نفسانی کے لئے یا اللہ تعالٰی کے لئے ؟ اگر وہ خواہش نفسانی کے لئے زمین پر قدم رکھتا ہے۔ تو استغفار پڑھے اور اگر اُس کا قدم اللہ تعالٰی کی خوشنودی کے لئے ہے۔ تو اس میں اور بھی ...... کوشش کرے تا کہ اسے مزید خوشنودی حاصل ہو جائے۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ ایک روز آپ نے دوا پی ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا تھوڑی دیر گھر کے صحن میں ٹہل لیں۔ تا کہ دوائی اپنا اثر ظاہر کرے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ کہ قیامت میں اللہ تعالٰی مجھ سے سوال کرے۔ کہ تو نے اتنے قدم کیوں اپنے نفس کی خواہش میں زمین پر رکھے ؟ جبکہ اللہ جبار اور بزرگ نے فرمایا ہے وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (اور ان کے پاؤں اس امر کی شہادت دیں گے۔ جو وہ دنیا میں کماتے تھے) پس درویش کو لازم ہے۔ کہ بیداری میں مراقبہ میں سر نیچے ڈالے ہوئے چلے۔ اور سوائے سامنے نظر رکھنے کے کسی اور طرف نہ دیکھے اور اگر راستہ میں کوئی شخص اُس کے سامنے سے آئے تو پہلے کپڑوں کی حفاظت کے لئے اپنے آپ کو اُس سے ایک طرف نہ کھینچے۔ تا کہ اُس پر ظاہر کرے کہ مومن اور اُس کے کپڑے سب پاک ہوتے ہیں۔ اور یہ بات سوائے غرور اور خود نمائی کے اور کچھ نہیں۔ البتہ اگر وہ شخص کافر ہے۔ یا اُس پر بظاہر کوئی غلاظت نظر آتی ہے۔ تو روا ہے۔ کہ اپنے آپ کو اُس سے بچائے۔ اور نگاہ رکھے اور جب ایک جماعت کے ہمراہ چل رہا ہو۔ تو آگے آگے چلنے کا ارادہ نہ کرے۔ کیونکہ زیادتی چاہنا اور آگے بڑھنا تکبر ہے۔ نیز پیچھے چلنے کا قصد بھی نہ کرے۔ اور کسی معاملہ میں حد سے زیادہ تواضع کا مظاہرہ بھی اچھا نہیں کہ یہ بھی عین تکبر ہے اور نعلین اور جوتے کو جہاں تک ہو سکے دن میں ناپاکیوں سے محفوظ رکھے۔ تا کہ خداوند تعالٰی اُس کی برکت سے اُس کے کپڑے کو رات کے وقت محفوظ رکھے۔ اور جب کوئی جماعت یا درویش اُس کے ہمراہ ہو تو راستہ میں اُس کو کسی سے بات کرنے کے لئے کھڑا نہیں ہونا چاہیئے اور نہ اُس کو اپنا انتظار

کرانا چاہیئے۔ اور آہستہ چلے جلدی نہ کرے۔ کہ یہ اہل حرص کے چلنے کے مشابہ ہے۔ اور اتنا آہستہ بھی نہ چلے۔ جو متکبر لوگوں کے چلنے کی مانند ہو۔ اور زمین پر قدم پورا رکھے۔ حاصل کلام یہ ہے۔ کہ ہمیشہ طالب حق کی رفتار ایسی ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی شخص اس سے پوچھے کہ تو کہاں جارہا ہے تو وہ جواب میں کہہ سکے اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنَ (بلاشبہ میں اپنے پروردگار کی طرف جارہا ہوں عنقریب وہ مجھے حق کی طرف رہنمائی کرے گا) اور اگر اس کی رفتار ایسی نہ ہو تو اس کا چلنا اس پر وبال ہوگا۔ اس لئے کہ قدموں کا صحیح ہونا دل کے خطرات کے صحیح ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے پس جس کا خیال حق کے لئے مجتمع ہو۔ اس کے قدم اس کے اندیشے اور فکر کے تابع ہوں گے۔

حضرت بایزید رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ درویش کی رفتار مراقبہ کے بغیر غفلت کی علامت ہے۔ کہ خود جو کچھ ہے دو قدم میں حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ ایک قدم تو اپنی خواہشات کے مطابق رکھتا ہے۔ اور دوسرا خداوند تعالیٰ کے حکم کے مطابق۔ پس اس ایک قدم کو تو اٹھالے اور اس دوسرے کی جگہ پر رکھ دے۔ اور طالب کی رفتار مسافت کے قطع کرنے کی علامت ہوتی ہے اور قرب حق مسافت کے ساتھ نہیں ہوتا ہے جب اس کا قرب فاصلہ سے نہیں ہوتا۔ تو طالب کے لئے آرام کے محل میں پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے کے سوا اور کیا چارہ ہو سکتا ہے۔ اور اللہ توفیق کا مالک ہے۔

انتیسواں باب

سفر اور حضر میں سونے کے آداب

جاننا چاہیئے کہ مشائخ رضی اللہ عنہم کا اس امر میں بہت اختلاف ہے ایک گروہ کے نزدیک مرید کو سوائے نیند کے غلبہ کے کسی حالت میں سونا جائز نہیں۔ جبکہ وہ اپنے آپ کو نیند سے باز نہ رکھ سکتا ہو۔ کیونکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ (نیند موت کا بھائی ہے)

پس زندگی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ اور موت ایک مصیبت ہے اور لامحالہ نعمت ابتلا اور مصیبت سے زیادہ بزرگ ہے۔ اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اَطْلَعَ الْحَقُّ عَلَیَّ فَقَالَ مَنْ نَامَ غَفَلَ وَمَنْ غَفَلَ حُجِبَ (اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نگاہ ڈالی پس فرمایا جو سویا وہ غافل ہوا اور جو غافل ہوا وہ حق سے حجاب میں ہو گیا)۔

اور ایک گروہ کے نزدیک روا ہے۔ کہ مرید اپنے اختیار سے سوئے اور حق تعالیٰ کے احکام کو بجا لانے کے بعد سونے میں تکلف کرے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَتَنَبَّهَ عَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی یُفِیْقَ تین آدمیوں سے تکلیف (احکام) اٹھا دی گئی ہے۔ ایک سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو دوسرے لڑکے سے جوان ہونے تک اور تیسرے دیوانہ سے باہوش ہونے تک) چونکہ سوئے ہوئے آدمی سے تکلیف اٹھائی جا چکی ہے جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو اس لئے خلقت اس کے شر سے محفوظ رہتی ہے۔ اور اس کا اختیار اس سے گم ہوتا ہے۔ اور اس کا نفس اس کی مرادوں سے برطرف کیا جاتا ہے۔ اور کراماً کاتبین لکھنے سے فارغ ہوتے ہیں۔ اور اس کی زبان دعویٰ سے کوتاہ ہوتی ہے۔ اور جھوٹ اور غیبت سے وہ رکا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس کا ارادہ خود بینی اور ریا کی زد سے باہر ہوتا ہے۔ لَا یَمْلِكُ لِنَفْسِهٖ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا۔ (نہ وہ اپنے نفس کو ضرر دے سکتا ہے۔ نہ نفع نہ موت اور نہ زندگی اور نہ دوبارہ زندہ ہونا) اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ لَا شَیْءَ اَشَدُّ عَلٰی اِبْلِیْسَ مِنْ نَوْمِ الْعَاصِیْ فَاِذَا نَامَ الْعَاصِیْ یَقُوْلُ مَتٰی یَنْتَبِهُ وَیَقُوْمُ حَتّٰی یَعْصِیَ اللّٰهَ (شیطان پر گنہگار کے سونے سے کوئی چیز زیادہ سخت نہیں پس جب گنہگار سو جاتا ہے۔ تو شیطان کہتا ہے۔ کب بیدار ہو گا اور اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا) اور اس مسئلہ میں حضرت جنید رحمۃ اللہ کا علی بن سہل اصفہانی رحمۃ اللہ سے

اختلاف ہے۔ اور اس کے متعلق بہت عمدہ خط ہے۔ جو علی بن سہل رحمۃ اللہ نے حضرت جُنیدؒ رحمۃ اللہ کی طرف لکھا ہے۔ اور وہ سب اُمتوں میں مقبول ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ علی بن سہل رضی اللہ عنہ اُس خط میں فرماتے ہیں کہ خواب غفلت اور آرام ہے۔ اور محب کو غفلت اور آرام سے اعراض لازم ہے اور حق کے دوست کو رات دن خواب اور آرام نہ چاہیئے۔ کیونکہ وہ اس حالت میں رہے گا۔ تو اپنے مقصود کو کھوئے گا اپنی ہستی اور اپنے حال سے غافل ہو جائے گا۔ اور حق تعالیٰ تک پہنچنے سے رہ جائیگا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیج کر فرمایا۔ یَا دَاوُدُ كَذَبَ مَنِ ادَّعٰی مَحَبَّتِیْ اِذَا جَنَّهُ اللَّیْلُ نَامَ عَنِّیْ (اے داؤد! اس شخص نے میری محبت کا جھوٹا دعوےٰ کیا کہ جب رات آئی تو سو گیا۔ اور میرے ذکر سے غافل ہو گیا۔ اور حضرت جُنید رحمۃ اللہ اُس کے جواب میں یوں فرماتے ہیں جاننا چاہیئے کہ ہماری بیداری حق تعالےٰ کے رستہ میں ہمارا عمل ہے۔ اور ہمارا خواب ہم پر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے پس جو کچھ ہمارے اختیار کے بغیر ہم سے ہوتا ہے۔ وہ اُس سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ جو ہمارے اختیار سے ہوتا ہے۔ وَالنَّوْمُ مَوْهِبَةٌ مِّنَ اللهِ تَعَالٰی عَلَى الْمُحِبِّیْنَ (اور نیند محبانِ الٰہی پر اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے) اور اس مسئلے کا تعلق ہوشیاری اور بیہوشی سے ہے اور اس کے متعلق کلام پورے طور پر بیان ہو چکا ہے لیکن تعجب ہے کہ حضرت جُنید رضی اللہ عنہ صاحب صحو مرد تھے۔ وہ یہاں سُکر کی تعریف فرما رہے ہیں۔ وہ البتہ اُس وقت مغلوب الحال ہوں گے۔ اور وہ حال اُن کی زبان سے بول رہا ہوگا۔ اور نیز روا ہے کہ اُس کے برعکس ہو۔ کیونکہ نیند خود عین بیداری ہوتی ہے اور بیداری عین مدہوشی۔ اس لئے کہ نیند آدمی کی صفت ہے۔ اور جب تک آدمی اپنے اوصاف کی تاریکی میں رہتا ہے۔ وہ بیداری کی طرف منسوب ہوتا ہے اور نہ سونا حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور جب آدمی حق تعالےٰ کی صفت کی تاریکی میں ہوتا ہے۔ بے ہوشی سے منسوب اور مغلوب ہوتا ہے۔ میں نے مشائخ کے ایک گروہ کو دیکھا ہے جو حضرت جُنیدؒ کے موافق خواب کو بیداری پر فضیلت

دیتے تھے کیونکہ اولیاء، بزرگوں اور پیغمبروں کا مکاشفہ اور الہام زیادہ خواب میں ہی ہوا ہے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُبَاهِیْ بِالْعَبْدِ الَّذِیْ نَامَ فِیْ سُجُوْدِهٖ وَیَقُوْلُ اللّٰهُ لِلْمَلَآئِکَةِ اُنْظُرُوْا اِلٰی عَبْدِیْ رُوْحُهٗ فِیْ مَحَلِّ النَّجْوٰی وَبَدَنُهٗ عَلٰی بِسَاطِ الْعِبَادَةِ (خداوند تعالیٰ اُس بندے پر فخر کرتا ہے جو سجدے میں سو جائے۔ اور فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اُس مومن بندے کی طرف دیکھو جس کی جان میرے ساتھ رازگوئی میں لگی ہے اور اُس کا جسم عبادت کے فرش پر ہے) نیز پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ نَامَ عَلَی الطَّهَارَةِ یَاْذَنُ لِرُوْحِهٖ اَنْ یَّطُوْفَ بِالْعَرْشِ وَیَسْجُدَ لِلّٰهِ تَعَالٰی (جو باوضو سو جائے اُس کی جان کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ عرش کا طواف کرے۔ اور خداوند تعالیٰ کو سجدہ کرے) اور حکایات میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ شاہ شجاع کرمانی رحمۃ اللہ چالیس سال تک مسلسل بیدار رہے۔ جب ایک رات سو گئے تو حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ کہ اس کے بعد آپ ہمیشہ اُسی کی اُمید پر سویا کرتے۔ اسی معنی میں قیس عامری کہتا ہے ؎

وَاِنِّیْ لَاَسْتَنْعِسُ وَمَا بِیْ نَعْسَةٌ
لَعَلَّ خَیَالًا مِّنْكِ یَلْقٰی خَیَالِیَا

گو مجھے نیند نہیں آتی لیکن میں یقیناً ابھی ابھی سو جاؤں گا۔ اسلئے کہ شاید اس سونے میں تیرا خیال میرے دل سے آملے) ✦

اور میں نے ایک گروہ کو دیکھا ہے جو علی بن سہل رحمۃ اللہ کی طرح بیداری کو خواب پر ترجیح دیتے تھے۔ اس لئے کہ رسولوں کی وحی اور اولیا کی کرامات کا تعلق بیداری سے ہوا ہے ✦

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ لَوْ کَانَ فِی النَّوْمِ خَیْرًا لَکَانَ فِی الْجَنَّةِ نَوْمٌ۔ (اگر خواب میں کوئی بھلائی ہوتی تو جنت میں نیند ہوتی) چونکہ بہشت میں نہ حجاب ہوگا۔ اور نہ خواب۔ اس لئے معلوم ہوا کہ خواب حجاب ہے اور اہل لطائف کہتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام بہشت میں سو گئے۔ تو حضرت حوا علیہا السلام آپ کے بائیں پہلو سے پیدا ہوئیں۔ اور اُن کی ساری

مصیبتیں حضرت حوا کی وجہ سے تھیں۔ اور نیز کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے فرمایا یَا بُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ (اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے اللہ کی راہ میں ذبح کر رہا ہوں) تو حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے کہا۔ اے باپ! ھٰذَا جَزَاءُ مَنْ نَامَ عَنْ حَبِیْبِہٖ لَوْ لَمْ تَنَمْ لَمَا اُمِرْتَ بِذَبْحِ الْوَلَدِ۔ (یہ اُس شخص کی جزا ہے جو اپنے دوست سے غافل ہو کر سو جائے۔ اگر آپ نہ سوتے تو آپ کے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم نہ دیا جاتا) پس آپ کی نیند نے آپ کو اپنے بیٹے سے محروم کر دیا۔ اور مجھے میری جان سے۔ لیکن میرا درد تو ایک ساعت رہے گا اور آپ کا درد ہمیشہ کے لئے۔

اور حضرت شبلی رحمۃُ اللہ سے روایت ہے۔ کہ ہر رات نمکین پانی کا ایک کوزہ مع سلائی کے اپنے پاس رکھ لیتے۔ جب سونے لگتے تو سلائی اُس میں ڈبو کر آنکھ میں لگا لیتے۔ (تاکہ نیند نہ آئے)

اور میں (علی بن عثمان جلابی) نے ایک بزرگ کو دیکھا۔ جو بخارا میں رہتے تھے۔ چالیس سال تک وہ رات کو نہیں سوئے تھے۔ البتہ دن میں تھوڑا سا سو جاتے تھے۔ اور اس مسئلہ کا مآل یہ ہے کہ جب کسی شخص کو موت زندگی سے زیادہ پسند ہو تو وہ نیند کو بیداری سے زیادہ پسند کرے گا۔ اور جب کسی کو زندگی موت سے زیادہ پسند ہو تو اس کے نزدیک بیداری نیند سے زیادہ پسندیدہ ہو گی۔ پس اس بات کی کچھ وقعت نہیں کہ وہ تکلف سے بیدار ہے۔ بلکہ وقعت اس بات کی ہے کہ اُسے بیدار رکھیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کر دیا۔ اور اعلیٰ درجہ پر پہنچایا۔ تو آپ نے نہ سونے میں تکلف کیا نہ بیداری میں۔ چنانچہ آپ کو حکم الٰہی ہوا۔ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَہٗ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا۔ (آپ رات کو عبادت میں قیام کیجئے۔ مگر تھوڑا حصّہ رات کا یعنی آدھی رات یا اس سے کچھ کم) اور اس امر کی بھی کچھ وقعت نہیں کہ تکلف سے سو جائے بلکہ وقعت اس بات کی ہے کہ اُسے خود قضا و قدر سلا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو

برگزیدہ کر لیا اور اعلٰے مقام پر پہنچا دیا۔ اور کفر کا لباس اُن کی گردن سے اُتار لیا تو انہوں نے نہ سونے میں تکلف کیا نہ بیداری میں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالٰے نے اُن پر نیند طاری کی۔ اور اُن کے اختیار کے بغیر اُن کی پرورش فرمائی۔ چنانچہ اُن کی نسبت فرمایا۔ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ (اور تم اُن کو بیدار سمجھو گے۔ حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم اُن کو دائیں اور بائیں پہلو پر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں) اور یہ دونوں حالتیں اُن کی بے اختیاری کی تھیں۔ غرض یہ کہ جب بندہ ایسے درجہ پر پہنچ جائے کہ اُس کا اختیار ختم ہو جائے۔ اُس کا ہاتھ سب سے منقطع ہو جائے۔ اور اُس کا دل غیر سے اعراض کرے۔ تو وہ سوئے یا بیدار رہے جس صفت میں بھی وہ ہو عزیز ہوتا ہے۔ پس مُرید کے لئے سونے کی شرط یہ ہے کہ اپنی نیند کے ابتداء کو اپنی عمر کے آخری وقت کی طرح سمجھے۔ اور گناہوں سے توبہ کرے اور اپنے سے مخالف اور ناراض لوگوں کو خوش کرے۔ اچھی طرح طہارت کرے اور داہنے ہاتھ پر قبلہ رُخ ہو کر سوئے۔ دُنیا کے کام ٹھیک کر کے اسلام کی نعمت کا شکر ادا کرے۔ اور یہ عہد کر لے کہ اگر بیدار ہوں گا۔ تو گناہوں کا ارتکاب نہ کروں گا۔ پس جس شخص نے بیداری میں اپنا کام کر لیا ہو اُس کو نیند یا موت سے کوئی خوف نہیں ہے۔ اور حکایات میں مشہور ہے کہ کوئی بزرگ ایک امام کے پاس جو جاہ و ثروت اور نفس کی سرکشی میں مبتلا تھا۔ آتا تھا اور کہتا تھا اے فلانے مرنا چاہیئے! اور اُس امام کو اس بات سے دل میں بڑا رنج ہوتا تھا۔ کہ یہ گدا گر آدمی ہر وقت مجھ سے یہی بات کہتا ہے۔ ایک دن اُس نے کہا۔ میں کل خود اس پہل کر کے کہوں گا۔ چنانچہ جب دوسرے روز وہ بزرگ آیا۔ تو اس امام نے اُس سے کہا کہ اے فلانے! مرنا چاہیئے۔ اس بزرگ نے مصلے نیچے بچھایا اور اس پر سر رکھا۔ اور کہنے لگا کہ میں مر گیا۔ اُسی وقت اُس کی جان نکل گئی۔ اس امام کو اس سے تنبیہ ہوئی اور جانا کہ یہ بزرگ مجھے فرماتا تھا۔ کہ موت کا اس طرح ارادہ کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ میں نے کہا ہے اور میرے شیخ رضی اللہ عنہ مریدوں کو اس بات کی تاکید کرتے تھے۔ کہ نیند کے غلبہ کے سوا نہ سوئیں

اور جب بیدار ہو جاؤ تو بھی نہ سوؤ کہ دوسری دفعہ سونا حق کے مریدوں کو حرام ہے۔ اور نیند اور بیکاری بندے کو سُستی اور فراموشی کی بیماری میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اور اس موضوع پر بزرگانِ طریقت نے بہت مدلل اور عمدہ بحث کی ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسواں باب

آدابِ کلام و خاموشی

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا (اچھی بات میں اُس شخص سے بڑھ کر کون اچھا ہے جس نے اللہ کی طرف دعوت دی اور نیک عمل کیا) نیز فرمایا ہے۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (نیک بات کہنی چاہیئے) نیز فرمایا۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا (زبان سے کہو کہ ہم ایمان لائے) جاننا چاہیئے کہ حق تعالےٰ نے اپنے بندوں کو نیک اور اچھے کلام کرنے کا اسی طرح حکم دیا ہے۔ جس طرح کہ اس کی ربوبیت کا اقرار کرنا اور اس کی صفت و ثنا کرنا۔ اور خلقت کو اُس کی درگاہ کی طرف بُلانا۔ اور گویا حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے لئے ایک بہت بڑی اور بھاری نعمت ہے۔ اور آدمی اسی کی وجہ سے دوسری چیزوں سے ممتاز ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (ہم نے آدم علیہ السّلام کی اولاد کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ مفسرین کے قول کے مطابق لفظ کَرَّمْنَا کا مطلب گویائی عطا کرنا ہے۔ پس جس قدر گویائی حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کے لئے ایک بڑی نعمت ہے۔ اُسی قدر اس کی خرابی بھی بہت بڑی ہے۔ کیونکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے۔ اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰٓی اُمَّتِیَ اللِّسَانُ (وہ چیز جس کی نسبت میں امت کے بارے میں سب چیزوں سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ زبان ہے) الغرض کلام شراب کی طرح ہے۔ کہ جو عقل کو مست کر دیتی ہے۔ اور آدمی جب اُس کے پینے میں پڑ جاتا ہے۔ تو اُس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور اپنے آپ کو اُس سے

روک نہیں سکتا جب اہل طریقت کو معلوم ہو گیا کہ بولنا ایک آفت ہے۔ تو انہوں نے سوائے ضرورت کے کلام نہ کیا۔ اور جو کلام کیا۔ اس کی ابتدا اور انتہا پر نگاہ ڈالی۔ اگر کلام حق کے لیے تھا۔ تو انہوں نے اس کو منہ سے نکالا۔ ورنہ خاموش رہے۔ کیونکہ اُن کا اعتقاد تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ اسرار کا جاننے والا ہے۔ اور بدبخت ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالےٰ کو ایسا نہیں جانتے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ (کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اُن کے بھید اور راز دارانہ گفتگو کو نہیں سُنتے۔ کیوں نہیں ہم سنتے ہیں۔ ہمارے (فرشتے) لکھتے بھی ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ صَمَتَ نَجَا (جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا) پس خاموشی میں بہت سے فائدے اور کشائشیں ہیں۔ اور بولنے میں نسبتاً بہت سی خرابیاں ہیں۔ اور مشائخ کا ایک گروہ خاموشی کو بولنے پر فضیلت دیتا ہے۔ اور ایک گروہ بولنے کو خاموشی پر ترجیح دیتا ہے۔ اور ان میں سے حضرت جنید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے۔ کہ الفاظ و عبارتیں سب دعویٰ ہیں۔ اور جہاں حقیقتوں کو ثابت کرنا ہو وہاں دعویٰ بیکار ہے۔ اور ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ اختیار کی حالت میں بندہ قول کے ساقط ہو جانے سے معذور سمجھا جاتا ہے۔ جیسے تقیہ اور کسی خوف کے وقت جو بولنے پر باوجود اختیار و قدرت رکھنے کے آدمی سے قول ساقط ہو جاتا ہے اور خوف نہ بولنے کا عذر ہو جاتا ہے۔ اور بولنے سے انکار کرنا معرفت کی حقیقت کے لئے نقصان نہیں دیتا۔ اور کسی وقت بندہ بغیر معنی کے محض دعوے سے معذور نہیں ہوتا۔ اور اس کا حکم منافقوں کا سا حکم ہے پس دعویٰ بلا حقیقت منافقت ہے۔ اور حقیقت بغیر دعوے کے اخلاص ہے۔ لِاَنَّ مَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى بَيَانٍ لَا يَسْتَغْنِيْ عَنِ اللِّسَانِ وَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى عَيَانٍ اسْتَغْنٰى فِيْمَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ رَبِّهٖ مِنَ اللِّسَانِ (جس نے اپنی بنیاد بیان پر قائم کی وہ زبان سے مستغنی نہیں ہو سکتا اور جس نے مشاہدہ پر اپنے کام کی بنیاد رکھی وہ اس راز کے متعلق جو خود اُس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔ زبان سے مستغنی ہے) یعنی جب

بندہ پر راہ کھول دی جاتی ہے تو بولنے سے مستغنی ہو جاتا ہے کیونکہ بیان کرنا غیر کو خبر دینے کے لئے ہے۔ اور حق جل جلالہٗ حالات کے بیان کرنے سے بے نیاز ہے۔ اور اس کے سوائے اور کوئی اس لائق نہیں ہے۔ جس سے مشغول ہونا لازم ہو۔ حضرت جنید رحمہ اللہ کے قول سے بھی اس کی تاکید ہوتی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ اللّٰهَ كَلَّ لِسَانُهٗ جس نے خدا کو دل سے پہچان لیا اس کی زبان گنگ ہو گئی، کیونکہ مشاہدہ میں بیان کرنا حجاب معلوم ہوتا ہے اور حضرت شبلی رحمہ اللہ سے متعلق روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ حضرت جنید رحمہ اللہ کی مجلس میں یکایک اٹھے اور باآواز بلند نعرہ لگا کر کہا یا مرادی (اے میری مراد) اور اس لفظ سے اشارہ حق تعالےٰ کی طرف کیا۔ تو حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا۔ اے ابوبکر! اگر تیرا مقصود اس سے حق تعالےٰ ہے تو تو نے باآواز بلند یہ نعرہ کیوں لگایا۔ کیونکہ وہ اس سے بے نیاز ہے۔ اور اگر تیرا مقصود وہ نہیں تو تو نے خلاف کیوں کیا؟ کیونکہ حق تعالےٰ تیری بات کو جانتا ہے۔ شبلی رحمہ اللہ نے اپنے قول سے توبہ کی۔ اور وہ گروہ جو کلام کو خاموشی پر فضیلت دیتا ہے۔ کہتا ہے۔ کہ اپنے احوال کے بیان کرنے کا حق تعالےٰ کی طرف سے ہمیں حکم ہے۔ تاکہ دعوائے حقیقت پر قائم ہو۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ہزار سال اپنے دل سے اور باطن سے عارفِ الٰہی ہو۔ اور کوئی ضرورت اس کو روکنے والی نہ ہو۔ تو جب تک معرفت کے ساتھ اقرار نہ کرے۔ اس کا حکم کافروں کا سا ہوگا۔ اور خداوند تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو اس کی نعمتوں اور نوازشات پر شکر اور حمد و ثنا کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (لیکن اپنے رب کی نعمت بیان کر) اور اس کی نعمتوں پر شکر اور حمد و ثنا کلام ہی ہے۔ پس ہمارا بولنا اللہ تعالےٰ کے حکم کی تعمیل و تعظیم ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو قبول کرونگا) اور نیز فرمایا اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (میں پکارنے والے کی دعوت کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے) اور ایسے ہی بے شمار آیتیں ہیں جو ہمیں بولنے کا حکم دیتی ہیں۔ ایک شیخ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے حال کو بیان نہیں کر سکتا۔ اس کو صحیح حال ہی نصیب نہیں ہوتا۔

کیونکہ تیرے حال کو بیان کرنے والا خود تیرا حال ہی ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

لِسَانُ الْحَالِ اَفْصَحُ مِنْ لِسَانِیْ وَصَمْتِیْ عَنْ سُؤَالِیْ تُرْجُمَانِیْ

(حال کی زبان میرے جسم کی زبان سے زیادہ فصیح ہے اور میری خاموشی میرے سوال کی ترجمان ہے) اور میں نے حکایات میں یہ پڑھا ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر شبلی رحمہ اللہ بغداد کے محلہ کرخ میں جا رہے تھے۔ اس اثنا میں آپ نے طریقت کے مدعیوں میں سے ایک شخص کو دیکھا جو کہہ رہا تھا۔ اَلسُّکُوْتُ خَیْرٌ مِّنَ الْکَلَامِ فَقَالَ شِبْلِیُّ سُکُوْتُکَ خَیْرٌ مِّنْ کَلَامِکَ ۔ لِاَنَّ کَلَامَکَ لَغْوٌ وَسُکُوْتُکَ هَزْلٌ وَکَلَامِیْ خَیْرٌ مِّنْ سُکُوْتِیْ لِاَنَّ سُکُوْتِیْ حِلْمٌ وَّکَلَامِیْ عِلْمٌ (خاموشی کلام کرنے سے بہتر ہے یہ سن کر حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ تیرا خاموش رہنا تیرے کلام کرنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ تیرا کلام فضول اور خاموشی بے ہودہ ہے اور میرا کلام کرنا خاموش رہنے سے بہتر ہے۔ کیونکہ میری خاموشی بردباری ہے اور میرا کلام علم ہے مطلب یہ کہ اگر میں نہ بولوں تو اس کی وجہ میرا حلم ہے اور اگر بولوں تو اس کی وجہ میرا علم ہے۔ جب کچھ نہیں بولتا تو حلیم ہوتا ہوں اور جب بولتا ہوں تو علیم۔ اور میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ کلام بھی دو قسم کا ہوتا ہے۔ اور سکوت بھی دو قسم کا۔ ایک کلام تو حق ہوتا ہے دوسرا باطل۔ اور اسی طرح ایک سکوت تو مقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور دوسرا سکوت غفلت کی وجہ سے۔ پس بولنے اور خاموش رہنے کے وقت ہر ایک شخص کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے۔ اگر اس کا کلام حق ہے تو اس کا بولنا خاموشی سے بہتر ہے۔ اور اگر باطل ہے تو اس کی خاموشی بولنے سے بہتر اور اگر اس کی خاموشی حجاب غفلت کی وجہ سے ہے تو اس کا بولنا خاموشی کی نسبت بہتر ہے اور اگر حصول مقصود کے سبب سے ہے تو اس کی خاموشی بولنے سے بہتر خلاصہ یہ کہ اور مدعیوں کا ایک گروہ جنہوں نے چند فضول اور خواہش نفسانی کی باتیں اور کچھ معنی سے خالی عبارتیں سامنے رکھ لی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا بولنا خاموشی سے بہتر ہے اور جاہلوں کا ایک گروہ جو انتہائی جہالت کے باعث منارہ کو کوئیں سے تمیز نہیں کر سکتے کہتے ہیں۔ خاموشی بولنے سے بہتر ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی مانند ہیں۔ پس

کس کو بولنے دیں اور کس کو خاموش رہنے دیں اَلْاٰمِنُ نُطْقُ اَصْحَابِ اَذْ غَلْطٍ وَمِنَ اَلنُّطْقِ عَصِمَہُمْ مِنَ الشَّطَطِ (سو جو خود بولتا ہے وہ یا تو سچ بولتا ہے یا غلط لیکن جس کو تم بولاتے ہیں وہ غلطی سے محفوظ رہتا ہے) چنانچہ شیطان لعین خود بولا اور یوں کہا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں) (اور آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں) اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کا حکم دیا۔ تو آپ نے کہا۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا (اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا) پس طریقت کی طرف دعوت کرنے والے اپنے بولنے میں مامور اور مجبور ہوتے ہیں اور خاموشی میں شرمگین اور بے بس ہوتے ہیں مَنْ کَانَ سُکُوْتُہٗ حَیَاءً کَانَ کَلَامُہٗ حَیٰوۃً (جس کی خاموشی حیا کی وجہ سے ہے اس کا کلام دلوں کے لئے حیات بخش ہے) اس لئے کہ ان کا کلام دیدار الٰہی کی وجہ سے ہوتا ہے اور کلام دیدار الٰہی کے بغیر۔ ان کے نزدیک ذلیل و خوار ہے اور جب وہ باہوش ہوتے ہیں تو نہ کہنے کو کہنے سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اور جب مدہوش اور اپنے سے غائب ہوتے ہیں۔ تو لوگ ان کے قول کو اپنی جان پر لکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس بزرگ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے مَنْ کَانَ سُکُوْتُہٗ لَہٗ ذَہَبًا کَانَ کَلَامُہٗ لِغَیْرِہٖ مُذْہِبًا جس کی خاموشی خود اس کے لئے سونا ہوتی ہے۔ اس کا کلام غیر کے لئے سونا بنانے والی کیمیا ہوتا ہے۔ پس چاہیے کہ طالب حق اس زبان کی جو بندگی میں لگی ہوئی ہے خاموش کر دے یہاں تک کہ وہ زبان جو ربوبیت الٰہی کے اقرار میں گویا ہے۔ بولنے والی ہو جائے اس کا بیان مریدوں کے شکار کرنے والا۔

اور کلام کے آداب یہ ہیں۔ کہ بے امر الٰہی کے نہ بولے۔ اور سوائے امر حق کے نہ کہے اور خاموشی کے آداب یہ ہیں کہ خاموش رہنے والا جاہل نہ ہو۔ اور جہالت پر راضی نہ ہو۔ اور غافل بھی نہ ہو۔ اور مرید کو چاہئے کہ رہنماؤں کے کلام میں دخل نہ دے اور اس میں کچھ تصرف نہ کرے اور پریشان اور اوپری عبارت نہ استعمال کرے۔ اور جس زبان سے کہ اس نے شہادت دی ہے اور توحید کا اقرار کیا ہے۔ اسی سے جھوٹ اور غیبت نہ کرے اور کسی مسلمان کو رنجیدہ نہ کرے۔ اور درویشوں کو محض نام سے نہ پکارے اور جب تک اس سے نہ پوچھا جائے۔ کچھ نہ کہے۔ اور خود بولنے

کی ابتدا نہ کرے اور درویش کی خاموشی کی شرط یہ ہے کہ باطل پر خاموش نہ رہے اور بولنے کی شرط یہ ہے کہ سوائے حق کے اور کوئی بات نہ کہے۔ اس اصل کی فرعیں بہت اور باریکیاں بیشمار ہیں لیکن میں نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔ تاکہ کتاب لمبی نہ ہو جائے ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ط

اِکتیسواں باب

سوال اور اس کے ترک کے آداب

خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے) اور جب ان سے کوئی سوال کرے تو وہ روکتے نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ (سوال کرنے والے کو مت جھڑکئے)۔

ایک گروہ کہتا ہے جہاں تک ہو سکے حق تعالیٰ کے سوا کسی سے سوال نہ کریں۔ اور اس کے سوا غیر کو حاجت روا نہ سمجھیں۔ کیونکہ سوال کرنا حق تعالیٰ سے غیر کی طرف روگردانی کرنا ہے اور جب بندہ حق تعالیٰ سے روگردانی کرے تو خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی روگردانی کرے۔ میں نے سنا ہے کہ ایک دنیادار شخص نے حضرت رابعہ عدویہ رحمہا اللہ سے کہا کہ اے رابعہ مجھ سے مانگ تاکہ میں تیری مراد حاصل کروں۔ انہوں نے فرمایا۔ اے فلانے! مجھے تو دنیا کے خالق سے بھی دنیا مانگتے ہوئے شرم آتی ہے۔ تو کیا مجھے شرم نہیں آئے گی کہ ایک شخص سے دنیا کی کوئی چیز مانگوں؟ کہتے ہیں کہ ابو مسلم کے زمانہ میں ایک صاحب دعوت اور خدا رسیدہ درویش کو بے گناہ چوری کی تہمت میں گرفتار کر لیا۔ اور اسے جیل خانہ میں قید کر دیا۔ جب رات ہوئی تو ابو مسلم نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ فرما رہے ہیں کہ اے ابو مسلم! مجھے خداوند تعالیٰ نے تیری طرف بھیجا ہے کہ میرا ایک دوست بے جرم تیرے قید خانہ میں ہے۔ تو اُٹھ اور اسے رہائی دے۔ ابو مسلم! خواب سے چونک پڑا۔ اور ننگے سر ننگے پاؤں

جیل خانے پہنچ کر حکم دیا کہ دروازہ کھولیں خادموں نے دروازہ کھول دیا۔ اس نے درویش کو باہر نکال کر اس سے معافی مانگی۔ اور کہا کہ کچھ ضرورت ہو تو فرمائیں۔ درویش نے کہا۔ اے امیر جو شخص ایسا مالک رکھتا ہے کہ آدھی رات کو ابو مسلم کو بستر پر سے اٹھا کر بھیجتا ہے تاکہ وہ اس کو مصیبت سے رہائی دلائے۔ کیا اس کے لئے روا ہے کہ وہ دوسرے سے سوال کرے اور حاجت مانگے ابو مسلم رونے لگے اور درویش چلا گیا۔

ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ درویش کو روا ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ یہ نہیں کہتا ہے لَا يَسْئَلُوْنَ اَلْبَتَّۃَ (بالکل سوال ہی نہ کریں) بلکہ وہ فرماتا ہے۔ کہ سوال کرو۔ لیکن اس میں ضد نہ کرو۔ اور رسول علیہ السلام نے بھی اپنے اصحاب کی ضروریات کے لئے سوال کیا ہے۔ اور ہم کو بھی فرمایا ہے۔ اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوْہِ (اپنی حاجتیں نیک صورت میں لوگوں سے طلب کرو) اور دوسرے مشائخ نے تین صورتوں میں سوال کو جائز رکھا ہے اول دل کی فراغت کے لئے ضروری ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم دو روٹی کی یہ قیمت نہیں سمجھتے کہ رات دن اسی کی انتظار میں گزار دیں۔ اور اس لاچاری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کے سوا اور کوئی حاجت ہی نہ ہو۔ کیونکہ کھانے اور اس کے انتظار سے زیادہ اور کوئی حق تعالیٰ سے روکنے والا نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت بایزید رحمہ اللہ نے حضرت شقیق رحمہ اللہ کے مرید سے جو ان کی زیارت کے لئے آیا ہوا تھا۔ حضرت شقیق رحمہ اللہ کے حال کی نسبت پوچھا۔ تو مرید نے عرض کیا۔ کہ آپ خلقت سے فارغ ہو کر توکل کے حکم پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت بایزید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تو لوٹ کر واپس جائے تو ان سے کہہ دینا کہ آئندہ خداوند تعالیٰ کو دو روٹی کے لئے نہ آزمایا کرے۔ جب بھوکا ہو تو دو روٹی اپنے ہم جنسوں سے مانگ لیا کرے۔ اور توکل کی کتاب کو ایک طرف رکھ دے۔ تاکہ وہ شہر اور ملک اس کے عمل کی نحوست سے زمین میں نہ دھنس جائے۔

دوسروں نے نفس کی ریاضت کے لئے سوال کو جائز قرار دیا ہے۔ تاکہ اس کی ذلت جھیلیں اور اس کا رنج دل پر رکھیں۔ اور اپنی قیمت معلوم کریں۔ کہ دوسروں

کی نظروں میں ان کی کیا قدر و قیمت ہے اور اس طرح وہ تکبر سے بچ جائیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ سے فرمایا تھا۔ اے ابوبکر تیرے سر میں اس بات کا غرور بھرا ہوا ہے کہ میں خلیفہ اور سامرہ کے امیر سنہ ربانی کے سردار کا لڑکا ہوں۔ پس تجھ سے اس وقت تک کوئی کام نہیں ہوگا جب تک کہ تو بازار میں نہ نکلے۔ اور جسے دیکھے اس سے سوال نہ کرے تاکہ تجھے اپنی قیمت معلوم ہو جائے۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ ہر روز آپ کا بازار زیادہ سستا ہونے لگا۔ یہاں تک کہ چھ سال میں اس درجہ تک پہنچ گیا کہ سارے بازار میں آپ نے گشت کیا اور کسی نے آپ کو کچھ نہ دیا۔ آپ واپس آگئے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ سے بیان کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکر! اب تو نے اپنی قیمت معلوم کر لی ہے کہ لوگوں کے نزدیک تیری کچھ قیمت نہیں لہذا دل ان لوگوں میں نہ لگا۔ اور ان کو کسی قیمت پر بھی اختیار نہ کر۔ اور یاد رکھو کہ یہ بات محض ریاضت نفس کے لئے تھی نہ کسب معاش کے لئے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میرا ایک دوست تھا۔ جو میرے موافق تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اس کو اپنے حضور میں بلا لیا۔ اور دنیا کی تکلیف سے نکال کر عقبیٰ کی نعمت پر پہنچا دیا۔ میں نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا۔ کہ خداوند تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے کہا۔ اس نے مجھے بخش دیا۔ میں نے کہا کس خصلت کی وجہ سے۔ اس نے کہا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے کھڑا کر کے فرمایا۔ اے میرے بندے! تو نے کمینوں اور بخیلوں سے بہت ذلت اور رنج اٹھایا اور ان کے آگے ہاتھ دراز کیا۔ اور اس پر صبر کیا۔ میں نے تجھے اس وجہ سے بخش دیا ہے۔

تیسرے حق تعالیٰ کی حرمت وعظمت کے لئے لوگوں سے سوال کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ دنیا کے سب اموال اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور لوگ صرف ان کے وکیل و نگران ہیں۔ پس جو چیز نفس کے لئے ضروری ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اموال کے نگران و وکیل سے طلب کرتے ہیں اور اپنی حاجت اس کے پاس لے جاتے ہیں۔ اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کے کسی

وکیل سے کوئی چیز طلب کرتا ہے ادب اور طاعت میں اس شخص سے زیادہ ہے جو کوئی چیز خود اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے۔ پس ان کا غیر سے سوال کرنا حق تعالیٰ کے حضور اور اس کی طرف توجہ کرنے کی علامت ہے۔ نہ کہ اس سے غیبت اور روگردانی کی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک لڑکی تھی۔ ایک دن اس نے اپنی ماں سے کہا مجھے فلاں چیز چاہیئے اس کی ماں نے کہا کہ خدا سے مانگ۔ اس نے کہا۔ اماں جان! مجھے شرم آتی ہے کہ اپنی نفسانی ضروریات اس سے طلب کروں۔ اور جو کچھ آپ مجھے دیں گی وہ بھی اسی کا مال ہے۔ اور میرے لئے مقدر ہے۔ پس سوال کے آداب یہ ہیں کہ اگر سوال سے مقصود حاصل نہ ہو تو تو اس سے زیادہ خوشی محسوس کر جو مقصود حاصل ہونے کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ اور لوگوں کو تو درمیان میں نہ دیکھے۔ اور عورتوں اور بازاری لوگوں سے تو سوال نہ کر۔ اور سوائے اس شخص کے جس کے مال کے حلال ہونے پر تجھے یقین ہے اپنی حاجت اور کسی شخص پر ظاہر نہ کر۔ اور جہاں تک ہو سکے اپنی ضرورت کے مطابق سوال کر۔ اور آرائش اور خانہ داری کا سامان اور ملکیت نہ بنا۔ اور صرف وقت کی ضرورت کا پابند ہو۔ اور کل کی ضرورت کا خیال نہ کر۔ تاکہ ہمیشہ کی تباہی میں گرفتار نہ ہو اور خداوند تعالیٰ کو اپنی گدائی کا جال نہ بنا۔ اور اپنی طرف سے پارسائی ظاہر نہ کر۔ تاکہ پارسائی کی وجہ سے تجھے کچھ زیادہ دیں۔ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو باحشمت صوفیوں میں سے تھے۔ وہ جنگل سے نکل کر فاقہ کے مارے رستے کی تکلیف اٹھائے ہوئے کوفہ کے بازار میں ہاتھ پر ایک چڑیا رکھے ہوئے آئے۔ اور وہ کہہ رہے تھے کون ہے۔ جو اس چڑیا کے واسطے مجھے کچھ دے؟ لوگوں نے کہا۔ اے فلاں! تو یہ کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا یہ جائز نہیں ہے کہ میں یوں کہوں۔ کہ خدا کے لئے مجھے کچھ دو۔ بس دنیا کے لئے ایک حقیر چیز کے سوا کسی چیز کو سفارشی نہیں لا سکتے۔ اس موضوع پر کلام کرنے کی کافی گنجائش ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے میں نے چند مختصر مگر ضروری امور کو بیان کیا۔

وَاللہُ اَعْلَمُ ؛

بتیسواں باب

نکاح کرنے اور مجرّد رہنے کے آداب

خداوند تعالےٰ فرماتا ہے هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (تم مردوں کے لیے لباس ہو۔ اور تم ان عورتوں کے لئے لباس ہو) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَنَاكَحُوْا تَكْثُرُوْا فَاِنِّیْ اُبَاهِیْ بِكُمُ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَوْ بِالسِّقْطِ (تم آپس میں نکاح کرو تاکہ تم زیادہ ہو۔ کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے قیامت کے دن سب امتوں پر فخر کروں گا۔ اگرچہ وہ ادھورے بچے ہی سے ہو) اور نیز آپ نے فرمایا۔ اِنَّ اَعْظَمَ النِّسَاءِ بَرَكَةً اَقَلُّهُنَّ مَؤُنَةً وَّ اَحْسَنُهُنَّ وُجُوْهًا وَ اَحْصَنُهُنَّ فُرُوْجًا (سب عورتوں سے زیادہ برکت والی عورت وہ ہے جو ان سب میں کم خرچ کرنے والی اور زیادہ خوبصورت اور زیادہ پاک دامن ہو) اور صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ سب مردوں اور عورتوں کے لئے فی الجملہ نکاح مباح ہے اور اس شخص کے لئے جو حرام سے پرہیز نہ کر سکے۔ فرض ہے۔ اور اس شخص کے لئے جو بال بچے کے حقوق ادا کر سکے۔ سنت ہے۔ اور طریقت کے مشائخ میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ نکاح شہوت کو دفع کرنے کے لئے کرنا چاہیے اور کسب حلال دل کی فراغت کے لئے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ نکاح کرنا نسل کی افزائش کے لئے چاہیے۔ تاکہ کوئی اولاد ہو۔ اور جب اولاد ہو جائے تو اگر وہ باپ سے پہلے دنیا سے چل دے تو باپ کا شفیع ہو۔ اور اگر باپ اس سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جائے۔ تو وہ اس کے حق میں دعا گو رہے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت

سلہ لباس کے معنی پوشاک ہیں جو سردی و گرمی سے بچاتی ہے۔ چونکہ عورت مرد ایک دوسرے کو گناہ سے بچاتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے عیوب کو ڈھانپتے ہیں۔ اسی لئے ان کو لباس سے تشبیہ دی ہے :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ام کلثومؓ کی نسبت ان کے والد حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے اپنے لئے درخواست کی۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ وہ بہت ہی چھوٹی عمر کی ہے۔ اور تم بوڑھے ہو۔ اور میرا ارادہ ہے کہ میں اس کو اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ کو دوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیجا۔ کہ اے ابوالحسن! جہاں میں بڑی عمروں والی عورتیں بہت ہیں اور میرا مقصد ام کلثومؓ سے نکاح کرنے سے شہوت کا دفع کرنا نہیں ہے۔ بلکہ نسل کا ثابت رکھنا ہے۔ کیونکہ میں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا كُلُّ نَسَبٍ وَّحَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ اِلَّا نَسَبِيْ وَحَسَبِيْ وَيُرْوٰى كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ يَنْقَطِعُ اِلَّا سَبَبِيْ وَنَسَبِيْ (ہر حسب اور نسب موت سے منقطع ہو جائے گا۔ مگر میرا حسب و نسب منقطع نہیں ہوگا اور ایک روایت میں ہے۔ ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائیگا۔ مگر میرا سبب و نسب منقطع نہیں ہوگا۔) اب میرا سبب تو ہے مجھے اس کی ضرورت ہے کہ نسب بھی قائم رہے تاکہ میں دونوں طرفین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی وجہ سے محکم کر دوں۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ام کلثومؓ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا اور زید بن عمر رضی اللہ عنہ ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تُنْكَحُ النِّسَاءُ عَلٰى اَنْ يُعْتَزَ عَلَى الْمَالِ وَالْحَسَبِ وَالْحُسْنِ وَالدِّيْنِ فَعَلَيْكُمْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ مَا اسْتَفَادَ امْرُءٌ بَعْدَ الْاِسْلَامِ خَيْرًا مِّنْ زَوْجَةٍ مُّؤْمِنَةٍ مُّوَافِقَةٍ يُسَرُّ بِهَا اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا (عورتوں سے چار اغراض کے لئے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال۔ حسب۔ حسن اور دین کے لئے۔ پس تمہارے لئے دیندار عورت سے نکاح کرنا لازم ہے۔ کیونکہ انسان اسلام کے بعد ایسی مومنہ اور مرضی کے مطابق بیوی کے سوا اور کسی چیز سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ کہ جب وہ اس کی طرف نظر کرے تو اس سے خوش ہو جائے) اور ایمان دار آدمی دین میں اس عورت کی صحبت سے قوت استحکام اور پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور دنیا میں اس کی صحبت و رفاقت سے محبت، سعادت اور دوسری سرفرازیاں میسر آتی ہیں۔ کیونکہ سب وحشتیں تنہائی میں ہوتی ہیں۔ اور تمام راحتیں صحبت میں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے۔ اَلشَّیْطَانُ مَعَ الْوَاحِدِ (شیطان اکیلے آدمی کے ساتھ ہوتا ہے) اور درحقیقت مرد یا عورت جب تنہا ہو تو اس کا ہم نشین شیطان ہوتا ہے۔ اور وہ شہوت نفس کو اس کے دل کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے۔ اور کوئی صحبت دین کی حرمت اور حرام سے بچنے کے لئے میاں بیوی کی صحبت جیسی نہیں ہے۔ بشرطیکہ دونوں میں باہم مجانست اور موافقت ہو۔ اور کوئی عذاب اور رنج ناموافق عورت سے صحبت و رفاقت کے سوا نہیں۔ پس درویش کو چاہیے کہ پہلے اپنے معاملہ میں خوب سوچے اور مجرد رہنے اور نکاح کرنے کی خرابیوں کا دل میں تصور کرے۔ تاکہ جس آفت کا دفع کرنا اس کے دل کے لئے آسان ہو اس کی طرف توجہ دے۔ الغرض مجرد رہنے میں دو خرابیاں ہیں ایک تو رسول علیہ السلام کی سنتوں میں سے ایک سنت کا ترک کرنا۔ دوسرے دل میں شہوت نفسانی کی پرورش کرنا۔ اور حرام میں پڑ جانے کا خطرہ۔ اور نکاح کرنے میں بھی دو آفتیں ہیں۔ ایک دل کا غیر حق میں مشغول ہونا۔ دوسرے جسم کا لذت نفسانی میں مصروف ہونا اور اس مسئلہ کی اصل گوشہ نشینی اور صحبت کی طرف لوٹتی ہے۔ جو شخص لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے اس کے لئے نکاح کرنا ضروری ہے اور جو لوگوں سے علیحدہ رہنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے مجرد رہنا زیب زینت ہے اور پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے سِیْرُوْا سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ (سیر کرو تنہا لوگ سبقت لے گئے ہیں) اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں نَجَا الْمُخَفَّفُوْنَ وَهَلَكَ الْمُثْقَلُوْنَ ہلکے بوجھ والے مجرد لوگ نجات پا گئے۔ اور بھاری بوجھ والے عیال دار ہلاک ہو گئے) اور حضرت ابراہیم خواص سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میں ایک گاؤں میں کسی بزرگ کی زیارت کے ارادہ سے گیا۔ جب میں اس کے گھر کے اندر داخل ہوا۔ تو میں نے دیکھا کہ گھر ایسا پاکیزہ ہے جیسا کہ اولیاء کا عبادت خانہ۔ اور اس کے گھر کے دونوں کونوں میں دو محراب بنائے ہوئے ہیں۔ ایک محراب میں تو وہ بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور دوسرے محراب میں ایک پاکیزہ اخلاق بڑھیا بیٹھی ہے۔ اور زیادہ عبادت کرنے کی وجہ سے دونوں کمزور ہو گئے ہیں۔ میرے آنے پر انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور میں وہاں تین روز رہا۔ جب میں نے واپس لوٹنا چاہا

تو میں نے اس بزرگ سے پوچھا کہ اس پاک دامن بڑھیا کا آپ سے کیا رشتہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک طرف سے تو یہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔ اور دوسری طرف سے میری بیوی ہے۔ میں نے کہا کہ ان تین روز میں آپ کی صحبت میں رہ کر میں نے ان کو بیگانہ ہی سمجھا۔ انھوں نے فرمایا۔ کہ ہاں پینسٹھ سال سے یہی حالت ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے اس کا سبب بتائیے کہ کیوں ایسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ بچپن میں ہم ایک دوسرے پر عاشق تھے اور ان کے والد ان کا نکاح مجھ سے نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ ہماری آپس کی محبت اسے معلوم ہو گئی تھی۔ ایک مدت تک ہم نے اس بات کا رنج اٹھایا۔ یہاں تک کہ ان کے والد فوت ہو گیا۔ اور میرے والد چونکہ ان کے تایا تھے۔ اس لئے انہوں نے ان کا نکاح مجھ سے کر دیا۔ جب پہلی رات ہم ایک دوسرے سے ملے۔ تو اس نے مجھ سے کہا۔ کہ تو جانتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کیا نعمت ہم کو بخشی ہے جس نے ہمیں ایک دوسرے سے ملا دیا۔ اور ہمارے دلوں کو آفت اور خوف سے فارغ کر دیا۔ میں نے کہا ہاں۔ کیوں نہیں۔ پس اس نے کہا۔ ہمیں آج رات اپنے آپ کو خواہش نفس سے روکنا اور نفس کی مراد کو پامال کرنا اور اس نعمت کے شکریہ میں خدائے تعالےٰ کی عبادت کرنی چاہیئے۔ میں نے کہا بہت بہتر۔ دوسری رات میں بھی اس نے ایسا ہی کہا۔ تیسری رات میں نے کہا کہ دو رات تو ہم نے تیرے کہنے سے نعمت الٰہی کا شکریہ ادا کیا ہے۔ آج رات میرے کہنے سے آؤ اللہ کی عبادت کریں۔ چنانچہ اب ۶۵ سال ہو گئے ہیں کہ ہم نے ایک دوسرے کو چھوا تک نہیں اور ساری عمر اس نعمت کے شکر میں گزار رہے ہیں۔ پس جب کوئی درویش کسی عورت سے نکاح کر کے اس کی صحبت اختیار کرے۔ تو اسے چاہیئے کہ جب تک اس پردہ نشین عورت کی روزی، حلال مال سے نہ بنالے اور اس کا حق مہر حلال مال سے نہ ادا کرے اور جب تک حقوق الٰہی اور اس کے حکموں کو بجا نہ لائے۔ تب تک اپنی نفس کی لذات میں مستغرق نہ ہو۔ اور جب اپنے اوراد و وظائف ادا کر چکے تو اس کی ہم بستری کا ارادہ کرے۔ اور اپنی حرص اور مراد کو اپنے اندر مار دے۔ اور خداوند تعالےٰ سے مناجات کے طور

پر عرض کرے۔ بار خدایا! تو نے آدمی کی سرشت میں جہان کی آبادی کے لئے شہوت پیدا فرمائی ہے۔ اور اپنے علم میں تو نے چاہا ہے کہ مجھے یہ صحبت حاصل ہو۔ اے پروردگار! یہ صحبت میرے لئے دو باتوں کا موجب بنا۔ ایک اس کا کہ فعل حلال کے ساتھ حرام سے محفوظ رہوں۔ دوسرے اس کا کہ مجھے ایسا فرزند عطا فرما۔ جو تیرا ولی اور پسندیدہ ہو۔ نہ ایسا فرزند کہ میرے دل کو تیری طرف سے ہٹا کر اپنی طرف مشغول کر دے اور حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کا ذکر ہے کہ ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ وہ لڑکا جب لڑکپن میں اپنی ماں سے کھانا مانگتا تو ماں اسے کہتی کہ خدا تعالےٰ سے مانگ۔ وہ لڑکا محراب میں جا کر سجدہ کرتا اور اس اثنا میں اس کی ماں ایسے طور پر اس کے سامنے کھانا رکھ دیتی کہ اسے معلوم نہ ہوتا کہ یہ ماں نے اس کو دیا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ سے مانگنے کی عادت پکڑے۔ حتیٰ کہ ایک روز وہ لڑکا مدرسہ سے گھر آیا۔ اتفاق سے اس کی والدہ گھر پر موجود نہ تھی تو اس نے اپنی ضرورت کے لئے سر سجدہ میں رکھا اور اللہ تعالےٰ نے اس کی ضرورت اس کو مہیا کر دی۔ اس کی والدہ نے آ کر یہ حال دیکھا۔ تو اس نے حیرت سے کہا۔ اے لڑکے۔ یہ کھانا کہاں سے آیا ہے اس نے کہا جہاں سے ہر روز آیا کرتا ہے اور اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام جب حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آتے تو گرمی کے دنوں میں سردیوں کا میوہ آپ کے پاس دیکھتے۔ اور سردیوں میں گرمیوں کا میوہ دیکھتے۔ اور تعجب سے پوچھتے؟ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا۔ کہ یہ میوہ آپ کو کہاں سے ملا ہے؟ تو آپ فرماتیں ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (یہ اللہ کی طرف سے ہے) پس چاہئیے کہ کسی سنت کا استعمال درویش کو حرام دنیا کی تلاش اور دل کے شغل میں نہ ڈال دے۔ کیونکہ درویش کی ہلاکت اس کے دل کی خرابی میں ہے۔ جیسا کہ دولت مند کی خرابی اس کے گھر اور اس کے سامان خانگی کی خرابی میں ہے۔ پس جو چیز دولت مند کی خراب ہو جائے۔ اس کا عوض ہو سکتا ہے۔ لیکن جو چیز درویش کی بگڑ جائے اس کا کوئی عوض نہیں ہوتا۔ اور ہمارے زمانہ میں ممکن نہیں کہ کسی شخص کو ایسی موافق عورت میسر ہو۔ جو حاجت سے زیادہ فضول اور امر محال کو طلب نہ کرے

اور یہی سبب ہے کہ ایک گروہ نے تجرد اور بیکار رہنا اختیار کیا ہے۔ اور اس حدیث کی رعایت مدنظر رکھی ہے۔ جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ خَیْرُ النَّاسِ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ خَفِیْفُ الْحَالِ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا خَفِیْفُ الْحَالِ قَالَ الَّذِیْ لَا اَھْلَ لَہٗ وَلَا وَلَدَ لَہٗ (اخیر زمانہ میں سب سے اچھا وہ شخص ہوگا۔ جو کم حال ہوگا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ کم حال کون ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جس کے اہل و عیال نہ ہوں) نیز آپ نے فرمایا کہ سِیْرُوْا سَبَقَ الْمُفْرِدُوْنَ (تیز چلو کہ بے اہل و عیال والے تم سے سبقت لے گئے ہیں) اور طریقت کے مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اہل طریقت میں سب سے زیادہ بہتر اور افضل مفرد اور تنہا رہنے والے لوگ ہیں۔ بشرطیکہ ان کا دل حرامی سے خالی اور طبیعت ارتکاب معاصی اور خواہشات کے ارادہ سے روگردان ہو۔ اور عام لوگ خواہشاتِ نفسانی کے ارتکاب کرنے میں اس حدیث کو حجت بناتے ہیں۔ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا ہے۔ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ الطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (تمہاری دنیا کی اشیاء میں سے تین چیزیں میری محبوب بنادی گئی ہیں۔ خوشبو، عورتیں اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک) اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ عورتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہیں تو عورتوں سے نکاح کرنا افضل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لِیْ حِرْفَتَانِ اَلْفَقْرُ وَالْجِهَادُ (میرے دو پیشے ہیں۔ فقر اور جہاد) پس ان پیشوں سے تم کیوں ہاتھ اٹھاتے ہو اگر عورت آپ کی محبوب ہے تو یہ پیشہ بھی آپ کا محبوب ہے۔ پس محض اس وجہ سے کہ تمہارے نفس کو عورت کی طرف زیادہ رغبت ہے تو اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب قرار دینا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص پچاس سال اپنی خواہش نفس کا تابع رہ کر یوں خیال کرے کہ وہ سنت کا تابع ہے۔ تو وہ سخت غلطی پر ہے۔ الغرض پہلا فتنہ جو بہشت میں حضرت آدم علیہ السلام پر مقدر ہوا ہے۔ اس کی اصل بھی عورت ہی ہوئی ہے۔ اور ہابیل و قابیل کا پہلا فتنہ جو دنیا میں ظاہر ہوا ہے اس کا سبب بھی عورت ہی ہوئی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں ہاروت، ماروت کو عذاب دینا

چاہا۔ تو اس کا سبب بھی زہرہ نامی ایک عورت ہی تھی اور آج تک ہمارے تمام دینی و دنیاوی فتنوں کا سبب عورتیں ہی ہیں۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ ﴿میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر ضرر رساں اور کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔ پس ان کا فتنہ اگر ظاہر میں اس قدر ہے تو باطن میں بھلا وہ کس قدر ہوگا اور میں علی بن عثمان جُلابی بھی اس کے بعد کہ حق تعالیٰ نے مجھے گیارہ سال تک نکاح کی آفت سے محفوظ رکھا۔ لیکن بالآخر تقدیر الٰہی سے فتنہ میں مبتلا ہوگیا۔ اور میرا ظاہر و باطن بن دیکھے ایک پری صفت عورت کے حسن وجمال کا اسیر ہوگیا۔ اور پورے ایک سال تک میں اس میں مبتلا رہا۔ چنانچہ قریب تھا۔ کہ میرا دین برباد ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے کمالِ مہربانی اور اپنے پورے فضل سے میرے دل کو ہلاکت سے بچانے کا سامان فرمایا اور اپنی رحمت سے اسے خلاصی بخشی۔ اس اللہ تعالیٰ کی اس بڑی نعمت پر اس کا شکر ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ طریقت کی بنیاد مجرد رہنے پر رکھی گئی ہے۔ اور جب انسان نکاح کر کے متاہل بن جاتا ہے۔ تو حال متغیر ہو جاتا ہے۔ اور پھر خواہش نفس کے لشکروں میں سے کوئی لشکر ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی آگ کو کوشش سے بجھا سکیں۔ کیونکہ جو خرابی خود تجرد سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے دفع کرنے کا سامان بھی تجرد ہی پر موقوف ہوتا ہے اور کسی اور کی ضرورت نہیں کہ یہ بری صفت تجرد سے دور کرے۔ اور یہ یاد رکھو کہ خواہش نفس کا ازالہ دو چیزوں سے ہو سکتا ہے اول اس چیز سے جو انسان کے تکلف اور سعی و کوشش کے تحت آسکے۔ دوسرے اس چیز سے جو انسان کے کسب اور اس کی کوشش کے دائرہ سے خارج ہو۔ وہ چیز جو انسانی سعی و تکلف کی تحت ہے۔ وہ بھوکا رہنا ہے اور وہ چیز جو انسانی سعی و کوشش سے باہر ہے وہ یا تو بے قرار کرنے والا خوف ہے یا سچی محبت۔ جو ہمتوں اور ارادوں کو آہستہ آہستہ کام میں لانے سے دل کو آخر کار تسکین بخشتی ہے۔ کیونکہ محبت آہستہ آہستہ جسم کے تمام اعضاء پر غلبہ حاصل کر لیتی ہے اور تمام حواس کو ان کی صفت سے معزول کر کے آدمی کو ہمہ تن معقول بنا دیتی اور بیہودگی اس سے

کردیتی ہے۔

اور احمد سرخسیؒ جو ماوراء النہر میں میرے رفیق اور بڑے باحشمت آدمی تھے، بعض لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو نکاح کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ لوگوں نے کہا۔ کیوں؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ میں اپنے حال میں کبھی تو غائب اور بے خبر رہتا ہوں اور کبھی حاضر اور جب غائب ہو جاتا ہوں۔ تو پھر مجھے دونوں جہاں میں کسی چیز کی بھی خبر نہیں ہوتی۔ اور جب حاضر ہوتا ہوں تو پھر اپنے نفس کو ایسا رکھتا ہوں کہ اگر ایک روٹی اسے مل جائے۔ تو وہ یوں خیال کرتا ہے کہ اسے ہزاروں حوریں مل گئیں۔ پس دل کے لئے کرتی نہ کوئی شغل چاہیے۔ خواہ کسی چیز کے متعلق ہو اور یہ بڑا بہادری کا کام ہے۔ اور ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نکاح کرنے اور مجرد رہنے میں ہمارے اپنے اختیار کو کوئی دخل نہیں اور دیکھتے ہیں کہ تقدیر الٰہی کے مطابق پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اگر مجرد رہنا ہی ہمارے نصیب میں ہو تو اس میں ہم پاکدامن رہنے کی کوشش کریں گے۔ اور اگر نکاح کرنا ہمارے مقدر میں ہو تو ہم سنت کے تابع رہیں گے۔ اور دل کو فارغ رکھنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی حفاظت بندہ کے لیے مقدر ہو تو بندہ تجرید میں بھی ایسا ہی محفوظ رہتا ہے۔ جس طرح یوسف علیہ السلام زلیخا کی ابتلا میں محفوظ رہے۔ کہ جس وقت زلیخا نے آپ کے ساتھ خلوت کی تو باوجود اپنی مراد کے حاصل کرنے پر قادر ہونے کے اپنی مراد سے انہوں نے روگردانی کی۔ اور مراد سے بے مراد رہے اور خواہش نفس کو مغلوب کرانے اور اپنے نفس کے عیوب دیکھنے میں مشغول رہے اور نکاح کی صورت میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میسر ہو تو وہ نکاح ایسا ہی ہوگا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد رکھنے کی وجہ سے گھر والوں کو اپنی زندگی کا واحد مشغلہ نہیں بنایا۔ یہاں تک کہ جب حضرت سارہؓ کے دل میں رشک پیدا ہوا اور غیرت کا اظہار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہؓ کو لے جا کر مکہ معظمہ کے بے آب و گیاہ یعنی بے آباد وادی میں خداوند تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور ان سے روگردانی فرمائی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنی حفاظت میں جیسا چاہا ان کی پرورش فرمائی۔ پس بندہ کی ہلاکت نہ تو تجرید میں ہے اور نہ تزویج میں۔ بلکہ اس کی مصیبت اپنے اختیار کو ثابت رکھنے اور نفس کی خواہش کی متابعت کرنے

میں ہے۔ اور عیالدار کے آداب کی شرط یہ ہے کہ اس کے روزمرہ کے اوراد وظائف میں سے کوئی وظیفہ فوت نہ ہو اور احوالِ سلوک ضائع نہ ہوں۔ اور اوقات کار پریشان نہ ہوں۔ اپنے گھر والوں سے شفقت کرے اور حلال روزی سے انکی ضروریات مہیا کرے اور انکا نفقہ ادا کرنے کے لیے ظالموں اور بادشاہوں کی خوشامد رعایت نہ کرے۔ تاکہ اگر کوئی لڑکا پیدا ہو تو وہ بھی ان شرائط کا پابند ہو۔ اور اس کے اخلاق و سیرت پر کوئی اثر نہ پڑے۔

اور حکایات میں مشہور ہے کہ احمد بن حرب نیشاپوری رحمہ اللہ ایک روز نیشاپور کے رئیسوں اور سرداروں کی جماعت میں جو آپ کے سلام کے لیے آئے ہوئے تھے۔ بیٹھے تھے۔ کہ اتنے میں ایک لڑکا شراب پیے ہوئے مستانہ وار ساز بجاتے اور راگ گاتے ہوئے اندر آیا اور کمال بے حرمتی کے ساتھ بیدھڑک ان کے پاس سے گزرا اس سے سب رنجیدہ ہوئے۔ حضرت احمد رحمہ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں میں تغیر کیوں پیدا ہوا؟ سب نے جواب دیا کہ اس لڑکے کے اس حال میں آپ کے پاس سے گزر جانے سے ہمیں پریشانی پیدا ہوئی۔ کہ اس نے آپ سے کچھ خوف نہ کیا۔ آپ نے فرمایا وہ معذور ہے کیونکہ ایک رات ہمارے واسطے ہمسایہ کے گھر سے کھانا لایا گیا تھا۔ جسکو میں نے اور میری بیوی نے کھایا اور اتفاق سے اس رات ہم نے صحبت کی۔ جس سے اس کا نطفہ قرار پایا۔ پھر ہم پر نیند نے غلبہ کیا۔ اور اس رات کے تمام اوراد وظائف ہمارے ضائع ہو گئے۔ جب صبح ہوئی اور اپنے حال کی جستجو کی اس ہمسایہ کے پاس پہنچے اور دریافت کیا کہ جو کھانا اس نے ہمارے پاس بھیجا تھا۔ وہ کہاں سے آیا تھا اس نے کہا کہ وہ کھانا ہمارے ہاں شادی کی ایک تقریب سے آیا تھا جب ہم نے مزید جستجو کی تو معلوم ہوا کہ وہ کھانا بادشاہ کے گھر سے گیا تھا اور مجرد آدمی کے آداب کی شرط یہ ہے کہ آنکھ کو ناشائستہ امور کے دیکھنے سے روکے اور نہ سننے کے لائق باتوں کو نہ سنے اور نہ سوچنے کے قابل باتوں کو نہ سوچے اور شہوت کی آگ کو بھوک کے ذریعہ سے بجھائے اور دل کو دنیا سے اور اس کے حوادث میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھے، اور اپنی خواہش نفس کو علم اور الہام نہ کہے اور شیطان کے شعبدہ کی تاویل نہ کرے تاکہ طریقت میں مقبول ہو۔ غرض یہ کہ صحبت و معاملہ کے مختصر آداب یہ ہیں۔ اگرچہ مذکور تھوڑے ہوئے تاہم تھوڑا بہت کی دلیل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تینتیسواں باب

دسویں پردے کا کھولنا

صوفیہ کرام کی اصطلاحات اور ان کی تشریح

اللہ تمہیں سعادت مند کرے تمہیں جاننا چاہیئے کہ اہل فن وارباب معاملہ کے آپس میں اپنے اسرار و رموز بیان کرنے کے لیئے مخصوص الفاظ و اصطلاحات ہوتی ہیں کہ ان کے سوا ان کے معنے اور کوئی نہیں جانتا اور ان عبارات و مصطلحات کے وضع کرنے سے مراد ایک تو اچھی طرح سے سمجھانا ہے اور مشکل باتوں کو آسان کرنا تاکہ بات مرید کے فہم سے قریب ہو جائے۔ دوسرے بھید کو ان لوگوں سے چھپانا ہے جو اس کے اہل نہیں ہوتے اور اس امر کی دلیلیں بالکل واضح ہیں چنانچہ اہل لغت کی اپنی وضع کردہ مخصوص اصطلاحیں ہیں جیسے کہ فعل ماضی فعل مستقبل، صحیح اور معتل، اجوف ولفیف و ناقص وغیرہ وغیرہ اور اہل نحو کی اپنی مخصوص وضع کی ہوئی اصطلاحیں ہیں مثلاً رفع ونصب جر وضمہ، کسرہ اور جزم ومنصرف وغیر منصرف وغیرہ وغیرہ۔ اور اہل عروض اپنی وضع کی ہوئی عبارات سے مخصوص ہیں جیسا کہ بحور و دوائر وسبب ووتد اور فاصلہ وغیرہ وغیرہ اور اہل حساب اپنی وضع کی ہوئی عبارتوں سے مخصوص ہیں جیسے فرد و زوج، ضرب وتقسیم، کعب وجذر، اضافت، تضعیف وتنصیف، جمع وتفریق وغیرہ وغیرہ اور اہل فقہ اپنی وضع کی ہوئی عبارتوں سے مخصوص ہیں جیسے علت ومعلول، قیاس واجتہاد و دفع والزام وغیرہ وغیرہ اور اہل حدیث بھی اپنی وضع کی ہوئی عبارتوں سے مخصوص ہیں مثلاً مسند ومرسل، احاد ومتواتر، جرح وتعدیل وغیرہ وغیرہ اور اہل کلام بھی اپنی وضع کی ہوئی عبارتوں سے مخصوص ہیں مثلاً عرض وجوہر کل و جزو، جسم وحدوث، تحیز وتوالی وغیرہ وغیرہ۔ پس اسی طرح اس گروہ صوفیہ نے بھی اپنے مطالب کے خفا وظہور کے لیئے کچھ الفاظ مقرر کیے ہیں تاکہ طریقت میں ان الفاظ کے ذریعہ جسے چاہیں اپنا مقصود بتا دیں اور جس سے چاہیں اسے چھپا دیں پس میں ان کلمات میں سے بعض مشرح طور پر بیان کروں گا اور ان ہر دو کے درمیان فرق واضح کروں گا کہ صوفیا کی ان کلمات سے کیا مراد ہے تاکہ تمہیں اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو پورا افادہ

حاصل ہوا اور مجھے نیک دعا حاصل ہوئی۔

پہلی فصل

حال و وقت

وقت جماعت صوفیہ کے درمیان ایک مشہور اصطلاح ہے اور مشائخ طریقت کے اس میں بہت سے اقوال ہیں۔ میرا مقصد چونکہ بیان کو طول دینا نہیں۔ اس لیے میں یہاں صرف ان دونوں کی ماہیت بیان کرکے ان کے آپس میں فرق کو واضح کرتا ہوں۔ جاننا چاہیے کہ ان کے نزدیک وقت وہ حالت ہے کہ بندہ اس کی وجہ سے زمانہ ماضی و مستقبل سے فارغ ہو جائے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں جلوۂ الٰہی یا الہام کی قسم کا کوئی فیضان ہو جو اس کے باطن کو تمام امور میں اس طرح مجتمع کر دے کہ اس حال کے مکاشفہ میں نہ اس کو وقت گزشتہ یاد ہو نہ آئندہ۔ پس سب لوگوں کو اس حال پر دسترس نہیں ہوتی اور وہ نہیں جانتے کہ ان کی تقدیر کس بات پر ٹھہری اور انجام کس بات پر ہوگا سوائے ان لوگوں کے جن کو یہ وقت یعنی حالت مشاہدہ حاصل ہے وہ کہتے ہیں۔ ہمارا علم انجام اور تقدیر سابقہ کا ادراک نہیں کر سکتا ہمارے لیے تو یہ وقت یعنی حالت مشاہدہ ایک بہت اچھی چیز ہے کیونکہ اگر ہم آئندہ کل میں مشغول ہوں یا گزشتہ کل کا اندیشہ دل میں لائیں تو موجودہ وقت مشاہدہ سے ہم حجاب میں چلے جائیں گے اور حق سے حجاب میں ہونا ایک بڑی پراگندگی اور پریشانی ہے پس جس چیز پر دسترس نہ ہو اس کا خیال کرنا غلط ہے چنانچہ حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے عزیز وقت کو سب سے عزیز ترین چیز کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہ کر اور بندہ کی عزیز ترین چیز ماضی اور مستقبل کے درمیان وقت موجود میں حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہونا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ اسے یعنی مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت مشاہدہ حاصل ہوتا ہے کہ اس وقت میں میرے ساتھ نہ کسی فرشتہ مقرب کو گنجائش ہوتی ہے نہ کسی نبی مرسل کو، یعنی ان بے شمار دنیاؤں میں سے کسی دنیا کا اس وقت میرے دل میں گزر نہیں ہوتا اور نہ اس کی میری نظر میں کوئی وقعت ہوتی ہے یہی وجہ تھی کہ جب معراج کی رات جب ملک زمین و آسمان کی زینت

کہ آپ پر پیش کیا گیا تو آپ نے دیدارِ الٰہی میں مستغرق ہونے کے باعث کسی چیز کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی نہ آپ کی نگاہ تجلیاتِ حق سے ادھر اُدھر ہٹی اور نہ آگے بڑھی کیونکہ حضور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے عزیز تھے اور عزیز چیز کو عزیز چیز کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہیں کیا کرتے۔ پس موحد کے دو وقت ہوتے ہیں۔ ایک فقد جس میں مشاہدِ حق حاصل نہیں اور دوسرا وجد جس میں مشاہدہ حاصل ہے مگر وہ ان دونوں حالتوں میں مغلوب اور مجبور ہے اس لئے کہ وصل میں اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے اور جدائی میں اس کی جدائی بھی حق تعالیٰ کے حکم سے ہوتی ہے خود اس کے اپنے اختیار و کسب کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا کہ اس کا وصف بیان کر سکیں اور جب بندہ کا اپنا اختیار اس سے حال سے الگ کر دیا جائے تو جو کچھ وہ کرتا یا دیکھتا ہے وقت یعنی مشاہدِ حق کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے میں نے ایک درویش کو جنگل میں کیکر کے درخت کے نیچے سخت ریاضت و مجاہدہ کی حالت میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ میں نے اس سے پوچھا بھائی تو اس جگہ کیوں بیٹھا ہے اور اتنی سختی اور تکلیف کیوں اٹھا رہا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک وقت یعنی مشاہدہ حاصل تھا وہ یہاں ضائع ہو گیا ہے۔ اب یہاں بیٹھا ہوا غم کھا رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کتنی مدت سے تو یہاں بیٹھا ہے؟ اس نے کہا بارہ سال سے۔ اب شیخ میرے لئے دعا فرمائیں تاکہ میں اپنی مراد پا لوں اور اپنا کھویا ہوا وقت یعنی مشاہدہ دوبارہ حاصل کر لوں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں سے جا کر حج کیا اور اس کے حق میں دعا کی وہ قبول ہو کر اس کی مراد بر آئی۔ جب میں نے واپس آ کر اس کو وہیں پھر بیٹھے دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اے جواں مرد اب کہ تجھے وہ کھویا ہوا وقت دوبارہ مل گیا ہے پھر کیوں یہاں سے نہیں جاتا۔ اس نے کہا اے شیخ! میں نے اس جگہ کو لازم پکڑا تھا جو میری وحشت کا محل تھی اور میرا سرمایہ وہاں گم ہوا تھا کیا اب روا ہے کہ جس جگہ میں نے اپنا وہ سرمایہ دوبارہ حاصل کیا ہے اور وہ میری محبت کی جگہ ہے اس کو چھوڑ دوں۔ شیخ سلامتی

۱؎ عدم مشاہدہ گم ہونا ۲؎ مشاہدہ - پانا

کے ساتھ تشریف لے جائیں میں تو اپنی مٹی کو اس جگہ کی مٹی سے ملا دونگا تا کہ قیامت میں میں اس خاک سے سر اٹھاؤں جو میرے انس و محبت کا سرمایہ اور میری خوشی کا مقام ہے، شعر ؎

فَكُلُّ امْرِئٍ يُوْتِي الْجَمِيْلَ مُحَبَّبٌ
وَكُلُّ مَكَانٍ يُنْبِتُ الْعِزَّ طَيِّبٌ

(پس جس شخص کی طرف کوئی حسین آدمی تحفہ بھیجتا ہے وہ پیارا ہوتا ہے اور جس مکان سے عزت پیدا ہو وہ پاکیزہ ہوتا ہے)

پس وہ چیز جس کا معاملہ انسانی کسب کے تحت نہ آئے کہ اس کو تکلیف اور محنت و مشقت سے حاصل کر سکے جان دے دے مگر اس کو نہ دے اسے اس کے حاصل کرنے اور بدلنے کا بھی اختیار نہ ہو اور دونوں طرف اس کی رعایت میں مساوی ہوں، اور بندہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو کسی طرح بھی اس کا مستحق نہیں بنا سکتا اور مشائخ نے فرمایا ہے اَلْوَقْتُ سَيْفٌ قَاطِعٌ (وقت ایک کاٹنے والی تلوار ہے) کیونکہ تلوار کی صفت کاٹنا ہے اور وقت کی صفت بھی کاٹنا ہے کیونکہ وقت زمانہ ماضی و مستقبل کی جڑ کاٹتا ہے اور کل گزشتہ و آئندہ کے غم کو دل سے محو کرتا ہے پس تلوار کی صحبت پر خطر ہوتی ہے یا تو اس سے ملک ملتا ہے یا ہلاکت نصیب ہوتی ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ہزار سال تلوار کی خدمت کرے اور اسے اپنے کندھے پر اٹھائے پھرے تو پھر بھی کاٹنے میں وہ اپنے مالک کی گردن اور دوسرے شخص کی گردن کے درمیان کچھ تمیز نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ اس کی صفت قہر ہے اور کسی کی ملکیت میں آکر اس کی کاٹنے کی صفت زائل نہیں ہو سکتی۔

اور حال وہ فیضانِ الٰہی ہے جو مشاہدہ حق کے وقت دل پر وارد ہو کر اسے ایسا آراستہ کر دیتا ہے جیسا کہ روح جسم کو آراستہ کر دیتی ہے۔ لہٰذا وقت حال کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ وقت کی صفائی اور آراستگی حال کے سبب سے ہوتی ہے اور اس کا قیام اسی پر موقوف ہوتا ہے پس جب صاحب وقت صاحب حال ہو جاتا ہے تو تغیر اس سے منقطع ہو جاتا ہے اور اپنے حال میں وہ مستقیم ہو جاتا ہے کیونکہ حال کے بغیر وقت پر زوال ہوتا ہے اور جوں ہی اس کے ساتھ حال پیوستہ ہو جاتا ہے اس کا سارا زمانہ وقت ہی ہو جاتا ہے،

اور پھر اس پر زوال روا نہیں۔ غرضیکہ دل پر فیضان کی جو کچھ بھی آمد و رفت ہوتی ہے وہ خفا اور ظہور کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ اس سے پہلے صاحب وقت پر وقت نازل ہوتا ہے اور غفلت متمکن ہوتی ہے اب حال نازل ہوتا ہے اور وقت متمکن ہوتا ہے۔ اس لئے کہ صاحب وقت پر غفلت روا ہوتی ہے اور صاحب حال پر غفلت روا نہیں ہوتی مطلب یہ کہ صاحبِ وقت کے لئے غفلت تو ممکن ہے لیکن صاحبِ حال کے لئے نہیں ۔

اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ اَلْحَالُ سُکُوْتُ اللِّسَانِ عَنْ نُعُوْتِ الْبَیَانِ "حال یہ ہے کہ زبان کسی اندازِ بیان میں بھی اس کو بیان نہ کر سکے اور اس کا عمل اس کے حال کی حقیقت کو بیان کرے" اور اسی وجہ سے اس بزرگ نے فرمایا ہے اَلسُّوَالُ عَنِ الْحَالِ مُحَالٌ "یعنی حال کے متعلق سوال کیا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ حال بدائل مقال کی فنا ہے ۔

استاد ابو علی دقاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور عقبیٰ میں خوشی اور ہلاکت میں تیرا "وقت" وہی ہے جس میں تو موجود ہے اور حال ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر فیضان ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام صاحب وقت تھے کہ ایک وقت تو فراق سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں اور دوسرے وقت وصال سے بینا۔ کبھی تو گریہ سے بال کی طرح اور نالہ سے ریشۂ قلم کی طرح ہو جاتے اور کبھی خوشی اور سرور سے روح کی طرح خوش و خرم اور مسرور۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ صاحب حال تھے وہ نہ فراق کا کچھ خیال کرتے کہ اس سے غمگین ہوں اور نہ وصال کا خیال کرتے کہ اس سے مسرور ہوں۔ ستارہ، چاند اور سورج سب ان کے حال کی مدد کرتے تھے لیکن آپ مشاہدہ حق کی وجہ سے سب سے فارغ تھے حتیٰ کہ جس چیز کو دیکھتے اس میں حق تعالیٰ کا مشاہدہ کرتے اور فرماتے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ "میں زوال پانے والوں کو دوست نہیں رکھتا" پس کبھی تو عالم صاحب وقت کے لئے دوزخ بن جاتا ہے کیونکہ وہ غیبت کے مشاہدہ میں ہوتا ہے اور حبیب کے گم ہو جانے سے اس کا دل وحشت کا محل بن جاتا ہے اور کبھی اس کا دل مشاہدہ حق کی دولت پا کر جواہرات اس کو تحفہ کے طور پر ملتی رہتی ہے بہشت کی طرح شگفتہ ہو جاتا ہے۔ پھر

صاحب حال خواہ بلا کے حجاب میں ہو یا نعمت کے مشاہدہ میں سب حالتیں اس پر یکساں
ہوتی ہیں کیونکہ وہ ہمیشہ مشاہدہ کے محل میں ہوتا ہے۔ پس حال ایسے شخص کی صفت ہے
جو خدا تعالیٰ کو مطلوب ہوتا ہے اور وقت اس شخص کا درجہ ہے جو طالب حق ہو ایک
تو وقت کی راحت میں اپنے ساتھ باہوش ہوتا ہے اور دوسرا حال کی خوشی میں حق تعالیٰ
کے ساتھ مجذوب اور بیہوش ہوتا ہے۔ پس ان دونوں مقاموں میں بہت بڑا فرق ہے۔
اور ان اصطلاحاتِ صوفیہ میں سے مقام و تمکین بھی ہیں جن کے متعلق ہم آئندہ فصل
میں ذکر کریں گے۔

دُوسری فصل

مقام و تمکین

مقام سے مراد طالب الٰہی کا اپنے مطلوب کے حقوق ادا کرنے کے لئے
سخت کوشش کرنا اور صحیح نیت کے ساتھ قیام کرنا ہے اور مریدانِ حق میں سے ہر
ایک مرید کے لئے ایک مقام ہوتا ہے جو طلبِ حق کی ابتدا میں ان کے لئے سبب
ہوتا ہے۔ اگرچہ طالب حق ہر مقام سے بہرہ ور ہوتا ہے اور ہر ایک مقام سے گذر کرتا
ہے لیکن اس کا قرار ان مقامات میں سے صرف ایک پر ہوتا ہے کیونکہ مقام اور
اس کا ارادہ اس کی ترکیب بدنی اور پیدائش سے ہوتا ہے نہ اس کے فعل اور عمل
سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے کلام پاک میں خبر دی ہے کہ وَمَا مِنَّا اِلَّا
لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ اور ہم میں سے ہر ایک کے لئے ایک مقام معین ہوتا ہے
پس آدم علیہ السلام کا مقام توبہ تھا اور نوح علیہ السلام کا زہد اور ابراہیم علیہ السلام
کا تسلیم اور موسیٰ علیہ السلام کا انابت اور داؤد علیہ السلام کا غم اور عیسیٰ علیہ السلام
کا امید اور یحییٰ علیہ السلام کا خوف اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر۔ اگرچہ ہر
ایک کو ہر ایک محل میں سیر واقع ہوتی ہے لیکن آخر کار ان کا رجوع اپنے اصلی مقام
ہی کی طرف ہوتا ہے اگرچہ میں نے محاسبیوں کے مذہب کے بیان میں مقامات کے متعلق
تھوڑا سا بیان کر دیا ہے اور حال اور مقام کے درمیان فرق بتا دیا ہے لیکن اس جگہ
بھی اس کے بیان سے چارہ نہیں ہے پس جاننا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کا راستہ تین قسم
کا ہے۔ ایک مقام دوسرا حال تیسرا تمکین اور خدا تعالیٰ نے سب پیغمبروں کو اپنا رستہ

دکھلانے کے لئے بھیجا تاکہ وہ مقامات کو بیان کریں اور اسی غرض کیلئے کم و بیش ایک لاکھ
چوبیس ہزار پیغمبر آئے اور ہمارے پیغمبر کے تشریف لانے سے ہر مقام والے کے
لئے ایک حال ظاہر ہوا اور وہاں پہنچے کہ لوگوں کی سعی اور کسب ان سے منقطع
ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں پر دین تمام ہو گیا اور نعمت حد نہایت پر پہنچ گئی جیسا کہ
خدا تعالیٰ نے فرمایا: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ
وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (آج میں نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا
اور تم پر اپنی رحمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا) پس تمکین یعنی
حال پر قابو پانے والے کی تمکین ظاہر ہوئی۔ اگر میں سب کے حال اور ان کے مقامات
کی شرح کرنی چاہوں تو اپنے مطلوب سے باز رہتا ہوں البتہ مریدوں اور طالبان حق
کے فائدے کے لئے مختصر سا بیان یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تمکین سے مراد
محققین کا محل کمال اور درجہ اعلیٰ میں اقامت کرنا ہے پس اہل مقامات کو مقامات
سے گزرنا ممکن ہے لیکن تمکین کے درجہ سے گزرنا محال ہے کیونکہ مقام مبتدیوں کا
درجہ ہے اور تمکین منتہی لوگوں کی جائے قرار ہے ابتدا سے نہایت کی طرف تو گزر
ہو سکتا ہے لیکن نہایت سے آگے گزرنا متصور نہیں ہو سکتا کیونکہ مقامات تو رستہ
کی منزلیں ہیں اور تمکین درگاہ حق میں قرار پانا ہے دوستان الٰہی راستہ میں حق سے
غائب اور منازل میں حق سے بیگانہ ہوتے ہیں ان کا بھید اور باطن بارگاہ حق میں
ہوتا ہے اور بارگاہ میں اسباب آفت ہوتے ہیں اور سامان غیبت اور نقص ہوتے
ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں شاعر لوگ اپنے ممدوحوں کی مدح
نقل سے کیا کرتے تھے اور جب تک کچھ وقت نہ گزر جاتا شعر ادا نہ کرتے تھے۔
چنانچہ جیسے کوئی شاعر کسی ممدوح کی درگاہ میں پہنچ جاتا تو تلوار سونت لیتا اور گھوڑے
کے پاؤں اڑا دیتا اور تلوار کو توڑ دیتا۔ اس کی مراد اس سے یہ ہوتی تھی کہ مجھے سواری
کی جانے کی اس لئے ضرورت تھی کہ آپ کی درگاہ کا فاصلہ اس سے طے کر لوں
اور تلوار کی اس لئے ضرورت تھی کہ اپنے حاسدوں کو جو مجھے آپ کی خدمت سے
منع کرتے تھے اپنے سے دور رکھوں اب کہ میں جناب کے پاس پہنچ گیا ہوں
سامان سفر کی کیا ضرورت ہے میں نے سواری کے جانور کو مار ڈالا ہے کیونکہ میں

آپ کے پاس پہنچ کر واپس لوٹنا جائز نہیں سمجھتا اور میں نے تلوار کو اس لئے توڑ دیا ہے کہ آپ کی درگاہ سے تعلق قطع کرنے کے خیال کو بھی دل میں نہ لاؤں جب چند روز گزر جاتے تو اس وقت وہ اپنے شعر کو پڑھتا چنانچہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہی حکم دیا تھا جب آپ منزلوں کو قطع کر کے اور مقامات سے گزر کر تمکین کے محل میں پہنچے اور تغیر کے اسباب ان سے بالکل ساقط ہو گئے تو حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ وَأَلْقِ عَصَاكَ (اپنے دونوں جوتے اتار دو اور اپنی لاٹھی پھینک دو) کیونکہ وہ مسافت طے کرنے کا آلہ ہے اور وصل کی درگاہ میں مسافت طے کرنے کے سامان کی پریشانی کی کوئی ضرورت نہیں پس محبت کی ابتدا حق کو طلب کرنا ہے اور انتہا حق کے ساتھ آرام پانا۔ پانی جب تک دریا میں ہوتا ہے چلتا رہتا ہے لیکن جب سمندر میں پہنچ جاتا ہے تو آرام پکڑ لیتا ہے اور جب آرام پکڑ لیتا ہے تو مزہ تبدیل کر دیتا ہے تاکہ جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ سمندر کی صحبت کی طرف رغبت نہ کرے بلکہ اس کی صحبت کی طرف صرف وہی شخص میلان کرتا ہے جس کو لعل اور جواہر چاہئیں تاکہ جان کو ترک کرے اور طلب کا بوجھ پاؤں میں باندھے اور سر نیچے ڈالے ہوئے اس سمندر میں غوطہ لگائے پھر یا تو قیمتی موتی اور پوشیدہ جواہر حاصل کر لے یا اپنی عزیز جان اسی طلب میں فنا کر دے۔ ایک شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ــــ اَلتَّمْكِيْنُ رَفْعُ التَّلْوِيْنِ (تمکین تغیر کو اٹھا دیتا ہے) اور تلوین بھی اس گروہ کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ حال اور مقام کی طرح آپس میں معنی کے لحاظ سے قریب ہیں۔ تلوین سے مراد متغیر ہونا اور ایک حال سے دوسرے حال میں جانا ہے پھر صاحب تمکین یا متمکن سے وہ شخص مراد ہے جو متردد نہ ہو اور اپنا سارا سامان درگاہ الٰہی میں لے گیا ہو اور غیر کا خیال دل سے اس نے نکال دیا ہو۔ نہ کوئی ایسا معاملہ گزرے کہ اس کے ظاہر کو بدل دے اور نہ کوئی ایسا حال ہو کہ اس کے باطن کو تبدیل کر دے جیسا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام متغیر تھے۔ حق تعالیٰ نے ایک نظر سے طور پر جلوہ ڈالا تو آپ کے ہوش اڑ گئے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا (موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گر پڑے)! اور ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متمکن تھے کہ مکہ معظمہ سے قاب قوسین تک عین تجلی الٰہی میں گئے

لیکن آپ کا حال متغیر اور متبدّل نہ ہوا یہ درجہ نہایت اونچا مقام ہے جسے فقط اللہ ہی جانتا ہے پس تمکین بھی دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو یہ کہ اس کا تعلق شاہد کے متعلق ہو اور دوسرا یہ کہ اس کی فقط نسبت اپنے شاہد کی طرف ہو پس وہ شخص جس کا تعلق اپنے شاہد کے ساتھ ہو وہ باقی الصفت ہوتا ہے اور جس کی فقط نسبت شاہد کی طرف ہو وہ فانی الصفت ہوتا ہے اور فانی الصفت کے لیے مستی اور ہوشیاری، گم ہونا، ملنا، فنا اور بقا، وجود اور عدم درست نہیں ہوتا کیونکہ ان اوصاف کے قائم ہونے کے لیے موصوف چاہئے اور جب موصوف ہی مشاہدہ حق میں مستغرق ہو تو صفت کا قائم ہونا اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور اس موضوع پر مشائخ کا کلام بہت ہے لیکن میں نے اتنے پر اختصار کیا ہے اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

تیسری فصل

محاضرہ و مکاشفہ

اصطلاحاتِ صوفیہ میں سے محاضرہ اور مکاشفہ بھی تصوف کی ایک اصطلاح ہے جاننا چاہیئے کہ محاضرہ حق دل کے حاضر ہونے پر بولا جاتا ہے اور مکاشفہ مشاہدِ حق کی بارگاہ میں باطن کے حاضر ہونے پر بولا جاتا ہے پس محاضرہ آیاتِ الٰہی کے شواہد میں ہوتا ہے اور مکاشفہ مشاہداتِ الٰہیہ کے شواہد میں، اور محاضرہ کی علامت اللہ تعالیٰ کی کسی نشانی میں دائمی تفکر ہے اور مکاشفہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی کنہ میں دائمی حیرت۔ پھر ایک جو افعالِ حق میں متفکر ہے اور دوسرا جو جلالِ حق میں متحیر ہو۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے کیونکہ متفکر تو خلّت کا رفیق ہوتا ہے اور متحیر محبت کا ہم نشین۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جب خلیل علیہ السلام نے آسمانوں کے ملکوتی نظام کو دیکھا اور ان کے وجود کی حقیقت میں غور و فکر کیا تو آپ کے دل نے قرار پکڑا اور اس طرح فعلِ حق کے دیکھنے سے فاعل کے طالب ہو گئے اور اس اطمینان اور حضوری قلب نے فعلِ الٰہی کو ہی فاعل کی طرف ایک دلیل بنا دیا یہاں تک کہ کمالِ معرفتِ الٰہی میں آپ نے فرمایا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا (میں نے اپنا چہرہ سب سے الگ ہو کر اس ذات کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جب عالمِ ملکوت میں لے گئے تو کل کے دیکھنے سے آپ نے

آنکھ بند کر لی۔ آپ نے نہ فعل دیکھا نہ خلق دیکھی اور نہ ہی اپنے آپ کو دیکھا یہاں تک کہ فاعلِ حقیقی کا مشاہدہ کرنے لگے پس مشاہدہ حق میں آپ کا شوق پر شوق بڑھ رہا تھا اور بے قراری پر بے قراری زیادہ ہو رہی تھی چنانچہ آپ نے رویت باری کی طلب کی۔ رویت ذاتِ حق حاصل نہ ہوئی تو قرب کا ارادہ فرمایا۔ قرب ممکن نہ ہوا تو وصل کا قصد کیا اور وصل ممکن نہ ہوا تو جس قدر آپ کے دل پر حق تعالیٰ کی تنزیہہ پاکی زیادہ ظاہر ہوئی اتنا ہی شوق پر شوق بڑھا پھر نہ اعراض کرنے کی کوئی صورت تھی نہ آگے بڑھنے کی طاقت۔ آپ متحیر ہو گئے جہاں خدمت تھی وہاں حیرانی کفر معلوم ہوئی اور جہاں محبت تھی وہاں وصل شرک اور حیرانی سرمایہ بن گئی اسلئے کہ خدمت میں حیرانی ہستی میں ہوتی ہے اور وہ شرک ہے اور محبت میں حیرانی کیفیت میں ہوتی ہے اور یہ عین توحید ہے اور اسی وجہ سے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ یوں کہا کرتے تھے یَا دَلِیْلَ الْمُتَحَیِّرِیْنَ زِدْنِیْ تَحَیُّرًا۔ اے حیرانوں کے رہنما میری حیرت کو اور بڑھا اس لئے کہ مشاہدہ میں تحیر کی زیادتی درجہ کی زیادتی ہوتی ہے۔

حکایات میں مشہور ہے کہ جب حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ نے ابراہیم سعد علوی رحمۃ اللہ کے ساتھ دریا کے کنارے اللہ کے ایک دوست کو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ حق کی طرف راستہ کونسا ہے؟ تو اس نے کہا حق کی طرف دو راستے ہیں ایک عوام کا راستہ دوسرا خواص کا۔ انہوں نے کہا کہ اس کی شرح کیجئے اس نے کہا کہ عوام کا راستہ تو یہ ہے کہ جس پر تو ہے کہ کسی ایک سبب سے تو تو اسے قبول کر لیتا ہے اور پھر کسی دوسرے سبب سے اسے رد کر دیتا ہے اور خواص کا راستہ یہ ہے کہ وہ نہ تو معلول[۱] کو دیکھتے ہیں نہ علت کو اور اس حکایت کی حقیقت تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

چوتھی فصل

قبض اور بسط

اور صوفیہ کی اصطلاحات میں سے قبض اور بسط کی اصطلاحیں بھی ہیں جاننا چاہیئے کہ قبض اور بسط ان احوال میں سے دو حالتیں ہیں کہ ان میں انسان کی کوشش

[۱] جس کی کوئی علت ہو۔

کو کچھ دخل نہیں کیونکہ اس حالت کا آنا کسی کسب و کوشش کی وجہ سے ہوتا ہے نہ اس کا جانا کسی کسب و کوشش کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ (اللہ تعالیٰ قبض کر لیتا ہے اور کھول دیتا ہے) پس قبض سے مراد حجاب کی حالت میں دل کا قبض کر دینا ہے اور بسط سے مراد کشف کی حالت میں دلوں کو کھولنا ہے اور یہ دونوں باتیں بندہ کی تکلیف اور کوشش کے بغیر حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں اور قبض عارفوں کے حال میں بالکل ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ مریدوں کے حال میں خوف اور بسط اہلِ معرفت کے حال میں ایسا ہی ہوتا ہے جیسا مبتدیوں کے حال میں امید۔ یہ بات اس گروہ کے قول کے مطابق ہے جو قبض و بسط کو اسی معنی پر محمول کرتے ہیں اور مشائخ کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ قبض کا رتبہ بسط کے رتبہ سے دو وجہ سے زیادہ بلند ہوتا ہے اول تو یہ کہ اس کا ذکر کتاب میں مقدم ہے اور دوسرے اس لئے کہ قبض میں گھلانا اور مقہور کرنا ہے اور بسط میں لطف و مہربانی پس لامحالہ صفاتِ بشری کا گھلانا اور نفس کو مقہور کرنا اس کی پرورش اور اس پر لطف و کرم کرنے سے بہتر ہے کیونکہ وہ بہت بڑا حجاب ہے اور ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ بسط کا رتبہ قبض کے رتبہ سے زیادہ بلند ہے کیونکہ کتابِ الٰہی میں قبض کے ذکر کو مقدم لانا بسط کی فضیلت کے مقدم ہونے کی علامت ہے اس لئے کہ عربوں کے عرف اور عادت میں یہ بات ہے کہ وہ اُس چیز کو ذکر میں مقدم کرتے ہیں جو فضیلت میں مؤخر ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پس لوگوں میں سے بعض اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں میانہ رو ہیں اور بعض ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں) اور نیز فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے) اور نیز فرمایا یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ (اے مریم اپنے رب کی فرمانبردار ہو جا اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر) اور نیز بسط میں خوشی ہوتی ہے اور قبض میں ہلاکت اور عارفوں کی خوشی معرفت کے حصول کے سوا اور کسی چیز میں نہیں ہوتی اور ان

کی ہلاکت مقصود سے علیحدہ ہونے کے سوا اور کسی چیز میں نہیں پس وصل کے محل میں قرار پذیر ہونا فراق کے محل میں قرار پکڑنے سے بہتر ہے میرے شیخ رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ قبض اور بسط دونوں ایک معنی میں ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ جب وہ معنی دل پر وارد ہوتے ہیں تو یا تو باطن اس سے خوش ہوتا ہے اور نفس مغلوب یا باطن مغلوب ہوتا ہے اور نفس خوش۔ ایک شخص کے باطن کے قبض میں اس کے نفس کی کشائش ہوتی ہے اور دوسرے شخص کے باطن کے کشادہ کرنے میں اس کے نفس کا قبض کرنا ہوتا ہے اور جو شخص اس معنی کی اس کے سوا کچھ اور تعبیر کرے وہ اوقات کو ضائع کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت بایزید رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے قَبْضُ الْقُلُوْبِ فِیْ بَسْطِ النُّفُوْسِ وَبَسْطُ الْقُلُوْبِ فِیْ قَبْضِ النُّفُوْسِ۔ (دلوں کا قبض کرنا نفسوں کی کشائش کرنا ہے اور دلوں کا کشادہ کرنا نفسوں کے قبض کا باعث ہے پس قبض کیا ہوا نفس خلل سے محفوظ ہوتا ہے اور کشادہ کیا ہوا باطن لغزش سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ محبت اور دوستی میں غیرت برائی ہے اور قبض غیرت حق تعالیٰ کی علامت ہے اور دوست کا دوست پر عتاب کرنا شرط ہے اور بسط عتاب کرنے کی علامت ہوتی ہے اور آثار میں یہ بات مشہور ہے کہ جب تک حضرت یحییٰ علیہ السلام زندہ رہے روتے رہے اور جب تک عیسیٰ علیہ السلام زندہ رہے ہنستے رہے اس لئے کہ یحییٰ علیہ السلام انقباض کی حالت میں تھے اور عیسیٰ علیہ السلام انبساط کی حالت میں تھے اور جب وہ ایک دوسرے کے پاس پہنچتے تو یحییٰ علیہ السلام فرماتے۔ اے عیسیٰ تو جدائی سے بے خوف ہو گیا ہے کہ ہر وقت ہنستا رہتا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام جواب دیتے کہ اے یحییٰ کیا تو رحمت سے ناامید ہو گیا ہے کہ ہر وقت روتا رہتا ہے پس نہ تیرا رونا ازلی حکم کو ٹال سکتا ہے نہ میرا ہنسنا فیصل شدہ قضا کو لوٹا سکتا ہے پس لَا قَبْضَ وَلَا بَسْطَ وَلَا طَمَسَ وَلَا اُنْسَ وَلَا مَحْوَ وَلَا صَحْوَ وَلَا لُحَقَ وَلَا مَحْقَ وَلَا عِجْزَ وَلَا جَهْلَ اِلَّا مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

نہ قبض ہے نہ بسط نہ فنا ہے اور نہ محبت ہے نہ بے خودی ہے نہ باخودی وصل ہے نہ فصل ہے نہ عجز ہے نہ جہل ہے مگر یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے جو اللہ کے ہاں مقرر ہو چکا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

پانچویں فصل

اُنس و ہیبت

صوفیہ کرام کی مصطلحات میں سے انس اور ہیبت بھی دو حالتیں ہیں۔ اللہ تجھے نیک بخت کرے۔ جاننا چاہیئے کہ ہیبت اور انس راہ حق کے سالکوں کے احوال میں سے دو حالتیں ہوتی ہیں اور یہی سبب ہے کہ جب حق تعالیٰ بندہ کے دل پر جلالی شہود کے ساتھ تجلی کرتا ہے تو اس کے نصیب ہیبت ہوتی ہے اور جب جمالی شہود کے ساتھ تجلی کرتا ہے تو اس کے نصیب محبت ہوتی ہے یہاں تک کہ ہیبت والے لوگ جلال کی وجہ سے تکلیف میں ہوتے ہیں اور اہل انس اس کے جمال سے سرور اور خوشی محسوس کرتے ہیں پس وہ دل جو جلالِ الٰہی سے محبت کی آگ میں جل رہا ہے اور وہ دل جو جمالِ حق کے مشاہدے کے نور سے چمک رہا ہو برابر نہیں ہو سکتے۔ مشائخ کے ایک گروہ نے تو کہا ہے کہ ہیبت عارفانِ حق کا درجہ ہے اور انس مریدانِ حق کا۔ اس لئے کہ جس شخص کو بارگاہِ حق اور اس کے اوصاف کی تنزیہ میں زیادہ قیام ہوتا ہے ہیبت کو اس کے دل پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے اور انس سے اس کی طبیعت زیادہ متنفر ہوتی ہے کیونکہ محبت ہم جنس سے ہوا کرتی ہے چونکہ بندہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ہم جنس اور ہم شکل ہونا محال ہے اس لئے اس کے ساتھ انس و محبت متصور نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اس کی طرف سے بھی مخلوق کے ساتھ انس و محبت کا تصور محال ہے اور اگر انس ہو بھی تو اس کے ذکر کے ساتھ ہونا ممکن ہے اور اس کا ذکر، ظاہر ہے، اس کا غیر ہوتا ہے کیونکہ وہ بندہ کی صفت ہے اور غیر حق کے ساتھ آرام پذیر ہونا محبتِ الٰہی میں جھوٹ اور نرا دعویٰ اور غلط خیال ہے اور ہیبت عظمت الٰہی کے مشاہدہ سے ہوتی ہے اور عظمت حق تعالیٰ کی صفت ہے پس وہ بندہ جس کا کام اپنی طرف سے اپنے ساتھ ہو اور وہ بندہ جس کا کام اپنی فنا سے حق تعالیٰ کی بقا کے ساتھ ہو، ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ سے حکایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میں کچھ مدت تک یہی سوچتا رہا کہ میں محبتِ الٰہی میں خوش ہو رہا ہوں اور اس کے مشاہدہ کے ساتھ انس اختیار کئے ہوئے ہوں اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ انس و محبت سوائے ہم جنس کے ہو ہی نہیں سکتی اور

ایک گروہ نے کہا ہے کہ ہیبت فراق اور سزا کا قرینہ رکھتی ہے اور انس وصل اور رحمت کا نتیجہ ہے۔ دوستانِ حق کو چاہیے کہ وہ ہیبت کی قسم کی باتوں سے محفوظ رہیں اور انس کے ساتھ ہم نشین رہیں کیونکہ انس محبت کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ محبت کے لئے ہم جنس ہونا محال ہے انس کے لئے بھی محال ہے میرے شیخ رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو یوں کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ انس کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِیْ (بلاشبہ میرے بندے) قُلْ لِّعِبَادِیْ (میرے بندوں سے کہہ دیجئے) وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ (اور جب آپ سے میرے بندے سوال کریں) یٰعِبَادِیْ لَاخَوْفٌ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (اے میرے بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غم کرو گے) اور ضرور جب بندہ اس مہربانی کو دیکھتا ہے تو اس کی دوستی اختیار کر لیتا ہے اور جب اس کی دوستی اختیار کر لیتا ہے تو اس سے انس کرتا ہے اور اس لئے کہ دوست سے ڈرنا بیگانگی ہے اور انس کرنا اپنائیت ہے اور آدمی کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے احسان کرنے والے کے ساتھ انس کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی ہم پر اتنی نعمتیں ہیں اور ہم کو اس کے ساتھ اتنی شناسائی ہے کہ محال ہے کہ ہم اس سے خوف کی کوئی بات کریں میں علی بن عثمان جلابی کہتا ہوں کہ دونوں گروہ اس معاملہ میں باوجود ان کے باہمی اختلاف کے راستی پر ہیں اس لئے کہ ہیبت کا غلبہ نفس اور اس کی خواہش اور اس سے بشریت کے فنا کرنے کے ساتھ ہوتا ہے اور انس کا غلبہ باطن کے ساتھ اور باطن میں معرفت کے پرورش کرنے کے ساتھ ہوتا ہے پس حق تعالیٰ اپنے جلال کی تجلی سے دوستوں کے نفس کو فانی کر دیتا ہے اور جمال کی تجلی سے ان کے باطن کو باقی کر دیتا ہے پس جو لوگ اہلِ فنا تھے انہوں نے ہیبت کو مقدم کیا اور جو اہل بقا تھے انہوں نے انس کو فضیلت دی اور اس باب سے پہلے فنا اور بقا کے متعلق اس کی شرح بیان کر دی گئی ہے۔

چھٹی فصل

قہر و لطف

اور صوفیہ کی اصطلاحات میں سے قہر اور لطف بھی دو اصطلاحیں ہیں جن سے

یہ اپنے حال کی تعبیر کرتے ہیں اور قہر سے ان کی مراد مرادوں کے فنا کرنے اور نفس کو اس کی آرزوؤں سے روکنے میں خدا کی تائید ہے کیونکہ ان کے مقصد کا حصول اسی میں ہے، اور لطف سے مراد باطن کی بقا مشاہدہ کے دوام اور درجہ استقامت میں حال کے قرار کے ساتھ حق تعالیٰ کی تائید ہے یہاں تک کہ ایک گروہ نے کہا ہے کہ کرامت حق تعالیٰ کی طرف سے مراد کا حاصل ہونا ہے اور یہ لوگ اہلِ لطافت تھے اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ کرامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کو اپنی مراد کے ساتھ اس کی مراد روک دے اور نامرادی کے ساتھ اس کو مغلوب کر دے چنانچہ اگر تشنگی کی حالت میں دریا میں چلا جائے تو دریا خشک ہو جائے۔

کہتے ہیں کہ بغداد میں دو درویش تھے جو فقر میں بڑے صاحبِ رتبہ تھے، ایک صاحبِ قہر تھے اور دوسرے صاحبِ لطف اور ان میں ہمیشہ چشمک رہتی تھی اور ہر ایک اپنے حال کو دوسرے کے حال پر ترجیح دیتا تھا ایک صاحب فرماتے کہ حق تعالیٰ کا لطف بندہ پر سب چیزوں سے اشرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے) اور دوسرے صاحب کہتے کہ حق تعالیٰ کا قہر بندہ پر سب سے کامل چیز ہے کیونکہ اللہ پاک نے فرمایا ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ (اور وہ اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے) اس مسئلہ میں ان کے درمیان کافی بحث و مباحثہ رہتا یہاں تک کہ صاحبِ لطف بزرگ نے مکہ کا قصد کیا لیکن مکہ پہنچنے کی بجائے ایک جنگل میں جا رہا اور مجاہدہ کرنے میں مصروف ہو گیا حتیٰ کہ کئی سال تک اس کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا ایک دفعہ کوئی آدمی مکہ سے بغداد کو آرہا تھا تو اس نے اس بزرگ کو راستہ میں دیکھا اس بزرگ نے اس شخص سے کہا کہ اے بھائی جب تو عراق جائے تو میرے اس دوست کو جو بغداد کے محلہ کرخ میں رہتا ہے یہ بات پہنچا دے کہ اگر تو چاہتا ہے کہ جنگل کو باوجود اس کی تکالیف کے کرخ بغداد کی طرح اس کے عجائبات کے ساتھ دیکھے تو یہاں آجائے کیونکہ جنگل میرے حق میں کرخ بغداد کی طرح ہے جب وہ درویش بغداد کے محلہ کرخ میں پہنچا اور اس کو دیکھ کر اسے پیغام پہنچایا تو اس کے رفیق نے کہا جب تو واپس جائے تو اس سے کہہ دے کہ اس میں کوئی شرف نہیں

ہے کہ پر مشقت جنگل کو تیرے حق میں کرخ بغداد کی طرح کر دیا گیا ہے تاکہ تو درگاہ سے نہ بھاگے بلکہ شرف اس میں ہے کہ کرخ بغداد کو اس کی نعمت اور عجائب کے باوجود ہمارے حق میں پر مشقت جنگل کر دیا ہے اور ہم اس میں خوش و خرم ہیں۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی مناجات میں کہا "بار خدایا! اگر تو آسمان کو میری گردن کا طوق بنا دے اور زمین کو میرے پاؤں کی بیڑی اور سارے عالم کو تو میرے خون کا پیاسا کر دے تو بھی میں تجھ سے نہیں پھروں گا۔" میرے شیخ رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ ایک سال جنگل میں اولیاء اللہ کا اجتماع ہوا تھا اور میرے مرشد حضرت حصری رحمۃ اللہ مجھے بھی اپنے ساتھ وہاں لے گئے تھے۔ ایک گروہ کو میں نے دیکھا کہ ان میں کا ہر ایک تخت پر چلا آ رہا تھا۔ ایک گروہ کو تخت پر لا رہے تھے اور دوسرا گروہ اڑا چلا آ رہا تھا اور اسی طرح ہر ایک آ رہا تھا لیکن میں نے دیکھا کہ میرے مرشد حضرت حصری رحمۃ اللہ ان میں سے کسی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ میں نے ایک جوان کو دیکھا جو ایسی حالت میں آ رہا تھا کہ دونوں جوتیاں اور لاٹھی ٹوٹی ہوئی اور پاؤں بے کار، سر ننگا اور جسم جلا ہوا، بدن لاغر اور کمزور جب وہ شخص نمودار ہوا تو حضرت حصری رحمۃ اللہ کود پڑے اور اس کے سامنے چلے گئے اور اس کو بہت اونچے درجہ پر بٹھا دیا۔ یہ دیکھ کر میں بڑا متعجب ہوا اور مجلس کے اختتام کے بعد جب میں نے حضرت شیخ سے اس جوان کے بارے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اولیاء اللہ میں سے ایک ایسا ولی ہے کہ جو ولایت کا تابع نہیں ہے بلکہ ولایت اس کے تابع ہے۔ وہ کرامات کی طرف کچھ توجہ نہیں کرتا۔ الغرض جو کچھ ہم اپنے لئے اختیار کرتے ہیں وہ ہمارے لئے مصیبت ہے اور میں (علی بن عثمان جلابی) اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا تاکہ وہ اس مقام رضا میں مجھے ہر آفت سے محفوظ رکھے اگر وہ مجھے اپنے قہر میں رکھے تو میں لطف کی تمنا نہ کروں اور اگر لطف میں رکھے تو قہر کی میرے دل میں کوئی طلب نہ ہو کیونکہ ہمیں اس کے اختیار میں کچھ دخل نہیں ہے۔

ساتویں فصل

نفی و اثبات

صوفیہ کی اصطلاحات میں نفی و اثبات کی اصطلاح بھی شامل ہیں۔

طریقت کے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم آدمیت کے تمام اوصاف و خواہشات کے محو کرنے کو "نفی" اور اللہ تعالیٰ کی تائید، رضا اور جملہ اوصاف حقیقیہ کو ثابت کرنے کو "اثبات" کہتے ہیں اور پھر نفی سے بشریت کی صفات کی نفی اور اثبات سے حقیقت کے غلبہ کا ثابت کرنا مراد لی ہے کیونکہ محو، کل کا مٹ جانا ہے اور کل کی نفی سوائے صفات کے اور کسی چیز پر بولی نہیں جاتی۔ اس لئے کہ ذات پر بشریت کی بقا کی حالت میں نفی ممکن نہیں پس لازم ہے کہ عمدہ خصلتوں کے ثابت کرنے سے بری صفات کی نفی کی جائے یعنی حق تعالیٰ کی محبت میں مطلوب کے ثابت کرنے سے دعویٰ کی نفی کی جائے کیونکہ دعویٰ نفس کی سرکشیوں میں سے ایک سرکشی ہے اور ان صوفیا کی ہمیشہ سے یہ عادت ہے کہ جب ان کی بشری صفات محبت الٰہی کے غلبہ سے مغلوب ہو جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ اس طرح بقائے حق کے ثابت کرنے سے بشریت کی صفات کی نفی ہوتی ہے اور اس معنی میں اس سے پہلے فقر و صفوت و فنا و بقا کے باب میں مفصل کلام ہو چکا ہے اور یہاں اتنے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے اور نیز کہتے ہیں کہ اس سے مراد حق تعالیٰ کے اختیار کو ثابت کر کے بندہ کے اختیار کی نفی کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ اس توفیق یافتہ بزرگ نے فرمایا ہے إِخْتِيَارُ الْحَقِّ لِعَبْدِهٖ مَعَ عِلْمِهٖ لِعَبْدِهٖ خَيْرٌ مِّنْ إِخْتِيَارِ عَبْدِهٖ لِنَفْسِهٖ مَعَ جَهْلِهٖ بِرَبِّهٖ۔ (حق تعالیٰ کا اپنے بندے کے لئے اپنے جانتے ہوئے کسی چیز کا پسند کرنا بہتر ہے اس سے کہ بندہ خود اپنے لئے کوئی چیز پسند کرے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و مصلحت کو نہیں جانتا) کیونکہ محبت محب کے اختیار کی نفی کرنا اور محبوب کے اختیار کو ثابت کرنا ہے اور یہ بات سب کے نزدیک مسلّم ہے اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ محبت میں کمترین درجہ اپنے اختیار کی نفی کرنا ہے پس حق تعالیٰ کا اختیار ازلی ہے کہ جس کی نفی ممکن نہیں اور بندہ کا اختیار عارضی ہے جس کی نفی روا ہے اس لئے ضروری ہے کہ عارضی اختیار کو پاؤں تلے روند ڈالے تاکہ ازلی اختیار حاصل کرے چنانچہ حضرت موسیٰ صلوات اللہ علیہ جب کوہ طور پر انبساطی حالت میں تشریف لے گئے تو آپ نے رویت حق کی تمنا کی اور اپنے اختیار کے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے عرض کیا

رَبِّ أَرِنِي "اے میرے پروردگار! مجھے اپنی ذات دکھا دے" حق تعالیٰ نے فرمایا لَن تَرَانِي (تو ہرگز مجھے دیکھ نہ سکے گا) عرض کیا بار خدایا میرا دیدار حق ہے اور میں اس کا مستحق ہوں تو یہ منع کس لئے ہے فرمان الٰہی ہوا کہ بے شک دیدار حق ہے لیکن محبت میں اختیار باطل ہے اور اس معنی میں کلام بہت ہے لیکن میرا مقصود اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ تم جان لو کہ صوفیا کی ان مخصوص اصطلاحات کا کیا مطلب ہے اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے اور ان سب معانی میں سے جمع و تفرقہ و غیبت و حضور کا ذکر صوفیوں کے مذاہب میں گزر چکا ہے جہاں کہ باخودی اور بےخودی اور ان معانی کی صورتیں میں نے بیان کی ہیں۔ وہاں اسے تلاش کرنا چاہیئے کیونکہ ان سب معانی کے بیان کا محل وہی تھا لیکن ضرورت کے طور پر یہاں بھی کچھ بیان کیا گیا ہے تاکہ ہر شخص کا مذہب ان کے متعلق مفصل طور پر سامنے آجائے واللہ اعلم۔

آٹھویں فصل

مسامرہ ومحادثہ

ان کی اصطلاحات میں سے مسامرہ اور محادثہ بھی ہیں اور ان سے راہ حق کے کاموں کے احوال میں سے دو حال مراد ہیں اور محادثہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ باطن کا بھید ہے جسے زبان بیان کرنے سے قاصر ہے اور مسامرہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سِرّ باطن کو چھپانے کی دائمی خوشی ہے اور اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ مسامرات کے اوقات میں سے کوئی وقت ہے جب کہ بندہ کو اپنے خدا کے ساتھ راز و نیاز کی کیفیت نصیب ہوتی ہے اور محادثہ دن کے اوقات میں سے ایک وقت ہے، جس میں بندہ خدا کے ساتھ ظاہری و باطنی سوال و جواب میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی واسطے رات کی مناجات کو مسامرہ اور دن کی دعاؤں کو محادثہ کہتے ہیں پس دن کا حال کشف پر مبنی ہوتا ہے اور رات کا حال پوشیدگی پر۔ پس محبت الٰہی میں مسامرہ، محادثہ سے زیادہ کامل ہے اور مسامرہ کا تعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کو اس کے ساتھ ایک وقت رات کی گفتگو کا میسر آئے تو اس نے جبرائیل علیہ السلام کو براق دے کر آپ کے پاس بھیجا جس نے

آپ کو رات کے وقت مکہ سے "قاب قوسین" تک پہنچا دیا اور آپ نے اپنے حق تعالیٰ
کے ساتھ راز و نیاز کا کلام کیا اور سنا جب نہایت کے درجہ پر پہنچ گئے تو آپ کی زبان
جلالِ حق کے مکاشفہ میں گنگ ہو گئی اور آپ کا دل عظمتِ الٰہی کی کنہ میں متحیر ہو گیا
اور آپ کا علم ذاتِ حق کو پانے سے عاجز رہ گیا اور آپ کی زبان بیان سے قاصر
ہو گئی تو آپ نے فرمایا لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ (میں تیری ثنا کو پورے طور پر
بیان نہیں کر سکتا) اور محادثہ کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے کہ جب اللہ
تعالیٰ نے چاہا کہ آپ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا موقع ملے تو چالیس روز کے
وعدہ اور انتظار کے بعد آپ طور پر آئے اور کلامِ حق سنا۔ یہاں تک کہ انبساط حاصل
ہوا تو دیدارِ حق کا سوال کیا لیکن مراد کے پانے سے عاجز رہے اور ہوش چلے گئے پھر
جب ہوش میں آتے تو عرض کیا تُبْتُ اِلَیْکَ (میں نے اپنے خیال سے تیری جناب
میں توبہ کی) تاکہ اس ذات کے درمیان جس کو فاعلانِ قضا و قدر ہی بارگاہِ حق میں لائے
تھے جیسا کہ فرمایا سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (پاک ہے وہ ذات جس نے
اپنے بندے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات سیر کرائی اور اس ذات
کے درمیان جو خود بارگاہِ حق میں حاضر ہوئے تھے (موسیٰ علیہ السلام) جیسا کہ فرمایا:
وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا۔ (اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدہ
کی جگہ پر آئے) فرق ظاہر ہو جائے پس رات دوستوں کی خلوت کا وقت ہے اور دن
بندوں کی خدمت کا اور ظاہر ہے کہ جب بندہ مقررہ حد سے گزر جائے تو اس کو زجر
کرتے ہیں لیکن دوست کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہوتی کہ اس سے گزرنے سے وہ
ملامت کا مستحق ہو کیوں کہ دوست جو کچھ بھی کرتا ہے وہ دوست کی مرضی کے سوا اور کچھ
نہیں ہوتا اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

نویں فصل

علم الیقین و حق الیقین اور عین الیقین

جاننا چاہئے کہ اصول کے مطابق ان سب اصطلاحات سے مراد اپنے
معلوم کو جاننا ہے اور اپنے معلوم کی صحت پر یقین کے بغیر جاننا علم نہیں ہوتا اور جب
علم حاصل ہو جائے تو غیب (پوشیدہ چیز) عین کی طرح ہو جاتا ہے کیونکہ کل قیامت

کو جو مومن حق تعالیٰ کو دیکھیں گے تو اسی طور پر دیکھیں گے جیسا کہ آج وہ اس کو جانتے ہیں اگر اس کے برخلاف دیکھیں یا کل کا دیکھنا صحیح نہ ہو یا آج دنیا میں علم درست نہ ہو تو یہ دونوں طریق توحید کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ آج دنیا میں مخلوق کا علم اس کی توحید کے متعلق درست ہے اور کل قیامت کو ان کا حق تعالیٰ کو دیکھنا درست ہوگا پس ان کا یقینی علم توحید کے متعلق عین الیقین ہو جائے گا اور کما حقہٗ یقین علم الیقین کی طرح ہوگا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عین الیقین رویت حق کے متعلق پورا پورا علم ہے اور وہ محال ہے کیونکہ رویت علم حاصل ہونے کا آلہ ہے جیسا کہ سننا وغیرہ جب پورا پورا علم سماع میں محال ہے تو رویت میں بھی محال ہے پس اس گروہ صوفیا کی مراد علم الیقین سے دنیا کے معاملات کو ان کے احکام کے ساتھ جاننا ہے اور عین الیقین سے مراد حالت نزع اور دنیا سے جانے کے وقت کا علم ہے اور حق الیقین سے مراد بہشت میں رویت حق کے ظاہر ہونے اور اس کے احوال کی کیفیت کو آنکھوں سے دیکھ لینا ہے پس علم الیقین علماء ہی کا درجہ ہے اس لیے کہ شرعی امور و احکام پر وہ ثابت قدم ہوتے ہیں اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے اس لیے کہ موت کیلئے وہ بالکل مستعد ہوتے ہیں اور حق الیقین دوستان حق کی فنا کا مقام ہے اس لیے کہ کل موجودات سے وہ اعراض کئے ہوئے ہوتے ہیں پس علم الیقین مجاہدہ سے بنتا ہے اور عین الیقین محبت الٰہی سے اور حق الیقین مشاہدہ حق سے ان میں سے علم الیقین تو عام ہے اور عین الیقین خاص ہے اور حق الیقین خاص الخاص ہے اور یہ خدا جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے واللہ اعلم۔

دسویں فصل

علم اور معرفت

اصطلاحات صوفیہ میں سے علم اور معرفت بھی ہے علماء اصول نے علم اور معرفت میں فرق نہیں کیا بلکہ دونوں کو ایک ہی کہا ہے البتہ انہوں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ کو عالم کہنا چاہیئے اور عارف نہیں کہنا چاہیئے۔ گو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے متعلق کوئی صریح نص موجود نہیں لیکن مشائخ طریقت اس علم کو جس کے ساتھ عمل اور حال بھی ملا ہوا ہو اور اس کا عالم اپنے حال کو بیان کرے معرفت کہتے ہیں اور اس کے عالم کو

عارف اور اس علم کو جو معنی سے الگ اور عمل سے خالی ہو اس کو علم کہتے ہیں اور اس علم کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں پس جو شخص کسی چیز کے معنی اور اس کی حقیقت کا عالم ہو اس کو عارف کہتے ہیں اور جو شخص عبارت اور اس کے حفظ کا معنی کے حفظ کے بغیر عالم ہو اس کو عالم کہتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ جب صوفی لوگ اپنے ہمعصروں کی تحقیر کیا چاہتے ہیں تو اسے دانشمند کہتے ہیں اور عوام کو یہ بات بری معلوم ہوتی ہے حالانکہ ان کی مراد علم کے حاصل کرنے سے اس کو ملامت کرنا نہیں ہوتی بلکہ عمل کے چھوڑنے کی وجہ سے اس کو ملامت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لِاَنَّ الْعَالِمَ قَائِمٌ بِنَفْسِهٖ وَ الْعَارِفَ قَائِمٌ بِرَبِّهٖ (کیونکہ عالم اپنی ذات کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور عارف اپنے رب کے ساتھ قائم ہوتا ہے) اس معنی کے متعلق "کشف حجاب معرفت" میں بہت کلام گزر چکا ہے اور یہاں اتنی مقدار کافی ہے۔

گیارھویں فصل

شریعت و حقیقت

اور یہ دونوں بھی اصطلاحات صوفیہ میں سے ہیں۔ ایک سے ظاہری حال کی صحت مراد ہے اور دوسری سے باطنی حالت کی درستی مراد ہے لیکن دو گروہوں کو اس میں غلطی لگی ہے ایک تو علماء ظاہر کو کہ وہ کہتے ہیں ہم دونوں میں فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت خود حقیقت ہے اور حقیقت شریعت۔ اور دوسرا گروہ ملحدین کا ہے جو ان دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے کے بغیر قائم رہنا روا رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حقیقت کا حال ظاہر ہو گیا تو شریعت اٹھ گئی یہ کلام بعینہٖ مشبّھین[1] قرامطہ شیعہ اور وسوسہ ڈالنے والے لوگوں کا ہے اور اس بات کی دلیل کہ شریعت حکم میں حقیقت سے جدا ہے یہ ہے کہ ایمان میں دل کی تصدیق زبان کے قول سے جدا ہے اور اس بات کی دلیل کہ اصل میں دل کی تصدیق زبان کے اقرار سے جدا نہیں ہے وہ یہ ہے کہ صرف دل کی تصدیق بغیر زبان سے بولنے کے ایمان نہیں ہو سکتی اور زبان کا قول دل کی تصدیق کے بغیر منظور نہیں ہوتا اور قول اور تصدیق کے درمیان فرق ظاہر ہے پس حقیقت سے مراد وہ معنی ہیں جن میں نسخ جائز نہیں اور عہد آدم سے لے کر عالم کے فنا ہونے تک اس

[1] خدا کو جسمانی چیزوں سے تشبیہ دینے والے۔

کا حکم ایک ہی ہے جیسا کہ حق کی معرفت اور اپنے عمل کی صحت جو خلوص نیت پر مبنی ہے اور شریعت سے مراد وہ معنی ہیں جن میں تغیر اور تبدل جائز ہے جیسا کہ احکام اور اوامر الٰہی۔ پس شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت خداوند تعالیٰ کی نگہبانی اور اس کی حفاظت اور عصمت کا نام ہے۔ پس شریعت کا قائم کرنا حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کا قائم کرنا شریعت کی حفاظت کے بغیر محال۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جان کے ساتھ زندہ ہو اور جب جان اس سے جدا ہو جاتی تو وہ شخص مردہ ہو جاتا ہے اور جان مثل ایک ہوا کے ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ جسم و جان کی قیمت ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کی وجہ سے ہے۔ ٹھیک اسی طرح حقیقت و شریعت ہیں کہ شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے منافقت اور خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے

جو لوگ ہمارے دین کے متعلق کوشش کرتے ہیں ہم انہیں اپنے سیدھے رستے کی ہدایت کریں گے پس مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت۔ شریعت ظاہری احکام و اوامر کی پابندی ہے اور حقیقت خدا کی طرف سے بندہ کے احوال باطن کی حفاظت۔ پس شریعت بندہ کے کسب و کوشش سے ہے اور حقیقت اللہ تعالیٰ کی بخششوں اور غیبی تائیدات میں سے ہے۔

یہ جو کچھ بیان ہو چکا صوفیہ کرام کی پہلی قسم کی مصطلحات ہیں۔ اب میں ان دوسری قسم کی اصطلاحات بھی مختصر طور پر بیان کرتا ہوں تاکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں عالم معنی کے کچھ مزید حقائق و معارف معلوم ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔

بارھویں فصل
اصطلاحاتِ صوفیہ کی دوسری قسم

ان اصطلاحات کی دوسری قسم وہ اصطلاحیں ہیں جو صوفیائے کرام کے کلام میں استعارہ کے طور پر رائج اور مستعمل ہیں۔ ان کی تفصیل اور شرح بہت مشکل ہوتی ہے میں یہاں مختصر طور پر اس نوع کو بیان کرتا ہوں۔

الحق: ان کی مراد اس سے حق تعالیٰ ہے کیونکہ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسا کہ فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ (یہ بات

اس لئے ہے کہ اللہ حق ہے)

اَلْحَقِیقَۃُ اس لفظ سے ان کی مراد وصلِ الٰہی کے محل میں بندہ کا اقامت کرنا اور محلِ تنزیہ پر اس کے سِرّ کا ٹھیرنا۔

اَلْخَطَرَاتُ:۔ تفرقہ کی باتوں سے جو کچھ دل پر گزرے۔

اَلْوَطَنَاتُ:۔ الٰہی معارف سے جو کچھ باطن میں جاگزین ہو۔

اَلطَّمْسُ:۔ اس اصل چیز کی نفی کرنا جس کا اثر یادیں باقی رہے۔

اَلرَّمْسُ:۔ کسی چیز کا دل سے اس کے اصل کے ساتھ نفی کرنا۔

اَلْعَلَائِقُ:۔ وہ اسباب کہ طالب ان سے تعلق پیدا کرکے اپنی مراد سے قاصر رہے۔

اَلْوَسَائِطُ:۔ وہ اسباب جن سے تعلق پیدا کرکے لوگ مراد پر پہنچ جاتے ہیں۔

اَلزَّوَائِدُ:۔ دل میں انوارِ الٰہی کی زیادتی۔

اَلْفَوَائِدُ:۔ باطن کا اس چیز کو معلوم کر لینا جو اس کے لئے ضروری ہو۔

اَلْمَلْجَأُ:۔ دل کا اپنی مراد کے حصول پر اعتماد کرنا

اَلْمَنْجَا:۔ دل کا آفت کے محل سے نجات پانا

اَلْکُلِّیَّۃُ: انسانیت کے اوصاف کو کلی طور پر پالینا

اَللَّوَائِحُ:۔ نفی کے وارد ہونے سے مراد کا ثابت کرنا۔

اَللَّوَامِعُ:۔ دل پر نور کا اس کے فوائد کی بقا کے ساتھ ظاہر ہونا۔

اَلطَّوَالِعُ:۔ دل پر معارفِ الٰہی کے انوار کا طلوع کرنا۔

اَلطَّوَارِقُ:۔ راحت کے وقت مناجات میں بشارت یا زجر کے ساتھ کسی حالت کا دل پر وارد ہونا۔

اَللَّطَائِفُ:۔ عبارت کی باریکیوں سے دل میں لطیف اشارہ کا آنا۔

اَلسِّرُّ:۔ محبت الٰہی کے احوال کو پوشیدہ رکھنا۔

اَلنَّجْوٰی:۔ غیر کی اطلاع سے خرابیوں کو چھپانا۔

اَلْاِشَارَۃُ:۔ غیر کی زبان کے بیان کے بغیر مراد سے خبر دینا۔

اَلْاِیْمَاءُ:۔ بغیر بیان اور اشارہ کے تعریضاً خطاب کرنا۔

اَلْوَارِدُ:۔ دل میں معانی کا اترنا۔
اَلْاِنْتِبَاهُ:۔ دل سے غفلت کا زائل ہونا۔
اَلْاِشْتِبَاهُ:۔ حکم کی دونوں طرفوں یعنی حق اور باطل میں حال کا مشتبہ ہونا۔
اَلْاِسْتِبْرَاءُ:۔ حال کی حقیقت سے تردد کا زائل ہونا۔
اَلْاِنْزِعَاجُ:۔ وجد و تواجد کے عالم میں دل کا حرکت کرنا۔
صوفیہ کی اصطلاحات میں سے بعض کے معانی مختصر طور پر یہ ہیں واللہ اعلم۔

تیرھویں فصل

اصطلاحات صوفیہ کی تیسری قسم

ان اصطلاحات کی تیسری قسم وہ اصطلاحیں ہیں جنہیں صوفیائے کرام حق تعالیٰ کی توحید اور حقائق الٰہی میں اپنے اعتقاد کے بیان میں بغیر استعارہ استعمال کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

اَلْعَالَمُ:۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی مخلوقات ہے اور کہتے ہیں کہ عالم اٹھارہ ہزار یا پچاس ہزار ہیں فلسفی لوگ کہتے ہیں کہ دو عالم ہیں ایک عالم علوی اور ایک عالم سفلی اور علمائے اصول کہتے ہیں کہ عرش سے لے کر زمین کے نیچے تک جو کچھ ہے وہ سب ایک عالم ہے۔ الغرض عالم مختلف اجناس مخلوقات کا مجموعہ ہے اور اہل طریقت بھی عالم ارواح اور عالم نفوس کے قائل ہیں اور ان کی مراد وہ نہیں ہے جو فلسفیوں کی ہے کیونکہ ان کی مراد ارواح اور نفوس کا مجموعہ ہے۔

اَلْمُحْدَثُ:۔ جو وجود میں متاخر ہو یعنی پہلے نہیں تھا اور بعد میں ہوا۔
اَلْقَدِیْمُ:۔ جو وجود میں ہمیشہ سے تھا اور یہ سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔

اَلْاَزَلُ:۔ وہ جس کی ابتدا نہ ہو۔
اَلْاَبَدُ:۔ وہ جس کی انتہا نہ ہو۔
اَلذَّاتُ:۔ کسی چیز کا اصل اور اس کی حقیقت۔
اَلصِّفَتُ:۔ جو موصوف نہ ہو سکے کیونکہ وہ قائم بخود نہیں ہے تاکہ کسی دوسرے کی صفت ہو سکے۔

اَلْاِسْمُ: علامت جو مسمّٰی کو غیر سے۔
اَلتَّسْمِیَۃُ:۔ مسمّٰی کی بابت خبر دینا (نام رکھنا)
اَلنَّفْیُ:۔ جو قابلِ نفی چیز کے عدم کا تقاضا کرے۔
اَلْاِثْبَاتُ:۔ جو قابلِ اثبات چیز کے وجود کا تقاضا کرے۔
اَلْمِثْلَانِ:۔ وہ دو چیزیں کہ ایک کا وجود دوسرے کے ہوتے ہوئے روا ہو۔
اَلضِّدَّانِ:۔ وہ دو چیزیں کہ ان میں سے ایک کا وجود دوسرے کے ہوتے ہوئے ایک حال میں روا نہ ہو۔
اَلْغَیْرَانِ:۔ وہ دو چیزیں کہ ایک کا وجود دوسرے کی فنا کے ساتھ روا ہو۔
اَلْجَوْھَرُ:۔ کسی چیز کا اصل جو بذاتِ خود قائم ہو۔
اَلْعَرَضُ:۔ جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔
اَلْجِسْمُ:۔ جو اجزائے پراگندہ سے مرکّب ہو۔
اَلسُّؤَالُ:۔ کسی حقیقت کا طلب کرنا
اَلْجَوَابُ:۔ سوال کے مضمون کے متعلق خبر دینا۔
اَلْحُسْنُ:۔ جو حکم کے موافق ہو۔
اَلْقُبْحُ:۔ جو امرِ الٰہی کے مخالف ہو۔
اَلسَّفَہُ:۔ امرِ حق کا ترک کرنا
اَلظُّلْمُ:۔ کسی چیز کو بے محل رکھنا۔ اَلْعَدْلُ کسی چیز کو اپنے محل پر رکھنا۔
اَلْمَلِکُ:۔ وہ جس کے فعل پر اعتراض نہ کر سکیں۔
یہ مختصر طور پر وہ اصطلاحات ہیں کہ طالبِ حق کو ان کے جانے بغیر چارہ نہیں۔

چودھویں فصل

اصطلاحاتِ صوفیہ کی چوتھی قسم

اصطلاحاتِ صوفیہ کی چوتھی قسم وہ اصطلاحیں ہیں جن کی شرح کی ضرورت ہے اور وہ صوفیاء کے درمیان مروج ہیں اور ان کا مقصود ان اصطلاحات سے وہ نہیں ہوتا جو اہلِ لغت کا ظاہر لفظ سے مراد ہوتا ہے۔
اَلْخَاطِرُ:۔ خاطر سے مراد ایک خیالی بات کا کسی ایسے طور پر دل میں

آنا کہ وہ کسی دوسرے خیال کی وجہ سے جلدی ہی زوال پذیر ہو جائے اور صاحب خیال
کو اس خیال کے دل سے دور کرنے پر قدرت ہو اور ایسے خیالات والے لوگ ان امور
میں جو حق تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو بے وجہ پہنچتے ہیں پہلے خیال کے تابع ہوتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت خیر نساج رحمہ اللہ کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا کہ حضرت
جنید رحمۃ اللہ دروازے پر کھڑے ہیں۔ آپ نے اس خیال کو دل سے ہٹانا چاہا تو
ایک دوسرا خیال اس کی تردید میں آیا۔ اس کے ہٹانے میں مشغول ہوتے۔ بالآخر جب
تیسرے خیال پر آپ باہر نکلے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ کو دروازے پر کھڑا دیکھا۔
انہوں نے فرمایا اے خیر! اگر تم پہلے خیال کی پیروی کرتے اور مشائخ کی سیرت بجا
لاتے تو مجھے اتنی دیر تک دروازے پر کھڑا رہنا نہ پڑتا اور مشائخ نے کہا ہے کہ اگر
خیال وہی تھا جو حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ کے دل پر گزرا تو حضرت جنید رحمۃ اللہ کا
خیال کیا تھا مشائخ نے کہا ہے کہ چونکہ حضرت جنید رحمۃ اللہ حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ
کے پیر تھے۔ اس لئے پیر لامحالہ اپنے مرید کے احوال پر واقف ہوتا ہے۔

اَلْوَاقِع: واقع سے وہ معنی مراد لیتے ہیں جو دل میں ظہور پذیر ہو اور باقی
رہے بخلاف خاطر کے اور کسی حالت میں بھی طالب کو اس کے دور کرنے پر قدرت
نہ ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں خَطَرَ عَلٰی قَلْبِیْ وَ وَقَعَ فِیْ قَلْبِیْ (میرے دل پر ایک خیال
گزرا اور میرے دل میں ایک بات آئی) اس تمام دل خیالات کا محل ہوتے ہیں۔ لیکن
واقعات اس دل کے سوا کسی اور میں صورت پذیر نہیں ہوتے جس کے اندر سوائے
حق تعالیٰ کی بات ہو اور یہی سبب ہے کہ جب مرید کو حق تعالیٰ کی راہ میں کوئی بندش ظاہر
ہوتی ہے تو اس کو [illegible] لیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ اس کو ایک واقعہ یعنی مشکل پیش آئی اور
پھر اہل لغت واقعہ سے مراد مسائل میں مشکل پیش آنا لیتے ہیں جیسے کوئی شخص ان کا جواب
دے دے اور اس مشکل کو اٹھا دے تو یوں کہتے ہیں کہ واقعہ یعنی مشکل حل ہو گئی لیکن
اہل تحقیق کہتے ہیں کہ واقعہ وہ ہوتا ہے جس کا حل ہونا روا نہ ہو اور جو حل ہو جاتا ہے خیال
ہے نہ کہ واقعہ کیونکہ اہل تحقیق کی رکاوٹ کسی حقیر معاملہ میں نہیں ہوتی کہ ہر وقت اس کا
حکم بدل جائے اور حال تبدیل ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اَلْاِخْتِیَار: اختیار سے ان کی مراد یہ ہے کہ اپنے اختیار پر حق تعالیٰ کے

سے اختیار کو ترجیح دیں یعنی خیر و شر میں جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو کافی سمجھیں اور بندہ کا حق تعالیٰ کے لئے اختیار کو اختیار کرنا بھی حق تعالیٰ کے اختیار ہی سے ہوتا ہے کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ حق تعالیٰ نے اس بندہ کو بے اختیار کر دیا ہے تو وہ بندہ ہرگز اپنے اختیار کو نہ چھوڑتا اور حضرت بایزید رحمہ اللہ سے لوگوں نے پوچھا کہ امیر کون ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ ہے جس کا اختیار نہ رہا ہو اور حق تعالیٰ کا اختیار ہی اس کا اختیار ہو گیا ہو اور حضرت جنید رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ کو بخار ہوا تو آپ نے یوں دعا فرمائی بار خدایا! مجھے عافیت عطا کر! آپ کے باطن سے ندا ہوئی کہ تو کون ہے جو میرے ملک میں کلام کرتا ہے اور اپنی تدبیر کو اختیار کرتا ہے میں اپنے ملک کی تدبیر تجھ سے بہتر جانتا ہوں تو میرے اختیار کو اختیار کر اپنے آپ کو با اختیار ظاہر نہ کر واللہ اعلم ۔

اَلْاِمْتِحَانُ اس لفظ سے وہ لوگ اولیاء کے دل کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کرنا مراد لیتے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل پر نازل ہوتی ہیں جیسے خوف غم قبض اور ہیبت وغیرہ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لئے ابتلا میں ڈالا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے۔ اور یہ درجہ بہت بلند ہے واللہ اعلم ۔

اَلْبَلَاءُ بلا سے اولیاء کے جسم کو طرح طرح کی تکلیفوں بیماریوں اور رنجوں سے ابتلا میں ڈالنا مراد لیتے ہیں اور جس قدر کہ بندہ پر مصیبت زیادہ قوی ہوتی ہے حق تعالیٰ سے اس کا قرب زیادہ ہوتا ہے کیونکہ مصیبت اولیاء کا لباس اور برگزیدہ لوگوں کا گہوارہ اور انبیاء کی غذا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً ہم انبیا کا گروہ سب لوگوں سے زیادہ مصیبت میں ہوتے ہیں اور نیز فرمایا ہے اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ سب سے زیادہ مصیبت میں انبیاء ہوتے ہیں پھر اولیا پھر وہ لوگ جو زیادہ بزرگ ہیں پھر جو زیادہ بزرگ ہیں۔ الغرض بلا اس رنج کا نام ہے جو مومن بندہ کے دل اور جسم پر ظاہر ہو اور کئی

حقیقت نعمت ہو اور اس لئے کہ اس کا بھید بندہ پر پوشیدہ ہوتا ہے اس کے رنج برداشت کرنے کی وجہ سے اسے ثواب حاصل ہوتا ہے لیکن وہ مصیبت جو کافروں پر پڑتی ہے بلا نہیں ہوتی بلکہ وہ بدبختی ہوتی ہے اور کافروں کو بدبختی سے شفا نہیں ہوتی پس بلا کا مرتبہ امتحان کے مرتبہ سے زیادہ بزرگ ہے کیونکہ امتحان کا اثر صرف دل پر ہوتا ہے اور بلا کا اثر دل اور جسم دونوں پر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم ۔

اَلتَّحَلِّی :۔ اس سے مراد کسی اچھی قوم کے ساتھ صرف قول میں بغیر عمل کے مشابہت پیدا کرنا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَیْسَ الْاِیْمَانُ بِالتَّحَلِّیْ وَالتَّمَنِّیْ لٰکِنْ مَا وَقَرَ فِی الْقُلُوْبِ وَصَدَّقَہُ الْعَمَلُ۔ ایمان اچھی قوم کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے اور ان جیسے بننے کی آرزو کرنے سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ جو کچھ دل میں حق تعالیٰ کی نسبت یقین جم جائے اور پھر اس کی تصدیق عمل سے کی جائے حقیقت میں ایمان ہے پس اپنے آپ کو کسی جماعت کے ساتھ اس کے حقیقی عمل کے بغیر مانند کرنا تحلی ہے اور جو لوگ اپنے آپ کو اچھا دکھاتے ہیں اور درحقیقت اچھے نہیں ہوتے جلدی رسوا ہو جاتے ہیں اور ان کا راز فاش ہو جاتا ہے گو کہ اہل تحقیق کے نزدیک وہ پہلے ہی سے رسوا ہوتے ہیں اور ان کا راز ظاہر ہوتا ہے ۔

اَلتَّجَلِّیْ :۔ تجلی سے مراد حق تعالیٰ کے انوار کا ذات حق کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونے والے لوگوں کے دل میں ایسے طور سے اثر انداز ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ اس قابل ہو جائیں کہ دل سے حق تعالیٰ کو دیکھ سکیں اس دلی رویت حق اور عینی رویت حق کے درمیان یہ فرق ہے کہ دل میں جلوہ حق پانے والا اگر چاہے تو حق کو دیکھ لیتا ہے اگر نہ چاہے تو نہیں دیکھتا یا کبھی دیکھتا ہے اور کبھی نہیں دیکھتا اور عینی رویت والے بہشت میں اگر حق کو نہ دیکھنا چاہیں تو ایسا نہیں کر سکیں گے کیونکہ تجلی پر پردہ کا آنا جائز ہے لیکن رویت پر حجاب روا نہیں۔ واللہ اعلم ۔

اَلتَّخَلِّیْ :۔ تخلی کے معنی ان اشغال سے اعراض کرنا ہے جو بندہ کو خداوند تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے سے مانع ہوتے ہیں اور ایک ان میں سے دنیا ہے کہ بندہ کو اس سے ہاتھ اٹھا لینا چاہئے اور دوسری عقبیٰ کی محبت ہے کہ دل کو اس

سے خالی کر لینا چاہیئے۔ تیسری خواہش نفس کی پیروی ہے کہ باطن کو اس سے خالی کر لینا چاہیئے۔ چوتھی خلقت کی صحبت ہے کہ اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کر لینا چاہیئے اور دل کو ان کے خیال سے خالی کر لینا چاہیئے۔

اَلشُّرُودُ:۔ شرود کے لغوی معنی بھاگنا اور اصطلاح میں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں جن موانع اور پردوں سے دل میں بے قراری پیدا ہوتی ہے ان سے خلاصی پانے کے لیئے بھاگنا۔ کیونکہ طالب مولا کی تمام مشقتیں حق تعالیٰ سے حجاب کی وجہ سے ہوتی ہیں پس حجاب کے دور کرنے میں طالبان حق کی ہر تدبیر اور ان کے سفر اور ہر چیز کے ساتھ ان کے تعلق پیدا کرنے کو شرود کہتے ہیں اور جو شخص طلب حق کی ابتدا میں زیادہ بے قرار ہوتا ہے وصل حق کی انتہا میں زیادہ قرار پذیر ہوتا ہے۔

اَلْقُصُودُ:۔ اور قصود سے ان صوفیا کی مراد حقیقت کی طلب کے لیئے صحیح ارادہ کرنا ہے اور اس جماعت کا قصد حرکت و سکون سے وابستہ نہیں ہوتا کیونکہ دوست حق محبت الٰہی میں اگرچہ ساکن ہی ہو وہ قصد کرنے والا ہوتا ہے اور یہ عادت کے خلاف ہے اس لیئے کہ قاصدوں کے قصد کو یا ان کے ظاہر حال پر کوئی تاثیر ہوتی ہے یا ان کے باطن میں قصد کا نشان ہوتا ہے سوائے دوستان حق کے کہ وہ بغیر کسی علت کے طلب حق کرنے اور بغیر اپنی حرکات کے حق کا قصد کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کی تمام صفتیں خود قصد ہی ہوتی ہیں کیونکہ وہ انتہائی قصد کرتے ہیں جب محبت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ ہمہ تن قصد ہی ہوتی ہے۔

اَلْاِصْطِنَاعُ: صوفیا اس لفظ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ بندہ کو اس کے تمام نصیبوں کے فنا کرنے اور اس کے نفس کی تمام لذات کو زائل کرنے سے مہذب کر دیتا ہے اور اس کے نفس کے اوصاف کو تبدیل کر دیتا ہے تاکہ صفت کے زوال اور اوصاف نفسانی کی تبدیلی سے وہ اپنے آپ سے خود محو جائے اور اس بلند درجہ سے پیغمبر مخصوص ہوتے ہیں اور مشائخ رحمہم اللہ کا ایک گروہ اس اصطلاح کو اولیا کے لیئے بھی جائز سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْاِصْطِفَاءُ:۔ اصطفا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندہ کے دل کو اپنی معرفت کے

لیئے بالکل فارغ کرے تاکہ اس کی معرفت اپنی صفاتی اس کے دل میں پھیلا دے اور اس درجہ میں خاص و عام، مومن و کافر، نافرمان و فرمانبردار، ولی و نبی سب یکساں ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب دی جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا پس ان میں سے بعض تو اپنے پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض نیک کاموں میں سبقت کرنے والے ہیں :

اَلْاِصْطِلَامُ :- لغت میں اس کے معنی جڑ سے اکھاڑنا اور اصطلاح میں تجلیاتِ حق کا بندے کے اپنے ارادے کو کسی محبت بھری رم آزمائش کے ذریعہ مٹانا اور اس کو اللہ تعالیٰ کا مطیع بنانا اصطلام کہلاتا ہے اور قلبِ ممتحن[1] اور قلبِ مصطلم[2] دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ البتہ اہلِ طریقت کی مرتبہ عبارتوں میں اصطلام زیادہ خاص و ادا رم امتحان ہے۔ واللہ اعلم ؛

اَلرَّیْنُ :- یہ دل پر ایک حجاب ہوتا ہے جو ایمان کے سوا کسی اور چیز سے دور نہیں کیا جا سکتا اور وہ کفر اور گمراہی کا حجاب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی صفت میں فرمایا ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (ہرگز ایسا نہیں بلکہ جو کچھ وہ کفر و شرک کیا کرتے تھے وہ ان کے دلوں پر ایک قسم کا زنگ یعنی حجاب ہو گیا ہے) اور ایک گروہ کہتا ہے کہ رَین وہ حجاب ہے، جس کا زوال کسی طرح ممکن نہ ہو کیونکہ کافر کا دل اسلام قبول نہیں کر سکتا اور کفار میں سے جو لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں وہ علمِ الٰہی میں مومن ہی ہوتے ہیں ؛

اَلْغَیْنُ :- غین دل پر وہ حجاب ہوتا ہے جو استغفار کرنے سے اٹھ جاتا ہے اور وہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک حجابِ خفیف اور دوسرا حجابِ غلیظ۔ حجابِ غلیظ تو اہلِ غفلت اور کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیئے ہوتا ہے اور خفیف حجاب سب کو ہو سکتا ہے خواہ ولی ہو خواہ نبی۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَاِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ

[1] قلبِ ممتحن۔ آزمایا ہوا دل
[2] قلبِ مصطلم جڑ سے اکھاڑا ہوا دل

مِائَۃَ مَرَّۃٍ۔ (بات یہ ہے کہ میرے دل پر ایسا خفیف سا پردہ آجاتا ہے اور بلا شبہ میں ہر روز سو بار استغفار کرتا ہوں) پس حجابِ غلیظ کے لئے توبہ ضروری ہے اور حجابِ خفیف کے لئے حق تعالیٰ کی طرف رجوع درکار ہے اور توبہ کے معنی گناہ سے بندگی کی طرف لوٹنا ہیں اور رجوع کے معنی اپنے آپ سے خداوند تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہیں پس توبہ تو جرم سے کرتے ہیں اور بندوں کا جرم نافرمانی حق اور دوستانِ حق کا جرم اپنے وجود کو دیکھنا ہے۔ اگر کوئی شخص غلطی سے حق بات کی طرف رجوع کرے تو کہتے ہیں کہ توبہ کرنے والا ہے اور اگر صواب سے زیادہ صواب کی طرف لوٹے تو کہتے ہیں رجوع کرنے والا ہے اور یہ سب باتیں میں نے توبہ کے باب میں بیان کر دی ہیں۔

اَلتَّلْبِیْسُ: کسی چیز کو اس کی حقیقت کے خلاف لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے کو تلبیس کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَلَبَسْنَا عَلَیْھِمْ مَایَلْبِسُوْنَ اور البتہ ہم ان پر مشتبہ کر دیں گے جو کچھ وہ حق کو باطل سے ملاتے ہیں، اور یہ صفت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے محال ہے کیونکہ وہ کافر کو مومن کی صفت میں ظاہر کرتا ہے اور مومن کو کافر کی صفت میں حتیٰ کہ ہر شخص میں اس کے حکم اور اس کی حقیقت کے ظاہر کرنے کا وقت ہوتا ہے اور جب اس گروہ میں سے کوئی آدمی اچھی خصلتوں کو بری صفات سے پوشیدہ کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ تلبیس کرتا ہے اور اس کے سوا کسی اور جگہ اس اصطلاح کو استعمال نہیں کرتے۔ اور نفاق و ریا کو تلبیس نہیں کہتے اگرچہ دراصل وہ تلبیس ہی ہیں کیونکہ تلبیس حق تعالیٰ کے فعل کے قائم کرنے کے سوا کسی اور موقع پر مستعمل نہیں ہوتا۔

اَلشُّرْبُ: بندگی کی شیرینی، بندگی کی لذت اور محبت کی راحت کو یہ لوگ شرب کہتے ہیں اور کوئی شخص کوئی کام شرب کی لذت کے بغیر نہیں کر سکتا اور جیسا کہ جسم کی لذت پانی سے ہوتی ہے دل کی لذت، بندگی کی حلاوت اور انس کی راحت سے ہوتی ہے اور میرے شیخ رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ وہ مرید اور عارف جن کو شرب حاصل نہ ہو، ارادت و معرفت سے بیگانہ ہوتے ہیں کیونکہ مرید کو چاہئے کہ اپنے کام سے اس کو لذت حاصل ہو تاکہ ارادت میں طلب کا حق ادا

کرے اور عارف کو یہ نہ چاہیئے کہ حق کے بغیر اس کو شرب حاصل ہو یا شرب اس کے لئے ایسا حال ہو جو نفس سے تعلق رکھتا ہو اور وہ آرام پاسکے۔ واللہ اعلم۔

ذوق بھی شرب کے مانند ہوتا ہے لیکن شرب راحتوں کے سوا کسی اور موقعہ پر مستعمل نہیں ہوتا اور ذوق رنج و راحت ہر دو کا متحمل ہو سکتا ہے چنانچہ ایک عارف کہتا ہے ذُقْتُ الْحَلَاوَةَ وَ ذُقْتُ الْبَلَاءَ وَ ذُقْتُ الرَّاحَةَ (میں نے بندگی کی حلاوت چکھی اور میں نے رنج و راحت کا مزا چکھا) یہ سب درست ہے اور شرب کو کہتے ہیں شَرِبْتُ بِكَأْسِ الْوَصْلِ اَوْ بِكَأْسِ الْوُدِّ (میں نے وصل یا محبت کا پیالہ پیا) وغیرہ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے جب شرب کی بات یاد کی تو فرمایا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا (کھاؤ پیو خوشگوار) اور جب ذوق کو ذکر کیا تو یوں فرمایا ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (عذاب کا مزہ چکھ کہ تو تو بڑا عزت والا بزرگی والا ہے) ایک اور جگہ فرمایا ہے ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (دوزخ کے چھونے کا مزہ چکھو)۔

صوفیا کے درمیان مروجہ اصطلاحات کے معانی کے احکام یہ ہیں جو میں نے اوپر بیان کر دیئے۔ اگر ان سب کو میں لکھتا تو کتاب طویل ہو جاتی۔ واللہ اعلم۔

چونتیسواں باب
گیارھویں پردے کا کھولنا
پہلی فصل

ثبوتِ سماع

جاننا چاہیئے کہ حصول علم کے اسباب پانچ ہیں۔ اول سننا دوم دیکھنا۔ سوم چکھنا چہارم سونگھنا پنجم چھونا۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کے لیے یہ پانچ دروازے پیدا کر دیئے ہیں اور ہر ایک قسم کا علم ان میں سے کسی ایک سے وابستہ ہے جیسا کہ آوازوں اور خبروں کا علم سننے سے متعلق ہے اور رنگوں اور

جسموں کا علم دیکھنے سے اور میٹھے وکڑوے ذائقوں کا چکھنے سے اور اچھی بری بو کا علم سونگھنے سے اور سختی و نرمی کا چھونے سے۔ اور ان پانچ حواس میں سے چار کو خاص محل میں رکھا ہے اور ایک کو سارے اعضا میں پھیلا دیا ہے یعنی سننے کا محل کان دیکھنے کا آنکھ، چکھنے کا تالو اور سونگھنے کا ناک سے متعلق کیا ہے اور چھونے کو تمام اعضا میں جاری کر دیا ہے کیونکہ آدمی آنکھ کے سوا دیکھ نہیں سکتے۔ اور نہ کان کے بغیر سُن سکتے ہیں اور نہ ناک کے بغیر سونگھ سکتے ہیں اور نہ تالو کے بغیر مزہ معلوم کر سکتے ہیں لیکن سارا جسم چھونے سے نرم کو سخت سے اور گرم کو سرد سے تمیز کرتا ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ان حواس میں سے ہر ایک حس کا تمام اعضا میں شائع ہونا بھی جائز ہے جیسے حسِ لمس لیکن معتزلہ کے نزدیک ان پانچوں حواس میں سے ہر ایک حس کا اپنے مخصوص محل کے سوا کسی اور محل میں اطلاق و استعمال صحیح نہیں لیکن حسِ لمس سے ان کا قول رد ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے لئے کوئی خاص محل نہیں ہے اور جب ان پانچوں حواس میں سے ایک حس یعنی لمس کا محل مخصوص نہیں ہے اور اس کا اس صفت سے موصوف ہونا روا ہے تو دوسرے حواس کا بھی اس صفت سے موصوف ہونا روا ہو سکتا ہے۔ گو ہمارا مقصود یہاں یہ بیان کرنا نہیں لیکن معنی کی تحقیق کے لئے اتنا بیان کر دینے کے سوا چارہ نہ تھا پس چار حواس میں سے جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے پانچویں حس کو چھوڑ کر جو سنتا ہے ایک حس دیکھتی ہے اور دوسری سونگھتی ہے اور تیسری چکھتی ہے اور چوتھی چھوتی ہے اور یہ بات روا ہے کہ اس عجیب عالم کے دیکھنے، عمدہ اشیا کے سونگھنے، عمدہ نعمتوں کے چکھنے اور نرم چیزوں کے چھونے میں عقل کے لئے دلیل ہو اور وہ دلیل خداوند تعالیٰ کی طرف اس کی رہنمائی کرے کیونکہ ان حواس کے ذریعہ سے ہی عقل معلوم کر لیتی ہے کہ عالم حادث ہے کیونکہ وہ تغیر کا محل ہے اور جو چیز بھی تغیر قبول کرتی ہے وہ حادث ہوتی ہے اور یہ کہ اس عالم کا پیدا کرنے والا بھی ضرور موجود ہے جو اس عالم کی جنس میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ عالم مکوّن (پیدا کیا گیا ہے) اور اس کا پیدا کرنے والا مکوّن (خالق) ہے اور یہ کہ عالم جسم رکھتا ہے اور خالق جسم دینے والا اور یہ کہ خالق قدیم اور عالم حادث ہے اور یہ کہ خالق لا متناہی اور عالم متناہی ہے اور یہ کہ خالق سب چیزوں پر قادر اور طاقت

والا ہے اور سب معلومات کا جاننے والا۔ ملک میں اسی کا تصرف ہے جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ اس نے سچی دلیلیں دے کر رسول بھیجے ہیں لیکن اس کے رسولوں پر ایمان لانا اس وقت تک واجب نہیں ہوتا جب تک کہ انسان معرفت الٰہی کا واجب ہونا اور ان باتوں کو جو موجب شرع و دین ہیں رسول سے سن کر معلوم نہ کر لے اور یہی وجہ ہے کہ اہل سنت اس دنیا میں سننے کو دیکھنے پر ترجیح دیتے ہیں اور اگر کوئی شخص کا یوں کہے کہ سننا خبر کا محل ہے اور دیکھنا نظر کا محل ہے اور اللہ کا دیکھنا اس کے کلام سننے سے افضل ہے۔ اس لئے دیکھنا سننے سے افضل ہے تو ہم خبر سے سن کر یہ جانتے ہیں کہ بہشت میں مومنوں کے لئے دیدار الٰہی جائز ہے اور عقل سے دیدار کے جائز ہونے میں جو حجاب ہے وہ کشف سے بہتر نہیں کیونکہ ہم نے رسول ؐ کے خبر دینے سے معلوم کر لیا ہے کہ حق تعالیٰ مومنوں کو دیدار دے گا اور ان کی آنکھوں پر سے حجاب اٹھائے گا کہ خدا تعالیٰ کو وہ دیکھ لیں پس سننا دیکھنے سے افضل ہے اور نیز احکام شریعت سننے پر مبنی ہیں کیونکہ اگر سننا نہ ہوتا تو ان احکام کا ثبوت محال ہوتا اور انبیاء علیہم السلام جو آئے تو پہلے انہوں نے پیغام حق کو بیان کیا یہاں تک کہ جو سننے والے تھے وہ گرویدہ ہو گئے پھر انہوں نے معجزے دکھائے اور معجزہ کے دیکھنے کی بھی تاکید سننے سے ہی ہوئی پس ان دلائل کے باوجود جو شخص سننے سے انکار کرتا ہے وہ بالکلیہ شریعت کا انکار کرتا ہے اور اس کا حکم جان بوجھ کر پوشیدہ کرتا ہے۔ اب میں انشاء اللہ سماع سے متعلق تمام امور مختصر طور پر بیان کرتا ہوں ۔

دوسری فصل

قرآن کا سننا

جاننا چاہیے کہ سننے کے قابل چیزوں میں سے دل کے لئے فوائد کے لحاظ سے اور باطن کے لئے زوائد کے اعتبار سے اور کان کے لئے لذت کے رو سے بہترین چیز اللہ عز اسمہٗ کا کلام ہے سب مسلمانوں کو اس کے سننے کا حکم ہے اور جنوں اور انسانوں میں سے تمام کافر بھی کلام الٰہی سننے کے مکلف ہیں اور قرآن کے معجزات میں سے ایک یہ بھی معجزہ ہے کہ طبیعت اس کے پڑھنے اور سننے سے ملول نہیں ہوتی کیونکہ اس سے بہت بڑی رقت حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ کفار

قریش راتوں کو چھپ کر آتے اور نماز کی حالت میں جو کچھ بھی آنحضرت صلعم قرآن
شریف میں سے تلاوت فرماتے وہ لوگ اس کو شوق سے سنتے اور تعجب کرتے۔
جیسا کہ نضر بن حارث جو سب سے زیادہ فصیح تھا اور عتبہ بن ربیع جو بلاغت میں سحر بیانی
دکھاتا تھا اور ابوجہل بن ہشام جو خطبوں اور دلائل میں ید بیضا رکھتا تھا اور ایسے ہی اور
لوگ یہاں تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات ایک سورۃ پڑھ رہے تھے عتبہ
بے ہوش ہو گیا اور اس نے ابوجہل سے کہا کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ انسانی کلام
نہیں ہے اور اسی طرح خداوند تعالیٰ نے جنوں کو حضور اکرم کے پاس بھیجا وہ جوق
در جوق آکر پیغمبر علیہ السلام سے کلام الٰہی سننے لگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا۔ (ان جنوں نے کہا کہ ہم نے عجیب قرآن
سنا ہے) پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں نجات دی۔ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن
روحانی بیماروں کے دل کو راہ حق کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے اور فرمایا
يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا۔
(یہ قرآن بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے پس ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہرگز کسی
کو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھیرائیں گے) اس قرآن کی نصیحت اور نصیحتوں سے بہتر
اس کا ہر لفظ اور لفظوں سے زیادہ بلیغ، اس کا ہر حکم اور حکموں سے زیادہ لطیف،
اس کی نہی اور سب نہیوں سے زیادہ روکنے والی، اس کا وعدہ سب وعدوں سے
زیادہ دلکش اور اس کی وعید اور سب وعیدوں سے زیادہ جانگداز اور اس کا قصہ اور
سب قصوں سے زیادہ اثر انداز اور اس کی مثالیں سب مثالوں سے زیادہ صحیح ہیں
ہزاروں کو اس کے سننے نے شکار کر لیا ہے اور ہزاروں جانوں کو اس کے لطیف مضامین
نے مصیبت میں ڈال دیا ہے وہ دنیا کے عزت والوں کو ذلیل کرتا ہے اور دنیا
کے ذلیلوں کو باعزت بناتا ہے جب عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام
سے پہلے یہ سنا کہ بہن اور بہنوئی مسلمان ہو گئے ہیں تو انہوں نے تلوار سنبھالی
ان کے قتل کی تیاری کی اور دل کو ان کی محبت سے خالی کرتے ہوئے ان کا قصد کیا
یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف کا ایک لشکر ان کے دل کے گوشوں
میں بٹھا دیا جب آپ اپنی بہن کے گھر کے دروازہ پر آئے تو اس وقت ان کی بہن

سورۂ طٰہٰ کی یہ ابتدائی آیتیں پڑھ رہی تھیں طٰهٰ ۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۙ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۔ (یا رسول اللہ! ہم نے قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ اس کی وجہ سے تکلیف اٹھائیں مگر اس لیے اتارا ہے کہ یہ ڈرنے والوں کے لیے یاددہانی ہو) یہ سن کر حضرت عمر کی جان اس کی پاکیزگیوں کا شکار ہو گئی اور آپ کا دل اس کے لطیف حقائق میں بندھ گیا آپ صلح کا طریق ڈھونڈنے لگے، جنگ کا لباس اتار دیا، مخالفت چھوڑ کر موافقت پر اتر آئے اور یہ بات مشہور ہے کہ جب صحابہ نے رسول علیہ السلام کے سامنے یہ آیت پڑھی اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۙ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۔ (بلاشبہ ہمارے پاس بیڑیاں اور آتش دوزخ اور گلے میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے) تو حضور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس یہ آیت پڑھی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ (بلاشبہ تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہونے والا ہے کوئی اس کو ٹالنے والا نہیں) تو آپ نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے لوگ آپ کو اٹھا کر گھر لے گئے اور ایک ماہ تک اللہ تعالیٰ کے خوف سے بیمار رہے اور کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ آیت پڑھی لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۔ (ان کفار کیلئے آتش دوزخ کے بچھونے اور اسی کے ان کے اوپر پوش ہوں گے) تو وہ رونے لگ گئے یہاں تک کہ راوی کہتے ہیں کہ میں نے خیال کیا کہ آپ کی جان نکل گئی پھر آپ پاؤں پر اٹھ کھڑے ہوئے تو لوگوں نے کہا اے استاد! بیٹھ جائیے آپ نے فرمایا کہ اس آیت کی ہیبت مجھے بیٹھنے سے روکتی ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت جنید رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں؟) تو آپ نے فرمایا بار خدایا! اِنْ قُلْنَا قُلْنَا بِكَ وَاِنْ فَعَلْنَا فَعَلْنَا بِتَوْفِيْقِكَ فَاَيْنَ لَنَا الْقَوْلُ وَالْفِعْلُ (اگر ہم کچھ کہتے ہیں تو تیرے حکم سے کہتے ہیں اور اگر ہم کچھ کرتے ہیں تو تیری عطا کی ہوئی توفیق سے کرتے ہیں پس ہمارے لئے قول اور فعل کہاں ہے؟) اور

حضرت شبلی رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ آپ کے سامنے کسی نے یہ آیت پڑھی: وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (جب تو بھول جائے تو اپنے رب کو یاد کر) تو آپ نے کہا کہ ذکر کی شرط بھول جانا ہے اور سارا عالم ذکر میں لگا ہوا ہے یہ کہہ کر آپ نے نعرہ مارا اور بیہوش ہو گئے جب ہوش آیا تو فرمایا کہ مجھے اس دل پر تعجب ہے کہ وہ کلام حق کو سنے اور جگہ پر قائم رہے اور اس جان پر تعجب ہے کہ وہ کلام الٰہی کو سنے اور بدن سے نہ نکل جائے۔ ایک شیخ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ خدا تعالیٰ کا یہ کلام پڑھ رہا تھا وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ (اور ڈرو اس دن سے جس دن تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے) تو ایک ہاتف غیب نے آواز دی کہ آہستہ پڑھو کہ اس آیت کی ہیبت سے چار پری مر گئی ہیں اور ایک درویش نے کہا ہے کہ دس سال ہوئے میں نے قرآن سوائے اتنی مقدار کے جو نماز میں جائز ہے نہ تو پڑھا ہے اور نہ سنا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ تو آپ نے فرمایا اس ڈر کے مارے کہ مجھ پر حجت ہو جائے گا۔

ایک روز میں حضرت شیخ ابو العباس خقانی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَّا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ (اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے غلام کی مثال بیان کی ہے جو کسی دوسرے کا مملوک ہے اور کسی کام کے کرنے پر قادر نہیں) اور روتے رہے یہاں تک کہ میں نے خیال کیا کہ دنیا سے رحلت کر گئے ہیں میں نے کہا اے شیخ! یہ کیا حالت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ گیارہ سال سے میرا ورد اس مقام تک پہنچا ہے اور اس سے میں آگے نہیں نکل سکتا ہوں۔

اور میں نے حضرت ابو العباس رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ آپ ہر روز قرآن کے کتنے حزب پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس سے پہلے رات دن میں بیس دفعہ قرآن ختم کیا کرتا تھا لیکن اب چودہ سال سے میں ابھی تک سورۃ انفال پر پہنچا ہوں۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابو العباس رحمۃ اللہ نے ایک قاری سے فرمایا کہ پڑھو۔ اس نے یہ آیت پڑھی يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ (اے عزیز ہمیں اور ہمارے اہل و عیال

کو فاقہ کی سخت تکلیف ہے اور ہم حقیر سی پونجی لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا اور پڑھو تو
انہوں نے یہ آیت پڑھی قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ۔
یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ اگر بن یامین نے یہ چوری کی ہے تو کچھ
بعید نہیں اس کا بھائی یوسف علیہ السلام بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے۔ آپ نے
فرمایا اور پڑھو تو انہوں نے یہ آیت پڑھی لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ
يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو
بخش دے۔ الآیہ۔ تب آپ نے یوں دعا فرمائی بار خدایا میں ظالم نہیں یوسف علیہ السلام
کے بھائیوں سے بڑھ کر ہوں اور تو کریم میں یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر ہے میرے
ساتھ وہ معاملہ کر جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں سے کیا تھا
اور یاد رہے کہ ان سب امور کے سبب اہل اسلام فرمانبردار اور گنہگار قرآن کو توجہ سے
سنتے رہا کرتے ہیں کیونکہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا
لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو توجہ
سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ جس حال میں کوئی شخص قرآن پڑھے
لوگوں کو خاموشی کے ساتھ توجہ سے اس کے سننے کا حکم دیا ہے اور نیز فرمایا ہے
فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ۔ (اے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ان بندوں کو خوشخبری دے دیجئے جو ہمارا کلام توجہ سے
سنتے ہیں اور اس کی اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں یعنی اس کے اوامر اور حکموں کی تعمیل کرتے
ہیں اور ادب سے سنتے ہیں اور نیز فرمایا ہے اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ
قُلُوْبُهُمْ (اور وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف زدہ
ہو جاتے ہیں اور نیز فرمایا اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ
اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ (جو لوگ ایمان والے
ہیں ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں یاد رکھو اللہ کے ذکر سے
ہی دل اطمینان پاتے ہیں اور ایسی ہی بہت سی آیات ہیں جو اس قول کی تاکید کرتی
ہیں اور پھر اس کے برعکس ان لوگوں کو ملامت فرمائی ہے جو کلام الٰہی کو جیسا کہ اس
کے سننے کا حق ہے نہیں سنتے اور کان سے اس کو دل میں نہیں اتارتے۔ فرمایا ہے

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔
اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور نیز فرمایا کہ قیامت میں دوزخی یوں کہیں گے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ۔ اگر ہم دنیا میں کلام حق سنتے یا اس کو خوب سمجھتے تو آج ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے۔ اور نیز فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا۔ اور ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کلام حق کو سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن رکھ دیا ہے، اور نیز فرمایا ہے وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور حقیقت میں وہ سنتے نہیں، اور کتاب الٰہی میں ایسی بہت سی آیات ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا اقرأ علی، فَقَالَ اَنَا اَقْرَأُ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اَسْمَعَ عَنْ غَيْرِيْ۔ (مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں حالانکہ وہ آپ پر نازل کیا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں دوسرے سے سننا پسند کرتا ہوں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سننے والا پڑھنے والے سے زیادہ کامل حال ہوتا ہے کیونکہ قاری یا تو حال کی وجہ سے پڑھتا ہے یا غیر حال کی وجہ سے اور سننے والا سوائے حال کے نہیں سنتا۔ اس لئے کہ بولنے میں ایک قسم کا تکبر پایا جاتا ہے اور سننے میں ایک قسم کی تواضع۔ نیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شَيَّبَتْنِيْ سُوْرَةُ هُوْدٍ (سورۂ ہود کے سننے نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے) کہتے ہیں کہ آپ نے یہ اس لئے فرمایا کہ سورہ ہود کے آخر میں یہ آیت تھی فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ (پس آپ ثابت قدم رہئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے) اور در حقیقت آدمی امر الٰہی پر ثابت قدم رہنے سے عاجز ہے کیونکہ بندہ توفیق الٰہی کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ پس جب آپ کو حکم ہوا فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

حیران ہو کر فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہو گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے اس امر کے بجالانے پر پورے طور پر قائم ہو سکوں گا دل کے رنج کی وجہ سے آپ کی قوت جاتی رہی روز بروز رنج بڑھتا گیا یہاں تک کہ ایک روز اپنے گھر میں کھڑے ہونے لگے تو ہاتھ زمین پر ٹیک کر اٹھنے کے لئے زور لگایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا حال ہے؟ آپ تو ماشاء اللہ ابھی جوان اور تندرست ہیں آپ نے فرمایا سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے یعنی اس حکم کے سننے سے میرے دل پر اتنا خوف غالب ہوا کہ میری قوت جاتی رہی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: كُنْتُ فِيْ عِصَابَةٍ فِيْهَا ضُعَفَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاِنَّ بَعْضَهُمْ يَسْتَتِرُ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ مِنَ الْعُرْيِ وَقَارِئٌ يَقْرَأُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَسْتَمِعُ لِقِرَاءَتِهِ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى قَامَ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَآهُ الْقَارِئُ سَكَتَ قَالَ فَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ يَقْرَأُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَسْتَمِعُ لِقِرَاءَتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ وَسْطَنَا لِيَعْدِلَ نَفْسَهُ فِيْنَا ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ هٰكَذَا فَتَحَلَّقَ الْقَوْمُ فَلَمْ يَعْرِفْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ اَحَدًا قَالَ وَكَانُوْا ضُعَفَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْشِرُوْا صَعَالِيْكَ الْمُهَاجِرِيْنَ بِالْفَوْزِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَائِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسَ مِائَةِ عَامٍ۔ (میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت میں بیٹھا تھا جس میں کمزور مہاجرین تھے جو برہنگی سے ایک دوسرے کو پردہ کئے ہوئے تھے اور قاری ہم پر قرآن پڑھ رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر ہمارے سروں پر کھڑے ہو گئے۔ جب قاری نے آپ کو دیکھا تو وہ چپ ہو گیا راوی کہتا ہے کہ آپ نے سلام کر کے پوچھا تم کیا کر رہے تھے تو ہم سب نے کہا یا رسول اللہ! قاری ہمیں قرآن پڑھ کر سنا

رہا تھا اور ہم اس کی قراءت سن رہے تھے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کئے ہیں کہ مجھے اپنے نفس کو ان کے ساتھ صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے راوی کہتا ہے کہ آپ ہمارے درمیان بیٹھ گئے تاکہ اپنے آپ کو ہمارے برابر کریں۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرح بیٹھ جاؤ پس لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے اور اس وقت کوئی شخص ان میں اور رسول اللہ میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا تھا گویا وہ سب مفلس مہاجرین تھے۔ اس کے بعد حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مفلس مہاجرین! قیامت کے روز تمہیں پوری کامیابی کی بشارت ہو۔ تم جنت میں اپنے دولت مند بھائیوں سے نصف روز پہلے داخل ہو گے جس دن کی مقدار پانچ سو سال ہے۔ اور اس حدیث کو چند مختلف روایت سے بیان کرتے ہیں لیکن وہ اختلاف عبارت میں ہے معنی سب کے ایک ہیں اور بالکل درست ہیں۔

روایت ہے کہ زرارہ ابن ابی اوفیٰ جو آنحضرت کے ایک جلیل القدر صحابی تھے ایک مرتبہ لوگوں کی امامت فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک آیت پڑھی جس کے جلال و ہیبت کی تاب نہ لا کر نعرہ مارا اور جان دے دی اسی طرح ابو جہیر جو بزرگ تابعین میں شمار ہوتے ہیں حضرت صالح مری رحمہ اللہ نے ان کے سامنے ایک آیت پڑھی تو انہوں نے ایک چیخ ماری اور دنیا سے رخصت ہو گئے اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں کوفہ کے دیہات میں ایک گاؤں میں سے گزر رہا تھا تو میں نے ایک عورت کو نماز میں کھڑے دیکھا جس پر نیکی کے آثار نظر آتے تھے جب وہ نماز سے فارغ ہوئی تو میں نے تبرک کے طور پر سلام کیا تو اس نے کہا کہ کیا تم قرآن جانتے ہو؟ میں نے جواب دیا ہاں اس نے کہا ایک آیت پڑھو۔ میں نے پڑھی وہ نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئی اور جان دے دی۔ دونوں پر اللہ رحم فرمائے۔ احمد ابن ابی الحواری رحمہا اللہ روایت فرماتے ہیں کہ میں ایک روز جنگل میں جا رہا تھا میں نے ایک جوان کو موٹی اور کھردری گدڑی پہنے ہوئے ایک کنوئیں کے پاس کھڑا دیکھا اس نے مجھے کہا اے احمد! آپ وقت پر آ گئے۔ مجھے اس وقت سماع کی ضرورت ہے تاکہ میں جان دے دوں۔ آپ ایک آیت پڑھیے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں الہام کیا کہ میں نے یہ آیت پڑھی

إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا پروردگار تو اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ ثابت قدم رہے) اس جوان نے کہا کہ اے احمد! آسمان وزمین کے مالک کی قسم ہے کہ آپ نے وہی آیت پڑھی جو اس وقت فرشتے میرے سامنے پڑھ رہے تھے۔ یہ کہہ کر اسی وقت اس نے جان دے دی۔

اس امر سے متعلق اور بھی حکایات ہیں اگر سب کا ذکر کیا جائے تو اپنے مقصد کے بیان کرنے سے رہ جاؤں، اس لئے اتنی پر اکتفا کرتا ہوں اور توفیق اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔

تیسری فصل

شعر کے سماع میں

جاننا چاہئے کہ شعر کا سننا مباح ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سنا ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اشعار کہے اور سنے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً (بلاشبہ بعض شعر حکمت ہے) اور نیز فرمایا اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ مِنْ حَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (حکمت مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے جہاں پائے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے) اس روایت میں مراد شعر سے وہ شعر ہے جو حکمت ہو اور حکمت مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے جہاں پائے وہ اس کا حق دار ہے اور نیز پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَتْهَا الْعَرَبُ قَوْلُ لَبِيْدٍ سب سے زیادہ سچا کلام جو اہل عرب نے کہا ہے وہ لبید شاعر کا قول ہے ؎

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ
وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلٌ

(سوا اللہ تعالیٰ کے ہر چیز باطل ہے اور ہر ایک نعمت ضرور زوال پذیر ہے) اور عمرو بن الشرید رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں قَالَ اسْتَنْشَدَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَرْوِيْ مِنْ شِعْرِ اُمَيَّةَ بْنِ اَبِي الصَّلْتِ شَيْئًا فَاَنْشَدْتُهُ مِائَةَ قَافِيَةٍ فَجَعَلْتُ كُلَّمَا مَرَرْتُ عَلٰى بَيْتٍ قَالَ هِيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَادَ اَنْ يُّسْلِمَ فِيْ شِعْرِهٖ۔

(انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے شعر پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے پوچھا کہ کیا تو امیہ ابن ابی الصلت کے اشعار میں سے کچھ سنا سکتا ہے تو میں نے آپ کو سو شعر سنائے اور جب میں ایک شعر ختم کرتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کچھ اور سناؤ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ امیہ شعر میں مسلمان ہو جاتا) حضور علیہ السلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایسی بہت سی روایات ہیں مگر لوگوں کو اس بارے میں کچھ غلط فہمیاں ہو گئی ہیں۔ کچھ لوگ تو اشعار سننے کو حرام کہتے ہیں اور رات دن مسلمانوں کی غیبت کرتے رہتے ہیں اور کچھ ہر قسم کے اشعار سننے کو حلال جانتے ہیں اور رات دن غزل میں حسن صورت اور زلف کی تعریف سنتے رہتے ہیں اور اس کے متعلق ایک دوسرے کے خلاف دلائل پیش کرتے ہیں مگر میرا مقصود ان کی تائید یا تردید نہیں۔ اس لیے میں نے اتنے پر اکتفا کیا لیکن مشائخ صوفیہ رضی اللہ عنہم کا اس بارے میں طریق یہ ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا كَلَامٌ حَسَنُهُ حَسَنٌ وَقَبِيحُهُ قَبِيحٌ۔ (شعر ایک کلام ہے کہ جس کا اچھا اچھا ہے اور برا برا) یعنی جس بات کا سننا نثر میں حلال ہے جیسے حکمت، نصیحت، آیات الٰہی میں استدلال اور حق کے دلائل میں غور کرنا وغیرہ وغیرہ تو اس کا نظم میں سننا بھی حلال ہے۔ الغرض جس طرح اس جمال پر نظر ڈالنا حرام اور ممنوع ہے جو آفت کا محل ہے اسی طرح اس کی نظم و نثر میں سننا بھی حرام و ممنوع ہے اور اسی طرح اس کی صفت کا سننا بھی حرام ہے اور اگر کوئی شخص اس کو مطلق طور پر حلال کہتا ہے اور دیکھنے اور سننے کو بھی حلال کہتا ہے تو یہ تو کفر اور بے دینی ہے اور جو شخص یوں کہتا ہے کہ میں آنکھ اور خد و خال اور زلف میں سب حق تعالیٰ کو دیکھتا اور حق تعالیٰ ہی کو طلب کرتا ہوں کیونکہ آنکھ اور کان عبرت کا محل اور علم کا منبع ہیں پس اس سے لازم آتا ہے کہ یہ شخص دوسرے سے کہے کہ میں ایک جسم کو دیکھتا اور چھوتا ہوں کہ ایک آدمی تو اس کے سننے کو روا رکھتا ہے تو دوسرا آدمی اس کے دیکھنے کو۔ اور کہے کہ میں اس میں حق ہی طلب کرتا ہوں اور نیز کہے کہ معنی کے ادراک کے لیے ایک حس دوسری حس سے بہتر نہیں تب تو شریعت بالکل ہی باطل ہو جائے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے:

اَلْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ (دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں) یہ آنکھوں کا حکم بھی اٹھ جائیگا۔ اور نامحرموں کو چھونے سے ملامت بھی منقطع ہوجائے گی اور شرعی حدود بھی ساقط ہو جائیں گی اور یہ ظاہر گمراہی ہے اور جب جاہل لوگوں نے حال میں مستغرق سماع کرنے والے صوفیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے حال کی وجہ سے سماع کرتے تھے تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ خواہش نفس سے کرتے ہیں اور ان کو دیکھ کر وہ جاہل بھی کہنے لگے کہ سماع حلال ہے اگر حلال نہ ہوتا تو یہ صوفی لوگ نہ کرتے چنانچہ انہوں نے ان کی تقلید کرکے ان کے ظاہر کو اختیار کر لیا اور باطن کو چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ وہ خود بھی ہلاک ہوگئے اور ایک قوم کو بھی ہلاک کر دیا اور یہ زمانہ کی بہت بڑی آفت ہے میں دوسری جگہ اس کی پوری شرح انشاءاللہ بیان کروں گا۔

چوتھی فصل
خوش آوازوں کے سننے میں

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زَیِّنُوْا اَصْوَاتَکُمْ بِالْقُرْاٰنِ (قرآن پڑھنے میں اپنی آوازوں کو سنوارو) اور خدا تعالیٰ نے فرمایا یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ (وہ پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ کرتا ہے) مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خوش آواز ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْتَمِعَ صَوْتَ دَاؤدَ فَلْیَسْتَمِعْ صَوْتَ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیْ (جو شخص داؤد علیہ السلام کی آواز سننا چاہے وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی آواز سنے) اور اخبار میں آیا ہے کہ بہشت میں بہشتیوں کو بھی سماع حاصل ہوگا۔ اور وہ اس طور پر ہوگا کہ ہر ایک درخت سے مختلف قسم کی دلکش اور سریلی آوازیں نکلیں گی جب وہ آوازیں جو آپس میں مختلف ہوتی ہیں باہم مل جاتی ہیں تو طبیعتوں کو ان کے سننے سے بڑی لذت حاصل ہوتی ہے اور اس قسم کا سماع انسانوں اور حیوانوں میں عام ہے اس لئے کہ روح ایک لطیف چیز ہے اور آوازوں میں بھی ایک قسم کی لطافت ہے جب ارواح ان آوازوں کو سنتی ہیں تو جنس اپنے ہم جنس کی طرف مائل ہوجاتی ہے اور یہ اطباء کا قول ہے جو میں نے بیان کیا ہے اور جو لوگ اہل علم میں سے تحقیق کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس کے متعلق ان کے بھی بہت سے اقوال ہیں اور

انہوں نے سریلی آوازوں کے باہم ملانے میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور سماع الحان کو بڑی عظمت دی ہے اور ان کے اس فن کے آثار آج مزامیر میں ظاہر ہیں، جو انہوں نے خواہش نفس اور لہو و لعب کی طلب کو تقویت دینے کے لیے شیطان کی پیروی میں ترتیب دیئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز اسحاق موصلی ایک باغ میں راگ گا رہے تھے اور ایک بلبل بھی نغمہ سرائی کر رہی تھی۔ وہ اسحاق کے راگ کی لذت کی وجہ سے خاموش ہو گئی اور برابر راگ سنتی رہی یہاں تک کہ درخت سے نیچے گر کر مر گئی۔ میں نے اس قسم کی حکایتیں بہت سنی ہیں لیکن میری مراد اس سے .... سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ صوفیا کہتے ہیں کہ خوش اور سریلی آوازوں کی ترکیب اور تالیف سے تمام جانداروں کی طبیعتیں خوش ہوتی ہیں۔ حضرت ابراہیم خواص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کے پاس پہنچا اور ایک امیر کے مہمان خانہ میں نزول کیا تو ایک حبشی کو دیکھا کہ طوق و زنجیر میں جکڑا ہوا دھوپ کے اندر خیمہ کے دروازہ پر ڈالا ہوا ہے۔ میرے دل میں شفقت پیدا ہوئی اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے سفارش کر کے امیر سے طلب کر لوں۔ جب وہ لوگ کھانا سامنے لائے، تو مہمان کی تکریم کے لئے امیر خود آیا تاکہ وہ میرے ساتھ مل کر کھائے۔ جب اس نے کھانے کا قصد کیا تو میں نے انکار کر دیا اور عربوں کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی چیز ناگوار نہیں ہوتی کہ کوئی شخص ان کا کھانا نہ کھائے اس نے مجھ سے پوچھا اے جوان! تو کیوں کھانا نہیں کھاتا؟ میں نے کہا اس امید کی وجہ سے جو مجھے آپ کے احسان پر ہے۔ اس نے کہا میرا سب مال و متاع تیرا مال ہے میرا کھانا کھا۔ میں نے کہا مجھے آپ کے املاک کی حاجت نہیں آپ صرف اس غلام کو میرے کام کے لیے مقرر کر دیجئے۔ اس نے کہا پہلے اس کا جرم پوچھ لے پھر اسے چھڑا لے اور جب تک تو ہماری مہمانی میں ہے تجھے میری تمام املاک پر اختیار ہے میں نے پوچھا بتائیے اس کا جرم کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ غلام حدی خوان اور بہت خوش الحان ہے۔ میں نے اس کو اپنی

---

[1] بلبلے

زمین میں کچھ اونٹ دے کر بھیجا کہ وہ میرا غلہ لاد کر لے آئے چنانچہ وہ چلا گیا اور ہر ایک اونٹ پر دو شتر بار بوجھ لاد دیا اور راستہ میں حدی گاتا رہا اور اونٹ دوڑتے رہے یہاں تک کہ ایک تھوڑے عرصہ میں اس سے دو چند بوجھ لے کر یہاں آگیا جو میں نے اس کو حکم دیا تھا جب اونٹوں پر سے بوجھ اتارا تو ایک ایک دو دو کر کے سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ سن کر مجھے سخت تعجب ہوا۔ میں نے کہا اے امیر! آپ کی شرافت کا تقاضا یہی ہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سب سچ ہے لیکن مجھے آپ کی اس بات پر دلیل کی ضرورت ہے۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ چند اونٹ جنگل سے پانی پلانے کے لئے کنوئیں پر لائے گئے۔ امیر نے ان شتربانوں سے پوچھا کہ ان اونٹوں نے کتنے روز سے پانی نہیں پیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ تین روز سے۔ امیر نے اس غلام کو حدی خوانی کا حکم دیا اور اونٹ اس کی آواز حدی خوانی کے سننے میں ایسے مشغول ہوئے کہ کسی نے پانی کو منہ نہیں لگایا۔ یہاں تک کہ اچانک ایک ایک کر کے سب بھاگ گئے اور جنگل میں منتشر ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے وہ غلام زنجیریں کھول کر مجھے بخش دیا اور ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ شتربان اور گدھے والا جب راستہ میں گاتا ہے تو اونٹ اور گدھا سرور کی حالت میں ہو جاتا ہے اور ملک خراسان و عراق میں تو یہ عادت ہے کہ شکاری جب رات کے وقت ہرن پکڑتے ہیں تو وہ ایک طشت بجاتے ہیں۔ ہرن اس کی آواز سن کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ اس کو پکڑ لیتے ہیں اور مشہور ہے کہ ہندوستان میں ایک جماعت ہے جو باہر جنگل میں جا کر گاتے اور سریلی آوازیں نکالتے ہیں۔ ہرن جب ان سریلی آوازوں کو سنتے ہیں تو ان کی طرف دوڑ آتے ہیں اور لوگ ان کے گرد گھومتے اور گاتے ہیں یہاں تک کہ راگ کی لذت کی وجہ سے ہرن آنکھیں بند کر کے سو جاتے ہیں اور پھر وہ شکاری ان کو پکڑ لیتے ہیں اور چھوٹے بچوں میں بھی یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ جب وہ گہوارہ میں روتے ہیں اور کوئی شخص سریلی آواز میں لوری دیتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں اور طبیب ایسے بچوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کی حس درست ہے وہ بڑے ہو کر دانشمند ہوں گے اور یہی

سبب ہے کہ ملک عجم کے ایک بادشاہ کی وفات ہوئی اور اس کے پیچھے اس کا دو سال کا ایک لڑکا رہ گیا تو وزیروں نے کہا اسے تخت شاہی پر بٹھانا چاہئے چنانچہ انہوں نے حکیم بزرجمہر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا بہتر ہے لیکن یہ ضرور آزمانا چاہیئے کہ اس کی حس بھی درست ہے کہ جس سے کوئی امید رکھ سکیں ؟ انہوں نے کہا اس کی تدبیر کیا ہو؟ اس نے حکم دیا تو گویوں نے اس کے پاس گانا شروع کیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچہ سرور میں آکر ہاتھ پاؤں مارنے لگا تب بزرجمہر نے کہا کہ اس بچے سے ملک کی بھلائی کی امید کی جا سکتی ہے۔ غرضیکہ سریلی آواز اور الحان کی تاثیر عقلمندوں کے نزدیک اتنی مسلم اور واضح ہے جس کے لئے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ سرود اور سریلی آوازیں اور ساز کوئی اچھی چیزیں نہیں وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے یا نفاق کرتا ہے یا پھر حس نہیں رکھتا اور انسانوں اور صوفیوں کے طبقہ سے باہر ہے اور ایک گروہ جو اس سے منع کرتا ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حکم الٰہی کی رعایت کرتا ہے اور فقہا سب متفق ہیں کہ جب کھیل کود کے سامان موجود نہ ہوں اور سرود کے سننے سے دل میں بدکاری کا کوئی خیال پیدا نہ ہوتا ہو تو اس کا سننا مباح ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث و آثار ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا كَانَتْ عِنْدِیْ جَارِيَةٌ تُغَنِّيْ فَاسْتَأْذَنَ عُمَرُ فَلَمَّا أَحَسَّتْهُ وَسَمِعَتْ حِسَّهُ فَرَّتْ فَلَمَّا دَخَلَ عُمَرُ تَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَا أَضْحَكَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كَانَتْ عِنْدَنَا جَارِيَةٌ تُغَنِّيْ فَلَمَّا سَمِعَتْ حِسَّكَ فَرَّتْ فَقَالَ عُمَرُ لَا أَبْرَحُ حَتّٰى أَسْمَعَ مَا كَانَ سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ الْجَارِيَةَ فَأَخَذَتْ تُغَنِّيْ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمَعُ۔ (میرے پاس ایک لونڈی کچھ گا رہی تھی کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی جب اس لونڈی کو ان کے آنے کا علم ہوا اور ان کی آہٹ سنی تو وہ بھاگ گئی پس جب حضرت

عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کیوں ہنستے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہمارے پاس ایک لونڈی کچھ گا رہی تھی۔ جب اس نے تمہاری آہٹ سنی تو وہ بھاگ گئی تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤنگا جب تک کہ وہ بات نہ سن لوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی تھی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی کو بلایا تو وہ گانے لگی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے رہے۔ اسی طرح بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسی ہی روایتیں کی ہیں اور شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ نے ان سب کو اپنی کتاب "السماع" میں جمع کر دیا ہے اور ان کی اباحت کا فیصلہ کیا ہے لیکن مشائخ صوفیہ کی مراد سماع سے اباحتِ فقہی نہیں کہ جس پر عمل کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہوں بلکہ ان کی مراد اس سے وہ اباحت ہے جس سے اعمال میں فائدہ حاصل ہوں ویسے فقط مباح کے درپے ہونا عوام کالانعام کا کام ہے سمجھدار آدمیوں کو چاہئے کہ وہ ایسے کام کے درپے ہوں جس سے کچھ فائدہ حاصل ہو۔

ایک دفعہ میں مرو میں تھا ائمہ اہلحدیث میں سے ایک امام نے جو ان سب میں زیادہ مشہور تھے مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کی اباحت میں ایک کتاب لکھی ہے میں نے کہا کہ دین میں ایک بڑی مصیبت پیدا ہو گئی کہ حضرت امام نے ایک لہو کو جو تمام بدیوں کی اصل ہے حلال کر دیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تو اس کو حلال نہیں سمجھتا تو کیوں سنتا ہے میں نے کہا کہ اس کا حکم کئی وجوہ پر ہے ایک چیز پر قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ اگر اس کی تاثیر دل میں حلال ہے تو اس کا سماع بھی حلال ہے اور اگر حرام ہے تو سماع بھی حرام ہے اور اگر تاثیر مباح ہے تو سماع بھی مباح ہے غرض یہ کہ ہر وہ چیز کہ جس کا ظاہر حکم فسق کا حکم ہے اور باطن میں اس کا حال اور اس کی روش کئی طور پر ہے تو اس کا اطلاق کسی ایک چیز پر محال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

پانچویں فصل

سماع کے احکام میں

جاننا چاہیئے کہ اختلاف طبائع کی وجہ سے سماع کے احکام بھی مختلف ہیں جیسا کہ ارادہ دلوں میں مختلف ہوتا ہے اور یہ ظلم ہے کہ کوئی شخص قطعی طور پر ایک ہی حکم لگا دے۔ مختصر یہ ہے کہ سماع کرنے والے دو گروہ ہیں۔ ایک تو وہ جو فقط معنی کو سنتے ہیں اور دوسرے وہ جو صرف آواز کو سنتے ہیں معانی سے سروکار نہیں رکھتے اور ان دونوں میں فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی۔ کیونکہ سریلی آوازوں کا سننا اس معنی کے غلبہ کے رو سے ہوتا ہے۔ جو انسانوں کی طبیعتوں میں ودیعت کیا گیا ہے پس اگر وہ معنی حق ہے تو سماع بھی حق ہے اور اگر باطل ہے تو سماع بھی باطل ہے لہذا جس شخص کی طبیعت میں فساد ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ سنتا ہے۔ سب فساد ہوتا ہے اور یہ سب معنے حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایات میں آتے ہیں کہ جب حق تعالٰے نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا تو ان کو خوش الحانی دی۔ آپ کے گلے کو ساز بنا دیا۔ پہاڑوں کو آپ کے وسیلے بنا دیا یہاں تک وحشی جانور اور پرندے پہاڑوں اور جنگلوں سے آپ کی آواز کے سننے کے لئے دوڑے آتے، بہتے ہوئے پانی تھم جاتے۔ اور پرندے اڑتے اڑتے گر پڑتے اور آثار میں آیا ہے کہ جس جنگل میں حضرت داؤد علیہ السلام نغمہ سرائی کرتے تو ایک ماہ تک اس جنگل کے جانور کچھ نہ کھاتے۔ اور بچے نہ روتے اور نہ دودھ مانگتے اور جب لوگ ان کی آواز سن کر واپس لوٹتے۔ تو بہت سے لوگ آپ کے کلام اور سریلی آواز اور لحن کی لذت سے مردہ پائے جاتے۔ یہاں تک کہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سات سو جوان لونڈیاں شمار میں آئیں جو مر گئی تھیں اور بارہ ہزار بڈھے بھی مر گئے تھے۔ اس پر حق تعالٰی نے چاہا کہ ہوس پرستی کے طور پر سماع کے سننے والوں اور حق کے لئے سماع کو سننے والوں میں ایک امتیاز پیدا کر دے۔ تو ابلیس کا طبعی اضطراب قوی ہو گیا اور انسان کو وسوسہ دینے کا ارادہ اس کے دل میں پیدا ہوا۔ تو اس نے اپنے حیلوں کے ظاہر کرنے کی اجازت مانگی۔ اس کو اجازت مل گئی۔ چنانچہ اس نے اس غرض کے لئے بنسری اور طنبور بنا لئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس سماع کے مقابل

اس نے بھی ایک مجلس جما دی۔ یہاں تک کہ جو لوگ داؤدی آواز کو سنا کرتے تھے دو گروہوں میں بٹ گئے ایک تو اہل شقاوت دوسرے اہل سعادت۔ جو لوگ اہل شقاوت تھے۔ وہ شیطان کے مزامیر کی طرف مائل ہوئے اور جو لوگ اہل سعادت تھے وہ حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز کے پیچھے لگے رہے۔ پھر وہ لوگ جو اہل معنی تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام وغیرہ کی آواز ان کے دل کے سامنے نہ تھی۔ کیونکہ وہ سب حق کو دیکھتے تھے۔ وہ اگر شیطان کے ساز کو سنتے تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس میں ایک آزمائش سمجھتے اور اگر داؤد علیہ السلام کی آواز کو سنتے تو اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے ہدایت سمجھتے۔ یہاں تک کہ وہ سب سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور سب تعلقات سے انہوں نے اعراض کر لیا اور دونوں گروہوں کو جیسا کہ وہ اصل میں تھے درست کو درست اور خطا کو خطا دیکھ لیا۔ پس جس شخص کا سماع ایسا ہو تو وہ جو کچھ سنے اس کے لئے سب حلال ہے۔

اور مدعیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ہمیں سماع اس کے برخلاف معلوم ہوتا ہے۔ جو حقیقت میں وہ ہے اور یہ بالکل محال ہے کیونکہ وحدیت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز کو تو ایسا ہی دیکھے۔ جیسی کہ وہ اصل میں ہے تاکہ دیکھنا درست ہو اور اگر تو اس کے برخلاف دیکھے گا۔ تو تیرا دیکھنا درست نہ ہوگا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ اے اللہ تو ہمیں تمام اشیا کی حقیقتیں ایسی ہی دکھا۔ جیسی کہ وہ ہیں) جب چیزوں کا صحیح دیکھنا یہ ہے کہ تم ان کو اسی صفت میں دیکھو۔ جس صفت پر کہ وہ ہیں تو صحیح سننا بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ تم ہر چیز کو ایسا ہی سنو۔ جیسی کہ وہ چیز اپنی صفت اور حکم میں ہے اور جو لوگ مزامیر پر فریفتہ ہوتے ہیں اور ہوائے نفس اور شہوت سے وابستہ ہوتے ہیں وہ اس کے برخلاف سنتے ہیں جو وہ اصل میں ہے۔ اگر اس کے حکم کے مطابق سماع کرتے تو اس سماع کی تمام خرابیوں سے رہائی پا جاتے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اہل گمراہی نے خدا تعالےٰ کے کلام کو سنا تو اس میں ان کی گمراہی پر گمراہی زیادہ ہوئی۔ چنانچہ نضر بن الحارث نے جب قرآن عزیز کو سنا تو کہہ دیا۔ ھٰذَا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ (یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں) اور عبداللہ

بن سعد بن ابی سرح جو وحی کا کاتب تھا۔ اس نے کہہ دیا سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (میں بھی ایسا اتاروں گا جیسا اللہ نے قرآن اتارا ہے۔ پس بابرکت ہے اللہ اچھا پیدا کرنے والا) ایک گروہ نے اس آیت لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں اور وہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے) کو دیدار الٰہی کی نفی کی دلیل بنا لیا۔ اور ایک گروہ نے ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پھر عرش قدرت پر اچھی طرح سے بیٹھا) کو مکان اور جہت کے ثابت کرنے کی دلیل بنا لیا۔ اور ایک گروہ نے وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا (اور آیا تیرا پروردگار اور فرشتے صفیں باندھ کر) کو اپنے دعوے کے لئے دلیل بنایا۔ چونکہ ان کے دل گمراہی کا محل تھے اس لیے کلام حق کا سننا ان کے لئے کچھ نفع مند نہ ہوا۔ اور پھر موحد (خدا کو وحدہٗ لاشریک ماننے والا) نے جب کسی شاعر کے شعر میں نظر کی اور اس کی طبیعت کے پیدا کرنے والے خدا کو دیکھا اور اس کے دل کو آراستہ کرنے والے حق کو اس کے اندر مطالعہ کیا تو عبرت کے طور پر اس کے فعل کو فاعل پر دلیل بنایا۔ غرض یہ کہ اس گروہ کفار نے کلام حق کو سن کر راستہ گم کر دیا اور اس گروہ صوفیا نے کلام باطل میں بھی سیدھا راستہ پا لیا۔ اور یہ بالکل حقیقت ہے جس سے انکار کرنا کھلا مکابرہ ہے اللہ ہی کو زیادہ علم ہے۔

چھٹی فصل
سماع کے متعلق مشائخ کے کلمات

سماع کے متعلق مشائخ رضی اللہ عنہم کے اور بھی بہت سے لطیف کلمات ہیں کہ جن کی یہ کتاب متحمل نہیں ہو سکتی۔ لیکن جہاں تک ممکن ہوگا میں اس فصل میں ان کو لکھوں گا۔ تاکہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں پورا فائدہ ہو اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلسَّمَاعُ وَارِدُ الْحَقِّ يُزْعِجُ الْقُلُوْبَ اِلَى الْحَقِّ فَمَنْ اَصْغٰى اِلَيْهِ بِحَقٍّ تَحَقَّقَ۔ وَمَنْ اَصْغٰى اِلَيْهِ بِنَفْسٍ تَزَنْدَقَ (سماع حق کا فیضان ہے جو دلوں کو حق کی طرف ابھارتا ہے پس

جس نے اس کو حقیقی معنوں کے ساتھ سنا اس نے حق کی طرف راستہ پالیا اور جس نے اس کو خواہش نفس کے ساتھ سنا بے دین ہو گیا) اور اس بزرگ کی مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ سماع وصل حق کا سبب ہو جائے گا۔ بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ سننے والے کو چاہیئے کہ اس بات کو حق کے ساتھ سنے نہ کہ صرف آواز کو۔ تاکہ اس کا دل فیضان حق کا محل ہو جائے۔ پس جب وہ حق بات اس کے دل میں پہنچے گی۔ تو دل کو ابھارے گی۔ جو شخص اس سماع میں حق کا تابع ہو گا۔ اس کو مشاہدہ حق حاصل ہو گا۔ اور جو شخص نفس کا دوست اور تابع ہو گا۔ وہ حجاب میں رہ جائے گا۔ اور تاویل سے تعلق پیدا کرے گا۔ پس اس کے سماع کا فائدہ تو مکاشفہ الٰہی ہو گا۔ اور اس کے سماع کا فائدہ حق سے حجاب ہو گا۔ اور یہ یاد رکھو کہ زندقہ فارسی زبان کا لفظ ہے جو معرّب کیا ہوا ہے۔ اور فارسی زبان میں زندقہ کے معنی تاویل کے ہیں۔ اور اسی سبب سے وہ لوگ اپنی کتاب کی تفسیر کو ژند اور پاژند کہتے ہیں۔ اور جب لغت والوں نے چاہا کہ آتش پرستوں کا کوئی نام رکھیں تو انہوں نے زندیق نام رکھدیا۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ جو چیز یہ مسلمان کہتے ہیں۔ اس کی تاویل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ظاہری حکم اس کو توڑتا ہے اور تنزیل دیانت میں داخل ہوتا ہے اور تاویل دیانت سے باہر نکلتا ہے اور آج کل کے یہ مصری شیعہ بھی جن کو انہیں میں کے بچے کچھے سمجھو وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو مجوسی کہا کرتے تھے۔ اور یہ زندیق کا اسم ان کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ پس ذوالنون مصری رحمہ اللہ کی مراد اس سے یہ ہے کہ اہل تحقیق سماع میں محقق ہوتے ہیں اور اہل ہوا مأوّل (تاویل کرنے والے) کہ اس میں دور کی تاویل کرتے ہیں اس سبب سے فسق میں پڑ جاتے ہیں۔

شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اَلسَّمَاعُ ظَاهِرُهٗ فِتْنَةٌ وَبَاطِنُهٗ عِبْرَةٌ فَمَنْ عَرَفَ الْإِشَارَةَ حَصَلَ لَهٗ سَمَاعُ الْعِبْرَةِ وَإِلَّا فَقَدِ اسْتَدْعَى الْفِتْنَةَ وَتَعَرَّضَ لِلْبَلِيَّةِ (سماع کا ظاہر فتنہ ہے اور اس کا باطن عبرت ہے جو اہل اشارہ ہے اور اشارہ کو پہچانتا ہے۔ اس کو عبرت کا سننا حلال ہے۔ ورنہ اس نے فتنہ کو طلب کیا اور مصیبت کا سامنا کیا) یعنی جس کا دل پورے طور پر حق کی بات میں

غرق نہیں ہے سماع اس کے لئے بلا اور آفت کا محل ہے۔

ابو علی رودباری رحمۃ اللہ اس آدمی کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں جس نے آپ سے سماع کے متعلق پوچھا لَیْتَنَا تَخَلَّصْنَا مِنْهُ رَأْسًا بِرَأْسٍ (کاش ہم اس سے پورے طور پر خلاصی پا جاتے) اس لئے کہ آدمی سب چیزوں کا حق ادا کرنے میں عاجز ہے۔ جب کسی چیز کا حق فوت ہو جاتا ہے تو بندہ اپنی تقصیر کو دیکھتا ہے اور جب اپنی تقصیر کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے کاش کہ ہم بالکل چھوٹ جاتے۔

ایک شیخ رحمۃ اللہ کہتے ہیں اَلسِّمَاعُ تَنْبِيْهُ الْاَسْرَارِ لِمَا فِيْهَا مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ (سماع باطنوں کو ابھارنا ہے۔ ان باتوں کے مشاہدہ کرنے کے لئے جو باطنوں میں چھپی ہیں) تاکہ ان کے ذریعہ سے حق تعالےٰ کی بارگاہ میں حاضر رہیں اس لئے کہ اسرار کا پوشیدہ ہونا مریدوں کے لئے سخت قابل ملامت اور ان کے سب سے بڑے اوصاف میں سے ہے اس لئے کہ اگرچہ دوست بظاہر دوست سے غائب ہو دل سے حاضر ہوتا ہے اور جب غیبت آگئی تو اس سے دوستی اٹھ جائے گی۔

میرے شیخ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے اَلسِّمَاعُ زَادُ الْمُضْطَرِّيْنَ فَمَنْ وَصَلَ اسْتَغْنٰى عَنِ السِّمَاعِ (سماع عاجز لوگوں کا سفر خرچ ہے۔ پس جو منزل پر پہنچ گئے۔ انہیں سماع کی حاجت نہیں) کیونکہ وصل کے محل میں سننے کا حکم باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ سننا خبر کا ہوتا ہے اور خبر غائب کے متعلق ہوتی ہے۔ جب آنکھوں سے معائنہ ہو جاتا ہے تو سننا جاتا رہتا ہے۔

حضرت حصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اَيْشٍ تَعْمَلُ بِالسَّمَاعِ يَنْقَطِعُ اِذَا انْقَطَعَ مِمَّنْ تُسْمِعُ مِنْهُ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ سِمَاعُكَ مُتَّصِلاً غَيْرَ مُنْقَطِعٍ تو اس سماع کو کیا کرے گا۔ کہ جو منقطع ہو جائے۔ جب گانے والا جس سے وہ سنا جاتا ہے رک جائے تو اس کا اثر بھی جاتا رہے۔ پس مناسب یہ ہے۔ کہ تیرا سماع متصل ہو۔ جس کی تاثیر منقطع نہ ہو) اور اس بات نے محبت کے بارے میں ہمت کے مجتمع ہونے کا پتہ دیا ہے۔ کیونکہ جب بندہ اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے

توسارا عالم پتھر اور مٹی اس کا سماع سنتے ہیں۔ لیکن یہ درجہ بہت بلند اور بزرگ ہے اللہ توفیق کا مالک ہے۔

ساتویں فصل

سماع میں صوفیا کا اختلاف

سماع کے متعلق مشائخ و محققین صوفیا کے درمیان اختلاف ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ سماع غیبت کا آلہ ہے، اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ مشاہدہ میں سماع محال ہے۔ کیونکہ دوست وصلِ دوست کے محل میں اس کی طرف نظر کرنے کی حالت میں سماع سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس لئے کہ سماع خبر کا ہوتا ہے اور خبر مشاہدہ کی حالت میں دوری پردہ اور مشغولی ہوتی ہے۔ پس سماع مبتدیوں کا آلہ ہے تاکہ غفلت کی پراگندگیوں سے اس سماع کی وجہ سے مجتمع خاطر ہوں اور جو پہلے سے مجتمع ہو وہ ضرور اس سماع کی وجہ سے پراگندہ ہوجاتا ہے۔ پھر ایک گروہ نے کہا ہے کہ سماع حاضری کا آلہ ہے۔ کیونکہ محبت کلی فنا اور محویت کو چاہتی ہے۔ جب تک محب کا کل محبوب کے کل میں مستغرق نہ ہوجائے۔ وہ محبت میں ناقص ہوتا ہے۔ پس جیسا کہ دل کا حصہ وصل کے مقام میں محبت ہے اور باطن کا مشاہدہ، روح کا وصل اور جسم کا خدمت ہے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ کان کا بھی حصہ ہو۔ جیسا کہ دیدار میں آنکھ کا حصہ ہے۔ کسی شاعر نے اپنے ہزلیہ اشعار میں جب کہ وہ شراب کی دوستی کا دعوےٰ کرتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے۔ شعر

أَلَا فَاسْقِنِيْ خَمْرًا وَقُلْ لِيْ هِيَ الْخَمْرُ
وَلَا تَسْقِنِيْ سِرًّا إِذَا أَمْكَنَ الْجَهْرُ

(اے دوست! مجھے شراب پلا اور مجھے کہہ دے کہ یہ شراب ہے اور مجھے شراب مخفی طور پر نہ پلا جبکہ ظاہر پلانا ممکن ہے) یعنی اے دوست مجھے شراب دے تاکہ میری آنکھ دیکھ لے اور میرا ہاتھ چھولے۔ اور میرا تالو چکھ لے۔ میری ناک سونگھ لے۔ اس وقت ایک قوت حاسہ بے نصیب رہ جائے گی اور وہ کان ہے۔ پس کہہ دے کہ یہ شراب ہے تاکہ کان بھی اپنا حصہ پالے۔ یہاں تک

کہ میرے تمام حواس اس سے مل جائیں اور لذت گیر ہو جائیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ سماع حضوری کا آلہ ہے کیونکہ غائب نا غائب ہی ہوتا ہے۔ اور غائب منکر ہوتا ہے۔ اور انجان اس کا اہل نہیں ہوتا۔ پس سماع دو قسم کا ہے ایک بالواسطہ دوسرے بلاواسطہ۔ جو کچھ گانے والے سے سنتا ہے وہ غیبت کا آلہ ہے اور جو کچھ باری تعالیٰ سے سنتا ہے وہ حضوری کا آلہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس بزرگؒ نے فرمایا ہے کہ میں مخلوق کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ میں ان کی کوئی بات سنوں یا ان کی بات بیان کروں۔ سوائے حق تعالیٰ کے خاص لوگوں کے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔

آٹھویں فصل

سماع میں صوفیا کے مرتبے

جاننا چاہیئے کہ ان صوفیوں میں سے ہر ایک کے لئے سماع میں ایک مرتبہ اور مقام ہے اور جس کے مطابق وہ اس سماع سے ذوق و لطف حاصل کرتا ہے جیسا کہ توبہ کرنے والے کے لئے جو کچھ وہ سنتا ہے وہ اس کے لئے حسرت اور ندامت حصول میں مدد، مشتاق کے لئے شوق دیدار کا سبب، یقین کرنے والے کے لئے یقین کی تاکید، مرید کے لئے بیان کی تحقیق، محب کے لئے تعلقات سے علیحدگی کا باعث اور فقیر کے لئے سب سے ناامیدی کی بنیاد ہو جاتی ہے۔ دراصل سماع کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ وہ تمام چیزوں پر چمکتا ہے۔ لیکن ہر چیز کو اپنی صلاحیت اور مرتبے کے مطابق سورج سے روشنی، حرارت ذوق اور مشرب حاصل ہوتا ہے۔ ایک کو تو وہ جلا دیتا ہے۔ اور دوسرے کو روشن کرتا ہے۔ کسی کو پگھلاتا ہے تو کسی کو نوازتا ہے۔ یہ تمام گروہ جو میں نے بیان کئے ہیں۔ تحقیق کی رو سے تین مرتبوں پر ہیں ایک ان میں سے مبتدی دوسرے متوسط درجے کے اور تیسرے کامل ہیں اور میں ہر ایک کے حال کی شرح میں سماع کے بارے میں ایک فصل بیان کروں گا۔ تاکہ تمہاری سمجھ میں اچھی طرح آجائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نویں فصل

سماع کے متعلق امور

جاننا چاہیئے کہ سماع فیضانِ حق ہے اور انسانی جسم کی ترکیب ہزلیات لہو سے ہوئی ہے۔ جب جسم ہزل اور لہو سے بنا ہے تو کبھی حالت میں بھی مبتدی کی طبیعت حق تعالےٰ کی بات کے قابل نہیں ہو سکتی اور مطالب ربانی اور اسرار الٰہی کے وارد ہونے سے طبیعت کو سوز و گداز اور اضطراب حاصل ہوتا ہے چنانچہ ایک گروہ سماع سے بیہوش ہو جاتا ہے اور ایک گروہ ہلاک ہو جاتا ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں رہتا کہ اس کی طبیعت حد اعتدال سے نہ گزر جائے۔ اور یہ بالکل ہمارا مشاہدہ ہے اور مشہور ہے کہ ملک روم کے شفاخانہ میں ایک نہایت عجیب چیز لوگوں نے تیار کی ہے۔ جس کو وہ انکلیون کہتے ہیں چنانچہ جس چیز میں عجائبات بہت ہوں یونانی لوگ اس کو اسی نام سے پکارتے ہیں چنانچہ بڑے ملے اور ربانی وغیرہ کی عجیب صنعت کو انکلیون کہتے ہیں۔ اور اس سے اس کی کاریگریوں اور حکمتوں کا اظہار مقصود نہیں ہوتا بلکہ محض نام کا اظہار ہے اور وہ رُودؔ[1] کی قسم کا ایک ساز ہوتا ہے۔ اور ہفتے میں دو دفعہ بیماروں کو وہاں لے جا کر وہ باجا بجانا شروع کر دیتے ہیں اور اس بیمار کی بیماری کے مطابق اس کو اس باجے کی آواز سناتے ہیں۔ پھر اس کو وہاں سے باہر لے آتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کہ کسی کو ہلاک کریں تو زیادہ دیر تک اس کو وہاں رکھتے ہیں۔ تاکہ وہ ہلاک ہو جائے۔ درحقیقت اجلیں لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن موت کے اسباب ہیں اور طبیب ہمیشہ اس کو سنتے ہیں اور یہ ان پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ان کی طبیعت کے بالکل موافق ہے اور مبتدیوں کی طبیعت کے مخالف ہے اور ہندوستان میں میں نے دیکھا ہے کہ زہر قاتل میں ایک کیڑا پیدا ہو جاتا ہے اس کی زندگی اس زہر پر ہی موقوف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وہ ہمہ تن زہر ہی ہو جاتا ہے اور ترکستان میں میں نے اسلام کی سرحد پر ایک شہر میں دیکھا کہ ایک پہاڑ میں آگ لگ گئی تھی اور وہ جل رہا تھا اور اس کے پتھروں سے نوشادر ابل

---

[1] رود ایک ستاروں والا ساز ہوتا ہے۔

رہا تھا اور اس آگ میں ایک چوہا تھا۔ جب وہ اس آگ سے باہر نکلا تو ہلاک ہو گیا مراد ان مثالوں سے یہ ہے کہ مبتدیوں کی بے چینی فیضان الٰہی کے حلول کی صورت میں اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کا جسم اس کے بالکل مخالف ہوتا ہے جب وہ حالت متواتر ہوتی رہتی ہے تو مبتدی اس میں ساکن ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب جبرائیل علیہ السلام شروع میں وحی لے کر آئے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے دیکھنے کی طاقت نہ ہوئی۔ جب نہایت کے درجہ پر پہنچ گئے۔ تو اگر ایک ساعت کے لیے بھی جبرائیل علیہ السلام نہ آتے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو جاتے۔ اس کے شواہد بہت سے ہیں۔ اور یہ حکایتیں سماع میں مبتدیوں کے اضطراب کی دلیل ہے اور منتہیوں کے آرام کی حجت اور مشہور ہے کہ حضرت جنید رحمہ اللہ کا ایک مرید تھا۔ جو سماع میں بہت اضطراب کیا کرتا تھا اور دوسرے درویشوں کو اسے سنبھالنا پڑتا۔ انہوں نے حضرت شیخ کے پاس شکایت کی تو آپ نے اس مرید سے فرمایا کہ اگر اس کے بعد سماع میں تو نے بے قراری ظاہر کی تو میں تجھے اپنا ہم نشین نہیں رکھونگا۔ ابو محمد حریری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سماع میں جب میں نے اس شخص کو دیکھا تو پایا کہ اس کے لب بند ہیں اور اس کے جسم کے ہر بال سے چشمہ ابل رہا ہے ایک دن اس کے ہوش و حواس غائب تھے۔ دوسرے دن جو دیکھا تو وہ اسی طرح بے ہوش تھا۔ جب بھی میں درویش کی طرف نگاہ کرتا تو دیکھتا کہ اس نے لب بند کئے ہوئے خاموش بیٹھا ہے۔ لیکن اس کے جسم کے ہر بال سے چشمہ اُبل رہا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور ایک دن سماع کے وقت تو وہ بیہوش ہی تھا مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ سماع میں زیادہ اچھی حالت میں تھا یا پیر کی حرمت اس کے دل پر غالب تھی)

کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے سماع میں نعرہ لگایا مرشد نے اس کو کہا خاموش رہ۔ اس نے سر زانو پر رکھ دیا۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو مرا ہوا تھا۔ شیخ ابو مسلم فارس بن غالب فارسی سے میں نے سنا کہ انہوں نے فرمایا۔ ایک درویش سماع میں بہت بیقرار ہوا کرتا تھا۔ کسی شخص نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا

کہ بیٹھ جا۔ اس کا بیٹھنا تھا کہ جان دے دی نیز آپ دراج سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں ابن القرطی کے ہمراہ دجلہ کے کنارے کنارے بصرہ اور آبلہ کے درمیان جا رہا تھا کہ ہم ایک محل کے نیچے پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص محل کے چھت پر بیٹھا ہے اور ایک لونڈی اس کے سامنے گا رہی ہے اور یہ شعر پڑھ رہی ہے۔ شعر

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وُدٌّ   کَانَ مِنِّیْ لَکَ یُبْذَلُ
کُلَّ یَوْمٍ تَتَلَوَّنُ   غَیْرُ هٰذَا بِکَ اَجْمَلُ

میں تو تجھ سے خدا کے لئے محبت کیا کرتا تھا۔ اور اس کے ساتھ تیرا ہر روز ایک نئے سے نیا رنگ بدلنا کیا بھلا معلوم ہوتا تھا۔ اور میں نے ایک جوان کو دیکھا کہ اس محل کے نیچے گدڑی اور لوٹا لئے کھڑا ہے۔ اس نے کہا اے لونڈی تجھے خدا کی قسم کہ یہ بیت دوبارہ گا۔ کہ میری زندگی ایک سانس سے زیادہ نہیں رہ گئی ہے تاکہ وہ اس بیت کے سننے سے ختم ہو جائے۔ لونڈی نے اس کو دوبارہ پڑھا۔ اس جوان نے نعرہ مارا۔ اور اس کی جان نکل گئی۔ لونڈی کے مالک نے لونڈی سے کہا تو آزاد ہے اور آپ نیچے اتر آیا اور اس کے کفن دفن کی تیاری میں لگ گیا اور سب بصرہ والوں نے اس پر نماز پڑھی۔ اس کے بعد وہ آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔ اے اہل بصرہ! میں فلانا فلانے کا بیٹا ہوں میں نے اپنی سب ملکیتیں اللہ کی راہ میں وقف کر دی ہیں اور غلاموں کو آزاد کر دیا ہے۔ یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا اور کسی کو اس کی خبر معلوم نہ ہوئی اور اس حکایت کے بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مرید کا سماع کے غلبہ میں ایسا حال ہونا چاہیئے کہ اس کا سماع بدکاروں کو بدکاری سے نجات دے اور اس زمانہ میں گمراہوں کا ایک گروہ بدکاروں کے سماع میں حاضر ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ ہم حق کی وجہ سے سماع کرتے ہیں اور فاسق لوگ اس میں ان کی موافقت کرتے ہیں اور سماع کرنے پر فسق اور فجور کے ساتھ زیادہ حریص ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خود ہلاک ہو جاتے ہیں۔ حضرت جنید رحمہ اللہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر ہم عبرت کے طور پر گرجا میں چلے جائیں۔ اور اس سے ہماری مراد اس کے

سوا اور کچھ نہ ہو کہ کافروں کی ذلت کو دیکھیں اور اسلام کی نعمت پر شکر ادا کریں تو کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے فرمایا اگر تم گرجے میں ایسے طور پر جا سکتے ہو کہ جب تم باہر نکلو تو ان میں سے چند آدمیوں کو اپنے ساتھ درگاہِ حق میں لا سکو تو چلے جاؤ ورنہ نہیں۔ پس عبادت خانے والا اگر شراب خانے میں چلا جائے تو شراب خانہ بھی اس کا عبادت خانہ بن جاتا ہے اور شراب خانے والا جب عبادت خانے میں چلا جائے تو عبادت خانہ اس کا شراب خانہ بن جاتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں بغداد میں ایک درویش کے ہمراہ جا رہا تھا کہ اس اثناء میں ہم نے ایک مطرب کی آواز سنی جو یہ گا رہا تھا۔ شعر

مُنًى اِنْ تَكُنْ حَقًّا تَكُنْ اَحْسَنَ الْمُنٰى
وَاِلَّا فَقَدْ عِشْنَا بِهَا زَمَنًا رَغَدًا

(آرزو اگر حق ہے تو اچھی آرزو ہے ورنہ ہم نے اس آرزو میں ایک زمانہ بسر کیا ہے جو گزر چکا ہے) اس درویش نے نعرہ مارا اور دنیا سے رخصت ہوا۔ ایسا ہی ابو علی رودباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک درویش کو میں نے دیکھا جو ایک گویے کی آواز میں مشغول ہو رہا تھا میں نے بھی اس پر کان لگائے کہ اس کا گانا سنوں تو وہ غمناک آواز سے یہ گا رہا تھا۔ شعر

اَمُدُّ كَفِّیْ بِالْخُضُوْعِ
اِلَى الَّذِیْ جَادَ بِالْاِصْغَاءِ

(میں فروتنی سے اس شخص کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوں جو سننے کی سخاوت کرتا ہے) تب اس درویش نے ایک نعرہ مارا۔ اور گر پڑا۔ جب میں اس کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ مرا ہوا ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں۔ میں ابراہیم خواص رحمۃ اللہ کے ساتھ پہاڑ میں کسی راستہ پر جا رہا تھا۔ میرے دل میں خوشی پیدا ہوئی تو میں نے یہ شعر پڑھے۔

صَحَّ عِنْدَ النَّاسِ اِنِّیْ عَاشِقٌ
غَیْرَ اَنْ لَّمْ یَعْرِفُوْا عِشْقِیْ لِمَنْ

لَیْسَ فِی الْاِنْسَانِ شَیْءٌ حَسَنٌ
اِلَّا وَ اَحْسَنُ مِنْهُ صَوْتُ الْحَسَنِ

لوگوں کو یہ تو صحیح طور پر معلوم ہے کہ میں عاشق ہوں مگر انہیں یہ معلوم نہیں کہ میں کس پر عاشق ہوں۔ انسان میں اس کی حسین آواز کے سوا اور کوئی چیز خوبصورت نہیں۔ مجھ سے حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ شعر پھر پڑھو۔ میں نے پھر پڑھا۔ تو آپ نے وجد کے طور پر چند قدم زمین پر مارے۔ جب میں نے غور سے دیکھا تو آپ کے قدم اس پتھر میں اس طرح گڑ گئے جس طرح کہ موم میں۔ تب آپ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو مجھ سے فرمایا میں تو بہشت کے باغ میں تھا لیکن تو نے دیکھا نہیں۔ اس قسم کی حکایتیں اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ یہ کتاب ان کی متحمل ہو سکے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک درویش میں یہ بات دیکھی کہ آذر بائیجان کے پہاڑوں میں چلا رہا تھا اور جلدی جلدی یہ اشعار پڑھتا اور گریہ زاری کرتا جاتا تھا۔

اشعار

وَاللّٰہِ مَا طَلَعَتْ شَمْسٌ وَلَا غَرَبَتْ
اِلَّا وَ اَنْتَ فِیْ قَلْبِیْ وَ وَسْوَاسِیْ
وَلَا جَلَسْتُ اِلٰی قَوْمٍ اُحَدِّثُہُمْ
اِلَّا وَ اَنْتَ حَدِیْثِیْ بَیْنَ جُلَّاسِیْ
وَلَا ذَکَرْتُکَ مَحْزُوْنًا وَلَا طَرِبًا
اِلَّا وَ حُبُّکَ مَقْرُوْنٌ بِاَنْفَاسِیْ
وَلَا ہَمَمْتُ بِشُرْبِ الْمَاءِ مِنْ عَطَشٍ
اِلَّا رَاَیْتُ خَیَالًا مِنْکَ فِی الْکَاسِ
فَلَوْ قَدَرْتُ عَلَی الْاِتْیَانِ زُرْتُکُمْ
سَعْیًا عَلَی الْوَجْہِ اَوْ مَشْیًا عَلَی الرَّاسِ

(قسم اللہ کی کبھی سورج طلوع نہیں ہوا اور نہ کبھی وہ غروب ہوا۔ مگر ایسی حالت میں کہ تو میرے دل میں اور میرے خیالوں میں ہوتا ہے۔ اور میں کبھی کسی قوم کے پاس گفتگو کرنے کے لئے نہیں بیٹھا۔ مگر ایسی حالت میں کہ

میرے ہم نشینوں میں تیرا ہی ذکر ہوتا ہے اور میں نے کبھی تیرا ذکر رنج اور خوشی کی حالت میں نہیں کیا مگر ایسی حالت میں کہ تیری محبت میری سانسوں میں ملی ہوئی ہوتی ہے اور میں نے کبھی پیاس کی وجہ سے پانی پینے کا ارادہ نہیں کیا مگر ایسی حالت میں کہ تیرے خیال کو میں پیالے میں دیکھتا ہوں۔ اگر مجھے آنے کی قدرت ہوتی تو میں منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے اور سر کے بل پھر تیری زیارت کو آتا۔ اور اس سماع سے اس کی حالت متغیر ہو گئی اور تھوڑی دیر بیٹھ گیا۔ اور پھر پتھر سے پیٹھ لگا کر جان دے دی۔ اللہ کی اس پر رحمت ہو۔

دسویں فصل

ہوس انگیز اشعار سننے کی کراہت

اور مشائخ کا ایک گروہ قصیدوں اور اشعار کے سننے اور قرآن کو ایسے طور پر لحن کے ساتھ پڑھنے کو کہ اس کے حروف اپنے مخرج سے باہر نکل جائیں مکروہ سمجھتا ہے اور مریدوں کو اس سے پرہیز کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود پرہیز کرنے میں بھی مبالغہ کرتا ہے۔ اور ان کے چند گروہ ہیں اور ہر گروہ کے لئے اس میں ایک اور ہی علت ہے۔ ایک گروہ ان میں سے وہ ہے۔ جس کے پاس اس کی حرمت کے متعلق کئی روایتیں ہیں اور اس میں وہ سلف صالحین کے تابع اور ان کے مقلد ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسان بن ثابت کی لونڈی شیریں کو گانے سے جھڑکنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس صحابی کو تازیانہ لگانا جو گاتا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا معاویہ پر اس وجہ سے اعتراض کرنا کہ اس نے گانے والی لونڈیاں رکھی ہوئی ہیں اور آپ کے صاحبزادے حسن رضی اللہ عنہ کو اس حبشیہ عورت کے دیکھنے سے منع کرنا جو گا رہی تھی اور آپ فرماتے تھے کہ وہ شیطان کی رفیقہ ہے۔ اور ایسی ہی دوسری روایتیں ہیں۔ جو اشعار و قصائد گانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ غنا کو مکروہ سمجھنے کے لئے ہمارے پاس سب سے بڑی دلیل اس زمانے میں اور ہم سے پہلے زمانے میں امت کا اجماع ہے۔ یہاں تک کہ ایک گروہ نے اس کو مطلق حرام کہا ہے۔ اور وہ اس کے متعلق ابو الحارث بنانی رحمۃ اللہ سے روایت کرتے

ہیں کہ میں سماع کے متعلق بہت زور دیا کرتا تھا کہ ایک رات کوئی شخص میرے عبادت خانے کے دروازے پر آیا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے طالبوں کی ایک جماعت جمع ہوئی ہے۔ اور شیخ کے دیدار کے مشتاق ہیں۔ اگر مہربانی کر کے قدم رنجہ فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا۔ میں نے کہا کہ تو چل میں آتا ہوں اور میں باہر نکلا اور اس کے پیچھے ہو لیا کچھ زیادہ دیر نہ گزری کہ میں ایک گروہ کے پاس جا پہنچا۔ جنہوں نے حلقہ باندھا ہوا تھا اور ایک بوڑھا ان کے درمیان تھا۔ میری انہوں نے حد سے زیادہ تعظیم کی اور اس بوڑھے نے کہا اگر آپ فرمائش کریں تو کچھ شعر پڑھیں میں نے قبول کیا۔ دو آدمی نہایت خوش آوازی سے اشعار پڑھنے لگے۔ ایسے اشعار جو شاعر لوگ فراق اور ہجر میں پڑھا کرتے ہیں جن کو سن کر وہ سب لوگ وجد کی حالت میں اٹھ کھڑے ہوتے اور اچھی طرح سے نعرے مارنے اور لطیف اشارے کرنے لگے۔ میں ان کے حال سے بڑا متعجب ہوا اور ان کی خوش وقتی بدستور رہی یہاں تک کہ صبح قریب ہو گئی۔ اس وقت اس بوڑھے نے مجھ سے کہا۔ اے شیخ! آپ نے مجھ سے نہیں پوچھا کہ تو کون ہے؟ اور یہ گروہ کون لوگ ہیں؟ میں نے کہا تیرے دبدبے نے مجھے سوال کرنے سے روک دیا اس نے کہا میں خود تو عزازیل ہوں جو خدا کی رحمت سے دور ہوں اور اب ابلیس کے نام سے موسوم ہوں اور یہ سب لوگ میرے فرزند ہیں اور اس طرح بیٹھنے اور گانے میں مجھے دو فائدے ہیں ایک تو میں اپنے فراق کی مصیبت رکھتا ہوں اور اقبال کے دنوں کو یاد کرتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ عابد لوگوں کو راہ حق سے بھٹکاتا اور غلط راستے پر ڈالتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں کہ سماع کا ارادہ اس وقت سے میرے دل سے دور ہو گیا اور میں علی بن عثمان جلابی رحمہ اللہ نے شیخ ابوالعباس اشقانی سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن میں ایک مجمع میں تھا۔ کچھ لوگ سماع کر رہے تھے۔ میں نے ان میں جنوں کو برہنہ دیکھا جو ناچ رہے تھے۔ اور تمام لوگ ان کی طرف دیکھ رہے تھے اور ان کی وجہ سے گرم ہو رہے تھے۔

اور ایک دوسرا گروہ ہے جو اپنے مریدوں کے خوف اور خطرہ کی وجہ

سے کہیں وہ مصیبت اور بیکاری میں نہ پڑجائیں۔ اور ان کی تقلید نہ کریں اور توبہ کا خیال چھوڑ کر گناہ میں مشغول نہ ہوں اور خواہش نفس ان میں قوت نہ پکڑے اور نفسانی خواہش ان کے نیکی کے پکے ارادے کو توڑ نہ دے۔ جو مصیبتوں میں پڑنے کا محل اور فتنہ کا سرمایہ ہیں وہ سماع کے قائل نہ تھے اور نہ وہ ان میں بیٹھتے تھے اور حضرت جنید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک مرید سے اس کی توبہ کی ابتدائی حالت میں فرمایا کہ اگر تو اپنے دین کی سلامتی چاہتا ہے تو توبہ کی رعایت کر اور سماع جو صوفی لوگ کرتے ہیں۔ اس سے نفرت کر اور اپنے آپ کو جب تک تو جوان ہے اس کا اہل نہ سمجھ اور جب تو بوڑھا ہو جائے۔ تو لوگوں کو اپنی وجہ سے گنہگار نہ بنا۔

ایک اور گروہ نے کہا ہے اہل سماع دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو لہو کرنے والے ہیں۔ دوسرا وہ ہے جو الٰہی ہیں (اللہ سے تعلق رکھنے والے) لاہی تو عین فتنہ میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کو ڈر رہتا ہے اور الٰہی مجاہدوں اور ریاضتوں اور مخلوقات سے دل کے منقطع کر لینے اور باطن کو مخلوقات سے الگ کرنے کی وجہ سے فتنے سے بچے رہتے ہیں اور اس لئے وہ بے خوف ہوتے ہیں۔ چونکہ ہم لوگ نہ اس گروہ سے ہیں نہ اس گروہ سے لہٰذا اس کا ترک کرنا ہمارے لئے بہتر ہے اور اس بات میں مشغول ہونا جو ہمارے وقت کے موافق ہے۔ بہت مناسب ہے۔ ایک اور گروہ نے کہا ہے کہ جب عام لوگوں کے لئے سماع میں فتنہ ہے اور ہمارے سننے کی وجہ سے لوگوں کا اعتقاد خراب ہوتا ہے اور ہمارے وجہ سے لوگ حجاب میں ہوتے ہیں اور ہماری وجہ سے وہ گنہگار ہوتے ہیں۔ تو اس عام پر ہم شفقت اور خاص کو نصیحت کرتے ہوئے اور غیرت کی وجہ سے اس سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ یہ طریقہ بھی بہت پسندیدہ ہے اور ایک گروہ نے کہا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ ۔ آدمی کا اچھا اسلام یہ ہے۔ جو ان باتوں کو چھوڑ دے جن کی اس کو ضرورت نہیں، یعنی اس چیز سے ہم ہاتھ اٹھا لیں۔ جس سے بھاگنا لازم ہے۔ کیونکہ غیر ضروری

(بے فائدہ) باتوں میں مشغول ہونا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ اور دوستوں کا وقت عزیز دوستوں کے ساتھ مل کر ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ خاص صوفیوں کے ایک گروہ نے کہا ہے۔ کہ سماع خبر ہے اور اس کی لذت مراد کا پانا ہے اور یہ بچوں کا کام ہے۔ کیونکہ مشاہدہ میں خبر کی کیا قدر ہے؟ پس مشاہدہ سے کام رکھو۔ یہ سماع کے احکام ہیں جو ہم نے مختصر طور پر بیان کر دیئے اب میں ان صوفیوں کے وجد۔ وجود اور تواجد کے بارے میں اللہ کی توفیق سے ایک باب مرتب کروں گا۔

گیارھویں فصل

وجد، وجود و تواجد اور ان کے متعلقات

جاننا چاہیئے کہ وجد اور وجود دو مصدر ہیں ایک کے معنی غم کے اور دوسرے کے معنی پالینے کے ہیں اور دونوں کا فاعل ایک ہوتا ہے اور سوائے مصدر کے ان میں فرق نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ کہتے ہیں وَجَدَ یَجِدُ وُجُوْدًا اَوْ وِجْدَانًا۔ جب اس نے پالیا اور وَجَدَ یَجِدُ وَجْدًا۔ جب وہ غمگین ہوا اور نیز وَجَدَ یَجِدُ جِدَۃً جب وہ تونگر ہو گیا اور وَجَدَ یَجِدُ مَوْجِدَۃً جب وہ غصے ہو گیا اور ان سب میں فرق مصدروں کی وجہ سے ہوتا ہے نہ فعلوں کی وجہ سے اور اس گروہ کی مراد وجد اور وجود سے دو حال کا ثابت کرنا ہے جو ان کو سماع میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک حال غم کے قرین ہوتا ہے اور دوسرا حال مراد کے پالینے کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور غم کی حقیقت محبوب کا گم ہو جانا اور مراد کا منع کر دینا ہے اور پالینے کی حقیقت مراد کا حاصل کرنا ہے اور حزن اور وجد میں فرق یہ ہے کہ حزن نام اس کا غم کا ہے جو اپنے نصیب میں ہو اور وجد اس غم کا نام ہے۔ جو غیر کے نصیب میں محبت کے طور پر ہو اور یہ تغیرات سب طالب کی صفات ہیں۔ حق تعالےٰ تغیر پذیر نہیں اور وجد کی کیفیت عبارت کے تحت میں نہیں آ سکتی۔ کیونکہ وہ آنکھوں سے دیکھنے میں سرنج ہوتا ہے اور الم کو قلم کے ساتھ نہیں بیان کیا جا سکتا۔ پس وجد طالب اور مطلوب کے درمیان ایک بھید ہے کہ اس کا بیان کرنا کاشفہ

میں غیبت ہے اور وجود کی کیفیت سے نشان اور اشارہ کرنا درست نہیں ہوتا کیونکہ یہ مشاہدہ میں خوشی ہے اور خوشی طلب میں پا نہیں سکتے۔ پس وجود محبوب کی طرف سے محب کے حق میں ایک فضل ہے کہ اشارہ اس کی حقیقت سے الگ ہے اور میرے نزدیک وجد دل میں الم کا یا تو خوشی سے یا طرح بیچھے چھینک دینے سے یا رنج سے یا طرب سے پہنچتا ہے اور وجود دل سے غم کو دور کرنا اور اس کی مراد پالینا ہے۔ اور واجد کی صفت یا تو حجاب کی حالت میں غلبۂ شوق میں حرکت کرنا ہے یا کشف کی حالت میں مشاہدہ سے آرام پانا ہے۔ یعنی یا تو شورہ فریاد' نالہ اور گریہ کی وجہ سے حرکت کرنا اور یا خوشی اور بسکی اور سرور سے آرام پانا ہے اور مشائخ اس بات میں مختلف ہیں کہ وجد زیادہ کامل ہے۔ یا وجود۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ وجود مریدوں کی صفت اور وجد عارفوں کی صفت ہے اور چونکہ عارفوں کا درجہ مریدوں سے بلند تر ہوتا ہے اس لئے عارفوں کا وصف بھی مریدوں سے بلند تر کامل تر ہے۔ کیونکہ جو چیز حصول کے تحت آتی ہے۔ وہ مدرک ہوتی ہے اور وہ جنس کی صفت ہے اس لئے کہ ادراک حد کا تقاضا کرتا ہے اور خداوند تعالےٰ کے لئے کوئی حد نہیں۔ پس جو کچھ بندہ نے پالیا وہ سوائے مشرب کے کچھ نہ تھا اور جو کچھ اس نے نہیں پایا اس سے اس کا طالب بے تعلق ہو گیا اور اس کی طلب سے عاجز اور حق تعالےٰ کی حقیقت کا پانیوالا نہ ہوگا۔ اور ایک گروہ کہتا ہے کہ وجد مریدوں کا جلنا ہے اور وجود محبوں کا تحفہ ہے اور محبوں کا درجہ مریدوں سے بلند تر ہے اس لئے ضروری ہے کہ آرام تحفہ کے ساتھ طلب میں جلنے سے زیادہ کامل ہو۔ اور یہ معنی حکایت کے سوا واضح نہیں ہو سکتا۔ اور وہ حکایت یہ ہے کہ ایک دن حضرت شبلی رحمتہ اللہ اپنے حال کے جوش میں حضرت جنید رحمتہ اللہ کی خدمت میں آئے تو آپ کو غمگین پاکر پوچھا اے شیخ! کیا ہوا ہے (حضرت جنید رحمتہ اللہ نے فرمایا۔ مَنْ طَلَبَ وَجَدَ (جس نے طلب کیا وہ غمگین ہوا) حضرت شبلی رحمتہ اللہ نے کہا نہیں بلکہ مَنْ وَجَدَ طَلَبَ (جو غمگین ہوا اس نے طلب کیا) پھر مشائخ نے اس کے متعلق کلام کیا ہے (جنید رحمہ اللہ نے تو وجد کا نشان دیا ہے اور دوسرے نے وجود کی

طرف اشارہ کیا ہے اور میرے نزدیک معتبر قول حضرت جنید رحمہ اللہ کا ہے
کیونکہ جب بندہ پہچان لے گا۔ کہ اس کا معبود اس کی جنس سے نہیں ہے
تو اس کا غم و الم دراز ہو جائے گا اور اس کے متعلق اس کتاب میں کسی جگہ ذکر ہو چکا
ہے اور مشائخ متفق ہیں کہ علم کا غلبہ وجد کے غلبہ سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ کیونکہ
جب وجد کی سلطنت کو قوت ہو تو واجد خطرہ کے محل میں ہوتا ہے اور جب علم
کی سلطنت کو قوت ہو تو عالم امن کے محل میں ہوتا ہے اور ان سب باتوں سے
مراد یہ ہے کہ تمام احوال میں طالب کو چاہئے کہ علم اور شریعت کا تابع ہو۔ کیونکہ جب
وجد سے مغلوب ہو جائے گا۔ تو خطاب اس سے اٹھ جائے گا اور جب خطاب
اٹھ گیا تو ثواب اور عذاب بھی اٹھ جائے گا۔ جب ثواب و عقاب اٹھ جائیگا
تو عزت اور ذلت بھی اٹھ جائے گی۔ پس اس وقت اس کا حکم مجنوں کا سا ہو جائے
گا نہ اولیاء اللہ اور مقربین کا سا اور جب علم کی سلطنت حال کی سلطنت پر غالب
ہو تو بندہ اللہ کے اوامر اور نواہی کی پناہ میں ہوتا ہے اور عزت کے پردہ سرا میں
ہمیشہ مشکور ہوتا ہے۔ پھر جب حال کی سلطنت علم کی سلطنت پر غالب ہو
تو بندہ حدودِ الٰہی سے خارج ہو جاتا ہے اور خطاب سے محروم ہو جاتا ہے
اپنے نقص کے محل میں یا معذور اور یا مغرور ہوتا ہے اور یعنیہ اس معنی کے مطابق
حضرت جنید رحمہ اللہ کا قول ہے انہوں نے فرمایا کہ راستے دو ہیں یا علم سے
یا عمل سے یا ایسی روش سے جو بغیر علم کے ہو اور عمل اگرچہ نیک ہو۔ جہالت اور
نقص ہوتا ہے اور علم اگرچہ بے عمل ہی ہو عزت اور شرف ہوتا ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ حضرت بایزید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ : كُفْرُ اَهْلِ الْهِمَّةِ اَشْرَفُ
مِنْ اِسْلَامِ اَهْلِ الْمُنْيَةِ۔ (اہل ہمت کا کفر اہل آرزو کے اسلام سے اشرف
ہے) یعنی اہل ہمت پر کفر اور ناشکری ممکن نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر فرض کریں
تو اہل ہمت باوجود کفر کے بھی اہل آرزو سے ایمان میں زیادہ کامل ہوں گے۔
اور حضرت جنید رحمہ اللہ نے حضرت شبلی رحمہ اللہ کی نسبت فرمایا کہ: اَلشِّبْلِیُّ
سَكْرَانُ وَلَوْ اَفَاقَ مِنْ سُكْرِهٖ لَجَاءَ مِنْهُ اِمَامٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ۔ (شبلی رحمہ
اللہ مست ہے اور اگر اس کو ہوش آ جائے تو وہ ایک ایسا امام ہو جس سے

نفع اٹھایا جائے۔ اور حکایات میں مشہور ہے کہ حضرت جنید و محمد بن مسروق و ابو العباس بن عطا رحمہم اللہ ایک جگہ جمع تھے۔ قوال ایک شعر پڑھ رہا تھا اور وہ سب حضرات تواجد کر رہے تھے۔ لیکن جنید رحمۃ اللہ بالکل مطمئن تھے۔ سب حضرات نے پوچھا اے شیخ! آپ کو اس سماع سے کچھ وجد نہیں آیا۔ آپ نے کلام اللہ کی یہ آیت تلاوت کی: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔ (اور تو پہاڑوں کو دیکھیگا تو خیال کریگا کہ وہ منجمد ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح تیزی سے چل رہے ہونگے) لیکن تواجد وجد لانے میں ایک تکلف ہوتا ہے اور یہ حق تعالےٰ کے انعام اور شواہد حق کو دل پر پیش کرنا ہے اور وصل کا خیال اور مردوں کے فعل کی تمنا کرتا ہے۔ ایک گروہ اس باب میں رسم کے پابند ہیں کہ انہوں نے ان صوفیوں کی ظاہری، حرکات اور ان کے رقص کی ترتیب اور ان کے ارشادات کی آرائش کی تقلید کی ہے اور حرام محض ہے اور ایک گروہ محققین کا ہے کہ ان کی مراد ان حرکات اور رسوم سے صوفیا کے احوال اور ان کے درجہ کی طلب ہوتی ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرتا ہے وہ ان ہی میں سے ہوتا ہے) نیز آپ نے فرمایا ہے۔ اِذَا قَرَأْتُمُ الْقُرْاٰنَ فَابْكُوْا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا۔ (جب تم قرآن پڑھو تو روؤ۔ اور اگر خود بخود رونا نہ آئے۔ تو تکلف سے روؤ) اور یہ خبر تواجد کے مباح ہونے پر ناطق ہے اور اسی سبب سے اس بزرگ نے کہا کہ اگر ہزار کوس جھوٹ کے ساتھ چلوں تو ایک قدم سچ کا آتا ہے اور اس باب میں کلام اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن میں نے اسی پر اختصار کیا ہے۔ اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے (واللہ اعلم بالصواب)

بارھویں فصل

سماع میں رقص

اور جاننا چاہیئے کہ شریعت اور طریقت میں رقص کی کوئی سند موجود نہیں کیونکہ وہ عقلمندوں کے اتفاق سے جب اچھی طرح کیا جائے تو لہو ہوتا ہے

اور جب بیہودہ طور پر کیا جائے۔ لغو ہوتا ہے اور مشائخ میں سے کسی بزرگ نے بھی اس کی تعریف نہیں کی اور نہ اس میں مبالغہ کیا ہے اور اہل حشو جو دلائل اس کے بیان کرتے ہیں وہ سب باطل ہیں اور چونکہ وجد کی حرکتیں اور اہل تواجد کے کام اس کی مانند ہیں۔ اس لیے فضول لوگوں کے ایک گروہ نے اس رقص کی تقلید کی ہے اور اس میں مبالغہ کرنے لگے ہیں اور اس کو اپنا مذہب بنا لیا ہے اور میں نے عوام کا ایک گروہ دیکھا جو یہ خیال کرتے ہیں کہ تصوف کا مذہب اس کے سوا اور کچھ نہیں اور انہوں نے اسے اختیار کر لیا ہے اور ایک گروہ اس کے اصل کے ہی منکر ہیں۔ الغرض ناچنا شرعاً اور عقلاً سب کے نزدیک برا اور قبیح ہے اور محال ہے کہ جو لوگوں میں افضل ہیں وہ ایسی حرکت کریں۔ لیکن جب سبکی دل میں پیدا ہوتی ہے اور ایک خفقان سر پر غلبہ پا لیتا ہے اور وقت قوی ہو جاتا ہے تو حال اپنی بے چینی پیدا کر دیتا ہے اور رسوم کی ترتیب اٹھ جاتی ہے اور وہ اضطراب جو پیدا ہوتا ہے نہ وہ رقص ہے اور نہ ناچنا ہے نہ طبیعت کی پرورش کرتا ہے بلکہ وہ تو جان گدازی ہے اور جو شخص اس کو رقص کہتا ہے وہ طریق حق سے بہت دور ہے دراصل ایک حال ہے۔ جس کو زبان سے بیان نہیں کر سکتے۔ وَمَنْ لَمْ يَذُقْ لَا يَدْرِىْ اَلنَّظَرَ فِى الْاَحْدَاثِ۔ (اور جس نے چکھا نہیں وہ نوجوانوں میں نظر کرنا نہیں جانتا) فی الجملہ جوانوں میں نظارہ کرنا اور ان کے ساتھ صحبت کرنا ممنوع ہے اس کا جائز سمجھنے والا کافر ہے اور جو اس بارے میں لاتے ہیں۔ وہ باطل اور جہالت کی وجہ سے ہے۔ میں نے جاہلوں کا ایک گروہ دیکھا ہے جو اس کی تہمت کی وجہ سے اہل طریقت کا انکار کرتے ہیں اور میں نے دیکھا ہے کہ انہوں نے اسے ایک مذہب بنا لیا ہے۔ مشائخ رحمہم اللہ نے ان سب باتوں کو آفت سمجھا ہے اور یہ حلولی لوگوں کا مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تیرھویں فصل

گدڑی کے بیان میں

جاننا چاہیئے کہ کپڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا صوفیا کی عادت ہے اور بڑے بڑے مجمعوں میں جہاں بزرگ مشائخ حاضر ہوتے ہیں یہ لوگ بھی چلے جاتے ہیں۔ میں نے علماء کے ایک گروہ کو دیکھا ہے کہ وہ اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ درست کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا جائز نہیں اور یہ فساد کا کام ہے اور محال ہے کہ جس فساد سے درستی مراد ہو وہ بھی درستی ہی ہو۔ اور سب لوگ اپنے درست کپڑوں کو پھاڑ لیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیں پھر اس کو سئیں۔ جیسا کہ کرتے کی آستین اور آگا پیچھا اور نفرین اور جیب ایک دوسرے سے جدا کریں اور پھر اس کو درست کریں۔ یہ محال ہے اور جو شخص اپنے کپڑے کو سو ٹکڑے کر کے آپس میں دوبارہ سی دے اور جو شخص پانچ ٹکڑے کر کے آپس میں سی دے ان دونوں شخصوں میں کچھ فرق نہیں باوجودیکہ ہر ٹکڑے میں جو وہ بناتے ہیں اور پھر آپس میں سی دیتے ہیں، اس سے ایک مومن کے دل کی راحت اور اس کی حاجت کا پورا کرنا ہوتا ہے کہ وہ گدڑی پر سیتا ہے اور اگرچہ کپڑوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے طریقت میں کوئی بنیاد نہیں تاہم سماع کے وقت صحت کی حالت میں نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ فضول خرچی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ لیکن اگر سننے والے کو غلبہ پیدا ہو جائے۔ اور اس سے خطاب اٹھ جائے۔ اور وہ بے خبر ہو جائے۔ تو وہ خود ہوتا ہے۔ جب کسی شخص پر ایسی حالت طاری ہو جائے۔ اگر کوئی جماعت اس کی موافقت میں کپڑے پھاڑے تو جائز ہے۔ اہل طریقت کی تمام گدڑیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جس کو حالتِ سماع میں غلبہ کی وجہ سے درویش خود پھاڑے۔ دوسری وہ کہ ایک جماعت اور اصحاب ایک پیر اور مقتدا کے حکم سے اس کے کپڑے کو پھاڑیں۔ ایک ان میں سے کسی جرم سے استغفار کی حالت میں ہو۔ دوسرا وجد میں بے خودی کی حالت میں ہو اور ان سب خرقوں سے مشکل سماعی خرقہ ہے اور وہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک پھٹا ہوا اور دوسرا درست پھٹے ہوئے

کپڑے کی شرط دو چیزیں ہیں یا تو یہ کہ جماعت کے لوگ اسے سیئیں اور گدڑی والے کو پھر دے دیں یا کسی اور درویش کو دے دیں اور دوسرے ایثار کریں۔ یا تبرک کو ٹکڑے ٹکڑے کریں اور آپس میں تقسیم کر لیں۔ لیکن جب گدڑی درست ہو تو ہم دیکھیں گے کہ اس سماع کرنے والے درویش کی مراد جس نے وہ کپڑا پھینکا ہے کیا ہے؟ اگر اس کی مراد قوال کو دینا ہے تو اس کو ملے اور اگر مراد جماعت کو دینا ہے تو ان کو ملے۔ اگر بغیر کسی مراد کے گرا پڑی ہے تو پیر کے حکم پر موقوف ہے کہ وہ کیا حکم دیتا ہے جماعت کو دی جائے۔ تاکہ وہ ٹکڑے ٹکڑے کر لیں یا ان میں سے کسی ایک کو عطا کرنی چاہیے یا قوال کو دینی چاہیے۔ پس اگر قوال کو دینا مقصود ہے تو درویش کی مراد کے ساتھ اصحاب کی موافقت شرط نہیں ہے کیونکہ وہ کپڑا اس کے اہل کی طرف نہیں جاتا ہے اور اس درویش نے یا تو اپنے اختیار سے دی ہے یا مجبوری سے اور دوسروں کو اس میں کچھ موافقت ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر جماعت کو دینے کی غرض سے وہ خرقہ جدا ہوا ہے تو ان کی مراد سے موافقت شرط ہے اور جب کپڑا پھینکنے میں انہوں نے موافقت کی تو پیر کو نہ چاہیے کہ درویشوں کا کپڑا قوال کو دے دے۔ لیکن یہ روا ہے کہ کوئی دوست ان میں سے کوئی چیز اس قوال پر فدا کر دے۔ اور درویشوں کو کپڑے واپس دیدے یا سب کپڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تقسیم کر دے۔ اور اگر کپڑا غلبہ کی حالت میں پھینکا ہے تو اس میں مشایخ رحمہم اللہ کا اختلاف ہے۔ اور اکثر کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق قوال کو چاہیے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ مَنْ قَتَلَ قَتِيلاً فَلَهٗ سَلَبُهٗ۔ (جس مسلمان سپاہی نے جنگ میں ایک کافر کو قتل کیا۔ اس مقتول کا سامان قاتل سپاہی کو ملے گا۔) اور اگر قوال کو نہ دیں تو وہ طریقت کی شرط سے باہر آ جائیں گے۔ اور ایک گروہ کہتا ہے میں نے بھی اسی بات کو پسند کیا ہے کہ جس طرح قاتل کے متعلق بعض فقہا کے مذہب کے مطابق امام کے حکم کے بغیر مقتول کا کپڑا قاتل کو نہیں دیتے ویسا ہی یہاں پر بھی پیر کے حکم کے بغیر وہ کپڑا قوال کو نہیں دیں گے لیکن اگر پیر کسی کو بھی دینا نہ چاہے تو اس پر کچھ اعتراض نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

چودھویں فصل

سماع کے آداب

جاننا چاہئے کہ سماع کے آداب کی شرطیں یہ ہیں کہ جب تک اس کی ضرورت نہ ہو نہ کیا جائے اور اس کو اپنی عادت نہ بنایا جائے اور دیر دیر سے سماع کیا جائے تاکہ اس کی عظمت دل سے اٹھ نہ جائے اور چاہئے کہ تم جب تک سماع کرو تو تمہارا پیر اس جگہ حاضر رہے اور سماع کا مکان عام لوگوں سے خالی ہو اور قوال بھی شریعت کا احترام کرنے والا متدین ہو۔ دل دنیا کے دھندوں سے خالی اور طبیعت لہو ولعب سے متنفر ہو۔ اور جب تک سماع کی قوت پیدا نہ ہو ضروری نہیں کہ تم اس میں مبالغہ کرو۔ جب قوت زیادہ ہو جائے۔ تو ضروری نہیں کہ اسے اپنے سے دور کرو بلکہ قوت کے تابع رہو جس بات کا وہ تقاضا کرے وہ کرو۔ اگر وہ ہلائے تو ہلو اور اگر نہ ہلائے تو نہ ہلو اور طبیعت کے زور اور وجد کی جلن میں تم فرق کر سکو۔ اور سننے والے کو مشاہدہ کی اتنی دانش ہو کہ فیضان حق کو وہ قبول کر سکے اور اس کی داد دے سکے۔ جب اس کا غلبہ دل پر پیدا ہو جائے۔ تو تکلف سے اس کو اپنے آپ سے نہ ہٹائے۔ جب اس کا زور ٹوٹ جائے تو تکلف سے اس کو اپنی طرف جذب نہ کرے۔ اور اس کی مراد کو اس نیت سے وزن نہ کرے کہ اس میں آزمانے والے کو بہت پراگندگی اور بے برکتی ہو اور اگر قوال اچھا پڑھتا ہے تو اس سے یوں نہ کہے کہ تو اچھا پڑھتا ہے اور اگر اچھا نہ پڑھتا ہو تو برا نہ کہے۔ اور نہ اس کے شعر کو ناموزوں کہے۔ ایسی باتیں طبیعت کو پراگندہ کر دیتی ہے اور یہ نہ کہے کہ اچھی طرح پڑھو۔ اور دل میں اس سے جھگڑا نہ کرے۔ اور اس کو درمیان میں نہ دیکھے اور اسے خدا کے حوالے کرے اور اچھی طرح سے سنے۔ اور اگر ایک جماعت پر سماع طاری ہو گیا ہو اور اس کو اس سے کچھ حصہ نہ ملا ہو تو ضروری نہیں کہ اپنی ہوشیاری کی وجہ سے ان کی بیخودی میں غور کرے اور چاہئے کہ اپنے وقت سے آرام پائے تاکہ اس کو اس سے حصہ ملے اور وقت کے سلطان کی تقویت کرے تاکہ اس کی برکتیں اسے پہنچیں اور میں علی بن عثمان جلابی رحمہ اللہ اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ مبتدیوں کو سماع

نہ سننے دیں تاکہ ان کی طبیعت پریشان نہ ہو جائے کیونکہ اس میں بہت بڑے
خطرے اور خرابیاں ہیں اس لئے کہ عورتیں چھتوں کے اوپر سے اور مکانوں
سے ان کو سماع کی حالت میں دیکھتی ہیں اور اس بات سے سماع سننے والوں
پر سخت پردے پڑ جاتے ہیں اور چاہئے کہ جوانوں میں سے بھی کسی کو وہاں
نہ بٹھائیں اس لئے کہ جاہل صوفیوں نے ان تمام باتوں کو مذہب بنا لیا ہے اور
سچائی کو درمیان سے اٹھا دیا ہے اور میں ان باتوں سے جو اس قسم کی خرابیں
مجھ پر گزری ہیں استغفار کرتا ہوں اور خداوند تعالیٰ سے استعانت کرتا ہوں
کہ میرے ظاہر اور باطن کو خرابیوں سے محفوظ رکھے اور تمہیں اور اس کتاب کے
پڑھنے والوں کو اس کتاب کے حقوق کی رعایت کرنے کی وصیت کرتا ہوں
اور توفیق اللہ کے قبضہ میں ہے۔ آخِرُ كَلَامِنَا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا
كَثِيْرًا كَثِيْرًا۔

تمت

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِمَنْ تَرْجَمَهٗ اِكْتِسَابًا۔ وَلِمَنْ كَتَبَهٗ وَصَحَّحَهٗ وَقَرَأَهٗ
غُفْرَانًا وَلِمَنْ اِهْتَمَّ بِطَبْعِهٖ وَنَشْرِهٖ لِلْحَقِّ تِبْيَانًا بِحُرْمَةِ مَنْ
تَدَبَّرَتْ لَهُمْ مِنْ لَدُنْكَ رِضْوَانًا۔ اٰمِيْن فَاِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ

تلخیصِ کشف المحجوبؒ

کشف المحجوب کا فصل وار خلاصہ

سلیس اور عام فہم زبان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و درود

حمد و حقیقت اس پروردگار کے لئے زیبا ہے جس نے اپنی کبریائی کی تجلیات سے نوعِ انسانی کے مردہ دلوں کو زندہ کیا۔ پروردگار! اپنے حبیب حضرت محمد صلعم پر، ان کے آل و اصحاب پر اور ان کے متبعین پر اپنی کامل رحمت نازل فرما!

فصلِ اوّل

تسمیہ

میں نے حق تعالیٰ سے استخارہ کیا جب اشارہ پایا تو آپؒ کے سوالوں کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھنے کا تہیہ کیا اور پھر مطالب و معانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا نام "کشف المحجوب" رکھا۔

فصل دوم

مصنف کا نام

میں نے کتاب کے شروع میں اور اس کے اندر جابجا اپنا نام اس لئے ثبت کیا تاکہ میرا مقصد بھی پورا ہو اور لوگوں کی نیک دعاؤں سے متمتع بھی ہوتا رہوں۔

فصل سوم

استخارہ

ایک سچے مومن کی یہ واحد نشانی ہے کہ وہ اپنے تمام کاموں کو قضائے الٰہی اور مشیّتِ ایزدی کے سپرد کر دے اور قدم بر قدم اس سے اعانت چاہے۔ تاکہ اس کا کام تکلیف اور پریشانی کے بغیر انجام پائے ——— دنیوی اور اخروی فلاح و بہبود کے لئے فقط انسان کا کسب تدبیر ہی کافی نہیں بلکہ اس کا مدار توفیقِ الٰہی پر ہے۔

فصلِ چہارم

اخلاص

حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ انسان کسی کام میں نفس کی خواہش کو کوئی دخل نہ دے بلکہ محض حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر، کامل خلوص سے ہر کام کو سرانجام دے۔

فصلِ پنجم

نیت کی اہمیت

کسی بھی عمل کرنے میں جب انسان کا ارادہ صحیح نیت پر مبنی ہو، تو خواہ اس عمل میں خلل واقع ہو جائے اور یا وہ پایۂ تکمیل تک کسی وجہ سے نہ پہنچ سکے ۔۔۔ حق تعالیٰ کے حضور وہ انسان ضرور اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ گویا ایک مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

پہلا باب

علم کے بیان میں

ہر مسلمان کے لئے اس قدر علم حاصل کرنا ضروری ہے جس سے اس کا عمل درست ہو سکے کیونکہ علم دین کو جہالت کی موت سے زندگی دیتا ہے اور آنکھوں کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے روشنی عطا کرتا ہے۔

علم و عمل

علم و عمل لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے کہ اسلام نے جہاں عمل کے بغیر علم کی شدید مذمت کی ہے، وہاں علم کے بغیر عمل کرنے والے کو بھی گدھے کی مانند قرار دیا ہے ۔۔۔ دراصل عمل وہ ہے جس کی بنیاد علم پر ہو۔

پہلی فصل

اقسامِ علم

علم کی دو قسمیں ہیں۔ خالق کا علم اور مخلوق کا علم۔ خالقِ حقیقی کا علم قدیم، قائم اور غیر محدود ہے اور ہر شے پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس کے برعکس مخلوق کا

علم حادث، فانی اور محدود ہے۔ خالقِ حقیقی کے وسیع علم کے پیشِ نظر اس کے جملہ احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دینا ہی کمالِ بندگی ہے۔

دوسری فصل

معرفتِ حق

دراصل انسان کا صحیح علم حق تعالیٰ کے احکام اور اس کی ذات و صفات کی معرفت ہے۔ احکامِ الٰہی کے علم کو علمِ شریعت اور اس کی ذات و صفات کے علم کو علمِ حقیقت کہتے ہیں۔ شریعت کے اصول اقرار توحید اور رسالت ہیں اور فروع حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اور علمِ حقیقت کے اصول ذات و صفات کی معرفت ہے اور فروع خلوص، احسان اور تطہیرِ قلب۔ یہ دونوں علوم آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ علمِ ظاہر باطن کے بغیر جہالت اور نفاق ہے اور علمِ باطن ظاہر کے بغیر شیطانی وسوسوں میں پڑ کر جادۂ حق سے بھٹک جانا ہے۔

تیسری فصل

ملحد

جن کا کوئی دین نہ ہو انہیں ملاحدہ کہتے ہیں۔ ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک تو نفسِ علم ہی سے انکار کرتے ہیں اور دوسرا علم کا تو قائل ہے لیکن ان کی نظر میں کسی بھی چیز کے بارے میں علم درست نہیں ہوتا۔ یہ دونوں صریح گمراہی میں مبتلا ہیں اس لئے کہ نفیِ علم جہل ہے اور جہل ہر طبقہ کے نزدیک مذموم ہے۔

چوتھی فصل

معرفت و شریعت

صوفیہ کے نزدیک علم تین ہیں۔ علم باللہ، علم مع اللہ، علم من اللہ۔

علم باللہ سے مراد علمِ طریقت، علم مع اللہ سے مراد مقاماتِ طریقت اور اولیاء کے درجات کا علم اور علم من اللہ سے علمِ شریعت ہے۔

تنبیہ

تین قسم کے علماء سے دور رہو

(۱) غافل علماء سے جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ، شریعت کو اپنے گھر

کی لونڈی اور ظالم امرا کی بارگاہ کو محض جاہ و ثروت کی خاطر اپنی سجدہ گاہ بنالیا ہے ٭

(۲) ریاکار فقرا سے جو فقط اغراض نفسانی کے لئے لوگوں سے جاہ و عزت کی طمع رکھتے ہیں اور بے بنیاد باتوں کی تعلیم دیتے ہیں ۔

(۳) جاہل متصوف سے جس نے نہ تو کسی مرشد کی صحبت میں تربیت پائی ہو اور نہ کسی استاد سے ادب سیکھا ہو ــــ یوں ہی نیلگوں لباس پہن کر اپنے آپ کو صوفی مشہور کر دیا ہو ٭

دوسرا باب

فقر کے بیان میں

حق تعالیٰ کے نزدیک درویش کا بہت بڑا درجہ ہے کیونکہ درویش دنیا کے ظاہری اسباب سے بے نیاز ہو کر قطعی طور پر حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھتا ہے۔ نہ تو وہ دنیوی مال و متاع سے کبھی خوش ہوتا ہے اور نہ اس کے جانے سے غمگین۔ دراصل وہ تو بہ تو الطاف ربانی کی بدولت غنی ہی ہوتا ہے ٭

پہلی فصل

فقر و غنا

یوں تو فقر و غنا دونوں پسندیدہ ہیں لیکن امت کا اتفاق ہے کہ اہلِ صدق اہلِ صدقہ سے بدرجہا بہتر ہیں ٭

دوسری فصل

فقیر

فقیر وہ ہے جس کا نفس ہوس اور طولِ امل سے اور دل دنیا کی جملہ مشکلات سے محفوظ ہو۔ جب نہ ہو تو چپ رہے اور جب ہو تو خرچ کرے ٭

تیسرا باب

تصوّف اور صوفی کے بیان میں

تصوّف یا تو تصفّا سے ماخوذ ہے جس کی ضد "کدورت" ہے یا پھر "اصحاب صفہ" سے ۔۔۔ اور صوفی وہ ہے جس نے اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب اور اپنے نفس کو آفتوں اور بلاؤں سے پاک صاف کر رکھا ہو۔

صوفی کی اقسام

صوفی کی تین قسمیں ہیں۔ صوفی متصوّف مستصوف۔ صوفی وہ ہے جو اپنی ذات سے فانی اور حق تعالیٰ سے باقی ہو۔ متصوّف وہ ہے جو اپنے آپ کو صوفیہ کرام کی عادات و احکام کا پابند بنائے ۔۔۔ اور مستصوف وہ ہے جس نے فقط دنیوی جاہ و عزت کے لئے درویشی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو ۔۔۔ صوفی صاحب وصول متصوّف صاحب اصول اور مستصوف صاحب فضول ہے۔

پہلی فصل

تصوّف کے معنی

(۱) تصوّف نفسانی لذتوں کے چھوڑ دینے کا نام ہے۔

(۲) تصوّف حق تعالیٰ کی صفت ہے جس سے بندہ بقا پاتا ہے۔

(۳) تصوّف نیک خصلت کا نام ہے۔ جو شخص جس قدر بھی اچھے اخلاق رکھتا ہے، وہ سب سے بہتر صوفی ہے۔

دوسری فصل

معاملاتِ تصوّف

صوفی وہ ہے جس کا دل بشری کدورتوں اور مادی آلائشوں سے پاک ہو اور جب کلام کرے تو حقائق و معارف کے موتی اس کے منہ سے جھڑیں اور جب خاموش رہے تو سچی درویشی اس کی خاموشی سے ظاہر ہو۔

تیسری فصل

آداب

تصوّف چند رسوم و علوم کا نام نہیں بلکہ حُسنِ ادب اور اخلاق کا دوسرا نام ہے جو درحقیقت حق تعالیٰ سے معاملات درست رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں پس مرید کے لیئے لازم ہے کہ ہر حالت میں مؤدّب رہے۔ حق تعالیٰ کی بے ریا عبادت۔ اپنے سے بزرگوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کرے اور شیطانی وسوسوں اور نفسانی خواہشات سے دُور رہنا اپنا شیوہ بنالے۔

چوتھا باب

گدڑی پہننا صوفیہ کرام کا شعار ہے۔ خود حضور اکرم صلعم اور ان کے جاں نثار صحابہ کرام پیوندوں والی گدڑی پہنا کرتے تھے۔ گدڑی پہننے سے ایمان میں تازگی اور حلاوت پیدا ہوتی ہے اگر سنت رسولؐ کی پیروی کرتے ہوئے پہنی جائے۔

لیکن موجودہ زمانے میں کچھ دیش ایسے بھی ہیں، جو محض نمائش کے لیئے گدڑی پہنتے ہیں۔ یہ بڑی شنیع حرکت ہے۔

پہلی فصل

گدڑی کی شرطیں۔

گدڑی پہننا اس شخص کے لیئے جائز ہے جس کا دل دنیوی آلائشوں سے پاک اور باطن نورِ معرفت سے آباد ہو۔ شریعت کا پابند اور اولیائے سلف کے بتائے ہوئے طریقوں پر کاربند ہو اور بلند سیرت و کردار کا مالک ہو اور گدڑی محض عجز و انکساری کی خاطر پہنتا ہو۔

دُوسری فصل

ترکِ گدڑی کے اسباب

چونکہ بعض ریاکار اور دنیا پرست صوفیوں نے پشمینہ پہننا شروع کر دیا اور اس کے پردہ میں ناشائستہ اور خلافِ شرع حرکات کرنے لگے۔ اس لیئے حقیقی صوفیہ نے گدڑی پہننے کی عادت ترک کر دی اور دنیا سے کنارہ کش ہو گئے۔ دراصل گدڑی

بظاہر انسان کی طبیعت میں کبر و نخوت کا مادہ محو کر دیتی ہے ورنہ انسان کے لئے سب سے بہتر لباس تقویٰ اور راست بازی ہے۔

پانچواں باب

فقر و صفوت

فقر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں فنائے کل کا نام ہے اور صفوت کمالات انسانی میں سے ایک کمال ہے یا فقر کے مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے لیکن درحقیقت یہ دونوں لفظ یکساں ہیں اس لئے کہ فقر عین فنا ہے اور صفا و صفوت عین بقا۔ جس نے فنا کا درجہ پایا اسے لا محالہ بقا نصیب ہوگئی۔

چھٹا باب

ملامت

ملامت کا طریقہ مشائخ طریقت کے نزدیک بہت پسندیدہ طریقہ ہے۔ اس سے جہاں انسان عُجب، غرور اور خود بینی میں پڑنے سے بچ جاتا ہے وہاں اس کے عشق و محبت میں استحکام بھی پیدا ہوتا ہے۔

یہ حق تعالیٰ کا دستور بھی ہے کہ وہ اپنے مخلص دوستوں کو لوگوں کی نگاہ میں ناپسندیدہ اور مطعون بنا دیتا ہے۔ انبیائے کرام کی زندگی اس کی شاہد ہے۔

پہلی فصل

اقسام ملامت

ملامت کی تین قسمیں ہیں (۱) راست روی یعنی ایک شخص دین اور دنیا کے تمام امور کو کماحقہ سر انجام دیتا ہے۔ باہمی معاملات کی بھی حفاظت کرتا ہے۔ بایں ہمہ مخلوق اسے ملامت کرتی ہے ــــ مگر وہ ان کی ملامت کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے کامل عزم و خلوص سے اپنا کام کئے جاتا ہے (۲) ملامت کا ارادہ یعنی ایک شخص کو لوگوں میں عزت حاصل ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں لیکن وہ اس کو عشقِ سرمدی کی راہ میں حجاب سمجھ کر ایک ایسی حرکت کا ارتکاب کرے جو خلافِ شرع

تو تہ ہو مگر عوام اسے پسند نہ کریں ۔ چنانچہ عوام اس سے متنفر ہو کر ملامت کرنی شروع کر دیں ۔ (۳) ترک کرنا یعنی کسی کو اتنی دنیا و نخوت مرغوب ہو جائے اور ان کی طرف مائل ہو کر شریعت کے تقاضے چھوڑ دے لیکن زبان سے یہ کہے کہ یہ تو ملامت کا طریقہ ہے۔

دوسری فصل

ملامتیہ

فرقۂ ملامتیہ کے بانی شیخ ابو حمدون قصارؒ ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ ملامت اختیار کرنے کا مطلب سلامتی کو ترک کرنا ہے اور اپنے آپ کو بلاؤں اور مصائب میں ڈالنا ہے اور دنیا سے اپنا رشتہ توڑ لینا ہے اور جس نے بھی دنیا سے اپنا رشتہ توڑ لیا وہ واصل بحق ہوا۔ حضرت خواجہ ہجویری فرماتے ہیں کہ ملامت کے طریقہ میں بہت سے روحانی اور باطنی فائدے ہیں ۔ اس میں میری بھی ایک روحانی مشکل حل ہوتی ہے جس کی وجہ سے میں ایک عرصہ تک مضطرب تھا۔

ساتواں باب

تصوف کے امام (خلفائے راشدینؓ)

دراصل صوفیہ کرام کے امام و مقتدا خلفائے اربعہؓ ہیں ۔ سب سے پہلے اہلِ تجرید کے امام اور اہلِ تفرید کے مقتدا حضرت سیدنا ابو بکر الصدیقؓ ہیں جو تمام انسانی آفات سے محفوظ تھے اور کاملِ جود و سخا اور صدق و وفا کے پیکر۔ آپ سے بیشمار کرامتیں ظہور میں آتی ہیں۔ مشائخ نے آپ کو کشف و مشاہدہ میں سب سے مقدم رکھا ہے۔

دوسرے فراست و اصابت کے شہنشاہ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ تھے جو اربابِ مجاہدہ کے سرتاج اور امت کے سب سے بڑے ملہم اور محدث تھے اور حق کے بے باک ترجمان۔ آپ کی بھی لاتعداد کرامتیں ہیں ۔

تیسرے درجہ پر حضرت سیدنا عثمانؓ ہیں جو تسلیم و رضا اور خلت و صفائی کی علامت تھے۔ آپ کے بے شمار مناقب و فضائل اور کرامتیں مشہور ہیں ۔

چوتھے فخرِ موجودات کے برادرِ محترم اولیاء و اصفیاء کے پیشوا حضرت سیدنا ابو الحسن علیؓ ہیں ۔ جو طریقت میں بہت بلند رتبہ رکھتے ہیں اور حقیقت و معرفت کے

تمام اصول کا سرچشمہ ہیں۔ آپ کی ذاتِ اقدس سے بے حساب کرامتیں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔

آٹھواں باب

ائمہ اہل بیت

یوں تو حضور کے اہل بیت اطہار میں سے جو ازلی طہارت و تقدس سے مخصوص ہیں ہر ایک کو معرفت کے حقائق میں حظِ وافر حاصل تھا اور سب کے سب صوفیہ کے برگزیدہ طائفہ کے مقتدا ہیں۔ تاہم ان میں سے حضرت امام حسنؓ۔ امام حسینؓ۔ امام زین العابدینؓ۔ امام باقرؒ۔ اور امام جعفر صادقؒ خاص طور پر علوم ظاہری اور باطنی میں دستگاہ رکھتے تھے اور بہت سی کرامتیں ان سے عالم وجود میں آئی ہیں۔

نواں باب

اہل صُفّہ

تمام امت کا اتفاق ہے کہ اصحاب صفہؓ جن کی بود و باش مسجد نبوی میں تھی اور دنیا سے قطع تعلق کر کے ہمیشہ ذکر الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے اور فقر و مجاہدہ کے باوصف خوش و خرم اور کامل مطمئن تھے حضور اکرم کے پسندیدہ اصحاب تھے حق تعالیٰ کے نزدیک یہ اتنے محترم اور باعظمت تھے کہ حضور اکرم صلعم کو ان کی صحبت اختیار کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ یہ سب اصحاب صوفیہ کے امام اور پیشوا ہیں۔ خصوصاً مسجد نبوی کے موذن حضرت بلالؓ، محرم احوال نبیؐ حضرت سلمان فارسیؓ۔ ابو عبیدہؓ بن جراحؓ۔ عمار بن یاسر۔ عبداللہ بن مسعود۔ مقداد بن الاسود۔ خباب بن حارث۔ صہیب بن سنان رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ان بزرگوں کے بہت سے فضائل و مناقب ہیں اور مشائخ میں ان کی عجیب و غریب کرامتیں مشہور ہیں۔ حضور اکرم صلعم ان کی بڑی قدر کرتے تھے اور ان کو اور ان کی متابعت کرنے والوں کو جنت میں اپنے رفقاء فرمایا ہے۔

دسواں باب

ائمہ تابعین

صحابہ کرام کے بعد تابعین میں بھی بعض بزرگ ایسے تھے جو عالم باطن کے اسرار و معارف کے محرم تھے اور مشائخ کے جلیل القدر مقتدا۔ ان میں سے

(۱) حضرت اویس قرنیؓ ہیں جنہوں نے گو حضور اکرمؐ کا عہد سعید تو پایا تھا لیکن غلبہ حال اور ناتواں والدہ کی خدمت کی وجہ سے دربارِ رسالت میں حاضر نہ ہوسکے آپ حقیقت و معرفت میں بہت بڑی دستگاہ رکھتے تھے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے بارے میں حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ربیعہ اور مضر کے قبیلوں کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر میرے امتی صرف اویس کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔

(۲) ھرم بن حیانؓ ہیں آپ صحابہ کرام کی صحبت کے تربیت یافتہ اور طریقت کے بہت بڑے بزرگ ہیں۔

(۳) خواجہ حسن بصریؒ ہیں۔ آپ اپنے وقت کے امام اور طریقت کے بزرگ ترین مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔

(۴) سعید بن المسیبؓ ہیں۔ آپ باطنی علوم کے ساتھ ساتھ ظاہری علوم کے بھی بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ خصوصاً فقہ، حدیث اور تفسیر میں تو اپنی مثال آپ تھے۔ یہ سب بزرگ اہل طریقت کے امام گزرے ہیں۔ ان کے بہت سے اقوال و عجیب و غریب کرامات ہیں۔

گیارھواں باب

ائمہ تبع تابعین

تبع تابعین میں بھی چند ایسے بزرگ ہیں جنہوں نے احیائے دین اور تجدید سنت نبوی میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان میں سے:

(۱) حبیب العجمیؒ ہیں جو شریعت و طریقت میں مردِ کامل تھے۔ ابتدائے عمر میں گوناگوں گناہوں میں مبتلا رہے لیکن خواجہ حسن بصریؒ کے ہاتھ پر توبہ کی اور مقبول

درگاہ الٰہی بنے۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم کے بہت بڑے فاضل تھے اور حق تعالیٰ نے بے شمار کرامتوں سے مختص فرمایا تھا۔

آپ کا ارشاد ہے "نفاق خلافِ وفاق ہے اور رضا مین وفاق ہے۔ نفاق منافقین کی علامت ہے اور رضا مخلصین کی۔"

(۲) ان میں سے مالک بن دینارؒ ہیں۔ ابتدا میں تو سخت لہو و لعب میں مشغول تھے لیکن بالآخر خواجہ حسنؒ کے دستِ مبارک پر توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اہلِ طریقت کے نزدیک آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے، جو اخلاص سے کیا جائے کیونکہ اخلاص عمل کے لئے ایسا ہے جیسے جسم کے لئے روح اگر روح ہے تو جسم زندہ ہے ورنہ مردہ۔"

(۳) اولیاء کے مقتدا حبیب بن اسلم راعی ہیں۔ آپ سلمان فارسیؓ کی صحبت یافتہ تھے اور دریائے فرات کے کنارے بود و باش رکھتے تھے۔ مشائخ میں آپ کا بہت بلند رتبہ ہے۔ لاتعداد کرامتیں آپ سے ظہور میں آئی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"اپنے دل کو حرص کا محل اور شکم کو حرام کا گھر نہ بنا۔"

(۴) ابوحازم مدنیؒ ہیں۔ طریقت کے معاملات میں آپ کا بہت بلند درجہ تھا اور آدابِ فقر و مجاہدہ میں ایک مکمل ضابطہ کے حامل تھے۔ مشائخ میں آپ کا کلام نہایت پسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔

آپ کا ارشاد ہے: "حق تعالیٰ کی رضا اور مخلوق سے بے نیازی بڑی دولت ہے اور جو بندہ حق تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے وہ مخلوق سے مستغنی ہی ہوتا ہے۔"

(۵) محمد بن واسعؒ ہیں۔ اربابِ کشف و مجاہدہ میں آپ کا کوئی مثیل نہ تھا۔ کئی ایک تابعین کی صحبت سے استفادہ کیا۔ علومِ طریقت میں حظِ وافر کے مالک تھے۔

آپ فرماتے تھے:

"کہ میں نے دنیا میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں دیکھی جس میں میں نے حق کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔"

اور یہ حقیقت ہے کہ بندہ جب عشقِ الٰہی میں محو ہو جاتا ہے تو جب کسی

فعل کو دیکھتا ہے تو اسے فعل نہیں بلکہ فاعلِ حقیقی ہی دکھائی دیتا ہے۔

(۶) ابو حنیفہ نعمان بن ثابت ہیں جو اماموں کے امام۔ مجاہدات و عبادات میں کامل۔ ظاہری اور باطنی علوم و فنون کے متبحر عالم مجتہد اور صاحب مذہب ہیں۔ ابتدا میں آپ نے گوشہ نشینی اختیار کی تھی لیکن ایک دفعہ آپ نے حضور اکرم صلعم کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے تمہیں میری سنت کو زندہ کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اسی روز سے گوشہ نشینی ترک کر کے علومِ اسلامی کا درس دینا شروع کیا۔

آپ کے بہت سے فضائل و مناقب ہیں یحییٰ ابن معاذ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے حضور اکرمؐ کو خواب میں دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا ابو حنیفہؒ کے علم میں۔ آپ بہت سے علمی اور اجتہادی فوائد اور کرامات سے مخصوص ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"علم عمل کے بغیر ایسا ہے جیسے جسم روح کے بغیر جس نے عمل نہ کیا تو گویا اس کے پاس علم ہی نہیں۔"

(۷) عبداللہ بن مبارکؒ ہیں۔ آپ شریعت و طریقت میں اپنے وقت کے امام تھے۔ ابتدائے عمر میں آپ لہو و لعب میں مشغول تھے لیکن آخر توبہ کی اور کثرتِ ریاضت و مجاہدہ سے بہت بلند درجہ حاصل کیا۔

آپ کا ارشاد ہے:

"کہ حق تعالیٰ کے دوستوں کا دل کبھی بھی ساکن نہیں ہوتا کیونکہ دل کو دو چیزوں سے تسکین ہوتی ہے حصولِ مقصود سے یا حصولِ مقصود سے غفلت برتنے سے غور دنیاوعقبیٰ میں یہ دونوں جائز نہیں۔"

(۸) ابو علی فضیل بن عیاضؒ ہیں۔ آپ معاملات و حقائق میں فردِ کامل تھے شروع میں تو مشہور ڈاکو تھے اور ہر وقت قافلوں کو لوٹنے کے لئے کمین گاہ میں بیٹھے رہتے تھے لیکن بالآخر حق تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عنایت فرمائی اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہو کر مکہ معظمہ کے مجاور بن گئے۔ تصوف میں اپنے وقت کے سردار اور نہایت ہی فیج القدر

تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جس نے حق تعالیٰ کو اس طرح پہچان لیا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے، وہ پوری طاقت سے اس کی عبادت کرتا ہے۔"

(۹) ابو الفیض ذوالنون ابن ابراہیم مصریؒ۔ آپ اہل طریقت کے بہت بڑے دانش مندوں میں سے ایک تھے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی میں طریقِ ملامت اختیار کیا ہُوا تھا جس کی وجہ سے کسی کو آپ کے معنوی حسن وجمال کا علم نہ ہو سکا جب آپ کا انتقال ہُوا تو لوگوں نے آپ کی پیشانی پر یہ لکھا ہوا پایا:

"یہ اللہ کے حبیب ہیں اور اللہ ہی کی محبت میں فنا ہو گئے۔"

دوسرے یہ کہ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو پرندوں نے جمع ہو کر اپنے پَروں سے آپ کے جنازہ پر سایہ کیا۔

آپ کا ارشاد ہے کہ:

"عارف جُوں جُوں خدا کے قریب ہوتا ہے اسی قدر اس کا خشوع اور تحیّر بڑھتا چلا جاتا ہے۔"

(۱۰) ابراہیم بن ادہمؒ۔ آپ اپنے وقت کے بہت بڑے امام اور پیشوا تھے۔ بہت سے مشائخ کے صحبت یافتہ اور پروردہ تھے۔ ابتدا میں آپ بلخ کے بادشاہ تھے لیکن ایک خارقِ عادت واقعہ سے متاثر ہو کر تخت وتاج کو خیرباد کہہ دیا اور زہد وتقویٰ کا طریقہ اختیار کیا۔ آپ لاتعداد کرامتوں سے متحقق ہیں۔

سیدالطائفہ جنیدؒ آپ کی شان میں فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم علومِ شریعت کی کنجی ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"مخلوق کو چھوڑ کر حق تعالیٰ کو دوست بنا۔"

(۱۱) بشر حافیؒ ہیں۔ آپ فضیل کی صحبت کے پروردہ اور مجاہدہ وعبادت میں بہت اونچے مقام رکھتے۔ اصول وفروع کے بڑے متبحر فاضل تھے۔ ایک دن آپ منی کے بازار میں چلے جا رہے تھے کہ راستہ میں کاغذ کا ایک پرزہ پڑا ہُوا پایا۔۔۔ جس پر

بسم اللہ شریف لکھی ہوئی تھی۔ آپ نے ازراہِ تعظیم اسے اٹھالیا اور معطر کر کے کسی پاک جگہ رکھ چھوڑا۔ اسی رات آپ نے عالمِ خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھا۔ آپ سے حق تعالیٰ نے فرمایا اے بشر! تو نے میرے نام کی عزت کی میں تیرے نام کو دنیا و آخرت میں معزز کردوں گا۔ چنانچہ آپ نے گناہوں سے توبہ کی اور زہد و ریاضت کا طریقہ اختیار کیا۔

آپ کا ارشاد ہے:

کہ اگر کوئی چاہے کہ دنیا و آخرت میں عزت حاصل کرے تو اُسے
تین باتوں پر عمل پیرا ہونا چاہیئے:۔
(۱) کسی سے اپنی حاجت بیان نہ کرے۔
(۲) کسی کو برائی سے یاد نہ کرے۔
(۳) کسی کا مہمان نہ ہو۔"

(۱۲) ابویزید طیفور بن عیسیٰ بسطامیؒ ہیں۔ آپ بزرگ ترین مشائخ کرام میں سے گنے جاتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں۔ ابویزید بسطامیؒ ہم میں ایسے ہیں جیسے جبرائیل فرشتوں میں ہیں۔ آپ سے حضور اکرم صلعم کی بے شمار احادیث مروی ہیں۔ تصوف کے دس اماموں میں سے ایک آپ ہیں۔ اپنے تمام حواس کو حق تعالیٰ کی ذاتِ اقدس میں فنا کر چکے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر میں نے علم اور اس پر عمل کرنے سے
بڑھ کر اور کسی چیز کو مشکل نہ پایا۔"

(۱۳) حارث بن اسدؒ ہیں۔ آپ اصول و فروع کے بہت بڑے عالم تھے اور اپنے وقت کے تمام اہلِ علم کے مرجع۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں تصوف کے موضوع پر "الرغائب" نامی کتاب کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپ کا ارشاد ہے:

"وہ علم جس سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو عمل سے بدرجہا
بہتر ہے بلکہ علم بذاتِ خود اعمالِ حسنہ کا خوبصورت مجموعہ ہے"

نیز آپ کا ارشاد ہے:

"زندہ رہنا ہے تو حق کے لئے وہ۔ ورنہ معدوم ہو جا!"

(۱۴) ابو سلیمان داؤد بن طائی ہیں۔ آپ امام ابی حنیفہ کے شاگرد خاص اور اہلِ تصوف کے سردار تھے۔ فقہ میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ آپ کے بے شمار فضائل و مناقب ہیں اور بہت سی کرامتوں سے متعلق ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے کہ:

"اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو دنیا کو چھوڑ اور اگر عزت چاہتا ہے تو عاقبت کی فکر کر۔"

(۱۵) ابوالحسن سری ابن مغلس سقطی ہیں۔ آپ حبیب راعیؒ کی صحبت کے پروردہ اور بہت بڑے عالم تھے۔ دراصل آپ ہی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے طریقت کے احوال و نکات واضح کیے۔ حضرت معروف کرخیؒ کے معتقد اور حضرت جنید بغدادیؒ کے خالو تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"دوزخ میں حجاب سے سخت تر کوئی عذاب نہیں اور جنت میں کشف سے کامل تر کوئی نعمت نہیں۔"

(۱۶) ابو علی شقیق بن ابراہیم ازدیؒ ہیں۔ آپ شریعت و طریقت کے تمام علوم کے بے بدل عالم تھے۔ تصوف میں آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ ابراہیم بن ادھم کے مرید اور کئی مشائخ کی صحبت کے پروردہ ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"حق تعالیٰ اپنے طاعت شعار بندوں کو مرنے کے بعد بھی زندہ رکھتا ہے لیکن نافرمان زندہ ہونے کے باوجود مردوں سے بدتر ہیں۔"

(۱۷) ابو سلیمان عبدالرحمان عطیہؒ درانی ہیں۔ آپ اپنے وقت کے بے مثال عالم حقیقت و روحانیت اہلِ تصوف کے امام اور اپنی قوم کے بہت بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔ روحانی اور باطنی کمالات آپ نے سخت ریاضت و مجاہدہ کے بعد پائے تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جب دنیوی توقعات و خواہشات خوفِ الٰہی پر غلبہ پا لیتی ہیں تو زمانے میں ظلم و گناہ اور فساد فروغ پاتا ہے۔"

(۱۸) معروف بن فیروز کرخیؒ ہیں۔ آپ قدیم مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ شریعت و حقیقت کے علوم کے فاضل اجل تھے۔ تقویٰ اور جوانمردی میں تمام اہل طریقت کے نزدیک ایک مخصوص مقام رکھتے تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

جوانمردی کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱) وفا جس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

(۲) کسی طمع اور لالچ کے بغیر مستحق تعریف کی تعریف۔

(۳) سوال کئے بغیر غریب اور مستحق کی امداد۔

(۱۹) ابو عبدالرحمن حاتم بن عنوان اصمؒ ہیں۔ آپ بلخ کے بہت بڑے صاحب شوکت بزرگوں میں گنے جاتے تھے۔ حضرت شقیقؒ کے مرید اور خضرویہؒ کے استاد تھے۔ طریقت کے حالات و دقائق پر آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"شہوت تین قسم کی ہے:۔

(۱) کھانے پینے میں شہوت (۲) گفتگو میں شہوت اور

(۳) دیکھنے سننے کی شہوت

لہٰذا حق تعالیٰ پر بھروسہ کر کے حلال کھاؤ۔ زبان کو صدق و راستی کے لئے اور آنکھ عبرت و مشاہدہ کے لئے وقف کرو۔"

(۲۰) امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعیؒ ہیں۔ ابتدا میں آپ صوفیہ کرام سے دور رہتے تھے لیکن حضرت شیبان راعیؒ کی زیارت کے بعد اس مقدس گروہ کے شیدائی بنے۔ آپ شریعت اور طریقت کے جملہ علوم کے فاضل اور اپنے وقت کے امام تھے۔ چار مشہور صاحب مذہب ائمہ میں سے ایک آپ ہی ہیں۔ آپ نے حضرات امام مالکؒ اور محمد بن حسن عراقی سے اکتساب فیض کیا ہے۔ آپ احادیث رسول کے ثقہ حافظ اور بہت بڑے فقیہ اور مجتہد مانے جاتے ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جب تو کسی عالم کو دیکھے کہ وہ محض چکنی چپڑی باتوں اور تاویلات

میں مشغول رہے، تو خوب سمجھ لے کہ وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کیلئے
مفید نہیں ہو سکتا۔"

(۲۱) ابو عبد اللہ احمد بن حنبلؒ ہیں۔ آپ اہل سنت وجماعت کے چیدہ امام ہیں۔ بہت بڑے حافظِ حدیث اور فقیہ تھے۔ خصوصاً ورع اور تقویٰ میں اہل علم کے نزدیک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ بہت سی کرامات اور عجیب و غریب واقعات سے آپ مخصوص ہیں۔

ایک دفعہ کسی نے آپ سے پوچھا اخلاص کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا
"اعمال کا تمام آفات سے رہائی پانا اخلاص ہے۔"

(۲۲) ابو الحسن احمد بن ابی الحواریؒ ہیں۔ آپ شام کے بزرگ مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ ابو سلیمان درانی کے مرید اور سفیان ابن عیینہؒ کے پروردۂ صحبت تھے شریعت اور طریقت کے جملہ علوم کے عالم تھے۔ حضور اکرمؐ کی کئی احادیث آپ سے مروی ہیں۔ دنیا اور اسباب سے سخت متنفر تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔ کتا تو مردار کھا کر
سیر ہو جاتا ہے لیکن دنیا دار کی حرص کبھی ختم نہیں ہوتی۔"

(۲۳) ابو حامد احمد بن خضرویہؒ۔ آپ اپنے وقت کے بلند حال بزرگ اور خاص و عام کے پسندیدہ تھے۔ آپ تصوف اور معرفت کے اسرار دقائق میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ کی اہلیہ بھی جو شاہ بلخ کی صاحبزادی تھیں۔ احوالِ طریقت میں باعظمت خاتون مانی جاتی ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"اپنے فقر کی عزت کو لوگوں سے چھپائے رکھ اور اگر تیرا فقر خود
بخود ظاہر ہو جائے تو یہ حق تعالیٰ کی بڑی کرامت ہے۔"

(۲۴) عسکر بن الحسین نسفیؒ ہیں۔ آپ خراسان کے بہت بڑے مشائخ میں سے گزرے ہیں۔ بڑے زاہد اور متقی تھے۔ آپ بے شمار کرامات اور حیرت انگیز واقعات سے مخصوص ہیں۔ آپ نے آبادی کو چھوڑ کر جنگلوں میں رہائش اختیار کی تھی وفات

بھی بصرہ کے جنگل میں پائی۔

آپ کا ارشاد ہے:

"فقیر کی روزی وہ ہے جو اسے ملے اس کا لباس اتنا ہے جس سے وہ اپنا بدن ڈھانپ سکے اور اس کا مسکن وہ ہے جہاں وہ اتر پڑے اور اس میں تکلف کرنا غفلت ہے"

(۲۵) ابوزکریا یحییٰ بن معاذؒ ہیں۔ آپ بہت بڑے عالی ہمت اور نیک سیرت بزرگ گزرے ہیں۔ خوف و رجا کے دقائق پر بہمہ وجوہ حاوی تھے۔ معرفت و طریقت میں آپ کے بہت سے عمدہ نکات اور تصانیف ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جوانمردی یہ ہے کہ انسان خود تو انصاف کرے مگر اپنے لئے انصاف کا تقاضا نہ کرے۔"

(۲۶) ابوصالح حمدون بن احمدؒ ہیں۔ آپ کا کبارِ مشائخ میں شمار ہوتا ہے آپ جملہ علوم کے فاضل اور بے مثل عالم تھے اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ مذہب میں ثوریؒ اور طریقت میں ابوتراب نخشبی کے پیرو تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"وعظ و نصیحت اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس کی خاموشی سے دین میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو۔"

(۲۷) ابوحفص عمرو بن سالم نیشاپوری ہیں۔ آپ خراسان کے بڑے مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔ اربابِ وجد میں آپ کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔

ایک دفعہ بغداد کے مشائخ نے آپ سے پوچھا "جوانمردی کے کیا معنی ہیں؟" آپ نے فرمایا:

"میرے نزدیک جوانمردی کے معنے یہ ہیں کہ عدل و انصاف کے تمام تقاضے کسی توقع کے بغیر مکمل دیانت داری سے پورے کئے جائیں۔"

(۲۸) ابوالسری منصور بن عمارؒ ہیں۔ آپ عراق اور خراسان کے بزرگ مشائخ میں بہت مقبول تھے۔ ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے علوم کے متبحر عالم تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں:-

(۱) اپنے نفس کو پہچاننے والے (۲) خدا کو پہچاننے والے

جس نے اپنے نفس کو پہچانا، اس کا شغل ریاضت و مجاہدہ ہوتا ہے اور جس نے خدا کو پہچانا اسے تسلیم و رضا کی طلب ہوتی ہے۔"

(۲۹) ابو عبداللہ احمد بن عاصم انطاکیؒ ہیں۔ آپ قوم کے بلند پایہ سردار اور شریعت کے اصول و فروع کے عالم تھے۔ حضرت فضیلؒ کی صحبت کے پروردہ اور محاسبیؒ کے مرید تھے۔ تصوف میں آپ کے کلام و لطائف کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"دنیا کی زیبائش اسباب کی موجودگی سے ہے لیکن فقر کی زیبائش توکل علی اللہ سے ہے۔"

(۳۰) ابو محمد عبداللہ بن خفیفؒ ہیں۔ آپ بہت بڑے زاہد اور پرہیزگار تھے طریقت کے احوال میں بلند پایہ روایات آپ سے مروی ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی اطمینان کے ساتھ بسر ہو، وہ اپنے دل میں حرص کو جگہ نہ دے۔"

(۳۱) اہل طریقت کے شیخ اکبر اور شریعت کے مقتدائے اعظم اماموں کے امام ابو القاسم جنید بن محمد بغدادیؒ ہیں۔ آپ اہل باطن اور اہل ظاہر دونوں کے نزدیک یکساں طور پر مقبول تھے۔ اصول، فروع اور معاملات میں اپنے وقت کے مفتی اور بے عدیل امام تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"انبیائے کرام کا کلام عالم لاہوت اور عین حضور کی خبر دیتا ہے اور صدیقوں کا کلام مشاہدہ کی۔"

(۳۲) ابو الحسن احمد بن محمد نوریؒ ہیں۔ آپ بہت بڑے فصیح و بلیغ ریاضت و مجاہدہ کے آداب بجا لانے والے اور صوفیوں کے مشہور فرقہ نوری کے بانی تھے۔

حضرت جنیدؒ کے رفیق اور سری سقطیؒ کے مرید تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جو شخص عشقِ الٰہی سے کائنات کو دیکھتا ہے تو یہ مالکِ حقیقی کی طرف اس کی رہنمائی کرتی ہیں۔"

(۳۳) ابوعثمان سعید بن اسمٰعیل حیریؒ ہیں۔ اہلِ تصوف میں آپ کا بہت بڑا درجہ ہے اور یحییٰ ابن معاذ اور شاہ شجاع کرمانی کی صحبت کے تربیت یافتہ ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جس شخص کو حق تعالیٰ اپنی معرفت عطا کرے اس کے لئے مناسب نہیں کہ اپنے نفس کو معصیت سے ذلیل کرے۔"

(۳۴) ابوعبداللہ احمد بن یحییٰ جلالی ہیں۔ آپ اپنے وقت کے بلند درجہ بزرگ تھے۔ تصوف کے متعلق آپ کی نہایت عمدہ اور نفیس روایات ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"عارف باللہ کی تمام جدوجہد رضائے الٰہی کے لئے ہوتی ہے۔"

(۳۵) ابومحمد رویم بن احمدؒ ہیں۔ آپ اپنے زمانہ میں بزرگ مشائخ میں سے تھے ظاہری اور باطنی علوم کے عالم تھے۔ تفسیر حدیث، فقہ اور تجوید میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔

ایک روز کسی شخص نے آپ سے پوچھا "آپ کا کیا حال ہے؟" آپ نے جواب دیا۔ "اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کا مذہب خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتا ہو جس کی تمام محنت امورِ دنیا تک محدود ہو۔ جو نہ راست باز ہو نہ متقی اور نہ ہی اللہ کی معرفت رکھتا ہو۔"

(۳۶) ابویعقوب یوسف بن حسینؒ رازی ہیں۔ آپ اپنے وقت میں تصوف کے امام تھے۔ ذوالنون مصریؒ کے مرید اور کئی مشائخ عظام کے پروردہ تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"اس شخص سے بڑھ کر کوئی ذلیل تر نہیں جو راہِ تصوف اختیار کرنے کے باوجود جاہ پرست ہو۔"

(۳۷) ابوالحسن سمنون بن عبداللہ خواصؒ ہیں۔ آپ اپنے زمانہ میں بے مثل بزرگ

اور محب الٰہی تھے۔ ہم عصر شائخ آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔
آپ کا ارشاد ہے:
"محب اور محبوب کے لطیف جذبات اور دلی واردات کی ترجمانی الفاظ میں نہیں کی جا سکتی۔"

(۳۸) ابوالفوارس شاہ شجاع کرمانیؒ ہیں۔ آپ ایک شہزادے تھے۔ ابوتراب بخشی اور دوسرے اکابر مشائخ سے اکتساب فیض کیا تھا۔ تصوف کے موضوع پر آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں جن میں "مرآۃ الحکما" زیادہ مشہور ہے۔
آپ کا ارشاد ہے:
"ولی وہ ہے جو اپنی ولایت کو نہ دیکھے اور جب وہ اپنی ولایت کو دیکھے۔ اس کی ولایت نہ رہے گی۔"

(۳۹) عمر بن عثمان مکیؒ ہیں۔ آپ علم حقیقت میں وقت کے امام تھے اور اس میں آپ کی کئی تصانیف ہیں۔
آپ کا ارشاد ہے۔
"اولیاء کی قلبی اور باطنی کیفیات پر الفاظ حاوی نہیں ہو سکتے۔"

(۴۰) ابو محمد سہل بن عبداللہ تستریؒ ہیں۔ آپ اپنے وقت کے امام و پیشوا اور شریعت و حقیقت کا نہایت حسین مجموعہ تھے۔
آپ کا ارشاد ہے:
"حقیقی فہم و فراست خلوص کے ساتھ احکام الٰہی کی پیروی ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ بے شعور ہے۔"

(۴۱) ابو محمد عبداللہ بن فضل بلخیؒ ہیں۔ آپ عراق و خراسان کے نہایت محبوب و پسندیدہ بزرگ گزرے ہیں۔
آپ کا ارشاد ہے:
"اس شخص پر تعجب ہے جو جنگلوں اور خطرناک بیابانوں کو طے کرتا ہوا مکہ معظمہ پہنچتا ہے جس میں انبیاء کے آثار ہیں لیکن وہ اپنے نفس کے جنگلوں اور معصیت کے دریا کو عبور کر کے اپنے دل تک رسائی

حاصل نہیں کرتا جس میں اس کے پروردگار کے آثار ہیں۔"

(۴۲) محمد بن علی ترمذیؒ ہیں۔ آپ علوم ظاہری اور باطنی کے امام اور بہت بڑے صاحب کرامات بزرگ ہیں۔ مختلف علوم میں آپ کی بلند پایہ تصانیف ہیں۔ مذہب میں امام اعظمؒ کے پیرو ہیں۔ احادیث میں آپ کی اسناد عالی مرتبہ سمجھی جاتی ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جو شخص علم شریعت نہیں جانتا۔ وہ اصول عبودیت سے واقف نہیں ہوتا"

(۴۳) ابو بکر محمد بن عمرؒ ہیں۔ آپ بہت بڑے زاہد اور متقی بزرگ اور محمد بن علی ترمذی کے پروردہ تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"لوگوں کے تین گروہ ہیں:۔ (۱) علماء (۲) امراء اور (۳) فقراء
جب علماء گمراہ ہو جاتے ہیں تو شریعت کے اتباع میں خلل واقع ہو جاتا ہے جب امراء گمراہ ہو جاتے ہیں تو قوم کا اقتصادی اور معاشرتی ڈھانچہ تباہ ہو جاتا ہے اور جب فقراء گمراہ ہو جاتے ہیں تو اخلاق کو ضعف پہنچتا ہے۔"

(۴۴) ابو سعید احمد خرازؒ ہیں سب سے پہلے جس شخص نے فنا و بقا کے راستہ کی اصلاح کی اور اس کے اصول مرتب کئے وہ آپ ہی ہیں۔ تصوف میں آپ کی کئی بصیرت افروز تصانیف ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"اس شخص پر تعجب ہے کہ حق تعالیٰ کو محسنِ حقیقی تسلیم بھی کرے لیکن پھر بھی اس کی طرف مائل نہ ہو۔"

(۴۵) ابوالحسن علی بن محمدؒ اصفہانی ہیں معرفت میں آپ کے نہایت عمدہ نکات ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"خدا کی درگاہ میں حضور خدا پر یقین رکھنے سے زیادہ افضل ہے۔"

(۴۶) ابوالحسن محمد بن اسمٰعیل خیر النساجؒ ہیں۔ آپ اپنے وقت کے نہایت

اچھے اور عمدہ واعظ تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"ایمان اور تقویٰ دونوں لازم و ملزوم ہیں جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں تقویٰ کا ہونا لازمی ہے۔"

(۴۷) ابو حمزہ خراسانیؒ ہیں۔ اکابر مشائخ میں آپ کا شمار ہوتا ہے بہت بڑے زاہد اور متوکل علی اللہ تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"اصل فقیر وہ ہے جس کو محبت نے وحشی بنا دیا ہو۔"

(۴۸) ابو العباس احمد بن مسروقؒ ہیں۔ آپ خراسان کے جلیل القدر بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ ظاہری اور باطنی علوم کے بے بدل فاضل تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جو شخص اللہ کو چھوڑ کر دنیا سے لو لگائے تو اسکی خوشی در حقیقت غم ہے۔"

(۴۹) ابو علی بن حسن جرجانیؒ ہیں آپ اپنے وقت کے بے نظیر امام تھے۔ محمد بن علی ترمذیؒ کے مرید اور ابو بکر وراق کے ہم عصر تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"تمام مخلوقات کی قرارگاہ میدان غفلت ہے۔"

(۵۰) ابو محمد بن حسین حریریؒ ہیں۔ آپ تمام علوم پر حاوی تھے خصوصاً فقہ اور تصوف میں بہت اونچا درجہ رکھتے تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"دین اور بدن کی اصلاح تین چیزوں پر منحصر ہے اکتفا، اتقار اور رزق حلال۔"

(۵۱) ابو العباس احمد بن محمد بن سہل آملیؒ ہیں۔ آپ علم ظاہری اور باطنی کے بہت بڑے فاضل تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"ان چیزوں سے راحت پانا جن سے طبیعت کو الفت ہوتی ہے

مومن کو حقیقت کے درجہ سے گرا دیتی ہیں۔"

(۵۲) ابوالمغیث الحسین بن منصور حلاج ؒ ہیں۔ آپ اہل حال اور مستوں میں سے ہوئے ہیں۔ گو مشائخ ان کی ولایت میں اختلاف رکھتے ہیں لیکن ان میں ولایت کی بعض نشانیوں کے پیش نظر ہم انھیں بزرگ ہی سمجھتے ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"زبان بولتی ہے لیکن اس کے بولے ہوئے الفاظ سے صحیح مطلب اخذ کرنے میں بہتوں کو دھوکہ لگ جاتا ہے۔"

(۵۳) ابواسحاق ابراہیم بن احمدؒ ہیں۔ آپ توکل میں بہت بڑی شان رکھتے تھے۔ تصوف میں آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"تمام علم دو کلموں میں جمع کیا گیا ہے:
ایک یہ کہ حق تعالیٰ نے جس چیز کی آرزو تیرے دل سے نکال دی ہے۔ اس کے لئے تکلف نہ کر۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے جس چیز کا کرنا تجھ پر فرض کیا ہے، اس کو ضائع نہ کر۔"

(۵۴) ابوحمزہ بغدادیؒ ہیں۔ آپ اپنے وقت کے ایک مشہور واعظ اور محدث تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"حقوق دو قسم کے ہیں، ایک تیرے نفس کا، ایک مخلوق کا۔ جب تو اپنے نفس کو برے کاموں سے ہٹا لے گا تو اس کا حق تو نے ادا کیا اور جب تو مخلوق کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچائے گا تو اس کا حق بھی تو نے ادا کیا۔"

(۵۵) ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطیؒ ہیں حقیقت میں آپ بہت اونچا درجہ رکھتے تھے اور مشائخ میں بہت مقبول تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جو شخص بکثرت حق تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اس کے باطنی واردات عوام سے مخفی ہوتے ہیں۔"

(۵۶) ابوبکر بن دلف بن حمد شبلیؒ ہیں طریقت میں آپ کی زندگی مہذب اور نہایت پاکیزہ تھی۔

آپ کا ارشاد ہے:

"ظاہری آنکھ ممنوع چیزوں کے دیکھنے سے باز رکھی جائے اور باطنی آنکھ غیر اللہ کے دیکھنے سے۔"

(۵۷) ابو محمد بن جعفر خالدیؒ ہیں۔ آپ کو تصوف کے اسرار و نکات پر کامل عبور حاصل تھا۔ آپ کا ارشاد ہے:

"توکل کے صحیح معنے یہ ہیں کہ انسان کا دل مادی اسباب کے ہونے نہ ہونے میں کوئی فرق محسوس نہ کرے۔"

(۵۸) ابو علی محمد بن قاسم رودباریؒ ہیں۔ آپ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے تصوف میں بہت بلند درجہ کے مالک تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"تسلیم و رضا درویش کا پہلا مقام ہے اور عشق و فنا آخری۔"

(۵۹) ابو العباس قاسم سیاریؒ ہیں۔ ظاہری علوم کے علاوہ حقیقت کے بھی آپ بہت بڑے فاضل تھے اور اس میں آپ کی کئی مشہور کتابیں ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"صحیح توحید یہ ہے کہ حق کے سوا تیرے دل میں کسی چیز کا گزر نہ ہو۔"

(۶۰) ابو عبداللہ محمد بن خفیفؒ ہیں۔ آپ اپنے وقت میں تمام علوم کے امام مانے جاتے تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"توحید کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے نفس اور طبیعت سے منہ موڑ لے"۔

(۶۱) ابو عثمان سعید بن سلام مغربیؒ ہیں۔ آپ بہت سی کرامات سے مخصوص اور صاحب تمکین بزرگ تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جو شخص فقراء کی صحبت چھوڑ کر اہل ثروت کی صحبت اختیار کرتا

حق تعالیٰ اس کے دل کو مُردہ بنا دیتا ہے۔"

(۶۲) ابوالقاسم ابراہیم بن محمد نصر آبادیؒ ہیں۔ آپ خوارزم کے حکمران تھے لیکن تخت و تاج چھوڑ کر راہ طریقت اختیار کی۔ بے مثال عالم اور صاحب تخصیص تھے۔

آپ کا ارشاد ہے:

"جب بندہ سچے دل سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر لیتا ہے تو ولایت کا مقام حاصل کر ہی لیتا ہے۔"

(۶۳) ابوالحسن علی بن ابراہیم حضرمیؒ ہیں۔ آپ بارگاہِ الٰہی کے باحشمت بزرگوں میں سے تھے۔ تصوف میں نہایت نفیس کلام کے مالک ہیں۔

آپ کا ارشاد ہے:

"میرے بُرے بھلے کا محاسبہ چھوڑ دو کیونکہ میں اس آدم کی اولاد میں سے ہوں جس نے اپنے پروردگار کے پہلے حکم کی بھی مخالفت کی تھی۔"

بارھواں باب

صوفیائے متاخرین

حضور اکرم صلعم فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق اپنی زمین کو اولیاء اور مخلص رہنماؤں سے کسی وقت بھی خالی نہیں چھوڑتا خصوصاً میری امت پر کوئی ایسا وقت نہیں گزرے گا جس میں کچھ آدمی بھلائی پر نہ ہوں بلکہ یہ ہمیشہ اولیائے کرام کے انفاس قدسیہ سے تازہ اور بالیدہ رہے گی۔ میں آئندہ سطور میں موجودہ زمانے کے چند ایسے بزرگوں کا ذکر کرتا ہوں جو امتِ مسلمہ کو اپنے روحانی فیوض سے متمتع کر رہے ہیں ان میں سے:

(۱) ابوالعباس احمد قصابؒ ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"جو شخص حق تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط رکھتا ہے اس کا دل ہمیشہ مسرور رہتا ہے۔"

(۲) ابوسعید فضل اللہ بن محمد مہینیؒ ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"تصوف کے معنے یہ ہیں کہ بندہ اپنے مالک حقیقی کا باوفا بندہ رہے"

(۳) ابو علی بن حسین دقاق ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"جس نے وحدہ لا شریک کے سوا مخلوقات میں سے کسی سے الفت اختیار کی۔ اس نے اپنی روحانی حالت کا خون کیا۔"

(۴) ابو عبداللہ محمد بسطاجی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"توحید کے مظاہر خود تیرے وجود کے ہر ذرے سے ثابت ہیں لیکن تو اس کا تقاضا پورا نہیں کرتا۔"

(۵) ابو الفضل محمد بن حسن ختلی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں مصلحت ہوتی ہے۔ وہ جب چاہتا ہے تو ایک سپاہی زادے کو بھی شاہی تاج پہناتا ہے۔"

(۶) ابو القاسم عبدالکریم قشیری ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"صوفی کی مثال سرسام کی بیماری جیسی ہے جس کے اول میں ہذیان اور آخر میں سکوت ہوتا ہے۔"

(۷) ابو العباس احمد بن اشقانی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"میں ایسی نیستی چاہتا ہوں جس کے لئے کبھی ہستی ہی نہ ہو۔"

(۸) ابو القاسم بن علی گرگانی ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"شرک کے اوہام باطلہ سے نجات پانے کے لئے پختہ عقیدہ اور توحید کے ساتھ بندگی کی ضرورت ہے۔"

(۹) ابو احمد مظفر بن حمدان ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے:

"جب حق تعالیٰ کا اختیار بندہ کے حق میں بقا پاتا ہے تو بندے کا اختیار خود بخود فنا ہو جاتا ہے۔"

تیرھواں باب

موجودہ زمانے کے صوفیہ کرام

موجودہ زمانے میں بھی بہت ارباب معانی ہیں جن میں بعض کے مبارک نام

یہ ہیں :-

شام اور عراق کے صوفیہ

(۱) شیخ زکی بن علاؒ (۲) ابوالحسن بن سالبہؒ۔
(۳) ابواسحاق ابن شہریار۔ (۴) ابوالحسن علی بن بکرانؒ۔
(۵) ابومسلم ہرویؒ (۶) ابوطالبؒ

آذربائیجان کے صوفیہ

(۱) شیخ شفیق زنجانیؒ۔ (۲) ابوعبداللہ جنیدیؒ
(۳) ابوطاہر مکشوفؒ (۴) خواجہ حسن سمنانی
(۵) شیخ سہلکیؒ (۶) احمد بن شیخ خرقانیؒ

کرمان کے صوفیہ

(۱) خواجہ علی بن حسینؒ (۲) شیخ محمد بن سلمہؒ

خراسان کے صوفیہ

(۱) ابوالعباس دامغانیؒ (۲) ابوجعفر محمد بن علیؒ
(۳) ابوجعفر ترشیزیؒ (۴) خواجہ محمود نیشاپوریؒ
(۵) شیخ محمد معشوقؒ (۶) مظفر ابن ابوسعیدؒ
(۷) شیخ جمادی سرخسیؒ (۸) شیخ احمد سمرقندیؒ
(۹) شیخ ابوالحسن علی بن ابی علی الاسودؒ۔

ماوراء النہر کے صوفیہ

(۱) ابوجعفر محمد بن حسین حرمیؒ (۲) خواجہ فقیہؒ
(۳) ابومحمد پاسغریؒ (۴) احمد ایلاقیؒ
(۵) علی ابن اسحاقؒ (۶) ابوالفضل بن اسدیؒ
(۷) اسماعیل شاشیؒ (۸) شیخ سالار طبریؒ
(۹) محمد بن حکیمؒ (۱۰) سعید بن ابی سعیدؒ
(۱۱) ابوالعلاء عبدالرحیم (۱۲) شیخ اوحد قسورۃ بن محمد جندیریؒ۔

چودھواں باب

صوفیہ کے فرقے

صوفیہ کرام کے بارہ گروہ ہیں جن میں دو گروہ مردود اور باقی دس مقبول ہیں اگرچہ ان فرقوں کی ریاضت و مجاہدہ میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن توحید و شریعت کے اصول و فروع میں سب ایک ہی ہیں میں ان سب کا بالاجمال تذکرہ کرتا ہوں تاکہ اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں کی اصلاح کا موجب ہو۔

(۱) فرقہ محاسبیہ

یہ ابو عبداللہ حارث ابن اسد محاسبیؒ کا پیرو ہے۔ آپ اپنے وقت کے بہت مقبول اور عارف باللہ تھے۔ اس فرقہ کے نزدیک "رضا" تصوف کے مقامات میں سے کوئی مقام نہیں بلکہ یہ احوال بندہ سے تعلق رکھتی ہے۔

(۲) فرقہ قصاری

یہ ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصارؒ کا پیرو ہے۔ آپ ملامت کو پسند کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے: "تیرے پاس اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم مخلوقات کے علم سے اچھا اور پختہ ہونا چاہئے"۔

(۳) فرقہ طیفوریہ

یہ گروہ ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان بسطامیؒ کا پیرو ہے۔ آپ کا طریقہ غلبہ اور مستی کا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے کہ "طریقت میں صرف اس شخص کی اقتداء کرنی چاہئے جو احوالِ گردش سے نجات پا جائے اور اس کی طبیعت سکر پر قائم ہو"۔

(۴) فرقہ جنیدیہ

یہ گروہ ابوالقاسم جنید بن محمدؒ کی اتباع کرتا ہے آپ سید الطائفہ اور طاؤس العلماء کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ آپ کا طریقہ طیفوریوں کے برعکس صحو پر قائم ہے۔ آپ کا مسلک نسبتاً زیادہ مقبول ہے اکثر برگزیدہ مشائخ اسی مسلک پر ہوتے ہیں۔ اس فرقہ کے نزدیک کسی صاحب کمال کی صحبت سے

استفادہ کے لیے ہوش میں ہونا ضروری ہے۔

(۵) فرقۂ نوری

یہ گروہ ابوالحسن احمد بن محمد نوری کا اتباع کرتا ہے۔ یہ صوفی علماء میں بہت بلند پایہ اور نیک خصلت عالم تھے۔ اہلِ تصوف کے نزدیک آپ کا مسلک کافی پسند کیا جاتا ہے۔ اس فرقہ کے اصول میں کسی اہلِ کمال کی صحبت سے استفادہ کے لیے "ایثار" کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر دستور زندگی قابلِ اعتماد نہیں۔

(۶) فرقۂ سہیلیہ

یہ گروہ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کا پیرو ہے۔ آپ اپنے زمانے کے روحانی بادشاہ تسلیم کئے جاتے تھے آپ کا طریقہ اجتہاد اور ریاضت کا طریقہ ہے کیونکہ ریاضت و مجاہدہ انسان کو راہِ راست پر لاتا ہے۔

(۷) فرقۂ حکیمیہ

یہ گروہ ابوعبداللہ محمد بن علی ترمذیؒ کا اتباع کرتا ہے۔ آپ حکیم ترمذیؒ کے نام سے مشہور تھے۔ ظاہری اور باطنی علوم میں اپنے وقت کے امام تھے۔ آپ کا طریقہ روحانیت اور ولایت کی بنیاد پر قائم ہے۔

(۸) فرقۂ خرازیہ

یہ گروہ ابوسعید خرازؒ کی پیروی کرتا ہے۔ تجرید و انقطاع میں آپ بڑی شان رکھتے تھے۔ تصوف میں فنا و بقا کی اصطلاحات آپ ہی نے وضع کی ہیں۔ آپ کے تمام ملفوظات ان ہی دو لفظوں پر مبنی ہیں۔

(۹) فرقۂ خفیفیہ

یہ گروہ ابوعبداللہ محمد بن خفیفؒ شیرازی کا اتباع کرتا ہے علم طریقت میں آپ کی کئی کتابیں ہیں۔ آپ ظاہری اور باطنی علوم میں یکتائے روزگار تھے آپ کا طریقہ غیبت اور حضور پر مبنی ہے۔

(۱۰) فرقۂ سیاریہ

یہ فرقہ ابوالعباس سیاری کا پیرو ہے۔ آپ تمام علوم میں اپنے وقت کے امام تھے۔ آپ کا طریقہ جمع و تفریق پر قائم ہے۔

مردود گروہ

ان مذکورہ بالا دس گروہوں کے علاوہ دو مردود گروہ ہیں جو کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے خلاف سراسر باطل عقائد کے حامل ہیں ان میں سے ایک کا عقیدہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ میں سرایت کرتا ہے اور دوسرا گروہ روح کو ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف منتقل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور جہالت سے اپنے ان خیالات کو ابو حلمان دمشقی، اور حسین بن منصور حلاج کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حلول اور تناسخ کا یہ عقیدہ قرامطوں، باطنیوں اور ہندوؤں میں پایا جاتا ہے جو بالکل خلافِ توحید اور تحقیق ہے ؛

مصطلحاتِ صوفیہ

(۱) رضا

رضا تصوف کے مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حق تعالیٰ کی رضا (۲) بندہ کی رضا

بندہ کے حق میں اللہ کی رضا فضل و کرم اور ثواب کا ارادہ کرنا ہے اور بندہ کی رضا۔ اللہ کے احکام پر قائم رہنا ان کو بجا لانا اور اس کی مشیت کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے ؛

(۲) حال و مقام

اپنی روحانی قوت و توفیق کے مطابق بارگاہ خداوندی میں درجہ حاصل کرنے کا نام مقام ہے اور کسب و مجاہدہ کے بغیر محض حق تعالیٰ کے فضل سے نکات و معانی کا دل پر نزول حال ہے گویا مقام عمل کی قسم ہے اور حال اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ بزرگی ہے ؛

(۳) صحو و سُکر

ہوش کی حالت میں ذکر و عبادت کرنا صحو ہے بے ہوشی اور اللہ تعالےٰ

کے عشق و محبت کے غلبہ کا نام شکر ہے ⁂

(۴) ایثار

ایثار اپنے مسلمان بھائی کی اعانت کے لئے مستعد رہنا اور اس کی آسائش کے لئے اپنا حق چھوڑ دینا ہے۔ ایثار کی دو قسمیں ہیں صحبت کا ایثار۔ اور محبت کا ایثار۔ صحبت کا ایثار اپنے ہم نشین کے حقوق کی پوری حفاظت ہے اور محبت کا ایثار۔ اپنی محبوب ترین چیز کو قربان کرنا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک ایثار کے بغیر حق کا پالینا محال ہے ⁂

(۵) نفس اور اس کی حقیقت

نفس کے لفظی معنی ذات اور وجود کے ہیں لیکن صوفیہ نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں ایک گروہ رُوح کو، دوسرا جسم کو اور تیسرا ضمیر کو نفس کہتا ہے لیکن فی الحقیقت نفس اور رُوح ایک ہی لطیف اور پاکیزہ شے کا نام ہے نفس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) نفسِ امارہ (۲) نفس لوامہ (۳) نفس مطمئنہ

نفس امارہ انسان کو برائی اور خدا کی حکم عدولی کی طرف ترغیب دلاتا ہے نفس لوامہ انسان کو کئے پر نادم اور پشیمان کر دیتا ہے اور مطمئنہ ذکر و عبادت کی تحریص دلاتا ہے اور اسی سے فروغ پاتا ہے ⁂

(۶) ولایت

تصوف اور معرفت کی بنیاد ولایت پر ہے اس کے لفظی معنی تو سچی اور مخلصانہ دوستی کے ہیں لیکن صوفیہ کے نزدیک ولایت ایک مستقل جذبہ عشق و محبت کا نام ہے جو عاشق کو معشوق کی ذات میں محو اور مستغرق کر دے اس معنی کی رُو سے ولی کے معنی ہیں، اللہ کا سچا اور مخلص دوست جو اس کی اطاعت سے ذرہ بھر بھی سرتابی نہ کرتا ہو ⁂

(۷) کرامت

خلاف عادت چیز کا ظاہر ہونا کرامت ہے اہل سنت و جماعت کے نزدیک اللہ کے ایک سچے ولی سے کرامت کا ظہور ممکن اور جائز ہے اور یہ لوگ اکثر

کی تائید و اعانت سے مافوق العادت چیزوں کے اظہار پر قدرت رکھتے ہیں ۔

(۸) کرامت اور معجزہ میں فرق

کرامت اور معجزہ دونوں خارق عادت ہیں لیکن کرامت ولی سے محقق ہے اور معجزہ نبی سے ۔ کرامت کا اظہار ضروری نہیں لیکن معجزہ کا اظہار ضروری ہے کیونکہ اس سے منکرین پر اتمام حجت مقصود ہوتا ہے ۔

(۹) فنا و بقا

فنا و بقا کے لفظی معنی عدم اور دوام کے ہیں لیکن دنیائے تصوف میں ان کا تصور مختلف ہے صوفیہ کہتے ہیں کہ اوصاف محمودہ کے پیدا ہونے سے اوصاف ذمیمہ خود بخود دور ہو جاتے ہیں پس جہل کی فنا علم حق کو اور غفلت و نافرمانی کی فنا اطاعت و فرمانبرداری کو مستلزم ہے ۔ اسی طرح جب بندہ عشق الٰہی میں فنا ہو کر بقا پاتا ہے ، تو ماسوی اللہ بلکہ خود اپنی ذات سے بھی فانی ہو جاتا ہے ۔ غرض یہ کہ صوفیہ کرام ان دو لفظوں کو جب استعمال کرتے ہیں تو ان سے مراد ان کی فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہی ہوتی ہے ۔

(۱۰) غیبت و حضور

حضور کے معنی یقینی دلالت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور دل کا حاضر ہونا ہے اور غیبت ماسوی اللہ بلکہ اپنے آپ سے بھی غائب ہونا ہے پس اپنے آپ سے غائب ہونا اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کی دلیل ہے اس لئے کہ غیبت بارگاہ حق میں حاضر ہونے کا راستہ ہے ۔

(۱۱) جمع و تفرقہ

لفظی اعتبار سے بکھری ہوئی چیزوں کو یکجا کرنے کو جمع اور اکٹھی کی ہوئی چیزوں کو بکھیرنا تفرقہ ہے لیکن صوفیہ کے نزدیک اپنی تمام خواہشات کو ذات حق میں اس طرح جمع کرنا گیا ذات حق کے سوا اس کے ذوق و شوق اور آرزو کا اور کوئی مرجع ہی نہیں جمع ہے اور اس کے برعکس تفرقہ ہے ۔

(۱۲) روح کی حقیقت

روح کیا ہے ؟ اس میں لوگوں نے کافی اختلاف کیا ہے کوئی اسے قدیم اور جوہر لطیف کہتا ہے کوئی حادث اور عرض لیکن جس کو حق نے نور بصیرت

عطا فرمایا ہے وہ جانتا ہے کہ روح خالق کائنات کا ایک "امر" ہے جس میں حیات بخشی کے غیر فانی عناصر موجود ہیں۔ یہ جب کسی قالب میں آتی ہے تو حق تعالیٰ کی علوت، مجریہ کے تحت اس میں زندگی اور زندگی کے جملہ خواص پیدا ہو جاتے ہیں غرض یہ کہ روح حق تعالیٰ کی مخلوق اور عالم امر سے تعلق رکھتی ہے ؛

پہلا کشف

عرفانِ الٰہی

معرفت کے معنی ہیں پہچانتا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی معرفت کے سوا اور کسی چیز کے لئے پیدا نہیں کیا ہے پس حق تعالیٰ کی معرفت ہر انسان کے لئے فرض ہے اور جس شخص کو ذات اور صفاتِ الٰہی کی معرفت حاصل نہیں وہ زندہ درگور اور حق تعالیٰ کی نظر میں قطعی بے قیمت ہے لیکن یہ یاد رہے کہ معرفتِ الٰہی عقل و فہم کی صحت پر موقوف نہیں بلکہ اس کی علت مشیّت اور عنایت ایزدی ہی ہے ؛

دُوسرا کشف

توحید

یہ یاد رکھو کہ انسان کی زندگی میں بنیادی شے توحید ہے کیونکہ حق تعالیٰ دوسرے گناہوں کے باوصف توحید صرفہ کی برکت سے ایک عاصی کو معاف فرماتا ہے پس ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو یگانہ اور بے مثل جانے۔ اس کے افعال و احکام میں اس کا کوئی شریک نہ بنائے اور ہر اس فعل و حرکت سے اجتناب کرے جو توحید محض کے تقاضا کے منافی ہو ؛

تیسرا کشف

ایمان

ایمان کے لفظی معنے ہیں باور کرنا اور شریعت و حقیقت کی اصطلاح میں

حق تعالیٰ کی وحدانیت پر اس کے رسولوں اور کتابوں پر اس کے فرشتوں پر، قیامت، حشر نشر پر، حساب و میزان پر، جزا و سزا پر، جنت و دوزخ پر، مرنے کے بعد جی اٹھنے اور تقدیر کے عوامل پر محکم اور غیر متزلزل یقین رکھنا ایمان ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا پسندیدہ عقیدہ ہے۔ معتزلہ اور خوارج اقرار و عمل کو ایمان کہتے ہیں۔ اس لئے وہ گناہ و نافرمانی کو موجب کفر خیال کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ دلی تصدیق و یقین اصل ہے اور امور شرعی کی رعایت و اطاعت اس کی فرع ہے پس تصدیق کے بغیر مغفرت ممکن نہیں اور عمل کے بغیر مغفرت ممکن تو ہے لیکن عذاب سے قطعی نجات ممکن نہیں۔

چوتھا کشف

طہارت

ایمان لانے کے ساتھ ساتھ عبادات ادا کرتے وقت جس طرح ظاہری اور جسمانی طہارت ضروری ہے اسی طرح دل اور باطن کی طہارت بھی لازمی ہے اگر وضو کے بغیر نماز درست نہیں تو دل کی طہارت کے بغیر معرفت بھی درست نہیں غرض یہ کہ جب کوئی بارگاہِ ایزدی میں ظاہری طہارت سے آراستہ ہو کر جائے تو اس کو چاہیئے کہ وہ باطنی طہارت سے بھی آراستہ ہو۔ اس کا باطن نفاق، حسد، بغض، کینہ وغیرہ آلائشوں سے پاک اور توحید خالص سے آباد ہو ورنہ اس کی کوئی بھی عبادت معتبر نہ ہو گی۔

پندرھواں باب

توبہ

توبہ کے معنی ہیں اپنے گناہوں پر نادم اور پشیمان ہو کر حق تعالیٰ کی طرف جھکنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا مصمم عزم کرنا حضور اکرم صلعم کا ارشاد ہے "گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا معصوم ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں" شریعت و حقیقت میں توبہ ایک بنیادی چیز ہے ـــــ اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) گناہ سے توبہ کر کے حق کی طرف مائل ہونا (۲) ایک حق سے دوسرے حق کی طرف (۳) اپنے آپ سے توبہ کر کے خدا کی طرف راجع ہونا ہے۔

پانچواں کشف

نماز

نماز کے معنی ہیں ذکر، دعا اور فرمان برداری یہ اسلام کا دوسرا رکن ہے جس کی قرآن اور احادیث میں بہت تاکید وارد ہے۔ ایک سچے نمازی کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ اس کا ظاہر ہر قسم کی نجاست دنیا پاکی سے پاک ہو وہاں اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ اس کا دل و باطن شرک و شہواتِ نفسانیہ سے پاک ہو۔ اگر اس کا ظاہری قبلہ خانۂ کعبہ ہو تو اس کا باطنی قبلہ عرش عظیم ہو۔ غرض یہ کہ نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی سے بندہ میں بندگی کے تمام اوصاف اجاگر ہو جاتے ہیں اور یہی معمول اللہ کے تقرب کا سب سے سہل ذریعہ ہے۔

سولھواں باب

محبّت

دراصل محبت ایک ایسی کیفیت قلبی کا نام ہے جسے الفاظ میں ادا کرنا محال ہے تاہم بعض بزرگوں نے اس کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ دوستی میں صفائی اور خلوص کا نام محبّت ہے اور فطری طور پر اللہ کی محبّت بندے کو اور بندے کی محبت اللہ کو تمام چیزوں سے زیادہ پسند و عزیز ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اللہ کی محبّت (۲) بندے کی محبت

اللہ کی محبت بندے کے حق میں اس کا رحم و کرم اور بلند احوال و مقامات سے بندے کو سرفراز کرنا ہے اور بندے کی محبت اللہ کے حق میں اس کے اوامر کو بجا لانا۔ اس کے مناہی سے باز رہنا اور اس کی خالص توحید سے دینا ئے دل کو معمور کرنا ہے۔

چھٹا کشف

زکوٰۃ

زکوٰۃ کے معنے ہیں نمو اور تزکیہ۔ یہ اسلام کا تیسرا رکن ہے جو حسب نصاب

پر واجب ہے۔ اس کا مقصد شکرِ نعمت اور تزکیہ مال ہے ۔۔۔۔ اہل طریقت کے نزدیک جس طرح ظاہری نعمتوں میں زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے ۔ اسی طرح باطنی نعمتوں میں بھی زکوٰۃ دینا واجب ہے۔ باطنی اور روحانی نعمتوں کی زکوٰۃ حفظِ توحید، کثرتِ ذکر اور تزکیہ نفس ہے۔

سترھواں باب

جُود و سخا

علماء لغت نے جود و سخا کو ہم معنی کہا ہے لیکن اہل معنی نے جود و سخا میں فرق بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سخی کی سخاوت کسی ذاتی غرض کے لئے ممکن ہے لیکن جود میں اپنے بیگانے کی کوئی تمیز ملحوظ نہیں ہوتی جود و عطا صوفیہ کرام کی ایک کمترین صفت ہے۔ اختیاری صورت میں ہو یا اضطراری صورت میں۔ وہ اپنا نفس، عزت، اولاد اور املاک محبوبِ حقیقی کی راہ میں بیغرض خرچ کرتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی محبت سے غنی ہوتے ہیں۔

ساتواں کشف

روزہ

ماہِ رمضان کے باضابطہ روزے ہر مسلمان عاقل و بالغ پر از روئے شریعت فرض ہیں۔ روزے کے معنے اپنے تمام جسم اور جملہ حواس کو خلاف شرع امور کے علاوہ کھانے پینے اور مباشرت وغیرہ سے باز رکھنا ہے اور محض کھانے پینے سے باز رہنا اور صوم کے آداب و شرائط کا کوئی لحاظ نہ کرنا روزہ نہیں مقصد اس کا انضباطِ نفس اور حیوانی خواہشوں کو مغلوب کرنا ہے۔ طریقت و سلوک میں روزہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ اہل راز حق تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کی خاطر بحالت مراقبہ چالیس دن بھوکے رہتے ہیں اس سے ان کی مجلس میں صفائی اور روح میں لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔

آٹھواں کشف

حج

عینی فرائض میں سے ایک فرض حج ہے جو صاحبِ استطاعت مسلمان بالغ اور صحیح العقل پر واجب ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حج سے مقصود محض بیت اللہ کا دیدار اور پتھروں کی زیارت نہیں بلکہ اس سے مقصود صاحبِ خانہ کی حضوری اور مشاہدہ، دل کو حرص دنیوی اور خیالات باطلہ سے پاک کرنا اور اپنے نفس کو فنا کے میدان میں قربان کر کے ذاتِ الٰہی کے لئے خالص ہونا ہے ❖

اٹھارواں باب

کشف و مشاہدہ

تجلیاتِ الٰہیہ کا دیدار اہلِ طریقت کے نزدیک کشف و مشاہدہ ہے اور اہلِ سنت والجماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شخص مجاہدہ میں رہتا ہے اور اپنی ظاہری آنکھوں کو محرمات سے بچائے رکھتا ہے وہ ضرور حق تعالیٰ کے جمال اور تجلیات کا مشاہدہ کر لیتا ہے اور بار بار مجاہدہ کی وجہ سے وہ اس مقام پر پہنچتا ہے کہ یہ تمام کائنات محبوبِ حقیقی کی صورت اختیار کر جاتی ہیں اور اس کو کائنات میں کوئی ایسی چیز دکھائی نہیں دیتی جس میں حق تعالیٰ کا جلوہ نہ ہو۔ دراصل یہ عشق و محبت کا آخری مرحلہ ہے جسے احسان کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں ❖

نواں کشف

آدابِ صحبت

دین اور دنیا کے جملہ امور کی زینت ادب سے ہے دنیا کی کوئی رسم ایسی نہیں جو آداب سے خالی ہو حفظِ ادب سے جہاں انسان میں شفقت و مروّت کے مبارک احساسات پیدا ہوتے ہیں وہاں اس سے حق تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی ہے ولایت کا انحصار اتباعِ سنت پر ہے لہٰذا تارک الادب ولایت کا مقام حاصل

نہیں کر سکتا۔ ادب یہ ہے کہ صحبت اور مجلس میں ہر ناشائستہ قول و فعل سے اجتناب کرے اور جب بارگاہِ حق میں حاضر ہو تو اس کے حضور کا خیال رکھے اور ایسی روش اختیار کرے جو صاحب حشمت بادشاہوں کے دربار میں اختیار کی جاتی ہے۔

اہلِ تصوّف کی صحبت

مُرید کے لیے سب سے مشکل چیز تو آدابِ صحبت کی حفاظت ہے لہٰذا اسے حقوقِ صحبت کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیئے۔ حفظِ مراتب کا خیال رکھے اور ہر شخص کو اپنے درجے میں رکھے۔ بزرگوں کی عزت، ہم عمروں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کرے۔

کھانے کے آداب

غذا کے بغیر انسان کا جینا مشکل ہے مگر شرط یہ ہے کہ کھانے پینے میں حد سے نہ بڑھے اور غذا ہی کو مقصدِ حقیقی قرار دے کر بہائم کی طرح اس میں منہمک نہ رہے اور جب کھائے تو تنہا نہ کھائے بلکہ غربا اور حاجت مندوں کو بھی یاد کرے ہاتھ دھو کر کھائے اور جب کھا کر فارغ ہو جائے تو خدا کی حمد و ثنا کرے۔

چلنے پھرنے کے آداب

بندہ کو چاہیئے کہ ہمیشہ عجز و آہستگی سے قدم رکھ کر چلے اور چلتے وقت اِدھر اُدھر نظر نہ کرے اور اگر کوئی مسلمان سامنے سے آرہا ہے تو اس کو سلام کرے

نیند کے آداب

تمام صحت کے لیے سونا ہی پڑتا ہے لیکن اس میں حدِ اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کیونکہ جو شخص زیادہ سوتا ہے وہ غافل ہو جاتا ہے اور خدا سے غافل ہونا حجاب ہے بالخصوص رات کے نصف آخر میں بیدار رہنا انبیا و اولیاء کی پسندیدہ سنت ہے جس سے دل کو حیات و طمانیت حاصل ہوتی ہے الغرض کثرتِ نیند حجاب اور غفلت کی علامت ہے۔

گفتگو کے آداب

ہر چند قوت گویائی حق تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک بڑی نعمت ہے لیکن اس کے آفات اور فتنے بھی بڑے ہیں حضور اکرم صلعم کا ارشاد ہے: اپنی امت کے معاملے میں جس چیز سے مجھے سب سے زیادہ خدشہ ہے۔ وہ زبان ہے۔ پس مومن خصوصاً

مرید باصفا کو چاہیئے کہ گفتگو کرتے وقت اپنی بات کی ابتداء اور انتہا پر خوب غور کرے کہ آیا اس کی گفتگو صداقت پر مبنی ہے یا نہیں اگر نہیں تو خاموشی اختیار کرے۔ بولے تو بالکل کم اور ہر بات حکمت و معرفت کا پہلو لیئے ہوئے ہو۔

سوال کے آداب

ارشادِ الٰہی ہے کہ خدا کے سچے بندے لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور جب ان سے کوئی سوال کرے تو پھر اس کا سوال رد بھی نہیں کرتے۔ بہر حال جہاں تک ہو سکے مسلمان خدا کے سوا کسی سے سوال نہ کرے کیونکہ غیر اللہ سے مانگنا، خدا سے منہ پھیرنا یا اس کی اعانت کو ناکافی سمجھنا ہے جو صریح شرک ہے ہاں اشد ضرورت، تنگدستی اور افلاس کا مخلوقِ خدا کے سامنے اظہار ممنوع نہیں بلکہ حضورؐ نے نیک سیرت، عجز اور صاحبِ جلال لوگوں سے سوال کی اجازت دی ہے اور اگر یہ بالکل ناجائز ہو تو پھر زکوٰۃ و صدقات کہاں جائیں؟

اکیسواں باب

نکاح

حضور اکرم صلعم کا ارشاد ہے کہ "مجھے حق تعالیٰ کی تمام نعمتوں سے عورت زیادہ مرغوب ہے"۔ اس لیئے کہ ایک نیک سیرت و صاحبِ جمال خاتون کی صحبت انسان کے دین و دنیا دونوں کو مہذب بنا دیتی ہے اور انسان کو معراجِ کمال تک پہنچانے میں عورت کی خدمت و اطاعت اور مخلصانہ محبت و رفاقت کا بڑا دخل ہے۔ تنہائی وحشت اور صحبت سعادت کا گھر ہے پس جسے نکاح کی توفیق ہو، بیوی کے حقوق کے ساتھ حق تعالیٰ کے حقوق کو بجا لانے کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے لیئے نکاح لازمی ہے اور اتباعِ سنت بھی لیکن جسے بے بسی اور حیوانی رجحانات اور دل کا غیر اللہ کی محبت میں مکمل طور پر کھو جانے کا اندیشہ ہو تو تجرد افضل ہے۔

صوفیہ کی مصطلحات

محاضرہ: محاضرہ حاضر ہونے سے ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں تصورِ قلب کی حق ہے۔

میں بولا جاتا ہے۔
مکاشفہ: مکاشفہ کا مطلب ہے حقیقت کا خدوخال واضح ہو جانا جس کے بعد مرید باصفا کو مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔
قبض: قبض کے معنی ہیں تنگی۔ اس سے مراد حجاب کی حالت میں دل کی تنگی۔ درد و کرب۔
بسط: بسط کے معنے ہیں کشادگی۔ اس سے مراد کشف کی حالت میں دل کی کشادگی کیف و سرور۔
اُنس: انس کی حالت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب حق تعالیٰ بندہ کے دل پر شہودِ جمال سے تجلی فرماتا ہے۔
ہیبت: اور ہیبت کی حالت بندہ کے دل پر جلال کے مشاہدہ کے وقت پیدا ہوتی ہے۔
قہر: اس سے مراد حق تعالیٰ کی صفت قہاریت کا پرتو ہے۔ یہ طبعِ صوفیہ کی ایک صفت ہے۔
لطف: اس سے مراد حق تعالیٰ کی صفت لطف کا عکس ہے یہ بھی صوفیہ کی صفت ہے۔
نفی: بشریت کے اوصاف و خواہشات کو محو کرنے کو نفی کہتے ہیں۔
اثبات: حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ثابت کرنے کو اثبات کہتے ہیں۔
مسامرہ: رات کے وقت عابد کا وہ وقت جس میں وہ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول ہوتا ہے مسامرہ کہلاتا ہے۔
محادثہ: دن کے اوقات میں وہ وقت جس میں عابد حق تعالیٰ کے ساتھ سوال و جواب میں منہمک ہو۔
علم الیقین: کسی چیز کے وجود کے متعلق یقین کے ساتھ علم، علم الیقین کہلاتا ہے۔
عین الیقین: کسی چیز کے وجود کے متعلق علم یقینی کے ساتھ اسے آنکھوں سے دیکھنا عین الیقین ہے۔
حق الیقین: مشاہدہ کے بعد اس چیز کے بارے میں کامل اطمینان حاصل کر لینا حق الیقین کا درجہ ہے۔ یہ تینوں حق کے دیدار کے درجات ہیں۔

علم: الفاظ و عبارات کے جاننے کو کہتے ہیں۔
معرفت: کسی چیز کے معنے اور حقیقت کے جاننے کو معرفت کہتے ہیں۔
شریعت: خدا کے وہ احکام جو بندہ کے اعضاء و جوارح سے تعلق رکھتے ہیں شریعت ہے۔
حقیقت: باطنی اوصاف کی تکمیل اور تزکیہ قلب حقیقت ہے۔ شریعت و حقیقت دونوں لازم و ملزوم ہیں اور ایک سچے مومن کے لئے دونوں کا اجتماع فرض ہے۔

گیارھواں کشف

سماع

حصولِ علم کے پانچ ذرائع ہیں جنہیں حواسِ خمسہ کہتے ہیں۔ ان میں سے قوتِ سامعہ کو قوتِ باصرہ اور دوسرے حواس پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک دستورِ شرائع کا پہلا ذریعہ ہی قوتِ سامعہ ہے۔ دنیا میں جتنے انبیاء تشریف لائے انہوں نے پہلے احکامِ الٰہی سنائے پھر لوگ ایمان لائے۔

سماعتِ قرآن

تمام سننے والی چیزوں میں سماعتِ قرآن کا درجہ بہت بلند ہے۔ کیونکہ اس سے دل و دماغ میں فروغ یقین و ایمان میں توانائی اور اشیائے کائنات کے متعلق حیات افروز درس ملتا ہے کیونکہ اول سے آخر تک الہام ربانی ہے۔

اشعار کا سماع

اشعار نثر کی طرح اچھے اور برے دونوں قسم کے ہوتے ہیں صوفیہ نے ان اشعار کے سننے کو بالکل جائز قرار دیا ہے جو اسلام و ایمان کی وضاحت، اخلاق حسنہ کے درس دیتے اور خالق کائنات کے شواہد و معارف کے آئینہ دار ہوں البتہ شرک، بدعت، فسق و فجور اور محرماتِ شرعیہ کا تذکرہ جس طرح نثر میں مذموم ہے ویسے ہی نظم میں۔

آدابِ سماع

جو شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے سریلی آواز اور روح پرور نغمہ و ترنم اچھے نہیں لگتے وہ بے حسی اور کور ذوقی کے باعث چوپاؤں سے بھی بدتر ہے۔ طبائع

مختلف ہیں اور کوئی شخص تمام لوگوں پر ایک حکم نہیں لگا سکتا۔ بہرکیف جو شخص حسِ لطیف سے عاری نہ ہو وہ اچھی اور متوازن آوازوں سے کیف و سرور حاصل کر لیتا ہے۔

اچھی آوازوں کے سننے سے جو معانی اور جذبات دل میں پیدا ہوتے ہیں اگر وہ حق ہوں تو طبیعت حق کی طرف مائل ہوتی ہے اگر وہ باطل ہوں تو طبیعت میں باطل راسخ ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر کسی کی طبع میں فساد ہی ہو تو وہ جو کچھ بھی سُنے گا سبب فساد ہوگا۔ گویا سماع آفتاب کی مانند ہے جو سب چیزوں کو روشن کرتا ہے مگر اس کی روشنی اور حرارت چیزوں کی صلاحیت کے مطابق اثر انداز ہوتی ہے کسی پر کم اور کسی پر زیادہ — البتہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سماع حسب ضرورت اور کافی دیر کے بعد کرنا چاہیئے اسے عادت کے طور پر بالکل نہ اختیار کیا جائے تاکہ دل میں اس کی تعظیم قائم رہے۔

سماع اور رقص

شریعت و طریقت دونوں رقص کے عدم جواز پر متفق ہیں۔ مشائخ نے ہر جگہ اس کی شدید مذمت کی ہے۔

وجد: راحت یا مصیبت سے خوشی یا غم کا تاثر وجد کہلاتا ہے یہ رقص سے بالکل جداگانہ چیز ہے۔

اور یا طالب و مطلوب کے درمیان ایک بھید ہے جو صرف وجدان ہی میں محسوس ہوتا ہے الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ